بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝

الحمد للہ کہ کتابِ مستطاب

حضرت مجدد الفِ ثانی

قدس سرہ السامی

تالیف

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی

مؤلف: عمدۃ الفقہ، زبدۃ الفقہ اور عمدۃ السلوک وغیرہ

باہتمام

جناب محمد حسین صاحب کاپڑیا، ۱۳۹ لکشمی داس اسٹریٹ کراچی ۲

۱۹۷۲ء
۱۹۷۵ء

سنہ ۱۳۹۲ھ
۱۳۹۵ھ

ادارہ مجددیہ، ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

سے شائع ہوئی

قیمت ۳۶ روپے

مطبوعہ افریشیا پرنٹنگ پریس کراچی

مجمل فہرست مضامین

مفصل فہرست مضامین

حضرت مجددؒ کے معمولات ۲۴۰

حضرت مجددؒ کے کشف و کرامات ۲۶۲

حضرت مجددؒ کی تصانیف عالیہ ۶۷۶

حضرت مجددؒ کی اولاد امجاد ۶۸۸

حضرت مجددؒ کے خلفائے عظامؒ ۷۲۴

حضرت مجددؒ کے مکتوب الیہم ۸۰۱

ضمنی تذکرے

مقدمہ طبع ثانی

الحمد للہ ذی الانعام والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الانام وعلیٰ آلہ الکرام وصحبہ العظام۔ اما بعد حق سبحانہ وتعالیٰ جل سلطانہ کا بے حد وبے انتہا فضل وکرم اور احسان ہے کہ اُس نے ہماری اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمایا اور کتاب کے منظرِ عام پر آتے ہی قبولیتِ عامہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پہلا ایڈیشن مختصر وقت میں ختم ہو گیا۔

بفضلہ تعالیٰ اب کتابِ ہذا کا دوسرا ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے جس میں ترمیم اور ضروری اضافوں کا بطورِ خاص اہتمام اور کتاب کی تاریخی اور تحقیقی حیثیت کو مزید وقیع بنانے کا التزام کیا گیا ہے ان اضافات میں خاص طور پر قابلِ ذکر وہ نادر ونایاب رسالہ بھی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ مولانا محمد صالح کولابیؒ نے خود حضرت مجددؒ سے اجازت حاصل کرکے حضرتؒ کے روز وشب کے معمولات کو قلمبند کیا تھا اس کا ترجمہ شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے۔ ہم اس ضمن میں مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی کے ممنونِ احسان ہیں کہ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے یہ نادر نسخہ ہمیں عنایت فرمایا۔

نیز موجودہ ایڈیشن کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ کتابِ ہذا میں جن بزرگوں کا ذکر آیا ہے اُن میں سے اکثر پر مختصر حواشی بھی دیدیئے گئے ہیں، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوب الیہم کے تعارفی ترقیمات میں خاصا اضافہ کیا گیا ہے اور ان سب کو فہرستِ مضامین میں "ضمنی تذکرے" کے عنوان کے تحت حروفِ تہجی کے اعتبار سے درج کر دیا گیا ہے امید ہے کہ ناظرین پسند فرمائیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

احقر زوّار حسین عفا اللہ عنہ

۲۱ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

تعارف

بسمہ سبحانہ وبحمدہ وصلی علی حبیبہ وآلہ وسلم

حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات میں اتنے فضائل وکمالات جمع فرما دیئے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور کمال کو حیرت بنا دیتا ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اور اس پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ ایسے محاسن اور کمالات ایک ذات میں کیسے جمع ہو گئے۔

لیس علی اللہ بمستنکر   ان یجمع العالم فی واحد

حضور اکرم رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کا یہ ثمرہ ہے کہ ہر ایک صنف کمال میں آپ بے نظیر و بے مثال ہوئے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف اقوال و اعمال میں آپنے اتباع کیا ہے بلکہ جذبات و واردات اور احوال روحانیہ میں بھی حضرت مجددؒ کی زندگی میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اسلئے حضرت مجددؒ کی سوانح حیات سے اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ اخلاق۔ روحانی ترقیات غرض یہ کہ دینی کوئی شعبہ ایسا نہیں جسمیں آپنے ہدایتیں نہ دی ہوں۔ اور ان ہدایات پر ہم عمل کر کے دینی و دنیوی فوز و فلاح نہ پا سکتے ہوں۔ اس بناء پر آپکے مجدد اعظم ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

آپکے تجدیدی کارنامے ایسے عظیم اور گرانقدر ہیں کہ جنسے اسلام کی نشاۃ ثا

کا آغاز ہوتا ہے۔ اور اس عہد ضلالت میں دین کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچایا ہے۔

ولایت کے سلسلے میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ان مدارج عالیہ تک پہنچایا ہے کہ جہاں طائر بلند پرواز تخیل کی رسائی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد علمائے ربانی و اولیائے سبحانی میں آپکی شان سب سے نرالی ہے۔

نگین گشت در حلقۂ اولیاء   چو در انبیا خاتم الانبیاءؐ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب دام مجدہ اور فضائل مآب مولوی محمد اعلیٰ صاحب زید فضلہ کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ انہوں نے بڑی محنت و جستجو سے حضرت مجددؒ کے مستند حالات جمع کئے اور انکی زندگی کے ہر ایک شعبہ پر تفصیلی معلومات بہم پہنچائے اور پھر اسکو منظر عام پر لائے۔ مسلمانوں پر یہ انکا احسان عظیم ہے کہ جسکی منت پذیری کی اب یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم اس مفید کتاب کی اشاعت میں پورا حصہ لیں۔

باقی اس محنت و جانفشانی کا اجر تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی انکو دیسکتا ہے میں نے جستہ جستہ بعض مقامات سے اس کتاب کو پڑھا ہے اور بہت پسند ہے

عبدہ محمد ہاشم مجددی کان اللہ لہ

۲۶/۵/۱۹۷۲ء کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۰۳۴ھ کی ذات ستودہ صفات دینی شہرت و قبولیت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت ممدوح کا شمار ان چند مخصوص ائمہ دین میں ہے کہ جن کے فیض ہدایت سے ایک عالم مستفیض ہوا۔ اور اولیاء اللہ کا ایک گروہ کثیر ان ازمنہ متاخرہ میں قرب الٰہی کے مقامات علیہ پر فائز ہوا۔ جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

حضرت شاہ عبد اللہ علوی المشتہر بہ شاہ غلام علی دہلوی المتوفی ۱۲۴۰ھ رحمہ اللہ نے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ

"ایشان مجدد الف ثانی اند و حقائق و دقائق و کثرت معارف الٰہیہ و فیض و برکات ایشان و افاضات کثیرہ کہ اصلاح دنیا نمودہ و مقامات عالیہ کہ در طریقہ خود بالہامات حق مقرر فرمودہ اند و آن مقامات قرب الٰہی است سبحانہ۔ علوم غیبیہ کہ در کتب صوفیہ این مقامات کہ ولایات ثلاثہ و کمالات ثلاثہ و حقائق سبعہ وغیرہ بیان نمودہ تجدید علوم صوفیہ علیہ فرمودہ اند محرر شدہ باشد فلا تکن من الممترین لیس بیست و صحیح بر مجدد بودن ایشان چنانچہ حضرت خواجہ معروف کرخی و حضرت غوث الثقلین و حضرت خواجہ معین الدین و حضرت خواجہ نقشبند و حضرت علاء الدولہ سمنانی و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم مجددان طریقہ صوفیہ بودہ اند و انوار علوم و معارف و فیوض اجمال التفصیل مجدد ایشان است۔ تشددات در ریاضات صوفیہ را توسط مقرر نمودن و اسرار توحید وجودی مراعات اخفا نمودن و دوام حضور در ہر لطیفہ از لطائف عشرہ داشتن و مدار ترقی را اتباع سنن حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقرر ساختن از خصائص طریقہ نقشبندیہ مجددیہ است کثر اللہ اہلہا رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ و افاض علینا برکاتہم فی الدنیا والآخرۃ آمین آمین آمین"

(مکاتیب شریفہ حضرت شاہ غلام علی ص ۵۵، ۲ شائع کردہ حکیم سیفی طبع لاہور ۱۳۷۱ھ)

اور ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مجددؒ کے تجدیدی منصب پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے

"در حدیث شریف آمدہ کہ در ہر صد سال مجددے پیدا می شود کہ امر دین را تازہ می نماید مجدد در سلاطین چنانچہ عمر بن عبد العزیز مجدد در امور دین و در علماء چنانچہ امام شافعی مجدد در صوفیہ معروف کرخی بودہ و اسرار علم امام غزالی مجدد در افاضہ فیوض و کثرت خوارق حضرت غوث الاعظم این مجددان امر دین را تقویت فرمودہ اند و شیخ جلال الدین سیوطی در عصر مجددیت و علم حدیث را رواج بخشیدہ و حضرت مجدد الف ثانیؒ در بیان مقامات طریقت

([illegible])

وحقیقت معاملہ در رسوخ و رواج دادن در علم دین با کثرت افشائے انوار و فیوض دلیل است بر مجدد بودن آن اکابر بعض کثرت فیوض و افادات در صحبت مبارک ایشان و اسرار توحید و شہود وحدت در کثرت و نسبت حضور و یادداشت و مراتب کمالات نبوت و حقائق الٰہیہ و حقائق انبیاء علیہم السلام کہ بے مجاہدات و ریاضات در صحبت ایشان در اندک زمان دست می داد و سالکان را در درجات ولایت ترقی حاصل می شد از دلائل مجدد بودن ایشان است رضی اللہ تعالیٰ عنہم"

ظاہر ہے کہ اس عظیم المرتبت امام کی سوانح، ان کے حالاتِ زندگی، ان کی تعلیمات اور ان کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا سراسر ثواب ہی ثواب ہے۔ فارسی زبان میں اگرچہ امام ربانی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کے فضائل و کمالات کی تفصیل پر متعدد قیمتی کتابیں خود حضرت ہی کے خلفاء اور اہل سلسلہ کے قلم سے موجود ہیں۔ لیکن اردو زبان کا دامن ابھی تک اس سلسلہ میں ایسی جامع تالیف کے وجود سے تقریباً خالی تھا جس میں آپ کے مفصل حالاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات اور کارناموں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی جائے اور منصب تجدید اور مقام مجددیت پر بھی سیر حاصل بحث ہو۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کی تالیف سے یہ کمی بڑی حد تک پوری ہو گئی۔ حق تعالیٰ شانہ نے پہلے تو اس کی تدوین کا داعیہ ہمارے محترم دوست جناب مفتی محمد اعظم صاحب مہتمم "ادارہ مجددیہ" کے دل میں پیدا کیا اور انھوں نے سب کام چھوڑ چھاڑ کر اس کی جمع و تدوین کے لئے تگ و دو شروع کر دی، خود بھی پڑھنا اور جمع کرنا شروع کیا۔ اور پھر اپنے شیخ حضرت شاہ زوار حسین صاحب دامت فیوضہم کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ حضرت شاہ صاحب موصوف ہی کے قلم سے یہ کارِ خیر تکمیل کو پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے اوقات میں حق تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی ہے اس کا نمایاں اثر یہ ہے کہ ایک مدت قلیل میں جناب ممدوح کے قلم سے متعدد ضخیم کتابیں تالیف ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ انھیں تالیفات میں پیش نظر کتاب "حضرت مجدد الف ثانی" بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان دونوں حضرات کو اس کارِ خیر کی تکمیل پر ایسے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اس تالیف کو قبولِ عام اور شہرتِ دوام نصیب کرے اور ان بزرگوں کے صدقے میں جن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے مجھے بھی حضرت مجدد رحمہ اللہ کی برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ ایمان پر خاتمہ کرے اور زندگی بھر عمل خیر کی توفیق دے آمین یا رب العالمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

کتبہ الفقیر الیہ تعالیٰ محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ لہ
۱۸ رجب سنہ ۱۳۹۲ ہجری یکشنبہ بوقت چاشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلوا علیہم ایاتہ و یزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وجعل علماء امتہ کانبیاء بنی اسرائیل ودرثتہم بورثۃ الانبیاء وفتح قلوب العلماء بمفاتیح الایمان ونور صدور العرفاء بمصابیح الایقان واخرج منہم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر وبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینہا وافضل الصلوات واکمل التحیات وابلغ التسلیمات علیٰ افضل البشر المبعوث الی الاسود والاحمر فخر الموجودات ومفخر المخلوقات سید الانبیاء والمرسلین محبوب رب العلمین سیدنا ومولانا محمدن المصطفیٰ احمدن المجتبیٰ وعلیٰ جمیع اخوانہ من النبیین والمرسلین وعلیٰ الہ واھل بیتہ الطیبین الطاھرین وسائر اصحاب المرضیین حملۃ علومہ ونقلۃ آدابہ خصوصاً علیٰ خلفائہ الراشدین المھدیین وعلیٰ اولیائہ الکرام واحبائہ العظام کما یلیق بمراتبہم العظمیٰ ودرجاتہم العلیاء،

اما بعد قال اللہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔ سورۃ التوبہ ع ۱۵ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو لوگ (نیت اور قول وعمل میں) سچے ہیں ان کی ہمنشینی اختیار کرو) اس آیت مبارکہ میں لفظ "کونوا" امر کا صیغہ ہے اسمیں صادقین کے ساتھ رہنے اور انکی صحبت وہمنشینی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو قول وعمل اور دل کے سچے ہوں اور قول وعمل اور دل کی سچائی کا اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اگر ہر شخص اپنا محاسبہ کرے تو وہ خود اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ بات کتنی مشکل ہے پس معلوم ہوا کہ صادقین وصالحین حضرات یقیناً مشکل سے ملتے ہیں،

آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے لوگوں کی ہمنشینی اختیار کرنے اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی تاکید میں کتنی عمدہ مثال بیان فرمائی ہے ارشاد فرماتے ہیں :-

۱۔ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيْهِ أَوْ تَجِدُ رِيْحَهُ وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً البخاری کتاب البیوع باب فی المسک والعطار

(یعنی اچھے اور برے لوگوں کی ہمنشینی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مشک بیچنے والا اور لوہار کی بھٹی، کہ اگر کوئی مشک بیچنے والے کے پاس جائے تو فائدہ سے خالی نہیں یا تو مشک خریدتا ہے یا (اگر نہ خریدے تو) خوشبو ہی سونگھ لیتا ہے اور لوہار کی بھٹی یا تو بدن یا کپڑے کو جلا دیتی ہے یا پھر وہ بدبو ہی سونگھتا ہے)

آیۂ کریمہ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی میں نیک لوگوں (علماء و صلحاء) کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید ہے، اہل اللہ کی صحبت سے محض فہمِ دین کی بصیرت ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ صحبت کی بالکل قدرتی و نفسیاتی خاصیت یہ بھی ہے کہ جس کی صحبت اختیار کی جائے اس میں جو اچھی باتیں ہیں وہ رفتہ رفتہ اس مصاحب کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہیں اور وہ شخص بتکلف یا بطورِ عادت ان باتوں پر عمل بھی اختیار کر لیتا ہے لیکن صحبت کے بغیر دین کا قلب و روح میں سرایت کرنا مشکل ہے اور اصل دین وہی ہے جو قلب و روح میں سرایت کر جائے،

اگر کسی شخص کو اہل اللہ کی صحبت میسر نہ ہو تو اسکو چاہئے کہ کم از کم ان کے ملفوظات و تحریرات کا بہ نظرِ اصلاح و استفادہ مسلسل مطالعہ کرتا رہے کہ اس سے بھی اہل اللہ کا ایمان و عمل ہمارے اندر منتقل ہو جاتا ہے اور قالب سے تجاوز کر کے قلب و روح میں اتر جاتا ہے، چونکہ اس زمانہ میں صلحا و علماءِ ربانی کمیاب ہیں اور ہر جگہ اچھی صحبتیں میسر نہیں ہیں اسلئے مذہبی کتابوں کا مطالعہ اچھی صحبتوں کا بدل ہے اور وہ کتابیں جو بزرگوں کے حالات، نصائح اور دینداری کا جذبہ پیدا کرنے والے مضامین پر مشتمل ہوں یقیناً نیک صحبتوں کے قائم مقام ہیں،

وخیرُ جلیسٍ فی الزمانِ کتاب ؏

سرزمینِ پاک و ہند میں امام ربانی مجددِ الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی وہ بزرگ شخصیت ہیں جنکی انتھک کوششوں اور تجدیدی کارناموں سے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا ظہور ہوا اور شرک و بدعت کا زوال ہوا، آپ نے نہ صرف اپنے متعلقین و معتقدین و احباب کی اصلاح کر کے ان کو ولایت کے اعلیٰ مناصب پر پہنچایا بلکہ آپ کی اصلاح کا سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ عوام و خواص اور علماء و صوفیا سے تجاوز کر کے قوم و ملت کے تمام افراد حتیٰ کہ بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت تک پھیل گیا، آپ کے

فیوض و برکات کے اثرات اکبر بادشاہ کی زندگی کے آخری زمانے میں ہی پائے جاتے ہیں اور شہنشاہ جہانگیر بھی آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا، یہ حضرت موصوف قدس سرہ العزیز ہی کا فیض تھا کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہاں جیسا دیندار بادشاہ پیدا ہوا اور شاہجہاں کے صلب سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جیسا جامع کمالاتِ صوری و معنوی بادشاہ پیدا ہوا اور آپ ہی کے چمن فیض سے مخدوم زادگانِ والاتبار کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور اُن کی اولاد امجاد، حضرت مرزا جانِ جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ غلام علی دہلوی جیسے خوش رنگ و خوش بو پھول کھلے، یقیناً ایسی عظیم المرتبت شخصیت کا تذکرہ نیک لوگوں کی صحبت کا بہت عمدہ بدل اور عوام و خواص کیلئے نافع ترین و حصولِ برکت کیلئے عظیم ترین ہوگا،

یہ تو تھا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کی حیاتِ مبارکہ کو مرتب کرنے کا قدرتی جذبہ اور ظاہری طور پر اسکی تحریک کیلئے یہ بات پیش آئی کہ جب ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کے علاوہ چند رسائل شائع کر چکا تو خیال آیا کہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی ایک مختصر سوانح حیات بھی ادارہ کی جانب سے شائع کی جائے، بالآخر رفتہ رفتہ اس خیال نے ایک عملی صورت اختیار کر لی اور حضرت موصوف کی سوانح حیات کے متعلق چند کتب کی تلاش و جستجو شروع کر دی گئی،

دراصل اس کتاب کی تسوید کا کام محبی جناب حاجی محمد علی صاحب قریشی سلمہ اللہ تعالیٰ وزاد عرفانہ مہتمم ادارۂ مجددیہ نے شروع کیا تھا پھر اس عاجز کو بھی اس کارِ خیر میں شریک فرما لیا اگرچہ اس عاجز نے اپنی کم علمی اور نافہمی کا عذر پیش کیا لیکن حاجی صاحب موصوف کے اصرار کی وجہ سے اس کارِ خیر میں حصہ لینے پر مجبور ہو گیا، اس کتاب کی تالیف میں بیشتر حصہ حاجی صاحب موصوف ہی کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے تاہم جس قدر حصہ حاجی صاحب نے تیار کیا ہے اُس پر اس عاجز نے نظرِ ثانی کی ہے اور اس عاجز و دیگر احباب کا اصلاح و مشورہ اس میں شامل رہا ہے اور جو حصہ اس عاجز نے تیار کیا ہے اسمیں حاجی صاحب و دیگر احباب نے اپنے صلاح و مشورہ سے نوازا اور اصلاح فرمائی ہے اس طرح یہ تالیف مشترکہ مساعی کا نتیجہ ہے،

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کی کتبِ سوانح ماشاء اللہ کافی تعداد میں ہر زمانہ میں موجود رہی ہیں جن کے مؤلفین و مرتبین میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلفاء بھی ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش اور سرِ فہرست حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ

نظر آتے ہیں جو حضرت موصوف کے اجل خلفا میں سے ہیں آپ نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا تذکرہ "برکاتِ احمدیہ" کے نام سے تالیف فرمایا جسکا تاریخی نام "زبدۃ المقامات" ۱۰۳۷ھ ہے، یہ کتاب حالاتِ مجدد قدس سرہٗ کی اساس و بنیاد ہے اور نہایت معتبر و جامع ہے، اس کتاب میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ العزیز اور آن کے صاحبزادگان و خلفاء کے حالات کیساتھ ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اجداد و اسلاف کا تذکرہ لکھنے کے بعد حضرت مجدد قدس سرہ کے مفصل حالات، آپکے معارف و اسرار، خوارقِ عادات، وصال، اولاد امجاد و خلفائے عظام کے حالات درج ہیں، حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سوانح نگاروں میں صاحب زبدۃ المقامات کے بعد حضرت مولانا بدرالدین سرہندی رحمہ اللہ کا نام نامی ہے، آپ بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں سترہ سال تک حضرت کی خدمت اقدس میں فیض حاصل کیا ہے آپ صاحب تصانیف ہیں آپنے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے حالات میں ایک کتاب "حضرات القدس" کے نام سے مرتب فرمائی جو دو دفتروں پر مشتمل ہے دفتر اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے اربعہ کے مختصر حالات کے علاوہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا مفصل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک مذکور ہے اور دفتر دوم میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور آپ کے صاحبزادگانِ کرام و خلفائے عظام کے مفصل حالات درج ہیں، حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد میں سے پانچویں پشت میں ایک بزرگ خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان بن شیخ حسن احمد بن شیخ محمد تائب بن مروج الشریعت حضرت شیخ محمد عبید اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ اسرارہم نے "روضۃ القیومیہ" نامی ایک ضخیم کتاب مرتب فرمائی جو چار رکن پر مشتمل ہے اسکے پہلے رکن میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور آپ کے صاحبزادگان و خلفاء کا مفصل تذکرہ سنہ وار واقعات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اسی طرح دوسرے رکن میں حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ اور تیسرے رکن میں حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی قدس سرہٗ اور چوتھے رکن میں حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہٗ مع صاحبزادگان و خلفا کا مفصل تذکرہ ہے ان تین کتابوں کے علاوہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے تذکرہ کے متعلق جس قدر کتب دستیاب ہوسکیں ان کی فہرست کتابیات کے باب میں درج ہے وہ سب اس کتاب کی تالیف کے وقت ہمارے سامنے رہیں، انہی کتابوں کے منصۂ شہود پر آجانے کے بعد اگرچہ اس عاجز کا اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنا فعل عبث معلوم ہوتا تھا

تاہم موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس عاجز نے [illegible] میں ابھی گنجائش ہے اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ایسے پہلو سامنے آتے رہیں گے جن پر بہت کچھ لکھا جا سکیگا، چنانچہ شروع کرنے کے بعد بتائید غیبی [illegible] اور اس کتاب میں حضرت موصوف کے تمام تذکروں کی جامعیت پیدا ہوگئی ہے جو مضامین بھی اس کتاب میں مذکور ہیں وہ کافی جامعیت کیساتھ آگئے ہیں اس کتاب کی خصوصیات مطالعہ سے معلوم ہونگی تاہم چند خصوصیات کیطرف مختصراً اشارہ کیا جاتا ہے، (۱) آپ کے نسب کے متعلق کافی تحقیق و تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے، (۲) آپ کی دعوت و تجدید کا پس منظر بھی کافی وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے (۳) آپ کے تجدیدی کارنامے اسقدر وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں کہ آپ کا مجدد الف ثانی ہونا بالکل بدیہی و نمایاں ہو جاتا ہے (۴) حدیث تجدید کی تخریج و تشریح و محمل وغیرہ پر سیر حاصل بحث کیگئی ہے (۵) آپ کے تجدیدی شواہد کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے (۶) آپ کے معاندین و مخالفین کے بیجا اعتراضات کی تردید پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے (۷) آپ کی تعلیمات مکتوبات شریف سے اخذ کر کے فقہی ابواب اور عقائد وغیرہ کے مطابق ترتیب دے کر سلیس اردو میں ترجمہ کر کے لکھی گئی ہیں جس سے تعلیمات کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے (۸) آپ کے مکتوبات شریف وغیرہ کے اقتباسات کا ہر جگہ سلیس اردو میں ترجمہ درج کیا گیا ہے اصل فارسی نہیں دی گئی تاکہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو جائے فارسی جاننے والے حضرات بہت کم ہیں اسلئے افادۂ عوام کی غرض سے صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے (۹) آپ کے مکتوب الیہم کا انڈکس و تعارف بھی دیا گیا ہے وغیرہ

خاکسار مؤلف نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں دیگر کتب کے علاوہ زبدۃ المقامات اور روضۃ القیومیہ کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے اور آپ کے سلسلۂ طریقت کی تفصیل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو بھی شامل کر دیا جس کا ماخذ علامہ شبلی رحمہ اللہ کی سیرت النبی کو خصوصیت کے ساتھ قرار دیا ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے جملہ بزرگوں کے حالات کیلئے خاص طور پر حضرات القدس کو سامنے رکھا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور آپ کی اولاد امجاد و خلفائے عظام کے حالات مرتب کرنے میں زبدۃ المقامات و حضرات القدس خاص طور پر پیش نظر رہیں البتہ سنہ وار واقعات پیش کرنے میں روضۃ القیومیہ کا خاص حصہ ہے، حضرت موصوف کی تعلیمات کا باب سب سے زیادہ طویل ہے جو صرف مکتوبات عالیہ کے اقتباسات کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہے اس حصہ کو عقائد و فقہ وغیرہ کی ترتیب پر ذیلی عنوانات

قائم کرکے لکھا گیا ہے جس سے اسکی افادیت بڑھ گئی ہے کتاب ہذا کے تمام ابواب میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ ان کو مکتوبات شریفہ کے زیادہ سے زیادہ اقتباسات کے ساتھ مزین و آراستہ کرکے مدلل و مستند بنایا جائے، حضرت موصوف کی "دعوت و تجدید کا پس منظر" کے باب میں منتخب التواریخ کا بڑا حصہ آگیا ہے اور اس بیان میں اکبری اور جہانگیری دور کے کافی حالات سامنے آجاتے ہیں جسکی وجہ سے اس کتاب میں تاریخی حالات کی چاشنی آگئی ہے، مکتوب الیہم کی ترتیب و تعارف میں خاص طور پر نزہتہ الخواطر اور ماثر الامراء پیش نظر رہی ہیں،

تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں اس کتاب کی تالیف میں کسی قسم کی قابل ذکر تکالیف برداشت نہیں کرنی پڑیں اور نہ ہی اس کے لئے کوئی سفر کرنا پڑا، جو مضامین ذہن میں آتے رہے ان کیلئے جس جس کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی معمولی جستجو کے بعد وہ کتاب حاصل ہوگئی اور محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اُسی کی مدد و توفیق ہے کہ ہماری کم مائیگی ہیچمدانی اور بے بضاعتی کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کے تجدیدی کارناموں اور آپ کے حالات و سوانح حیات کے متعلق اتنی ضخیم کتاب تیار ہوگئی، اگرچہ حضرت موصوف کی سوانح حیات کو جیسا ہونا چاہئے تھا اس معیار کے مطابق لکھنا ہماری طاقت سے باہر ہے اور آئندہ بھی اگرچہ اس موضوع پر اہل قلم بہت کچھ لکھتے رہیں گے پھر بھی اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کرسکیں گے تاہم جسقدر کام ہوگیا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی انجام پذیر ہوا ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ہ

این سعادت بزورِ بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نہایت عاجزانہ طور پر شکر ادا کرتے ہیں،

جاننا چاہیئے کہ تصوف کے ذریعہ دو طرح سے دین اسلام میں گمراہیاں داخل ہوئیں اور افراط و تفریط کا جال پھیل گیا، ایک طرف تو بدعات اور کفر و شرک کی کوئی شکل باقی نہیں بچی ہوگی جس کو کسی نہ کسی طرح داخل تصوف بلکہ عین تصوف نہ سمجھا گیا ہو عوام بلکہ خواص تک کو کیسے کیسے مغالطے ہیں کہ کوئی کشف و کرامات و تصرفات کو تصوف جانتا ہے تو کوئی اشغال و مراقبات احوال و کیفیات اور رقص و سرود وغیرہ کو تصوف یقین کرتا ہے کسی نے ریاضات و مجاہدات غیر شرعیہ

اور ترکِ تعلقات کا نام تصوف رکھا ہے تو کسی فلسفی مزاج نے تصوف سے مراد وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے نظریات کو لیا ہے کوئی اسرار و مخفیات کا مجموعہ قرار دیتا ہے تو کوئی طریقت و حقیقت و معرفت کو شریعت کی ضد خیال کرتا اور تصوف کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے سے تمام احکام شرعیہ کا اس سے مرتفع ہونا گمان کرتا ہے حالانکہ تصوف کی حقیقت پابندیٔ شریعت کے ساتھ باطن کی صفائی کا حاصل ہونا ہے دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو تصوف کے سرے سے ہی منکر ہیں وہ لوگ تصوف کو غیر دین اور طریقت کو خلافِ شریعت قرار دیتے ہیں اور حضرات صوفیائے کرامؒ کے حقائق و معارف اذکار و اشغال مجاہدات و مراقبات احوال و کیفیات توجہ و تصرفات کشف و کرامات تعلقات جمعیت و نسبت اور رسوم و عادات وغیرہ کی خاص خاص صورتوں کو کتاب و سنّت کی عام منصوص تعلیمات میں سے نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے ان کے جواز و ضرورت کے منکر ہو جاتے ہیں اور تصوف کو اسلام میں بہت بعد کی اور بیرونی اثرات کی پیداوار کہہ دیتے ہیں حالانکہ اسلامی تصوف آیۂ مبارکہ کے لفظ یزکیہم کی تعبیر ہے اور حدیث شریف کے لفظ احسان کی تفصیل ہے، البتہ افہام و تفہیم کے لئے بعض مروّجُ الوقت بیرونی تعبیرات و اصطلاحات سے کام لیا گیا ہے اور غیروں کی بعض تدبیری چیزیں تدبیر ہی کے درجہ میں اختیار کر لی گئی ہیں اسکی اجازت شریعتِ مقدسہ میں پائی جاتی ہے اور اسکے نظائر شرع شریف میں موجود ہیں کما لا یخفیٰ علی اربابہٖ ، اور محبتِ الٰہی جو تصوف کی اصل و اساس ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی تعلیم دی گئی ہے یہ صوفیہ کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں، علمائے ظاہر جو انکی اصطلاحیں نہیں سمجھتے اعتراض کر دیتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس افراط و تفریط کی بوجہ اتم اصلاح فرمائی ہے،

ہمیں امید ہے کہ اس دینی انحطاط اور روحانی و اخلاقی پستی کے دورِ الحاد میں جبکہ مسلمانوں کی دینی زندگی کے لئے سنگین مسائل پاک و ہند بلکہ تمام عالم اسلام میں پیدا ہو رہے ہیں خادمانِ دین و بہی خواہانِ اسلام و مسلمین کے لئے حضرت امام ربانی مجددِ الف ثانی قدس سرہ السامی کی زندگی کے حالات آپ کا جہاد اور تجدیدی کارنامے مشعلِ راہ ثابت ہونگے اور تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں اور اُن کے دینی ادب و آداب کو آپ کی جدوجہد اور طریق کار سے بہت کچھ

رہنمائی حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانانِ عالمِ اسلام کو توفیق دے کہ کفر و الحاد و مادہ پرستی کے اس دورِ ابتلا میں تجدید و احیائے دین کیلئے پوری پوری جد و جہد کریں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی و دیگر اکابرِ امت کے تبلیغِ دین و اصلاحِ نفس و اخلاصِ عمل کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حسبِ توفیق انفرادی و اجتماعی جد و جہد میں حصہ لیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ؏

آخر میں ان محترم حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے اپنی نایاب کتابیں عنایت فرما کر اس کارِ خیر میں معاونت فرمائی۔ ان حضرات میں مخدوم و محترم حضرت مولانا الحکیم الشاہ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی و محترم حضرت مولانا عبد الحلیم چشتی مدظلہ العالی و محترم مولانا نور احمد سومرو مدظلہ العالی و محترم جناب [illegible] صاحب [illegible] مدظلہ العالی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ جن دیگر حضرات نے بھی کتابیں عنایت فرمائیں اور تصحیحِ مضامین میں مدد فرمائی ہم ان سب حضرات کے شکرگزار ہیں اور ان سب کے حق میں سعادتِ دارین کے لئے دعاگو ہیں۔ ؏ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

ہمیں اقرار ہے کہ امکانی سعی و کوشش کے باوجود ہم سے اس کتاب کی تالیف میں بہت سی فروگذاشتیں سرزد ہوئی ہوں گی، ناظرین سے استدعا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز فرماتے ہوئے غلطیوں اور فروگذاشتوں کی طرف رہنمائی اور ان کی اصلاح فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں انکی اصلاح کی جا سکے۔ اس سلسلہ میں جو مفید مشورے حاصل ہونگے ان پر آئندہ اشاعت میں عمل ہو سکے گا۔ وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔ آمین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله واصحابه اجمعین۔

الراجی الی عفو ربہ الکریم

احقر زوار حسین عفا اللہ عنہ و عن والدیہ

۲۱ - رجب المرجب ۱۳۹۲ھ - یکم ستمبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مُجَدّد الفِ ثانیؒ

کا

سلسلۂ نسب

حضرت مجددکا اسمِ گرامی | اسلام کے اس درویش باصفا مصلحِ اعظم کا نامِ نامی و اسمِ گرامی احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات، منصب خزینۃ الرحمۃ، قیومِ زماں، مجدّد الفِ ثانی، اور عرف امامِ ربانی، محبوبِ صمدانی تھا۔ آپ کا مذہب حنفی اور مسلک نقشبندیہ طریقہ تھا جو تمام سلاسلِ تصوف کا جامع ہے۔

نسبِ مبارک | آپ کی رگوں میں اس مشہور فاتحِ اعظم کا خون تھا جس نے مختصر سی فوج، اور بے سروسامانی کے باوجود ظالم اور جابر بادشاہوں کو سرنگوں کر دیا تھا اور زورِ بازو، قوت اور تدبر سے عظیم ترین سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے تھے اور اپنی روحانی قوتوں سے مستحکم تہذیبوں کی بنیادیں ہلادی تھیں ؎

نسب تحریر کیا ہو اس شہِ گردوں مقامی کا — شرف خورشید پا سکتا نہیں جس کی غلامی کا
شہنشاہوں کے دل ہیبت سے جس کی ہوگئے پانی — وہی فاروقِ اعظم نام ہے جدِّ گرامی کا

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ کا نسبِ مبارک ستائیس ۲۷ واسطوں سے سیدنا امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح منسلک ہے:۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ۔ بن ۱/۲۷ مخدوم شیخ عبدالاحدؒ۔ بن ۲/۲۶ شیخ زین العابدینؒ۔ بن ۳/۲۵ شیخ عبدالحئیؒ۔ بن ۴/۲۴ شیخ محمدؒ۔ بن ۵/۲۳

شیخ حبیب اللہؒ۔ بن ۶/۲۲ شیخ امام رفیع الدینؒ بانی قلعہ سرہند شریف۔ بن ۷/۲۱ شیخ نصیر الدینؒ بن ۸/۲۰ شیخ سلیمانؒ۔ بن ۹/۱۹ شیخ یوسفؒ۔ بن ۱۰/۱۸ شیخ اسحاقؒ۔ بن ۱۱/۱۷ شیخ عبداللہؒ بن ۱۲/۱۶ شیخ شعیبؒ۔ بن ۱۳/۱۵ شیخ احمدؒ۔ بن ۱۴/۱۴ شیخ یوسفؒ۔ بن ۱۵/۱۳ شیخ شہاب الدینؒ (المعروف بہ فرخ شاہ کابلی)۔ بن ۱۶/۱۲ شیخ نصیر الدینؒ۔ بن ۱۷/۱۱ شیخ محمودؒ۔ بن ۱۸/۱۰ شیخ سلیمانؒ۔ بن ۱۹/۹ شیخ مسعودؒ۔ بن ۲۰/۸ شیخ عبداللہؒ واعظ اصغر۔ بن ۲۱/۷ شیخ عبداللہؒ واعظ اکبر۔ بن ۲۲/۶ شیخ ابوالفتحؒ۔ بن ۲۳/۵ شیخ اسحاقؒ۔ بن ۲۴/۴ شیخ ابراہیمؒ۔ بن ۲۵/۳ حضرت سالمؒ (شیخ ناصر یا شیخ عبداللہ)۔ بن ۲۶/۲ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ بن ۲۷/۱ امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اگرچہ محتاج تعارف نہیں لیکن آپ کا تذکرہ یقیناً باعث برکت وحصولِ سعادت ہوگا اس لئے کہ آپ کو کئی اعتبار سے بڑی فضیلتیں حاصل ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کا سلسلۂ نسب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جس باکمال شخصیت پر ملتا ہے وہ کعب بن لوی ہیں جو خود ایک بلند مرتبہ شخصیت ہیں۔ کعب کی یہ عادت تھی کہ اکثر قریش کو جمع کر کے وعظ ونصیحت کیا کرتے اور ان کو اپنے فصیح وبلیغ قصیدوں سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبریں دیتے اور مشتاق بناتے تھے اُن کے قصیدے کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

عَلٰی غَفْلَۃٍ یَاْتِی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ ۔۔۔ فَیُخْبِرُ اَخْبَارًا صَدُوْقًا خَبِیْرُھَا

(یعنی تم غفلت ہی میں رہ جاؤ گے اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے وہ بہت سی خبریں سنائیں گے اور وہ خبریں دینے والے بہت سچے ہوں گے)

غرضکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب[1] نو واسطوں سے کعب تک اس طرح پہنچتا ہے:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن (۱) الخطاب بن (۲) نفیل بن (۳) عبد العزیٰ بن (۴) رباح بن (۵) عبداللہ بن (۶) قرط بن (۷) زراح بن (۸) عدی بن (۹) کعبؓ۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب بھی آٹھ واسطوں سے کعب کے ساتھ اس طرح منسلک ہے:۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بن (۱) عبداللہ بن (۲) عبد المطلب بن (۳) ہاشم بن (۴) عبد مناف بن (۵) قصی بن (۶) حکیم المعروف بہ کلاب بن (۷) مرہ بن (۸) کعب۔

---

[1] جمع الفوائد وحاشیہ انتاج در بیان مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ عن ابن اسحاقؒ

اس سے آگے عدنان تک سلسلۂ نسب اس طرح متفق علیہ ہے:۔ (۸) کعب بن (۹) لُوی بن (۱۰) غالب بن (۱۱) فہر الملقب بہ قریش بن (۱۲) مالک بن (۱۳) نضر بن (۱۴) کنانہ بن (۱۵) خزیمہ بن (۱۶) مدرکہ بن (۱۷) الیاس بن (۱۸) مضر بن (۱۹) نزار بن (۲۰) معد بن (۲۱) عدنان۔ یہاں تک سلسلۂ نسب میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اس کے بعد کا سلسلۂ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی بھی وثوق کے ساتھ پیش نہیں کر سکتا اور اس کا علم سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کو نہیں۔ اگرچہ بعض اصحاب سیر نے آگے کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:۔ (۲۲) اُدد (۲۳) ہمیسع (۲۴) سلامان (۲۵) عوص (۲۶) بوز (بعض نے یوزا اور ثعلبہ بھی لکھا ہے اور قبیلۂ ثعلبہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے)۔ (۲۷) قموال (۲۸) اُبی (۲۹) عوّام (۳۰) ناشد (۳۱) حسزا (۳۲) بلداس (۳۳) یدلاف (۳۴) طابخ (۳۵) جاحم (۳۶) ناحش (۳۷) ماخی (۳۸) عیفی (۳۹) عبقر (۴۰) عبید (۴۱) الدعا (۴۲) حمدان (۴۳) سنبر (۴۴) یثربی (۴۵) یحزن (۴۶) یلحن (۴۷) ارعوے (۴۸) عیضی (۴۹) دیشان (۵۰) عیصر (۵۱) افناد (۵۲) ایہام (۵۳) مقصر (یا مقصی) (۵۴) ناحث (۵۵) زارح (۵۶) سمی (۵۷) مزی (۵۸) عوض (۵۹) عرام (۶۰) قیدار (۶۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام (۶۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۶۳) تارخ (یعنی آزر) (۶۴) ناحور (۶۵) شروغ (۶۶) ارغو (۶۷) فالغ (۶۸) عابر (۶۹) ارفخشد (۷۰) سام (۷۱) حضرت نوح علیہ السلام (۷۲) لامک (۷۳) متوشالخ (۷۴) اخنوخ (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام) (۷۵) یارد (۷۶) مہلیل ایل (۷۷) قینان (۷۸) آنوش (۷۹) حضرت شیث علیہ السلام (۸۰) حضرت آدم علیہ السلام۔[1]

اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ اہلِ عرب زیادہ تر مشہور شخصیتوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کے لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اہلِ عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اوپر کے

---

[1] رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۶ تا ۲۰۔ از قاضی سلمان منصور پوری

اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے اس لئے چند مشہور شخصیتوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے تاہم عرب میں ایسے محقق بھی تھے جو اس فرو گذاشت سے واقف تھے۔ علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا کہ میں نے عرب میں ایسے علما دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک چالیس پُشتوں کے نام لیتے تھے اور اس کی شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے۔ اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلہ کو اہلِ کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی البتہ ناموں میں فرق تھا۔[۱]

امامِ حدیث ابنِ عساکر نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس (۱۲۰۰) کا فاصلہ ہوا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ایک ہزار ایک سو بیالیس (۱۱۴۲) سال کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پانچ سو پینسٹھ (۵۶۵) برس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت داؤد علیہ السلام تک پانچسو انہتر (۵۶۹) اور حضرت داؤد علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ہزار تین سو چھپن (۱۳۵۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو برس (۶۰۰) کا فاصلہ گزرا ہے۔[۲]

نسب نامہ کے سلسلے میں بات طویل ہو گئی لیکن یہ تذکرے بھی دلچسپ معلومات سے خالی نہیں اس لئے ان کو بھی ضمناً بیان کر دیا گیا اب اصل موضوع شروع کیا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے نسب نامہ کی تحقیق میں نہایت درجہ سعی و کوشش کی گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے کے نام کا اختلاف کسی طرح حل نہ ہو سکا آخر مجبور ہو کر اختلافِ نسخ کا ایک نقشہ اور ایک شجرہ بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام کو بھی اس کا اندازہ ہو سکے اور محققین حضرات بھی تلاش و جستجو فرما کر اس مسئلہ کو حل فرما سکیں۔ نقشہ ملاحظہ ہو:-

---

[۱] سیرۃ النبیؐ بحوالہ تاریخ طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ ص ۱۱۱۸

[۲] سیرت خاتم الانبیاءؐ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ص ۹ بحوالہ محمد بن اسحاق ج ۲ ص ۱۹

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
حضرت مجدد الف ثانیؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱ - مخدوم عبدالاحدؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲ - شیخ زین العابدینؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۳ - شیخ عبدالحیؒ	م	عبدالحق	م	م	م •	م	م	م	م
۴ - شیخ محمدؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	×
۵ - شیخ حبیب اللہؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۶ - شیخ امام رفیع الدینؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۷ - شیخ نصیر الدینؒ	× م	× م	× م	× م	نورالدین م	× م	نورالدین م	× م	× م
۸ - شیخ سلیمانؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۹ - شیخ یوسفؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۰ - شیخ اسحاقؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۱ - شیخ عبداللہؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۲ - شیخ شعیبؒ	م	م	×	م	م	م	م	م	م
۱۳ - شیخ احمدؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۴ - شیخ یوسفؒ	م	م	م	م	م	یوسف ثانی	م	م	م
۱۵ - شیخ شہاب الدینؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۶ - شیخ نصیر الدینؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۷ - شیخ محمودؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۱۸ - شیخ سلیمانؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	سلیمان
۱۹ - شیخ مسعودؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲۰ - شیخ عبداللہؒ واعظ اصغر	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲۱ - شیخ عبداللہؒ واعظ اکبر	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲۲ - شیخ ابوالفتحؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲۳ - شیخ اسحاقؒ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲۴ - شیخ ابراہیمؒ	م	م	م	م	م	م	م (سلہ)	م	م
۲۵ - شیخ سالمؒ	ناصر	ناصرالدین	ناصر	ناصر	ناصر	ناصرالدین	عاصم	ناصر	ناصر
۲۶ - حضرت عبداللہؓ	م	م	م	م	م	م	م	م	م
۲۷ - حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	م	م	م	م	م	م	م	م	م

سلہ مرتب محترم احسان اللہ عباسی گورکھپوری نے شیخ ابراہیم کے نام کے ساتھ "بن ادہم تارک السلطنت" بھی لکھا ہے اور شیخ ابراہیم کے بعد چار ناموں کا اضافہ بھی اس طرح کیا ہے "شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر عرف ادہم شاہ بلخ بن شیخ عبداللہ بن شیخ عمر بن شیخ حفص بن شیخ عاصم بن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما — اور مولانا اشرف علی تھانوی نے امداد الفوائد میں حضرت ابراہیم کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

نسب نامہ کے سلسلے میں ایک ضروری اقتباس بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس گتھی کے سلجھانے میں قارئین کرام کو مزید سہولت ہو سکے :-

صاحب عمدۃ المقامات صفحہ ۹۸ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں : "مخفی نماند کہ تمام نسب مبارک تا امیر المومنین رض از روئے انتخاب سی و دو نفری شوند لیکن در اینجا پسر حضرت عبداللہ رض را ناصر نام مقرر نمودہ اند و این تعین را از زبدۃ المقامات مولانا ہاشم کشمی نقل کردہ - اما مولانا بدرالدین سرہندی در حضرات القدس بجائے ناصر سالمؔ نام ابن حضرت عبداللہ ابن عمر رض نوشتہ و ہمیں اسم سالم را در کتب حدیث در اولاد صلبی حضرت عبداللہ یافتہ شد - پس ازایں تقریر معلوم شد کہ آنچہ مولانا بدرالدین قدس سرہٗ نوشتہ اند بر صواب خواہد بود - زیرا کہ ناصر نام در اولاد ایشان ظاہراً یافتہ نشدہ مگر ایں کہ احتمال لقب دارد کہ ہماں سالم ملقب بناصر باشد لکن ایں ضعیف می نماید واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ احکم"۔

جمہرۃ الانساب اور طبقات ابن سعد وغیرہ سے مرتب کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے :-

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عبداللہ رض - عبدالرحمٰن اکبر - زید - زید اصغر - عبیداللہ - عبدالرحمٰن اصغر - عیاض - عاصم - عبداللہ اوسط
عبداللہ اصغر - عبدالرحمٰن اوسط - حفصہ رض - زینب - رقیہ

عبداللہ - عبدالرحمٰن - ابوبکر - ابوعبیدہ - واقد - سالم
عمر - عبیداللہ - ؟ ابوسلمہ - قلابہ - زید - بلال

عبیداللہ - ابوبکر - حفص - سلیمان - عمر
عمر - عیسیٰ
ابوبکر - زید - عاصم - محمد - عبداللہ
عبیداللہ - عبدالرحمٰن

ابوبکر - عمر - عبداللہ - عاصم - جعفر - عبدالعزیز
علی
سالم
یحییٰ محدث مدنی

ابراہیم - عمر - عبدالرحمٰن -
عبدالعزیز - عبدالحمید
اسحاق - عبدالحمید - عبداللہ الناسک

(بقیہ صفحہ گزشتہ) شجرہ اس طرح نقل کرتے ہیں : ابراہیم بن ادھم بن منصور بن منذہ بن یزید بن جابر بن ثعلبہ بن سعد بن حلاج بن غزیہ بن اسامہ بن ربیعہ بن ضبیعہ بن عجل - اس طرح ابراہیم بن ادھم عجلی ہیں قریشی یا فاروقی نہیں ہیں۔
لہ صاحب عمدۃ المقامات کی نشاندہی پر ہم نے بھی حضرت سالم ہی کو ترجیح دی ہے۔ (اطرف السوانح ج ۱ ص ۳۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اجداد کا مختصر تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سلسلۂ نسب کے تمام بزرگوں کا مختصر طور پر تذکرہ کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام کو آپ کی خاندانی عظمت و وجاہت کا بھی اندازہ ہو سکے۔

(۱) **امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ** امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب العدوی القرشی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والاصفات مستغنی عن التعارف ہے۔ آپ کی شان عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ ثانی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تیئس سال قبل ولادت ہوئی، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے چھ سال بعد تک آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین مخالفین میں سے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے درپے ہو گئے لیکن یہی واقعہ آپ کے اسلام میں داخل ہونے کا باعث ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ داروں میں سب سے پہلے سعید بن زیدؓ مسلمان ہوئے، چونکہ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ، سعید بن زیدؓ کی زوجہ تھیں اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئی تھیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک دن غصہ میں آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانیٔ اسلام کا قصہ تمام کر دیں چنانچہ تلوار کمر سے باندھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے کہاں چلے؟ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ خود اپنے بہن اور بہنوئی کے ہاں پہنچے وہ اس وقت قرآن شریف پڑھ رہی تھیں، آپ کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن شریف کے اجزاء چھپا دیئے لیکن بہن کے پڑھنے کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ چکی تھی اسے آپ نے بہن سے پوچھا کیسی آواز تھی بہن نے کہا کچھ نہیں۔ آپ نے کہا نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے۔ آپ کی بہن نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو ان کی بھی خبر لی۔ اسی ہاتھا پائی میں ان کی زبان سے نکلا کہ "عمر! جو جی چاہے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا" ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا اور بہن سے کہا اچھا جو تم پڑھ رہے تھے

مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن شریف کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے یہ سورہ حدید تھی۔[1] آپ نے
سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ پڑھا تو ایک ایک لفظ پر آپ کا
دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تو بے اختیار پکار اٹھے
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچکر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کرام کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے کا سر قلم کر دیا جائیگا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کے دونوں بازو پکڑ کر ہلائے اور فرمایا اے عمر! کیا ارادہ ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا اور نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کیلئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ معظمہ کی تمام گلیاں گونج اٹھیں۔[2] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں دعا فرمائی
اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ وَکَانَ اَحَبَّھُمَا اِلَیْہِ عُمَرُ، فَاَصْبَحَ فَغَدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ۔ (للترمذی (التاج وغیرہ) یعنی اے اللہ ابو جہل بن ہشام اور عمر بن الخطاب ان دونوں میں سے جو آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس کے ساتھ دین اسلام کو عزت عطا فرما۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان دونوں میں عمر بن الخطاب اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھے پس جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے، اس کو ترمذی نے روایت کیا۔

پھر جس طرح آپ حالتِ کفر میں کفر پر سخت تھے اسی طرح اسلام لانے کے بعد اسلامی عقائد و اعمال کے بھی سختی سے پابند رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی شان میں ارشاد فرمایا: لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ والتاج) یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[2] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۲۳ تا ۲۲۶۔ [1] بعض روایتوں میں سورۂ طٰہٰ کا پڑھنا مذکور ہے۔ (مؤلف)

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ رواہ الترمذی وفی روایۃ ابی داؤد عن ابی ذر قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ[1] (یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا ہے)۔ نیز فرمایا اَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ (اور ان میں احکام الٰہی کے جاری کرنے میں سختی کار سے زیادہ ہیں)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مَا نَزَلَ بِالنَّاسِ اَمْرٌ قَطُّ فَقَالُوْا فِيْهِ وَقَالَ فِيْهِ عُمَرُ اِلَّا نَزَلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ عَلٰى نَحْوِ مَا قَالَ فِيْهِ عُمَرُ للترمذی (جمع الفوائد والتاج)

(یعنی جب کبھی لوگوں کو کوئی بات پیش آئی اور اس میں انھوں نے اپنی رائے ظاہر کی تو ہمیشہ جو کچھ عمرؓ نے کہا اسی کے مطابق قرآن نازل ہوا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا) چنانچہ جن امور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہوا ان کی تعداد بیس[2] سے بھی زیادہ ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ نَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ فَاِنْ يَكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ۔ للشیخین[3] (تم سے پہلے لوگوں میں محدث تھے یعنی جن کو الہام ہوتا تھا اگرچہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے پس اگر میری امت میں کوئی محدث[4] یعنی صاحب الہام ہوا تو بیشک وہ عمرؓ ہوگا۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔)

یہ احادیث شریفہ آپ کے نہایت درجہ صائب الرائے ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ان احادیث شریفہ سے جہاں بلاواسطہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان کا اظہار ہوتا ہے وہاں بالواسطہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بزرگی و عظمت کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آپ کثیر العلم، زاہد، نہایت متواضع اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کا اسلام لانا مسلمانوں کی نصرت کا باعث ہوا۔ مزاج میں شدت کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوحفص مقرر فرمائی تھی کیونکہ حفص عربی میں شیر کو کہتے ہیں۔ اور آپ کا لقب فاروق یعنی وہ شخص جو حق و باطل میں فرق کرتا ہو مقرر فرمایا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ لقب اہلِ کتاب نے دیا تھا اور بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ لقب دیا تھا[5] اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا

---

[1] مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ فصل دوم۔ [2] اشعۃ اللمعات [3] جمع الفوائد وفی المشکوٰۃ والتاج عن ابی ہریرۃ بمثلہ۔ [5] حاشیۃ التاج۔ [4] لفظ محدث کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو مکتوبات حضرت مجددؒ دفتر دوم مکتوب ۵۱

مَا زِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ یعنی ہم حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہمیشہ عزت والے رہے۔[1]

آپ غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حسبِ وصیت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رضامندی سے آپ خلیفہ ہوئے۔ آپ پہلے خلیفہ ہیں جن کو امیر المومنین کہہ کر پکارا گیا۔[2] آپ کے زمانۂ خلافت میں مصر، شام، بیت المقدس، انطاکیہ، عراقِ عرب، عراقِ عجم، جزیرہ، ایران کا بڑا حصہ، کچھ حصہ آرمینیا کا، اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے، فتح ہو کر مملکتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔[3]

آپ سے تمام کتبِ صحاح میں ۵۳۹ احادیث مروی ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی کرامات کے متعلق دو واقعے تبرکاً نقل کیے جاتے ہیں: ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر (نہاوند کی طرف) روانہ کیا جس کا امیر ساریہ نامی شخص تھا۔ چند دن کے بعد جب حضرت عمرؓ (مسجد نبویؐ میں جمعہ کا) خطبہ دے رہے تھے تو یکایک آپ نے بلند آواز سے کہا یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ یعنی اے ساریہ اس پہاڑ کی آڑ لو۔ اس واقعہ کے چند روز بعد لشکر سے ایک قاصد آیا (تو اس سے حضرت عمرؓ نے حالاتِ جنگ دریافت کیے) اس نے کہا کہ ہم جنگ میں ہارنے اور بھاگنے لگے تھے ناگہاں ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جس نے کہا اے ساریہ اس پہاڑ کی آڑ لو۔ چنانچہ ہم نے اس پہاڑ کو اپنی پشت پناہ قرار دیا اور لڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دیدی۔[4]

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فتحِ مصر کے بعد جب مصریوں کی مشہور رسم بُونہ کے منانے کا مہینہ آیا (یہ رسم دریائے نیل میں پانی کم ہونے کی وجہ سے منائی جاتی تھی) تو وہاں کے لوگ اپنے حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے امیر! ہمارے اس دریائے نیل کے لیے ایک رسم مقرر ہے جس کے بغیر اس کا پانی جاری نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا وہ رسم کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا جب اس مہینے کی بارہ راتیں گذر جاتی ہیں تو ہم ایک باکرہ لڑکی کے والدین کو راضی کر کے اس لڑکی کو بہت عمدہ قسم کے زیورات و لباس سے آراستہ کرتے ہیں پھر ہم اس کو اس دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے

[1] جمع الفوائد۔ [2] مشکوٰۃ اسماء الرجال۔ [3] الفاروق۔ [4] رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ۔ مشکوٰۃ ج ۲ باب الکرامات ص ۲۱۷۔

اُن سے فرمایا کہ یہ (بُری) رسم اسلام میں نہیں ہو سکتی بیشک اسلام نے اپنے سے ماقبل کی تمام (بُری) رسوم کو ختم کر دیا ہے۔ آخر جب رسم پوری کے منانے کا دن آیا تو دریائے نیل میں نہ تھوڑا پانی جاری رہا نہ زیادہ، یہانتک کہ لوگوں نے وہاں سے ترکِ وطن کا ارادہ کر لیا اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ قصہ لکھ بھیجا پس حضرت عمرؓ نے ان کی طرف اس مضمون کا خط (جواباً) ارسال فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست تھا (بیشک اسلام میں یہ رسم ناقابلِ برداشت ہے) میں تمہارے پاس اپنے اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ بھیج رہا ہوں تم میرے اس رقعہ کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ پس جب وہ خط حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس پہنچا تو انھوں نے (اس میں سے) وہ رقعہ لیا، دیکھا تو اس میں یہ مضمون تحریر تھا: یہ رقعہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندے عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے جو کہ مسلمانوں کا امیر مقرر ہے دریائے نیل کی جانب (کے نام) ہے۔ امّا بعد (اے دریائے نیل!) اگر تو اپنی طرف سے اور اپنے امر (وارادہ) سے جاری ہوتا ہے تو تُو جاری مت ہو ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو خدائے واحد قہار کے امر (وارادہ) سے جاری ہوتا ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہی تجھ کو جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو پھر جاری کر دے" راوی کہتا ہے کہ (حسب الحکم) وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تو ہفتہ کے دن ایک ہی شب کے اندر دریائے نیل میں سولہ ذراع (ہاتھ گہرا) پانی جاری ہو گیا اور اس وقت سے آجتک اللہ تعالیٰ نے اس بُری رسم کو مصر والوں سے ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔[1]

آپ کی مدتِ خلافت دس سال چھ ماہ اور چار دن ہے۔[2] بروز بدھ (چہارشنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ مجوسی نے مسجدِ نبوی مدینہ منورہ میں عین حالتِ نمازِ فجر میں آپ کو زخمی کیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور اتوار (یکشنبہ) یکم محرم الحرام ۲۴ھ ہجری کو ۶۳ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا حضرت صہیبؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا (اسوقت جبکہ وہ زخمی ہوئے تھے) انھوں نے (اپنے صاحبزادے) عبداللہ سے کہا کہ تم

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۴ صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴۔ [2] الفاروق۔

ام المومنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ عمر بن الخطابؓ آپ کو سلام کہتا ہے پھر اُن سے عرض کرو کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں آج اُنھیں اپنے اوپر ترجیح دونگی۔ جب حضرت عبد اللہؓ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کیا جواب لائے ہو؟ انھوں نے کہا اے امیر المومنین انھوں نے اجازت دیدی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرے نزدیک اس جگہ دفن ہونے کی جتنی اہمیت تھی اتنی اہمیت کسی اور چیز کی نہ تھی۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو میرا جنازہ اٹھا کر لے جانا پھر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے سلام کہنا اور عرض کرنا کہ عمرؓ آپ سے (آپ کے حجرہ میں دفن ہونے کی) اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اجازت دیدیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا[1]۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ اجازت حاصل کرکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی اولاد میں: عبد اللہ۔ عبد الرحمٰن اکبر۔ زید۔ زید الاصغر۔ عبید اللہ۔ عاصم عبد الرحمٰن اصغر۔ عیاض۔ عبد اللہ صغر۔ عبد الرحمٰن اوسط۔ عبد اللہ اوسط ہیں، اور صاحبزادیوں میں ام المومنین حضرت حفصہؓ۔ زینب۔ رقیہ ہیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے، جلیل القدر صحابی اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک سال قبل یا بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ صغر سنی ہی میں اسلام لے آئے تھے اور اپنے والد ماجد کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے۔ جنگ بدر و اُحد میں بوجہ صغر سنی کے شریک نہیں کئے گئے۔ غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ کی ایک شادی حضرت فاطمہ بنت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما سے ہوئی ان کے بطن سے آپ کی اولاد داخلِ سادات ہے[2]۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو دنیا نے اپنی طرف

---

[1] بخاری کتاب الجنائز۔ [2] جواہر مجددیہ ص۳۱ و روضۃ القیومیہ ص۱۸۱

اور اُس نے دنیا کو اپنی طرف مائل نہ کرلیا ہو سوائے ابنِ عمرؓ کے" حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کا یہ حال تھا کہ اپنی تعریف سننا گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی تعریف کر رہا تھا تو آپ نے اس کے منھ میں مٹی ڈالدی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مداحوں کے منھ میں خاک ڈال دیا کرو" آپ بلا امتیاز ہر کس وناکس کو سلام کرنے میں سبقت کرتے اسی سعادت کی غرض سے صبح وشام بازار کا چکر لگاتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روزمرہ کی زندگی کا غایت درجہ مطالعہ کرتے رہتے تھے اور معمولات وجزئیاتِ سنن کا اس حد تک اتباع کرتے تھے کہ شاید اس کی نظیر دوسرے کسی صحابی میں مشکل ہی سے ملے گی، عہدِ رسالت کے بعد کے تمام فتنوں سے آپ بالکل علیحدہ رہے۔ آپ کے فضائل ومناقب صحابہ وتابعین سے بکثرت مروی ہیں۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کے بحرِ بیکراں تھے۔ اکثر محدثین اسنادِ حدیث میں جس سند کو سلسلۃ الذہب کہتے ہیں وہ مالک عن نافع عن ابن عمرؓ ہے۔ مکثرین فی الحدیث میں آپ کا دوسرا نمبر یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد ہے، آپ سے دوہزار چھ سوتیس (۲۶۳۰) احادیث مروی ہیں۔

آپ نے سنہ ۷۳ھ یا سنہ ۷۴ھ ہجری میں تراسی ۸۳ یا چوراسی سال کی عمر میں مکہ معظمہ میں وفات پائی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ زمانۂ حج میں عرفات سے واپسی پر کسی شخص کے نیزہ کی نوک آپ کے پاؤں میں لگ گئی اور یہی زخم آپ کی وفات کا باعث ہوا۔ حجاج بن یوسف اسوقت مکہ معظمہ میں موجود تھا اس نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ [له]

آپ کی اولاد میں: عبداللہ۔ سالم فقیہ۔ عبدالرحمٰن۔ زید، عبیداللہ۔ ابوبکر۔ ابوعبیدہ۔ واقد۔ عمر۔ ابوسلمہ۔ قلابہ اور بلال تھے۔ صاحبزادیوں میں حفصہ، سودہ اور ام علقمہ تھیں۔

(۳) حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ آپ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے جلیل القدر تابعی ہیں۔ فقہائے سبعۂ مدینہ منورہ میں آپ کا شمار ہے۔ اربابِ سیر کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد میں صورت اور سیرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اُن سے مشابہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ان کے مشابہ حضرت سالمؒ تھے، اس طرح گویا حضرت سالمؒ

له سیر الصحابہ جلد ۳ حصہ دوم ص ۴۵ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۹۴

حضرت فاروقؓ کا نقشِ ثانی تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے زمانے میں علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں حضرت سالمؒ سے زیادہ کوئی شخص سلفِ صالحین (صحابہؓ) کی مانند نہ تھا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سالمؒ کی امامت، جلالت، زہد و ورع اور علوِ مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور جملہ فنون میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا لیکن شدتِ احتیاط کی وجہ سے قرآنِ کریم کی تفسیر بیان نہ کرتے تھے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے رکنِ اعظم تھے سالمؒ نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہؓ میں حضرت ابوہریرہؓ، ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ان بزرگوں کے فیض سے آپ کا دامنِ علم نہایت وسیع ہو گیا تھا — آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں آپ امامت کا درجہ رکھتے تھے — علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سالمؒ ثقہ، کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں سے تھے آپ سے تمام کتبِ صحاح میں احادیث مروی ہیں۔[۲]

سنہ ۱۰۶ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ اموی حج کے دوران ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے اندر گیا وہاں حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالمؒ بھی موجود تھے ہشام نے اُن سے کہا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیں۔ حضرت سالمؒ نے فرمایا کہ اللہ کے گھر میں اللہ کے سوا کسی اور سے مانگنا شرم کی بات ہے۔ جب دونوں کعبہ سے نکل آئے تو پھر ہشام نے اُن سے دریافت کیا اور کہا کہ اب تو باہر آگئے ہو جو درکار ہو طلب کرو۔ حضرت سالمؒ نے فرمایا کہ میں تم سے کیا طلب کروں، آخرت کی چیز یا دنیا کی؟ ہشام نے کہا دنیا کی۔ حضرت سالمؒ نے جواب دیا "دنیا تو میں نے اس کے مالکِ حقیقی سے بھی کبھی طلب نہیں کی پھر بھلا تم سے (جو اُس کے مالک بھی نہیں ہو) کیوں طلب کروں" — ہشام آپ کا بہت احترام کرتا تھا، آپ نہایت معمولی اور موٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تختِ شاہی پر بٹھا لیتا تھا۔[۳]

ذی الحجہ سنہ ۱۰۶ھ مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ ہشام بن عبدالملک نے جبکہ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں آیا ہوا تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ خلقت کے ہجوم کی وجہ سے بقیع میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔[۳]

آپ کی نرینہ اولاد میں: عمر۔ ابوبکر۔ عبداللہ۔ عاصم۔ جعفر۔ عبدالعزیز ہیں۔

[۱۔۳] تابعین از شاہ معین الدین احمد ندوی ص ۱۲۹ تا ۱۳۳

(۴) شیخ ابراھیم قدس سرہٗ تابعین میں سے تھے [۱]

(۵) شیخ اسحٰق قدس سرہٗ تبع تابعین میں سے تھے اور مجتہدوں میں بھی آپ کی شان نہایت اعلیٰ تھی [۲]

(۶) شیخ ابوالفتح قدس سرہٗ بھی تبع تابعین میں سے تھے [۳]

(۷) شیخ عبداللہ واعظ اکبر قدس سرہٗ اپنے زمانے کے محدثین اور مجتہدین میں منفرد تھے، بحیثیت واعظ ہر دلعزیز تھے اسی وجہ سے آپ کو واعظ اکبر کہا جاتا تھا [۴]

(۸) شیخ عبداللہ واعظ اصغر قدس سرہٗ کو علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا، اکثر معاصر علما آپ سے استفادہ کرتے تھے، اپنے والد کی طرح آپ بھی مشہور واعظ تھے [۵]

(۹) شیخ مسعود قدس سرہٗ نے تحصیل علوم کے بعد باطنی استفادہ اپنے والد بزرگوار سے کیا تھا بڑے عابد و زاہد بزرگ گذرے ہیں، خلفائے عباسیہ آپ کے بہت معتقد تھے اور انہی کی عقیدت نے آپ کو مکہ مکرمہ سے دارالخلافہ بغداد آنے پر مجبور کر دیا ورنہ اس سے قبل آپ کا خاندان حجاز ہی میں قیام پذیر تھا [۶]

(۱۰) شیخ سلیمان قدس سرہٗ علوم ظاہری سے فارغ ہو کر حضرت شیخ سری سقطیؒ [ع] (م ۲۵۳ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قلیل مدت میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس سلسلہ کا نام سری سقطیہ ہے [۷]

(۱۱) شیخ محمود قدس سرہٗ نے اپنے والد شیخ سلیمانؒ سے باطنی استفادہ کیا، آپ کی دلیری اور شجاعت سے متاثر ہو کر خلیفۂ وقت نے جو لشکر ترکستان کی مہم پر بھیجا تھا اس کی کمان آپ ہی کو سپرد کی، وہاں سے آپ فاتح اور کامیاب واپس آئے پھر قلعۂ غزنین فتح کیا تو خلیفہ نے وہاں کی حکمرانی آپ کے سپرد کر دی [۸]

(۱۲) شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ نے اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد قلعۂ غزنین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور کئی حملوں کے بعد بالآخر کابل کو فتح کر لیا پھر کابل ہی کو اپنا دارالحکومت مقرر کیا اور وہیں قیام پذیر ہو گئے [۹]

۱تا۶ روضۃ القیومیہ ص۱۹ و سیرت امام ربانی ص۲۳،۲۲ ۷ جواہر مجددیہ ص۳۱ ۸و۹ روضۃ القیومیہ ص۲۰ و سیرت ص۲۴

ع حضرت شیخ سری سقطیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے مرشد اور حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ کو سوائے مرض الموت کے کبھی لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "بروں کی صحبت سے بچو اور نیکوں کی صحبت میں بھی یاد خدا سے غافل نہ ہو" آپ کا انتقال بروز منگل ۳ رمضان المبارک ۲۵۳ھ میں ہوا بغداد میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔ (نفحات الانس ص۵۵ و خزینۃ الاصفیا ص۷۳)

(۱۳) سلطان شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ معروف بہ فرخ شاہ کابلی، اوائلِ عمر ہی سے متقی، پرہیزگار اور متدین تھے، آپ کے اوصافِ حمیدہ، عاداتِ حسنہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے اعلیٰ و ادنیٰ سب مداح تھے، والدِ بزرگوار کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے افغانوں اور مغلوں کے تنازعات ختم کر کے اراضی کا مناسب بندوبست کیا۔ دنیاوی حکمرانی کے ساتھ ساتھ آپ باطنی دولت سے بھی مالا مال تھے اور بکثرت لوگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ آخری عمر میں زمامِ حکومت اپنے صاحبزادے شیخ یوسف کے حوالے کر کے ایک درہ میں جو کابل سے تھوڑے فاصلہ پر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہو کر "درۂ فرخ شاہ" کہلاتا ہے) گوشہ نشینی اختیار کی وہیں آپ کا مزار ہے [۱]

آپ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے بھی جدِّ اعلیٰ ہیں [ع] اور حضرت بابا صاحبؒ کا سلسلۂ نسب آپ تک اس طرح ہے: حضرت بابا فریدالدینؒ بن شیخ جمال الدین بن سلیمان بن قاضی شعیب بن محمد احمد بن محمد یوسف بن شیخ محمد بن فرخ شاہ [۲]

(۱۴) شیخ یوسف قدس سرہٗ نے علومِ ظاہری حاصل کر کے باطنی استفادہ اپنے والدِ بزرگوار سلطان فرخ شاہ سے کیا اور اُن کی گوشہ نشینی کے بعد زمامِ سلطنت سنبھالی، بڑے عادل، صالح اور دیندار تھے، آپ نے بھی آخری عمر میں سلطنت سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور زمامِ حکومت اپنے صاحبزادے (شیخ احمد) کو سونپ دی [۳]

(۱۵) شیخ احمد قدس سرہٗ اپنے والدِ ماجد کی طرح متقی، عالم اور صاحبِ حال بادشاہ گذرے ہیں لیکن آپ نے سلطنت کو بالکل ہی خیرباد کہہ دیا حتیٰ کہ اولاد کو بھی اس سے باز رہنے کی وصیت کی اور تھوڑا سا اثاثہ بال بچوں کے لئے رکھ کر باقی تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا، آپ نے اپنے والدِ ماجد کے علاوہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی [ع] قدس سرہٗ سے بھی فیض حاصل کیا اور خلافت پائی [۴]

---

[۱] روضۃ القیومیہ صـ۱ و سیرت امام ربانی صـ۲۲ [۲] جواہر مجددیہ صـ۳ و خزینۃ الاصفیا صـ۲۰۳ [۳] و [۴] روضہ صـ۲۱ و سیرت صـ۲۶

[ع] شیخ فریدالحق والدین گنج شکر اجودھنی قدس سرہٗ کے والد شیخ جمال الدین، سلطان محمود غزنوی کے خواہرزادے تھے، سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور تشریف لائے اور کھوتوال ضلع ملتان ۵۸۵ھ میں حضرت بابا گنج شکرؒ کی ولادت ہوئی، ملتان کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ تشریف لے آئے آپ وہیں بیعت ہو گئے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی ۶۶۴ھ میں بمقام پاک پٹن وفات ہوئی (خزینۃ الاصفیا صـ۲۰۳)۔

[ع] آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اور طریقت میں آپ کا انتساب اپنے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی سے ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور بہت سے مشائخ کی صحبت اٹھائی، حضرت خضر سے ملاقات ہوئی، عوارف المعارف آپ کی تصانیف میں سے ہے، ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ اور وفات ۶۳۲ھ بغداد میں ہوئی (نفحات الانس صـ۴۲۰ و خزینہ صـ۲۸۳)

(۱۶) شیخ شعیب قدس سرہٗ کو اپنے والد کے وصال کے بعد خانقاہ کی سجادہ نشینی ملی آپ درویش صفت، فرشتہ خصلت اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے [1]

(۱۷) شیخ عبداللہ قدس سرہٗ نے اپنے والد بزرگوار شیخ شعیب کے علاوہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی[عہ] قدس سرہٗ سے بھی استفادہ کیا اور خلافت حاصل کی [2]

(۱۸) شیخ اسحاق قدس سرہٗ صاحبِ حال، صادق القول، آزاد ضمیر اور صاف گو بزرگ گذرے ہیں، صرف اپنے والد شیخ عبداللہ کے مرید و خلیفہ تھے [3]

(۱۹) شیخ یوسف قدس سرہٗ اپنے والد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اپنے زمانے کے بڑے متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے، آپ کی عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کی بہت شہرت تھی، ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہونے کی وجہ سے لوگ آپ سے دونوں علوم میں استفادہ کرتے تھے [4]

(۲۰) شیخ سلیمان قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، بہت بافیض بزرگ تھے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور احسان و کرم سے آراستہ تھے [5]

(۲۱) شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ اپنے زمانے کے جید عالم اور بڑے مشائخ میں سے تھے، باطنی استفادہ اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر مشائخ چشتیہ سے بھی کیا [6]

(۲۲) حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور اپنے والد شیخ نصیرالدین کے جانشین اور خلیفہ ہونے کے علاوہ آپ نے تقریباً چار سو مشائخ کبار سے استفادہ کیا اور اکثر سے خلافت حاصل کی اور آخر میں حضرت مخدوم سید[عہ] جلال الدین بخاریؒ جہانیاں جہاں گشت کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت مخدومؒ نے آپ کے کمالِ زہد و تقویٰ کی وجہ سے آپ کو اپنا امامِ نماز بنایا اور شرفِ دامادی[7] بھی بخشا۔ آپ ہی اس خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار فرمائی اور سرہند شریف کی بنا و تعمیر کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

[1 تا 6] روضۃ القیومیہ ملخص و سیرت امام ربانی ص ۳۶ تا ۴۲۔

[عہ] حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ جہانیاں جہاں گشت نے تلاشِ حق میں بکثرت سفر کئے اور اکثر اولیائے کرام سے فیضیاب ہوئے۔ مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعیؒ کی خدمت میں رہے چودہ خانوادوں سے آپ کو خلافت حاصل ہوئی — سلطان فیروز شاہ تغلق آپ کا مرید و معتقد تھا۔ آپ کی ولادت ۷۰۷ھ/۱۳۰۸ء اور وفات ۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء میں ہوئی۔ اُوچہ تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں آپ کا مزارِ مبارک مرجع خاص و عام ہے۔

[7] دامادی کے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو عمدۃ المقامات ص ۱۰ و حالات و مقامات امام ربانی ص ۵

[عہ] شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی القریشی الاسدی ہندوستان کے اکابر اولیاء اور مشائخ سہروردیہ میں سے ہیں۔ قلعہ کوٹ کروڑ پنجاب میں ۵۶۶ھ میں ولادت ہوئی۔ خراسان بخارا ہوتے ہوئے حرمین شریفین پہنچے حج بیت اللہ و زیارت روضہ منورہ سے مشرف ہوئے پھر بغداد تشریف لے گئے وہاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت و خلافت حاصل ہوئی ۶۶۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء ص ۶۸۹)

بنائے سرہند شریف | سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ سلطنت (۷۵۲ تا ۷۸۵ھ مطابق ۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء) تک یہ ایک مقام بیابان وحشتناک جنگل اور شیروں کا مسکن تھا، اس کا قدیم نام سہرند بجائے خود جس کی دلالت کرتا ہے، سہرند کے معنی "شیروں کا جنگل" یا "شیروں کا مسکن" ہیں یہ مقام قریۂ براس سے چھ سات کوس کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس کے گرد و نواح میں کوئی شہر نہ تھا، اطراف کے لوگوں کو سلطانی مالیہ بُعد مسافت کی وجہ سے شہر سامانہ پہنچانے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق چونکہ مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ کا مرید تھا اس لئے اس اطراف کی رعایا اور بالخصوص اہلِ قریۂ براس نے بمقام اُوچ جا کر حضرت مخدوم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ دار الخلافہ دہلی تشریف لے جائیں اور سلطان سے درخواست کریں کہ اس مقام پر ایک شہر آباد کرایا جائے تاکہ سلطانی مالیہ پہنچانے میں دقت نہ ہو۔ آپ نے ان لوگوں کی درخواست کو قبول کیا اور دار الخلافہ تشریف لے گئے۔ سلطان نے کنوّر تک جو دہلی سے دو منزل کی مسافت پر (غالباً سونی پت سے آگے) واقع ہے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے پہلی ہی ملاقات میں ان کا مدعا پیش کیا اور سلطان نے منظور فرما کر حکم نافذ کر دیا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے۔

چنانچہ امام رفیع الدین صاحب کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ کو جو مقربانِ سلطان سے تھے دو ہزار سوار دے کر اس کام پر مامور کر کے روانہ کیا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی تعمیر شروع کر دی لیکن روزانہ جسقدر تعمیر ہوتی صبح کو منہدم پائی جاتی۔ جب سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو سلطان نے اس کا انسداد حضرت مخدوم سید جلال الدین قدس سرہٗ کے حوالہ کیا۔ آپ نے امام رفیع الدین سے جو آپ کے خلیفہ اور امامِ نماز تھے اور سام میں اقامت رکھتے تھے فرمایا کہ آپ جا کر اپنے ہاتھ سے قلعہ کا بنیادی پتھر رکھیں تاکہ قلعہ حوادث و آفات سے مصئون و محفوظ رہے اور وہیں سکونت بھی اختیار کریں کیونکہ آپ وہاں کے صاحبِ ولایت ہیں اور حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ نے اپنے دست مبارک سے ایک اینٹ عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے قلعہ کی بنیاد میں رکھیں۔

چنانچہ آپ اپنے پیر بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں وہاں تشریف لے گئے اور سکونت اختیار

فرما کر قلعہ کی بنیاد سنہ ۷۶۰ھ مطابق سنہ ۱۳۵۸ء میں اس اینٹ سے رکھی جو مخدوم صاحبؒ نے عنایت فرمائی تھی پھر اس معاملہ کی حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر[2] قدس سرہٗ کو بے خبری سے لوگوں نے بیگار میں پکڑ لیا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا اور کوئی شخص ان کو پہچانتا نہیں تھا، وہ باطنی تصرف سے قلعہ کی بنیاد کو ہر شب گرا دیتے تھے۔ امام رفیع الدین صاحب نے اس معاملہ کو معلوم کر کے اپنے بھائی کے قصور کی معذرت چاہی۔ شیخ (بو علی قلندر) نے فرمایا کہ اے رفیع الدین آپ کی لحاظ و خوشنودی کیلئے یہ شہر اب آباد رہے گا ورنہ قیامت تک میں اس کو آباد نہ ہونے دیتا۔ اس کے بعد جب قلعۂ مذکور مکمل ہو گیا تو سلطان نے فرمایا کہ یہ قلعہ حضرت امام رفیع الدینؒ کے تصرف سے آباد ہوا ہے اس لئے وہ وہیں سکونت اختیار کریں اور اس کی آمدنی کو اپنے فقراء پر صرف کریں۔ اس دن سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اسلاف کی سکونت اس شہر سہرند میں مقرر ہوئی اور اس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس شہر سہرند شیروں کے مسکن کو فاروقی شیروں کا وطن ہونا مقدر فرمایا ؎

سرہند بگو کہ رشکِ چین است　　خلد یست بریں کہ بر زمین است

امام رفیع الدین قدس سرہٗ نے اپنی بقیہ زندگی وہیں گزاری اور وہیں آپ کا انتقال ہوا آپ کا مزار مبارک شہر کے باہر تھا لیکن اب کثرتِ آبادی کے باعث شہر کے اندر آگیا ہے[1]۔

سرہند شریف کی خصوصیات و برکات اس شہر کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہاں سے تقریباً چھ سات کوس کے فاصلہ پر براس نامی ایک شہر آباد تھا جہاں حضرت مجدد الف ثانیؒ کو چند انبیاء علیہم السلام کے مزارات بذریعۂ کشف معلوم ہوئے۔ ان ستاروں کے نورِ سعادت نے بھی اس زمین کو آسمان بنا دیا ہے۔

---

[1] زبدۃ المقامات ص۱۰۹ عمدۃ المقامات ص۱۰ و روضۃ القیومیہ رکن اول ص۲۳

[2] حضرت بو علی شاہ قلندرؒ مجذوب اور ولیٔ کامل تھے آپ کی ولادت سنہ ۶۵۲ھ اور وفات سنہ ۷۲۴ھ بتائی جاتی ہے۔ مولانا ضیاء الدین سمنانی آپ کے ہمعصر تھے۔ بعض حضرات آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مرید بتلاتے ہیں اور بعض حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا لیکن ان میں سے کسی ایک کی صحبت کا یقین سے بیان نہیں کیا گیا۔ اور یہ سب اختراع ہے۔ اسی طرح آپ کا مزار پانی پت میں بھی بتایا جاتا ہے لیکن آپ کا مزار کرنال میں ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (از اخبار الاخیار) آپ کی وفات ۷۲۴ھ میں بتائی جاتی ہے اور قلعہ سرہند کی تعمیر ۷۶۰ھ میں ہوئی اسلئے اس واقعہ کی مطابقت نہیں ہوتی۔ (مؤلف)

سرہند شریف کے مقدس مقام ہونے کے متعلق خود حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

"اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل شہر سرہند گویا میرے زندہ کرنے کی جگہ (میری جائے پیدائش) ہے کہ میرے لئے اس گہرے اور تاریک کنوئیں کو پُر کر کے ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے اور اس کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلندی (فضیلت) بخشی گئی ہے اور اس زمین میں بے صفتی و بے کیفی کا ایک نور امانت کے طور پر رکھا گیا ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ شریف کی پاک و مقدس زمین سے بلند اور روشن ہو رہا ہے۔"

(چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) "مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ نورِ امانت اس فقیر کے قلبی انوار کا ایک حصہ ہے جس کو یہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح کہ شعلہ سے چراغ روشن کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔" [1]

نیز حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اس شہر کی فضیلت میں تحریر فرماتے ہیں :-

"آجکل شہر سرہند فیض و انوار کی کثرت اور بہت اسرار کے ظہور کے سبب رشکِ ہندوستان اور غیرتِ جنان بنا ہوا ہے، یہ نہ سمجھو کہ وہ ہند میں ہے بلکہ ولایت کی کھڑکی (دریچہ) ہے، وہاں کی خاک ولایت کے پانی سے ملی ہوئی ہے ، اس کی مٹی محبت کی شراب اور معرفت کی افیون سے گوندھی گئی ہے۔ لازمی تھا کہ مستی کا جوش طالبوں کے ہوش و حواس چھین لے اور رقاصانِ معرفت کو سر و دستار کا ہوش نہ رہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ازاں افیوں کہ ساقی در مئے افگند [2] حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار"

برصغیر کا یہی وہ تاریخی اور مقدس مقام ہے جو اس خانوادۂ فاروقی کا مسکن بنا اور یہیں سے بعد میں تجدید و احیائے دین کی کرنیں اطراف و اکنافِ عالم میں ضوفگن ہوئیں۔ جس مبارک ہستی نے اس شہر کو دوامی شہرت سے ہمکنار کیا اور جو مجدد الف ثانی کے لقب سے ملقب ہوئی اس کے اسلاف میں بھی برابر ایسے صاحبدل بزرگ ہوتے رہے جو اس کی بنیاد رکھے جانے کے وقت سے ہی دین و معرفت کی راہیں دکھاتے اور ایک عالم کو اپنے باطنی فیوض سے متمتع کرتے رہے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی دفتر دوم مکتوب ۲۲۔ [2] مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول مکتوب ۸۰

بنائے سرہند کے باب میں بات بہت دور نکل گئی اب پھر اصل بیان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

(۲۳) شیخ حبیب اللہ قدس سرہٗ۔ آپ امام رفیع الدین قدس سرہٗ کے صاحبزادوں میں سے ہیں۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد خانقاہ کی مسند نشینی آپ ہی کو ملی۔ اپنے زمانے کے ولی اور مشہور بزرگوں میں سے تھے۔[۱]

(۲۴) شیخ محمد قدس سرہٗ شیخ حبیب اللہؒ کے خلفِ ارشد تھے۔ آپ نے باطنی استفادہ اپنے والد بزرگوار سے کیا، ان کے انتقال کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے اور سرہند شریف کی ظاہری و باطنی ریاست آپ کے سپرد ہوئی۔[۲]

(۲۵) شیخ عبد الحی قدس سرہٗ۔ آپ شیخ محمدؒ کے فرزند اور سجادہ نشین تھے، اپنے وقت کے جید علما اور اپنے والد ماجد کی طرح عوام الناس کو راہِ راست پر لانے کے لئے ہر دم اور ہر لحظہ ساعی و کوشاں رہتے تھے۔[۳]

(۲۶) شیخ زین العابدین قدس سرہٗ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اپنے زمانے کے مشائخ کبار میں آپ کا شمار تھا، علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال تھے لوگ آپ سے دونوں علوم کا استفادہ کرتے تھے۔[۴]

(۲۷) حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ

والد ماجد کے وصال کے بعد مسندِ خلافت پر بیٹھے ابھی تحصیلِ علوم میں مشغول تھے کہ آپ کو جذبۂ الٰہی و عشقِ خداوندی کے غلبہ نے حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس[۵] گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیا اور شرفِ بیعت سے مشرف ہو کر اذکار و اشغال میں مشغول ہو گئے، جب آپ نے آستانۂ عالیہ پر درویشوں کے ساتھ رہنے کی درخواست کی تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ "انسان کو چاہئے کہ پہلے تحصیلِ علوم دین کرے اور شریعتِ مصطفویہ پر مستحکم ہو کر

---

[۱] تا [۴] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۲۸ و ۲۹

[۵] شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ عالم باعمل، صاحب وجد و حال اور شائقِ وجد و سماع تھے۔ آپ حضرت شیخ محمد بن عارف بن احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید تھے۔ انوار العیون آپ کی تصنیف ہے جس کو آپ نے سات فنون پر مرتب کیا ہے۔ آپ کے کئی صاحبزادے تھے جو سب کے سب عالم، عابد اور لباسِ مشیخت سے آراستہ تھے جن میں شیخ رکن الدین بڑے برگزیدہ بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کی ولادت ۸۵۲ھ اور وفات ۹۴۵ھ/۱۵۳۷ء میں ہوئی۔ گنگوہ ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ (اخبار الاخیار)

اس راہ میں قدم رکھے آپ بھی ایسا ہی کریں کہ علوم دینی کی تکمیل کرکے اس علم کے لئے کمربستہ ہوں کہ بے علم درویش بے نمک طعام کی مانند ہے۔" جب حضرت مخدوم نے یہ سنا تو حضرت شیخ کی کبرسنی کا خیال کرکے عرض کیا کہ مجھے خوف ہے کہ میں علوم دینی کی تکمیل کے بعد حاضر ہوں اور کہیں اس گرامی صحبت کو نہ پاکر اس نعمت سے محروم رہ جاؤں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا "اگر ایسا ہو تو میرے فرزند رکن الدینؒ[سلہ] کی صحبت اختیار کرنا جس بات کے مجھ سے طالب ہو وہی بات ان سے پاؤگے۔" الامر فوق الادب کے تحت حضرت مخدومؒ تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے ابھی زیر تعلیم تھے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا وصال ہوگیا۔

جب آپ کو حضرت شیخؒ کے وصال کی خبر ملی تو بہت حسرت و افسوس کیا اور تحصیل علوم سے فارغ ہوکر مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق نہایت اعزاز سے پیش آئے اور بعد ملاحظہ علو استعداد بہت جلد فیوض و برکات سے بہرہ یاب کرکے ۹۷۹ھ میں آپ کو طریقہ قادریہ اور چشتیہ صابریہ کا خرقہ خلافت عنایت فرمایا[سلہ]

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ شیخ جلال الدینؒ[عمہ] تھانیسری قدس سرہٗ بھی تھے پیر بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت مخدومؒ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک دن ان کی مجلس میں حضرت شاہ کمال کیتھلی[عمہ] قدس سرہٗ سے ملاقات ہوگئی حضرت مخدومؒ نے جب حضرت شاہ کمالؒ

سلہ زبدۃ المقامات ص ۹۱ و ۹۲

سلہ آپ حضرت گنگوہیؒ کے فرزند دوم و خلیفہ اول تھے آپ کا وصال ۹۸۳ھ میں ہوا۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۰۲-۱)

عمہ حضرت شیخ جلال الدین فاروقی تھانیسری کابلی قدس سرہٗ سترہ سال کی عمر میں حفظ قرآن اور تحصیل علوم سے فارغ ہوکر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے پھر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ سے مرید ہوکر باطنی کمالات حاصل کئے اور پچانوے سال کی عمر میں ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ تھانیسر میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیا ص ۴۳۶)

عمہ حضرت شاہ کمال کیتھلی بن حاجی سید عمر رحمہما اللہ غالباً ۸۹۵ھ بمقام بغداد تولد ہوئے بارہویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے، آپ حضرت شاہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے تقریباً ۹۵۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے، پہلے پائل میں پھر کیتھل میں قیام پذیر ہوگئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کے متعلق فرماتے ہیں: جب نظر کشفی سے غور کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ آپ کا وصال ۲۹ جمادی الاخری ۹۸۱ھ کیتھل ضلع انبالہ میں ہوا۔ (زبدۃ المقامات و ... دربار قادری)

تعلق کے آثار دیکھے تو ان کی ہمنشینی کی طرف مائل ہوئے آخر چند روز بعد حضرت شاہ کمالؒ کی خدمت میں قصبہ پائل حاضر ہو گئے اور بہت کچھ فوائد حاصل کئے، عجیب عجیب معاملات اور خرقِ عادت کمالات مشاہدہ میں آئے، رفتہ رفتہ حضرت شاہ کمالؒ اور حضرت مخدوم میں بہت الفت و محبت ہو گئی اور ارتباط و ضبط بڑھا کہ دونوں حضرات مع اہل و عیال ایک دوسرے کے یہاں کئی کئی دن قیام پذیر رہتے ۔ؔ

آپ اپنے زمانے کے علامۂ وقت تھے، آپ سے بڑے بڑے علما و فضلا نے سندِ تلمذ حاصل کی اور طالبانِ سلوک بھی آپ کی خدمت کثیر البرکت سے فیضیاب ہو کر کمال کے درجوں تک پہنچتے تھے اور کتبِ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ مثلاً عوارف المعارف، فصوص الحکم وغیرہ کا نہایت ذوق و شوق سے درس دیتے تھے اس لئے اربابِ ذوق و اصحابِ شوق ان کتابوں کی عبارت و استماع کے لئے کثیر تعداد میں دور دور سے آتے اور مستفیض ہوتے۔ عالموں اور فقیروں کے پیشوا شیخ میرک جو شہزادہ دارا شکوہ کے استاد تھے علمِ ظاہری و باطنی میں حضرت مخدومؒ کے شاگرد تھے ۔ؔ

حضرت مخدوم قدس سرہ کو اتباعِ سنتِ نبویہ علیہا الصلوٰۃ والتحیہ کا کمال درجہ خیال رہتا تھا، آپ کوئی سنت سننِ عادیہ میں سے بھی ترک نہ کرتے تھے، لباس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتے یہاں تک کہ آپ تہبند باندھتے اور نعلین ذو قبالین (دو تسمے والے جوتے) پہنتے اور عباداتِ مسنونہ کے بعد دعواتِ ماثورہ اور بعض وظائف و اوراد بھی پڑھا کرتے ۔ؔ

سب سے تعجب خیز امر یہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت مخدوم قدس سرہ کا مشرب وحدۃ الوجود تھا اور اس مقام کے سخت مغلوب الحال تھے لیکن پھر بھی کتاب و سنتِ نبویہ سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تھے اور جس درویش کو ذرا بھی خلافِ شریعت پاتے اس کی صحبت فوراً ترک کر دیتے اور ہرگز اس کے ولی ہونے کا اعتبار نہ کرتے تھے ۔ؔ

۱؎ روضۃ القیومیہ ص ۳۰ ۲؎ ایضاً ص ۳۲ ۳؎ زبدۃ المقامات ص ۱۲۶ ۴؎ روضۃ القیومیہ ص ۳۲

ع؎ شیخ میرک ہروی، قاضی محمد اسلم ہروی کے بھتیجے تھے عہدِ جہانگیری میں ہندوستان آئے اور لاہور میں ملا عبدالسلام کی شاگردی کی، اکتسابِ کمال کے بعد شاہجہاں کی ملازمت اختیار کی پھر دارا شکوہ اور دوسرے شہزادوں کی تعلیم پر مقرر ہوئے روز بروز منصب میں اضافہ ہوتا رہا۔ عہدِ عالمگیری میں مزید اضافہ ہوا۔ آخر میں صدارتِ کل کا عہدہ ملا لیکن بڑھاپے کی وجہ سے چوتھے سال جلوس عالمگیری میں اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔ ۱۰۷۰ھ م ۱۶۶۰ء میں انتقال ہوا۔ (مآثر الامرا جلد سوم)

حضرت مخدومؒ سے کیفیتِ جذب میں بعض خرقِ عادت باتیں بھی منسوب ہیں مثلاً حضرت خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے مخدوم زادگان عالی شان اور اُن کے چچا صاحبان کی زبانی سُنا کہ ایک دن حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کا ایک سچا مخلص جب آپ کے حجرے میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا کہ حضرت مخدومؒ مقتول ہیں اور اُن کے تمام اعضاء الگ الگ پڑے ہیں، وہ درویش اس خیال سے کہ شاید کسی دشمن یا چور سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے بے اختیار روتا پیٹتا باہر نکل آیا اور ایک دوسرے درویش کو اس سانحہ کی اطلاع دی اور جب وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت مخدوم زندہ و سلامت موجود اور مراقبہ میں مشغول ہیں۔ یہ حضرات حیران ہو کر قدموں پر گر پڑے، حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ میری زندگی میں یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ حقیقت [illegible] سبب دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا امر ہے جسے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔[1]

شادی حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کی طبیعت سیر و سیاحت کی طرف مائل تھی اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے اکثر وقت وطن سے باہر دوسرے شہروں میں گذرتا تھا۔ اسی سیاحت کے دوران ایک مرتبہ قصبہ سکندرہ میں جو کہ اٹاوہ کے قریب ایک مشہور قصبہ ہے آپ قیام پذیر تھے چونکہ علومِ شرعیہ کی اشاعت اور عباداتِ مسنونہ میں مشغول رہتے تھے اسلئے آپ کی روشن پیشانی میں صلاحیت و معرفت کے انوار و آثار چمکتے تھے۔ ایک روز اس قصبہ کی ایک شریف خاندان کی نیک و صالحہ خاتون نے جو کہ فراستِ صادقہ سے متصف تھی حضرت مخدوم کے روحانی کمال کا مشاہدہ کیا تو درخواست کی کہ میرے زیرِ تربیت میری ایک بہن ہے جو نہایت عفت و عصمت والی ہے میں چاہتی ہوں کہ اس کا آپ سے عقد ہو جائے اور میں امید رکھتی ہوں کہ میری یہ التماس آپ قبول فرمائیں گے۔ چونکہ آپ کے باطن پر مجرد رہنے کی لذت کا غلبہ تھا سردست قبول نہ فرمایا لیکن جب انھوں نے بہت اصرار کیا اور تقدیر و رضائے الٰہی برسرِ کار آئی تو آپ نے قبول کر لیا اور نکاح کے بعد کچھ عرصہ وہاں گذار کر سرہند لے آئے انہی کے بطن سے حضرت مجدد الف ثانیؒ تولد ہوئے۔[2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۲۱ و ۱۲۲ [2] ایضاً ص ۱۲۶

علم شریعت و طریقت میں آپ نے کئی رسالے تصنیف فرمائے جن میں اسرار التشہد اور کنوز الحقائق مشہور ہیں ان کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ حکم و دقائق اور اسرار و حقائق آپ نے ان میں تحریر فرمائے ہیں سب الہامی ہیں حقیقت یہ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ[۱]

اولادِ امجاد حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کے سات صاحبزادے تھے ان میں سے چوتھے یعنی منجھلے صاحبزادے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہٗ ہیں۔ چنانچہ مراتبِ حساب میں بھی چوتھا مرتبہ الف یعنی ہزار کا ہے تو حضرتِ موصوف مجددِ الف ہوئے اور جیسا کہ آفتاب سب ستاروں سے انور و اعظم ہے اور اس کا مقام فلکِ رابع ہے لہذا حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی مثلِ شمس ہیں۔[۲]

صاحب "جواہر مجددیہ" حضرت مخدومؒ کے صاحبزادگان کی تفصیل اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

(۱) شیخ شاہ محمدؒ جنہوں نے حضرت مخدومؒ سے ظاہری و باطنی تعلیم و خلافت پائی۔ (۲) شیخ مسعودؒ۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ سے مرید ہوئے۔ (۳) آپ کا نام اور کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ (۴) حضرت شیخ احمدؒ جن کا تذکرہ پیشِ نظر ہے۔ (۵) شیخ غلام محمد۔ (۶) شیخ مودود۔ ان دونوں بھائیوں کے نام مکتوبات شریف جلد اول میں مکاتیب موجود ہیں۔ (۷) آپ کا نام و حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔[۳]

سجادہ نشینی مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ نے وفات سے قبل اپنے تمام فرزندوں، خلفا اور معاصر علمائے کرام کو جمع کر کے سب کی موجودگی میں سلسلۂ چشتیہ و سہروردیہ کے وہ تبرکات جو انھیں اپنے اجداد سے اور حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ سے حاصل ہوئے تھے، نیز حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ نے مرحمت فرمائے تھے وہ سب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو عنایت فرمائے اور سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کی نسبتِ خاص بھی القا فرمائی اور خانقاہ کی خلافت بھی تفویض فرما کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔[۴]

---

[۱] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳ [۲] عمدۃ المقامات ص ۱۲۴ [۳] جواہر مجددیہ ص ۸

[۴] روضۃ القیومیہ ص ۳۳ و ۷۰۔

وفات | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب والد بزرگوار حضرت مخدومؒ کا اخیر وقت ہوا تو اچانک آپ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "بات وہی ہے جو شیخ بزرگوار نے فرمائی تھی" میں نے یہ سمجھا کہ آپ کی مراد شیخ ابن العربی سے ہے اس لئے میں نے کہا کہ "شیخ ابن العربی نے" تو آپ نے فرمایا "نہیں ہمارے شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ نے"۔ میں نے دریافت کیا وہ کون سی بات ہے؟ کچھ دیر خاموشی کے بعد فرمایا" وہ بات یہ ہے کہ شیخ نے فرمایا در حقیقت حق سبحانہ و تعالیٰ ہستیٔ مطلق ہے لیکن لباسِ کونیہ کی خاک محجوبوں کی آنکھ میں ڈال کر انھیں دور و مہجور رکھا ہے" اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور مجھ کو کسی امر کی رہنمائی اور کچھ وصیت فرمائیے کہ جس پر میں عمل کرتا رہوں۔ فرمایا" بس تمہیں بھی اسی بات کی وصیت کرتا ہوں"۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ چونکہ حضرت والد صاحب کی زبانِ مبارک پر بارہا یہ الفاظ آتے رہتے تھے کہ محبتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو ایمان کی حفاظت وحُسنِ خاتمہ میں بہت بڑا دخل ہے میں نے نزع کے وقت آپ کو یہ بات یاد دلائی، فرمایا" الحمد للہ کہ محبتِ اہلِ بیت میں سرشار ہوں اور نعمتِ الٰہی کے اس دریا میں مستغرق ہوں ؎

الٰہی بحقِ بنی فاطمہؓ کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ[1]

آپ نے اسّی سال کی عمر میں ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ کو وصال فرمایا۔ بعض نے ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار مطلعِ انوار شہر سرہند کے جانبِ شمال تقریباً ایک میل پر واقع ہے۔ آپ کی تاریخِ وصال میں کسی نے حسبِ ذیل قطعہ کہا ہے ؎

آں شیخ کہ بود اعلم اندر ہر فن ۞ جا نشں گہرِ سرِّ ازل را معدن
چوں شیخِ زمانہ بود در علم و عمل ۞ تاریخِ وصالِ آں بگو شیخِ زمن[2]
۱۰۰۷

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً

۱۰۰۷ھ میں جمادی الاخریٰ کا مہینہ حضرت مجددؒ کے لئے بڑا رنج والم کا تھا کیونکہ ۲ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ھ کو آپ کے خسر شیخ سلطان کو پھانسی دی گئی اور پچیس دن کے بعد ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ھ کو آپ کے والد ماجد نے وفات پائی۔

---

[1] و [2] زبدۃ المقامات ص ۱۲۳ / روضۃ القیومیہ ص ۳۲ و سیرت امام ربانی ص ۳۹

حضرت مجدد الف ثانیؒ

کا

سلسلۂ طریقت

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:-

"میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس[21]، قادریہ میں پچیس[25] اور چشتیہ میں ستائیس[27] واسطے درمیان میں ہیں۔"[1]

لہٰذا ذیل میں ان واسطوں کی تفصیل کے لئے شجرے درج کئے جاتے ہیں:-

انتساب در سلسلۂ چشتیہ سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کو ستائیس[27] واسطوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح نسبت حاصل ہے:-

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ (۱) امیرالمومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ (۲) خیرالتابعین حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ (۳) حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ۔ (۴) حضرت شیخ فضیل بن عیاض قدس سرہٗ (۵) حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم قدس سرہ۔ (۶) حضرت شیخ حذیفہ مرعشی قدس سرہ۔ (۷) حضرت شیخ ابو ہبیرہ بصری قدس سرہ۔ (۸) حضرت شیخ ممشاد علو دینوری قدس سرہ۔ (۹) حضرت شیخ ابو اسحاق شامی قدس سرہ۔ (۱۰) حضرت شیخ ابو احمد چشتی قدس سرہٗ۔ (۱۱) حضرت شیخ ابو محمد چشتی قدس سرہ۔ (۱۲) حضرت شیخ ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ۔ (۱۳) حضرت شیخ مودود چشتی قدس سرہ۔ (۱۴) حضرت حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ (۱۵) حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ (۱۶) خواجۂ خواجگان امام الطریقہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری قدس سرہٗ (۱۷) حضرت

---

[1] مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۸۷

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ۔ (۱۸) حضرت شیخ فرید الحق والدین مسعود اجودھنی گنج شکر قدس سرہ۔ (۱۹) حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر قدس سرہ۔ (۲۰) حضرت شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ۔ (۲۱) حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ (۲۲) حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہٗ عنہ۔ (۲۳) حضرت شیخ محمد عارف قدس سرہٗ (۲۴) حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ۔ (۲۵) حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ (۲۶) حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد قدس سرہٗ (۲۷) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ لہ۔

انتساب سلسلۂ قادریہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو سلسلۂ قادریہ میں کئی بزرگوں سے نسبت حاصل ہے اُن میں سے ایک شجرہ تبرکاً نقل کیا جاتا ہے:۔

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۱) امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔ (۲) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۳) سید السادات حضرت حسن مثنیٰ قدس سرہٗ۔ (۴) حضرت سید عبد اللہ المحض قدس سرہٗ۔ (۵) حضرت شاہ موسیٰ الجون قدس سرہٗ۔ (۶) حضرت سید عبد اللہ المورث قدس سرہٗ (۷) حضرت سید موسیٰ ثانی قدس سرہٗ (۸) حضرت سید داؤد قدس سرہٗ۔ (۹) حضرت سید مورث قدس سرہٗ (۱۰) حضرت سید یحییٰ زاہد قدس سرہٗ۔ (۱۱) حضرت سید عبد اللہ جیلی قدس سرہٗ (۱۲) حضرت سید موسیٰ جنگی دوست قدس سرہٗ۔ (۱۳) حضرت سید ابو صالح قدس سرہٗ۔ (۱۴) غوث الثقلین حضرت سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ۔ (۱۵) حضرت سید عبد الرزاق قدس سرہٗ۔ (۱۶) حضرت سید شرف الدین قدس سرہٗ (۱۷) حضرت سید عبد الوہاب قدس سرہٗ (۱۸) حضرت سید بہاؤ الدین قدس سرہٗ۔ (۱۹) حضرت سید عقیل قدس سرہٗ۔ (۲۰) حضرت سید شمس الدین عسہ صحرائی قدس سرہٗ۔ (۲۱) حضرت سید گدا رحمٰن قدس سرہٗ (۲۲) حضرت شاہ فضیل قدس سرہٗ۔ (۲۳) حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ۔ (۲۴) حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ۔ (۲۵) امامِ ربّانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ ۲ہ

لہ مکاشفاتِ غیبیہ و حضرات القدس وار بع انہار ۲ہ مکاشفاتِ عینیہ و ہدیۂ مجددیہ

عنہ بعض نسخوں میں نمبر ۲۲ کے بعد شیخ احمد عارف قدس سرہٗ کا اسم گرامی بھی درج ہے۔

عسہ بعض نسخوں میں نمبر ۲۰ کے بعد حضرت شمس الدین عارف قدس سرہٗ کا اسم گرامی بھی درج ہے۔

انتسابِ سلسلۂ سہروردیہ اسی طرح سلسلۂ سہروردیہ کا بھی ایک شجرہ تبرکاً نقل کیا جاتا ہے:۔

شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۱) امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ (۲) حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ (۳) حضرت شیخ حبیب عجمی قدس سرہٗ (۴) حضرت شیخ داؤد طائی قدس سرہٗ (۵) حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ (۶) حضرت شیخ ابوالحسن سری سقطی قدس سرہٗ (۷) حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ (۸) حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری قدس سرہٗ (۹) حضرت شیخ ابو اسحٰق شامی قدس سرہٗ (۱۰) حضرت شیخ ابو احمد دینوری قدس سرہٗ (۱۱) حضرت شیخ ابو محمد بن شیخ عبداللہ معروف بعمویہ قدس سرہٗ (۱۲) حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین قدس سرہٗ (۱۳) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ (۱۴) حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ (۱۵) حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہٗ (۱۶) حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح قدس سرہٗ۔ (۱۷) حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ (۱۸) حضرت سید اجمل بہرائچی قدس سرہ۔ (۱۹) حضرت سید بڈھن بہرائچی قدس سرہ۔ (۲۰) حضرت شیخ درویش محمد بن قاسم قدس سرہٗ (۲۱) حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہٗ (۲۲) حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ (۲۳) حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد قدس سرہٗ (۲۴) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ۔[1]

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

حضور پرنور احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۱) امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۳) حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم (۴) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ (۵) حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ۔ (۶) حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ (۷) حضرت خواجہ ابو علی فارمدی قدس سرہٗ (۸) حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی قدس سرہٗ (۹) حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہٗ (۱۰) حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری قدس سرہٗ (۱۱) حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ

[1] ہدیۂ مجددیہ۔

(۱۲) حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ۔ (۱۳) حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ۔ (۱۴) حضرت خواجہ شمس الدین امیر کلال قدس سرہٗ۔ (۱۵) امام الطریقہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ۔ (۱۶) حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ (۱۷) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ۔ (۱۸) حضرت خواجہ محمد زاہد قدس سرہٗ (۱۹) حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ۔ (۲۰) حضرت خواجہ محمد امکنگی قدس سرہٗ۔ (۲۱) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ۔ (۲۲) امام ربانی مجدد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ [1]

حضرت مخدوم عبد الاحد قدس سرہٗ کے وصال کے بعد چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے ملاقات اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں شرفِ بیعت و خلافت کی سعادت حاصل ہو گئی تھی، نیز یہ کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق احیائے دین، ترویجِ سنت اور اشاعتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پوری طرح گامزن تھا اس لئے آپ پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا قدرتی طور پر غلبہ ہو گیا اور یہی آپ کا پسندیدہ مسلک رہا۔ لہٰذا مناسب ہو گا کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے سلسلۂ نسب کی طرح سلسلۂ طریقت کے بزرگوں کا تذکرہ بھی کرنے کی سعادت حاصل کی جائے و باللہ التوفیق۔

---

[1] مکاشفاتِ عینیہ

ع: چونکہ حضرت یعقوب چرخیؒ کو خواجۂ نقشبندؒ سے براہ راست اجازت کے باوجود سلوک کی تکمیل خواجہ علاؤ الدین عطار سے ہوئی ہے اس لئے بعض شجروں میں ان دونوں حضرات کے درمیان خواجہ علاؤ الدینؒ عطار کا نام درج ہے۔

۶۸۶

مختصر حالات حضراتِ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم

سیرتِ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

حضرت شفیع المذنبین، خاتم النبیین، محبوبِ رب العالمین، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سردارِ دو عالم، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں متعدد آیاتِ شریفہ نازل فرمائیں مثلاً: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ، رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وغیرہ، نیز ہر قرن اور ہر زمانے کے علماء نے اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی زبانوں میں آپؐ کی سیرتِ طیبہ پر بڑی بڑی مجلدات تیار کیں اور حق تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ قیامت تک کس قدر اور لکھی جائیں گی۔ یہاں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو اجمالی طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور بزرگی سے متعلق یہی حدیث شریف کافی ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ، یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے سب سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا اور اسی نور کو واسطہ تخلیقِ عالم ٹھہرایا، پھر آپؐ کو عالمِ ارواح ہی میں خلعتِ نبوت سے سرفراز فرما کر دو عالم کی تاجداری بھی عطا کی۔ ایک طرف آپؐ کو تمام انبیاء علیہم السلام کا سردار بنایا تو دوسری طرف تمام نوعِ انسانی سے افضل واشرف مقرر فرمایا، اسی اعتبار سے آپؐ کا سلسلۂ نسب بھی تمام انساب سے زیادہ مطہر، شریف اور پاک ہے جس کے معترف دوست اور دشمن سب ہی ہیں

سلسلۂ نسب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کنیت ابو القاسم ہے۔ اور آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ[۱] بن عبد المطلب[۲] بن ہاشم[۳] بن عبد مناف[۴] بن قصی[۵] بن حکیم المعروف بہ کلاب[۶] بن مرہ[۷] بن کعب[۸] بن لوی[۹] بن غالب[۱۰] بن فہر[۱۱] الملقب بہ قریش بن مالک[۱۲] بن نضر[۱۳] بن کنانہ[۱۴] بن خزیمہ[۱۵] بن مدرکہ[۱۶] بن الیاس[۱۷] بن مضر[۱۸] بن نزار[۱۹] بن معد[۲۰] بن عدنان[۲۱]۔ یہاں تک سلسلۂ نسب صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

آپؐ کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا اور اُن کا سلسلۂ نسب یہ ہے: آمنہ بنتِ وہب ابن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب۔ یعنی کلاب بن مرہ پر آپؐ کے والدین کا نسب شریف جمع ہو جاتا ہے۔

ولادت باسعادت | ولادت باسعادت مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول (مطابق ماہِ اپریل ۵۷۱ء) کو ہوئی، اسی سال واقعۂ فیل پیش آیا، اس وقت فارس کے بادشاہ نوشیرواں کی سلطنت کا چالیسواں سال تھا۔[1] صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کے بطن سے ایک ایسا نور ظاہر ہوا کہ جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کو اُن کے والد عبدالمطلب نے کھجوریں خرید کرلانے کیلئے مدینہ منورہ بھیجا، اتفاقاً ان کی وہیں وفات ہو گئی۔ اس طرح والدِ ماجد کا سایۂ شفقت پیدائش سے قبل ہی اُٹھ گیا۔

بچپن | حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے اور چند روز کے بعد ابولہب کی کنیز ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد عرب شرفاء کے دستور کے مطابق حلیمہ سعدیہؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حلیمہ سعدیہؓ کا بیان ہے کہ "میری گود میں ایک بچہ تھا مگر فقروفاقہ کی وجہ سے اتنا دودھ نہ تھا جو اس کو کافی ہو سکے لیکن جونہی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میری آغوش میں آئے تو اس قدر دودھ اُترا کہ آپؐ نے بھی اور آپؐ کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر پیا۔" آپؐ نے بچپن کے کچھ ایام حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ بکریاں چرانے میں بھی گذارے یہ ایک طرح سے امت پروری کی تعلیم کا آغاز تھا۔

ابھی آپؐ کی عمر شریف چار یا چھ سال کی ہوئی تھی کہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپس آتے ہوئے مقام ابواء میں آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ اپنے دادا عبدالمطلب کی سرپرستی میں رہے لیکن آٹھ سال کی عمر شریف ہوئی تو عبدالمطلب بھی طویل عمر پا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اس کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب

---

[1] طبقات ابن سعد اردو و اصح السیر۔ [2] سیرت خاتم الانبیاء ملا

کے پاس رہنے لگے۔ بارہ برس کی عمر شریف میں آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام کی طرف تشریف لے گئے راستہ میں مقام تیما میں قیام فرمایا اتفاقاً وہاں ایک عیسائی عالم بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے ابوطالب سے کہا کہ یہ لڑکا خدا کا پیغمبر آخر الزماں معلوم ہوتا ہے اس کو شام نہ لے جاؤ وہاں کے یہود اس کو پہچان لیں گے تو اس کے لئے جان کا خطرہ ہے۔ ابوطالب نے اس خطرے کے پیش نظر آپؐ کو واپس مکہ معظمہ بھیج دیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور حلم و کرم کی وجہ سے قبل از نبوت ہی مکہ والوں میں آپ کی دیانت و امانت کا شہرہ ہو گیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو مکۂ معظمہ کی ایک بیوہ مالدار خاتون تھیں آپ کی امانت اور بزرگی کا شہرہ سن کر بہت متأثر ہوئیں چنانچہ آپ اُن کے ایماء پر اُن کا مالِ تجارت لے کر ملک شام (بعض روایتوں میں یمن اور بحرین) تشریف لے گئے، وہاں وہ مال آپ کی برکت سے بہت زیادہ نفع کے ساتھ فروخت ہوا اور وہاں سے آپ دوسرا منفعت بخش مال خرید کر واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کے سپرد کر دیا، اس کو حضرت خدیجہ نے یہاں فروخت کیا تو دو چند نفع ہوا۔

نکاح | حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، ایک نہایت عقلمند خاتون تھیں آپؐ کی شرافت، صداقت، امانت اور بلند اخلاق کو دیکھ کر آپؐ سے نکاح کی خواہشمند ہوئیں چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کر لیا، اُس وقت آپؐ کی عمر شریف پچیس ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس ۴۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپؐ کے دو۲ صاحبزادے قاسمؓ اور عبداللہؓ، اور چار صاحبزادیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں، ان سب کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا ہجرت سے تین سال قبل جب اُن کا انتقال ہو گیا اور اس وقت آپؐ کی عمر شریف انچاس ۴۹ سال کی ہو گئی تو بعض دوسری ازواجِ مطہرات آپ کے نکاح میں آئیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا پینتیسواں ۳۵ سال تھا کہ قریش نے بیت اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا، چنانچہ تمام قبائل نے اس تعمیر میں شرکت کی، جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ اپنی فضیلت اور اپنے خصوصی حق پر مصر ہو گیا قریب تھا کہ آپس میں

جنگ چھڑ جائے، آخر آپؐ کے حکیمانہ فیصلہ پر سب راضی ہو گئے یعنی آپؐ نے چادر پھیلا کر اس میں حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے رکھدیا پھر ہر قبیلہ کے منتخب سرداروں نے چادر پکڑ کر اٹھائی اور آپؐ نے اس کو مقررہ جگہ پر نصب کر دیا۔

ابتداءِ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آبادی سے باہر پہاڑوں میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے۔ ابتداءِ نبوت کے کچھ عرصہ قبل آپ کو مسلسل سچے خواب نظر آنے شروع ہوئے چنانچہ آپؐ کو اکثر واقعات قبل از وقوع ہی خواب میں نظر آجاتے، جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی تو ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن جبل نور کے ایک غار میں جو غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اِقْرَأْ (یعنی پڑھیئے) میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو اپنے سینے سے خوب چمٹایا اور دبوچا جس سے مجھ کو تکلیف ہونے لگی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا اِقْرَأْ۔ میں نے پھر وہی کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں انھوں نے پھر مجھ کو خوب دبوچا یہاں تک کہ مجھ کو تکلیف ہونے لگی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ . . . . اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے عالم میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھ کو (کپڑا) اڑھا دو، مجھ کو (کپڑا) اڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو کپڑا اڑھا دیا گیا یہاں تک کہ آپ کا خوف جاتا رہا۔ پھر آپؐ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے تمام واقعہ بیان فرمایا اور کہا مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ ہرگز نہ ڈریں، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں یتیموں کی خبر گیری کرتے ہیں، مسکینوں کے لئے کماتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور قدرتی حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں، الی آخر الحدیث [1]۔ یہی ابتداءِ وحی و نبوت تھی۔

---

[1] مشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی۔ جلد سوم ص ۱۵۶

دعوتِ اسلام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداءً جو وحی نازل ہوئی وہ اُن احکام پر مشتمل تھی جو بالخصوص آپ کی ذاتِ اقدس ہی کے لئے تھے، پھر کچھ دنوں بعد آپ کو عمومی تبلیغ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ اور آپ کے متبنّٰی زید بن حارثہؓ مشرف باسلام ہوئے پھر یہ سلسلہ روز افزوں ترقی کرتا گیا، عرب قبائل کو جب اس دعوت و تبلیغ کی حقیقت کا علم ہوا کہ اس میں ان کے بتوں کی سخت مخالفت ہے تو وہ بہت برہم ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کا دنیوی لالچ دیا جس میں سرداری و حکمرانی بھی تھی، مال و زر اور حسین عورتوں کی پیشکش بھی، لیکن آپ کے عزم و استقلال کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی، پھر آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینے لگے حتیٰ کہ آپ کی جان کے در پے ہو گئے۔

ہجرتِ حبشہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتِ گرامی پر تو ہر قسم کے مظالم اور تکالیف برداشت کرتے رہے لیکن جب دیگر صحابۂ کرامؓ اور اقارب پر مظالم ناقابلِ برداشت ہو گئے تو آپؐ نے عطائے نبوت سے پانچویں سال ماہِ رجب میں بارہ مرد اور چار عورتوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجۂ مطہرہ حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ نجاشی بادشاہ حبشہ نے ان مہاجرین کا اکرام کیا اور ان کو قیام کی اجازت دیدی، قریشِ مکہ نے وہاں بھی مہاجرین کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں۔ نجاشی نے مہاجرین سے تحقیقِ حال کیا تو اُن کے ترجمان جعفر بن ابی طالبؓ نے ان کے موقف کی وضاحت کی۔ نجاشی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور تین مرتبہ یہ جملہ کہا کہ آپ میرے ملک میں بالکل محفوظ ہیں چنانچہ مہاجرین ایک عرصہ وہاں امن و امان کے ساتھ قیام کر کے واپس آ گئے۔[۱]

شعبِ ابی طالب | نبوت کے ساتویں سال میں جب قریشِ مکہ کا بغض و عناد حد سے بڑھ گیا تو انھوں نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص نہ خاندانِ بنی ہاشم سے قرابت رکھے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، اور نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالہ نہ کر دیں وغیرہ وغیرہ" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبۂ معظمہ کے دروازہ پر آویزاں کر دیا گیا۔ ابوطالب مجبور ہو کر خاندانِ بنی ہاشم کے ساتھ اپنے محلہ شعبِ ابی طالب میں جو پہلے شعبِ بنی ہاشم کہلاتا تھا محصور ہو گئے

---

[۱] رحمتِ عالم۔ از مولانا سید سلیمان ندویؒ۔

اور یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آ کر پناہ لی۔ بنو ہاشم نے تین سال سخت مصائب و آلام میں گذارے جس کی تفصیل بڑی دردناک ہے آخر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قریش میں اختلاف پیدا فرما دیا اور ایک گروہ اس معاہدہ کو ختم کرنے پر مصر ہو گیا، دارالندوہ میں ایک اجتماع ہوا جس میں ابوطالب کو بھی شریک کیا گیا اور قریش نے معاہدہ کے سلسلہ میں گفتگو شروع کی۔ آپس میں بحث ہوئی، ابوطالب نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ اس وثیقہ کو کیڑوں نے کھا لیا ہے البتہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام ہے وہ حصہ باقی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر اس معاہدہ کو ختم کرو اور اگر غلط ہے تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ آخر مطعم بن عدی عہد نامہ کو اتار کر لائے اور دیکھا کہ واقعی سارا کیڑوں نے کھا لیا ہے اور صرف وہ جگہ باقی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو ختم کر دیا۔ جب آپ شعب ابی طالب سے باہر تشریف لائے تو آپ کی عمر شریف انچاس سال کی تھی، گویا بعثت سے نویں سال کے آخر میں یا دسویں سال کے شروع میں آپ شعب ابی طالب سے باہر تشریف لائے۔ [1]

اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد ابوطالب کی وفات ہو گئی پھر چند دن بعد آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہو گیا۔ جس کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا۔ پھر آپ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کر لیا۔

کفار مکہ کی ایذا رسانی، سختیوں اور مخالفتوں کے باوجود آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جس کے نتیجے میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا رہا۔ اسی ابتدائی دور میں حضرت حمزہ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت صہیب، حضرت یاسر، حضرت خباب رضی اللہ عنہم اور دیگر شرفائے مکہ بڑی تعداد میں مشرف باسلام ہوئے۔ [2]

طائف کا سفر اس کے بعد آپ نے تبلیغ کا کام مکہ معظمہ سے باہر لوگوں میں کرنا چاہا تو زید بن حارثؓ کو ساتھ لیکر طائف تشریف لے گئے اور وہاں تبلیغ اسلام میں بہت کوشاں رہے لیکن افسوس کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی قبول حق کی توفیق نصیب نہ ہوئی، آخر ایک ماہ کے سخت مصائب برداشت کر کے واپس تشریف لے آئے۔ طائف کے ابتلاء نے آپ کے مضبوط ارادہ پر کوئی اثر

---

[1] سیرۃ النبیؐ [2] رحمتِ عالم۔

نہیں ڈالا بلکہ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ایک قبیلہ میں گشت کر کے حق تعالیٰ کا پیغام سنائیں گے اس کے لئے مکہ مکرمہ میں حج کا قدرتی موقع موجود تھا، جس میں عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے اور کئی کئی دن ٹھہرتے تھے، آپ نے ان مجمعوں میں پہنچ کر ہر ایک قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کرنی اور قرآن کریم کی آیتیں سنانی شروع کیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ پورے ملک میں اسلام کی آواز پھیل گئی [۱]

معراج مبارک | حضرت ابن عباسؓ وغیرہم سے مروی ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل ۱۷ ربیع الاول یا ۲۷ رمضان المبارک اور مشہور یہ ہے کہ ۲۷ رجب المرجب کی شب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج مقدس کی سعادت سے نوازا گیا یعنی ایک شب آپ حطیم کعبہ میں آرام فرما تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ کو براق پر سوار کرا کر مسجد اقصیٰ لے گئے جہاں آپ نے تمام انبیاء و مرسلینؑ اور ملائکہ مقربین کی امامت فرما کر نماز پڑھائی (سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ الآیہ میں اسی سیر کا ذکر ہے) اس کے بعد آسمانوں کی سیر کرائی اور بعض انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں پھر سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے گئے، راستہ میں حوض کوثر پر گذر ہوا پھر جنت میں داخل ہوئے وہاں قدرتِ الٰہی کے وہ عجائبات دیکھے جو نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھے اور نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی انسان کے وہم و گمان کی وہاں تک رسائی ہوئی — پھر دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی جو ہر قسم کے عذاب اور بھڑکتی آگ سے بھری ہوئی تھی اس میں بعض دوزخیوں کی حالت دکھائی گئی پھر دوزخ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ امین سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر گئے کیونکہ ان کو اس درجے سے آگے بڑھنے کا حکم نہیں تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور قرب کے انتہائی منازل میں بلائے گئے پھر آپ کو خداوند جل وعلا کی زیارت ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ زیارت فقط قلب سے نہیں بلکہ آنکھوں سے ہوئی۔ محققین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی تحقیق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ جل وعلا میں سجدہ کیا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے بالمشافہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، اسی وقت پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اس کے بعد آپ براق پر سوار ہو کر واپس تشریف لے آئے صبح سے پہلے ہی یہ مبارک سفر تمام ہو گیا۔ [۲]

---

[۱] رحمتِ عالمؐ [۲] سیرت خاتم الانبیاءؐ و مظاہر حق جلد چہارم ص ۵۳۲ -

عقبہ کی بیعت | نبوت کے دسویں سال رجب کے مہینے میں اوس و خزرج دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور منیٰ میں عقبہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، آپ نے اُن کو آیاتِ قرآنی سنائیں، ان کا مطلب سمجھایا اور اسلام کی دعوت دی، چھ[۶] یا آٹھ آدمی اسی وقت مسلمان ہو گئے، یہ بیعت عقبۂ اولیٰ کہلاتی ہے۔ ان میں دو[۲] آدمی یہ بھی تھے جو اس سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔

دوسرے سال (سلہ نبوت) مدینہ منورہ سے بارہ آدمی آئے، سات آدمی وہی تھے جو عقبۂ اولیٰ میں اسلام لا چکے تھے اور پانچ نئے آدمیوں نے اسلام قبول کیا، یہ بیعت عقبۂ ثانیہ کہلاتی ہے۔ ان لوگوں کی خواہش پر عمر[ل] بن ام مکتومؓ اور مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا گیا تاکہ وہ انھیں اسلام کی باتیں سکھائیں۔ مصعب بن عمیرؓ اُن کی امامت کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے ہاتھ پر مدینہ منورہ کے بہت آدمی مسلمان ہوئے اور ایک سال کے اندر اندر اس شہر کے اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے۔

اگلے سال (سلہ۱۲ نبوت) جب حج کا زمانہ آیا تو مدینہ منورہ کے بہتر[۷۲] اشخاص جن میں ستر مرد اور دو[۲] عورتیں شامل تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے آئے اور پوشیدہ طور پر نصف شب کے وقت آپ کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی۔ یہ بیعتِ عقبۂ ثالثہ کہلاتی ہے۔ اسی شب کو اشاعتِ اسلام اور تعلیم دین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ سردار چنے۔ اُن کے نام خود انہی لوگوں نے بتائے تھے ان میں سے نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔ اس طرح مدینہ منورہ مسلمانوں کیلئے ایک پُرامن مرکز بن گیا۔

قریش کو جب ان حالات کا علم ہوا تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اور انھوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آخر تنگ آکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کر دی اس پر قریش نے روک ٹوک کی لیکن چوری چھپے لوگ جاتے رہے اور رفتہ رفتہ اکثر صحابہؓ چلے گئے، مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ اور چند صحابہ رہ گئے یا وہ مسلمان جو مفلسی سے مجبور تھے یا جن کو کفار نے مقید کر دیا تھا، وہ مجبوراً نہ جا سکے۔

ل آپ کے نام میں سخت اختلاف ہے بعض لوگ عبداللہ اور بعض عمر کہتے ہیں [illegible] (مظاہر حق مشکوٰۃ)

کفارِ قریش کو جب اپنے ان مظالم پر بھی تسکین نہ ہوئی، اپنی ہر تدبیر ناکام نظر آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر اعتبار سے ترقی پذیر ہوتے دیکھا تو انھوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر سب کے مشورہ سے آپؐ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ ادھر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپؐ کو اُن کے اِس ناپاک منصوبہ کی خبر دے کر ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ کفارِ قریش نے جس شب اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام بنایا تھا اُس شب انھوں نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تاکہ آپ نکل کر کہیں چلے نہ جائیں۔ لیکن ان سب تدابیر کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا کر اُن کی آنکھوں کے سامنے اپنے مکان سے تشریف لے گئے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے کفارِ قریش کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ آپ کو کوئی بھی نہ دیکھ سکا۔ پھر آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور غارِ ثور (جو کہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے) پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔

ہجرت صبح سویرے جب کفارِ قریش کو یہ معلوم ہوا کہ آپؐ تشریف لے جا چکے ہیں اور آپ کے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ آرام فرما ہیں تو سخت حیران و پریشان ہوئے اور چاروں طرف آپ کی تلاش میں آدمی روانہ کر دیئے، بعض نقوش پا کے کھوج پر غارِ ثور تک بھی پہنچ گئے لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے وہاں بھی آپؐ کو اُن کی نظروں سے پوشیدہ رکھا اور وہ مایوس ہو کر واپس چلے آئے۔ غارِ ثور کے دورانِ قیام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نوجوان صاحبزادے حضرت عبداللہؓ روزانہ شام کو آکر کفارِ قریش کے منصوبوں اور مشوروں سے آگاہ کرتے رہتے اور کچھ کھانا بھی ساتھ لاتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لوٹتا تو دونوں حضرات اُن کا دودھ پی لیتے، اس طرح تین دن تین رات غارِ ثور میں گذارے، چوتھے دن عبداللہ بن اریقط اللیثی ایک قابلِ اعتماد واقفِ راہ کافر کا بندوبست کیا گیا تاکہ وہ رہبری کرے۔ پروگرام کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ دو اونٹنیاں لیکر آگئے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط چاروں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کفار نے آپ کے سرِ مبارک کے لئے سو اونٹوں کا انعام مشتہر کیا تھا جس کے لالچ میں سراقہ بن مالک جعشم جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا آپ کی تلاش میں نکلا، ایک مقام پر اچانک وہ آپؐ کے قریب پہنچ گیا، آپؐ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے، فوراً اس کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ ہیبتِ رسالت سے

سہم گیا، معافی کا خواستگار ہوا اور قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا پھر منت سماجت کر کے آئندہ کیلئے بھی آپ سے امان کی تحریری ضمانت حاصل کر لی سراقہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ آپ کی ہجرت کے بعد بقیہ مسلمان بھی حسب موقع ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے۔

واقعۂ ہجرت اسلام کا نہایت اہم بالشان واقعہ ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی سنہ کی ابتدا اس سے ہوئی اور اسی واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آزادی کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا اور اسلام دن دونی رات چوگنی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا اور اس کے برکات و ثمرات نے نظامِ حیات کو بہتر سے بہتر ین بنا دیا۔ ہجرت کے وقت منصبِ رسالت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرہ سال گذرے تھے اور عمر شریف ترپن [۵۳] سال تھی۔

اب ہجرت کے بعد کے حالات مختصر طور پر سنہ وار درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

سنہ ۱ھ مدینہ منورہ کے لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اور تمام شہر ہمہ تن محوِ انتظار تھا، چھوٹے بچے تک خوشی اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے پیغمبر آرہے ہیں، چھوٹی چھوٹی لڑکیاں آپ کی آمد کی خوشی میں گیت گاتی پھرتی تھیں، روزانہ نوجوان ہتھیار سجا سجا کر حرہ میں صبح سویرے آکر پہروں آپ کا انتظار کرتے تھے، آخر ایک دن انتظار کر کے وہ واپس ہونا چاہتے تھے کہ شور مچا "وہ آگئے جن کا انتظار تھا" لوگوں نے پہچانا تو ساری بستی تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھی، استقبال کے لئے مسلمان ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے، ہر طرف فرحت و انبساط کا دور دورہ ہو گیا، لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے اور ہر شخص خدمتِ اقدس میں مؤدبانہ حاضری کے لئے بیتاب تھا۔ یہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور نبوت کا تیرھواں سال تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مدینہ منورہ کی نواحی بستی قبا میں تشریف لائے اس کو عالیہ بھی کہتے ہیں اور عمرو بن عوف کے خاندان کے سردار کلثوم بن الہدم کے مکان میں قیام فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بعد میں یہیں پہنچ گئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے وہاں چار دن اور صحیح و مشہور روایت کی بنا پر چودہ دن قیام فرمایا، اسی دورانِ قیام حضرت کلثوم کی ایک افتادہ

ف مولانا محمد نجم احسن صاحب نگرامی نے اپنی کتاب "دنیا کے بہترین تر سنہ ۶۲۲ء سال" میں اس تاریخ کو پیر کا دن ۸ ربیع الاول نبوت کا تیرھواں سال مطابق ۲۳ ستمبر سنہ ۶۲۲ء تحریر فرمایا ہے۔

زمین پر مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے، یہ سب سے پہلی مسجد ہے اور اسی کی شان میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ الآیہ (سورۃ التوبہ ع ۱۳)

جمعہ کے دن آپؐ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے، راستہ میں بنی سالم کے محلہ[1] میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے پہلا جمعہ ادا فرمایا، ایک سو کی تعداد میں اہلِ مدینہ نمازِ جماعت میں شریک تھے، پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ قبا سے شہر مدینہ تک ہر قبیلے کے معزز لوگ دو رویہ کھڑے تھے آپ جس قبیلے کے سامنے سے گذرتے وہ عرض کرتے یا رسول اللہ! یہ گھر، یہ مال، یہ جان حاضر ہے۔ آپ شکریہ ادا کرتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آیا تو مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتیں تک تشریف آوری کا نظارہ دیکھنے کے لئے مکانوں کی چھتوں پر پہنچ گئیں اور نغمے گانے لگیں ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع

(چودھویں رات کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا، وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک کوئی دعا مانگنے والا دعا مانگے)

بنو نجار کی لڑکیاں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہالی رشتہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا خوشی میں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی تھیں ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّار يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَار

ہم نجار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے پڑوسی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا، اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے پہنچ کر خود بیٹھ گئی اور آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ وہاں بھی سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کا مسئلہ پیش آیا، چنانچہ دولت کدہ کے قریب بنی نجار کے دو لڑکوں سہل اور سہیل کا ایک مربد (کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ) تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو مسجد کے لئے پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے سودا کر کے اس کو خرید لیا، پھر وہاں مسجد نبویؐ تعمیر کی گئی —— اذان کی ابتداء اور رکعاتِ نماز کی تعداد مقرر ہوئی ——

[1] اب یہ مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہے (مؤلف)

مکہ مکرمہ میں امن وامان نہ تھا اس لئے پانچوں وقت دو دو رکعت نماز ادا کرنا ہی فرض تھا، مدینہ منورہ آکر جب مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ادائیگی فرائض کی آزادی ملی تو ظہر، عصر اور عشا کی چار چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں کی گئیں البتہ صبح کی دو ہی رہیں کیونکہ صبح کے وقت لمبی قراءت یعنی رکعتوں کے بدلے زیادہ قرآن کریم پڑھنے کا حکم ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کو وقت پر بلانے کے لئے کوئی طریقہ مقرر کیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے اذان مقرر ہوئی۔

کفار مکہ کا کچھ اور بس نہ چلا تو اب انھوں نے کمزور مسلمانوں کے لئے مدینہ منورہ جانے پر پابندی لگادی اور باہر کے مسلمانوں کو حج وغیرہ سے روک دیا گیا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے تاجروں کو جو ملک شام آتے جاتے تھے ڈرانے کے لئے چند آدمیوں کو شام کے راستہ میں بھیجنا شروع کردیا تاکہ راستہ کو غیر محفوظ خیال کرکے اہلِ مکہ صلح کرلیں اور مکہ مکرمہ کے غریب مسلمانوں پر سختی نہ کریں۔ ساتھ ہی مدینہ منورہ کی نواحی بستیوں سے معاہدے کئے تاکہ مدینہ منورہ پُرامن جگہ رہے۔

اس سال کے مزید واقعات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی، ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر، اصحابِ صفہ کے لئے چبوترہ بنانا، مہاجرین وانصار میں مواخات (آپس میں بھائی چارہ قائم کرنا) اور مدینہ منورہ کے یہودیوں سے معاہدہ وغیرہ شامل ہیں۔ [1]

سنہ ۲ھ | اس سال کئی اہم واقعات رونما ہوئے مثلاً ماہِ شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو کے مطابق بیت المقدس کے بجائے کعبۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا جو دنیا میں سب سے پہلا خانۂ خدا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز پڑھتے وقت بیت المقدس و کعبۂ معظمہ دونوں قبلوں کو جمع فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ دونوں رکنوں یعنی حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان ایسی جگہ نماز ادا فرماتے جہاں سے دونوں قبلے یعنی خانۂ کعبہ و صخرۂ بیت المقدس سامنے ہوتے۔ جب آپ ہجرت کرکے مدینۂ منورہ تشریف لے آئے اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر فرمائی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھا اور سولہ مہینے تک

---

[1] ماخوذ از سیرۃ النبیؐ و رحمتِ عالمؐ وغیرہ

بیت المقدس کی جانب نماز ادا فرماتے رہے لیکن یہاں دونوں قبلوں کو جمع کرنا متعذر ہو گیا اور ہمیشہ آپؐ کا یہ شوق رہا کہ کعبہ مکرمہ جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ رہا ہے وہی آپ کا بھی قبلہ مقرر ہو جائے۔ آپؐ کمالِ شوق اور وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف منھ اٹھاتے تھے۔ سولہ یا سترہ مہینے صرف بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ ایک روز جبکہ آپؐ ظہر یا عصر کی نماز مسجد بنی سلمہ میں پڑھا رہے تھے اور دو رکعتیں پڑھ چکے تھے آیۂ مبارکہ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ الی قولہ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الآیہ نازل ہوئی۔ پس آپ نماز ہی میں مسجد الحرام یعنی خانۂ کعبہ کی طرف پھر گئے اور میزاب کا استقبال کیا۔ اسی وجہ سے مسجد بنی سلمہ مسجد ذو قبلتین کے نام سے مشہور ہوئی اور اس وقت سے ہمیشہ کے لئے خانۂ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔[1]

تحویلِ قبلہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قریش مکہ مسلمانوں کی روز افزوں بڑھتی ہوئی طاقت و شوکت کو دیکھ کر بہت برافروختہ ہوتے اور ان کو مٹانے کے لئے سرگرداں رہتے تھے۔ اس مرتبہ انھوں نے ماہ جمادی الاخری ۲ھ میں ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ کافی تعداد میں مال و اسباب کے ساتھ ملکِ شام روانہ کیا تاکہ اس کا نفع حاصل کر کے وہاں سے سامانِ جنگ خرید کر لایا جائے پھر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔ ابوسفیان نے شام پہنچ کر ایک قاصد مکہ معظمہ بھیجا اور سردارانِ مکہ کو اطلاع دی کہ اس کو مدینہ کے قریب مسلمانوں کے ہاتھوں لٹ جانے کا خطرہ ہے اس لئے وہ اس کی مدد کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اس اطلاع پر ابوجہل اور دیگر سردارانِ مکہ ایک ہزار نفوس کا لشکر جمع کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفارِ مکہ کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ بھی خود بنفسِ نفیس مع تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ جن میں تراسی مہاجر اور باقی انصار تھے ۱۲ رمضان المبارک کو مقامِ بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ابوسفیان تو مع اپنے قافلہ کے راستہ بدل کر مکہ معظمہ پہنچ گیا لیکن قریشِ مکہ اپنے دل کی آگ بجھانے کے لئے لڑائی پر مصر ہو گئے اور مقامِ بدر میں فوجی اہمیت کے مورچوں پر پہلے ہی قبضہ جما لیا۔ بالآخر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ حق و باطل کی یہ جنگ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا کی تاریخ میں سب سے عجیب تھی

غزوۂ بدر

---

[1] تفسیر ابن کثیر وغیرہ تصرفاً [2] سورہ البقرہ ع ۱۷

جب دونوں لشکروں کا سامنا ہوا تو جانے کتنے باپ اپنے جگر گوشوں کی تلواروں کی زد میں تھے اور کتنے لختِ جگر اپنے والد و اقربا کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ لڑائی میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف وغیرہ ستر آدمی مارے گئے اور ان کا تکبر اور اصلی طاقت ٹوٹ گئی، ادھر صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ یہ غزوہ[1] درحقیقت اسلام کا کھلا معجزہ تھا۔

اسی سال غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ کے قریب یہود کے قبیلہ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی اور خود ہی اعلانِ جنگ کرنے کے بعد قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کے قلعہ کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ وہ گھبرا گئے آخر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر رضامندی کا اعلان کر دیا۔ ان کی مسلسل شرپسندی کے تدارک کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ساری قوم مدینہ منورہ اور اطرافِ مدینہ کو چھوڑ کر نکل جائے، بنو قینقاع اس پر رضامند ہو گئے اور جان و مال کی امان حاصل کر کے زمین اور دیگر منقولہ جائیداد چھوڑ کر ملکِ شام چلے گئے۔ اس کے بعد بنو نضیر کے یہودیوں نے عہد شکنی کی تو ان پر حملہ کیا گیا آخر کار یہ لوگ بھی علاقہ خالی کر کے خیبر چلے گئے۔ پھر ماہِ ذی الحجہ میں غزوۂ سویق کا واقعہ پیش آیا۔

اسی سال ماہِ ذی الحجہ میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

یہی وہ مبارک سال ہے کہ جس میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی گئی اور قربانی واجب ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ساتھ لیکر ایک میدان میں جماعت کے ساتھ عید الفطر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں صدقۂ فطر کی خوبیاں بیان فرمائیں اور صدقہ کا حکم دیا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ۹ سال رمضان المبارک کے روزے ادا فرمائے جن میں دو ۲ رمضان تیس ۳۰ تیس دن کے ہوئے اور باقی سات رمضان انتیس انتیس دن کے ہوئے[3]

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جہاد بالسیف ہوا اور جس میں آپ خود بنفسِ نفیس شریک ہوئے اس کو غزوہ (جمع غزوات) کہتے ہیں اور جس میں آپ نے کسی صحابی کو سردار بنا کر بھیجا اس کو سریہ (جمع سرایا) کہتے ہیں۔ غزوات کی تعداد ستائیس ہے جن میں سے صرف نو ۹ میں جنگ کی نوبت آئی اور سرایا کی تعداد ۴۳ ہے۔

[2] ماخوذ از سیرۃ النبیؐ و رحمتِ عالمؐ و سیرت خاتم الانبیاءؐ۔ [3] عمدۃ الفقہ کتاب الصوم ص ۲۲۶۔

غزوۂ احد

۳ھ | اس سال ماہِ شوال میں غزوۂ احد پیش آیا جس میں ایک جماعت کی غلط فہمی کی بنا پر کچھ دیر کے لئے فتح شکست میں بدل گئی اور مسلمانوں کا نہ صرف خاصا جانی نقصان ہوا بلکہ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہؓ کی شہادت کا بہت رنج ہوا۔ مشرکین کے بائیس آدمی مارے گئے۔

اسی سال حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ مشرک عورتوں سے آج تک نکاح ہوتا تھا اب اس کی حرمت نازل ہوئی — ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ وراثت کا قانون نازل ہوا وغیرہ [1]

بئر معونہ

۴ھ | ماہِ صفر میں ابوبراء کلابی کی درخواست و ضمانت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نجد کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجی، اُن صحابہؓ نے بیرِ معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا اور حرام بن ملحانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی دے کر عامر بن طفیل کلابی عامری رئیس قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے ان قاصد صحابی کو پہنچتے ہی شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل کا ایک لشکر تیار کر کے تمام صحابہؓ کو گھیر کر شہید کر دیا، صرف عمرو بن اُمیہ کو چھوڑ دیا، کعب بن زیدؓ اس لئے بچ گئے کہ اُن میں کچھ جان باقی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا بڑا صدمہ ہوا اور ایک ماہ تک نمازِ فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قنوت کی یہ ابتدا تھی۔ یہ واقعہ بیرِ معونہ کہلاتا ہے [2]

اسی سال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا نکاح کے دو یا تین ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔ ۵ شعبان کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ اور شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا وغیرہ [3]

۵ھ | مدینہ منورہ کے یہودی بہت مالدار تھے اس لئے وہاں ان کا کافی اثر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روز افزوں شوکت و غلبہ کو دیکھ کر وہ بہت پیچ و تاب کھاتے تھے اور خفیہ طور پر مسلمانوں کے سخت بدخواہ تھے اور کفارِ قریش سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اول [2] ایضاً و اصح السیر ص ۱۶۴ [3] سیرۃ النبیؐ

جن کے نتیجہ میں غزوۂ ذات الرقاع ۱۰ محرم کو، غزوۂ دومۃ الجندل ربیع الاول میں اور غزوۂ بنی المصطلق ۲ شعبان کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں ذی قعدہ میں واقع ہوا جو مسلمانوں کے لئے سخت امتحان کا موقع تھا کیونکہ رسد کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے فاقوں کی نوبت پہنچ گئی تھی لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے امداد فرمائی اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، غزوۂ خندق

اسی سال حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت جویریہؓ بنت حارث رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم، تیمم کی مشروعیت اور دیگر متعدد دینی احکام نازل ہوئے۔ مدینہ منورہ میں زلزلہ کا آنا اور خسوف قمر بھی اس سال کے واقعات میں سے ہے۔[1]

سنہ ۶ھ | ماہ ذیقعدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کی جماعت ہمراہ لیکر عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل پہلے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ روانہ فرمایا تاکہ وہ کفار قریش کو آگاہ کردیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف زیارت بیت اللہ شریف اور عمرہ کے لئے تشریف لائے ہیں کوئی اور غرض نہیں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ ان کو شہید کردیا گیا۔ اس افواہ کی بناء پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے جہاد پر بیعت لی، اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے، بعد میں یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی اور کفار قریش سے چند شرائط پر صلح ہوگئی جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اسوقت بغیر عمرہ کئے واپس لوٹ جائیں۔ مصالحت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے احرام اتار دیئے اور تین دن تک حدیبیہ میں قیام فرمایا پھر واپس تشریف لے آئے۔ اگرچہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو فتح سے تعبیر کیا اور بعد میں یہ صلح واقعی فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ صلح حدیبیہ

اب وقت آگیا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام امراء و سلاطین کو دین اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ نجاشی بادشاہ حبشہ کو دعوت نامہ اسلام بھیجا گیا تو اس نے نجاشی اسلام

[1] سیرۃ النبی جلد اول۔

قبول کرلیا، بادشاہِ روم ہرقل نے بھی اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا لیکن رعایا کی مخالفت کے ڈر سے باز رہا، ایران کے بادشاہ کسریٰ کو دعوت نامۂ اسلام بھیجا گیا تو اس نے گستاخی کی جس کی پاداش میں وہ جلد ہی مارا گیا۔ حکمرانِ مصر و عمان کو بھی اسلام کے دعوت نامے بھیجے گئے۔

اسی سال حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور حضرت ماریہ قبطیہؓ بھی آپؐ کے حرم میں داخل ہوئیں۔

اسی سال حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ مشرف باسلام ہوئے [1]

غزوۂ خیبر

۷ھ | اس سال یہودیوں کی بہت بڑی تعداد خیبر میں جمع ہوئی اور غزوۂ خیبر واقع ہوا جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے ـــ پھر اہلِ فدک سے صلح ہوئی ـــ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حدیبیہ کی شرائط کی بناء پر عمرہ ادا فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا جمِ غفیر ساتھ تھا، عمرہ کی دیرینہ تمنا بڑے جوش کے ساتھ تکمیل پذیر ہوئی آپؐ تین دن مکہ معظمہ میں قیام فرما کر واپس تشریف لے آئے ـــ آپؐ کا یہ عمرہ احرام کے اعتبار سے دوسرا اور افعالِ عمرہ کے اعتبار سے پہلا عمرہ تھا ـــ اسی سال حضرت صفیہؓ بنت حُیَی بن اخطب اور حضرت میمونہؓ بنت حارث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں [2]

غزوۂ موتہ

۸ھ | ملکِ شام میں بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلہ پر مُوتہ کے مقام پر تین ہزار صحابہؓ کا ڈیڑھ لاکھ رومیوں سے بہت بڑا معرکہ ہوا۔ زید بن حارثہؓ سالارِ لشکر شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از روانگی ہدایات کے بموجب حضرت جعفر طیارؓ نے عَلم سنبھالا، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عَلم ہاتھ میں لیا، وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت خالد بن ولیدؓ سردارِ لشکر بنے، غرضیکہ ڈیڑھ لاکھ کفار تین ہزار مسلمانوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور حضرت خالدؓ اپنی حسنِ تدبیر و انتظام سے لشکر کو دشمن کی زد سے صحیح سالم نکال لائے [3]

فتح مکہ معظمہ | اسی سال کفارِ قریش نے صلحِ حدیبیہ کا معاہدہ توڑ کر عہد شکنی کی جس کے نتیجے میں ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز عصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ کی جانب پیش قدمی کی۔ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مکتومؓ کو اپنا

---

[1] تا [3] سیرۃ النبیؐ جلد اول

قائم مقام مقرر فرمایا۔ مقام قدید میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بڑے جھنڈے باندھے اور قبائل کو عطا فرمائے۔ مکہ معظمہ کے قریب مرالظہران پہنچ کر ۲۰ رمضان المبارک کو اسلامی لشکر کی ترتیب قائم فرمائی، خالد بن ولیدؓ کو میمنہ پر، زبیر بن العوامؓ کو میسرہ پر اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا۔ ایک لشکر حضرت سعد بن عبادہؓ کی سرکردگی میں تھا۔ اس نظم و ضبط کے بعد آپ نے حکم دیا کہ سعد بن عبادہؓ کدار کے راستہ سے، زبیرؓ مکہ کے بالائی جانب سے اور خالدؓ نشیبی سمت (مسفلہ) سے شہر میں داخل ہوں اور جبتک کوئی مزاحمت نہ کرے اسوقت تک جنگ نہ کریں [۱]

اسلامی فوج کی آمد کی اطلاع قریش مکہ کے کانوں میں پہنچ چکی تھی انھوں نے مزید تحقیق کے لئے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے)، ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا۔ خیمۂ نبویؐ کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور بارگاہِ رسالتؐ میں آکر عرض کیا کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا۔ ابوسفیان کے تمام سیاہ کارنامے اظہر من الشمس تھے جن میں سے ہر ایک اس کے قتل کا متقاضی تھا، اس کی اسلام دشمنی مدینہ منورہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرانے کی سازشیں وغیرہ وہ مذموم حرکتیں تھیں جن سے بآسانی درگزر نہ کیا جا سکتا تھا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جان بخشی کی درخواست کی اور خود ابوسفیان نے بھی گرفتار ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا اور سچے مسلمان بن گئے، غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا چنانچہ غزوۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوگئی اور یرموک میں وہ بالکل ہی جاتی رہی۔

لشکرِ اسلام جب مکہ معظمہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیانؓ کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر کھڑا کر دو کہ افواجِ الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھے، اور اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈالدے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا، یا دروازہ بند کر لے گا، یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو امن دیا جائے گا۔ غرضکہ اس شان سے اسلامی لشکر ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ (مطابق جنوری ۶۳۰ء) کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا [۲]

مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر ہی بیت اللہ شریف کا

[۱] طبقات ابن سعد اردو ترجمہ حصہ اول ص ۵ ۷ ۔ ۲۷۴ و سیرۃ النبیؐ جلد اول [۲] سیرۃ النبی جلد اول

طواف کیا اُس وقت خانۂ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے آپ جس بُت کے پاس سے گذرتے اپنی کمان سے اس کو ٹھوکا دیتے اور فرماتے "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وہ بُت اوندھے منہ گر پڑتا طواف کے بعد آپ مقام ابراہیم پر آئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد کے کنارے بیٹھ گئے، اس کے بعد خانۂ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے کعبۂ معظمہ کی کنجی لی اور دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی اور باہر تشریف لے آئے ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ اسوقت مسجد بیت الحرام قریش مکہ سے بھری ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور حاضرین کو مخاطب کر کے ایک جامع خطبہ دیا:۔[1]

خطبۂ فتح حضرت خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر نبوت و رسالت کے منصب جلیلہ سے خلافتِ الٰہیہ کی تفسیر میں جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس کا خطاب صرف اہل مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا۔

"ایک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور دوسرے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔ خبردار! (آج کے دن) تمام مفاخر، تمام انتقامات اور جان و مال کے تمام دعوے میرے قدموں کے نیچے (ختم کر دیئے گئے) ہیں صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کو آب رسانی (زمزم پلانے کی خدمات) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا (حسب و نسب کے امتیازات مٹا دیئے گئے) تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے (پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى الآیۃ، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکیں (سن لو) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی کی زیادہ عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ تعالیٰ علیم (جاننے والا) خبیر (واقف، دانا) ہے۔"[2]

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول و اصح السیر۔ [2] سیرۃ النبی جلد اول ص ۵۱۷ و ۵۱۸۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حمد وثنا کے بعد فرمایا:۔

"یہ شہر (یعنی ساری زمینِ حرم) اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرام کردیا تھا جس روز اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردینے سے اب قیامت تک حرام رہے گا (لوگوں پر اس کی ہتک حرام اور تعظیم واجب رہے گی) مجھ سے پہلے کسی کے لئے (اس مقدس شہر میں) قتال حلال نہیں ہوا اور میرے لئے بھی (آج فتح مکہ کے) دن کی صرف ایک ساعت کے لئے قتال حلال ہوا اس ساعت کے بعد پھر قیامت تک اللہ تعالیٰ کے حرام کردینے سے حرام کردیا گیا نہ یہاں کا کوئی خاردار درخت کاٹا جائے، نہ حرم کا شکار بھگایا جائے، نہ کوئی پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے، سوائے اس شخص کے جو اس کو شناخت کرکے اپنا استحقاق بتائے (کہ اس کو اس کا اٹھانا جائز ہے) نہ ہی یہاں کی گھاس کاٹی جائے" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مگر اذخر (ایک خوشبودار گھاس) کی اجازت دیجئے کہ یہ لوہاروں اور سناروں کی بھٹیوں اور لوگوں کے گھروں کی چھتوں کے لئے کام آتی ہے، آپ نے فرمایا اذخر اکھاڑنے کی اجازت ہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد پندرہ دن مکہ معظمہ میں قیام فرمایا، واپسی پر حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مقرر کیا کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن وامان قائم نہیں ہوا تھا اس لئے اس سال مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کے ساتھ جو مکہ معظمہ کے امیر مقرر ہوئے تھے حج ادا کیا۔

اب وہ وقت آگیا کہ ہر طرف سے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ بگوش ہونے شروع ہوگئے۔ ابھی آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے کہ غزوہ حنین پیش آگیا، ہوازن اور ثقیف کے قبیلے آمادہ جنگ ہوکر مکہ معظمہ کی طرف بڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج لیکر روانہ ہوئے جس میں بڑا حصہ قریش کے نومسلموں کا تھا، وادی حنین میں دشمن سے مقابلہ ہوا چونکہ مسلمانوں کو اپنی کثرت تعداد اور کثرتِ سامان پر ناز ہوگیا تھا اس لئے بطور تنبیہ عارضی پسپائی ہوئی جس پر مسلمان نادم وپشیمان ہوئے، بالآخر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور

[1] مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۵۵ و جمع الفوائد والتاج۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر غنیم کی طرف پھینکی جس سے دشمن مغلوب و مرعوب ہو کر بھاگا اور مسلمان فاتح ہو کر واپس ہوئے۔

اس کے بعد آپ طائف کی طرف متوجہ ہوئے اس لئے کہ حنین کی بقیہ فوج وہاں جا کر پناہ گزیں ہو گئی تھی پھر آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ واپسی پر جعرانہ میں عمرہ کا احرام باندھا مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا جو احرام عمرہ کے اعتبار سے تیسرا اور افعال عمرہ کے اعتبار سے دوسرا عمرہ تھا پھر مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں ثقیف کے لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔

اسی سال حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی۔ اور آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔[1]

سنہ ۹ھ اس سال غزوۂ تبوک پیش آیا، آپؐ تقریباً پندرہ بیس روز وہاں مقیم رہے لیکن کفار کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی بالآخر آپؐ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے ـــــ اسی سال مسیلمہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا جو بعد میں صحابیٔ رسولؐ حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں جنگِ یمامہ میں مارا گیا۔ حضرت وحشیؓ وہی ہیں جنھوں نے حالتِ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا ـــــ اس سال اطرافِ عالم سے جوق درجوق وفود آتے اور حلقہ بگوش اسلام ہوتے، ان وفود کی تعداد ستر تک نقل کی جاتی ہے۔ (غزوۂ تبوک)

ـــــ اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ ذیقعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تین سو مسلمانوں کے قافلے پر امیرِ حج بنا کر مکۂ معظمہ روانہ فرمایا اور قربانی کے لئے بیس اونٹ ساتھ کئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دی اور خطبہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک مسجد الحرام میں داخل نہ ہونے دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس اعلان کی اس قدر زور سے منادی کی کہ آواز بیٹھ گئی۔

اسی سال جزیہ کی آیت اتری، زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور سود کی حرمت کا حکم بھی ہوا ـــــ اصحمہ نجاشی بادشاہِ حبشہ کا بھی اسی سال انتقال ہوا اور آپؐ نے اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔[2]

---

[1] و [2] سیرۃ النبیؐ جلد اول۔

سنہ ۱۰ھ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ نے سترہ یا اٹھارہ مہینے کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبزادہ سے نہایت درجہ محبت تھی۔ جس دن حضرت ابراہیمؓ نے وفات پائی اسی دن سورج گرہن ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی اور فرمایا "سورج اور چاند تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں نہ کسی کے مرنے سے گرہن آتا ہے نہ کسی کے جینے سے، جب تم یہ گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو حتیٰ کہ گرہن چھٹ جائے۔ ؎۱

حجۃ الوداع اسی سال اعلان کیا گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں، یہ خبر دفعۃً پھیل گئی اور ہمرکابی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اکناف و اطراف سے تمام عرب امنڈ آیا۔ چنانچہ آپ شنبہ ۲۵ ذیقعدہ کو بعد نماز ظہر تمام ازواج مطہرات اور تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں شب کو آرام فرمایا اور دوسرے دن غسل فرما کر دو رکعت نماز (سنت الاحرام) ادا فرمائی اور اسی مقام (ذوالحلیفہ) پر احرام باندھ کر بلند آواز سے تلبیہ کے الفاظ ادا فرمائے جو آج تک ہر حاجی کی زبان پر ہیں یعنی:۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ ؎۲ (میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، یا الٰہی میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، بیشک تعریف اور نعمت اور بادشاہت تیرے لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی بازگشت آتی تھی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔ غرضکہ تلبیہ کے سرمدی نغموں کی گونج میں یہ مقدس قافلہ بڑھتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع رفقاء اتوار کے روز ۴ ذی الحجہ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

؎۱ صحیح بخاری و مشکوٰۃ و سیرۃ النبیؐ ؎۲ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۸۰

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر پھیلی تو خاندان بنو ہاشم کے لڑکے خوش ہو کر استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ آپؐ نے بھی فرطِ محبت سے اپنی اونٹنی پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔ کعبہ معظمہ پر نظر پڑی تو فرمایا "اے اللہ! اس گھر کو اور زیادہ عزت و شرف عطا فرما" کعبہ معظمہ کا طواف کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم پر دوگانہ ادا فرمایا، پھر آبِ زمزم نوش فرما کر صفا و مروہ کے مابین سعی کی۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمرہ احرام کے اعتبار سے چوتھا اور افعالِ عمرہ کے اعتبار سے تیسرا عمرہ تھا۔ آپؐ نے کل چار عمرے ادا فرمائے۔ مؤلف) عمرہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے اُن صحابہ کرامؓ کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا "اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔

جمعرات ۸ ذی الحجہ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر منیٰ میں تشریف لائے وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی (پانچ) نمازیں ادا فرمائیں۔

جمعہ ۹ ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہوئے اور مقام نمرہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل جانے کے بعد اپنی اونٹنی قصویٰ (آپ کی اونٹنی کا نام) پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور اسی ناقہ پر بیٹھے ہوئے آپؐ نے ایک جامع اور بسیط خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کسی سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (بیشک) سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام (اگرچہ) تمہارے غلام ہیں (لیکن) تم جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی اُن کو پہناؤ ـــــ میں نے جاہلیت کی تمام رسمیں ختم کر دیں اور جاہلیت کے تمام خون میں نے معاف کر دیئے (یعنی اب نہ اُن کا قصاص ہے نہ دیت نہ کفارہ) اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے خونوں میں سے) ربیعہ بن حارث[1] کے بیٹے کا خون موقوف (معاف) کرتا ہوں ـــــ (اسی طرح) میں نے جاہلیت کے تمام سود بھی موقوف کر دیئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سودوں میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود موقوف (معاف) کرتا ہوں ـــــ تمہارے خون اور تمہارے مال تم میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن (یوم عرفہ)

---

[1] ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ایک بیٹا ایاس نامی قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا جسکو ہذیل کی قوم نے قتل کر دیا تھا۔

تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں حرام ہے ـــــ عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ رکھنے کا عہد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام (حکم فانکحوا الآیہ) سے تم نے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لئے حلال بنالیا، تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم پسند نہیں کرتے یعنی تمہارے ناموس کی حفاظت کریں زنا نہ کریں اور غیر کو اندر نہ آنے دیں لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمہیں تادیب و سرزنش کا اختیار ہے لیکن سخت مار نہ لگائیں۔ اور تم پر عورتوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کی آسائش کا خیال رکھو، اپنی حیثیت کے مطابق کھانا اور کپڑا (اور مکان) دو۔ خبردار! عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر (کسی کو) کچھ دینا جائز نہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دیدیا اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ـــــ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، زناکار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ـــــ ہاں جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ـــــ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے ـــــ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رہے (یعنی اس پر عمل کرتے رہے) تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔"

یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا (اے لوگو! جب) "تم سے اللہ تعالیٰ میری نسبت دریافت کرے گا (کہ میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے یا نہیں؟) تو تم کیا جواب دو گے؟" ہر طرف سے آوازیں آئیں ہاں ہم گواہی دیں گے کہ بیشک آپ نے حق سبحانہ وتعالیٰ کا پیغام (بتمام وکمال) ہم تک پہنچایا اور اپنا فرض ادا کردیا اور ہماری خیرخواہی کی۔ یہ سن کر آپ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور اس کو لوگوں کی طرف جھکا کر تین بار فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (یا الٰہی! تو گواہ رہنا، تین بار)[۵۰]

۵۰۔ سیرۃ النبیؐ جلد ۲ ص ۱۵۰ تا ۱۵۸ ومشکوۃ باب قصہ حجۃ الوداع جلد اول ص ۶۱۵ و ۶۱۶۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے اذان دی پھر اقامت کہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جماعت کے ساتھ قصر) نمازِ ظہر دو رکعت پڑھی (حالانکہ جمعہ کا دن تھا لیکن جمعہ ادا نہ فرمایا اس لئے کہ عرفات ایک غیر آباد میدان ہے کسی مستقل آبادی کا مقام نہیں ہے، علاوہ ازیں آپ اس وقت سفر میں تھے، مسافر پر یوں بھی جمعہ فرض نہیں ہے) اس کے فوراً بعد دوسری اقامت سے عصر کی نماز بھی قصر یعنی دو رکعت (جماعت کے ساتھ) پڑھی۔ دونوں کے درمیان سنت و نفل نماز کچھ نہیں پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے اور صحابہ کرامؓ کے ہمراہ موقف (میدانِ عرفات میں آپ کے ٹھہرنے کی جگہ) تشریف لائے اور وہاں رُک کر اونٹنی پر بیٹھے ہوئے قبلہ کی طرف روئے انور کئے ہوئے غروبِ آفتاب تک دعا و زاری میں مصروف رہے۔

عین دعا و زاری کے موقع پر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ بشارت نازل ہوئی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا۔)

جب قرصِ آفتاب بالکل غائب ہو گیا اور شفق کی تھوڑی سی زردی بھی غائب ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے ناقہ پر بٹھایا اور سُبک رفتاری سے چل کر مزدلفہ تشریف لائے، یہاں پہلے مغرب کی پھر فوراً عشا کی نماز ایک اذان اور ایک تکبیر سے اور ایک روایت کے مطابق دو تکبیروں سے ادا فرمائی، ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی پھر بقیہ شب آرام فرمایا۔

ہفتہ ۱۰ ذی الحجہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں طلوعِ فجر کے بعد اول وقت اذان و تکبیر و اقامت و جماعت کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی پھر اونٹنی پر سوار ہوئے اور مشعر الحرام (مزدلفہ کے ایک پہاڑ کا نام جس کو جبل قزح بھی کہتے ہیں) کے پاس سپیدیٔ سحر پھیلنے تک وقوف فرمایا اور قبلہ رو کھڑے ہو کر تکبیر و تہلیل اور دعا وغیرہ میں مشغول رہے یہاں تک کہ صبح خوب روشن ہو گئی، پھر سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو گئے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں پہنچے اور جمرۂ کبریٰ (جمرۂ عقبہ) کے پاس آکر اونٹنی پر ہی سے آپ نے اس جمرہ پر سات کنکریاں ماریں اور تلبیہ موقوف کر دیا۔ پھر لوگوں سے ارشاد فرمایا "دین میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئی ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا "تم مجھ سے حج کے افعال سیکھ لو کیونکہ معلوم نہیں کہ شاید اس حج کے بعد مجھے دوسرے حج کا موقع نہ مل سکے"۔

اس کے بعد آپ ناقہ پر ہی منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، شیدائیانِ اسلام کے عظیم الشان مجمع پر نظر پڑی تو مساعئ جمیلہ کے ثمرات و برکات نگاہ کے سامنے آئے اور زمین سے آسمان تک اعترافِ نبوت اور قبولیت کے انوار دکھائی دیئے تو سرِ مبارک اظہارِ تشکر و فرطِ مسرت سے جھک گیا زبانِ مبارک سے والہانہ انداز میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے بعد ایک جامع خطبہ دیا جو ایک نئے نظام اور نئے عہد کا نقیب تھا۔

صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کا خطبہ گیارہ ذی الحجہ کو بھی دیا گیا، ۱۰ ذی الحجہ کا خطبہ وعظ و نصیحت کا ہوگا اور دوسرے دن یعنی گیارہ ذی الحجہ کا خطبہ مناسکِ حج میں سے ہے جیسا کہ اب بھی مسنون ہے، آپ کے خطبہ کا مضمون یہ ہے:-

"بیشک زمانہ (یعنی سال) اپنی اسی ہیئت پر لوٹ کر پھر آگیا ہے جس پر وہ اس دن تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے (یعنی سال بارہ مہینے کا ہوگیا) سال کے مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے (بقولہ تعالیٰ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الآیہ) ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں، تین تو مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الاخریٰ و شعبان کے درمیان ہے ــــ بیشک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو ایک دوسرے کے لئے (قیامت تک) اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں حرام ہے ــــ خبردار! میرے بعد کفار کی طرح (گمراہ) نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو ــــ (یاد رکھو!) عنقریب تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ (اے لوگو!) خبردار ہو جاؤ کہ مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار خود ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں ــــ اگر کوئی حبشی بینی بریدہ بھی تمہارا امیر ہو اور وہ

تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو تم اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرو — ہاں بیشک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب قیامت تک تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں اس کی پرستش کی جائے تاہم تم حقیر اعمال میں اس کی پیروی کروگے اور وہ اس سے خوش ہوگا پس تم حقیر اعمال میں اس کی پیروی کرنے سے اپنے دین کی حفاظت کرو (دو دفعہ فرمایا) —— اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو (دوسری روایت میں یہ بھی ہے) اپنے مال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ دیتے رہو اور خدائے تعالیٰ کے گھر کا حج کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

اس کے بعد آپ نے مجمع کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ (آگاہ رہو، کیا میں نے پیغام خداوندی تم کو پہنچا دیا؟) ہر طرف سے آوازیں آئیں، جی ہاں آپ نے پیغام خداوندی پہنچا دیا۔ آپ نے فرمایا "اے اللہ! تو (ان کے اقرار پر) گواہ رہ۔" پھر آپ نے حاضرین کو تاکید فرمائی کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ (میری یہ باتیں) ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں شاید کہ وہ لوگ جن کو یہ باتیں پہنچائی جائیں ان سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے خود مجھ سے سنا ہے۔"

خطبے کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا [1]

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ تشریف لے گئے اور تریسٹھ ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر (ذبح) کیے، باقی سینتس ۳۷ اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ سب گوشت پوست خیرات کر دیا جائے اور قصاب کی مزدوری اس گوشت سے ادا نہ کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔ آپ کے ارشاد سے قربانی کے ان اونٹوں کے گوشت میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں پکایا گیا آپ نے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس گوشت میں سے کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے، فرطِ محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے قریب کے لوگوں کو عنایت فرمائے اور باقی بال حضرت ابو طلحہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کرکے تقسیم کر دیئے، اس کے بعد آپ نے احرام

---

[1] سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۱۶۰ تا ۱۶۴ و اصح السیر ص ۵۳۰ تا ۵۳۲ و مشکوٰۃ ملتقطاً۔

کھول دیا اور طوافِ زیارت کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، طواف سے فارغ ہو کر آبِ زمزم نوش فرمایا پھر منیٰ واپس تشریف لے آئے ـــــ ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو آپ منیٰ میں ہی قیام پذیر رہے، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لیجاتے اور واپس آجاتے ـــــ منگل ۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد رمیٔ جمار کی اور منیٰ سے روانہ ہو کر وادیٔ محصب میں قیام کیا، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز محصب میں پڑھی اور وہیں آرام فرمایا شب کا کچھ حصہ وہیں گزار کر مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور خانۂ کعبہ کا طوافِ وداع کر کے وہیں نمازِ فجر ادا کی ـــــ بدھ کے دن ۱۴ ذی الحجہ کی صبح طلوع ہوتے ہی سارے قافلے اپنے اپنے مقام کے لئے روانہ ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہاجرین و انصار کے ایک جمِ غفیر کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہی وہ مبارک حجۃ الوداع ہے جو آپؐ کا پہلا اور آخری حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ اس سال جہادِ روم کے لئے ایک سریہ تیار فرمایا جس کا امیر حضرت اسامہؓ کو مقرر کیا اور یہ آپ کے زمانہ کا آخری لشکر تھا جس کی روانگی کا انتظام آپ نے خود فرمایا تھا لیکن یہ ابھی روانہ ہونے نہ پایا تھا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا دور شروع ہو گیا ـــــ ۲۸ صفر چہار شنبہ کی شب کو آپ نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت کی۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو سر میں درد تھا پھر بخار ہو گیا جو صحیح روایت کے مطابق تیرہ ۱۳ یوم متواتر رہا اور اسی میں وصال فرمایا۔ آمد و رفت کی قوت جبتک رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے برابر تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، عشا کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔ آپؐ نے غسل فرما کر اٹھنا چاہا تو غش آگیا۔ افاقہ ہوا تو پھر فرمایا نماز ہو چکی؟ صحابہؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ تین مرتبہ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، آخر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں (حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ اُن سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ) کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وصال سے تین یا پانچ یوم قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، اسوقت آپ کی ہدایت کے بموجب حضرت

صدیق اکبرؓ نماز پڑھا رہے تھے وہ آپ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور ان کے پہلو میں بائیں جانب بیٹھ کر اس طرح امامت فرمائی کہ آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی تکبیر پر لوگ ارکانِ نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک مختصر خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا جس کے بعض کلماتِ طیبات درج ذیل ہیں:۔

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے۔ لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزوں کو قبول کیا۔"

نیز فرمایا "ابوبکرؓ سب سے زیادہ میرے محسن ہیں اگر میں خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا دوست بناسکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کیلئے کافی ہے۔ مسجد میں جتنے لوگوں کے دریچے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکرؓ کے دریچے کے۔ آگاہ رہو کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر رہا ہوں۔"

وصال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ میں تشریف لے آئے، مرض میں کمی زیادتی ہوتی رہی آخر پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بعد نماز ظہر ترسیٹھ[۶۳] سال کی عمر میں آپؐ اس عالمِ آب و گل سے مفارقت فرما کر رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ وصال کے وقت آپؐ کا آخری کلام یہ الفاظ تھے: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ آرام فرما ہیں اور وہی ہمیشہ کے لئے زیارت گاہِ عالم ہے۔ اور اسی حجرہ شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آرام فرما ہیں۔

حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دوسرے حضرات کی مدد سے غسل دیا اور تکفین کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی گئی کہ لوگ انفرادی طور پر اندر جاتے اور نماز پڑھ کر واپس آجاتے، مرد فارغ ہوئے تو عورتیں گئیں، عورتوں کے بعد لڑکے گئے لیکن آپ کے جنازہ کی امامت کسی نے

نہیں کی۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے اہلِ بیت نے نماز پڑھی حضرت ابو طلحہؓ نے قبرِ مبارک کھودی اور حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے آپ کو قبر میں رکھا، آپ کی قبر شریف ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔

شمائل شریفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے لیکن کسی قدر طول کی طرف مائل، رنگ سفید مائل بہ سرخی، کشادہ پیشانی، ابرو باریک دراز و خمدار (دونوں ابرو جدا جدا تھے) بینیٔ مبارک بلندی مائل پر نور، چشمِ مبارک نہایت سیاہ اور پلکیں دراز تھیں، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، رخسار نرم، دہن کشادہ، اور دندانِ مبارک نہایت چمکدار اور چھوٹے تھے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا۔ غرضکہ روئے انور نہایت روشن و چمکدار تھا۔ گردن اونچی سر بڑا اور سینہ کشادہ و فراخ تھا، سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔

آپ کا جسدِ اطہر نہایت سجیلا مضبوط اور متناسب تھا، آپ کے دونوں قدم مبارک دونوں ہتھیلیاں اور تمام اعضاء پُر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو روزہ دار دیکھوں تو روزہ دار دیکھ لیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں کہ افطار کی حالت میں دیکھوں تو ایسا ہی دیکھ لیتا ہوں' اسی طرح رات کو جب آپ کو نماز میں کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں تو ویسا دیکھ لیتا ہوں اور جب آپ کو سوتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں تو سوتا ہوا دیکھ لیتا ہوں' اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کو مس کیا تو دیبا اور ہر قسم کے ریشم سے زیادہ نرم پایا اور آپ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار کسی مشک و عنبر کو نہیں سونگھا۔" (بخاری کتاب الصوم باب مایذکر من صوم النبیؐ وافطارہ)

مہرِ نبوت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ گوشتِ مبارک کبوتر کے انڈے کی برابر ابھرا ہوا تھا جس کے چاروں طرف تِل تھے اور اس کے چاروں طرف بال بھی تھے اور جسم کی رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی لئے ہوئے تھا، یہی مہرِ نبوت تھی جو خاتم الانبیاءؐ ہونے کی علامت ہے۔

رفتار گفتار وغیرہ آپؐ کی رفتار بہت تیز تھی چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں۔ آپ کی گفتگو نہایت شیریں اور دلآویز تھی' بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے' ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا۔ جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے' اکثر خاموش رہتے اور بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے' ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ کی ہنسی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لباس کے سلسلہ میں کسی قسم کا التزام نہ فرماتے، موٹے کپڑے پہنتے اور سفید لباس پسند فرماتے تھے۔ عام طور پر لباس میں عمامہ، چادر، کرتہ، تہبند ہوتا تھا اور عمامہ کے نیچے سر سے چمٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ بعض اوقات شامی عبا استعمال فرمائی ہے۔ آپ کپڑوں میں خود پیوند لگاتے اور اپنا جوتہ خود مرمت کر لیتے تھے۔ مزاج میں بہت نظافت تھی ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو آپ نے فرمایا "اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے"۔

آپ نے خطوط وغیرہ پر مُہر لگانے کی وجہ سے ایک انگوٹھی بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا جس کو آپ داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔

ایثار و قناعت کی وجہ سے آپ کو پُر تکلف کھانوں کی نوبت نہ آئی، آپؐ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، سرکہ، شہد، حلوہ، روغنِ زیتون، کھجور، دودھ اور کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے اور تمام شیریں چیزوں سے طبعاً رغبت تھی، دعوت رد نہ فرماتے تھے، خوشبو کو پسند کرتے اور بدبو سے نفرت فرماتے تھے۔

ازواجِ مطہراتؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلی خاتون ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں آپؐ سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور اُن کے پہلے دو شوہر فوت ہو چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی — اُن کے انتقال کے بعد ام المؤمنین حضرت سودہ[۲] بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جن کی عمر پچاس سال تھی — پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ[۳] بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما ہیں جن سے مکہ معظمہ ہی میں نکاح کیا تھا اور رخصتی شوال [سنہ ۱ھ] کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ازواجِ مطہرات میں صرف یہی دوشیزہ محترم خاتون ہیں جن کی اسلامی خون سے ولادت اور اسلامی شیر سے پرورش ہوئی اور آپ کے فقیہانہ اجتہاد، علم و تقویٰ کی وجہ سے امتِ محمدیہ کو بہت فیض پہنچا آپ کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات بیوہ تھیں یا مطلقہ — ان کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ[۴] بنت عمر رضی اللہ عنہما سے شعبان ۳ھ میں اور ام المساکین حضرت زینب[۵] بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ۳ھ میں، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ[۶] ہند بنتِ ابی امیہ رضی اللہ عنہا سے ۴ھ میں، اور ام المؤمنین حضرت زینب[۷] بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے ۵ھ

ہیں اور ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث خزاعیہ سے بھی ۵ھ میں اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا سے ۶ھ میں اور ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں اور ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں نکاح کئے۔

ان کے علاوہ آپ کی ایک کنیز بھی تھیں جو مصر سے آئی تھیں ان کا اسم گرامی ماریہ قبطیہ تھا۔ آپؐ نے اُن کو کنیز ہونے کے باوجود ہمیشہ پردے میں رکھا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کرلیا تھا اُنہی کے بطن سے حضرت ابراہیم ۸ھ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال فرما گئے ۔۔۔ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا دونوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں انتقال ہوگیا تھا اور باقی ازواج وصال کے وقت بقیدِ حیات تھیں۔

اولادِ اطہارؐ سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادِ اطہار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی جن میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں میں ایک حضرت قاسم اور دوسرے حضرت عبداللہ ہیں، ان دونوں نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ حضرت قاسم سب سے پہلے صاحبزادے ہیں اور ان ہی کے نام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ زادالمعاد میں ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام عبداللہ ہے اور طیب وطاہر دونوں لقب ہیں اور بعض نے کہا کہ طیب وطاہر دو اور صاحبزادے ہیں۔ واللہ اعلم

آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں جن کا نکاح ابوالعاص بن ربیع بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی سے ہوا۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۸ھ میں ہوا، ان سے دو بچے ہوئے صاحبزادے کا نام علی اور صاحبزادی کا نام امامہ، امامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی آپؐ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جُدا نہ کرتے تھے، ان دونوں کا انتقال بھی بچپن ہی میں ہوگیا تھا ۔۔۔ ۔۔۔ دوسری صاحبزادی

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور اُن سے ایک فرزند عبداللہ پیدا ہوئے لیکن اُن کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا اس کے بعد حضرت رقیہ کا بھی ۲ھ میں انتقال ہو گیا ——— تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں جن کی شادی بھی حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ۳ھ میں ہوئی اسی لئے اُن کو ذوالنورین کا لقب ملا، اُن کے اولاد نہیں ہوئی اور اُن کا وصال ۹ھ میں ہو گیا — — — سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا ہیں جن کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ۲ھ میں ہوئی آپ کے بطنِ مبارک سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ۱۵ رمضان ۳ھ کو اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ۵ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان دونوں سے سلسلۂ سادات جاری ہے۔ نیز دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینب پیدا ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔

اصحابِ کبارؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق، سعی وکاوش اور تبلیغ دینِ اسلام کے نتیجہ میں آپ کی صحبت بابرکت سے فیض یافتہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے اور وہ امت میں سب سے افضل ہیں پھر ان میں بعض انفرادی طور پہ خصوصی فضائل وبشارات کے حامل ہیں ان میں دس حضرات وہ ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کے معزز ترین لقب سے یاد کیا جاتا ہے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:- (۱) حضرت ابوبکر صدیق بن ابی قحافہؓ قریشی (۲) حضرت عمر بن الخطابؓ قریشی (۳) حضرت عثمان بن عفانؓ قریشی (۴) حضرت علی بن ابی طالبؓ قریشی (۵) حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ قریشی (۶) حضرت زبیر بن العوامؓ قریشی (۷) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ قریشی (۸) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قریشی (۹) حضرت سعید بن زیدؓ قریشی (۱۰) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ قریشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اِن حضرات کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بحیثیت ایک بہادر سپاہی کے، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بحیثیت ایک فاتح سپہ سالار کے، حضرت امیر معاویہؓ بحیثیت ایک سیاستدان کے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بحیثیت فقہاء اور علماء کے،

حضرت ابوہریرہؓ بحیثیت راوی حدیث کے اور حضرت ابوذر غفاریؓ بسبب اپنے زہد کے مشہور ہیں، اسی طرح السابقون الاولون کا درجہ دوسرے صحابہؓ سے افضل ہے اور فتح مکہ سے پہلے جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے والے صحابۂ کرامؓ فتح مکہ کے بعد جہاد میں خرچ کرنیوالے اصحاب کرامؓ سے افضل ہیں، غرضکہ صحابہؓ کے بعد تابعین ہیں پھر تبع تابعین ہیں، اُن کے بعد آجتک ہر دَور میں ہر زمانہ میں ہر ملک میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض جاری وساری ہے اور آپ کی امت میں برگزیدہ افراد پیدا ہوتے رہے ہیں اور اُن سے تبلیغِ دین واشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، اسی سلسلہ کی ایک عظیم الشان عظیم المرتبت ہستی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی ہیں جن کی سیرت آپ کے پیش نظر ہے۔

معجزات ہمارے آقا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود فرماتا ہے: "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" (ترجمہ: پس تم اس کی مثل ایک سورۃ ہی (بناکر) لے آؤ) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِىْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ الحدیث (اور بیشک مجھ کو وحی کا معجزہ دیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کیا ہے)۔ قرآن مجید ایک عظیم اور دائمی معجزہ ہے ہر زمانہ میں باقی ہے اور قیامت تک آپؐ کی نبوت ورسالت پر بطریق حق ویقین شاہد ہے۔ دوسرا معجزہ آپ کے اخلاق ہیں جس کے متعلق خود حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (یقیناً آپ بہت بڑے اخلاق کے حامل ہیں) اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھے اخلاق اور عمدہ افعال کی تکمیل وتتمیم کے لئے بھیجا ہے[۵۲]" نیز ارشاد فرمایا: "مجھے دوسرے انبیاءؑ پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے کلماتِ جامع دیئے گئے ہیں (یعنی جو الفاظ میں کہتا ہوں وہ مختصر اور جامع ہوتے ہیں)۔ (۲) دشمنوں پر رعب کے ساتھ مجھے فتح دی گئی۔ (۳) مالِ غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ (۴) ساری زمین میرے لئے مسجد اور (تیمم کے لئے) پاک کرنے والی بنادی گئی۔ (۵) مجھ کو تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (۶) نبیوں کا بھیجنا میرے ساتھ ختم کردیا گیا۔" (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)[۵۳]

---

۵۲ تا ۵۳ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۳ ص ۱۳۱ و ۱۳۲۔

اسی طرح معراج شریف بھی ایک بڑا معجزہ ہے نیز چاند کے دو ٹکڑے کرنا، دست مبارک سے پانی جاری ہونا، آپ کی دعا سے بارش کا ہونا اور دستِ مبارک کا اشارہ کرتے ہی بارش کا بند ہو جانا، ایک مٹھی خاک سے جنگ کا نقشہ بدل جانا اور خیر و برکت کے بکثرت واقعات بطور معجزات سیرت کی کتابوں میں درج ہیں، غرضکہ آپؐ کے معجزات تعداد اور کیفیت کے اعتبار سے تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے کہیں زائد ہیں۔ علاوہ ازیں جو جو خوبیاں دیگر انبیاء علیہم السلام میں فرداً فرداً پائی جاتی ہیں وہ سب بدرجۂ اتم واکمل آپ میں موجود تھیں۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کی کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو خالقِ ارض و سما نے آپ کو بدرجۂ اتم عطا نہ فرمائی ہو ؎

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسٰیؑ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کی بعثت سے دنیا کی تاریخ اور تہذیب میں قدیم و جدید کا فرق نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔ آپ کی تشریف آوری دنیا کی تاریخ کا ایک ایسا سنہری باب ہے جس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ نوعِ انسانی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آگئی، دنیا جاہلیت کے قعرِ مذلت سے نکل کر ایمان اور معرفت کی بلندیوں پر جلوہ گر ہوگئی، یہ سب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے اس سے بڑا معجزہ دنیا کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے کاش لوگ سمجھیں اور سبق حاصل کریں۔

ہمارے آقا سردارِ دو عالم فخرِ بنی آدم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پیش کرنے کی جرأت کرنا مجھ جیسے بے مایہ ناچیز انسان کے لئے بہت مشکل کام تھا لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال ہوا اور یہ مختصر مضمون تیار ہوگیا، اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو اس سے کہیں بالا، بہت ارفع اور نہایت درجہ اعلیٰ ہے، اور حقیقت تو یہ ہے ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

(۱) حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ | آپ کا اسم گرامی عبداللہ، لقب صدیق اور عتیق، کنیت ابوبکر ہے۔ والد ماجد کا نام ابوقحافہ عثمان

اور والدۂ ماجدہ کا نام سلمیٰ تھا۔ آپ کا نسب مبارک ساتویں پشت میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے اس طرح مل جاتا ہے:۔ ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

آپ کی ولادت واقعۂ فیل سے دو سال چار ماہ بعد ہوئی۔ بقولِ جمہور آپ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اڑھائی برس یا کچھ کم وبیش چھوٹے تھے۔ سب سے پہلے ایمان لائے آپ خود بھی صحابی ہیں آپ کے والدین بھی صحابی اور اولاد بھی صحابی ہے، یہ فخر آپ کے سوا کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں۔ بالاجماع انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ سب سے افضل ہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے فضائل بکثرت موجود ہیں۔ منجملہ دیگر آیاتِ شریفہ کے اس آیۂ شریفہ میں واضح طور پر آپ کے متعلق ارشاد ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (سورۃ التوبہ) یعنی "اگر تم لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو (اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جیسا کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس وقت کی جبکہ کافروں نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا (اس وقت) دو آدمیوں میں سے ایک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے اور دوسرے (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے) جس وقت کہ وہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے جبکہ آپ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ (کی مدد) ہمارے ساتھ ہے۔"

اسی طرح احادیثِ شریفہ میں بھی بکثرت آپ کے فضائل مذکور ہیں مثلاً حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میری ذات پر بہت زیادہ خرچ کرنے والے یعنی میری صحبت و خدمت گذاری میں اپنا وقت اور میری رضامندی و خوشنودی میں اپنا مال بہت زیادہ خرچ کرنے والے ابوبکرؓ ہیں اگر میں (سوائے اللہ تعالیٰ کے) کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا،

میں اسلامی اخوت اور اسلامی مودت (یہی قائم و باقی ہے اور ابوبکرؓ کے ساتھ مجھے اسلامی اخوت و مودت سب سے زیادہ ہے) مسجد نبوی میں آئندہ کوئی کھڑکی یا روشندان باقی نہ رکھا جائے مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی اور روشندان کو بند نہ کیا جائے۔" [1]

نیز ارشاد فرمایا "جس کسی نے ہم کو کچھ دیا ہم نے اس کو اس کا بدلہ دیدیا ہے سوائے ابوبکرؓ کے کہ انھوں نے ہمارے ساتھ ایسی نیکی اور بخشش کی ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ ہی دیگا اور کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو بیشک ابوبکرؓ کو خلیل بناتا بیشک تمہارے صاحب (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے خلیل ہیں" [2] نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! آگاہ ہو کہ میری امت میں سب سے پہلا شخص تو ہوگا جو جنت میں جائے گا" [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ تمام آدمیوں سے محاسبہ کیا جائے گا مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا جائے گا [4] اور بعض احادیث میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بطور اشارہ کے وارد ہے مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث جس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اور لوگوں کے لئے عام تجلی فرمائے گا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص تجلی، اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے یا مثلاً حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث کہ انھوں نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے دو وزیر آسمان پر ہیں اور دو وزیر زمین پر۔ آسمان کے دو وزیر تو جبرائیل و میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین کے وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا کہ علیین کے رہنے والے نیچے والوں کو ایسے نظر آتے ہیں جیسے تم ستاروں کو دیکھتے ہو اور بیشک ابوبکرؓ و عمرؓ اہل علیین میں سے ہیں اور وہ اسی لائق ہیں [5]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حکم فرمایا کہ ہم کچھ مال صدقہ کریں، میں نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کرلیا کہ میں آج حضرت ابوبکرؓ سے

[1] بخاری و مسلم عن مشکوٰۃ [2] ترمذی عن مشکوٰۃ [3] ابوداؤد عن مشکوٰۃ [4] [5] سیرۃ الصدیق صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۱

بڑھ کر صدقہ کروں گا پس میں اپنا نصف مال لیکر حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اپنے اہل وعیال کے واسطے کتنا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا نصف چھوڑ آیا ہوں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ اپنا کل مال لئے ہوئے تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اپنے اہل وعیال کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور رسول کافی ہیں یہ دیکھ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی حضرت ابوبکرؓ پر سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔ؔ

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

غرضکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقت ضرورت اپنا تمام مال جو تقریباً چالیس ہزار درہم اور بروایت دیگر اسی ہزار درہم تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کردیا حتیٰ کہ اپنی کمسن صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دیدیں اور تقریباً سات مسلمان مرد وعورت کو جو غلامی کے سبب کفار کے ہاتھوں سخت تکلیف اٹھا رہے تھے نہایت معقول رقم دیکر آزاد کردیا جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال میں اسی طرح حکم فرماتے جس طرح اپنے مال میں حکم فرماتے۔ آپ سفر وحضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور تمام غزوات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ وہ اسلام میں آپ کے ثانی، ہجرت کے وقت غار ثور میں ثانی، بدر کے دن عریش میں ثانی اور وفات کے بعد قبر میں بھی ثانی۔ مولانا رومؒ نے فضائل صدیقی کو صرف ایک ہی مصرع میں سمو کر گویا دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے وہو ھذا ع

ثانیٔ اسلام وغار و بدر و قبر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنت کے علم میں بھی کامل دستگاہ تھی چنانچہ اکثر مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آپ کی طرف رجوع کیا کیونکہ آپ نے احادیث شریفہ کو از بر کر رکھا تھا اور آپ سے بڑھ کر اور کون حافظ الحدیث ہوسکتا تھا اس لئے کہ ابتداء رسالت سے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے تک آپ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت میں رہے پھر آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا اور آپ حد درجہ فہیم اور ذکی واقع ہوئے تھے۔

لہ مشکوۃ عن ترمذی و ابوداؤد۔

متعدد احادیث ایسی ہیں جو آپ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ان تمام باتوں کے باوجود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہت کم احادیث مروی ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفا میں ایک سو بیالیس احادیث جمع کی ہیں جو آپ سے مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ بہت کم مدت بقید حیات رہے۔ اگر کچھ مدت زندہ رہتے تو آپ کی روایات تمام صحابہؓ سے زائد ہوتیں اور کوئی حدیث ایسی نہ ہوتی جس میں آپ کی سند نہ پائی جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کی اس لئے بھی ضرورت نہیں پڑی کہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت میں رہتے تھے اور احادیث سنتے تھے۔ باوجود قلتِ روایت کے اہمات مسائل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایتیں سند ہیں[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپؓ جانشین ہوئے اور تمام مہاجر و انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے برضا و رغبت آپؓ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فنا ہونے والی دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علی رضی اللہ عنہم کی بیعت خلافت کی اور اس بیعت سے مقصود صرف دنیاوی کام ہی نہ تھے بلکہ باطنی خوبیوں کا حاصل کرنا بھی تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ زمانۂ خلافت میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے حلوا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ گنجائش نہیں ہے۔ اہلیہ صاحبہ نے کہا اچھا آپ روزمرہ کے خرچ کے لئے مجھ کو جو دیتے ہیں اب میں اسی میں سے پس انداز کروں گی جس سے کہ حلوا خریدا جا سکے۔ چنانچہ جب اہلیہ محترمہ نے حلوا خریدنے کیلئے بچائی ہوئی رقم ظاہر کی تو آپ نے حلوا لانے کی بجائے اس رقم کو بیت المال میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ "یہ ہمارے نفقہ سے زائد ہے"[2]۔

ابن ابی ملیکہؒ کا بیان ہے کہ بسا اوقات چلتے چلتے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھوٹ کر گر پڑتی تو اونٹ کو بٹھا کر خود نکیل اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ

---

[1] سیرت الصدیق۔ [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۱ بحوالہ صدیق اکبر ص ۲۳۹

آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ہم کو حکم کیا کیجئے ہم اٹھا دیں گے۔ فرمایا "میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروں"[1]۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبہ میں کبھی انسان کی پیدائش کا حال بیان فرماتے تو ارشاد فرماتے کہ انسان دو مرتبہ مقامِ نجاست سے نکلا ہے (یعنی ایک مرتبہ صلب پدر سے اور دوسری مرتبہ شکمِ مادر سے) اس وقت یہ کیفیت ہوتی تھی کہ ہر شخص اپنے آپ کو نجس سمجھنے لگتا[2]۔ نیز آپ نے فرمایا کہ "صالحین یکے بعد دیگرے اٹھالئے جائیں گے حتیٰ کہ ایسے لوگ باقی رہ جائینگے جو آٹے کی بھوسی کی طرح بالکل بیکار ہوں اور جن سے خدائے تعالیٰ کا کوئی تعلق نہ ہوگا[3]۔ نیز فرماتے تھے "تم میں کوئی شخص کسی مسلمان کی حقارت نہ کرے کیونکہ ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا رتبہ رکھتا ہے۔ ہم نے بزرگی کو تقویٰ میں، بے نیازی کو یقین میں اور عزت کو تواضع میں پایا[4]"۔

آپ کے نہایت شاندار کارنامے بکثرت ہیں جن سے آپ کی جلالتِ شان کا اندازہ ہوتا ہے لیکن طوالت کے باعث اختصار پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "تصوفِ صدیقی" پر ایک طویل بحث کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ کمالِ طریقت کے لئے جن اوصاف و ملکاتِ نفسانی کی ضرورت ہے مثلاً توکل، ورع، احتیاط، کفِ لسانی، تواضع، شفقت برخلقِ خدا، رضا، نفیِ ارادہ، زہد، خشیت، عبرت، عجز وانکسار، رقتِ قلب، تحمل، فقر ودرویشی یہ سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بتمام وکمال پائے جاتے تھے اور اس بنا پر آپ طائفۂ اصفیا و اہلِ طریقت کے سرخیل و امام تھے[5]۔

ابو السفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرضِ وفات میں صحابہؓ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ اگر آپ کی اجازت ہو تو کسی طبیب کو بلاکر آپ کو دکھائیں۔ آپ نے فرمایا "طبیب نے مجھے دیکھ لیا" صحابہؓ نے عرض کیا کہ طبیب نے کیا کہا؟ فرمایا یہ کہتا ہے "اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" (یعنی جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں[6])۔

دو سال تین ماہ نو دن سریر آرائے خلافت رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو وصال فرمایا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں گنبدِ خضرا کے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل ج۱ ص ۱۱ بحوالہ صدیق اکبر ص۲۳۹ [2] سیرت الصدیق ص۱۸۳ [3] ایضاً ص۱۸۵ [4] ایضاً ص۱۸۱ [5] ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۱ بحوالہ صدیق اکبر ص۲۲۵ [6] سیرت الصدیق ص۱۱۱

مقرر دفن ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ اسی پلنگ پر اٹھائے گئے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا گیا تھا۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کے والد ماجد مکہ مکرمہ میں زندہ تھے جب ان کو اطلاع ہوئی تو فرمایا افسوس بہت بڑا سانحہ ہے[1]۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چار شادیاں کیں دو زمانہ جاہلیت میں اور دو بعد اسلام، زمانہ جاہلیت کی بی بیاں قتیلہ اور ام رومان ہیں اور زمانہ اسلام کی بی بیاں اسماء بنت عمیس اور حبیبہ بنت خارجہ ہیں۔ اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن جو ام رومان کے بطن سے پیدا ہوئے دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ جو قتیلہ کے بطن سے اور تیسرے صاحبزادے محمد جو حضرت اسماء بنت عمیس کے بطن سے حجۃ الوداع کے سفر میں ذوالحلیفہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ لڑکیوں میں بڑی صاحبزادی اسماء قتیلہ کے بطن سے یعنی حضرت عبداللہؓ کی بہن ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ام رومان کے بطن سے تھیں یعنی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن۔ اور تیسری ام کلثوم حبیبہ بنت خارجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کی دو بی بیاں اسماء بنت عمیس و حبیبہ بنت خارجہ بقید حیات تھیں، حبیبہ اس وقت حاملہ تھیں جن کے بطن سے آپ کی وفات کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ آپ کا سلسلہ نسب لڑکوں میں صرف حضرت عبدالرحمٰن و حضرت محمد رضی اللہ عنہما سے چلا حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہو گیا[2]۔

آپ کے فرمودات میں سے ہے: "انسان کا پیٹ مال سے نہیں بھر سکتا اگر بھرتا ہے تو صرف دو چیزوں سے، یا قناعت سے یا قبر کی مٹی سے ـــــ نیز اپنے متعلق بطور کسر نفسی فرمایا: رَجُلٌ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِلَی التُّرَابِ یَعُوْدُ ثُمَّ یَاْکُلُہُ الدُّوْدُ ثُمَّ ھُوَ الْیَوْمَ حَیٌّ وَّغَدًا اَمُوْتُ (میں ایسا شخص ہوں جو مٹی سے پیدا ہوا اور آخر کار مٹی ہی میں لوٹ کر جانا ہے پھر کیڑے کھائیں گے پھر (زندگی کیسی ناپائیدار ہے کہ) آج زندہ ہے اور کل مرا ہوا ہے۔

[1] سیرت الصدیق ص ۲۰۳ [2] ایضاً ص ۲۰۴

(۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام مابہ تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور ابو عبداللہ کنیت ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے باطنی انتساب رکھتے ہیں۔

آپ پہلے آتش پرست تھے، چونکہ مذہبی جذبہ آپ کے اندر ابتدا ہی سے تھا اسلئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں نہایت سخت مجاہدات کئے۔ ایک دن راستہ سے گذر رہے تھے تو اتفاق سے گرجا پر نظر پڑی اور عیسائیوں کا طریقۂ عبادت دیکھا تو اسقدر پسند آیا کہ بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ "یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے" چنانچہ اُن عیسائیوں سے معلوم کیا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے انھوں نے ملکِ شام کا پتہ دیا تو آپ گھر بار سب چھوڑ چھاڑ شام پہنچ گئے اور وہاں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا لشپ سے ملاقات کر کے کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں، مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو۔ چنانچہ آپ مجوسیت کے آتشکدہ سے نکل کر عیسائیت کی آسمانی بادشاہت میں آگئے اور یکے بعد دیگرے کئی عیسائی عالموں کی خدمت و صحبت میں رہے۔ آخر ایک عیسائی عالم نے کہا کہ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں البتہ اب اس نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دینِ ابراہیم کو زندہ کرے گا اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔ چنانچہ اس عیسائی کے مرنے کے بعد آپ عرب تاجروں کے ہمراہ وادی القریٰ پہنچے لیکن ان عرب تاجروں نے آپ کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ آپ اس کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آخر وہ وقت آیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت سلمانؓ نے شرفِ باریابی حاصل کر کے اپنی ساری سرگذشت سنائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بداستان بہت دلچسپی سے سُنی۔ غرضکہ اس طرح اتنے مرحلوں کے بعد آپ دینِ اسلام سے ہم آغوش ہوگئے اور گوہرِ مقصود سے دامنِ مراد بھر کر کامیاب و کامران ہوئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد سے ۵ھ میں اس یہودی کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ آزادی کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا جس میں آپ ہی کے مشورہ سے خندق کھودی گئی اور اس کے بعد تمام غزوات میں آپ شریک رہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ چونکہ آپ کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت میں گذرتا تھا اس لئے آپ علوم ومعارف سے کافی بہرہ ور ہوئے اور آپ صحابۂ کرامؓ کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تقرب حاصل تھا۔ آپ کی شان میں مشہور حدیث سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ ہے۔ (یعنی سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے۔) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ "وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے" چونکہ آپ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں (کلام اللہ اور انجیل) کا علم رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں آپ کو مدائن کا گورنر بنا کر پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا آپ یہ رقم لیکر فقراء میں تقسیم کر دیتے اور بوریہ بافی اور رسیاں بنا کر اپنا گذارہ کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں یعنی دورانِ گورنری میں بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک شخص کو مزدور کی تلاش تھی اُس نے آپ کو مزدور سمجھ کر کہا کہ یہ میرا بوجھ میرے گھر تک پہنچا دو آپ نے کہا بہت اچھا اور وہ سامان اٹھا کر اس کے ساتھ ہولئے۔ آگے چل کر جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ تو حاکم وقت ہیں تو پاؤں پر گر پڑا اور معافی چاہی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے مال ودولت سے بہت نوازا تھا حضرت سلمانؓ نے ان کو نصیحت کی کہ "یاد رکھو مال واولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے بلکہ بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے، اسی طرح ارضِ مقدس کا قیام تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔"

وصال سے قبل آپ بہت گریہ وزاری کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تو قیامت کے دن مجھ تک پہنچنا اور ملاقات کرنا چاہتا ہے تو دنیا سے دور رہنا اور میں اب دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن میرے پاس بہت مال واسباب ہے تو میں کہیں آپ کے جمالِ جہاں آرا سے محروم نہ رہ جاؤں" حالانکہ وفات کے وقت آپ کے پاس

پانی کا ایک تھیلا (مشک) بدھنا، پالان، پوستین اور ایک کمبل کے سوا کچھ نہ تھا۔ وقتِ آخر ہوا تو پانی کا تھیلا منگوایا اور خود اپنے چاروں طرف پانی چھڑکا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو مرغِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے شاخِ طوبیٰ پر پہنچ چکا تھا۔ آپ کا مزارِ مبارک مدائن میں ہے جس کو اب "سلمان پاک" کہتے ہیں آپ ہی کے نام کی نسبت سے اس جگہ کا نام سلمان پاک ہوا، یہ جگہ بصرہ کے قریب ہے۔ کہتے ہیں کہ مدائن میں آج بھی آپ کی نسل موجود ہے اور سب صاحبِ علم و کمال ہیں۔

آپ کی عمر ڈھائی سو سال اور بعض اس سے بھی زیادہ بتاتے ہیں بہرحال آپ کی وفات ۱۰ رجب ۳۳ھ یا ۳۶ھ میں ہوئی اور بعض کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غسل و کفن و دفن کے امور انجام دیئے۔ واللہ اعلم

(۳) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہم آپ کا نام قاسم، کنیت ابو محمد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمدؒ کے فرزند ہیں۔

علمِ باطن میں آپ کا انتساب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے اور اپنے جدِ محترم کی نسبت اُنھیں سے حاصل کی ہے، حضرت امام زین العابدینؓ آپ کے خالہ زاد بھائی ہیں لہذا آپ نے امام موصوف کی صحبت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بھی حاصل کی۔ ابھی آپ کی عمر بہت کم تھی کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اس لئے آپ کی تربیت و پرورش آپ کی پھوپی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کی اور بڑے لاڈ و پیار سے پالا۔ حضرت عائشہؓ کی ذات سرچشمۂ حدیث تھی اور حضرت قاسمؒ تو گویا آپ کے محبوب فرزند تھے لہذا آپ کی تربیت نے اُن کو علم و عمل کا مجمع البحرین بنا دیا تھا۔

حضرت قاسمؒ نے حضرت صدیقہؓ کے علاوہ دوسرے اساطینِ حدیث مثلاً حضرت ابنِ عباسؓ ابنِ عمرؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی پورا استفادہ کیا تھا، ان بزرگوں کے فیض نے آپ کو ممتاز حافظ الحدیث بنا دیا تھا آپ کا معمول تھا کہ روزانہ شب کو بعد عشا اپنے احباب کے ساتھ مل کر حدیث خوانی کرتے تھے اور روایتِ حدیث کے باب میں آپ اتنے محتاط تھے کہ

عہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو یزدجرد کی تین لڑکیاں قید ہو کر آئیں حضرت عمرؓ نے ان کو فروخت کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیر المومنین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی بزرگ ذلت کی حالت میں ہو جائے یا غنی فقیر ہو جائے تو اس کا اکرام کرو۔ بادشاہوں کی بیٹیوں کو دوسری عورتوں کی طرح نہ بیچا جائے بلکہ ان کو اپنے پاس رکھئے جو شخص چاہے آپ کے پاس سے خرید لے پھر حضرت علیؓ نے ان کی قیمت دیدی اور ان تینوں کو حسین بن علیؓ، محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ان تینوں سے اپنے زمانے کے تین نہایت نیک بزرگ پیدا ہوئے یعنی امام زین العابدین بن امام حسین، امام قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہم (رشحات ص۲۱)

روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز ائمہ حدیث تھے، مثلاً عبدالرحمٰن بن قاسم، امام شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، یحییٰ بن سعید انصاری، سعید بن ابی ملیکہ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، امام زہری، عبید اللہ بن عمرؓ، ایوب، ابن عون اور مالک بن دینار وغیرہ۔

فقہی کمال کے باوجود آپ حدیث کی طرح فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے اور بغیر علم کے کوئی بات کہنا یا کسی مسئلہ کا جواب دینا نہایت بُرا سمجھتے تھے فرماتے تھے کہ خدا کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کہے۔ جو مسئلہ آپ کے علم میں نہ ہوتا اس کے جواب میں بلا تکلف لاعلمی ظاہر کردیتے۔ آپ میں جس پایہ کا علم تھا اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔

مسجد نبویؐ میں حضرت قاسمؒ کا حلقۂ درس تھا آپ کی اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کی ایک ہی مجلس تھی، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور سالم کے بھائی عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ اس جگہ بیٹھتے تھے پھران دونوں کے بعد اس مقام پر امام مالکؒ کی مسندِ درس بچھی۔ یہ جگہ روضۂ نبویؐ اور منبر نبویؐ کے درمیان خوخہ عمرؓ (دریچہ) کے سامنے تھی۔

غرضکہ حضرت قاسمؒ جلیل القدر تابعین میں سے اور مدینہ طیبہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں۔ بہت کم گو، کم سخن اور خاموش طبیعت تھے۔ آپ امام زمانہ اور یکتائے عصر تھے، بکثرت صحابہؓ سے آپ نے روایت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ ہم نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کو قاسم بن محمد پر فضیلت دیسکیں۔ مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ قاسم اس امت کے سات فقہا میں سے ہیں۔ ابن سعد نے آپ کے متعلق لکھا ہے "ثقہ، عالی مرتبہ، اور متقی ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ اگر امر خلافت میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں قاسم کے سپرد کردیتا۔

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم بن عبداللہ بن عمرؓ؟ آپ نے فرمایا "سالم موجود ہیں ان سے جاکر پوچھ لو"۔ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے۔

ستر یا بہتر سال کی عمر میں ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ/۱۰۷ھ/۱۰۸ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا بعض نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقام قدید میں وفات پانا اور مدفن مشلل پہاڑی پر ہونا تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم (ماخوذ از تابعین و حضرات القدس)

(۴) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی جعفر، کنیت ابو عبداللہ لقب صادق ہے۔ آپ امام محمد باقر ابن زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہم کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ ام فروہ رضی اللہ عنہا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی صاحبزادی تھیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پرپوتی تھیں اور پرنواسی بھی۔ حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم آپ کے نانا تھے۔ علم باطن میں آپ کا انتساب اپنے نانا قاسم بن محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم سے ہے اسی وجہ سے آپ فرمایا کرتے تھے وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ یعنی مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوہری اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے ایک ولادت ظاہری دوم ولادتِ باطنی۔ نیز آپ کو اپنے والد امام محمد باقرؒ سے اور ان کو اپنے والد امام زین العابدین سے ان کو اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ان کو اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی باطنی انتساب حاصل ہے اس طرح آپ دونوں نسبتوں کے جامع ہوئے

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ اہلِ بیت کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ حدیث آپ کے جدِ امجد علیہ الصلوۃ والسلام کی میراث ہے اسلئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا چنانچہ مشہور حفاظِ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کَانَ کَثِیْرَ الْحَدِیْث۔ حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلامِ حفاظ میں لکھتے ہیں۔ حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر، محمد بن منکدر، عبیداللہ بن ابی رافع، عطاء، عروہ، قاسم بن محمد، نافع، زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا۔ شعبہ، دونوں سفیان[1]، ابن جریج، ابو عاصم، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔

امام مالکؒ کا بیان ہے کہ میں ایک زمانے تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا میں نے آپ کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوئے نماز پڑھتے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے پایا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم لوگ خصومت سے بچو اس لئے کہ وہ قلب کو پھنسا دیتی ہے

[1] سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ

اور نفاق پیدا کرتی ہے۔

آپ کے اخلاقِ حسنہ و قوت ظاہری تفسیرِ قرآن بلکہ جملہ علوم میں اسرارِ جلیلہ و اشاراتِ جمیلہ ہیں، آپ صاحبِ زہد و ورع کامل تھے، شہوات و لذات سے نہایت مجتنب اور سراپا ادب تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ لوگوں کو افاضہ و افادہ فرماتے بعد ازاں عراق تشریف لے گئے وہاں ایک مدت تک قیام فرمایا مگر کبھی متعرض امامت نہ ہوئے اس لئے کہ جو شخص دریائے معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اس کو ایک جو برابر بھی طمع نہیں رہتی۔ حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا اے ابو سلیمان تو خود اپنے زمانہ کا عابد و زاہد ہے تجھ کو میری نصیحت کی کیا حاجت میں تو خود ہی اس خیال سے لرزاں ہوں کہ میرے دادا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم گلہ نہ کریں کہ تو نے میری پیروی کیوں نہیں کی۔ اس بات کو سنکر داؤد زار و قطار رونے لگے اور کہا کہ جس کا خمیر انوار نبوت سے ہو جب ان کا یہ حال ہے تو داؤد کس شمار میں ہے۔

ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر مکھی آکر بیٹھی وہ بار بار اس کو مارتا تھا لیکن مکھی پھر آ بیٹھتی تھی منصور اس کو بھگاتے بھگاتے عاجز آ گیا مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں امام موصوف پہنچ گئے منصور نے آپ سے کہا اے ابو عبداللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے؟ آپ نے نہایت بے باکی سے فرمایا "جبابرہ کو ذلیل کرنے کے لیے"۔

آپ کا ارشاد ہے: جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے۔ جو اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ نہیں رکھتا وہ پشیمانی اٹھاتا ہے۔ نیز فرماتے تھے اچھا کام تین باتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا یعنی جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو۔

۸ رمضان المبارک ۸۰ھ کو مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور وہیں رجب یا شوال ۱۴۸ھ کو وصال فرمایا اور جنت البقیع قبۂ اہلِ بیت میں آرام فرما ہیں۔[۵]

---

[۵] ماخوذ از تابعین و حضرات القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ۔

(۵) حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی طیفور (ابن عیسیٰ بن آدم ابن شروسان) کنیت ابویزید اور لقب سلطان العارفین ہے۔ آپ کے دادا آتش پرست تھے پھر مسلمان ہوئے۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے اویسی طریقہ پر فیض یافتہ ہیں۔ بعض کتب میں آپ کی لقائے صوری اس طرح مذکور ہے عن الامام علی الرضا عن الامام موسیٰ الکاظم عن الامام جعفر الصادقؒ۔ اس طرح آپ حضرت معروف کرخی کے پیر بھائی ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ نے ایک سو تیرہ مشائخ کی خدمت کی اور ان سے مستفیض ہوئے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ مادر زاد ولی تھے بچپن ہی میں تلاشِ حق کی جستجو پیدا ہو گئی تھی چنانچہ آپ استاد سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (یعنی شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا) تو آپ استاد سے اجازت لیکر گھر آئے اور اپنی والدۂ ماجدہ سے عرض کیا کہ "میں دو گھروں سے تعلق نہیں نبھا سکتا یا تو آپ مجھے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیں کہ بالکل آپ ہی کی خدمت کروں یا اللہ تعالیٰ کو سونپ دیجئے کہ بس اس کا ہو رہوں"۔ والدۂ ماجدہ نے جواب دیا "میں نے تجھ کو راہِ خدا کیلئے چھوڑ دیا اور اپنا حق معاف کر دیا"۔ پس آپ بسطام سے باہر نکلے اور تیس سال تک شام کے جنگلوں میں ریاضت و مجاہدے کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ آپ حج کے لئے پیدل تشریف لے گئے تو بارہ سال میں اس شان سے سفر تمام کیا کہ ہر قدم پر دو رکعت نماز ادا فرماتے جاتے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے اور مدینہ منورہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے دوبارہ تشریف لیگئے اور فرمایا مدینۂ طیبہ کی حاضری کو سفرِ حج کے تابع کرنا ادب کے خلاف ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "راہِ توحید کے سالکوں کی انتہا بایزید کی ابتدا کے برابر ہے"۔ حضرت ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم بایزید سے بھرے ہوئے دیکھتا ہوں مگر بایزید ہم میں نہیں ہیں یعنی وہ حق میں محو ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بڑے مشائخ اور ولی اور عارفوں کے بادشاہ، صدیقوں کے برہان، خدا کی حجت اور خلیفۂ برحق اور قطبِ عالم

اور اوتاد کے رئیس تھے۔ آپ کے ریاضات و مجاہدات و مقامات اور کرامات بہت ہیں۔ آپ کے استغراق کا یہ حال تھا کہ ایک مرید بیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن آپ روزانہ اس سے اس کا نام دریافت فرماتے۔ آخر ایک دن مرید نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا "میں تم سے مذاق نہیں کرتا بلکہ بات یہ ہے کہ جب سے اس (اللہ تعالیٰ) کا نام دل پر غالب آیا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں"۔ آپ فرماتے ہیں کہ "نماز میں سوائے کھڑے رہنے کے اور روزہ میں سوائے بھوکا رہنے کے اور کچھ میں نے نہ دیکھا جو کچھ مجھ کو ملا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملا ہے"۔

۱۵ شعبان ۲۶۱ھ کو بعمر تہتر سال بسطام میں وفات پائی اور وہیں مرقد مبارک ہے۔[۱]

(۶) حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی علی بن جعفر اور کنیت ابوالحسن ہے، آپ کو تصوف میں بطریق اویسیت حضرت بایزیدؒ سے انتساب ہے کیونکہ آپ کی ولادت حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا انتساب حضرت بایزیدؒ سے چند واسطوں سے اس طرح ہے کہ آپ کا انتساب ابوالمظفر مولیٰ ترک طوسی سے ان کا خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ سے اور ان کا خواجہ محمد مغربیؒ سے اور اُن کا شیخ بایزید بسطامیؒ سے ہے ـــــــ منقول ہے کہ حضرت بایزید قدس سرہٗ جب خرقان سے گذرتے تو ٹھہر جاتے اور اس طرح سانس لیتے جیسے کسی چیز کی خوشبو سونگھتے ہیں، دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس بستی میں ایک مردِ خدا کی خوشبو پاتا ہوں جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے، اس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی: اس پر بارِ عیال ہوگا، کھیتی کریگا اور درخت لگائے گا اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کو حضرت بایزید بسطامیؒ سے اس درجہ تعلق و عقیدت تھی کہ آغازِ شباب ہی سے آپ کا یہ معمول تھا کہ خرقان میں عشا کی نماز جماعت سے پڑھ کر حضرت بایزیدؒ کے مزار پُرانوار پر تشریف لیجاتے اور شیخ کی روحِ پُرفتوح سے برکات و استفادات کے منتظر اور مراقب رہتے اور درگاہِ رب العزت میں التجا کرتے کہ "خدایا جو تونے بایزیدؒ کو دیا ہے اس میں سے ابوالحسن کو بھی عطا فرما" پھر وہاں سے ایسے وقت واپس آتے کہ خرقان میں پہنچ کر صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے۔

---

[۱] ماخوذ از حضرات القدس و مشائخ نقشبندیہ مجددیہ۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ اپنے زمانے کے قطب اور اپنے وقت کے غوث تھے آپ ہر دم دل سے باحضور اور مشاہدۂ حق میں مشغول اور حد درجہ ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف، صاحبِ اسرار و حقائق، عالی ہمت اور بزرگ مرتبت شیخ تھے۔ بارگاہِ الٰہی میں ایسا قربِ عظیم رکھتے تھے کہ اس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔

سلطان محمود غزنویؒ[عہ] کو آپ سے کمال درجہ عقیدت تھی ایک مرتبہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ سے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا "اے محمود تیری عاقبت محمود ہو" اس کے بعد محمود نے اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی، حضرت شیخ نے جو کی روٹی محمود کے آگے رکھی اور کہا کھاؤ۔ محمود نے کھانا شروع کیا لیکن گلے میں پھنسنے لگی۔ آپ نے فرمایا شاید گلا پکڑتی ہے، محمود نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری اشرفیوں کی تھیلی بھی اسی طرح میرا گلا پکڑتی ہے اس کو لے جاؤ کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے۔ پھر محمود نے تبرک مانگا تو آپ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا جس کی برکت کے وسیلے سے سلطان محمودؒ نے سومنات فتح ہونے کی دعا کی اور فتح پائی۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کونسی چیز بہتر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ "وہ دل جس میں خدا کی یاد ہو"۔ نیز آپ کا ارشاد ہے "صوفیوں کی عادتیں اور رسوم اختیار کر لینے سے صوفی نہیں ہوتا بلکہ صوفی وہی ہے جو کچھ نہ ہو اور فنا فی اللہ ہو"۔ یہ بھی آپ کا ارشاد ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے یہ معنی ہیں کہ ہر فعل میں

عہ سلطان محمود غزنوی بن سلطان ناصر الدین سبکتگین ۹۶۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے، باپ کے انتقال کے بعد ۹۹۷ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھے، آپ بڑے دیندار فرمانروا تھے پوری زندگی کافروں کے خلاف جہاد کرتے گذری، اپنی اسی خوبی کی بنا پر آپ کو "بت شکن" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے، آپ نے فتوحات کے دائرے کو کافی وسیع کیا اور افغانستان کی چھوٹی سی سلطنت کو وسعت دیکر مغرب میں دجلہ، مشرق میں گنگا اور شمال میں آمو دریا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ آپ نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے جن میں سب سے اہم سومنات کا حملہ تھا اس کو سلطان محمود کا ایک عظیم کارنامہ قرار دینا بیجا نہ ہوگا۔ آپ نے سندھ میں قرامطہ کی ریشہ دوانیوں کو بھی کچل ڈالا۔ آپ کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں جن میں سے اکثر بے بنیاد ہیں۔

محمود علم اور علما کے بڑے قدردان تھے چنانچہ آپ نے اپنے زمانے میں غزنین کو علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز بنا دیا تھا۔ ۳۳ سال نہایت کامیابی اور نیک نامی سے حکومت کرکے اس مجاہد سلطان کا ۶۵ سال کی عمر میں ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء بمقام غزنین انتقال ہوا۔

آپ کی پیروی کی جائے نہ کہ کاغذ سیاہ کیے جائیں" ــــ آپ فرماتے ہیں کہ فرشتے تین مقام پر اولیاء اللہ سے ہیبت کھاتے ہیں، کراماً کاتبین اعمال لکھتے وقت، ملک الموت جان نکالتے وقت اور منکر نکیرؑ سوال کرتے وقت" ــــ آپ کا ارشاد ہے "میں نے عافیت تنہائی میں پائی اور سلامتی خاموشی میں"۔

نقل ہے کہ جب شیخ کی وفات کا زمانہ آیا تو وصیت کی کہ میری قبر گہری کھودنا کہ شیخ بایزیدؒ کی قبر سے اونچی نہ ہو۔ آپ نے ۱۰ رمضان المبارک یا شبِ عاشورہ ۴۲۵ھ کو خرقان میں وصال فرمایا۔ خرقان بسطام کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔

(۷) حضرت شیخ ابو علی فارمدی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی فضل اللہ بن محمد ہے[۱] اور کنیت ابو علی، اور وطن فارمد، طوس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔ اگرچہ آپ کو حضرت ابو القاسم گرگانی سے بیعت حاصل ہے مگر بطورِ اویسیت حضرت ابو الحسن خرقانی سے فیض حاصل کیا ہے اسی لئے شجروں میں حضرت ابو القاسم کا نام درج نہیں ہے۔ آپ علمِ ظاہر اور علم باطن میں بڑا کمال رکھتے تھے۔

آپ نوجوانی میں حصولِ علم کے لئے نیشاپور تشریف لے گئے وہاں شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کی تعریف سنی تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا اور بہت عجیب حالات و واردات ظاہر ہوئے۔ جب شیخ ابو الخیرؒ نیشاپور سے تشریف لے گئے تو آپ امام ابو القاسم قشیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ حالات جو آپ پر وارد ہوئے تھے بیان کئے، امام ابو القاسمؒ نے فرمایا "اے لڑکے جا تحصیلِ علم میں مشغول ہو"۔ چنانچہ آپ حصولِ علم میں تین سال تک مشغول رہے لیکن اس دوران میں بھی وہ حالات و واردات بڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک دن آپ نے دوات میں قلم ڈال کر نکالا تو وہ سفید تھا۔ آپ نے یہ واقعہ امام ابو القاسمؒ کی

---

[۱] ایک سلسلہ یہ بھی ہے کہ خواجہ ابو علی فارمدی کو خواجہ ابو القاسم قشیریؒ سے ان کو خواجہ ابو علی دقاقؒ سے ان کو خواجہ ابو القاسم نصر آبادی اور ابو الحسن حضرمی سے، ان دونوں کو خواجہ ابوبکر شبلیؒ سے ان کو سید الطائفہ جنید بغدادی سے، ان کو شیخ سری سقطیؒ سے ان کو شیخ معروف کرخیؒ سے ان کو شیخ داؤد طائیؒ سے ان کو خواجہ حبیب عجمیؒ سے ان کو امام الاولیاء حضرت حسن بصریؒ سے ان کو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل ہے۔

خدمت میں عرض کیا۔ امام موصوف نے فرمایا جب علم نے تجھ سے ہاتھ اٹھا لیا تو بھی اس سے ہاتھ اٹھالے اور طریقت کے کام میں لگ جا۔ آخر آپ مدرسہ سے خانقاہ میں آگئے اور امام ابوالقاسم قشیریؒ کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن امام موصوف حمام میں گئے آپ بھی ساتھ ہو لئے اور امام موصوف کے غسل کے لئے چند ڈول پانی حمام میں ڈال دیئے جب امام موصوف غسل سے فارغ ہو کر حمام سے باہر آئے تو فرمایا یہ کون شخص تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا۔ آپ اس خوف سے نہ بولے کہ کہیں مرضی کے خلاف نہ ہوا ہو۔ آخر امام موصوف نے دوبارہ اور سہ بارہ فرمایا تو ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ خادم تھا۔ امام موصوف نے فرمایا اے ابو علی! جو کچھ ابوالقاسم قشیریؒ (یعنی میں) نے ستر سال میں حاصل کیا تھا تو نے پانی کے چند ڈول میں پالیا پھر آپ مجاہدہ میں مشغول ہو گئے، ایک دن آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس میں گم ہو گئے آپ نے وہ کیفیت امام قشیری کی خدمت میں عرض کی، امام موصوف نے فرمایا اے ابو علی! میری رسائی اس سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ نے حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور تکمیلِ سلوک کے بعد خلافت حاصل کی آخر حضرت شیخ کی شفقت اتنی بڑھی کہ انھوں نے آپ کو اپنی دامادی کا شرف بھی عطا فرمایا۔

شیخ ابوالقاسم گرگانی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے خلیفہ ہیں، ان کی وفات ۲۳ صفر ۴۵۰ھ کو ہوئی اور طوس میں مزار مبارک ہے، چند واسطوں سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے بھی آپ کا سلسلۂ بیعت اس طرح مل جاتا ہے کہ شیخ گرگانی کو شیخ عثمان مغربیؒ سے ان کو ابو علی کاتبؒ سے اور ان کو ابو علی رودباریؒ سے اور ان کو سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے، اس طرح یہ سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

حضرت شیخ ابو علی فارمدی قدس سرہ نہایت متقی پرہیزگار اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی سے بیعت و تربیت یافتہ ہیں۔ آپ کی ولادت سنہ ۴۳۴ھ اور وفات ۵۱۱ھ میں طوس میں ہوئی۔

(ماخوذ از حضرات القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ)

(۸) حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی یوسف، کنیت ابو یعقوب ہے۔ علمِ تصوف میں آپ کا انتساب شیخ ابو علی فارمدیؒ سے ہے لیکن شرح وصایا خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ میں مذکور ہے کہ آپ بلا واسطہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے مرید ہیں۔ آپ نے شیخ عبداللہ جوینیؒ سے خرقہ پہنا اور شیخ حسن سمنانیؒ کی خدمت میں بھی حاضر رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے بغداد و اصفہان، عراق و خراسان اور سمرقند و بخارا میں بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا اور علمِ حدیث کو اختیار فرمایا۔ آپ کی پند و نصیحت سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ آپ کو فتاویٰ دینیہ اور احکامِ شرعیہ میں پوری دستگاہ حاصل تھی اور علوم و معارف میں قدمِ راسخ رکھتے تھے اور کشف و کرامات میں پورا تصرف حاصل تھا، علما و فقہاء کا ایک جمِ غفیر آپ کی مجلس میں حاضر رہتا تھا حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر[۱] جیلانی قدس سرہٗ بھی اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے چنانچہ ایک روز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے (جو ابھی نوجوان تھے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو نصیحت کیا کرو۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ میں مرد عجمی ہوں فصحاء بغداد کے سامنے کس طرح بات کروں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو علمِ فقہ اور اصولِ فقہ، اختلافِ مذاہب اور لغت و تفسیرِ قرآن میں کمال حاصل ہے اور وعظ و نصیحت کی صلاحیت رکھتے ہو اسلئے ارشاد و ہدایت شروع کرو کیونکہ میں تم میں ایک ایسا پودا دیکھ رہا ہوں جو عنقریب پورا درخت ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ اپنے وقت کے غوث اور پانچویں صدی کے مجدد تھے ساٹھ سال سے زیادہ سجادہ نشینی اور مسندِ ارشاد پر فائز رہے۔ آپ کی تصانیف میں زینت الحیات، منازل السالکین اور منازل السائرین ہیں۔

آپ کی ولادت ۴۴۰ھ اور وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی مزارِ مبارک شہر و میں ہے۔

---

[۱] آپ کا لقب محی الدین اور غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں، حسنی الحسینی سید ہیں ۲۹ شعبان ۴۷۱ھ کو جیلان میں ولادت ہوئی جملہ علوم میں کمال حاصل کیا، بکثرت تصانیف کیں۔ آپ کشف و کرامات میں بہت زیادہ مشہور ہیں اور آپ کا فیض بھی اس قدر پھیلا کہ باید و شاید۔ آپ کا وصال بعد نمازِ عشا ۹ یا ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۲ھ کو بغداد میں ہوا۔

(۹) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی عبدالخالق، لقب خواجۂ جہاں، والد ماجد امام عبدالجلیل اکابر اولیا و اعاظم اتقیا سے تھے اور آپ امام مالکؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے شیخ امام عبدالجلیلؒ کو بشارت دی تھی کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کو میں فرزندی میں قبول کرتا ہوں اور اپنی نسبت سے اس کو حصہ دونگا اس کا نام عبدالخالق رکھنا۔ حوادثِ روزگار کی وجہ سے جب امام عبدالجلیل روم سے دیارِ ماوراء النہر کی طرف نکلے تو غجدوان میں جو توابعِ بخارا سے ایک بڑا شہر ہے سکونت اختیار کی چنانچہ خواجہ عبدالخالق وہیں پیدا ہوئے

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ عبدالخالقؒ اپنے استاد مولانا صدرالدین علیہ الرحمہ سے تفسیر پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (سورہ اعراف ع ۸) (یعنی تم لوگ اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارتے رہو، بیشک حق سبحانہٗ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتا ہے) تو آپ نے استاد سے پوچھا وہ کونسا طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ بیان کر رہا ہے کیونکہ ذکر جہر پر غیر شخص واقف ہوجاتا ہے اور دل سے ذکر کرے تو شیطان جو کہ انسان کی رگوں میں خون بہنے کی جگہ میں جاری ہوتا ہے وہ ذکر سے واقف ہوجاتا ہے۔ استاد نے فرمایا کہ یہ علمِ لدنی ہے اگر خدائے تعالیٰ کو منظور ہے تو کوئی ولی مل جائے گا اور سکھادے گا۔ اس کے بعد آپ اولیائے عظام کی تلاش میں مصروف ہوگئے یہانتک کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن آپ اپنے باغ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بزرگ آنکلے، آپ ان کی تعظیم و تکریم بجا لائے۔ انھوں نے فرمایا "اے جوان میں تمہارے اندر بزرگی کے آثار پاتا ہوں اس لئے ایک سبق بتاتا ہوں تاکہ تم پر اسرار کھل جائیں لہذا تم حوض میں اتر کر پانی میں غوطہ لگاؤ اور دل سے کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور فرمایا "اے جوان! میں خضر ہوں اور تم کو اپنی فرزندی میں لینا چاہتا ہوں" پس آپ نے اسی طرح کیا اور اس کے بعد بہت سے عجیب و غریب اسرار آپ پر کھلنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ بخارا تشریف لائے تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیض حاصل کیا۔ اس طرح آپ کے

پیرِ سبق حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور پیرِ صحبت و خرقہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ ہیں۔ اگرچہ خواجہ یوسف قدس سرہٗ کے طریقہ میں ذکر جہری تھا لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے ذکرِ خفی تلقین فرمانے کی وجہ سے آپ نے ان کو جہر کا حکم نہ فرمایا اور فرمایا کہ جس طرح آپ کو حضرت خضرؑ نے حکم دیا ہے اسی طرح ذکر میں مشغول رہیں۔

غرضکہ آپ حلقۂ خواجگان کے سردفتر اور سلسلۂ اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے سردار ہیں طریقت میں آپ کا کلام حجت ہے اور حقیقت میں برہان، آپ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور مجتہد رأس الرئیس اور قطبِ زمانہ تھے۔ آپ کی ولایت اس مرتبہ کی تھی کہ ایک وقت کی نماز کے لئے خانۂ کعبہ کو جاتے اور واپس آجاتے تھے۔ ملکِ شام میں آپ کے بہت آدمی مرید ہوئے اور وہاں خانقاہ بنائی لیکن آپ بظاہر غجدوان ہی میں رہتے تھے۔ خدائے تعالیٰ کے خوف سے آپ کا یہ حال تھا کہ ہر وقت مجرم کی سی کیفیت رہتی تھی اور لرزاں و ترساں رہتے تھے، بکمال درجہ متبعِ سنت تھے اور بدعات سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور کم ملنے کی خصوصیت سے ہدایت فرماتے تھے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ نماز میں خشوع کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نمازی کے اوپر حق تعالیٰ شانہٗ کا اسقدر خوف اور ڈر غالب آجائے کہ اگر اس کے تیر ماریں تو خبر نہ ہو۔

آپ کے احوال و واقعات بہت کثرت سے ہیں منجملہ ان کے وہ آٹھ کلماتِ طیبات جن پر طریقۂ نقشبندیہ کی بنیاد ہے آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں جو حسب ذیل ہیں: (۱) ہوش در دم یعنی خیال رکھنا کہ کوئی سانس اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے۔ (۲) نظر بر قدم: یعنی چلنے پھرنے میں نظر قدم پر رکھے تاکہ سوائے حق تعالیٰ کی حضوری کے کوئی اور خیال نہ آئے۔ (۳) سفر در وطن: یعنی بُری عادتوں سے صفاتِ ملکوتی کی طرف ترقی حاصل کرے۔ (۴) خلوت در انجمن: یعنی ذکر کا خیال ایسا پختہ ہو جائے کہ خواہ کیسی ہی مجلس میں ہو، دل مولیٰ کی یاد اور حضوری میں رہے۔ (۵) یاد کرد: یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرے۔ (۶) بازگشت: یعنی ذاکر خیال و تصور سے نفی اثبات (کلمۂ طیبہ) کو طاق عدد کی رعایت کے ساتھ چند بار ذکر کرنے کے بعد نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ زبانِ خیال سے کہے "اے خدا میرا

مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا مطلوب ہے پس مجھ کو اپنی محبت و معرفت عطا فرما۔
(۷) نگہداشت: یعنی سالک نفس کے وسوسوں اور خطروں کو ہر لحظہ دور کرتا رہے اور دل کو ذکر اللہ اور حق تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق رکھے۔ (۸) یادداشت: یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ کی حضوری میں دوام آگاہی حاصل ہو جائے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ یادداشت سے آگے پنداشت و وہم ہے۔

فائدہ: یہ آٹھ کلمات حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ سے منقول ہیں ان کے علاوہ تین اصطلاحیں اور ہیں جو حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ سے مروی ہیں:- (۱) وقوفِ زمانی: یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہوشیار و واقف رہے اور یہ ہوش دردم ہی کے معنی میں ہے۔ (۲) وقوفِ عددی: نفی اثبات حبس دم کے ساتھ کرتے میں ہر سانس میں طاق عدد کی رعایت کرے۔ (۳) وقوفِ قلبی: ذکر کے وقت قلب پر پوری طرح توجہ رہے یعنی ذکر کے وقت دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے اور بیرونی خطرات کا دل میں دخل نہ ہو۔

حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ کے وصال کے وقت جبکہ تمام اصحاب و احباب فرزند و مرید سب آپ کے گرد جمع تھے آپ نے فرمایا دوستو! تم کو مبارک ہو کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ مجھ سے راضی ہے اور رضامندی کی مجھ کو خوشخبری دی۔ یہ سن کر سب رونے لگے اور ہر ایک نے دعا کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا دوستو! تم کو مبارک ہو کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ اس طریقہ کو جو لوگ اختیار کریں اور اخیر تک اس پر قائم رہیں اُن سب کو بخش دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد غیب سے آواز آئی: يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (یعنی اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف آ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی) دیکھا تو آپ رحلت فرما چکے تھے۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ کا ہے بعض نے ۶۱۶ھ یا ۶۱۷ھ تاریخ وصال لکھی ہے۔ آپ کا مزار پُرانوار غجدوان میں ہے۔

(ماخوذ از حضرات القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ اور نفحات الانس۔

(۱۰) حضرت خواجہ عارف ریوگری قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی عارف اور وطن ریوگر جو بخارا سے اٹھارہ میل پر واقع ہے اور غجدوان سے ایک فرسنگ۔ آپ خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں جو کارخانۂ عرفان کے خدیو ہیں۔ خواجہ عبد الخالق قدس سرہٗ کے چار خلیفہ ہیں ان میں سے پہلے خلیفہ آپ ہی ہیں، دوسرے خواجہ احمد صدیقؒ، تیسرے خواجہ اولیاء کبیرؒ چوتھے خواجہ سلیمان کرسینیؒ۔

خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد خواجہ احمد صدیقؒ سجادہ نشین ہوئے جبتک آپ زندہ رہے خواجہ عبد الخالقؒ کے تمام خلفاء اور مریدین آپ کی اتباع اور موافقت میں کوشش کرتے رہے۔ جب خواجہ احمد صدیقؒ کی وفات کا وقت آپہنچا تو آپ نے تمام اصحاب کو خواجۂ عارف قدس سرہٗ کی صحبت کے لئے وصیت فرمائی۔ چنانچہ حضرت خواجہ عارف ریوگری مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ متابعتِ سنت، علم و حلم اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔ تصوف میں آپ کا ایک رسالہ "عارف نامہ" موسیٰ زئی (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ آپ کا وصال یکم شوال ۶۱۶ھ کو قصبہ ریوگر میں ہوا۔[۱]

(۱۱) حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی محمود اور مقامِ ولادت انجیر فغنہ ہے جو شہر بخارا سے نو میل پر واقع ہے اور انجیر فغنہ بخارا کے قصبہ آمکنہ کا ایک گاؤں ہے، آپ نے قصبہ امکنہ میں اقامت فرما کر گلکاری کا پیشہ اختیار فرمایا۔ آپ کا انتساب خواجہ عارف ریوی گری قدس سرہٗ سے ہے اور آپ خواجہ موصوف کے تمام اصحاب و طلبہ میں افضل و اکمل ہیں۔ جب خواجہ عارفؒ کا وقت اخیر ہوا تو آپ نے حضرت خواجہ محمودؒ کو اپنا سجادہ نشین اور خلیفہ مقرر فرمایا اور ہدایت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ سے بہت مخلوق فیضیاب ہوئی۔

حضرت خواجہ محمود قدس سرہٗ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر طالبانِ سلوک کو ذکرِ جہر کی تعلیم دینے لگے تھے چنانچہ آپ کے سلسلہ میں ذکرِ جہر کا رواج ہو گیا تھا لیکن جب حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کا زمانہ آیا اور امام الطریقہ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیعت کی

---

[۱] ماخوذ از حضرات القدس و عمدۃ السلوک۔

تو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ آپ کو ذکرِ جہر سے منع کریں۔ چنانچہ علمائے کرام نے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکرِ جہر بدعت ہے[1] آپ ایسا نہ کریں۔ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔[2] اس کے بعد بدستورِ قدیم ذکرِ خفی کی تعلیم جاری ہو گئی۔

خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ اس زمانے کے مشائخ میں کون ایسا بزرگ ہے جو استقامت کا مرتبہ رکھتا ہو تاکہ دستِ ارادت سے اس کا دامن پکڑوں اور اس کی پیروی کروں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس صفت کے بزرگ خواجہ محمود انجیر فغنویؒ ہیں۔ خواجہ عزیزان علیؒ کے بعض اصحاب نے کہا کہ وہ درویش خود خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ تھے مگر اس وجہ سے اپنا نام نہیں بتایا کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ خواجہ محمودؒ کے اصحاب کے ساتھ ذکر میں مشغول تھے کہ یکایک ایک مرغ سفید رنگ ہوا میں اُڑتا ہوا اوپر سے گذرا اور بزبانِ فصیح کہا "اے علی مردانہ رہ"۔ اس مرغ کو دیکھتے ہی اور اس کلمہ کو سنتے ہی تمام اہلِ مجلس غایتِ فیض سے بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو خواجہ عزیزان علی سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ آپ نے فرمایا یہ مرغ روحِ پُرفتوح حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ کی ہے اس وقت خواجہ دہقان قلتیؒ جو خواجہ اولیاء کبیرؒ کے خلیفہ ہیں ان کے سرہانے تشریف لے گئے تھے کیونکہ ان کا وقت اخیر تھا اور انھوں نے دعا کی تھی کہ بارِ الٰہا میرے اس اخیر وقت میں اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج کہ اس کی برکت سے ایمان سلامت لے جاؤں۔ چنانچہ ان کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔ چونکہ میرے حال پر فرطِ محبت تھی اس لئے اس راہ سے گذرتے ہوئے تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ محمودؒ کی وفات ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ کو ہوئی بروایتِ دیگر ۷۱۷ھ[3]

---

[1] اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ ذکرِ جہر جائز ہے جبکہ شرائط کا لحاظ رکھے اور جہر مفرط کو قربت مقصودہ نہ سمجھے بلکہ جو مصلحتیں مشائخ نے بتائی ہیں ان کی بنا پر بغرضِ علاج کرے اور بدعت سے ان حضرات کی مراد غالباً بدعتِ طریقت ہو گی (مؤلف) [2] مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ ج ۱ مکتوب ۲۶۶۔ [3] حضرات القدس۔

(۱۲) حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی علی تھا چونکہ آپ اپنے نفس کو عزیزاں کہا کرتے تھے اس لئے آپ کا لقب عزیزان ہو گیا۔ آپ کا وطن قصبہ رامیتن ہے جو بخارا سے دو کوس پر واقع ہے۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی حاصل تھی اور انہی کے ارشاد پر حضرت خواجہ محمود قدس سرہٗ کے مرید ہوئے۔ حضرت خواجہ محمودؒ نے اپنے آخری زمانے میں اپنی خلافت و سجادہ نشینی آپ کے سپرد فرمادی تھی، آپ صاحبِ مقامات و کمالات اور کشف و کرامات تھے۔

شیخ علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہٗ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ کے ہمعصر تھے۔ شیخ موصوف نے ایک درویش کو حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور تین سوالات کئے ایک یہ کہ میں اور آپ دونوں آنے جانے والوں کی خدمت کرتے ہیں آپ کا دسترخوان سادہ ہوتا ہے اور میرا پُر تکلف، مگر لوگ آپ کی تعریف کرتے ہیں اور میرے شاکی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ احسان رکھ کر خدمت کرنے والے بہت ہیں اور اُن کا احسان اپنے اوپر رکھ کر خدمت کرنے والے کم ہیں، پس کوشش کیجئے کہ دوسری قسم والوں میں آپ کا شمار ہو جائے ـــ دوسرا سوال یہ تھا کہ میں نے سنا ہے آپ کی تربیت حضرت خضر علیہ السلام نے کی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے عاشق ہوتے ہیں خضر علیہ السلام ان کے عاشق ہو جاتے ہیں۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ میں نے سُنا ہے آپ ذکر جہر کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ ذکر خفی کرتے ہیں پس آپ کا ذکر بھی جہری ہوا اسلئے کہ مسموع ہوا۔

نقل ہے کہ ایک شخص آپ کے مکان پر آیا، اتفاقاً اس وقت آپ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی اس نے کھانے کا انتظار کرکے اجازت چاہی مہمانداری کا احساس کرکے آپ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ فوراً ہی آپ کے معتقدین میں سے ایک باورچی کھانے کا خوان لیکر حاضر خدمت ہوا۔ آپ کو اس باورچی کا اس وقت کھانا لیکر آنا بہت پسند آیا اور نہایت خوشی مہمان کو کھانا کھلایا، اس کے بعد اس باورچی کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آج میں تجھ سے بہت خوش ہوں لہذا تیری جو مراد ہو وہ مانگ انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہوگی۔ باورچی نہایت ہوشیار تھا اس نے کہا

کہ میری مراد یہ ہے کہ آپ جیسا ہو جاؤں۔ آپ نے باورچی کو ہر چند سمجھایا کہ ایسی آرزو نہ کر، یہ ایک بارِ عظیم ہے جس کے اٹھانے کی تجھ میں طاقت نہیں۔ لیکن اس نے عاجزی سے یہی عرض کیا کہ میری مراد تو صرف یہی ہے کہ آپ جیسا ہو جاؤں۔ آخر آپ اس کو خلوت میں لے گئے اور اس پر توجہ ڈالی، جب باہر تشریف لائے تو وہ باورچی صورت و سیرت ظاہر و باطن میں حضرت عزیزان علیؒ کے مشابہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کم و بیش چالیس دن تک وہ باورچی زندہ رہا بالآخر اس بارِ گراں کی تاب نہ لا کر انتقال کر گیا۔ ؎ بالکل اسی طرح کا واقعہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے حالات میں بھی درج ہے (مؤلف)

ایک مرتبہ آپ باشارۂ غیبی بخارا سے خوارزم آئے اور شہر کے باہر ٹھہر گئے اور ایک درویش کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ فقیر تمہارے شہر کے دروازہ پر آیا ہے اگر تمہاری مصلحت مانع نہ ہو تو شہر میں داخل ہو ورنہ واپس ہو جائے اور درویش کو ہدایت کر دی کہ اگر بادشاہ اجازت دیدے تو اجازت نامہ دستخطی مہر شدہ بادشاہ سے لیتے آنا۔ چنانچہ اس درویش نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرضِ مدعا کیا تو بادشاہ مع درباری ہنسنے لگے کہ یہ لوگ کیسے سادہ طبیعت ہیں اور مذاق کے طور پر اجازت نامہ لکھ کر مہرِ شاہی ثبت کر کے درویش کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے شہر میں قدم رکھا اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور روزانہ صبح کے وقت دو ایک مزدوروں کو تلاش کر کے گھر لے آتے اور ان سے فرماتے کہ وضو کرو اور نماز پڑھو اور شام تک ہمارے پاس بیٹھ کر ذکر کرو، بعد ازاں مزدوری دیکر اُن کو رخصت کر دیتے، لوگ بہت خوش ہوتے چنانچہ ایک ہی دن کی صحبت اور کمالِ تصرف و کرامت کی وجہ سے ان کو دوسرے دن حاضرِ خدمت ہوئے بغیر چین نہ آتا۔ آخر کار رفتہ رفتہ اس قدر اژدحامِ خلائق ہوا کہ بادشاہ کو ملک میں فتنہ و فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اسی وہم کے تحت اس نے آپ کو اخراج کا حکم دیدیا۔ آپ نے اسی درویش کو شاہی اجازت نامہ دے کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ ہم تو آپ کی اجازت سے شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں اگر عہد کو توڑتے ہو تو ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ یہ سُن کر بادشاہ اور ارکانِ سلطنت بہت شرمندہ ہوئے اور آپ کی دور بینی و کمالات کے بہت معتقد ہوئے اور سب حاضرِ خدمت ہو کر مرید ہو گئے۔

نقل ہے کہ خواجہ عزیزان علی قدس سرہ شہر خوارزم میں شام کے وقت سوت بیچنے والوں کے

بازار میں تشریف لے جاتے اور جن لوگوں کا سوت نہ بکتا اُن سے سارا سوت خرید کر گھر لے آتے اور چالیس گز کرباس (ایک کپڑے کا نام) اس طرح بُن لیتے تھے کہ خود گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے اور وہ چالیس گز کپڑا بغیر آپ کا ہاتھ لگے خود بخود تیار ہو جاتا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب نساج بھی پڑ گیا تھا۔ حضرت خواجہ موصوف اس کپڑے کو فروخت کر کے اس سے جو نفع حاصل ہوتا اس کے تین حصے کرتے، ایک حصہ علماء پر صرف کرتے دوسرا حصہ فقراء پر تیسرا حصہ اپنے اہل و عیال پر۔

ایک شخص نے تمسخر کے طور پر آپ کی شان میں کہا کہ "عزیزان علیؒ ایک بازاری ہے" یعنی سوت کی خرید و فروخت کیلئے بازار میں پھرتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "بار عزیزانؒ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو زاری بہت پسند ہے پس عزیزانؒ کیونکر بازاری نہ بنے"۔

ایک مرتبہ چند علماء خواجہ عزیزانؒ کی ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے۔ دورانِ گفتگو ایک عالم نے کہا علماء پوست ہیں اور فقراء مغز۔ آپ نے فرمایا "مغز پوست کی حمایت میں رہتا ہے"۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ بالغِ شریعت کون ہے اور بالغِ طریقت کون؟ آپ نے فرمایا کہ بالغِ شریعت وہ شخص ہے جس سے منی (مادہ تولید) نکلے اور بالغِ طریقت وہ ہے جو منی یعنی خودی سے نکل جائے۔ یہ سن کر سائل نے عاجزی سے زمین پر سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا زمین پر سر رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو چیز سر میں ہے یعنی خودی اس کو زمین پر رکھ۔

سالک آپ کی ایک ہی صحبت میں حقیقت کو پہنچ جاتا اور حضورِ قلب حاصل کر کے واپس آتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "سالک اپنے نیک عمل کو نہ کیا ہوا خیال کرتا رہے اور ہر عمل میں اپنے کو قصوروار جانے"۔ نیز ارشاد فرمایا کہ "مرد وہ ہے جس کو کاروبارِ دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر سکے"۔ یہ بھی فرمایا کہ "بندہ کو چاہیے کہ خدا سے خدا کے سوا اور کچھ نہ مانگے"۔

حضرت خواجہ عزیزان علی قدس سرہ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادے خواجہ خوردؒ، خواجہ بابا سماسی، خواجہ محمد کلاہ دوز خوارزمی، خواجہ محمد صلاح بلخی اور خواجہ محمد باوردی خوارزمی ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم۔

حضرت خواجہ عزیزان علی قدس سرہ کا ایک سو تیس سال کی عمر میں دوشنبہ ۲۸ ذی الحجہ ۷۱۵ھ کو شہر خوارزم میں انتقال ہوا اور وہیں مزار مبارک ہے۔ (ماخوذ از حضرات القدس)

(۱۳) حضرت خواجہ محمد باباسماسی قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی محمد، لقب باباسماسی آپ کا وطن سماس ہے جو رامیتن سے ایک کوس اور بخارا سے تو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ آپ حضرت خواجہ عزیزان علیؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں ، بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ جذبات وواردات الٰہی کے غلبہ سے اکثر وارفتگی طاری رہتی تھی۔ جب آپ کا گذر قصر ہندواں پر ہوتا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کا مولد تھا تو فرماتے" زود باشد کہ ایں قصر ہندواں قصر عارفاں گردد"۔ چنانچہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی ولادت کے تین دن بعد آپ کے جد امجد حضرت خواجہ نقشبندؒ کو لے کر حضرت خواجہ باباسماسی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی نظرِ کیمیا اثر سے توجہ ڈالی اور فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے اور ہم نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا عنقریب یہ لڑکا اپنے وقت کا مقتدا ہوگا۔ پھر آپ نے حضرت امیر کلال قدس سرہٗ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میرے فرزند بہاؤالدین کی تربیت کرنے میں کوئی کمی نہ کرنا ورنہ تم کو معاف نہ کروں گا۔ خواجہ امیر کلال قدس سرہٗ نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ میں اس میں حتی المقدور کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب میری شادی کا زمانہ قریب آیا تو میرے جدِ بزرگوار نے مجھ کو حضرت باباسماسی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ کی قدمبوسی کی برکت سے یہ کام سرانجام ہو۔ میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو حضرت کی یہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ اسی رات مجھ میں تصرف پیدا ہوگیا تھا۔ میں رات کو اٹھا اور آپ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور سر سجدہ میں رکھا تو میری زبان سے یہ نکلا کہ" اے خدا اپنی بلاؤں کے اٹھانے کی طاقت مجھ کو عطا فرما اور اپنی محبت کی محنت کی برداشت مجھے دے"۔ جب میں صبح کو حضرت باباؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے فرزند یہ دعا کرنی چاہئے کہ" اے خدا جو کچھ تیری مرضی ہو اس پر قائم رہنے کی اس بندۂ ضعیف کو اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرما"۔ اور خدائے بزرگ وبرتر کی مرضی بھی یہی ہے کہ بندہ بلاؤں میں مبتلا نہ ہو، اور اگر اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنی حکمت سے اپنے کسی دوست پر کوئی بلا نازل کرتا ہے تو اس کو برداشت کی طاقت بھی عطا فرماتا ہے اور اس کی مصلحت کو بھی ظاہر کردیتا ہے، اپنی خواہش سے بلا کو طلب کرنا بہت بڑی گستاخی ہے۔

حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ کے خلفا میں حضرت بابا صاحب موصوف کے صاحبزادے خواجہ محمود سماسیؒ، حضرت امیر کلالؒ[1]، خواجہ صوفی سوخاری اور مولانا علی دانشمند ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم۔

حضرت بابا صاحب کا ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ کو موضع سماس میں وصال ہوا۔

(۱۴) حضرت خواجہ شمس الدین امیر کلال قدس سرہٗ

آپ عالی نسب سید تھے اور آپ کا نسب حضرت امام علی رضاؒ بن امام موسیٰ کاظمؒ سے ملتا ہے، آپ کا مولد و مدفن قریہ سوخار ہے جو بخارا سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کا پیشہ زراعت تھا لیکن کوزہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ بخارا کی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں اس لئے امیر کلال کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت امیرؒ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ میرے پیٹ میں تھے اگر اتفاقاً کبھی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں چلا جاتا تو سخت درد پیدا ہوتا تھا۔ جب یہ کیفیت کئی بار گذری تو میں سمجھ گئی کہ اس درد کا سبب یہ بچہ ہے جو حمل میں ہے۔

حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کو ابتدائے جوانی میں کشتی کا شوق تھا ایک دن آپ کشتی میں مشغول تھے کہ حضرت بابا سماسیؒ کا گذر اس اکھاڑے پر ہوا اور دیر تک معرکۂ کشتی کو ملاحظہ کرتے رہے۔ آپ کے اصحاب نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت باباؒ نے فرمایا کہ اس اکھاڑہ میں ایک مرد ہے جس کی صحبت سے بہت لوگ معرفتِ حق حاصل کریں گے میں چاہتا ہوں کہ اس کو شکار کروں اس اثنا میں امیر کی نظر حضرت باباؒ کے روئے انور پر پڑی، حضرت بابا سماسیؒ کی توجہ جاذبہ اور تصرف نے امیر کو مسخر کر لیا وہ اسی وقت ان کے ساتھ ہو لئے۔ حضرت خواجہ نے اپنے گھر پہنچ کر امیر کلالؒ کو اپنی خلوتِ خاص میں لیجا کر طریقۂ عالیہ کی تلقین فرمائی اور اپنی فرزندی میں قبول

---

[1] بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کا مزار مبارک سمرقند میں بتایا ہے اور لکھا ہے کہ آپ ہی کے گنبد میں امیر تیمور کی قبر ہے واللہ اعلم اور حضرات القدس کے حاشیہ پر آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح درج ہے: سید شمس الدین خواجہ امیر کلال قدس سرہ ابن امیر یعقوب بن اسمٰعیل بن محمد غوث بن عبد المنان بن قیام الدین بن رکن الدین بن نور الدین بن عبد الخالق بن علیم اللہ بن شیخ بقا بن عبد الوہاب بن شمس الدین بن ابو اسحٰق بن ابو الحسن بن صدر الدین بن حامد بن محمود بن احمد بن عبد القادر بن حسین احمد بن قاسم بن زین العابدین ثانی بن محمد صالح بن امام جواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تیس سال تک حضرت بابا صاحب کی خدمت میں رہ کر فیضِ صحبت حاصل کیا اور تکمیل وارشاد کی دولت سے مالامال ہوئے۔ حضرت بابا کی وفات کے بعد بہت مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ کی وفات بروز جمعرات ۱۱ جمادی الاخری ۷۷۲ھ کو فجر کی نماز کے وقت ہوئی۔

واضح ہو کہ حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کے چار فرزند اور بکثرت خلفا تھے، یہ سب صاحبِ حال بزرگ تھے، فرزندوں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: خواجہ برہان الدینؒ خواجہ امیر حمزہؒ، خواجہ امیر شاہؒ اور خواجہ امیر عمرؒ، چند خلفاء کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ، مولانا عارف دیگ گرانی، شیخ یادگار اور شیخ جمال الدین دہستانی قدس اللہ اسرارہم (از حضرات القدس)

(۱۵) امام الطریقہ حضرت خواجہ سیّد بہاؤالدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ[1]

آپ کا اسمِ گرامی محمد بن محمد البخاری کنیت بہاؤالدین اور لقب نقشبند ہے۔ ساداتِ عظام میں امام حسن عسکریؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ کمخواب باقی کے پیشے کی وجہ سے یا پہلی ہی صحبت میں سالک کے دل سے ماسویٰ کا نقش مٹا کر اللہ تعالیٰ کا نقش دل پر جمانے کی وجہ سے آپ اس لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۴ محرم ۷۱۸ھ قصرِ ہندواں میں ہوئی جو بعد میں قصرِ عارفاں کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ قصرِ عارفاں بخارا سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بچپن ہی سے آثارِ ولایت اور انوارِ کرامت آپ کی جبینِ مبارک سے ظاہر و آشکارا تھے۔ حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ نے ولادت کے تین دن بعد ہی آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا اور آپ کی تربیت حضرت امیرؒ کے حوالہ کر دی تھی، اس طرح بظاہر حضرت امیر کلالؒ سے فیضیافتہ تھے لیکن بطریقِ اویسیت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ سے مستفیض ہوئے، اسی لئے آپ نے اس طریقہ میں دوبارہ ذکرِ خفی جاری فرمایا۔ اگرچہ بزرگانِ سلسلہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ سے حضرت امیر کلالؒ تک ذکرِ خفی کو ذکرِ جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے۔ آپ سے پہلے بڑی بڑی ریاضتوں پر نسبت کا

---

[1] صاحب عمدۃ المقامات نے آپ کا شجرۂ نسب اس طرح تحریر فرمایا ہے: "محمد بن محمد البخاری بن سید محمد بن سید جلال الدین بن سید برہان الدین خال ابن سید زین العابدین بن سید قاسم بن سید سفیان بن سید برہان بن سید قلیج بن سید محمود بن سید ابلال بن سید تقی بن سید صوفی بن سید محی الدین بن سید علی اکبر بن سید امام حسن عسکری علیہ وعلی آبائہ الکرام والتحیۃ والرضوان۔ لیکن بعض تذکروں میں آپ کا سید ہونا درج نہیں۔ واللہ اعلم

حصول موقوف تھا لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے نقشبندیہ طریقہ جو بالکل سہل و قریب ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق ہے آپ کے ذریعہ جاری ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ولایت بڑی نعمت ہے، ولی کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی محفوظ ہوتا ہے عنایتِ الٰہی اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور شریعت کی آفت سے اس کو محفوظ رکھتی ہے، خوارق وکرامات کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہیں کرنا چاہئے معاملہ استقامت سے متعلق ہے، اس لئے استقامت کا طالب بن کرامت کا طالب نہیں، کیونکہ استقامت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نفس کرامت کا طالب ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ توکل کرنے والے کو چاہئے کہ خود کو توکل کرنے والوں میں شمار نہ کرے اور اپنے توکل کو اسباب کے استعمال میں پوشیدہ کردے۔

نیز فرمایا کہ ہمارا طریقہ سب سے ملے جلے رہنے کا ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے اور خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے اور خلوت وصحبت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے، کھانے پینے، کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے، قرآن شریف پڑھنے، کتابت کرنے، سبق پڑھنے، وعظ کہنے، غرضکہ پلک مارنے میں بھی خدائے تعالیٰ سے غافل نہ رہے تاکہ مقصود حاصل ہو ؎

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(یعنی ایک پلک مارنے کی مقدار بھی اس دوست سے غافل نہ ہو مبادا وہ نظرِ لطف کرے اور تجھ کو خبر نہ ہو۔)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے"۔[1]

نیز فرمایا کہ "میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بیشک مُوصل (اللہ تعالیٰ سے ملانے والا) ہے"

اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ جو آپ کے پہلے خلیفہ ہیں اس معنی میں ایک بیت فرماتے ہیں ؎

گر شکستے دل درباں راز　　قفل جہاں را ہمہ بکشادمے

ترجمہ: اگر نہ ٹوٹتا دل رازداں کا　　جہاں کے قفل میں سب کھول دیتا

رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ اقرب اور موصل کیوں

[1] مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ ج۱ مکتوب ۲۲۱

نہ ہو جبکہ انتہا اس کے ابتدا میں مندرج ہے۔" وہ شخص بہت بد قسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہوا اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نہایت درجہ مستجاب الدعوات اور روشن ضمیر بزرگ تھے آپ کے حالات و واقعات اور کشف و کرامات بہت کثرت سے ہیں۔

شیخ شادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی نظر قبولیت سے مشرف ہوا تو فدائیت اور ایثار کا عالم مجھ پر آسان ہو گیا۔ میرے پاس سو دینار عدلی تھے جن کے متعلق میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ ان دیناروں کو چھپا کر رکھنا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو۔ یقین کی کمزوری کی بنا پر میں نے اس رائے سے اتفاق کر لیا اور بخارا چلا گیا، وہاں سے گھر کے لئے ہر قسم کی چیزیں خریدیں۔ اس کے بعد قصر عارفاں حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا بخارا کیوں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کچھ کام تھا۔ فرمایا اچھا جو کچھ تم نے خریدا ہے حاضر کرو۔ میں نے سب چیزیں پیش کر دیں پھر فرمایا، وہ سو دینار عدلی جو تم نے چھپا کر رکھے ہیں وہ بھی حاضر کرو۔ میں نے وہ بھی پیش کر دیئے۔ تب آپ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اگر تو دینار چاہتا ہے تو عنایتِ الٰہی سے پہاڑ کو تیرے لئے سونا بنا دوں، لیکن ہم عالمِ فقر میں ایسی چیزوں پر نظر نہیں ڈالتے، فقیروں کی جماعت کا کارخانہ اس عالم سے الگ ہے تم کو کسی چیز کی کمی نہ ہو گی پھر کیوں جمع کرتے ہو۔

ایک درویش کا بیان ہے کہ میرے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہوتی تھی میں نے دعا کیلئے عرض کیا، حضرت خواجہؒ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک لڑکا عطا کیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑکے کیلئے آپ کا ملبوس مانگا۔ آپ نے ملبوس دینے سے انکار فرمایا۔ آخر میں گھر واپس آیا تو دیکھا کہ لڑکا فوت ہو چکا ہے۔ میں پھر حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر اور جو گذرا تھا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تو نے لڑکا مانگا تھا وہ ہو گیا، اچھا اب حق سبحانہٗ و تعالیٰ تجھ کو دو لڑکے عطا کرے گا جن کی عمر بہت ہو گی۔ اس کے بعد میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا، کچھ عرصہ بعد وہ بیمار ہو گیا میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحت کی درخواست کی، آپ نے فرمایا اس کی علالت سے فکر نہ کرو، بیماری اور صحت تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد دوسرا لڑکا بھی تولد ہوا۔

حضرت خواجہ علاؤ الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے انتقال کے وقت آپ کے سرہانے سورۂ یٰسٓ پڑھ رہا تھا جب نصف کے قریب پہنچا تو انوار ظاہر ہونے لگے ہم کلمہ پڑھنے میں مشغول ہوئے کہ خواجہ صاحبؒ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ تہتر سال کی عمر میں دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو وفات پائی۔ "قصرِ عرفاں" کے اعداد سے سالِ وصال برآمد ہوتا ہے۔ ۷۹۱

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کے آگے یہ رباعی پڑھی جائے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو	شیئاً للہ از جمالِ روئے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما	آفریں بردست و بربازوئے تو

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے مریدوں میں باکمال حضرات تو بہت ہیں لیکن خلفا چار ہیں (۱) خواجہ علاء الدین عطارؒ (۲) خواجہ محمد پارساؒ (۳) خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ (۴) حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس اللہ اسرارہم۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھیں [1]

حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد بخاری ہے،[عہ] آپ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے اجل خلفا میں سے ہیں، بچپن ہی سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی نظرِ عنایت آپ پر تھی حتی کہ طالب علمی کے زمانے میں ہی حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنی صاحبزادی کا آپ سے عقد کر دیا تھا اور تکمیلِ سلوک کے بعد اپنی زندگی ہی میں طالبانِ حق کی تعلیم و تربیت آپ کے حوالہ کر دی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ علاؤ الدین نے ہمارے بار کو بہت ہلکا کر دیا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ کی وفات کے بعد حضرت موصوف کے تمام مریدوں نے حتی کہ حضرت خواجہ محمد پارسا نے بھی آپ کی رفعتِ شان کی وجہ سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ علمِ شریعت میں بھی کامل تھے اور اتباعِ سنت اور عزیمت پر عمل میں تو ایک خاص شان رکھتے تھے۔ علامہ سید شریف جرجانیؒ[عہ] جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے جن کی تصانیف ہر علم و فن میں موجود ہیں فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ

---

[1] حضرات القدس و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ۔ عہ آپ کا تذکرہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

عہ چونکہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے براہِ راست بیعت و خلافت حاصل ہے تو غالباً اسی وجہ سے مکاشفاتِ عینیہ میں نقشبندیہ کے شجرہ میں حضرت خواجہ علاء الدین کا اسم گرامی درج نہیں ہے۔

کی قسم میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جیسا چاہیے تھا نہیں پہچانا جب تک کہ میں حضرت علاؤالدین عطار بخاریؒ کی خدمت میں نہیں پہنچا۔"

آپ کا ارشاد ہے "اہل اللہ کی صحبت کا دوام عقلِ معاد کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔" نیز ارشاد فرمایا کہ "صحبت سنتِ مؤکدہ ہے ہر روز یا ایک روز کے فاصلہ سے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا چاہیے اور آدابِ صحبت کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔" آپ فرماتے ہیں "آدمی کی خاموشی تین صفتوں سے خالی نہیں ہونی چاہیے: اول یہ کہ خطرات سے نگہداشت ہو، دل کے ذکر کا مطالعہ ہو اور ان حالات کا مشاہدہ موجود دل میں گذرتے ہیں۔"

ایک روز علماء میں دیدارِ الٰہی کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں مباحثہ ہوا اور سب نے بالاتفاق حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کو فیصلہ کے لئے ثالث بنایا۔ حضرتؒ نے منکرین دیدار سے فرمایا کہ تم تین دن تک باوضو ہماری صحبت میں رہو۔ انھوں نے ارشاد کے بموجب تعمیل کی۔ تیسرے روز ان کو ایسی کوئی کیفیت ظاہر ہوئی کہ بیخود ہو گئے، نہ معلوم اس حال میں انھوں نے کیا دیکھا جس کی وجہ سے وہ ہوش میں آنے کے بعد نیازمندی کرنے لگے اور کہا کہ ہم کو یقین ہو گیا کہ رویتِ باری تعالیٰ حق ہے۔

آپ کے فنافی الشیخ ہونے کا یہ حال تھا کہ آپ مرض الموت میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کو موجود دیکھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کی باتوں کو سنتے تھے۔

آپ نے مرض الموت میں فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بشریت کے رسوم اور عادات کو مٹا دینے اور سنت کی عادت ڈالنے کے لئے تھی۔ تمام کاموں میں احتیاط اور عزیمت پر عمل کرو اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرو۔ یہ باتیں کرتے کرتے آپ نے بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھنا شروع کیا اور رحلت فرمائی۔ بعد نماز عشاء چہار شنبہ ۲۰ رجب ۸۰۲ھ کو وفات پائی مزار پر انوار موضع جغانیاں علاقہ ماوراء النہر میں ہے اور مادۂ تاریخ "مقرب درگاہ باری بودہ" ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) عہ علامہ سید شریف جرجانی حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ کے خصوصی حضرات میں سے تھے ابتدا میں مدرسہ تیموریہ میں علوم ظاہری میں مصروف رہے بعد ازاں حضرت خواجہ عطارؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت وارادت سے مشرف ہوئے اور بلند مقامات حاصل کئے۔ آپ پر بیخودی تا استغراق بہت غالب تھا۔ آپ کا انتقال ۸۲۵ھ میں ہوا۔

(۱۶) حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی یعقوب ہے، چرخ کے رہنے والے ہیں جو ولایتِ غزنی میں ایک گاؤں ہے۔ ابتدائی تعلیم مواضعاتِ حصار میں حاصل کی اس کے بعد جامع ہرات اور دیارِ مصر میں تحصیلِ علوم میں مشغول رہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے سلسلہ میں منسلک ہونے سے پہلے ہی مجھ کو حضرت کے ساتھ اعتقاد اور خلوص تھا تحصیلِ علوم کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے روانہ ہوا، راستہ میں ایک مجذوب ملا اس نے کہا اے یعقوب! جلد جلد قدم اٹھاؤ، وہ وقت آگیا ہے کہ تو مقبولوں میں سے ہوگا۔ آخر میں نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو فرمایا کہ ہم خود کسی کو قبول نہیں کر سکتے اگر بارگاہِ ایزدی میں تجھ کو قبول کر لیا جائے تو ہم بھی قبول کر لیں گے۔ پس میں انتظار میں تھا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے آخر دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا "مبارک ہو قبولیت کیلئے اشارہ ہو گیا ہے" اور بیعت فرمایا۔ کچھ مدت خدمت میں رہنے کے بعد حضرت خواجہ نے اجازت عطا فرمائی اور فرمایا جو کچھ تجھ کو ہم سے ملا ہے بندگانِ خدا کو پہنچا اور تین مرتبہ یہ فرمایا "تجھ کو خدا کے سپرد کیا"۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ کا انتقال ہو گیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خواب میں زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ قیامت کے دن کس عمل کی برکت سے آپ کا قرب حاصل کروں؟ فرمایا "شریعت پر عمل کرنے سے"۔

غرضکہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کی بیعت و اجازت حضرت خواجہ نقشبندؒ سے ہے مگر تکمیلِ سلوک حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ سے ہوئی اور بہت لوگوں نے آپ سے فیوضِ باطنی کے علاوہ فیوضِ علمی بھی حاصل کیا، آپ طریقۂ نقشبندیہ کے ایک بڑے رکن تھے اور آپ سے طریقہ کی بہت اشاعت ہوئی۔ علمِ تفسیر اور دوسرے علوم دینیہ میں بھی آپ کی تصانیف موجود ہیں اور آپ کی فارسی تفسیر مشہور ہے جس کا قلمی نسخہ بعض لوگوں کے پاس موجود ہے۔ آپ کی وفات ۵ صفر ۸۵۱ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک موضع ہلغتوں مضافِ حصار علاقہ ماوراءالنہر میں ہے۔

(ماخوذ از حضرات القدس)

(۱۷) حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی عبید اللہ ہے، ناصر الدین اور احرار لقب ہے۔ لغوی اعتبار سے احرار، حُر کی جمع ہے، اہل اللہ کے نزدیک "حُر" وہ ہے جو عبودیت میں درجۂ کمال پر فائز ہو اور اغیار (غیر اللہ) کی غلامی سے نکل جائے۔ بچپن ہی سے رشد و سعادت کے آثار اور قبول و عنایتِ الٰہی کے انوار آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے۔ آپ خواجہ علاؤ الدین عطارؒ کی خدمت میں بہت عرصہ سے اور دوسرے مشائخ سے بھی فیضِ صحبت حاصل کیا لیکن حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ سے تکمیلِ سلوک کے بعد خلافت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ اس صدی کے مجدد تھے۔ بادشاہِ وقت بھی آپ کا مرید تھا اور حضرت مولانا جامیؒ جو آپ کے خلفا میں سے ہیں وہ اپنے ایک شعر میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد ۔۔۔ بہ تدبیرِ عبید اللّٰہی آمد

(جب فقر شاہی قبا میں آیا یعنی بادشاہ نے فقر حاصل کیا تو یہ حضرت خواجہ عبید اللہؒ ہی کی تدبیر سے وقوع میں آیا)

مگر اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ کاشتکاری پر گزارا کیا۔ آپ کے اوصاف و حالات بے حد اور کرامات و خرقِ عادات بے شمار ہیں۔ آپ کے زمانے میں شریعت و طریقت کو بہت عروج حاصل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بعض اکابر کی صحبت میں مجھ کو یہ بات حاصل ہوئی کہ جو کچھ میں لکھوں وہ نئی ہو، پرانی (قدیم) نہ ہو، اور جو کچھ کہوں مقبول ہو مردود نہ ہو۔

آپ کے پاس دنیاوی اسباب اور مال و دولت بہت تھا چنانچہ گھوڑے باندھنے کی میخیں سونے چاندی کی تھیں لیکن آپ کے دل کو اُن سے بال برابر بھی تعلق نہ تھا اور آپ فرماتے تھے کہ میخیں مٹی میں گاڑی جاتی ہیں نہ کہ عارف کے دل میں۔ نیز فرماتے ہیں کہ ذکر کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ ہمیشہ دل حاضر رہے اور وہ اس حضور سے وابستہ ہو جائے تو اس کا شمار ابرار میں ہو گا، اور اس کو حاضر مع اللہ کہہ سکتے ہیں مگر واصل مع اللہ نہیں کہہ سکتے، واصل مع اللہ اسوقت ہو گا جب اس حضور کی نسبت بھی اس سے منتفی ہو جائے اور حق سبحانہٗ کو بذاتِ خود موجود سمجھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ سید الطائفہ قدس سرہٗ نے کہا ہے "مرید صادق وہ ہے کہ بیس برس تک اس کی کوئی برائی کاتب شمال نہ لکھ سکے" اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرید معصوم ہو جائے اور اس مدت

لہ حضراتِ القدس دفتر دوم مقالہ [illegible] بادشاہ کا نام سلطان ابوسعید تھا۔

میں اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ فرشتہ اس کا گناہ لکھنے پائے وہ اس کی مکافات میں مشغول ہو جائے یعنی توبہ و استغفار کر لے۔[1]

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں شیخی کروں تو جہان میں کسی شیخ کا کوئی مرید نہ رہے لیکن میرے متعلق کچھ اور کام ہے اور وہ شریعت کا رواج دینا اور مذہب کی تائید کرنا ہے۔ اسی واسطے بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع کرتے تھے اور ان کے ذریعہ شریعت کو رواج دیتے تھے۔[2]

نیز حضرت خواجہ احرارؒ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے اور اگر تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں لیکن ہماری حقیقت کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد سے نوازش فرمائیں تو ہم کچھ خوف نہیں رکھتے۔[3]

آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند میں ہوئی اور وفات شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو سمرقند میں ہوئی۔ آپ کی اولادِ امجاد نے آپ کے مزار شریف پر عالیشان عمارت تعمیر کی ہے۔

(۱۸) حضرت مولانا محمد زاہد قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی محمد زاہد ہے اور حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ کے اقربا میں سے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ نواسے تھے۔ آپ بچپن ہی سے اس سلسلہ کے ذکر و اشغال میں مشغول رہتے تھے جب آپ نے حضرت خواجہ احرارؒ کی شہرت سنی تو آپ اپنے گاؤں وخش سے جو ملک حصار میں تھا سمرقند تشریف لے گئے وہاں محلہ وانسرا میں اُتر کر صاف ستھری پوشاک پہن کر حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے، ادھر اتفاقاً حضرت خواجہؒ پر ظاہر ہوا کہ مولانا زاہد ملاقات کے لئے آرہے ہیں لہذا آپ بھی اسی وقت دوپہر کی گرمی کی شدت کے باوجود اونٹ پر سوار ہو کر مع مریدین مولانا کے استقبال کے لئے نکلے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں کا عزم ہے اونٹ از خود مولانا کی قیام گاہ پر پہنچ کر رُک گیا۔ مولانا کو حضرت خواجہؒ کی

[1] ماخوذ از حضرات القدس۔ [2] مکتوبات از حضرت مجدد الف ثانیؒ ج ۱ ص ۶۵ [3] ایضاً ج ۱ مکتوب ۱۹۳

تشریف آوری کی خبر ہوئی تو بے اختیار دوڑ کر حضرت خواجہ احرارؒ کا استقبال کیا حضرت خواجہؒ نے اسی پہلی ملاقات میں مولانا کو بیعت کیا اور اپنی خاص توجہ سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک کی تکمیل کرا کر خلافت کی سعادت سے نوازا۔ حضرت خواجہ کے بعض اصحاب کو آپ پر بہت رشک ہوا لیکن حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مولانا زاہد، چراغ، بتی اور تیل تیار کر کے آئے تھے ہم نے اس کو روشن کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ بندگانِ خدا کو آپ سے بہت فیض پہنچا ہے۔

آپ کی وفات غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ کو موضع وخش میں ہوئی وہیں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔[1]

(۱۹) حضرت مولانا درویش محمد قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا محمد زاہدؒ کے بھانجے یعنی حقیقی ہمشیر زادے ہیں اور مولانا زاہدؒ کے خلیفۂ اعظم اور سجادہ نشین بھی، آپ اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھے اور علوم ظاہری تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کے نہایت فاضل تھے، اپنے حالات اور کشف و کرامات چھپانے کا بڑا التزام فرماتے تھے اسی لئے بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیا کرتے تھے تاکہ کسی کو آپ کے حال و کمال سے آگاہی نہ ہو۔

آپ کی شہرت کا سبب یہ ہوا کہ ایک دفعہ ایک کامل بزرگ شیخ نور الدین خوانی قدس سرہٗ کا آپ کی بستی میں گذر ہوا جب آپ نے شیخ کے قیام کی خبر سُنی تو آپ کچھ ہدیہ لیکر شیخ کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، شیخ موصوف اس وقت سادہ لباس میں بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے مولانا کو دیکھتے ہی اُٹھے اور معانقہ کیا اور بہت دیر تک بغلگیر رہے، اس کے بعد مولانا کو نہایت احترام سے بٹھایا اور دستار و عبا طلب کی اور پہن کر نہایت ادب کے ساتھ دو زانو مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نے اجازت چاہی تو شیخ نے چند قدم ساتھ چل کر احترام سے رخصت کیا، اس کے بعد شیخ نے حاضرین سے پوچھا کہ طالبانِ طریقت کی ان بزرگ کے پاس بہت کچھ آمد و رفت ہوتی ہوگی؟ لوگوں نے کہا یہ تو کوئی شیخ نہیں ہیں بلکہ ایک مُلّا ہیں اور بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ سُن کر شیخ نور الدینؒ کو بہت افسوس ہوا اور فرمایا یہاں کے لوگ عجب نابینا اور مُردہ دل ہیں کہ ایسے درویش کامل و مکمل سے

[1] ماخوذ از حضرات القدس

فیض حاصل نہیں کرتے۔" اس واقعہ کی شہرت کے بعد ہر طرف سے طالبانِ طریقت حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کمالات کی تحصیل کرنے لگے۔

نقل ہے کہ شیخ حسین خوارزمی کُردی قدس سرہٗ اپنے زمانہ کے مشائخ میں سے تھے اُن کی عادت تھی کہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہاں کے مشائخ میں جس شیخ سے ملاقات ہوتی اس کی نسبت سلب کر لیتے تھے، ایک مرتبہ اُن کا گذر آپ کے شہر میں ہوا تو وہاں کے مشائخ ان کی ملاقات کو گئے، مولانا نے فرمایا ہم کو بھی شیخ حسینؒ کی ملاقات کے لئے چلنا چاہیے۔ شیخ نے مولانا کے ساتھ بھی وہی عمل کرنا چاہا لیکن حضرت مولاناؒ نے شیخ مذکور کی نسبت اپنے باطن میں اندر ہی اندر سلب کر لی۔ شیخ خوارزمیؒ نے جب اپنے آپ کو خالی پایا تو بہت پریشان ہوئے اور نہایت عاجزی و انکساری سے آپ سے نسبت واپس کرنے کی درخواست کی اور آئندہ لوگوں کی نسبت سلب کرنے سے توبہ کی تو آپ نے ان کے حال پر رحم فرمایا اور نسبت واپس کر دی۔

آپ کی وفات بروز پنجشنبہ ۱۹ محرم الحرام ۹۷۰ھ کو موضع اسفرہ متصل شہر سبز علاقہ ماوراء النہر میں ہوئی اور وہیں مزارِ مبارک ہے۔

(۲۰) حضرت خواجہ محمد امکنگی قدس سرہٗ

آپ حضرت مولانا درویش محمدؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ ہیں، آپ اصل طریقۂ نقشبندیہ کی بہت سختی سے پابندی فرماتے تھے اور اس طریقہ میں نئی باتیں جو بعض نقشبندی بزرگوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں مثل ذکر بالجہر اور جماعتِ نمازِ تہجد وغیرہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت شاہِ نقشبندؒ کے بالکل قدم بقدم تھے۔ تیس سال تک اپنے والد کی مشیخت پر جلوہ افروز رہے مہمانوں کی خدمت آپ خود کیا کرتے تھے حالانکہ بڑھاپے کی وجہ سے دستِ مبارک میں رعشہ آ گیا تھا۔ ظاہر میں بھی شانِ عظیم اور دولت و حشمت آپ کو حاصل تھی اور باطن میں بھی آپ کے فضل و کمال کا یہ عالم تھا کہ علماء و فضلاء اور امراء و فقراء فائدہ و فیض حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں جوق درجوق حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے کشف و کرامات آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ امراء و سلاطین آپ کے آستانے کی خاک کو سرمۂ چشم بناتے اور آپ کے حکم کے مطیع و فرمانبردار رہتے تھے چنانچہ عبداللہ خاں والی توران آپ کا بہت معتقد و مرید تھا۔

نقل ہے کہ ایک شب خواجہ امکنگی قدس سرہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور بہت سے خادم آپ کے ہمرکاب تھے ایک خادم کے پاؤں میں جوتا نہ ہونے کی وجہ سے کانٹا چبھ گیا، خادم کو خیال ہوا کہ اگر حضرت مجھ کو جوتا عنایت فرماتے تو کیا اچھا ہوتا۔ حضرت خواجہؒ خادم کے اس خیال سے آگاہ ہوگئے اور فرمایا اے برادر جب تک پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا پھول ہاتھ نہیں آتا۔

نقل ہے کہ تین طالب علم مختلف ارادوں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے دو طلبا کی حاجتیں جائز تھیں وہ حضرت نے پوری کردیں لیکن تیسرے کی حاجت ناجائز کام کے لئے تھی اس لئے آپ نے اس سے فرمایا کہ "درویشوں کو جو کمالات حاصل ہیں وہ صرف اتباعِ سنت کی بنا پر ہیں لہٰذا ان سے کوئی کام خلافِ شریعت صادر نہیں ہوتا" اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے پاس امرِ مباح کے لئے بھی نہیں آنا چاہئے اس لئے کہ درویش اِن کاموں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور آنے والے کا اعتقاد برگشتہ ہوجاتا ہے اور وہ درویشوں کی صحبت کے برکات سے محروم رہ جاتا ہے درویشوں کے نزدیک کرامتوں کا کوئی اعتبار نہیں، ان کے پاس خالصۃً لوجہ اللہ آنا چاہئے تاکہ فیضِ باطنی کا کچھ حصہ مل سکے۔ (حضرات القدس)

آپ کی ولادت ۹۱۸ھ اور وفات ۱۰۰۸ھ میں موضع امکنہ میں ہوئی جو بخارا سے تین میل پر واقع ہے۔

(۲۱) حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ

(آپ کا اسمِ گرامی رضی الدین محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی باللہ اور خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں)

آپ کے والد قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی قریشی کابل کے مشہور عالم باعمل اور صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء میں کابل میں پیدا ہوئے، آپ کے نانا صاحب کا سلسلۂ نسب شیخ عمر باغستانی تک پہنچتا ہے جو حضرت خواجہ احرارؒ کے نانا تھے اور آپ کی نانی صاحبہ خاندانِ سادات سے تھیں [۱] بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کو صحیح النسب سید لکھا ہے [۲]

بچپن ہی سے بزرگی و تقدس اور ہمت و تفرید کے آثار آپ کی پیشانی نورافشاں سے ظاہر تھے

---

[۱] حضرات القدس ص ۲۱۵ [۲] حیاتِ باقی میں آپ کا شجرۂ نسب اس طرح درج ہے: حضرت خواجہ باقی باللہؒ بن قاضی عبدالسلام بن قاضی عبداللہ بن قاضی اکبر بن حسین بن حسن بن محمد بن احمد بن محمود بن عبداللہ بن علی اصغر بن جعفر ذکی خلیل بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

جب پانچ سال کی عمر ہوئی تو خواجہ سعد کے مکتب میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے گئے، آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ فرمالیا اور اس عرصہ میں نماز روزے کے ضروری مسائل بھی یاد کر لئے پھر دس سال کی عمر میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کر کے مولانا صادق حلوائی سے جو کابل کے مشہور علماء میں سے تھے تلمذ اختیار کیا، انہی کے ہمراہ ماوراء النہر تشریف لے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے شاگردوں میں ممتاز درجہ حاصل کر لیا اور تیس سال کی عمر میں کمالِ علمی حاصل کر کے اہلِ علم میں شہرت حاصل کر لی۔

زمانۂ طالب علمی میں بھی آپ اولیائے وقت کی صحبت میں حاضر ہو کر ان سے اکتسابِ کمالاتِ باطنی فرماتے تھے اور اسی طلب و جستجو میں تمام ماوراء النہر، بلخ، بدخشاں اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔ اکثر گوشۂ خلوت میں مراقب ہو کر تمام تمام دن متوجہ الی اللہ رہتے، لاہور کے قیام میں آپ کی وارفتگی انتہائی درجہ تک پہنچ گئی، یہاں آپ جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں اور قبرستانوں میں "مردِ کامل" کی تلاش میں پھرتے رہتے، آپ کیچڑ، دلدل اور ایسے ناقابلِ عبور مقامات سے گذرتے تھے جہاں کوئی آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اسی صحرانوردی میں آپ کو ایک مجذوب ملا جس کو آپ نے پسند فرمایا اور اس کی صحبت میں رہنے کی کوشش کی مگر وہ آپ سے دور بھاگتا تھا اور آپ کو دیکھ کر سب و شتم پر اتر آتا، کبھی آپ پر پتھر پھینکتا اور کبھی ناراض ہو کر کسی اور جگہ بھاگ جاتا مگر حضرت خواجہؒ اس کے تنفرسے قطعاً نہ گھبراتے اور اس کے پیچھے لگے رہتے، آخر کار ایک دن اسے رحم آیا اور حضرت خواجہؒ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو اپنے پاس بلا کر آپ کے حصولِ مقصد کے لئے دعا کی۔ آپ کو اس مجذوب کی دعا و نظرِ توجہ سے بہت فوائد حاصل ہوئے۔

آپ کی بیقراری کا احساس کر کے آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کے لئے دن رات دعائیں کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے روحانی مقصد کی جلد تکمیل فرمائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اگرچہ ہم نے اتنی ریاضاتِ شاقہ نہیں کیں جتنی کہ بعض اولیائے کرامؒ نے کی ہیں لیکن انتظار، بیقراری اور بے تابی بہت برداشت کی ہیں جو بہت سی ریاضتوں پر مشتمل ہیں۔

آپ کا ایک مخلص بیان کرتا ہے کہ قبل ازیں آپ ہندوستان سے ماوراء النہر روانہ ہوئے

ایک روز لاہور کی ایک مسجد میں نمازِ فرض ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے، اثنائے نماز میں آپ کے سینے سے ایک رقت انگیز آواز سنائی دی، اہلِ صف حیران ہو گئے کہ یہ کیسی آواز ہے، نماز سے جلد فارغ ہو کر آپ گھر چلے آئے اور پھر دو تین آدمیوں کو جمع کر کے گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

نیز اسی مخلص کا بیان ہے کہ میں چونکہ اکثر آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں نے نماز میں دیکھا کہ آپ باوجودیکہ رو بقبلہ ہیں لیکن پیچھے سے ہماری طرف بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس حالت کے مشاہدہ سے میرے بدن میں رعشہ طاری ہو گیا اور جلدی جلدی نماز پوری کی۔ بعد نماز جو کچھ مشاہدہ ہوا تھا وہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کسی سے افشائے راز نہ کرنا۔

مولانا ہاشم کشمی قدس سرہٗ ان دونوں واقعات کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ یہ دونوں مذکورہ بالا واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ کو خواجۂ عالم سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کمال مناسبت و تبعیت حاصل تھی کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نماز میں جوشِ سینۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز دور تک سنائی دیتی تھی اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے تھا کہ آپ نے پیچھے بھی اسی طرح دیکھا ہے جس طرح آگے۔[1]

ان حالات و کمالات کے باوجود آپ اپنی عالی ہمتی اور تجرید و تفرید کی وجہ سے مسندِ مشیخت پر نہیں بیٹھے بلکہ تصحیح احوال کیلئے ماوراء النہر اور بلخ و بدخشاں تشریف لے گئے۔

خواجہ امکنگیؒ سے بیعت اگرچہ مختلف بزرگوں کے فیض سے آپ تصوف اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکے تھے اور آپ کو اویسی طریقہ پر براہِ راست حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے تربیت حاصل تھی اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی روحانیت سے بھی تربیت و فیض حاصل ہو رہا تھا تاہم منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے کسی بزرگ کے دستِ حق پرست پر ظاہری بیعت حاصل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے آپ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ نہایت محبت اور تواضع سے پیش آئے اور آپ سے تمام گذشتہ حال و احوال دریافت فرما کر بیعت فرمایا، پھر ہر دو خواجگان رحمہم اللہ تین شبانہ روز خلوت میں رہے اور آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچا کر خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۱ و ۱۲۔

بعض مزید فوائد پر آپ کو مطلع فرما کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی روحانیت سے آپ کا مقصد پورا ہو گیا، اب آپ پھر ہندوستان جائیں تاکہ وہاں آپ کے ذریعہ اس سلسلۂ عالیہ کی ترویج پوری رونق کے ساتھ ہو اور وہاں کے استفادہ کرنے والے عالی قدر حضرات آپ کی برکت و تربیت سے مستفید ہوں۔

استخارہ حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب مجھے ہندوستان جانے کا حکم ہوا تو میں نے اپنے آپ کو اس کام کے لائق نہ پاکر عاجزی ظاہر کی اور اپنی خامی کے عذرات پیش کیے مگر حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ نے اصرار فرمایا اور استخارہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ استخارہ بھی آپ کے حکم کے مطابق نکلا۔ یعنی جب میں نے استخارہ کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ٹہنی پر طوطا بیٹھا ہے میں نے خیال کیا کہ اگر یہ طوطا خود بخود میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جائے تو میں اپنا سفر بامراد سمجھوں گا، اس خیال کے آتے ہی وہ طوطا اُڑ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھا۔ میں نے اپنا آب دہن اُس کی چونچ میں ڈالا اور اس طوطے نے میرے منہ میں شکر ڈالی"۔

جب صبح کو یہ واقعہ میں نے حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا آپ کو ہندوستان جلدی جانا چاہیے کیونکہ طوطا ہندوستان کا پرندہ ہے یقیناً کوئی مرد خدا ہندوستان میں آپ کے دامنِ تربیت سے فیض حاصل کرے گا اس سے ایک عالم منور ہو گا اور آپ کو بھی اس سے باطنی فائدہ پہنچے گا۔ اس واقعہ سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (زبدۃ المقامات ص۱۴۰ و ۱۴۱)

حضرت خواجہ کا سفر ہند غرضکہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اپنے شیخ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کابل ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے اور ایک سال تک لاہور میں قیام فرمایا وہاں بہت سے علما و فضلا و امراء آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے پھر وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ لاہور سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک عاجز درماندہ شخص پر آپ کی نظر پڑی جو کہ پیدل جا رہا تھا آپ نے گھوڑے سے اُتر کر اس شخص کو گھوڑے پر بٹھا دیا اور خود منزل تک پیدل سفر کیا اور چادر سر پر ڈال لی تاکہ کوئی جاننے والا آپ کے اس عملِ خیر سے واقف نہ ہو جائے جب منزل کے قریب پہنچے تو پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے تاکہ یہ کارِ خیر پردۂ خفا میں رہے"۔ (زبدۃ۔ ص۔ ۲۰ تا ۲۱)

دہلی میں قیام | چونکہ سارے ہندوستان میں دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور یہ شہر ہمیشہ سے اولیائے کرامؒ کا مستقر رہا ہے اس لئے آپ دہلی پہنچکر قلعہ فیروزآباد میں مقیم ہوگئے جو اس زمانہ میں دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا اور نہایت دلکش اور پُر فضا مقام تھا اس قلعہ کی مسجد نہایت عظیم الشان تھی مگر اب ویران ہوگئی ہے، آپ نے خاص اس مسجد میں قیام فرمایا اور وفات تک وہیں سکونت پذیر رہے۔ (زبدۃ المقامات)

دہلی پہنچنے کے بعد روحانی حلقوں میں بہت جلد آپ کی شہرت ہوگئی اور دور دراز سے طالبانِ حقیقت آپ کے پاس رشد وہدایت کے لئے حاضر ہونے لگے، بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے معتقد ہوگئے تھے چنانچہ شیخ فرید بخاری، عبدالرحیم خانخاناں، مرزا قلیچ خاں، صدر جہاں وغیرہ آپ کے معتقد و نیاز مند تھے، ان سب امراء کے ذریعہ آپ اکبر بادشاہ کی ملحدانہ پالیسی کے بُرے اثرات دور کرنے کی کوشش فرماتے تھے آپ نے اپنے مکتوبات میں ان امراء کو شریعت اور سنتِ نبویؐ کی پابندی کی بار بار نصیحت فرمائی ہے اور انھیں اسلامی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔

آخر وہ وقت آیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۵۹۹ء میں سرہند شریف سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے جب آپ دہلی پہنچے اور آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے روحانی بلند مقامات کا علم ہوا تو آپ حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب نہایت بشاشت اور مہربانی سے پیش آئے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی درخواست پر آپ کو بیعت فرمالیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو دہلی آنے کے بعد رشد وہدایت کی تبلیغ کیلئے صرف پانچ چھ سال میسر آئے پھر بھی ہزاروں انسان آپ سے فیضیاب ہوئے اور اس تھوڑی سی زندگی میں آپ نے بندگانِ خدا میں ایسا تصرف فرمایا کہ اکثر مشائخ وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے تلقین پائی اور آپ کے انوار و برکات تمام روئے زمین میں پھیل گئے۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آپ سے فیض یاب ہوگئے تو آپ نے اپنے تمام مریدوں کی تعلیم و تربیت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سپرد فرمادی اور آخری سال میں خود بالکل گوشہ نشین ہوگئے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے غلبۂ عشقِ الٰہی کا یہ حال تھا کہ جس پر آپ کی نظر پڑجاتی

مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگتا اگر ہوش میں رہتا تو اشکباری کرتا ورنہ بیہوش ہوجاتا اور اس کو دنیا وما فیہا کی کوئی خبر نہ رہتی۔ ایک مرتبہ ایک فوجی افسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا گھوڑا دروازے کے باہر خادم کے سپرد کر کے اندر آگیا، آپ اس وقت کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے تھے جب اندر آنے لگے تو آپ کی نظر اس خادم پر پڑ گئی جو گھوڑا سنبھالے ہوئے تھا۔ آپ کی نظر پڑتے ہی اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ گھوڑے کو چھوڑ کر کپڑوں کو پھاڑ کر چیختا چلاتا دیوانوں کی طرح نکل گیا، تھوڑی دیر کے بعد اسے تلاش کیا گیا مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

ایک مرتبہ اسی حالت میں آپ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اسوقت خطیب منبر پر گیا تو اتفاقیہ اس کے چہرہ پر آپ کی نظر پڑ گئی اور نظر سے نظر مل گئی بس وہ اسی وقت کلیجہ تھام کر رہ گیا اور بیقرار ہو کر نیچے گر پڑا، اس کے بعد اس میں خطبہ پڑھنے کی طاقت نہ رہی دوسرے خطیب نے خطبہ پڑھا اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (حیاتِ باقی)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی کشف و کرامات بہت زیادہ ہیں اور آپ کی توجہ نہایت پُر تاثیر تھی چنانچہ اس سلسلے میں نانبائی والا واقعہ بہت مشہور اور زبان زدِ ہر خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر عزیزی پارۂ عم میں سورۂ اقرأ کی تفسیر میں اس واقعہ کو اس طرح تحریر فرمایا ہے ؎

"از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ منقول است کہ روزے در خانۂ ایشاں چند کس مہمان شدند و ماحضر موجود نہ بود، اوقاتِ حضرتِ خواجہ در فکرِ ضیافتِ مہماناں مشوش شدہ در تلاشِ ماحضر شدند، اتفاقاً نانوائی متصل بخانۂ ایشاں دوکان داشت، بریں تشویش مطلع شدہ، یک قرص نان خوب پختہ بانہاری مکلّف و مرغن بخدمتِ ایشاں آورد، وقتِ ایشاں بایں سلوکِ او بسیار خوش شد، فرمودند بخواہ چہ میخواہی، او عرض کرد کہ مرا مثلِ خود سازید، فرمودند تحمل ایں حالت نمی تواں کرد، چیزے دیگر بخواہ، او بر ہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض می فرمودند، تا آنکہ لجاجِ او بسیار شد، ناچار او را در حجرہ بردند تاثیر اتحادی بروے کردند، چوں از حجرہ برآمدند درمیانِ خواجہ و درمیانِ نانوائی در صورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد، ایں قدر

بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و آں ناتوانی مدہوش و بیخود، آخر بعد سہ روز در ہمیں حالتِ سکر و بیہوشی قضا کرد، رحمہ اللہ علیہ۔[1]

آپ نہ صرف انسانوں پر رحمت و شفقت فرماتے تھے بلکہ جانوروں پر بھی بیحد شفیق تھے چنانچہ ایک شب آپ تہجد کے لئے اُٹھے تو ایک بلّی آکر لحاف پر سو گئی۔ جب آپ نمازِ تہجد سے فارغ ہو کر بستر پر تشریف لائے تو بلّی کو لحاف پر سوتے دیکھا اس وقت آپ نے از راہِ شفقت بلّی کو نہیں جگایا اور خود صبح تک بیٹھے موسم سرما کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں کہ یہ ذہن نشین رہے کہ دل کو اطمینان، یکسوئی اور حضورِ قلب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بقدرِ ضرورت صرف پاکیزہ اور حلال کھانا کھایا جائے اور بیہودہ گو اور دنیا کے طالبوں سے میل جول ترک کر دیا جائے۔ اگر تم ہزار سال ذکر کرتے رہو اور تمہارا کھانا حلال مال کا نہیں ہے تو تمہارا روحانی مقصد کبھی حاصل نہیں ہوگا۔

وصال بروز شنبہ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ عصر کے بعد اپنے مکان واقع کوٹلہ فیروز شاہ میں آپ بلند آواز کے ساتھ اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور دو تین گھڑی کے بعد عالمِ قدس میں پہنچ گئے۔ "نقشبندِ وقت" اور "بحر معرفت بود" سے تاریخ وفات نکلتی ہے آپ کا مزار پُرانوار قبرستان قدم شریف میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے، وصیت کے مطابق آپ کے مزار پر چھت یا گنبد نہیں بنایا گیا صرف جالی کی چار دیواری ہے۔

آپ کی دو ازواج مطہرات تھیں اور دونوں سے ایک ایک صاحبزادہ کی ولادت ہوئی، بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں اور چھوٹے صاحبزادے خواجہ عبد اللہ عرف خواجہ خورد تھے۔ غالباً دو صاحبزادیاں بھی ہوئیں۔ لیکن مولانا نسیم احمد صاحب امروہوی نے ماہنامہ "الفرقان" بماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۱ھ میں "اسراریہ" کے حوالہ سے تمام تذکرہ نویسوں کے برعکس خواجہ عبید اللہ کو خواجہ خورد اور خواجہ عبد اللہ کو خواجہ کلاں ثابت کیا ہے واللہ اعلم

آپ کے خلفا میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ، شیخ تاج الدین سنبھلیؒ خواجہ حسام الدین احمدؒ مشہور ہیں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔[2]

---

[1] مس نانبائی کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مزار مبارک کے قریب ہے اور لوحِ مزار پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے "مزار حسن نانبائی ... حضرت خواجہ باقی باللہ۔" بالکل اسی طرح کا واقعہ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ کے حالات میں کتاب ہذا میں مذکور ہے۔

[2] حضرات القدس دفتر دوم، ۲۲۹ تا ۲۲۶۔

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ

کی

حیاتِ مبارکہ

ولادت باسعادت | منقول ہے کہ حضرت امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ السامی نے بوقتِ مسعود شبِ جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء برج حمل سے مطلعِ شہر سرہند میں طلوع فرمایا اور اپنے انوارِ جہاں آرا سے عالم و عالمیان کو منور فرمایا۔ آپ کا سنہ ولادت لفظ "خاشع" سے نکلتا ہے۔

سیاسی اور ملکی حالات کا جائزہ | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ہندوستان میں مغلیہ خاندان کے دو بادشاہوں کا دور دیکھا، پہلا بادشاہ شہنشاہ اکبر (عہدِ حکومت از ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) دوسرا شہنشاہ جہانگیر (عہدِ حکومت از ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) نیز اس وقت دکن کے علاقہ میں پانچ چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں بیدر کا حکمران خاندان بریدشاہی سے تھا، برار میں عماد شاہیوں کی حکومت تھی، احمد نگر میں نظام شاہی خاندان حکمران تھا، گولکنڈہ اور بیجاپور میں علی الترتیب قطب شاہیوں اور عادل شاہیوں کا سکہ چلتا تھا۔

علاوہ ازیں بیرونِ ہند اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت خلافت عثمانیہ تھی جو ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچی ہوئی تھی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک رشتہ میں منسلک کئے ہوئے تھی اس میں یورپ کا بہت بڑا حصہ، مصر و شام، عراق و فلسطین اور جزیرہ نمائے عرب شامل تھے۔ البتہ صرف ایران میں اس وقت صفوی خاندان حکمران تھا۔

ولادت سے متعلق واقعات | آپ کی ولادت باسعادت کے وقت بعض عجیب واقعات ظہور میں آئے جن میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند شیخ احمدؒ کی ولادت کے بعد مجھ پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ بہت سے اولیائے امت میرے گھر میں تشریف فرما ہیں اور مجھے مبارکباد دے رہے ہیں —— نیز آپ کے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے فرزند کی ولادت کے دن حالتِ کشف میں دیکھا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ شیخ عبدالعزیزؒ آپ کی ولادت کے دن سرہند شریف میں موجود تھے آپ نے وہاں کشفی حالت میں ملائکہ کا ہجوم دیکھا۔[۱]

بچپن کی بعض خصوصیات حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو شروع ہی سے کمال درجہ اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائی تھی چنانچہ آپ سنت کے مطابق مختون پیدا ہوئے اور عام بچوں کی طرح کبھی ننگے نہ ہوتے اگر بول وبراز کے موقع پر اتفاقاً کبھی آپ کا بدن ننگا بھی ہو جاتا تو بڑی جلدی بدن کو ڈھانپ لیتے، آپ کبھی نہ روتے ہر وقت خوش وخرم اور خنداں رہتے۔[۲]

حضرت شاہ کمالؒ سے کسبِ فیض ایک مرتبہ آپ زمانۂ رضاعت میں علیل ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ کو دعا دم کرانے کی غرض سے لیکر آئے انھوں نے دم کرنے کے بعد بہت دعائیں دیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کرے، یہ تو عالمِ باعمل عارفِ کامل ہے، بزرگوں کی بڑی تعداد اس سے فیض حاصل کرے گی اور تا قیام قیامت اس کی ہدایت وارشاد کا نور روشن رہے گا، یہ بدعت وگمراہی دور کریگا اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو زندہ کریگا وغیرہ۔ بعدازاں حضرت شاہ کمالؒ نے فرطِ محبت سے اپنی زبانِ مبارک آپ کے دہنِ مبارک میں دیدی تو حضرت مجدد الفِ ثانی نے شاہ صاحبؒ کی زبان کو خوب چوسا اور اپنے منہ میں دبائے رکھا آخر حضرت شاہ کمالؒ فرمانے لگے کہ بابا بس کرو اتنا ہی کافی ہے کچھ ہماری اولاد کے لئے بھی چھوڑ دو تم نے تو ہماری نسبت ساری ہی کھینچ لی۔[۳]

زمانۂ تعلیم حضرت مجددؒ الفِ ثانی قدس سرہٗ کو ابتدا میں جب مکتب میں بٹھایا گیا تو آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ بعدازاں اپنے والد ماجد سے تحصیلِ علوم میں مشغول ہو گئے اور یہ علوم بھی جلدی ہی حاصل کرلئے۔ حضرت مخدومؒ کی توجہ کی برکت سے ایسی فتح وکشادگی حاصل ہوئی کہ بڑے بڑے دقیق مسائل کو آپ بآسانی حل فرمادیا کرتے اور جہاں کہیں دقیق عبارت ہوتی تو آپ اسے نہایت وضاحت کے ساتھ حل کرکے

۱؎ روضۃ القیومیہ از ص۵۲ تا ۵۸ و سیرت امام ربانی ص۵۶، ۹۰ ۲؎ روضۃ القیومیہ ص ۵۹۔ ۳؎ ایضاً ص ۵۹۔

حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ غرضیکہ اکثر علوم تو آپ نے اپنے والد ماجدؒ سے پڑھے اور بعض اس زمانے کے علماء کبار سے بھی حاصل کئے ہیں چنانچہ مولانا کمال الدین کشمیریؒ^عـہ^ کی خدمت میں معقولات کی چند مشکل کتب عضدی وغیرہ پڑھیں۔ (جو کہ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے اور صاحب تحقیق و تدقیق و صاحب ورع و تقویٰ تھے نیز مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے استاد بھی تھے) ——— اور بعض کتب احادیث شیخ یعقوب^عـہ^ کشمیریؒ کی خدمت میں پڑھیں اور یہ شیخ یعقوب کشمیری، شیخ معظم و قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کے خلفا میں سے تھے اور انھوں نے حرمین محترمین کے کبار محدثین امام ابن حجر مکی و عبدالرحمٰن بن فہد مکی وغیرہ سے حدیث پڑھی تھی، کہا گیا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ان سے طریقہ کبرویہ میں بیعت اور طریقہ بھی حاصل کیا ———

اور تفسیر واحدی و دیگر مؤلفات واحدی مثل بسیط و وسیط و اسباب نزول اور تفسیر بیضاوی و دیگر مصنفات بیضاوی مثل منہاج الوصول و غایۃ القصوی وغیرہ اور صحیح بخاری و دیگر مصنفات امام بخاریؒ مثل ثلاثیات امام بخاریؒ و ادب المفرد و افعال العباد و تاریخ وغیر ذلک اور مشکوٰۃ تبریزی، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی، قصیدہ بردہ شیخ سعید بوصیری اور حدیث مسلسل کی روایت کی اجازت مع اسناد جس کی سند آگے آتی ہے عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانیؒ سے حاصل کی۔ اور قاضی بہلول بدخشانیؒ نے ان کتابوں کی اجازت مع حدیث مسلسل شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد سے حاصل کی تھی ——— شیخ عبدالرحمٰن بن فہد اور ان کے آباؤ اجداد اس بلاد کے کبار محدثین میں سے تھے اور ان کا گھر آباً عن جدٍ بیت الحدیث تھا۔ چونکہ ان تمام کتابوں کی اسانید کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اس لئے صرف مشکوٰۃ شریف اور حدیث مسلسل کی اسناد لکھی جاتی ہیں:-

اسناد الحدیث المسلسل | اما الحدیث المسلسل بالاولیۃ قال الشیخ عبد الرحمن بن فهد سمعته من لفظ سیدی والدی عبد القادر بن عبد العزیز بن فهد وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنی به جدی الحافظ الرحلة تقی الدین بن محمد بن فهد الهاشمی

عـہ حضرت مولانا کمال کشمیری متوفی ۱۰۱۷ھ علوم ظاہری اور کمالات باطنی میں اسم با مسمّٰی تھے، سیالکوٹ اور لاہور میں عرصہ تک آپ کا درس جاری رہا، اور بکثرت مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہری و باطنی علوم سے مستفید ہوتی تھی حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور علامی سعد اللہ (وزیر شاہجہاں بادشاہ) آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

عـہ مولانا شیخ یعقوب کشمیری کے والد خواجہ حسن عاصمی کشمیر کے امرائے سلطنت میں سے تھے ۹۰۸ھ میں شیخ یعقوب پیدا ہوئے حفظ قرآن اور تحصیل علوم کے بعد تلاش مرشد میں شیخ حسین خوارزمی کی خدمت میں سمرقند حاضر ہوئے۔ شیخ نے آپ کو بعد تکمیل خرقہ خلافت عطا فرما کر کشمیر رخصت کر دیا۔ پھر اکبر بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بعد ازاں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے بکثرت تصانیف کیں۔ جمعرات ۱۲ ذیقعدہ ۱۰۰۳ھ کو بمقام کشمیر وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیا ص ۹۷۵)

العلوی وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی بہ جمع من المشائخ الاعلام اجلّھم العلامۃ برھان الدین الانباسی سماعاً من لفظ قاضی القضاۃ ابوالحامد المطری بقراءتی علیہ بالحرم الشریف بمکۃ وھواول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ الخطیب صدر الدین ابوالفتح محمد بن المیردی قال الانباسی وھواول حدیث سمعتہ منہ وقال المطری وھواول حدیث رویت عنہ قال اخبرنا بہ الشیخ نجیب الدین عبداللطیف الحرانی وھواول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ الحافظ ابوالفرج ابن الجوزی و ھواول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ ابوسعید اسمٰعیل بن ابی صالح النیشاپوری وھواول حدیث سمعتہ منہ قال اخبرنا بہ ابوصالح احمد بن عبدالملک المؤذن وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ ابوطاھر محمد بن محسن الزمادنی وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ ابوحامد احمد البزاز وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ عبدالرحمٰن بن بشیر بن الحکیم الصدری وھواول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنا بہ سفیان بن عیسی وھواول حدیث سمعتہ من سفیان عن عمرو بن دینار عن ابی قابوس مولی عبداللہ بن عمرو بن العاص عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء۔

اسناد مشکوٰۃ المصابیح | آپ کی اسنادِ مشکوٰۃ شریف شیخ عبدالعزیز بن فہد تک تو وہی ہے جو حدیثِ مسلسل میں مذکور ہوئی۔ اور شیخ عبدالعزیز بن فہد شیخ تقی الدین بن فہدؒ الہاشمی سے بھی اجازت رکھتے ہیں اور شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی سے بھی۔

قال الشیخ تقی الدین اخبرنا بہ عالیاً الشیخ الامام شرف الدین عبدالرحیم ابن عبدالکریم الجرھی قال اخبرنا بہ العلامۃ امام الدین علی بن مبارک شاہ الصدیقی الساؤجی عرف بخواجہ وقال شیخ الاسلام ابن حجر اخبرنا بہ العلامۃ البغوی قاضی الاقضیہ المجد بن محمد بن یعقوب الفیروزابادی الشیرازی الصدیقی

الشافعی قال اخبرنا بہ الحافظ جلال الدین حسین والحجۃ الھمام شمس الدین محمد المقدسی قالا والصدیقی الساؤجی اخبرنا بہ مولفہ ناصر السنۃ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب قال الساؤجی قرأۃ واجازۃ وقال الاخران اذنا فقط۔[1]

درس وتدریس: مذکورہ بالا کتابوں کی اجازت حاصل کر لینے کے بعد ایک دن آپ نے فرمایا کہ محسوس ہوتا ہے کہ مجھے طبقۂ محدثین میں داخل کیا گیا ہے۔ غرضکہ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مسند افادہ پر متمکن ہو گئے اور مختلف ممالک سے صدہا طلبا جوق درجوق آنے شروع ہوئے رات دن درس وتدریس کا مشغلہ جاری تھا اور حلقۂ حدیث وتفسیر گرم رہتا تھا، چنانچہ آپ کی درسگاہ سے بہت لوگ فارغ التحصیل ہوئے۔

سندِ مصافحہ: مولانا بدر الدین سرہندیؒ صاحب حضرات القدس فرماتے ہیں کہ "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو چار شخصوں کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصافحہ نصیب ہوا جس کی ترتیب یہ ہے :۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے حاجی عبد الرحمن بدخشی کابلی معروف بہ حاجی رمزی رحمہ اللہ سے مصافحہ کیا اور انھوں حافظ سلطان ادھمی رحمہ اللہ سے جن کی عمر ایک سو دس سال کی تھی اور انھوں نے شیخ محمود الفرازی رحمہ اللہ سے اور انھوں نے شیخ سعید معمن حبشی رحمہ اللہ سے انھوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف مصافحہ حاصل کیا ہے اس کی تفصیل کتاب سنوات الاتقیا میں بیان کی گئی ہے"[2]۔ لیکن جواہر مجددیہ میں شیخ سعید کی بجائے شیخ عبد معمن حبشی نام درج ہے اور یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک صاحب جن ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اکبر آباد کا سفر[3]: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا عین شباب تھا اور ابھی علم کی تحصیل سے فارغ ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ آپ کو اکبر آباد کے علماء وفضلا کی شہرت کا علم ہوا جو اکبر بادشاہ کا پایۂ تخت اور دار الحکومت تھا اس لئے حضرت موصوف نے وہاں جانے کا ارادہ کیا، جب وہاں تشریف فرما ہوئے تو چند ہی روز میں آپ کے علم وفضل کی وہ شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے علماء حدیث وتفسیر کی کتابوں کی سند آپ سے حاصل کرنے میں اپنی سعادت سمجھنے لگے

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۲۸ تا ۱۳۰۔ [2] حضرات القدس ص ۹ وروضۃ القیومیہ ص ۶۱
[3] اندازہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی ۹۹۹ھ یا ۱۰۰۰ھ کی درمیانی مدت میں اکبر آباد تشریف لائے ہوں گے۔

اور آپ کی شاگردی پر فخر کرنے لگے۔ غرضکہ آپ کے درس میں بہت سے علما و فضلا حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے اور آپ کو مجتہدِ زمانہ مانتے۔ اس طرح حضرت کے علم و فضل اور اجتہاد کا شہرہ اس درجہ ہوا کہ عوام و خواص حیران رہ گئے۔

ابوالفضل و فیضی[1] سے ملاقات جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شہرت علماء و مشائخ سے ارکینِ سلطنت اور وزراء تک پہنچی تو وہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضری دینے لگے، چنانچہ ابوالفضل و فیضی بھی آپ کی شہرت سُن کر مشتاقِ ملاقات ہوئے اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح حضرت ان کے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی صورت کارگر نہ ہوئی، آخر یہ دونوں بھائی خود حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بہت اخلاص ظاہر کیا۔ حضرت موصوف، سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے، انھوں نے دعوت قبول فرمانے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے بھی قبول فرما لیا۔ چنانچہ دوسرے دن حضرتؒ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان دونوں بھائیوں نے حسبِ دستور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ مراسمِ ضیافت ادا کئے اور شاگردوں کی طرح خدمت بجا لاتے رہے۔ بعد ازاں آمد و رفت اور تحفہ تحائف کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

تفسیر بے نقط کا حال اسی زمانے میں ابوالفیض فیضی نے تفسیر بے نقط جس کا نام "سواطع الالہام" ہے لکھنی شروع کی۔ اتفاق سے ایک مقام پر پہنچکر یہ دونوں بھائی عاجز ہو گئے اور کچھ بن نہ آیا۔ کیونکہ اس تفسیر میں جس صنعت (یعنی بے نقط الفاظ) کا التزام کیا تھا اس صنعت میں مضمون مرتب نہیں ہو رہا تھا بہت سے علماء کو بلایا لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوسکے آخر مجبور ہو کر حضرت مجددؒ الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنی عاجزی اور مضمون کی ترتیب کی درخواست کی۔ اگرچہ آپ کو بے نقط عبارت لکھنے کی مشق نہیں تھی لیکن اُن کی درخواست پر آپ نے اُس مقام کے مناسب تفسیر نہایت فصیح و بلیغ بے نقط عبارت میں قلم برداشتہ تحریر فرما دی۔

---

[1] فیضی و ابوالفضل بن شیخ مبارک ناگوری شیعہ تھے۔ فیضی ۹۵۴ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ بیس سال کی عمر میں اکبری دربار میں پہنچ گیا اور ملک الشعراء کا خطاب پایا۔ تفسیر بے نقط ۱۰۰۲ھ میں مکمل کی اور ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ میں فوت ہوا۔ ابوالفضل ۹۵۸ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ فیضی کی وجہ سے دربار اکبری میں پہنچا اور جلد ہی بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا۔ اکبر نامہ اور آئین اکبری لکھی۔ ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا۔

غرضکہ اس طرح کے متعدد واقعات اور کشف و کرامات کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علم و فضل کا سکہ عوام و خواص کے علاوہ ارکینِ سلطنت کے دلوں میں بھی بیٹھتا چلا گیا اور آپ نہایت درجہ مقبول اور معزز و مکرم ہو گئے۔

ابوالفضل و فیضی سے نفرت[1] جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ابوالفضل و فیضی سے اس طرح اکثر ملاقاتیں ہوئیں تو حضرت کو ان کے عقائدِ باطلہ کا علم ہو کر ان سے اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف آہستہ آہستہ نفرت میں بدل گیا۔ ظاہر ہے کہ اپنے پیارے اور محترم بزرگوں کی شان میں گستاخی کون برداشت کر سکتا ہے پھر اگر کوئی شخص اس سے بھی بڑھ جائے اور دینِ اسلام اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف بکواس اور کفر کی حمایت کرنے لگے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامیؒ جو کامل و مکمل محیٔ سنت اور ماحیٔ بدعت تھی" کس طرح برداشت کر سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت موصوف کا ابوالفضل و فیضی سے مناظرہ بھی ہوا جس میں حضرتِ والا کو بالکل واضح کامیابی اور فتحِ مبین حاصل ہوئی۔

اسی زمانے کے اہم واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ عبدالمؤمن خاں ابنِ عبداللہ خاں ازبک والیٔ توران (م ۱۰۰۶ھ) نہایت نیک اور صحیح العقیدہ اہلِ سنت وجماعت سے تھے سوءِ اتفاق کہ اس وقت ایران پر شاہِ عباس صفوی حکمران تھا، اس نے لوگوں کو جبراً شیعہ بنا کر ملک کی یہ حالت کر دی تھی کہ کوئی شہر یا قصبہ یا گاؤں ایسا نہ تھا کہ جہاں شیعوں کی اکثریت نہ ہو گئی ہو اور وہاں کے لوگ اپنی عادت اور دستور کے مطابق ہر چھوٹی بڑی تقریب اور جلسوں میں سبِّ صحابہ اور تبرا کیا کرتے تھے۔ ماوراء النہر کے عوام نے عبدالمؤمن خاں ابنِ عبداللہ خاں ازبک کی خدمت میں تفصیلی حالات پیش کر کے درخواست کی کہ وہ شاہِ ایران کو سمجھائیں تاکہ وہ ان حرکات سے باز آئے۔ چنانچہ ابنِ عبداللہ خاں نے شاہِ عباس صفوی کو سمجھانے کے لئے خطوط لکھے لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ دونوں طرف سے اپنے اپنے دلائل میں رسائل لکھے گئے لیکن بات بڑھتی چلی گئی۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق دونوں طرف سے فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور ۱۰۰۶ھ میں خوب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بالآخر حق سبحانہ وتعالیٰ نے

ابنِ عبداللہ خاں ازبک کو فتح عطا فرمائی اور شاہ عباس بھاگ نکلا۔ اس کے بعد ابنِ عبداللہ خاں نے شاہِ ایران کو بُلوایا اور کہا کہ میں نے یہ جنگ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کی تھی کسی دنیوی لالچ یا ذاتی غرض کیلئے نہیں کی تھی اس لئے تمہارا ملک تم کو واپس دیتا ہوں لیکن آئندہ ان حرکتوں سے باز رہنا۔ چنانچہ شاہِ عباس سے قول و قرار لینے کے بعد ابنِ عبداللہ خاں اپنے وطن واپس چلے آئے۔ ان حالات کا جب حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کو علم ہوا تو آپ نے رسالہ ردِ روافض لکھ کر ابنِ عبداللہ خاں کے پاس بھجوایا اور انھوں نے اس کو شاہِ ایران کے پاس بھیجدیا۔ علمائے شیعہ اس رسالہ سے بہت متاثر ہوئے اور کسی کو اس کے خلاف قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ بہت سے اپنے باطل عقائد سے تائب ہو گئے۔ اِس رسالہ کی وجہ سے اُس علاقہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تعارف اور شہرت ہو گئی اور اس کے بعد اثرات بڑھتے ہی رہے حتیٰ کہ وہاں کے عوام و خواص آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔[1]

اس دور کے یہی حالات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے رسائل "اثبات النبوۃ" "تہلیلیہ" اور "ردِ روافض" کی تصنیف کے محرک بنے۔[2]

حضرت مخدومؒ کی آگرہ تشریف آوری | چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اکبرآباد میں اقامت پذیر ہوئے ایک عرصہ گذر گیا تھا اس لئے حضرت کے والد ماجد مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ آپ کے اشتیاقِ محبت میں آگرہ تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری کی خبر سُنکر شہر کے اکثر علما و فضلا اور ارکینِ سلطنت آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، ان میں سے بعض نے عرض کیا کہ ضعفِ پیری اور بُعدِ مسافت کے باوجود آپ نے بہت تکلیف فرمائی حضرت مخدومؒ نے فرمایا: کیا کروں فرزند شیخ احمد کی محبت کھینچ لائی ہے۔[3]

اکبرآباد سے واپسی | چونکہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کو حضرت مجدد الفِ ثانیؒ سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لئے مزید مفارقت گوارا نہ فرمائی اور ان کو

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۱۳۲ و ۱۳۳۔ [2] اندازہ ہے کہ اثبات النبوۃ ۹۹۳ھ میں اور ردِ روافض ۱۰۰۲ھ میں اور رسالہ تہلیلیہ ۱۰۱۰ھ میں مکمل ہوئے۔ [3] روضۃ القیومیہ ص ۶۷۔

اپنے ساتھ لیکر سرہند شریف کیلئے روانہ ہوگئے۔ اثنا راہ میں دہلی اور سرہند کے درمیان جب شہر تھانیسر سے گذر ہوا تو وہاں کے رئیس شیخ سلطانؒ نے جو بادشاہ کے بڑے مقرب اور علاقہ تھانیسر کے حاکم تھے نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے ہاں مہمان رکھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شادی خانہ آبادی

منقول ہے کہ ایک دن شیخ سلطانؒ عالم رؤیا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تمہاری بیٹی اس زمانے میں سب سے زیادہ نیک خاتون ہے تم اس کا نکاح میرے فرزند اور نائب شیخ احمدؒ سے کردو اس میں تمہارے لئے اور تمہاری بیٹی کے لئے بڑی سعادت ہے"۔ جب تین مرتبہ اسی طرح کے خواب دیکھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حلیہ شریف بھی دکھایا گیا، اس وقت سے شیخ سلطان، حضرت موصوف کی تلاش میں کوشاں تھے حسن اتفاق کہ جب یہ دونوں آفتاب و ماہتاب وہاں پہنچے تو شیخ سلطان نے ان کو پہچان لیا اور اپنے ہاں مہمان رکھا اور جب ان حضرات کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے متاثر ہو کر یقین ہو گیا کہ واقعی یہی وہ بزرگ ہیں

۱؎ آپ کتب تاریخ میں حاجی سلطان تھانیسری کے نام سے معروف ہیں اور اس زمانے کے علماء و فضلاء میں ممتاز تھے حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کی سعادت سے بھی مشرف تھے۔ آپ کو علوم نقلیہ میں کافی مہارت حاصل تھی اسی بنا پر عرصہ دراز تک شاہی خدمات پر مامور رہے۔ چار سال تک "مہابھارت" کا ترجمہ کرنے پر جو "رزم نامہ" کے نام سے تیار ہوا تھا مصروف رہے اکبر بادشاہ آپ کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا اس بنا پر آپ مقرب شاہی بن گئے، پھر مزید شاہی عنایات کی بنا پر آپ کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا گیا، کچھ عرصہ بعد تھانیسر کے ہندوؤں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ آپ گاؤ کشی کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، بادشاہ نے آپ کو جلاوطن کر کے بکھر کی طرف بھیج دیا ——
حسن اتفاق کہ اس زمانہ میں صوبہ بکھر کا نظم و نسق خان خاناں کے ہاتھ میں تھا وہ آپ کے ساتھ بڑی محبت والتفات کے ساتھ پیش آئے اور ہر طرح آپ کی امداد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ خان خاناں رحمہ اللہ جب وہاں کی فتوحات سے فارغ ہوئے تو آپ کو اپنے ساتھ لے آئے، اس طرح آپ پوشیدہ طور پر اپنے وطن تھانیسر آگئے۔ برہان پور کی فتح کے بعد خان خاناں نے بادشاہ سے آپ کی جلاوطنی کے حکم کی تنسیخ اور سابقہ عہدہ بحال کرنے کی سفارش کی، بادشاہ نے خانخاناں کی سفارش منظور کر کے حکم صادر کر دیا کہ آپ کو تھانیسر و کرنال کا کروڑی بنا دیا جائے۔
ایک عرصہ بعد سابقہ کشمکش تازہ ہو گئی اور ہندوؤں نے بادشاہ سے آپ کی شکایت کی۔ اکبر ان دنوں کروڑیوں کے ساتھ خاص طور پر سختی کر رہا تھا چنانچہ اس نے آپ کی سزائے موت کا حکم دیدیا اور یکم جنوری ۱۵۹۹ء مطابق ۲ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ ہجری کو شیخ سلطان کو پھانسی دیدی گئی۔
(منتخب التواریخ و رود کوثر)

جن کے لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے تو شیخ سلطان نے حضرت مخدومؒ سے اُس خواب اور اپنے ارادہ کا تذکرہ کیا حضرت مخدومؒ نے بڑی خوشی سے منظور فرمالیا۔ چنانچہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ شاہانہ انداز سے شادی کی تقریب مسنون طریقہ پر انجام پائی۔ [1] اور دلہن کو لے کر سرہند تشریف لے آئے۔ (اندازہ ہے کہ تقریب شادی ۹۹۶ھ میں انجام پذیر ہوئی)

مال کی فراوانی شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پاس ظاہری مال و دولت کی بہت فراوانی ہوگئی۔ اپنی جدّی حویلی کو چھوڑ کر ایک اور حویلی بنوائی جہاں اب حضرت موصوف کا روضۂ پُر نور ہے یہی آپ کی اولاد کا محلّہ تھا۔ حویلی کے قریب ہی ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جب کبھی اپنے بھائیوں کو یاد فرماتے تو پُرانی حویلی والے فرمایا کرتے، اسی وجہ سے آپ کے بھائیوں کی اولاد کا لقب پرانی حویلی والے پڑ گیا۔ اس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے شادی کے بعد مالدار ہونے کی سنت بھی ادا ہوگئی۔ یعنی جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح کر لیا تو اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا اس طرح آپ کو ظاہری غنا حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (اور ہم نے آپ کو مفلس پایا پس غنی کر دیا) باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ہی جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ [2]

اکبر آباد سے واپسی اور شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے والد ماجد حضرت مخدومؒ ہی کی خدمت میں رہے اور باطنی کمالات کا فیض حاصل کیا حتیٰ کہ جب حضرت مخدومؒ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرزند و اصحاب کے سامنے خرقۂ خلافت جو سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے آبا و اجداد سے حاصل تھا اور وہ خرقۂ خلافت جو سلسلۂ چشتیہ میں شیخ رکن الدین گنگوہیؒ سے حاصل کیا تھا اور وہ خرقۂ خلافت جو سلسلۂ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلیؒ سے حاصل ہوا تھا سب کچھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو مرحمت فرما کر اپنا قائم مقام اور جانشین قرار دیا۔ [3]

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ رسالہ مبدأ و معاد میں فرماتے ہیں کہ

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۶۸۔ [2] ایضاً ص ۶۸ و ۶۹۔ [3] ایضاً ص ۷۰۔

"اس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد (مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد ماجدؒ کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ) سے جو جذبۂ قوی کے مالک تھے اور کرامات و خوارقِ عادات میں مشہور تھے حاصل ہوئی تھی ...... نیز اس فقیر کو عباداتِ نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والدِ ماجد کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور میرے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے صاحبزادے شاہ رکن الدین قدس سرہما) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔"[1]

سنہ ۱۰۰۰ھ میں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ اور ماہ شوال سنہ ۱۰۰۵ھ میں حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ اور ا شوال سنہ ۱۰۰۷ھ میں حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ صاحبزادگان کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا عزم سفرِ حج

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اگرچہ شروع ہی سے حج بیت اللہ (زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً) کی سعادت حاصل کرنے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت کا شوق شب و روز بے چین رکھتا تھا لیکن اپنے والدِ بزرگوار کو بڑھاپے اور ضعف کی حالت میں چھوڑ کر سفرِ حجاز اختیار کر کے آں موصوف کی خدمت سراپا برکت سے طویل عرصہ کے لئے جدا ہونا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بالآخر جب حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ سنہ ۱۰۰۷ھ میں رحلت فرما گئے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سنہ ۱۰۰۸ھ میں سفرِ حجاز کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچے تو وہاں کے علماء و فضلا ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے جو حضرت موصوف کے پرانے احباب میں سے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے۔ انھوں نے دورانِ گفتگو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مناقب اور کرامات بیان کیں اور کہا کہ اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت جیسا کثیر البرکت کوئی اور نظر نہیں آتا، آپ کی ایک نظر و توجہ میں طالبانِ حق کو وہ فیض حاصل ہوتا ہے جو دوسرے طریقوں میں چلّوں اور ریاضتِ شاقہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا[2] ——— چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اسی تحریک کے شکریہ میں مولانا حسن کشمیریؒ کی جانب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] مبدأ و معاد ص ۱۱ و ۱۲ - [2] زبدۃ المقامات ص ۱۳۲ و ۱۳۳، و حضرات القدس جلد دوم ص ۱۱

"فقیر آپ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عجز کا اقرار کرتا ہے، یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب دید و داد اسی احسان پر وابستہ ہے۔ آپ کے حسنِ توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور آپ کے توسّل کی یُمن و برکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ کسی نے اس کا مزہ چکھا ہی نہیں، خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کو اس قسم کے عام عطیے بھی حاصل نہیں ہوئے۔ احوال و مقامات اور اذواق و مواجید اور علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو راہِ عروج کے زینے بنا کر فقیر کو قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا۔

قرب و وصول کا لفظ میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے نہ اشارہ، نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ زمان نہ مکان، نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت ؎

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ   کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم   ز مرغِ من بود آں نام ہم گم

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اس اظہار میں جس کا ظہور عالمِ اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر ہوا ہے آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا اس لئے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا، تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکریہ ادا ہو جائے۔" [1]

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے ملاقات | چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجدؒ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بہت تعریف اور اس سلسلہ کے بزرگوں کے حالات سنے تھے اور والد ماجد کا ذوق و شوق اس سلسلۂ عالیہ کے متعلق مشاہدہ فرمایا تھا اور کتابوں میں بھی اس سلسلہ کے اوصاف ملاحظہ فرمائے تھے اور خود آپ اس نسبتِ بلند کے ساتھ استعداد بوجہ اتم واکمل رکھتے تھے اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی تحریک پر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ فرما لیا اور فرمایا کہ اس سفرِ حجاز کا تحفہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میں اس مقتدا سے ان بزرگوں کا ذکر و مراقبہ حاصل کر کے اس پر عمل کروں۔ [2]

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۷۹ - [2] زبدۃ المقامات ص ۱۳۹

چنانچہ آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی شرفِ ملاقات کا کمال درجہ اشتیاق ہوا اور آپ مولانا کے ہمراہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا حسن کشمیری نے تعارف کرایا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارادۂ سفرِ حجاز کے متعلق بھی عرض کیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اگرچہ حضرت خواجہؒ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ خود کسی سے اخذِ طریقہ والتزامِ صحبت کے لئے اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بلند استعداد اور اعلیٰ قابلیت ملاحظہ فرما کر آپ سے ارشاد فرمایا اگرچہ آپ اس مبارک سفر کا ارادہ رکھتے ہیں تاہم چند روز ہمارے مہمان رہیں، کم از کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ ہی سہی کیا حرج ہے؟ حضرت خواجہؒ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک ہفتہ خانقاہ شریف میں قیام کا ارادہ کر لیا اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ تک طویل ہو گیا[1]

حضرت خواجہؒ سے شرفِ بیعت ابھی خانقاہ شریف میں دو دن بھی نہ گذرے تھے کہ آپ پر حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کے تصرف وکشش کے آثار اور اخذِ طریقۂ حضرت خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے ذوق وشوق نے غلبہ کیا یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بیعتِ توبہ اور اخذِ طریقہ کی درخواست کی۔ بغیر اس کے کہ جانبین استخارہ فرمائیں حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر (ماہِ ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ میں) بیعت کیا، اور ذکر تلقین فرما کر توجہاتِ عالیہ سے ایسا مشرف فرمایا کہ اسی وقت آپ کا قلب ذکرِ الٰہی سے جاری ہو گیا اور ذکرِ قلبی میں عجیب وغریب لذت وحلاوت اور آرام محسوس ہونے لگا، پھر یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً ترقیاتِ عالیہ میں عروج اور فیوضاتِ متعالیہ کا ظہور ہوتا رہا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام گزشتہ اور آئندہ اولیائے امت سے سبقت لے گئے مثلاً قطبیت، فردیت، قیومیت، خلت، طینت، اصالت، محبوبیتِ ذاتی، سابقیت اور تجدیدِ الف ثانی سب کچھ حاصل کر لیا۔ غرضکہ یا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خانۂ کعبہ کے طواف کا ذوق وشوق تھا یا راہ میں ہی خود صاحبِ خانہ مل گیا اور روضۂ منورہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کے انوار سے نور وضیا حاصل کرنے جا رہے تھے کہ اثنائے سفر ہی میں اقتباسِ انوارِ صاحبِ روضۂ مطہرہ نصیب ہو گیا۔[3] سبحان اللہ فسبحان اللہ۔

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۳۹ [2] ایضاً [3] روضۃ القیومیہ ص ؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے منازلِ سلوک طے کرنے کے حالات مختصر طور پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

آپ کے منازلِ سلوک طے کرنے کے حالات خود آپ کے قلم سے

"ماہ ربیع الثانی (۱۰۰۸ھ) کے آخری دنوں میں یہ فقیر ایک بزرگ (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کی خدمت سے شرف اندوز ہوا جو اس بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے خلیفہ تھے اور ان بزرگوں کے طریقہ کو حاصل کر کے اسی سال نصف ماہِ رجب میں اس فقیر کو (نقشبندی سلسلے کی) حضور (قلب) کی سعادت نصیب ہوئی، اس مقام میں آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی (اندراجِ نہایت در بدایت) کا منظر در پیش ہوتا ہے۔ ان بزرگ (خواجہ صاحبؒ) نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت دراصل اسی حضور (قلب) کا نام ہے اور پورے دس سال اور چند ماہ کے بعد ماہِ ذیقعدہ کے نصفِ اول میں وہ انتہا (نہایت) جو ابتدا (بدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں (بدایات) اور درمیانی درجوں (اوساط) کے بیشمار پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی نقاب چاک کر کے عیاناً جلوہ گر ہوگئی اور یہ یقین حاصل ہوگیا کہ آغاز (بدایت) میں جو تجلی نظر آئی تھی وہ اسی اسم کی صورت تھی (جس کی حقیقت اب سامنے آئی ہے) اور وہ اسی پیکر کا سایہ یا پرچھائیں تھی اور اسی مسمّٰی کا ایک اسم تھا، ان دونوں (یعنی ابتدا و انتہا) میں بہت بڑا فرق ہے حقیقتِ حال اس مقام پر پہنچکر منکشف ہوئی اور معاملہ کا راز یہاں پہنچکر ظاہر ہوا جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں وہ اسے ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔"[1]

نیز آپ اپنے حصولِ سلوک کے تفصیلی حالات اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جو مولانا ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے اور جلد اول کے مکتوب ۲۹۰ میں درج ہے وہ یہاں تبرکاً درج کیا جاتا ہے :۔

"اے بھائی! خدا تجھے سیدھے راستے کی ہدایت دے، تجھے جاننا چاہیئے کہ جب اس درویش کو اس راہ کی ہوس پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے ہادئ راہ ہو کر ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، اندراج النہایت فی البدایت کے طریقے کی ہدایت کرنے والے، اور درجاتِ ولایت تک پہنچانے والے، راستے کے والی اور پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ آقا اور امام خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا جو سلسلہ حضراتِ نقشبندیہ قدس سرہم کے ایک بہت بڑے خلیفہ تھے

---

[1] مبدا و معاد ص ۱۶

تعلیم ذکرِ اسمِ ذات | انھوں نے اس درویش کو ذکرِ اسمِ ذات تعلیم فرمایا اور مقررہ طریق سے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ کو کمالِ لذت حاصل ہوئی اور کمالِ شوق سے گریہ شروع ہوا۔

بیخودی و فنائیت | پھر ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جوان بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے اور غیبت سے موسوم ہے مجھ پر طاری ہوئی، اس بیخودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ ایک محیط سمندر ہے جس میں تمام عالم کی صورتیں اور شکلیں اس طرح نمایاں ہیں جیسے پانی میں چیزوں کے عکس نظر آتے ہیں، یہ بیخودی آہستہ آہستہ غالب آتی گئی اور دیر تک رہنے لگی، کبھی ایک پہر اور کبھی دوپہر تک اور بعض مرتبہ رات بھر یہی حالت رہتی۔

فنائے فنا | جب میں نے یہ حالت حضرت پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا "تھوڑی سی فنا حاصل ہو گئی ہے"۔ پھر آپ نے مجھے ذکر سے منع فرمایا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا، دو دن کے بعد مجھے فنائے اصطلاحی حاصل ہو گئی۔ جب اس کی کیفیت حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا "اپنے کام میں لگے رہیں"۔ بعد ازاں فنائے فنا حاصل ہوئی۔ پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا "کیا آپ تمام جہان کو ایک دیکھتے ہیں اور ذاتِ احد کے ساتھ متصل پاتے ہیں"؟ میں نے عرض کیا حضور ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا "فنائے فنا میں قابلِ اعتبار یہ بات ہے کہ اس اتصال کے دیکھنے کے باوجود بے شعوری حاصل ہو" چنانچہ اسی شب اس قسم کی فنائے فنا حاصل ہو گئی۔ میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں اس کی کیفیت بھی عرض کی کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نسبت علمِ حضوری پاتا ہوں (یعنی علمِ حصولی پالینے کے بعد بلا توسطِ حصول صورت علمِ حضوری پاتا ہوں) ۔ اور جو اوصاف میری طرف منسوب تھے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف منسوب پاتا ہوں۔

مرتبۂ علمی | پھر ایک سیاہ رنگ کا نور ظاہر ہوا جو تمام اشیائے عالم کو گھیرے ہوئے تھا میں سمجھا کہ حق تعالیٰ یہی ہے۔ میں نے عرض کیا تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا "حق جل سلطانہٗ مشہود ہے لیکن نور کے پردہ میں"۔ نیز فرمایا کہ "یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے (دراصل) علم میں ہے کیونکہ ذاتِ حق جل شانہٗ کا تعلق متعدد اشیاء کے ساتھ جو کہ اوپر نیچے واقع ہوئی ہیں اس لئے منبسط اور پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اس انبساط کی بھی نفی کرنی چاہیئے"۔ اس کے بعد وہ پھیلا ہو

سیاہ نور سکڑنے اور کم ہونے لگا حتیٰ کہ ایک نقطہ سا بن گیا۔

مقامِ حیرت و حضورِ نقشبندیہ | حضرت نے فرمایا "اس نقطہ کی بھی نفی کرنی چاہیئے اور مقامِ حیرت میں آجانا چاہیئے" میں نے ایسا ہی کیا وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے زائل ہو گیا اور مقامِ حیرت حاصل ہو گیا کہ جس مقام میں حق تعالیٰ کا شہود (پردۂ نور کے بغیر) خود بخود ہے۔ جب میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا کہ "یہی حضور حضراتِ نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبتِ نقشبندیہ اسی حضور کو کہتے ہیں اور اس حضور کو حضورِ بے غیبت بھی کہتے ہیں اور بدایت میں نہایت کا مندرج ہونا اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے اور اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ویسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں طالب کا اپنے پیر سے اذکار اور اد اخذ کرنا تاکہ ان پر عمل کرکے مقصود تک پہنچے۔ ع

قیاس کُن زگلستانِ من بہارِ مرا

فنائے حقیقی | اس خاکسار کو یہ عزیز الوجود نسبت ذکر کی تعلیم کی ابتدا سے دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہو گئی تھی اور اس فنا کے حاصل ہونے کے بعد ایک اور فنا حاصل ہوئی جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں اور دل کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ عرش سے لیکر مرکزِ زمین تک تمام عالم (موجودات) کی اس وسعت کے مقابلہ میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی قدر نہ تھی۔

مرتبۂ حق الیقین و مرتبۂ جمع الجمع | بعد ازاں میں اپنے آپ کو اور ہر فردِ عالم کو بلکہ ہر ذرہ کو دیکھتا تھا کہ یہ سب حق تعالیٰ ہے، اس کے بعد دیکھا کہ ہر ذرہ کو الگ الگ اپنا عین دیکھا اور اپنے آپ کو ان سب کا عین پایا یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرہ میں گم پایا اس کے بعد اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرہ کو اس قدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بلکہ اس سے کئی گنا اور عالم اس میں سما سکیں بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرہ کو ایسا پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں گھل مل گئی اور فنا ہو گئی ہیں۔ بعد ازاں اپنے آپ کو بلکہ ہر ایک ذرے کو تمام جہان کے قائم رہنے کا باعث معلوم کیا۔ جب یہ کیفیت حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو فرمایا کہ "توحید میں حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے اور جمع الجمع اسی مقام کو کہتے ہیں۔

بعد ازاں جہان کی تمام صورتیں اور شکلیں جن کو پہلے حق تعالیٰ معلوم کرتا تھا اب

وہ وہمی اور خیالی دکھائی دینے لگیں پہلے ہر ذرہ کو بغیر کسی فرق و تمیز کے حق تعالیٰ پاتا تھا اور اب اُسی ذرہ کو موہوم پایا، نہایت حیرت حاصل ہوئی۔ اور اس اثنا میں فصوص الحکم کی وہ عبارت جو میں سنا اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے سنی تھی یاد آئی وہ یہ کہ صاحب فصوص نے فرمایا ہے:

اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ اَیِ العَالَمَ حَقٌّ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ خَلْقٌ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ حَقٌّ مِّنْ وَجْہٍ وَخَلْقٌ مِّنْ وَجْہٍ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَیْرَتِ لِعَدَمِ التَّمْیِیْزِ بَیْنَھُمَا (ترجمہ: اگر تو چاہے تو کہے کہ عالم حق ہے اور اگر چاہے تو کہے کہ عالم خلق ہے اور اگر چاہے تو کہے کہ یہ ایک اعتبار سے حق اور ایک اعتبار سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کہے یعنی یہ سب بجا ہے) اس عبارت سے اس اضطراب کو کسی قدر تسکین ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حالت عرض کی تو ارشاد فرمایا "ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہیں حتیٰ کہ موجود اور موہوم میں تمیز ہو جائے۔" میں نے فصوص کی وہ عبارت عرض کی جس سے عدم تمیز ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "شیخ ابن عربی قدس سرہٗ نے اپنی اس عبارت میں کامل شخص کا حال بیان نہیں کیا عدم تمیز بھی بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے۔" حسب الارشاد میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض آنجناب (پیر و مرشدنا) کی توجہ شریف سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان تمیز ظاہر فرما دی یہاں تک کہ میں نے موجودِ حقیقی کو موہوم خیالی سے ممتاز پایا اور ان صفات و افعال و آثار کو جو موہوم دکھائی دیتے تھے میں نے حق سبحانہٗ سے دیکھا اور ان صفات و افعال کو بھی محض موہوم پایا اور خارج میں بجز ایک ذات کچھ موجود نہ دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو ارشاد فرمایا کہ "مرتبۂ فرق بعد الجمع یہی ہے اور سعی و کوشش کی انتہا یہیں تک ہے اس سے مزید جو کچھ کسی کی فطرتِ استعداد میں مقدر کیا گیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ کو مشائخ طریقت نے مقام تکمیل کہا ہے۔

(حاشیہ: مرتبۂ فرق بعد الجمع)

سکر و صحو جاننا چاہئے کہ اس درویش کو جب اول مرتبہ میں سکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں نظر کی تو

حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ پایا اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ معلوم کیا۔ اس مقام سے پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ پایا نہ کہ ہر ذرہ میں۔ اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا۔ پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو نہ عالم کے متصل پایا نہ اس سے منفصل اور نہ عالم میں داخل اور نہ اس سے خارج معلوم کیا معیت اور احاطہ اور سریان کی نسبت جس طرح کہ اول پاتا تھا بالکل منتفی ہو گئی، باوجود اس کے اسی کیفیت پر مشہود ہوا بلکہ اس طرح پر کہ گویا محسوس ہے اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ سے کچھ نہ رکھتا تھا۔ پھر حیرت میں لے گئے، جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت ہے اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ مجہول الکیفیت نسبت سے مشہود ہوا۔

پھر حیرت میں لے گئے اور اس مرتبہ میں ایک قسم کا قبض طاری ہو گیا پھر جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا نہ ہی معلوم الکیفیت اور نہ ہی مجہول الکیفیت، اور اس وقت عالم اسی خصوصیت سے مشہود تھا۔ اس وقت ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو شہود کے حاصل ہونے کے باوجود خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی، اس وقت مجھے بتایا گیا کہ اس صفت وتنزیہ کا مشہود ذاتِ حق نہیں ہے، حق تعالیٰ اس سے برتر ہے بلکہ یہ اس کے تکوین کے تعلق کی صورتِ مثالی ہے کیونکہ حق تعالیٰ تعلقاتِ کونی سے بالاتر ہے خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت ہیہات ہیہات۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ❊ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ [1]

(میں اپنی محبوبہ تک کس طرح پہنچوں جبکہ اس کے راستے میں پہاڑوں کی چوٹیاں اور بڑے بڑے غار حائل ہیں)۔

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹۰۔

نسبتِ مرادیت و محبوبیت کا حاصل آپ نے دقائق علیہ، وارداتِ مرضیہ اور احوالِ شریفہ بہت ہی کم مدت میں حاصل فرمائے جو اور سالکوں کو برسوں میں بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اندر نسبت محبوبیت و مرادیت ہے اور اس نسبت والوں کو مریدیت و محبیت کی نسبت والوں کے مقابلے میں بلا محنت و مشقت بہت جلد سلوک طے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضور نے ایک دن واقعات میں سے کسی واقعہ میں فرمایا تھا کہ اگر خاکسار میں محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو مقصود تک پہنچنے میں بہت توقف ہوتا اور اس نسبت کو بھی جو خاکسار کی محبوبیت کو حضور کی عنایت کے ساتھ ہے بیان فرمایا تھا اس سے بڑی بھاری امید وابستہ ہے اور یہ جرأت و گستاخی اسی وجہ سے ہے۔"[1]

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اسی دوران میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے سابقہ حالات استخارہ اور طوطا دیکھنے کی کیفیات بیان فرمائیں، نیز فرمایا کہ جب میں تمہارے شہر سرہند پہنچا تو واقعہ (خواب) میں مجھے دکھایا گیا کہ میں قطب کے پڑوس میں اترا ہوا ہوں اور مجھے اس قطب کا حلیہ بھی دکھایا گیا، اسی صبح کو میں اس شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا ہر ایک جماعت کو دیکھا لیکن کسی کو اس حلیہ کے مطابق نہیں پایا اور نہ ہی کسی میں قطب ہونے کے آثار و حالات دیکھنے میں آئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید اس شہر کا کوئی شخص جو اس بات کی قابلیت رکھتا ہو آئندہ ظاہر ہونے والا ہوگا۔ پھر جس روز آپ کو دیکھا تو آپ کا تمام حلیہ اس کے موافق پایا اور اس قابلیت (قطبیت) کی نشانی بھی آپ کے اندر مشاہدہ ہوئی ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا تھا کہ میں نے ایک بہت بڑا چراغ روشن کیا اور مشاہدہ ہوتا تھا کہ ساعت بساعت اس چراغ کا نور بڑھتا جاتا تھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کرلئے ہیں اور جب میں سرہند کے نواح میں پہنچا تو میں نے اس جگہ کے جنگل و صحرا کو مشعلوں سے پُر دیکھا اس کو بھی میں آپ ہی کے متعلق اشارہ سمجھتا ہوں۔[2]

---

[1] مکتوب ۱۴ دفتر اول۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۱۴۱۔

حضرت خواجہؒ کی رائے عالی | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں ابھی چند ہی روز گذرنے پائے تھے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے ایک دوست کے خط میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرمایا:۔

"اہل سرہند سے ایک بزرگ شیخ احمد بڑے عالم فاضل ہیں جو کہ قوتِ عمل سے متصف ہیں۔ فقیر نے چند روز اُن کی صحبت میں نشست و برخاست کر کے بہت سے عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا، وہ ایک چراغ ہیں جو بہت عالم کو منور کریں گے، اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے۔ ان کے کامل احوال کا مجھے یقینِ واثق ہو گیا ہے۔ شیخ موصوف کے چند بھائی اور رشتہ دار بھی ہیں جو سب کے سب صالح اور عالم ہیں، ان میں چند ایک سے ملاقات ہوئی وہ جواہر عالیہ ہیں عجیب استعداد کے مالک ہیں۔ شیخ کے صاحبزادے جو ابھی بہت کم سن ہیں اسرارِ الٰہی اور شجرۂ طیبہ ہیں" اللہ تعالیٰ ان کی اچھی طرح نشوونما کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دروازہ کے فقیروں کے دل بھی عجیب ہیں۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یقین تکمیل | صاحبِ برکاتِ احمدیہ لکھتے ہیں کہ اس فقیر نے خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جس روز سے حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے مجھے تعلیم طریقت دینی شروع کی اسی دن سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے عنقریب اس راہ کی نہایت کو پہنچائیگا اگرچہ میں ہر چند اس یقین کی نفی کرتا تھا لیکن کسی طرح بھی یہ خیال میرے دل سے نہ نکلتا تھا اور اکثر یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا تھا ؎

ازیں نورے کہ از تو بر دلم تافت — یقیں دانم کہ آخر خواہمت یافت

اس بیان کے بعد آپ بانکسار و نیازمندی و استغراق اور پرنم آنکھوں کے ساتھ کلمۂ تحمید (الحمد للہ) زبان پر لائے۔[2]

حضرت کی توجہ و تصرف | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے ہمارے برادرِ طریقت شیخ تاج کو اس خدمت پر مامور کر رکھا تھا کہ وہ یارانِ طریقت کے بعض احوال و وقائع کو ان سے سن کر آپ سے بیان کیا کریں مگر میرے

---

[1] کلیاتِ باقی باللہؒ مکتوب ۶۵ ص ۱۳۰ و ۱۳۱۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۱۴۵۔

احوال کو اس سے مستثنیٰ کر رکھا تھا، آپ خود مجھ سے دریافت فرمایا کرتے تھے اور میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں جا کر کچھ نہیں کہتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اپنے احوال مجھ سے کچھ بھی بیان نہیں کرتے۔ میں نے تواضع کے طور پر عرض کیا کہ میرے ایسے حالات ہی کیا ہیں جو گوش گذار ہونے کے قابل ہوں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا نہیں تم ضرور بیان کرو خواہ معمولی واقعہ ہی ہوا کرے۔ اتفاقاً انہی دنوں مجھے ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ میں شیخ تاجؒ کی طرف متوجہ ہوا اور ان پر میں نے اپنا تصرف کیا چنانچہ وہ بیخود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جب میں نے اظہارِ واقعہ کے بارے میں حضرت خواجہ کا اصرار دیکھا تو لامحالہ اس مذکورہ واقعہ کا اظہار کر دیا۔ حضرت خواجہؒ یہ بات سُن کر خاموش ہو رہے اور میں بھی خاموش ہو گیا۔[1]

اس واقعہ سے آپ کی بلندیٔ ہمت، علو استعداد و قابلیت اور آدابِ پیر کی کثرتِ رعایت اور تھوڑے عرصہ میں ایسے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

واپسی سرہند شریف غرضیکہ جب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو کامل و مکمل پایا اور نسبتِ خاصہ القا فرما کر اور خلافت و اجازتِ کاملہ عطا کر کے اپنے چند طالبانِ صادق آپ کے ہمراہ روانہ فرمائے اور آپ کو وطن مالوف سرہند کی طرف رخصت کیا پس آپ بکثرت انعامات کے ساتھ اپنے وطن تشریف لے آئے، اور حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق طالبین کی تربیت اور سالکین کی ہدایت میں مشغول ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت میں ہزارہا طالبوں کو اپنے چشمۂ فیوض سے سیراب و شاداب کر دیا۔[2]

گوشہ نشینی اسی زمانے میں طالبوں کی تربیت کے دوران آپ کو اپنے کمال میں کمی کا احساس ہوا اور اس اعلیٰ کمال کو حاصل کرنے کے لئے طالبوں کو رخصت کر دیا اور گوشۂ تنہائی اختیار فرمایا[3] چنانچہ مولانا ہاشم کشمی کی طرف تحریر فرماتے ہیں:-

"اے برادر! جب حضرت خواجہ نے مجھ کو کامل مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت کو میرے حوالہ کیا تو اس وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا

---

[1] تا [3] زبدۃ المقامات ص ۱۴۶۔

آپ نے فرمایا کہ تردد کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ مشائخ عظام نے اس مقام کو کمال و تکمیل کا مقام فرمایا ہے اگر اس مقام میں تردد کریں تو مشائخ کی کمالیت میں تردد لازم آتا ہے۔ حسبِ ارشاد طریقت کی تعلیم کو شروع کیا اور طالبوں کے کام میں توجہات کو مدِ نظر رکھا اور طالبوں میں اس کا بڑا اثر محسوس ہوا یہاں تک کہ سالکوں کا سالوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا۔ کچھ مدت تک اس کام کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کرتا رہا۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ | آخر کار اپنے نقص کا علم پیدا ہوا اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو مشائخِ کبار نے نہایت کہا ہے اس راہ میں کوئی پیدا نہیں ہوئی اور نیز معلوم نہیں ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا چیز ہے۔ پس اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے اس وقت اپنے نقص کا علم روشن ہوگیا۔ وہ طالب جو میرے پاس جمع تھے سب کو اکٹھا کر کے اپنا نقص اُن سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا لیکن طالب اس بات کو کسرِ نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے۔ کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوالِ منتظرہ (یعنی تجلی ذاتی برقی و معنیٰ سیر الی اللہ فی اللہ) کو عطا فرما دیا" [1]

بعض اہلِ غرض و اصحابِ رشک نے گوشہ نشینی کے اس معاملہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں دوسرے انداز سے بیان کیا جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اس کی بابت معلوم ہوا تو آپ نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا جس میں تحریر فرمایا:۔

"جس روز سے خادم حضور کی خدمت سے واپس آیا ہے فوق کی طرف رغبت ہونے کے سبب مقامِ ارشاد کے ساتھ چنداں مناسبت نہیں رکھتا۔ کچھ مدت تک یہ ارادہ رہا کہ گوشہ نشین ہو جائے کیونکہ لوگ صحبت میں شیرِ ببر کی طرح نظر آتے تھے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا لیکن استخارہ اس کے موافق نہیں آتا تھا۔ قرب کے مدارج میں اگرچہ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے تاہم انتہا درجہ تک عروج حاصل ہوا اور ہوتا ہے اور کبھی اوپر لیجاتے

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹۰

ہیں کبھی نیچے لے آتے ہیں۔ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں ہے)
تمام مشائخ کے مقامات پر عروج میسر ہوا اِلَّا مَاشَآءَ اللہ ؎

بگلے بر وند زیں دہلیزۂ پست   بداں درگاہِ والا دست بردست

اس اثناء میں اگر مشائخ کی روحانیات کے واسطہ در واسطہ ہونے کو گننے لگوں تو بات لمبی ہو جائے، مختصر یہ ہے کہ تمام مقاماتِ اصلی سے ظلی مقامات کی مانند گزر کرایا۔ خدائے تعالیٰ کی عنایات کا کیا بیان کرے قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ (جو شخص قبول ہوا ہے بلا سبب و وسیلہ قبول ہوا) اتنی قسم کی ولایت اور ان کے کمالات ظاہر کئے کہ بندہ کیا عرض کرے۔

ماہِ ذی الحجہ میں نزول کے درجوں میں مقامِ قلب تک نیچے لے آئے اور یہ مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے لیکن ابھی اس مقام کے لئے تمام و کمال تک پہنچانے والی چیزیں درکار ہیں دیکھئے کب حاصل ہوتی ہیں یہ کام آسان نہیں ہے۔ مراد ہونے کے باوجود اس قدر منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں کہ مریدوں کو عمرِ نوح میں بھی ان کا طے کرنا میسر نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کے کمالات مُرادِین ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، مرید اس جگہ قدم نہیں رکھتے۔ افراد کا نہایتِ عروج مقامِ اصل کی ابتدا تک ہے بلکہ بہت افراد کا بھی گذر نہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

تکمیل و ارشاد کے مراتب میں توقف کی وجہ یہی ہے اور نورانیت کا نہ ہونا ظلمتِ غیب کا نور ظاہر ہونے کے سبب سے ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، لوگ اپنے خیال کے مطابق کئی باتیں بناتے ہیں ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے ؎ درنیابد حالِ پختہ ہیچ خام۔ پس سخن کوتاہ باید والسلام

اس قسم کی ظنی باتوں کے اندیشہ میں ضرر کا احتمال غالب ہے آپ ان لوگوں کو فرما دیں کہ اس خستہ دل کے حالات سے اپنی خیالی نظر کو بند کر لیں نظر ڈالنے کیلئے اور بہت سے مواقع ہیں ؎

من گم شدہ ام مرا مجوئید   با گم شدگان سخن نگوئید

خدائے تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔ جس امر کو اللہ تعالیٰ کامل کرنا چاہتا ہے اس میں نقص نکالنے اور عیب لگانے کی گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔[1]

[1] غالباً ماہ ذی الحجہ سنہ مراد ہے۔ ۱۰۰۸ھ

اس کے بعد ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "چند روز ہوئے کہ اشیاء میں سیر واقع ہوئی ہے اور طالب علموں اور مریدوں نے بہت ہجوم کیا ہے (لہٰذا) ان کا کام شروع کر دیا گیا ہے لیکن ابھی اپنے آپ کو اس مقام کے قابل نہیں پاتا صرف لوگوں کے اصرار سے مروت وحیا کے باعث کچھ نہیں کہا۔" (دفتر اول مکتوب ۱۳)

دہلی کا دوسرا سفر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اپنے مرشدِ کامل حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی زیارت کا اشتیاقِ مالا یطاق موجزن ہوا تو آپ سرہند سے دہلی تشریف لائے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے مع اپنے خلفاء و مریدین آپ کا استقبال کیا اور نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ خانقاہ شریف میں ٹھہرایا۔

اس مرتبہ آپ نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں مدت تک قیام کیا اور حضرت خواجہؒ کی صحبت بابرکت سے مقام و مرتبہ کو مزید بلند کیا اور پہلے کی نسبت بہت ترقی حاصل کی۔ ان مقاماتِ بلند اور فضائلِ ارجمند کے باوجود آپ اپنے پیر بزرگوار کے ادب کی رعایت اس درجہ کرتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ صاحبِ زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ حسام الدینؒ نے خود مجھ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بہت تعریف و توصیف کرنے کے بعد فرمایا کہ آپ (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) باوجود علومِ نسبت و کثرتِ فضیلت، اپنے پیر دستگیر کے ادب کی کمال رعایت کرتے تھے اور خواجہ علیہ الرحمہ کے مریدوں میں آپ جیسا کوئی شخص نہ تھا یہی وجہ ہے کہ اوروں سے پہلے آپ کو برکات نصیب ہوئے۔ نیز آپ (خواجہ حسام الدینؒ) نے اس فقیر (خواجہ ہاشم کشمی) سے یہ بھی فرمایا کہ جن دنوں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ ان خلیفۂ عالی درجات یعنی تمہارے شیخ پر نہایت التفات رکھتے تھے اور ان کی توقیر و احترام میں کمال مبالغہ کرتے تھے، مجھے آپ کے بلانے کیلئے بھیجا جونہی میں نے آپ سے کہا کہ آپ کے پیر دستگیر آپ کو طلب کرتے ہیں آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور خوف و بیم سے اس قدر مضطرب ہوئے کہ قریب تھا کہ رعشہ پیدا ہو جاتا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ جو میں نے سنا تھا کہ اہلِ قرب کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ؎۲

۱؎ یہ واقعات غالباً ۱۰۰۹ھ کے اواخر کے ہیں۔ ۲؎ زبدۃ المقامات ص ۱۴۸

خود حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی رسالہ مبدا و معاد میں اس کا ذکر کیا ہے کہ "ہم چار آدمی اپنے خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی دوستوں کی نسبت ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ حضرت خواجہؒ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا۔ یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یکجائی اور اس طرح کی تربیت اور ہدایت آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانے کے بعد سے کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا (چند سطر کے بعد) چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو اس کے اعتقاد کے اندازہ کے مطابق ہی حصہ ملا"۔[1]

بہرکیف آپ آدابِ مرشد کی رعایت اور صحبتِ بابرکت کی وجہ سے بڑا عروج حاصل ہوا یہاں تک کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے ایثار کر کے جس قدر نسبتہائے عالیہ تھیں آپ کو عطا کیں۔ . . اور تاجِ تربیت و ارشاد آپ کے سر پر رکھا اور تمام کاروبارِ تربیت آپ کے حوالے کر دیا۔[2]

واپسی سرہند شریف | اس کے بعد آپ بکثرت مزید انعامات کے ساتھ اپنے وطنِ مالوف سرہند تشریف لے آئے جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں "باز آمدیم با صد ہزار خلعت و فتوح" اور ہدایت تک سالکوں کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے رہے اور اسی ضمن میں اپنے احوالِ عظیمہ اور اپنے دوستوں اور پیر بھائیوں کی ترقی کے حال احوال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے رہے۔ خود حضرت خواجہ قدس سرہ بھی اپنے ان دوستوں کے حالات آپ سے دریافت کرتے رہتے تھے جو دہلی سے آپ کے ہمراہ گئے تھے کہ آپ سرہند سے ان کی ترقی اور قابلیت معلوم کر کے لکھتے رہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے بعض دقائقِ علوم اور درجات و مقاماتِ اربابِ معرفت و تحقیق بھی آپ سے استفسار فرمائے اور جو کچھ آپ نے اس کے متعلق عرض خدمت کیا موجبِ اطمینانِ خاطر شریف ہوا۔[3]

۱۰۱۰ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چوتھے صاحبزادے خواجہ محمد فرخ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

---

[1] مبداو معاد [2] بقول روضۃ القیومیہ یہ واقعہ نصف رجب ۱۰۰۹ھ کا ہے [3] زبدۃ المقامات ص ۱۵۰۔

تجدید کا پہلا سال

(از جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ[1] تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ)

علاماتِ تجدید | حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر تجدیدِ الف ثانی کی پہلی علامت و نشانی یہ ظاہر ہوئی کہ آپ سے عین شرعی امور کے مطابق مشاہدات، تجلیات، ظہورات، احوال، معارف اور علوم ظاہر ہونے لگے، اور وحدتِ وجود کے متعلقہ حالات جو اس سے پیشتر آپ پر ظاہر ہوتے تھے مفقود ہوگئے کیونکہ وہ حالات ولایتِ صغریٰ میں سے ہیں جو اولیاء کی ولایت ہے۔ (روضۃ القیومیہ ص۹۶)

جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ولایتِ صغریٰ سے ترقی کر کے ولایتِ کبریٰ، ولایتِ علیا اور کمالاتِ نبوت حاصل کئے تو آپ پر علوم و معارفِ شرعیہ جو معارفِ انبیاءؑ ہیں ظاہر ہونے لگے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تجدیدِ الف ثانی کی خلعت سے آپ کو نوازا فسبحان اللہ وبحمدہٖ۔ (روضۃ القیومیہ ص۹۶)

---

[1] صاحب روضۃ القیومیہ نے تجدید و قیومیت کا جلیل القدر منصب عطا ہونے کی تاریخ اس طرح تحریر فرمائی ہے: "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر تجدید الف ثانی کی خلعت کا نزول بروز جمعہ دسویں ماہ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو ہوا۔" ص۹۳ اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر تحریر فرماتے ہیں: "یہ واقعہ سوموار کے روز ۱۵ شعبان ۱۰۱۵ھ کو تجدید و قیومیت کے دوسرے سال عصر اور مغرب کے درمیان ظہور میں آیا۔" (روضۃ القیومیہ ص۱۱۱)

اس تضاد کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد کوئی تنقیص کرنا نہیں بلکہ ہم تو صاحب روضۃ القیومیہ کے ممنونِ احسان ہیں کہ انھوں نے سالانہ واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کر کے ایک راہ متعین فرما دی چنانچہ ہم نے بھی سالانہ واقعات آں موصوف ہی کی پیروی میں پیش کئے ہیں الا ماشاء اللہ۔ بعض جگہ اتفاق نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تاریخ کا تعین نہ تو خود حضرت مجدد صاحب نے کیا نہ صاحب زبدۃ المقامات نے اور نہ صاحب حضرات القدس نے، لہٰذا آں موصوف کے حساب میں سہو ہو جانا یا کتابت میں غلطی ہو جانا ممکن ہوا پھر ہمارے سامنے روضۃ القیومیہ کا اردو ترجمہ ہے ممکن ہے کہ اصل فارسی نسخہ میں اسی طرح ہو جیسا کہ ہم نے پیش کیا ہے۔ غرضکہ ہم نے جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کو تجدید الف ثانی کے منصب عطا ہونے کا دن اس لئے قرار دیا ہے کہ اوّل تو اس تاریخ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو پورے ایک ہزار سال ہو جاتے ہیں، دوم یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو جاتے ہیں، سوم یہ کہ آئندہ بھی زندگی کے تیئیس (۲۳) سال رہ جاتے ہیں، چہارم یہ کہ اس حساب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اور تبلیغ کے سال کی سُنّت پوری ہو جاتی ہے۔ پنجم یہ کہ تقویم کے حساب سے بھی تاریخ و دن صحیح ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نزول خلعتِ تجدید | بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ صبح کے وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ حلقہ و مراقبہ فرما رہے تھے تو حالتِ کشفی میں دیکھتے ہیں کہ حضورِ انور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اولیائے کرامؒ کی ایک جماعت کے تشریف فرما ہوئے ہیں اور خود اپنے دستِ مبارک سے ایک نہایت فاخرہ خلعت جو گویا محض نور تھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدیدِ الفِ ثانی کی خلعت ہے[1]

تو گوئے عارفاں راز میداں ربودہٗ　　تجدیدِ الف را تو سزاوار بودہٗ

چنانچہ خود حضرت موصوف قدس سرہٗ نے اپنے مکتوباتِ شریفہ میں متعدد جگہ صراحتاً و اشارۃً تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے مجدد الف ثانی ہونے کا ذکر فرمایا ہے لہٰذا ان عبارات کا اردو ترجمہ "مجددیت" کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔ (کتاب ہذا صفحہ ۲۷۰ تا ۳۷۲)

نزول خلعتِ قیومیت | پھر چند ماہ بعد بروز پیر ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۱۰ھ کا واقعہ ہے کہ نمازِ ظہر کے بعد آپ مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک حافظ صاحب آپ کی مجلس میں قرآن مجید نہایت خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ یکایک ایک اعلیٰ درجہ کی نوری خلعت آپ نے اپنے اوپر مشاہدہ کی ساتھ ہی القا ہوا کہ یہ قیومیت کی خلعت ہے جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ اتباع کی وجہ سے آپ کو عطا کی گئی ہے[2]

چنانچہ خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قیومیت کی حقیقت اور اس منصب پر فائز ہونے کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ الی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ الی ظَلُوْمًا جَھُوْلًا۔ ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے لیکن ہم وہ تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوئی ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔

جاننا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) حق سبحانہٗ و تعالیٰ شکل و صورت سے پاک اور منزہ ہے پس حق تعالیٰ کا آدم کو اپنی صورت پر پیدا کرنا اس معنی میں ہو سکتا ہے کہ اگر عالمِ مثال میں مرتبۂ تنزیہ کی کوئی صورت فرض کی جائے تو بیشک یہی مثال صورتِ جامع

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۸۹　[2] ایضاً

ہو گی جس پر یہ انسانِ جامع موجود ہوا ہے دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور اس کا آئینہ بن سکے یہی وجہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ خلیفہ جب تک شئے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شئے کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا اس لئے کہ شئے کا خلیفہ اس شئے کا قائم مقام اور نائب ہوتا ہے اور جب انسان رحمٰن تعالیٰ شانہٗ کا خلیفہ ہوا تو امانت کا بوجھ اس کے واسطے متعین ہو گیا (احمل عطایا الملک الامطایاہ (بادشاہوں کے عطیات کو انہی کے بار بردار اٹھا سکتے ہیں) آسمان زمین اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے پائیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صورت پر پیدا ہوں اور اس سبحانہٗ تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوں اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھا سکیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس بارِ امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے حوالہ کرتے تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا اور وہ امانت اس حقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسانِ کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسانِ کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو بحکم خلافت تمام اشیاء کا قیومؒ بنا دیتے ہیں، اور تمام مخلوق کو تمام فیضانِ وجود و بقا اور تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی اسی کے واسطے سے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر انسان اور جن ہے تو وہ بھی اسی کا (دامن) پکڑنے والا ہے اور در حقیقت تمام اشیا کی توجہ اسی کی طرف ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہیں خواہ وہ اس حقیقت کو جانیں یا نہ جانیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا یعنی انسان اپنے نفس پر اسقدر زیادہ ظلم کرتا ہے کہ وہ اپنے وجود اور توابع وجود (یعنی صفاتِ تمامیہ) میں (کیونکہ انسان بھی حق تعالیٰ کی صفاتِ تمامیہ کا ظلال ہے) ان کا کچھ بھی نام ونشان اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور (واقعی) جب تک وہ اپنے اوپر اس طرح ظلم نہیں کریگا بارِ امانت اُٹھانے کے لائق نہیں ہوگا۔ جَھُوْلًا یعنی اسقدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب (مقصود) کا علم و ادراک نہیں بلکہ وہ مطلوب کے ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہے یہ عجز و جہل اس مقام میں کمالِ معرفت ہے کیونکہ اس مقام پر جو ان میں سب سے زیادہ جاہل وہ سب سے زیادہ عارف ہے اور اس میں شک نہیں جو ان میں سب سے زیادہ عارف ہوگا وہی بارِ امانت کے اٹھانے کے لائق ہوگا۔ یہ دونوں صفتیں (ظلوماً جہولاً) گویا بارِ امانت کے اٹھا لینے کی علت ہیں۔ یہ عارف چونکہ

؎ اس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی قیومیت کی طرف اشارہ ہے۔

اشیا کی قیومیت کے منصب سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ تمام مخلوقات کے اہم کام اور معاملات اس کی طرف راجع کر دیئے جاتے ہیں، انعامات اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا پہنچنا وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس دولت کے سردار ابو البشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ منصب عالی اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور ان بزرگواروں کی تبعیت و وراثت کے طور پر جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمائیں ع بکریماں کارہا دشوار نیست وارثانِ کتاب (یعنی جن تین گروہوں کا ذکر آیہ مبارک ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا الآیہ میں مذکور ہے) میں سے پہلا گروہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی لوگ ظالم لنفسہ ہیں جو کہ منصبِ وزارت و قیومیت سے مشرف ہیں' ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد (میانہ رو) سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولتِ خلت سے مشرف ہوئے ہیں اور صاحبِ سِر اور اہلِ مشورہ ہیں اگرچہ بادشاہت کا معاملہ اور کاروبار وزیر سے وابستہ ہے لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشین و غمخوار اور انیس ہوتا ہے یہ خلیل اپنی فرحت کے لئے ہے اور وہ (وزیر) دوسروں کے معاملات کے لئے' ان دونوں میں بڑا فرق ہے (یعنی خلیل پہلے گروہ سے بڑا ہے) اور اس مقام عالی یعنی خلت کے سرحلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں' و جس کو چاہیں اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں۔ یہ مقام خلت کے اوپر مقام محبت ہے جب مقام اس کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات ہیں مشرف ہوئے ہیں۔ یار و ندیم اور ہوتا ہے اور محب و محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو محب و محبوب کے درمیان ہوتے ہیں یار و ندیم کا اس میں کچھ دخل نہیں' اگرچہ کمال الفت و انس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اس کو محب و محبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔ محبوں کے سرحلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ان بزرگواروں کی وراثت اور تبعیت سے جس کسی کو ان دونوں مقاموں سے مشرف فرمائیں اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں اس فقیر کے کسی مکتوب میں مذکور ہو چکے ہیں ان میں بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں اصل میں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں (دفتر دوم مکتوب ۱۱)

نیز دفتر سوم مکتوب ۱۲۸ میں تو بالکل واضح طور پر فرماتے ہیں" واں خلعتِ زائلہ کنایت از معاملۂ قیومیت بودہ است" یعنی اس خلعتِ زائلہ سے مراد (جو وصال سے قبل آپ سے جدا ہو گئی اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو مرحمت فرمائی گئی جیسا کہ اس مکتوب شریف میں اوپر مذکور ہے) معاملۂ قیومیت ہے جو کہ تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے الخ

مجتہد کا خطاب عطا ہونا | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ "مبداء و معاد" میں تحریر فرماتے ہیں "ایک مرتبہ حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں اس فقیر سے فرمایا تھا کہ "تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے" (مسائل اجتہادیہ کے لئے "تعلیمات" کا باب ملاحظہ فرمائیں۔)

اسی سال "خزینۃ الرحمۃ" کا خطاب بھی بارگاہِ ایزدی سے آپ کو عطا ہوا۔

حضرت خواجہ کا مکتوب | حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا نہایت شفقت و محبت سے لبریز ایک مکتوب گرامی موصول ہوا جو درج ذیل ہے:۔

"حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچائے، بزرگوں کے پیالہ میں زمین کا حصہ بھی ہوتا ہے، اس میں سرِ مو تکلف نہیں جو حقیقتِ حال ہے لکھی جاتی ہے، پیر انصار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کا مرید ہوں لیکن اگر وہ اس وقت موجود ہوتے تو باوجود پیر ہونے کے میرے مرید ہوتے۔ جبکہ ان بے صفتوں کی یہ صفت ہو تو پھر کیونکر ان آثار و صفات کا گرفتار طلبگاری کے لوازمات پر جان کو فدا نہ کرے اور جہاں سے خوشبو دماغ میں آئے کیوں اس کے پیچھے نہ جائے، اب ہماری سستی اور دیر کوئی بے نیازی یا استغنا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اشارہ پر موقوف ہے ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

ہم نے اپنی موجودہ حالت اور دلی خواہش ظاہر کردی ہے اب جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اس کی ہدایت کرے اور غرور و خود پسندی سے نجات دے۔" [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب گرامی کا نہایت عاجزی اور انکساری سے جواب دیا جو مکتوبات شریف کے دفتر اول میں موجود ہے۔ اس کے تین ماہ بعد پھر حضرت خواجہ نے مزید مندرجہ ذیل گرامی نامہ ارقام فرمایا:۔

حضرت خواجہ کا دوسرا مکتوب گرامی | اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین کو اپنے برگزیدوں کی برکات سے منزلِ مقصود پر پہنچائے، مدت سے میں نے درگاہِ ولایت میں اپنی نیازمندی عرض نہیں کی۔ اس کلمے کو

---

[1] کلیاتِ باقی باللہ مکتوب ۸۳ ص ۱۴۰ - [2] زبدۃ المقامات ص ۱۵۰۔

سچے نامہ برضرور خدمت والا میں عرض کردیں گے الحمدللہ ایسی صورتیں خود ہی نکل آیا کرتی ہیں اور زیادہ کیا لکھوں۔ درویشوں کی باتیں آپ کی خدمت میں لکھنا نہایت بے شرمی ہے اور ظاہری وضع کی باتیں لکھنا بہت ہی بے جا ہے الغرض ہمیں اپنی حد کو مد نظر رکھ کر فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہیے والدعاء (کلیاتِ باقی باللہ، مکتوب ۸۵)

یہ استفسارات و نوازشیں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی حضرت مجدد الف ثانیؒ پر اس حد تک ہوئیں کہ آپ کے وفورِ تعطش و اشتیاق کا مندرجہ ذیل اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے ؎

بس تشنہ و بس خرابم اے دوست   درحسرت یک دم آبم اے دوست
ہر جا کہ ترشحِ تو بینم   در العطش آیم و نشینم

دہلی کا تیسرا سفر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مکتوبات و نوازشات نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو زیارت و ملاقاتِ شیخ کے اشتیاق نے بے چین کر دیا اور آپ بے اختیار دہلی روانہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو جب آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو پاپیادہ مع خلفاء و مریدین شہر سے باہر استقبال کے لئے تشریف لائے اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو خانقاہ شریف میں لائے اور قیام کا انتظام فرمایا۔ (یہ سفر ۱۰۱۲ھ کے ابتدائی مہینوں کا معلوم ہوتا ہے)

اس مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت میں مزید عروج و کمال حاصل ہوا۔ بسا اوقات حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اپنی موجودگی میں آپ کو برسرِ حلقہ بٹھلاتے اور صبح و شام مراقبہ کے حلقوں کا منصب مقرر فرماتے اور خود بھی آپ کے حلقہ میں مستفیدانہ شرکت فرماتے۔ اور جب حضرت خواجہؒ حلقہ سے اپنی قیام گاہ تشریف لیجاتے تو نہایت ادب کا لحاظ کرتے ہوئے چند قدم تک اُلٹے پاؤں واپس ہوتے تھے اور دوستوں کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ جو استقبال و متابعت ہم اُن کے ساتھ کرتے ہیں آپ بھی کیا کریں اور ان کے ساتھ دوستانہ سلوک اختیار کریں بلکہ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ ان کی موجودگی میں اپنے باطن کو ہماری طرف متوجہ نہ رکھا کریں۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۵۳)

حضرت خواجہ میر محمد نعمانؒ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی تواضعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت مجدد علیہ الرحمۃ

اپنے حجرے میں تخت پر آرام فرما رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت خواجہ باقی باللہؒ بنفسِ نفیس آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ خادم نے آپ کو بیدار کرنا چاہا لیکن حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے نہایت مبالغہ کے ساتھ اس کو بیدار کرنے سے منع فرما دیا اور خود حجرہ کے دروازہ کے باہر نہایت ادب و نیاز کے ساتھ آپ کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ آپ حالانکہ گہری نیند سو رہے تھے لیکن ایک لمحہ بھی نہ گذرا تھا کہ فوراً اٹھ بیٹھے اور دریافت فرمایا کہ باہر کون صاحب ہیں؟ حضرت خواجہؒ نے نہایت ادب[ع] کے ساتھ فرمایا: فقیر محمد باقیؒ۔ آپ فوراً اپنے تخت سے مضطرب ہو کر اٹھے اور باہر آکر نہایت فقر و انکساری کے ساتھ آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔[1]

انہی ایام میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ عبید اللہؒ و خواجہ محمد عبد اللہؒ کو جو اس وقت شیر خوار تھے آپ کے روبرو پیش کر کے ان دونوں کے حق میں توجہ کے لئے ارشاد فرمایا، آپ نے حسب الامر توجہ فرمائی جس کے آثار اسی وقت ظاہر ہو گئے۔ اور حضرت خواجہؒ کے ارشاد کے مطابق ہر دو صاحبزادگان کی والدات کے حق میں بھی غائبانہ توجہ فرمائی۔[2] چنانچہ مکتوبات شریف میں جو ہر دو صاحبزادگان کے نام صادر ہوا ہے تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا اخیر دفعہ حضور نے اس فقیر سے فرمایا کہ بدن کی کمزوری کمال درجہ مجھ پر غالب آگئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو بلایا آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے اور فقیر سے فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی والدات کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو، حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصور نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال امر اور حضور کی وصیتِ لازمہ میں کسی قسم کی سستی یا غفلت واقع ہوئی ہو ہرگز نہیں، بلکہ آپ کے اشارہ اور اذن کا منتظر ہے۔"[3]

صاحب روضۃ القیومیہ تحریر فرماتے ہیں "بعد ازاں حضرت خواجہؒ نے

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۵۳ و ۱۵۴ - [2] ایضاً ص ۱۵۵ - [3] دفتر اول مکتوب ۲۶۶۔

[ع] سلطان اورنگ زیب کے زمانے میں "مرآۃ العالم" اور "مرآۃ جہاں نما" جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان میں بطور عجائب روزگار ان آداب کا ذکر ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے لئے بجا لاتے تھے (روضۃ القیومیہ ص ۱۱۶)

حضرت مجدد الف ثانیؒ سے فرمایا کہ ہم پر بھی توجہ کریں پہلے تو آپ نے بڑے ادب و انکساری سے معافی چاہی کہ کہیں ترکِ ادب نہ ہو جائے لیکن آخر کار جب حضرت خواجہؒ مصر ہوئے تو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں عدم تعمیلِ ارشاد کے مرتکب نہ ہو جائیں اس لئے مجبوراً آپ نے دعا اور توجہ باطنی کی حتیٰ کہ عنایتِ الٰہی سے ان (حضرت خواجہؒ) کا مقصود حاصل ہو گیا۔ خواجہ ہاشم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ شیخ تاجؒ کی زبانی سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ہم شیخ احمدؒ کی توجہ مبارک سے ان مقامات میں پہنچے جو ہم نے پہلے کبھی دیکھے نہ تھے۔ ان کی توجہ نے ہمیں توحیدِ وجودی کے مقام سے نکال کر مقاماتِ شرعیہ میں پہنچا دیا۔"

نیز صاحب روضۃ القیومیہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے جو مکتوبات اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے ہیں ان میں سے بعض میں تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے 'عزیزِ متوقف' کو فلاں مقام تک پہنچا دیا اور فلاں مقام سے فلاں مقام تک ترقی کرائی۔" جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بعض احباب نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ "عزیز متوقف سے کون صاحب مراد ہیں؟" تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا "میں ہی عزیز متوقف ہوں، مجھے ہی اشارۃً عزیز متوقف لکھتے ہیں۔[1]

واپسی سرہند | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کچھ عرصہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس سے فیضیاب ہو کر سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد پھر آپ کو حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی صحبت میسر نہ ہو سکی۔

اس سال دیگر حضرات کے علاوہ ملا عبد الرحمٰن ایک جید عالم آپ کے مرید ہوئے۔[2]

خانہ کعبہ کا نزول | جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ہمیشہ کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کا بہت شوق رہا لیکن بعض موانعات کی وجہ سے وہ شوق پورا نہ ہو سکا، اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہو گیا اور بے قراری زیادہ بڑھ گئی، ایک روز اسی بیقراری میں کشفی حالت میں کیا دیکھتے ہیں کہ جن وانس اور ملائکہ وغیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہے اور آنجناب کی طرف رُخ کر کے سجدہ کر رہی ہے جب آپ نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ کعبۂ معظمہ کی مثالی صورت نے آپ پر نزول

---

[1] [2] روضۃ القیومیہ ص ۱۱۵ و ۱۱۶

فرمایا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبۂ معظمہ کی طرف سجدہ کرتا ہے اس کا رُخ آپ ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے اسی اثنا میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبہ کے مشتاق رہتے تھے ہم نے کعبہ کو تمہاری ملاقات کیلئے بھیجا ہے بعد ازاں کعبۂ معظمہ نے حضرتؒ کی خانقاہ میں حلول کیا اور خانقاہ شریف اور مسجد کی زمین کو بیت اللہ شریف کی زمین سے پوری پوری فنا و بقا حاصل ہو گئی چنانچہ بعد میں اس متبرک جگہ کو جہاں پر کعبۂ معظمہ کی مثالی صورت نے حلول کیا تھا نشاندہی کے طور پر باقی حصے سے اونچا کر کے ممتاز کر دیا گیا تھا آج تک وہ صفہ زیارت گاہِ عام و خاص ہے [۱]

اس کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو ظاہری طور پر فریضۂ حج ادا کرنے کا شوق بے چین و بیقرار رکھتا تھا جس کا اندازہ مندرجہ ذیل مکتوب سے بخوبی ہو سکتا ہے:۔

"اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقتِ کعبہ کے ساتھ الحاق یعنی وصول میسر ہو چکا ہے اور اس الحاق کے بعد بیشمار ترقیاں حاصل ہو چکی ہیں مگر صورت کو صورتِ کعبہ کی ملاقات کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے اور راستہ کا امن بھی علیٰ سلامتی کے باعث ثابت ہو چکا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے لیکن دیر پر دیر ہوتی جا رہی ہے، سفر کا استخارہ بھی موافقت نہیں کرتا اور اگرچہ اچھی طرح سے متوجہ ہوتا ہوں پھر بھی چلنے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا کیا کیا جائے، ادائے فرض کی تاخیر میں یہ تمام عذرات فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج ادا کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلنا چاہیے اور سر اور آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہیے اگر پہنچ گئے تو نعمتِ عظمیٰ ہے اگر راہ ہی میں رہ گئے تو بھی بڑی بھاری امیدواری ہے۔" [۲]

اس قدر شوق و بیقراری اور کثرتِ اشتیاق کے باوجود آپ کو آخر عمر تک فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی بہت بڑی شرعی رکاوٹ آپ کے اس سفر کی مانع رہی ہے ورنہ آپ ضرور فریضۂ حج اور زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مشرف ہوتے۔

---

[۱] روضۃ القیومیہ ص ۱۰۱ ملخصاً [۲] دفتر دوم مکتوب ۷۲۔

تجدید کا دوسرا سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ)

لاہور کا سفر جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تیسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں فیضِ صحبت حاصل کر کے سرہند شریف واپس تشریف لے آئے، چند روز وہاں گذار کر پیر بزرگوار کے اشارہ و ارشاد کے بموجب تبلیغ دین کے لئے لاہور تشریف لے گئے چنانچہ لاہور کے چھوٹے بڑے علماء و مشائخ نے آپ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر پُرجوش استقبال کیا اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ مولانا طاہر لاہوری، مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی، خان خاناں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ بکثرت عوام و خواص آپ کے حلقۂ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے اور حلقۂ ذکر و مراقبہ بہت وسیع ہو گیا مجلسِ صحبت ہر وقت گرم رہنے لگی۔ علاوہ ازیں شیخ خواجہ فرخ حسین ماوراء النہر سے اور سید صفر احمد رومی روم سے بہت تلاش و جستجو کے بعد لاہور ہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ [1]

حضرت مولانا ہاشم کشمی قدس سرہ زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جمال تلوی علیہ الرحمہ کے ایک فاضل تلمیذ نے احقر سے بیان کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جب لاہور میں قیام پذیر تھے تو ہمارے استاذ مولانا جمال تلویؒ آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے چاہا کہ چند قدم چل کر آپ کو رخصت کریں، جب آگے بڑھے تو مولانا نے آپ کے نعلین اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیئے، شاگردوں پر آپ کا یہ افراط تواضع گراں گذرا کیونکہ ہمارے اعتقاد کے مطابق مولانا موصوف علم و ورع اور تقویٰ و صفائے باطن کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ جب ہم باہر آئے تو گستاخی کر کے ہم نے عرض کیا کہ آپ کی اس تواضع و تذلل کی کوئی وجہ نہیں؟ فرمایا یہ علماء باللہ و محرمانِ اسرارِ لی مع اللہ ہیں ان کا احترام ہم پر لازم ہے لہذا اس باب میں مجھے معذور سمجھو بلکہ ماجور و مصاب جانو۔ [2]

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۱۱۷۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۱۵۷

نیز مولانا جمال تلویؒ کے ایک اور تلمیذ بیان کرتے ہیں کہ مولانا نے ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ آپ اس وقت علمِ احکام وعلمِ اسرار کے جامع ہیں مسئلہ وحدت الوجود چنداں ظاہر شرع سے موافقت نہیں رکھتا آپ کے نزدیک اس مسئلہ کا حل کیونکر ہے آپ نے سرگوشی کر کے مولانا موصوف سے چند کلمات فرمائے، اسی وقت مولانا موصوف کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور اربابِ حال کی طرح چہرہ متغیر ہوگیا، دیر تک خاموش بیٹھے رہے اور آخر خاموش ہی رخصت ہوگئے اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے کیا کہا اور مولانا نے کیا سُنا ؎

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی کہ گفتی واز دیدہ خوں ریختی [1]

حضرت خواجہؒ کا وصال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ابھی لاہور ہی میں مقیم اور سرگرم حلقۂ ذکر وشغل تھے کہ حضرت پیر بزرگوار خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے انتقال پُرملال کی اطلاع آپ کو ملی کہ چند یوم کی علالت کے بعد ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں وصال ہوگیا ہے۔

اس جانکاہ حادثہ کی خبر پاتے ہی آپ کا آرام دل بے آرامی میں تبدیل ہوگیا، بدن پر لرزہ طاری ہوکر ہوش وحواس گم ہوگئے اور ایک آہِ سرد کھینچ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے بے اختیار بحالتِ اضطرار دہلی کی جانب روانہ ہوگئے۔ اگرچہ راستہ میں سرہند شریف تھا لیکن گھر نہ گئے۔ دہلی پہنچ کر مرشد برحق کے مزار پُرانوار کی زیارت کی، مخدوم زادوں اور پیر بھائیوں کی تعزیت کی اور صبر و دلاسا دیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہ کے اصحاب نے آپ کی صحبت وتربیت کی برکت سے اپنے شکستہ دلوں کے علاج کی درخواست کی، آپ نے بھی اپنے پیر بزرگوار کے امر ووصیت کے مطابق اور دوستوں کی خواہش پر ان کے شکستہ دلوں کی تسلی وتشفی کے لئے چند روز دہلی میں قیام کرنا منظور فرمالیا اور احباب کے احوال کی جستجو اور ارشاد وافاضہ اور حلقۂ ذکر میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ نئے سرے سے تربیت وارشاد کی اس محفل میں سرگرمی وتازگی پیدا ہوگئی اور طالبوں کے باطن میں آثارِ توجہات وانوارِ جذبات جلوہ گر ہوگئے [2]

اسی اثنا میں شیطان نے بعض کو ورغلا کر آپ کا مخالف بنادیا، آپ نے ہرچند

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۵۷۔ [2] ایضاً ص ۱۵۸۔

پند نصیحت کی اور سمجھانا چاہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا آخر آپ دہلی سے روانہ ہو کر سرہند شریف تشریف لے آئے۔ اس کے بعد صرف ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے عرس پر دہلی تشریف لے گئے اور دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا، البتہ اخیر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ بعض شہروں پر آپ کا گذر ہوا تو وہاں کے اکثر حضرات آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۶۸)

حضرت غوث الاعظمؒ کا خرقہ پیش ہونا

اس سال وہ خرقہ شریفہ جو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادے سید تاج الدین عبد الرزاق قدس سرہٗ کو تفویض فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئیگا جس میں ایک بزرگ وحید امت پیدا ہوگا جو دینِ اسلام کو نئے سرے سے زندگی بخشے گا اور شرک و الحاد کو نابود کر دیگا یہ خرقہ اس بزرگ کو عنایت کرنا۔ چنانچہ وہ خرقہ سید صاحب کے جانشینوں میں یکے بعد دیگرے امانتاً چلا آتا تھا حتیٰ کہ جب حضرت مجدد قدس سرہٗ کو تجدید و قیومیت کی خلعت سے نوازا گیا تو حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ نے عالمِ رؤیا میں اپنے پوتے حضرت شاہ سکندرؒ[عـه] قدس سرہٗ سے فرمایا کہ یہ خرقہ قیومیت مآب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو پہنچا دو۔ جب دو تین بار ایسا ہی خواب دیکھا تو شاہ سکندرؒ خرقہ مبارک لے کر کیتھل سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے[۱]، آپ اس وقت دوستوں کے ساتھ مراقب تھے۔ شاہ سکندرؒ نے خرقہ مبارک آپ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ جب حضرتؒ نے آنکھ کھولی اور شاہ سکندرؒ کو دیکھا تو تواضع کے ساتھ معانقہ فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے وصال کے وقت یہ جبہ مبارک بطورِ امانت میرے سپرد کیا تھا اب چند مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جبہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ چنانچہ آپ نے اس جبہ متبرکہ کو پہن لیا پھر اس کو پہنے ہوئے زنانخانہ میں تشریف لے گئے۔

جب کچھ دیر کے بعد باہر تشریف لائے تو آپ نے اپنے کسی محرمِ اسرار دوست ؎

عـه حضرت شاہ سکندر بن شاہ عماد الدین بن حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس اللہ سرہم کی کیتھل میں ولادت ہوئی بچپن ہی میں اپنے جدِ امجد کی صحبت میں روحانی اور باطنی علوم کی تکمیل کی۔ آپ کے احوال و مواجید و خرق عادات میں حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ کا ورثہ حاصل تھا اور ایک مدت تک جذبات و حالاتِ عظیمہ کا فیض جاری رہا۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آفتاب کو دیکھنا آسان ہے لیکن حضرت شاہ سکندر کے قلب کو نورانیت کے غلبے کے سبب نگاہ کو دیکھنے کی تاب نہیں آپ کی وفات ۱۰۲۳ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار پرانوار قصبہ کیتھل ضلع کرنال میں ہے۔ (زبدۃ المقامات و دربار داری)

۱؎ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۰۸

فرمایا کہ اس خرقۂ مبارک کے حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ کو پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا کہ مجھ پر قادریہ نسبت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ نقشبندیہ نسبت پر غالب آگئی پھر ذرا وقفہ کے بعد نقشبندیہ نسبت اس پر غالب آگئی، چند مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ کبھی وہ نسبت غالب آجاتی اور کبھی یہ، اتنے میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ حضرت شاہ کمال رحمہم اللہ تک اپنے تمام خلفاء حضرات کے ہمراہ تشریف لائے، میرے دل کو اپنے تصرف میں کیا اور اپنے انوار و اسرار اور نسبت ہائے خاصہ سے مجھے نوازا، میں اُن انوار و احوال میں غرق ہوکر اس دریائے نور میں غواصی کرنے لگا، جب کچھ دیر اسی حالت میں گذر گئی تو مجھے خیال آیا کہ میں تو اکابرِ نقشبندیہ کا پروردہ ہوں اب یہ صورت کیا ہو گئی ہے؟ اس خیال کے آتے ہی مشائخِ نقشبندیہ کے خلفاء حضرات بھی حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ سے ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک تشریف لے آئے اور حضرت خواجہ سید بہاؤالدین قدس سرہٗ نہایت ادب کے ساتھ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے پہلو میں بیٹھے اور دونوں سلسلوں کے حضرات میں تکرار ہونے لگی۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارا پروردہ ہے اور ہماری تربیت سے اس ذوق و حال اور کمال و اکمال کو پہنچا ہے آپ حضرات کو اس پر کس طرح حق حاصل ہے۔ اکابرِ قادریہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ایامِ طفولیت ہی سے ہماری نظر اس پر رہی ہے اور یہ ہمارے ہی خوانِ نعمت کی چاشنی چکھے ہوئے ہے اور اب بھی ہم نے اس کو اپنا خرقہ پہنایا ہے ؎

زہے آں بتِ چوں شمع و چوں گل گرفتہ جنگ با پروانہ بلبل

یہ مباحثہ جاری تھا کہ مشائخِ کبرویہ و مشائخِ چشتیہ رحمہم اللہ کی جماعت بھی آپہنچی اور انھوں نے مصالحت کرادی اس کے بعد میں نے ان دونوں نسبتوں سے کامل و وافر حصہ اپنے باطن میں پایا۔ الغرض آپ سلسلۂ قادریہ میں بھی مرید کرتے تھے اور اُن مشائخ کا شجرہ و کلاہ و دامنی بھی دیتے تھے اور اگر کوئی طالب اس سلسلہ کا ذکر طلب کرتا تھا تو اس کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی نسبت سے طالب کی تربیت کرتے تھے۔ آپ کو سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے اجازتِ ارشاد حاصل تھی۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۳۴، ۱۳۵)

حضرت خواجہ ہاشم کشمی اور مولانا بدرالدین سرہندی علیہما الرحمہ اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں کہ اس دن اس قدر اولیائے امت کی روحیں سرہند شریف میں تشریف لائیں کہ ہر جگہ ہر طرف وہی نظر آتی تھیں اور صبح سے ظہر تک یہی مناظرہ و مذاکرہ ہوتا رہا آخر سب نے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ لطف و کرم ہر ایک کو تسلی و دلاسا دیا اور فرمایا کہ تم سب اپنی اپنی نسبتیں اس عزیز کو دیدو جو شخص اس سلسلے میں داخل ہوگا اس کا اجر تم کو بھی مل جائے گا اور اس کے ذریعہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اشاعت زیادہ ہوگی کیونکہ اسے نسبتِ معہود اسی سلسلے سے حاصل ہوئی ہے اور اس سلسلے کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں نیز اس طریقہ میں اتباعِ سنت اور امورِ بدعت سے کنارہ کشی صدر درجہ ہے[1]۔ یہ واقعہ پیر کے دن ۱۵ ر شعبان ۱۰۱۲ھ کو تجدید و قیومیت کے دوسرے سال پیش آیا۔[2]

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی وفات کے بعد آپ کے مسوّداتِ مکاشفۂ خاصہ میں سے ایک مسودہ ملا جس میں چار دائرے بنے ہوئے تھے، ایک دائرے میں ولایت بالفتح لکھی ہوئی تھی اور دائرہ چہارم میں کمال مطلق لکھا ہوا تھا اور اربابِ دوائرِ اربعہ میں آپ نے بعد صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اخص الخواص سے شمار کیا تھا، ان دائروں کے حاشیے پر مراتب و مقامات لکھے تھے جو آپ نے اپنے مکاشفہ میں معائنہ کئے تھے اور ان دائروں کے درمیان مشائخِ طریقت کے دس بارہ نام لکھے ہوئے تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا نام بھی آپ نے انہی دس بارہ شخصوں کے درمیان تحریر فرمایا تھا[3]

اسی سال کے دوران سید صدر جہاں اور خانِ اعظم جو اکبر بادشاہ کے مقرب وزراء میں سے تھے حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے مرید ہوئے۔

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۱۰۹ [2] ایضاً ص ۱۱۱ - [3] زبدۃ المقامات ص ۱۵۶ -

تجدید کا تیسرا[۳] سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۴ھ)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے وصال پر حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ تعزیت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بعض حضرات کی مخالفت کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہو کر سرہند تشریف لے آئے۔ اس کے نتیجہ میں مخالفین کے باطنی حالات و کیفیات میں فرق آ گیا تو یہ حضرات بہت گھبرائے اور خواجہ حسام الدین احمدؒ اور مولانا محمد قلیچ خانؒ کو جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے برادر نسبتی تھے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی غلطی سے آگاہ کیا اور استدعا کی کہ آپ ہماری طرف سے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں معافی کی درخواست کریں چنانچہ اُن کی درخواست پر حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

"بعض دوستوں کے بارے میں (آپ نے) تحریر فرمایا تھا، اس فقیر نے ان کے قصوروں کو معاف کیا، اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے معاف فرمائے، لیکن دوستوں کو نصیحت کریں کہ حضور و غیبت میں آزار و تکلیف کے درپے نہ ہوا کریں ... ... خاصکر میاں اللہ داد کے بارے میں لکھا ہوا تھا فقیر کو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن مشارٌالیہ کے لئے اپنی وضع کے بدلنے سے نادم ہونا ضروری ہے ..... معاف کرنا اس تقدیر پر مطلوب و متصور ہے کہ وہ لوگ اپنی وضع کو بُرا جانیں اور اس سے پشیمان ہوں ورنہ عفو کی گنجائش نہیں ہے ...... میرے مخدوم! وہ سلب کرنا اختیار میں نہ تھا جیسا کہ بالمشافہ تذکرہ آ چکا ہے وہ سلب اب بھی بدستور ہے زائل نہیں ہوا ..... آگ کے انگارے کو جب سرد کرتے ہیں اور آگ اس سے دور ہو جاتی ہے تو پانی ڈالنے کے بعد بھی اس میں آواز باقی رہتی ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابھی آگ اس میں پوشیدہ ہے واقعات کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ بات اگر آج پوشیدہ ہے تو منتظر رہیں انشاء اللہ تعالیٰ کل ظاہر ہو جائے گی۔ (دفتر اول مکتوب ۳۲)

اسی سال خان خاناں اور شیخ فرید الملقب بہ مرتضیٰ خاں نے جو پہلے حضرت خواجہ علیہ رحمہ کے مرید تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تجدید بیعت کی۔

اندازہ ہے کہ اسی سال حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے پیر بزرگوار کی یاد میں ان کی دو رباعیوں کی شرح فرما کر اپنے خستہ و غمگین دل کے لئے تسکین کا سامان مہیا کیا۔

تجدید کا چوتھا سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۴ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۵ھ)

جیسا کہ ولادتِ باسعادت کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں اکبر بادشاہ کا دور دورہ تھا جس کی وجہ سے نہایت درجہ بے دینی پھیلی ہوئی تھی، بادشاہ رعایا کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے ہٹا کر اپنی چوکھٹ پر جھکنے اور سجدہ کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا منظر دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی رگوں میں اسلامی خون جوش زن ہوا، آپ نے خان خاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ کے ذریعے بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے۔ یہ حضرات اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معتقد و مرید بھی تھے۔

چنانچہ یہ حضرات بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس کو ہر طرح سمجھایا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی روحانی قوت سے خوف دلایا۔ غرضیکہ بہت قیل و قال کے بعد بادشاہ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ "لوگوں کو اختیار ہے خواہ وہ دینِ اسلام پر رہیں یا بادشاہ کے اختراعی طریقے میں شامل ہو جائیں اور کسی پر سجدۂ تعظیمی کرنے کے لئے بھی جبر نہ کیا جائے گا۔"

علاوہ ازیں بادشاہ نے اپنے درباریوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک دن مقرر کیا جس میں سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے والوں کا خیمہ الگ تھا جو معمولی درجہ کا تھا اور شاہی معتقدین کا خیمہ الگ تھا جو نہایت شاندار طریقے پر پُر تکلف کھانوں سے آراستہ کیا گیا تھا، اکبر بادشاہ درمیان میں ایک غرفہ میں بیٹھا ہوا درباریوں کی آمد و رفت ملاحظہ کر رہا تھا کہ اتفاقاً عین دربار کے وقت نہایت تند و تیز ہوا چلی جس کی وجہ سے شاہی درباریان کا خیمہ اکھڑ گیا اور لوگوں کے بہت چوٹیں آئیں، خود بادشاہ بھی نہ بچ سکا اس کے بھی کسی چیز کے لگ جانے سے چوٹ آئی، لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

چلنے والوں کا خیمہ جوں کا توں اپنی آب و تاب سے کھڑا رہا اور کسی کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد بروز سہ شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو اکبر بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

اکبر بادشاہ کی موت[ع] خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی مرحوم "تاریخ ہندوستان" ص ۸۶۳ ۵۷۰ میں تحریر فرماتے ہیں" اکبر نے ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی اور ملا عبد القادر کی تاریخ ۱۰۰۴ھ پر ختم ہو جاتی ہے، ابو الفضل کی موت ۱۰۱۱ھ میں واقع ہوئی اور اکبر کے مرنے سے اس کی آئین اکبری اور اکبر نامہ ختم ہو گئے اس لئے اکبر کے مذہبی خیالات کے تغیرات کا ذکر آخر کے دس سال میں کسی مورخ نے نہیں لکھا، شہنشاہ اکبر کے مذہبی خیالات ہمیشہ بدلتے رہتے تھے معلوم نہیں کہ ان آخری دس سال میں کیا تغیر پیدا ہوا۔ جہانگیر کی توزک جہانگیری کا ترجمہ انگریزی زبان میں میجر پرائس نے کیا ہے ترجمہ میں یہ فقرہ ہے" شہنشاہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر

ع شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بن ہمایوں بن بابر بن عمر بن سلطان ابو سعید بن سلطان محمد بن میران شاہ بن قطب الدین صاحب قران امیر تیمور گورگان بروز اتوار ۵ رجب ۹۴۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو حمیدہ بانو کے بطن سے قلعہ عمر کوٹ ضلع تھر پارکر سندھ میں اسوقت پیدا ہوا جب ہمایوں، شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ آخر ہمایوں ایران چلا گیا اور اکبر کابل میں اپنے چچا مرزا عسکری کے زیر سایہ پرورش پاتا رہا۔ جب ہمایوں نے چار سال بعد شاہ طہماسپ صفوی کی مدد سے کابل فتح کیا تو اکبر اپنے ماں باپ سے ملا۔ ہمایوں نے اپنے وزیر بیرم خاں کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا جس کی نگرانی میں اس نے فنون جنگ اور طرز جہانبانی تو سیکھ لئے لیکن تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کر لی لیکن تقریباً چھ ماہ بعد ۱۵۵۶ء میں جبکہ اکبر کی عمر بمشکل چودہ سال ہوگی ہمایوں کتب خانہ کے زینہ سے گر کر فوت ہو گیا، اور بروز جمعہ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کو اکبر کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا، چار سال تک، وہ اپنے اتالیق بیرم خان کی نگرانی میں حکومت کرتا رہا بعد ازاں تمام انتظامات اس نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ شروع میں اس نے فتوحات پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور تمام شمالی ہندوستان اپنے زیر نگیں لے آیا اس کی سلطنت میں کشمیر، افغانستان، سندھ اور گجرات شامل تھے۔ اس نے انتظام سلطنت میں نمایاں کامیابی حاصل کی یہ وہ نہایت ذہین اور ذکی الطبع انسان تھا، ناخواندہ ہونے کے باوجود اس نے جو تجربات کئے اور جو اصلاحات نافذ کیں وہ پڑھے لکھوں کے لئے بھی قابل رشک ہیں، شروع میں وہ مذہب اسلام کا بڑا پابند تھا علماء کی قدر کرتا اور بزرگان دین سے عقیدت رکھتا تھا بعد میں شیخ مبارک ناگوری اور اس کے لڑکوں فیضی و ابو الفضل کے اثر سے نہ صرف آزاد خیال ہو گیا بلکہ اس نے دین الٰہی کے نام سے ایک دین بھی رائج کیا تھا جس کو نہ اس کی زندگی میں کوئی مقبولیت حاصل ہوئی اور نہ وہ اس کے انتقال کے بعد جاری رہ سکا، بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آخر عمر میں اکبر اپنے غلط عقائد سے تائب ہو کر پھر ایک سچا مسلمان بن گیا تھا واللہ اعلم، تقریباً پچاس سال حکومت کر کے منگل ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو انتقال کیا۔ آگرہ سے چار میل فاصلہ پر سکندرہ میں مزار ہے۔

لہ روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۲۶ -

جنتی مسلمانوں کی طرح وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔" مگر اس مضمون کا کوئی فقرہ اس تزک جہانگیری میں نہیں ہے جو سر ڈاکٹر سید احمد خان بہادر نے ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء میں چھپوایا ہے۔ شمس العلماء موصوف نے جلد ششم میں تحریر فرمایا ہے "جہانگیر نے چھوٹی تزک میں اپنے باپ کے مرنے کا حال بہت دلچسپ لکھا ہے (اس میں درج ہے) روز سہ شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو میرے باپ و مرشد کا سانس تنگ ہوا اور وقت رحلت نزدیک آگیا فرمایا "بابا (جہانگیر کو خطاب کیا) کسی آدمی کو بھیج کر میرے کل امراء اور دمتولوں کو بلالو تاکہ میں تجھ کو اُن کے سپرد کردوں اور اپنا کہا سنا اُن سے معاف کراؤں انھوں نے برسوں میری ہمرکابی میں جانفشانی کی ہے ـــــ امراء حاضر ہوئے ـــــ بادشاہ نے ان کی طرف متوجہ کر کے اپنا کہا سنا معاف کرایا اور چند فارسی اشعار پڑھے، میران صدر جہاں حاضر ہوئے اور دو زانو ادب سے بیٹھ کر کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا۔ بادشاہ نے خود بھی اپنی زبان سے بلند آواز کے ساتھ کلمۂ شہادت پڑھا اور میران صدر جہاں سے فرمایا کہ سرہانے بیٹھ کر سورۂ یٰسین اور دعاء عدیلہ پڑھیں جب میران صدر جہاں نے سورۂ یٰسین پڑھ کر دعاء عدیلہ ختم کی تو بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور جان جان آفریں کو سپرد کی۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی ص۱۰۱ بحوالہ خلاصہ ص۲۸۱ تا ص۲۸۶ جلد ششم تاریخ ہندوستان)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:-

" امام احمد و امام ابوداؤد رحمہما اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اس مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے لعنت ہے۔ اور مطالب المومنین میں ہے کہ عورت مرد کی مشابہت نہ کرے اور نہ ہی مرد عورت کی مشابہت کرے کیونکہ ایسا مرد اور ایسی عورت دونوں ملعون ہیں۔"

(مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۳۱۳)

تجدید کا پانچواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۵ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ)

اس سال حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں دور دراز ممالک کے بہت سے مشہور علماء و مشائخ داخل ہوئے۔ مثلاً شیخ طاہر بدخشی نے شاہِ بدخشاں کی رفاقت چھوڑ کر ہندوستان کا رُخ کیا۔ راستے میں مولانا صالح کولابی، طالقان کے ایک جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، شیخ احمد برکی، مولانا یار محمد اور مولانا شیخ یوسف بھی ساتھ ہو گئے، بالآخر یہ سب حضرات سفر کی دشوار گزار منزلیں طے کرتے ہوئے سرہند شریف پہنچے اور حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر شرفِ زیارت و بیعت سے مشرف ہوئے آپ نے سب پر شفقت و عنایت کی نظر فرمائی۔

شیخ احمد برکیؒ کو ایک ہفتہ اپنی خدمت میں رکھا اور خلعتِ خلافت و قطبیت سے سرفراز فرما کر وطن کو رخصت کر دیا، چنانچہ شیخ احمد برکی کو اپنے وطن میں بڑی قبولیت نصیب ہوئی، خراساں، بدخشاں اور توران کے ہزارہا اشخاص آپ کے مرید ہوئے۔

اسی زمانے میں شیخ حسن کو اور شیخ یوسف کو بھی خلافت عطا فرما کر واپس کیا۔

مولانا صالح کولابی کو کچھ عرصے اپنی خدمت میں رکھ کر خلافت عطا فرما کر طالقان کی طرف روانہ فرمایا۔

مولانا قاسم علی کو بھی خلافت عطا فرما کر ماوراء النہر روانہ کیا۔

ان سب حضرات نے ان علاقوں میں دینِ اسلام کی بہت تبلیغ کی[1]

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۱۲۸ و ۱۲۹۔ اندازہ ہے کہ اس سال معارف لدنیہ کی تکمیل ہوئی۔

تجدید کا چھٹا سال

(۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ)

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے طریقۂ علیہ مجددیہ کی اشاعت خراسان، بدخشان اور توران میں اسقدر ہوئی کہ وہاں کا کوئی شہر، گاؤں یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلۂ عالیہ کے خلفاء نہ پہنچ گئے ہوں اور وہاں کے بڑے بڑے آدمی ان کے معتقد نہ ہو گئے ہوں۔ شیخ طاہر بدخشی کو بھی اسی سال خلافت سے مشرف فرمایا۔

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خوشخبری دی گئی کہ آپ کا تمام سلسلہ قیامت تک جتنا ہوگا سب بخشدیا جائیگا چنانچہ آپ اس نعمت کے شکر کا اظہار اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور جو کچھ تیرے پروردگار کا (تجھ پر) انعام ہو تو اسے بیان کر دیا کر) یہ فقیر اپنے دوستوں کے حلقہ میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور اپنی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا یہ فکر اس حد تک غالب آچکی تھی کہ اپنے آپ کو (درویشی کی) اس وضع میں بغیر کامل مناسبت کے محسوس کر رہا تھا اسی عرصہ میں بمصداق مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو اللہ کے لئے انکساری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور بلند فرما دیتا ہے) (کارکنانِ قضاء و قدر نے) اس دُور افتادہ کو ذلت کی خاک سے اٹھایا (اور مزید بلند کر دیا) اور میرے باطن میں یہ ندا دی کہ غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ اِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (میں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیرے وسیلے سے مجھ تک پہنچیں، خواہ یہ وسیلہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ) ...... اس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس واقعہ کو ظاہر کر دوں۔" (مبداء و معاد منہاج ۵ ص ۱۷)

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے عرس پر دہلی تشریف لے گئے تو مخالفین حضرات ننگے سر اپنی دستاروں کو گلے میں ڈالے شہر سے کئی میل باہر استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور بالمشافہ بھی اپنے قصوروں کی صدق دل سے معافی چاہی آپ نے سب کو معاف فرما دیا۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۲۴)

تجدید کا ساتواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ)

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس قدر بیمار ہوئے کہ نصیبِ دشمناں، امیدِ زیست نہ رہی لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فضل فرمایا اور تھوڑے ہی دنوں میں آپ کو صحتِ کلی حاصل ہوگئی۔[۱]

شیخ فضل اللہ علیہ الرحمہ برہان پوری اپنے زمانے کے بڑے مشائخ میں سے تھے جب ان کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تجدید و قیومیت کا علم ہوا اور انھوں نے آپ کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنی چاہی تو بعض حاسدین نے آپ کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا۔ چونکہ شیخ صاحب باکمال بزرگ تھے اس لئے انھوں نے اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ایک ذی استعداد مرید کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا چنانچہ وہ تین ماہ خانقاہ شریف میں رہ کر حضرتؒ کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہا اور آپ کا معتقد ہوگیا۔ واپسی کے وقت اس نے اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی تو آپ نے اس کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس مرید کے واپس پہنچنے پر شیخ فضل اللہؒ بھی حضرت کے معتقد ہوگئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اطرافِ سرہند سے آپ کے پاس مرید ہونے کی غرض سے آتا تو فرماتے کہ "آفتاب کو چھوڑ کر ستاروں کی طرف رجوع کرنا برا ہے"۔[۲]

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے خواجہ میر محمد نعمانؒ کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا۔ اس علاقہ میں میر صاحب کے ارشاد و ہدایت نے یہاں تک ترقی کی کہ مراقبے کے لئے خانقاہ میں کئی سو سوار اور بے شمار پیادے حاضر ہوا کرتے تھے، یہ زمانہ چونکہ جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے ابتدائی دور کا تھا اور وہ اپنی کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے ایسے مجمع کو خطرے سے خالی نہ سمجھتا تھا اس لئے اس نے میر صاحب موصوف کو دکن سے بلا کر اپنے پاس رکھا۔[۳]

---

[۱] و [۲] روضۃ القیومیہ ص ۱۳۴ و سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی ص ۸۳ [۳] حضرات القدس ص ۲۶۹

تجدید کا آٹھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ تا ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ)

شیخ حسن غوثی علیہ الرحمہ بھی ہندوستان کے بلند پایہ علماء میں سے تھے، ان کو بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مدارجِ کمالات میں شبہ تھا لیکن تحقیق کے بعد انھوں نے توبہ کی اور آپ کے تمام کمالات کا اعتراف کیا اور اولیا کے احوال میں جو تذکرہ لکھا ہے اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے احوال میں یہ عبارت درج ہے: "بالانشینِ مسندِ محبوبیت، صدر آرائے محفلِ وحدانیت، خدیوِ مقامِ فردیت وقطبیت، صاحبِ مرتبۂ قیومیت وتجدیدِ الف"۔

ہندوستان کے ایک رئیس تربیت خاں کے ہاں کسی تقریب کے موقع پر چند علما بھی مدعو تھے رئیس موصوف نے ان سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بارے میں دریافت کیا تو ایک عالم نے کہا کہ حضرت کے اوضاع واطوار دیکھ کر نہ صرف یہ کہ حضرتؒ سے میری عقیدت بڑھ گئی بلکہ گزشتہ اولیاءؒ کی عظمت بھی میرے دل میں قائم ہو گئی۔ دوسرے عالم نے کہا کہ کتابیں تصنیف ہوتی ہیں یا تالیف؛ ایک عرصے سے تصنیف کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا صرف تالیف رہ گئی تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے تمام مکتوبات ورسائل تصنیفات ہیں جو آپ کی علوِ شان کی شاہد ہیں کیونکہ میں نے ان کا بغور مطالعہ کیا ہے آپ نے کسی دوسرے کی عبارت کا کہیں حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اپنے حاصل کردہ علوم واسرار بیان فرمائے ہیں۔ ایک اور عالم نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو شخص ایک ادب کے ترک کو اپنے لئے حرام سمجھتا ہو اُس کا کلام کس طرح شریعت سے ہٹا ہوا ہو سکتا ہے اُن کے کلام اور شریعت میں بال برابر بھی فرق نہیں لیکن بات یہ ہے کہ اہلِ زمانہ کا مزاج اُن کے حقائق سمجھنے کے لائق نہیں ہے وغیرہ ——— ان حقائق کو سن کر تربیت خاں اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوا اور باقی عمر آپ کی خدمت میں گذار دی اور مرنے کے بعد بھی حضرتؒ کے روضۂ شریفہ کے بالکل قریب دفن ہوا۔

(روضۃ القیومیہ رکن اول ۱۳۶)

تجدید کا نواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ)

اس سال کے حالات میں صاحبِ روضۃ القیومیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ لطف و کرم حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہٗ کو اپنا مکون و مزور بنایا" ــــــ "مکون" اور "مزور" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جب شیخ کامل چاہے کہ اپنے کمالاتِ خاصہ کو مرید میں القا کرے تو مرید اس کے تصرف و توجہ سے شیخ کی ر[ن]گ اختیار کر جائے اور اس کے حقائق و[ر] دقائق سے متحقق ہو جائے حتیٰ کہ مرید کی صورت بھی شیخ کی صورت ہو جائے[1] ــــــ (اس بات کو سمجھنے کے لئے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی توجہ شریفہ سے نانبائی کا حضرت خواجہ کے ہمشکل بن جانا مثال کے لئے کافی ہے)۔

علاوہ ازیں اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے بعض کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

اسی سال خواجہ محمد اشرف کابلی اور شیخ میرک حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ شیخ میرک شہزادہ دارا شکوہ[عہ] کے استاد تھے۔ چنانچہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں اپنے استاد کا آپ سے بیعت ہونا لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ "میرے استاد بہت چھان بین کے بعد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے"[2] ۔ اسی سال رسالہ مبدا و معاد [illegible] مکمل ہوئے۔

---

[1] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۳۸ [2] سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۸۲

[عہ] دارا شکوہ، شاہجہان کا سب سے بڑا لڑکا تھا، اس کی ولادت ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۶۱۵ء میں ہوئی، وہ فارسی، عربی اور سنسکرت زبان میں تبحر رکھتا تھا۔ مذہب اسلام کے ساتھ ساتھ اس نے ہندو مذہب کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس میں کچھ ایسی رواداری پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اسلام کے ساتھ دیگر مذاہب کو بھی حق سمجھنے لگا تھا۔ اسلامی شریعت سے زیادہ وہ ایک ایسے تصوف کا قائل تھا جس میں ایمان اور کفر کا فرق مٹ جاتا ہے، وہ پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے ویسی ہی عقیدت رکھتا تھا جیسی مسلمان اولیا و صوفیہ سے۔ اُس کے اِن عقائد اور خیالات نے سُنّی مسلمانوں کو اس سے بدظن کر دیا تھا اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ اگر اس کو حکومت مل گئی تو ایک مرتبہ پھر دورِ اکبری مع اپنے الحاد و بددینی کے لوٹ آئے گا۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تجدید کا دسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ)

اس سال شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ کے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰنؒ رؤیائے صادقہ کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے بیعت کے لئے بدخشاں سے حاضر ہوئے۔ آپ نے کمال شفقت و مہربانی سے ان کو حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔[1]

اسی سال شیخ بلخی بھی جو اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں سے تھے آپ کے مرید ہوئے انھوں نے اپنے مرید ہونے کا یہ سبب بتایا کہ ایک رات میں نمازِ تہجد کے بعد خواجہ محمد زاہد بلخیؒ کے خلیفہ خواجہ صدرالدین کی روحِ پُر فتوح کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی کہ آپ تو اس دارِ فانی سے تشریف لے گئے اور میرا کام تا حال سرانجام نہیں ہوا لوگ مجھے شیخ سمجھ کر مرید ہونے کے لئے آتے ہیں، آپ کسی ایسے بزرگ کا پتہ دیں جو اس زمانہ میں فائق تر ہو تاکہ میں اس سے تکمیل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند شریف جاؤ۔" چنانچہ شیخ بلخیؒ حاضر ہو کر مرید ہوئے۔[2]

بروز جمعہ ماہ جمادی الاخری ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے صاحبزادۂ اعظم حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔[3]

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اورنگ زیب عالمگیر بھی جو شریعت کے بے حد پابند تھے اسی لئے داراشکوہ کے مخالف تھے ان مخالفتوں کے باوجود شاہجہان، داراشکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے ۱۰۶۵ھ میں بادشاہ بیمار ہوئے، دارا نے ان کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر امورِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ عالمگیر کو اطلاع ہوئی تو انھیں مجبوراً مقابلہ میں آنا پڑا۔ پہلے ساموگڑھ کے مقام پر دارا کو شکست دی اور دارالحکومت پر قبضہ کر کے امورِ مملکت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اجمیر کے قریب دارا نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد گرفتار کر لیا گیا اور ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۶۵۹ء کو قتل کر دیا گیا۔ اس کا جسدِ خاکی ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔ اس کی تصنیف میں سفینۃ الاولیا مشہور ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا۔ [1] روضۃ القیومیہ ص ۱۴۱۔ [2] میر مومن بلخی کے نام مکتوب صادر ہوا ہے شاید یہی ہوں۔ واللہ اعلم [3] روضۃ القیومیہ ص ۱۴۲۔ [4] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۹۱۔

تجدید کا گیارہواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ)

اس سال حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے ایک روز حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ "میں اپنے آپ کو ایک ایسا نور پاتا ہوں کہ تمام عالم اس سے منور ہے اور وہ نور عالم کے ہر ذرہ میں ساری ہے جیسا کہ آفتاب کا نور کہ اس سے تمام عالم منور ہے۔" حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "اے فرزند! تم اپنے وقت کے قطب ہوگے، میری اس بات کو یاد رکھنا" —— چنانچہ مخدوم زادہ علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت عالی منقبتؒ نے مجھ کو چودہ سال کی عمر میں قطبیت کی بشارت دی تھی اور الحمد للہ کہ قیومیت کی خلعت کے عطا ہونے سے دس گیارہ سال پہلے یہ خوشخبری پوری ہوگئی اور اس بشارت کے اثرات حاصل ہوئے۔"[۱]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معتقدین و مریدین کی تعداد میں جہاں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا وہاں کچھ حاسدین و ناقدین بھی پیدا ہوگئے تھے حتی کہ وہ آپ کی اہانت و خفت کے درپے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ فی الواقع قیوم و مجدد الف ثانی ہیں تو ہمیں کوئی کرامت دکھائیں جس طرح کہ پیغمبر اپنے زمانے میں معجزہ دکھاتے تھے —— حضرتؒ کو ان لوگوں کی باتوں کا علم ہوا تو فرمایا "ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارا دل یہی چاہتا ہے تو آؤ مباہلہ کرلو" —— جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ حضرتؒ مباہلہ کے لئے تیار ہیں تو وہ مباہلہ سے خائف ہو کر طالبِ کرامت ہوئے اور حسب منشا کرامت کے ظاہر ہونے پر توبہ کی اور حاضرِ خدمت ہو کر مرید ہوگئے۔[۲]

---

[۱] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۳۳ [۲] روضۃ القیومیہ ص ۱۴۴ تا ۱۴۷ ملخصاً۔

تجدید کا بارہواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ)

اس سال مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ جو علماء کے سرتاج اور تصانیف عالیہ کے مصنف تھے اور بہت سی کتابوں پر حواشی و شروح بھی لکھی ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کی تصانیف دیکھکر معتقد ہو گئے اور پھر حاضرِ خدمت ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو "امامِ ربانی، محبوبِ سبحانی، مجدد الف ثانی" تحریر کیا تھا۔ اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ مسمی بہ دلائل التجدید لکھا ہے جس میں نہایت قوی دلائل اور براہین سے آپ کو مجدد الف ثانیؒ ثابت کیا ہے۔[۱][۲]

اسی سال شیخ حمید جو ایک کامل صاحبِ استعداد بزرگ تھے اور اکبر آباد میں رہتے تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اکبر آباد تشریف لیجانے پر مرید ہوئے۔ حضرتؒ نے کچھ عرصہ بعد آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر بنگالہ کی طرف جانے کی اجازت فرمائی جہاں آپ کو شہرتِ عامہ نصیب ہوئی اور آجتک شیخ حمید کا طریقہ اس ملک میں رائج ہے۔[۳]

میر یوسف سمرقندیؒ نے جو پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مرید تھے بعد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے تجدید بیعت کی پھر کسی کام سے اپنے وطن چلے گئے تھے، اسی سال واپس آئے تو مرض الموت میں مبتلا ہو گئے، آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کی درخواست پر سلوک طے کرا دیا بعد ازاں آپ نے وفات پائی۔[۴]

صاحبِ روضۃ القیومیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شب صاحبزادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ حجرے میں آرام فرما رہے تھے کہ جنات نے آکر صحن میں کھیلنا شروع کر دیا اور شرارت کے طور پر دروازے کھٹکھٹانے لگے اور چاہتے تھے کہ اندر داخل ہو کر صاحبزادہ موصوف کو پریشان کریں۔۔

---

[۱] روضۃ القیومیہ ص ۱۵۰ [۲] آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک اور مستقل اور بے نظیر کتاب بھی تالیف ہو چکی ہے جس کا نام شواہد التجدید ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی کے کتبخانہ میں موجود ہے نیز بھوپال کی خانقاہ عالیہ مجددیہ میں بھی اس کا قلمی نسخہ موجود ہے [۳] تا [۴] روضۃ القیومیہ ص ۱۴۹ تا ۱۵۱۔

اُن کے اس شور و غوغا سے صاحبزادہ محمد سعیدؒ کی آنکھ کھل گئی، ساتھ ہی حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ بھی بیدار ہو گئے اور آپ نے زور سے کھنکار کر فرمایا "محمد سعید دروازہ نہ کھولنا"۔۔۔۔ جنّات نے جونہی آپ کی آواز سُنی تو آپس میں کہنے لگے کہ حضرت بیدار ہو گئے ہیں بس بھاگ چلو ورنہ ہلاک کر دیں گے، چنانچہ وہ سب جنّات بھاگ گئے۔۔۔ بعد ازاں حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جنّات کے بادشاہ کو بُلایا وہ حاضرِ خدمت ہوا تو اس نے آپ سے معافی مانگی اور جو جنّات صاحبزادہ موصوف کو ستانے کا ارادہ رکھتے تھے ان کو ہلاک کر دیا اور جسقدر جنّات خانقاہ کے گرد و نواح میں آباد تھے ان کو وہاں سے نکال دیا۔ پھر شاہِ جنّات نے مرید ہونے کیلئے منت و سماجت کی تو آپ نے جنّات کے بادشاہ کو مع اس کے لشکر کے مرید فرمالیا۔[1]

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ جنات سے متعلق مبدأ و معاد میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دن جنات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔ اس فقیر نے دیکھا کہ جنّات گلی کوچوں میں انسانوں ہی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں اور ہر جنّ کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے وہ جنّ اس فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اُٹھا سکتا اور اپنے دائیں بائیں دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مقید اور محبوس (قیدیوں) کی طرح گھوم رہے تھے اور قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے۔ اور اس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مؤکل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے اگر وہ اس جنّ سے ذرا سی مخالفت کا بھی احساس کرے تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دے۔"[2]

خدائے کہ بالا و پست آفرید زبردستِ ہر دست، دست آفرید

خدا نے بنایا ہے بالا و پست زبردست بالائے ہر زیر دست

---

[1] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۵۲ و ۱۵۳۔ [2] مبدأ و معاد منہاج ۵۶ ص ۸۵

تجدید کا تیرھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ)

اس سال بلخ کے ایک شیخ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خواب میں قطب الاقطاب کے مرتبہ پر فائض دیکھا تو حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح ایک سید زادے اور سلسلۂ چشتیہ کے ایک سجادہ نشین کا بیعت ہونا روایات میں درج ہے لیکن ان بزرگوں کے ناموں کو کسی نے ظاہر نہیں کیا، اس لئے ہم بھی مجبور ہیں۔

اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے جد امجد بانی سرہند شریف حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد تمام قبرستان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ الہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتہ کے لئے اس قبرستان سے عذاب اٹھالیا۔ آپ نے الحاح وزاری کے ساتھ مزید درخواست کی کہ اے پروردگار تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں اور زیادہ مغفرت فرما۔ بار بار درخواست کے بعد الہام ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔

پھر ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار مخدوم عبد الاحد قدس سرہٗ کے مزار پر فاتحہ و زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرتؒ موصوف کے دل میں حدیث شریف کے اس مضمون کا خیال آیا کہ جب کسی عالم کا قبر پر گذر ہوتا ہے تو چالیس روز تک صاحبِ قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا اور آئندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل و کرم سے بخش دیں گے۔ شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر واقع ہے۔[1]

---

[1] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۵۴ و ۱۵۵۔

۱۴

تجدید کا چودھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ)

اس سال ۱۰۲۵ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کی پہلی جلد مکمل ہوئی اس کے جامع شیخ یار محمد بدخشی طالقانی ہیں۔ اور اس کی نقلیں ایران، توران اور بدخشاں وغیرہ ممالک میں بھیجی گئیں۔[۱]

اسی سال کئی المناک حادثات پیش آئے خصوصاً سرہند شریف میں طاعون کی وبا ایسی پھیلی کہ روزانہ ہزارہا آدمی اجل کا شکار ہونے لگے، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے صاحبزادے شیخ محمد عیسیٰؒ پھر دوسرے صاحبزادے شیخ محمد فرخؒ، ان کے چند دن بعد آپ کی صاحبزادی ام کلثومؒ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم بھی رحلت فرما گئیں۔ ان کے بعد حضرتؒ کے سب سے بڑے فرزند حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کا بھی ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو مرض طاعون میں وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی دعا کی برکت سے یہ وبا دور ہوئی۔[۲]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں مرض طاعون کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "اس وبا میں ہماری شومیٔ اعمال سے اول جو ہلاک ہوئے جو ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے تھے، اس کے بعد عورتیں جن کے وجود پر نوعِ انسانی کی نسل و بقا کا مدار ہے مردوں کی نسبت زیادہ مر گئیں۔ اور جو اس وبا میں مرنے سے بھاگا اور سلامت رہا اس نے اپنی زندگی پر خاک ڈالی اور جو شخص نہ بھاگا اور مر گیا اس کو موتِ شہادت کی مبارکبادی اور خوشخبری ہے۔"[۳]

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں تریاقات اور مرہم ہیں۔ وہ ثمرات

۱؎ روضۃ القیومیہ ص ۱۶۳۔ ۲؎ ایضاً ص ۱۵۹۔ ۳؎ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹۹۔

نتائج جو اس دنیا میں اِن مصیبتوں پر مرتب ہوئے ہیں وہ اُن ثمرات کا سواں حصہ ہیں جن کے ملنے کی امید و توقع حق تعالیٰ کی عنایت سے آخرت میں ہے۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے زندگی میں بھی اُن سے فائدے اور منافع ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات و نتائج مترتب ہیں (چند سطور کے بعد) . حدیث شریف میں ہے کہ "طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کیلئے شہادت ہے"۔ واقعی وہ لوگ جو اس وبا میں مرتے ہیں عجیب حضور و توجہ سے مرتے ہیں، حرص آتی ہے کہ کوئی شخص ان دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے۔ یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں "جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا"۔ ہاں جب ان گذشتہ لوگوں کے حال پر نظر کی جاتی ہے تو حالاتِ غریبہ اور معاملاتِ عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید شہداء فی سبیل اللہ ان خصوصیات سے ممتاز ہوں۔

میرے مخدوم! فرزندِ عزیز (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو لیکن وہ صبر و شکر جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے بڑی اعلیٰ نعمت اور عظیم انعام ہے۔ یہ فقیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزا آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو، حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى (دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ [1]

> "حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانے کی برابر بھی ہو، یا اس کے باطن کو دنیا کے ساتھ اسقدر تعلق ہو، یا دنیا کا اس قدر خیال اس کے باطن میں گزرتا ہو"
> (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۳۸)

[1] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۱۷۔

تجدید کا پندرہواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ)

اس سال وبا کے دور ہونے کے بعد ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا شہر سرہند سے باہر جنوب مشرق کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام موضع براس سے گذر ہوا اس گاؤں کے متصل شمالی جانب ایک بلند ٹیلہ ہے آپ نے اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا، وہیں نماز ظہر ادا فرمائی پھر دیر تک مراقبہ کرنے کے بعد ہمراہیوں سے فرمایا کہ نظرِ کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹیلہ پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں مجھے ان بزرگوں کی روحانیت سے ملاقات بھی حاصل ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و تنزیہ و تقدیس کی نسبت جو کچھ اہلِ ہنود کے مذہبی پیشواؤں نے لکھا ہے وہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے علوم سے حاصل کیا ہے، یہ مقام انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے [1] (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۲۵۹ جلد ۵ ص ۱۰۵ پر ہے)

اسی سال حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر قرآنی حروفِ مقطعات کے اسرار ظاہر فرمائے اور آپ نے صرف اپنے خلفِ ارشد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو کئی دن تک خلوت میں ان اسرارِ مقطعاتِ قرآنی سے آگاہ فرمایا، چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ان اسرار کا اظہار فرماتے وقت مجھ پر بیہوشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ [2]

اس سال بہت سے خلفا ہدایت اور اشاعتِ اسلام کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے گئے۔ ستر حضرات مولانا محمد قاسم کی سرداری میں ترکستان کی طرف روانہ کئے، اور چالیس حضرات عرب، یمن، شام اور روم کی طرف مولانا فرخ حسین کی ماتحتی میں بھیجے گئے۔ مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت دس معتبر حضرات کاشغر کی طرف بھیجے گئے اور تیس خلفا مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراساں گئے، اور ان لوگوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ [3]

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۱۶۲ و ۱۶۳ [2] ایضاً ص ۱۶۴ [3] ایضاً ص ۱۶۶ و ۱۶۷۔

۱۶

تجدید کا سولھواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ)

اب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بزرگی اور ارشاد و ہدایت کا شہرہ تمام عالم میں بلند ہو چکا تھا، تجدید ملت کی نوبت ہر چہار طرف بجنے لگی تھی، زمانے بھر کے بڑے بڑے اولیاء حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ غرض ہر طرف سے لوگ جوق در جوق زیارت اور شرف بیعت کے لئے آنے لگے۔ حتیٰ کہ عرب و عجم، ماوراء النہر، بدخشاں، کابل اور ہندوستان میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں آپ کے خلفاء موجود نہ ہوں۔ آپ کی عظمت و دبدبہ کی یہ شان تھی کہ بڑے بڑے متکبروں کو بھی آپ کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور آپ خلافِ شریعت کاموں پر ہدایت و تنبیہ فرمانے میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ اسی سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خبر پہنچی کہ شہر سامانہ کے خطیب نے عید الاضحیٰ کے خطبے میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی نہیں ادا کئے تو آپ نے مکتوب ۱۵/۲۶ میں جو شہر سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں و رئیسوں کے نام صادر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں:-

" . . . سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے خطیب نے عید قرباں کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں لیا" چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں "خلفائے راشدینؓ کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں لیکن اہلِ سنت کا شعار تو ضرور ہے اور اس شخص کے سوائے جس کا دل مریض ہو اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص عمداً اور بغیر سرکشی کے اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا مگر مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ کا کیا جواب دے گا اور اتقوا من مواضع التھم کے موافق تہمت کے موقع سے کس طرح بچ سکے گا الخ

اس سال کا ایک اہم واقعہ سلطان جہانگیر کا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے متحرف ہونا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اکبر بادشاہ فوت ہوا تھا تو رعایا بہت خوش تھی اور شکر ادا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ملحدانہ عقائد والے بادشاہ سے نجات دلائی اور جہانگیر بادشاہ کے اخلاق وعادات اور عدل وانصاف سے لوگوں کو توقع تھی کہ وہ دینِ اسلام کی اشاعت میں ممد ومعاون ہوگا اس لئے مزید خوش تھے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی جہانگیر کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے چنانچہ آپ خواجہ میر نعمان کو ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کے مکتوب شریف میں سلطانِ وقت کی خدا پرستی اور احکامِ شریعت کے موافق عدل وانتظام کا حال لکھا ہوا تھا اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور کمال ذوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بادشاہِ وقت (جہانگیر) کو عدل وعدالت کے نور سے منور کیا ہوا ہے اسی طرح ملتِ محمدیہؐ کو بھی بادشاہ کے حسنِ اہتمام سے نصرت وعزت بخشے" (مکتوب ۹۲ دفتر دوم)

لیکن جب لوگوں نے دیکھا کہ حکومت میں اہلِ تشیع کا غلبہ ہو رہا ہے تو بہت گھبرائے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں اس فتنے کے دفعیہ کے لئے توجہ بلیغ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا جبتک ہم اپنے نفس پر تکلیف گوارا نہ کریں گے مخلوقِ خدا اس فتنے سے خلاصی نہیں پائے گی۔ بعد ازاں آپ نے شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عنایت فرما کر شاہی لشکر آگرہ میں بھیجدیا اور رخصت کے وقت شیخ بدیع الدین سے فرمایا کہ تمہیں شاہی لشکر میں قبولیتِ عامہ نصیب ہوگی، اگر کسی وجہ سے تم کو تکلیف بھی پہنچے تو مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے حرکت نہ کرنا، اگر مستقل مزاج نہ رہو گے تو خود بھی تکلیف اٹھاؤ گے اور ہمیں بھی تکلیف پہنچے گی۔

چنانچہ شیخ بدیع الدین کو لشکرِ شاہی میں قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی۔ اکثر ارکانِ سلطنت نے شیخ صاحب موصوف سے رجوع کیا اور لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہوگئے ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امراء کو بڑی مشکل سے شیخ کی زیارت نصیب ہوتی۔ اس دوران میں آپ سے بہت کشف وکرامات بھی ظاہر ہوئیں، آخران احوال کی اطلاع آصف الدولہ شیعہ

وزیرِ اعظم کو ہوئی تو وہ بہت برہم ہوا اور موقع پاکر جہانگیر بادشاہ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف بھڑکایا۔ طرح طرح کے الزامات لگائے اور کہا کہ سرہند کے ایک مشائخ زادے نے جو علومِ عربیہ میں ماہر ہے اور مختلف درویشوں سے خلافت پائی ہے مجددیت کا دعویٰ کیا ہے، اس نے صدہا خلفاء مختلف دور دراز ملکوں میں بھیج دیئے اور لاکھوں آدمی اس کے اور اس کے خلفاء کے مرید ہو گئے ہیں۔ کئی غیر ممالک کے بادشاہ خود اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ہیں اور ہمارے لشکر میں بھی اس کا ایک خلیفہ مقیم ہے اکثر امراءِ سلطانی مثلاً خانخاناں، سید صدر جہاں، خان جہاں، خان اعظم، مہابت خاں، تربیت خاں، سکندر خاں، دریا خاں مرتضیٰ خاں وغیرہ سب اس کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں۔ خوف ہے کہ غفلت میں کوئی اور شکل ظہور پذیر نہ ہو جائے۔ نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض نازک معارف جنہیں عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے وہ جہانگیر کو دکھائے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ شاہی احکام کے ذریعہ فوجی لوگوں کو شیخ بدیع الدین کے پاس جانے پر سخت پابندی لگادی گئی اور شیخ کو ان کے کشف و کرامات کی وجہ سے جادوگر وغیرہ مشہور کر دیا گیا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر بعض ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی خدمت میں آمدورفت سے رُک گئے بعض خفیہ طور پر آتے جاتے رہے اور بعض راسخ العقیدہ بے تکلف شیخ بدیع الدین کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے لیکن جس کے حاضر ہونے کی اطلاع ہو جاتی موردِ عتابِ شاہی ہوتا۔ اس بنا پر شیخ موصوف خود بھی لوگوں کو اپنے پاس آنے سے منع کرتے کہ تم کو میرے پاس آنے سے تکلیف پیش آنے کا خطرہ ہے۔ ساتھ ہی شیخ موصوف ان تمام حالات و واقعات کی اطلاع حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں برابر ارسال کرتے رہے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی ان کو تسلی اور اطمینان دلاتے رہے۔

اس دوران میں وزیرِ اعظم جہانگیر بادشاہ کو برابر بھڑکاتا رہا۔ آخر دربارِ شاہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قتل یا جلاوطنی یا قید کے مشورے ہونے لگے اور روزانہ نئی سے نئی افواہیں پھیلائی گئیں، جب ان مشوروں اور افواہوں کی اطلاع شیخ بدیع الدین کو ہوئی تو وہ گھبرا کر اکبر آباد سے روانہ ہو گئے اور اپنے وطن سہارنپور ہوتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ

کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو شیخ موصوف کی آمد کی اطلاع ہوئی تو شیخ پر بہت ناراض ہوئے کہ میں نے تم کو تاکیداً منع کر دیا تھا کہ وہاں سے میری اجازت کے بغیر نہ آنا پھر تم کیوں چلے آئے، تم شاہی لشکر میں خلیفہ بنا کر بھیجنے کے قابل نہیں ہو اب تم آگرہ ہرگز واپس نہ جانا۔ شیخ نے خیال کیا کہ حضرت موصوف نے غصہ میں واپس جانے سے منع فرمایا ہے اصل مقصد نہیں ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ جلد واپس چلا جاؤں۔ چنانچہ شیخ صاحب اس غلط فہمی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اجازت کے بغیر پھر آگرہ شاہی لشکر میں پہنچ گئے۔

اب مخالفین کو اور موقع ملا اور بادشاہ کو شیخ کے واپس آنے کی اطلاع کے ساتھ یہ پٹی بھی پڑھائی کہ حضرت مجدد الف ثانی رح شیخ کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں اور اب وہ کوئی خصوصی پروگرام شاہی لشکر کے لئے لیکر آئے ہیں اور بغاوت کا سخت اندیشہ ہے اس لئے جلد کوئی کارروائی کرنی چاہئے۔ لہذا اس سلسلہ میں ضروری سمجھا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رح کے خصوصی مریدین جو اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ان کو دور دراز ملکوں میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ مزید فتنہ برپا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ خان خاناں کو دکن، خان جہاں لودھی کو مالوہ، خان اعظم کو گجرات اور مہابت خاں کو کابل کی صوبہ داری پر بھیجدیا اور اسی طرح باقی حکام کو بھی جو آپ کے خاص معتقد تھے دور دراز صوبوں کا حاکم بنا کر بھیجدیا گیا[1]

> حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:-
>
> "جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ دل کو ماسوائے حق کی گرفتاری سے سلامت رکھیں اور یہ سلامتی اسوقت حاصل ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کے غیر کا دل پر گذر نہ رہے، اگر بالفرض ہزار سال تک زندہ رہیں تو بھی اس نسیان کے باعث جو دل کو ماسوائے حق سے حاصل ہے، غیر کا دل پر گذر نہ ہو
>
> کار این است غیر این ہمہ ہیچ
>
> دفتر اول مکتوب ۱۸۵

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۴۷ تا ۳۵۰ وروضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۷۰ تا ۱۷۴ ملخصاً۔

تجدید کا سترہواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۷ھ تا ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۸ھ)

جب جہانگیر بادشاہ کو حکام کے اپنے اپنے تبدیل شدہ مقامات پر پہنچنے کی اطلاع مل گئی اور اس کو اطمینان ہو گیا کہ اب اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے تو یہ لوگ بے خبر رہیں گے اور سلطنت میں کسی قسم کا نقضِ امن نہیں کر سکیں گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک فرمان حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نام جاری کیا جس میں آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے آپ کو مع جملہ صاحبزادگان و مریدین دعوت دی گئی اور حاکمِ سرہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو یہاں بھجوا دو۔

جب یہ حکم نامہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو پوشیدہ طور پر پہاڑی علاقہ کی طرف بھیجدیا اور اہل و عیال کو دلاسا و تسلی دے کر خود حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہمراہ لیکر روانہ ہو گئے۔ رخصت کے وقت اہل و عیال اور معتقدین نے گھبراہٹ و بے چینی ظاہر کی لیکن حضرت موصوف نے سب کو تسلی دی اور صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ تکلیف صرف ایک سال کے لئے ہے بعد ازاں آرام ہی آرام ہے۔

بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کیلئے بھیجا اور نہایت احترام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے آپ کا خیر مقدم کیا، اپنے محل کے قریب آپ کا خیمہ نصب کرایا اور آپ کے ہمراہیوں کے لئے بھی خیمے لگوا دیئے۔ آخر بادشاہ نے ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا، آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آدابِ شاہی جو خلافِ شرع شریف تھے آپ نے ادا نہ کئے۔ بادشاہ کی جونہی حضرت مجدد صاحب پر نظر پڑی تو وہ اس درجہ متاثر ہوا کہ آدابِ شاہی بجا نہ لانے پر ذرا بھی معترض نہ ہوا۔

یہ حال دیکھ کر وزیر حیران رہ گیا اور بادشاہ سے کہا "حضور یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل بتاتا ہے اور حضرت موصوف کا وہ مکتوبِ گرامی بھی پیش کیا جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنے تفصیلِ احوال کے سلسلہ میں تحریر کیا تھا:۔ وھو ھذا۔

"دوسری عرض یہ ہے کہ دوبارہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقامات ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے، نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے، اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے وہ مقام بھی جن کا ذکر اب ہوتا ہے تکمیل و ارشاد کے مقام ہیں، اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے، اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبندؒ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے، سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق تھا ہے اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا ظاہر ہوا، اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا جس طرح کہ صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں، اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔ اس کے بعد اسی کیفیت میں اپنے آپ کو لطیف پایا اور ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح اطراف میں پھیل گیا اور بعض اطراف کو گھیر لیا اور حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام میں ہیں بندہ اپنے آپ کو اس کیفیت کے ساتھ جو عرض کی گئی ہے اس مقام کے مقابل مقام میں پاتا ہے۔" (دفتر اول مکتوب ۱۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جانے وہ دائرۂ اہل سنت وجماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے چہ جائیکہ کوئی اپنے تئیں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے حالانکہ اہل تصوف کے نزدیک جو شخص اپنے تئیں سگ گرگین سے کہ خبیث ترین مخلوقات سے ہے بہتر جانے وہ بدتر از سگ گرگین ہے۔ اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب سمجھے ہیں، وہ سیر عروج کا حال ہے کہ اکثر صوفیہ کو ابتداء حال میں بڑے بڑے مقامات کی یہ سیر حاصل ہوتی ہے اور پھر اپنے اصلی مقام پر آجاتے ہیں، مثلاً دربار شاہی میں کہ ہر ایک امیر وزیر و شاہزادہ کی جگہ مقرر ہے اگر سلطان کسی شخص کو مصلحتاً اپنے پاس ذرا سی دیر کے لئے طلب فرمائے اور اس سے سرگوشی کر کے پھر اس کو واپس کر دے چونکہ وہ شخص تمام ارکین سلطنت کے مقام سے گذرتا ہوا آئے گا تو اس سے یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص ان کا ہم رتبہ و ہم درجہ ہو گیا، یہی حال اس عروج باطنی کا بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس مکتوب میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین پایا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی چیز آفتاب کے عکس سے روشن ہو جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آفتاب ہو گئی، زمین ہر روز آفتاب کے عکس سے روشن ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ زمین آفتاب ہو گئی۔" غرضکہ حضرت کے معقول جوابات سے بادشاہ کو ایسی تسلی ہوئی کہ اس کا غصہ دور ہو گیا۔[1]

اور بادشاہ نے کہا واقعی ہمارا خیال بھی ایسا ہی تھا کہ آپ جیسے بزرگ صالح اور متقی سے کیوں اہل حق کی مخالفت ظاہر ہو گی۔ جب وزیر نے دیکھا کہ یہ داؤ بھی نہ چل سکا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! شیخ صاحب نے آداب سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی۔ اس پر بادشاہ نے آپ سے وجہ دریافت کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا اور رسول ؐ کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا مجھے سجدہ کرو۔ آپ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا۔ بادشاہ نے کہا نہیں تم کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ حضرت نے فرمایا تم مجھ سے ہرگز

---

[1] از مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۶۶۔

سجدہ نہیں کرا سکتے۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے شہزادۂ دین پناہ شاہجہاں کہ حضرتؒ سے خلوص کامل رکھتا تھا علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو کتبِ فقہ کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج چکا تھا کہ سجدۂ تحیۃ سلاطین کے لئے آیا ہے اگر آپ سجدہ کرلیں تو آپ کو بادشاہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا "یہ حکم بطور رخصت ہے اور بطور عزیمت حکم یہ ہے کہ غیر حق کو کبھی سجدہ نہ کریں"۔ [1]

جب بادشاہ کو اندازہ ہوگیا کہ آپ کسی طرح اس کو سجدہ نہیں کریں گے تو کہا اچھا آپ کا سجدہ صرف اتنا ہے کہ سر کو ذرا خم کردیں باقی آداب میں نے معاف کردیئے کیونکہ مجھے آپ سے شرم آتی ہے اور یہ کہ میری زبان سے ایک بات نکل گئی ہے اس کو پورا ہونا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس بات کے لئے سر بھی نہ جھکاؤں گا۔ بادشاہ نے اپنے مقربین سے کہا کہ شیخ صاحب کے سر کو پکڑ کر ذرا جھکا دو اور پھر ان کو تحفے اور انعام دے کر رخصت کردو کیونکہ مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ چنانچہ چند قوی ہیکل امراء نے حضرتؒ کے سر مبارک کو خم کرنا چاہا اور بہت زور لگایا کہ کسی طرح ذرا خم کردیں لیکن ممکن نہ ہوا، حتیٰ کہ زور آزمائی کی وجہ سے حضرت موصوف کی بینیٔ مبارک سے خون جاری ہوگیا۔

بعد ازاں بادشاہ نے کہا اچھا شیخ صاحب کو اس چھوٹے دروازے سے جو قدِ آدم سے چھوٹا تھا لیکر آؤ تاکہ اس سے گذرتے وقت تو سر جھکانا ہی پڑے، لیکن حضرتؒ نے اس دروازے سے گذرنے کے لئے پہلے اپنا قدم نکالا اور پھر سر کو پچھلی طرف جھکا کر داخل ہوئے۔ وزیر نے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو اور بھڑکایا کہ شیخ صاحب جب آپ کے حضور میں اس قدر تکبر کرتے ہیں تو باہر نکل کر نہ جانے کس قسم کی شورش کا موجب ہوں، ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا شیخ صاحب کو ابھی قید کرلیں ورنہ بعد میں بڑی پریشانی ہوگی اور اس وقت پچھتانا کچھ مفید نہ ہوگا۔ آخر بادشاہ وزیر کے اصرار کرنے پر حضرتؒ کو قید کرنے پر رضامند ہوگیا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دیدیا۔ [2]

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی جہانگیر سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور دوسری ملاقات میں اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۹۰ [2] روضۃ القیومیہ ص ۱۷۹، ۱۸۰۔

چنانچہ جہانگیر نے خود بھی توزک جہانگیری میں حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی قید و بند کے بارے میں نہایت مغرورانہ انداز میں لکھا ہے:۔

"دریں ایام[1] بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سرہند دام زرق و سالوس فرو چیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کردہ و بہر شہرے و دیارے یکے از مریدانِ خود را کہ آئین دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ و مزخرفاتے کہ بمریداں و معتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ و دراں جنگِ جہلات بسا مقربات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندقہ منجر می شود از آں جملہ در مکتوبے نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گذارم بمقام ذی النورین افتاد مقامے دیدم بغایت عالی و خوش بصفا از انجا درگذشتم بمقام فاروق پیوستم و از مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم و ہر کدام را تعریفے در خورِ آں نوشتہ و از انجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقامے مشاہدہ افتاد بغایت منور و ملون خود را بانواع انوار و الوان منعکس یافتم یعنی استغفر اللہ از مقام خلفاء درگذشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم و دیگر گستاخی ہا کردہ کہ نوشتن آں طولے دارد و از ادب دور است بنابریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند حسب الحکم بملازمت پیوست و از ہرچہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود و با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند در زندان ادب محبوس باشد تا شوریدگی مزاج و آشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد و شورش عوام نیز فرو نشیند، لاجرم بانی رائے سنگہ دلن حوالہ شد کہ در قلعۂ گوالیار مقید دارد۔"

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قلعۂ گوالیار میں قید کرنے کی تاریخ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ توزک جہانگیری کے صفحہ ۲۶۵ پر چودہویں جشن نوروز کے حالات شروع ہوتے ہیں جو کہ بروز ہفتہ ۴ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کو منایا گیا تھا۔ اس سال کے ماہ خورداد (مطابق جمادی الاخری ۱۰۲۸ھ مطابق مئی ۱۶۱۹ء) میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان کی تفصیلات کے ضمن میں صفحہ ۲۷۲ و ۲۷۳ پر یہ عبارت درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی ماہ کے وسط میں آپ کو قید کیا گیا۔ واللہ اعلم

شہنشاہ جہانگیر نے اگرچہ مندرجہ بالا عبارت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مدح میں نہیں لکھی بلکہ اس عبارت کا انداز منھ چڑھانے کے مترادف ہے، اس کے باوجود اس عبارت میں بعض حقائق پنہاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ جہانگیر خود اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور آں موصوف کے خلفاء و مریدوں نے ہر شہر و ہر قصبہ میں معرفت کی دکان کھولی ہے یعنی آپ کی مقبولیت اس قدر عام ہو گئی تھی کہ ہر شہر و ہر قصبہ میں آپ کی تعلیمات کے مدارس اور ذکر و اشغال کی مجالس قائم ہو گئی ہیں۔ اس سے زیادہ حضرتؒ کی مدح و ستائش اور کیا ہو سکتی ہے، سچ ہے "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے"۔

دیگر یہ کہ چونکہ جہانگیر تصوف اور سلوک کی منازل و درجات سے ناواقف تھا اس لئے وہ ان مقامات کو نہ سمجھ سکا جس کی بنا پر اس نے آپ کو قید کی سزا دی اور یقیناً وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے جذبۂ اخلاص و اتباعِ سنت کے اثر سے متاثر اور آپ کی ولایت و کرامت کا ضرور معترف تھا اور آپ کی عظمت و جلال کا رعب و دبدبہ بدرجۂ اتم اس کے دل پر ضرور چھا چکا تھا ورنہ جبکہ اس نے اپنی شہزادگی کے زمانے میں ابوالفضل جیسے وزیر اعظم کو قتل کرا دیا تھا تو وہ اپنی مطلق العنان بادشاہی کے دور میں آپ کے ساتھ کیا کچھ نہ کر سکتا تھا۔

چونکہ ان واقعات کے سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو الہام ہو چکا تھا اسی لئے آپ قید ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ ابھی تک میری تربیت جمالی طور سے ہوئی ہے اب حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ جلالی طور سے ہو، اور مجھ پر ایک مصیبت آنے والی ہے جو میرے مدارجِ قرب کی ترقیات کا موجب ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ان قید و بند کی تکالیف کو بخوشی قبول فرما لیا۔

دفتر سوم مکتوب ۲ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابوں کو ضبط کر لیا گیا تھا اور سب متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا۔

نقل ہے کہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ گوالیار کے قلعہ میں پہنچے تو حاکم قلعہ شاہی حکم کے مطابق نہایت سختی سے پیش آیا، یہ دیکھ کر آپ کے احباب میں سے ایک صاحب نے

پاسبانوں سے کہا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ بادشاہ نے ہمیں یہاں قید کر رکھا ہے؟ یاد رکھو کہ ہم حکم الٰہی سے یہاں آئے ہیں اگر ہم چاہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہاری آنکھوں میں خاک ڈال کر ایک دم میں باہر جا سکتے ہیں۔ اتنا کہہ کر اچھلے اور قلعہ کی دیوار پر جا بیٹھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب یہ حرکت دیکھی تو جھڑک کر فرمایا کیا مجھ میں اظہارِ کرامت کی قدرت نہیں جو تم کر رہے ہو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس جفا کو برداشت کرنے کے لئے مامور ہیں ؎

تو سمجھتا ہے حوادث ہیں ستانے کے لئے ۔۔۔ یہ ہوا کرتے ہیں ظاہر آزمانے کے لئے

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔۔۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب پاسبانوں نے یہ حالت دیکھی تو بہت نادم و پشیمان ہوئے اور حاضر خدمت ہو کر معافی مانگی [۱]

نقل ہے کہ جب حضرتؒ قلعۂ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کئی ہزار غیر مسلم قیدی بھی تھے آپ نے ان کو تبلیغ دین کر کے مشرف باسلام کیا اور سیکڑوں قیدیوں کو ارادت سے سرفراز فرما کر درجاتِ ولایت پر پہنچا دیا [۲]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمادی الاخری ۱۰۲۸ھ میں جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو قلعۂ گوالیار میں نظر بند کر دیا تو مکتوبات شریف کے دفتر دوم کو اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر ختم کر کے مکمل کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

اسی سال آپ کے خلیفہ شیخ احمد برکی کا وصال ہوا۔ جب اس کی اطلاع حضرتؒ کو ہوئی تو بہت افسوس کیا۔

> حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوباتِ شریفہ دفتر اول مکتوب ۷۷ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
> "اول لازم ہے کہ اہل سنت و جماعت کی صحیح غور و فکر کے مطابق اپنے عقائد درست کریں۔ دوم احکام شرعیہ فقہیہ کے موافق عمل کریں اور سوم صوفیۂ کرامؒ کے بلند طریقہ پر سلوک حاصل کریں۔ جس کو ان سب کی توفیق حاصل ہو گئی وہ دونوں جہان میں بڑا کامیاب ہو گیا اور جو ان سے محروم رہا اس کو بڑا خسارہ حاصل ہوا۔"

---

[۱] سیرت امام ربانیؒ ص ۱۲۷ و ۱۲۸۔ [۲] علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۲۵۲۔

تجدید کا اٹھارہواں سال[۱۸]

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۸ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۲۹ھ)

[اس سال کے اہم واقعات میں جہانگیر کے خلاف امراء کی بغاوت، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی اور لشکر میں قیام، بادشاہ سے ملاقاتیں اور دین اسلام کی تبلیغ و ترویج وغیرہ ہیں۔]

ہندوستان کے امراء اور ارکینِ سلطنت مثلاً عبدالرحیم خان خاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں خانِ جہاں لودھی اور مہابت خاں وغیرہ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے مرید و معتقد تھے، آپ کی نظربندی کی خبر سن کر آگ بگولا ہو گئے اور جنگ کرنے کے لئے باہمی خط و کتابت شروع کر دی آخر یہ طے پایا کہ کابل کے حاکم مہابت خاں کو اپنا سردار مقرر کیا جائے، مگر اسی اثناء میں حضرت مجدد صاحبؒ کی جانب سے ہدایات موصول ہوئیں کہ میری یہ کیفیت اپنی رضامندی سے ہے خبردار آپ لوگ کوئی جنبش یا حرکت کریں۔[۱]

صاحب روضۃ القیومیہ نے ان واقعات کو اس طرح قلمبند کیا ہے کہ مہابت خاں نے جب ہر طرح کے انتظامات مکمل کر لئے تو خطبہ اور سکہ سے بادشاہ کا نام نکال کر کابل سے ہندوستان کی طرف چلا۔ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو بہت پریشان ہوا اور سوائے اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ مہابت خاں کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ بادشاہ خود ایک جرار لشکر لیکر نکلا، آخر دریائے جہلم پر جہانگیر اور مہابت خاں کا مقابلہ ہوا۔ جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہی لشکر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مریدوں کی کثرت تھی اور سب کو معلوم تھا کہ مہابت خاں حضرت موصوفؒ کو قید کرنے کی وجہ سے بادشاہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہوا ہے اس لئے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں لشکر نے مہابت خاں پر حملہ صرف دکھلانے کیلئے کیا۔ بادشاہ غصے میں بھرا ہوا تو تھا ہی اُس نے آگا دیکھا نہ پیچھا بڑھتا چلا گیا۔ مہابت خاں جنگی چال دیکر پیچھے ہٹتا چلا گیا حتیٰ کہ بادشاہ کو گھیرے میں لیکر گرفتار کر لیا۔ وزیر اور باقی لشکر کو جب بادشاہ کی گرفتاری کا علم ہوا تو بہت گھبرائے اور صلح کی پیشکش کی، اور وزیر بدتدبیر نے مہابت خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت

---

[۱] سیرت امام ربانی ص ۱۳۰

خوشامد کی اور معافی مانگی، بادشاہ نے بھی معافی مانگی۔ بادشاہ تین یا سات دن مہابت خاں کے پاس نظر بند رہا، اس دوران میں بعض امراء نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو تخت پر بٹھانا چاہا لیکن حضرت نے تخت پر بیٹھنا تو درکنار قید سے نکلنا بھی پسند نہ کیا بلکہ آپ نے امراء کے ذریعہ مہابت خاں کو پیغام بھیجا کہ "فتنہ اور فساد فرو کرو اور بادشاہ کی اطاعت کرو۔"

جب مہابت خاں نے جہانگیر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا یہ پیغام سنایا تو وہ حیران ہوا اور حضرتؒ کی عظمت و ہیبت سے تھرا گیا۔ چنانچہ مہابت خاں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی کا عہد و پیمان لیکر بادشاہ کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا اور آدابِ سلطنت بجالایا۔ بادشاہ نے بھی اس کا قصور معاف کیا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رہائی کا حکم دیا۔ آپ کی نیک نیتی اور اخلاص کے اس عظیم مظاہرہ سے متاثر ہو کر بادشاہ نے آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرکے تشریف لانے کی دعوت دی۔[1] حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے چند شرطیں حاضر ہونے کے لئے پیش کیں جن کو بادشاہ نے بخوشی منظور فرمایا۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بڑی عزت و احترام سے رہا کیے گئے۔ تین یوم سرہند شریف قیام فرمایا، آپ شاہی لشکر آگرہ میں تشریف لے گئے۔ ولیعہد شہزادہ خرم اور وزیرِ اعظم نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو شاہی مہمان خانہ میں نہایت احترام کے ساتھ ٹھہرایا گیا۔ بادشاہ نے آپ کی پیش کردہ شرطوں کو پورا کیا چنانچہ

(۱) سجدۂ تعظیمی بالکل موقوف کر دیا گیا۔ (۲) گاؤکشی میں آزادی دی گئی، گائے کا گوشت بر سرِ بازار فروخت ہونا شروع ہوا۔ (۳) بادشاہ اور ارکانِ دولت نے ایک ایک گائے دربارِ عام کے دروازے پر اپنے اپنے ہاتھ سے ذبح کی اور کباب تیار کرا کر کھائے۔ (۴) ملک کے جس جس حصہ میں مساجد شہید کی گئی تھیں دوبارہ تعمیر کی گئیں۔ (۵) دربارِ عام کے قریب ایک خوشنما مسجد تعمیر ہوئی، تیار ہونے پر بادشاہ امرا سمیت اس مسجد میں آیا اور

---

[1] روضۃ القیومیہ ر ۱۸۸ و ۱۸۹ و سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۸۹۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی امامت میں نماز ادا کی۔ (۶) ہر شہر اور قصبہ میں دینی تعلیم کے لئے مکتب اور مدرسے قائم کئے گئے۔ (۷) شہر بشہر محتسب، شرعی مفتی اور قاضی مقرر ہوئے (۸) کفار پر جزیہ مقرر ہوا۔ (۹) جسقدر قوانین خلافِ شرع جاری تھے سب یک قلم منسوخ کئے گئے۔ (۱۰) جملہ بدعات اور رسومِ جاہلیت بالکل مٹا دی گئیں۔ اس طرح دینِ اسلام میں نئے سرے سے رونق اور تازگی پیدا ہوئی، مسلمانوں کے قلوب مسرت سے لبریز ہو گئے، اور شبانہ روز کفار اپنی رضا و رغبت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔[۵۱]

صاحب روضۃ القیومیہ رقمطراز ہیں کہ "بادشاہ گذشتہ گستاخیوں کی بابت بہت شرمندہ تھا ہر روز اپنے خاتمہ بالخیر اور مغفرت کیلئے آنجناب (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) سے التجا کرتا۔ آنحضرتؒ فرماتے کہ خاطر جمع رکھو میں اس وقت بہشت میں داخل ہوں گا جب تم کو اپنے ساتھ لے لونگا۔"[۵۲]

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی مجددی لکھنوی علیہ الرحمۃ قید سے رہائی کے واقعات کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا، خواب کیا قسمت جاگ اٹھی، دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم بطورِ تاسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ "جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔"

اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز حضرتؒ کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اُس کے باطن کو مزکی کر دیا پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید۔[۵۳]

---

[۵۱] سیرت امام ربانی ص ۱۳۲ و ۱۳۳۔ [۵۲] روضۃ القیومیہ ص ۱۹۷ [۵۳] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۵۶

جہانگیر اپنی توزک میں رہائی کے واقعات کو اپنے شاہی رعب وجلال کے ساتھ اس طرح لکھتا ہے:-

"دریں تاریخ[1] شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دکان آرائی و خود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند درزندان ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ در رفتن و بودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ و تادیب درحقیقت ہدایتے و کفایتے بود نقش مراد ملازمت خواہد بود۔"

جہانگیر کی یہ عبارت بھی اپنے شاہی متکبرانہ انداز میں ہے لیکن اس عبارت سے واضح طور پر یقین ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے جذبۂ اخلاص سے ضرور مرعوب ہو چکا تھا جب ہی تو اس نے خلعت اور ہزار روپیہ کی رقم عنایت فرمائی اور اس کا بھی اختیار دیا کہ خواہ آپ اپنے وطن واپس تشریف لیجائیں یا میرے ساتھ رہیں۔ آپ نے شاہی لشکر میں قیام کو قبول فرمالیا اور فرمایا "میرا مقصد اسی سے پورا ہوگا" یعنی اس سے بادشاہ کی اصلاح ہوگی اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

اس کے بعد بھی ایک دوسرے موقع پر جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو دو ہزار روپے عنایت فرمائے چنانچہ توزک جہانگیری صفحہ ۳۸۲ پر درج ہے کہ

"ازاں جملہ بشیخ احمد سرہندی دو ہزار روپیہ عنایت شد۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جب گوالیار کے قلعہ سے باہر تشریف لائے اور لشکر میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں کے حالات مخدوم زادوں کے نام تحریر فرماتے ہیں:-

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ فرزندانِ گرامی اگرچہ ہماری دائمی صحبت کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور وملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں کیونکہ تمام امیدیں میسر نہیں۔ ع تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَہِی السُّفُنُ۔ ([illegible])

[1] قید سے رہائی کے سلسلے میں عرض ہے کہ توزک جہانگیری میں صفحہ ۲۹۲ پر پندرہویں جشن نوروز کے حالات شروع ہوتے ہیں جو کہ بروز جمعہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۲۹ھ کو منایا گیا تھا۔ اس سال خورداد کے مہینے (مطابق جمادی الاخریٰ ۱۰۲۹ھ مطابق مئی ۱۶۲۰ء) میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان کے ضمن میں صفحہ ۲۹۸ پر یہ عبارت درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی ماہ کی کسی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو پورے ایک سال بعد قید سے رہا کیا گیا۔

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں الخ [۱]

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے جیسا کہ ارشاد فرمایا تھا کہ "میرا مقصد اسی سے پورا ہوگا" یعنی لشکر کے دورانِ قیام بادشاہ سے ملاقات کی سہولت اور اس کو تبلیغ دین کرنے کے مواقع حاصل ہو سکیں گے، چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی شاہی دربار میں آمد و رفت شروع ہو گئی جس کا تذکرہ مخدوم زادوں کے نام ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

"الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں عجیب و غریب صحبتیں گذر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفتگو ؤں میں سر مو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کیلئے ایک دفتر ہونا چاہیے الخ [۲]

شاہی مجلس سے متعلق ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"فرزندانِ گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا ایک پہر رات گذرے وہاں سے واپس آیا اور تین سپارہ قرآن مجید حافظ سے سنا، دوپہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی" [۳]

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف میں ایک مکتوب جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ہے چونکہ شہنشاہ جہانگیر سے متعلق گفتگو کا سلسلہ جاری ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب یہاں درج کر دیا جائے وھوھذا :۔

"کمترین دعاگویان احمد معلی بارگاہ کے حاضرین اور بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت میں عاجزی اور نیازمندی ظاہر کرتا ہے اور اس امن و آرام کی نعمت کا شکر بجا لاتا ہے جو جناب کے غلاموں کی دولت و اقبال سے عوام و خواص کے شاملِ حال ہے اور دعا کی قبولیت کے گمان کردہ وقتوں اور فقراء کی جمعیت کے زمانوں میں فتح

[۱] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۴۳ - [۲] ایضاً دفتر سوم مکتوب ۱۰۶ [۳] دفتر سوم مکتوب ۸۹

حاصل کرنے والے لشکر کے لئے فتح و نصرت کی دعا مانگتا ہے کیونکہ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند (ہر کسی کو دیدیا ہے ایک کام)

اس لئے کہ کارخانۂ خداوندی میں کوئی چیز عبث نہیں ہے، وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر پر موقوف ہے اس میں دولت و سلطنتِ قاہرہ کی تائید اور تقویت ہے جس پر شریعت روشن کی ترقی منحصر ہے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّيْفِ (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور یہی بڑا معتبر کام لشکرِ دعا (دعا کرنے والے حضرات) سے بھی وابستہ ہے جو ارباب فقر و اجابِ بلا ہیں) کیونکہ فتح و نصرت دو قسم کی ہے ایک وہ قسم ہے جس کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور وہ فتح و نصرت کی صورت ہے جو غزا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے، دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے آیتِ کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ لشکرِ دعا سے تعلق رکھتی ہے، پس لشکرِ دعا اپنی ذلت و انکساری کے باعث لشکرِ غزا پر سبقت لے گیا اور سبب سے مسبب کی طرف دلالت فرمائی ع

بردند شکستگاں ازیں میداں گوے (لے گئے کمزور اس میداں سے گیند)

نیز دعا قضا کو رد کر دیتی ہے، جیسے کہ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی) تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو رد کر سکے پس لشکرِ دعا ضعف و عاجزی کے باوجود لشکرِ غزا سے زیادہ قوی ہے، نیز لشکرِ دعا روح کی طرح ہے اور لشکرِ غزا جسم کی طرح، پس لشکرِ غزا کے لئے لشکرِ دعا کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جسم بغیر روح کے تائید و نصرت کے لائق نہیں ہوتا، اسی لئے (راویوں نے) کہا ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ غزا اور جہاد کرنے والوں کے غلبہ کے باوجود فقراءِ مہاجرین کے وسیلے سے فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے) پس فقراء جو دعا کا لشکر ہیں خواری اور زاری اور بے اعتباری کے

باوجود ضرورت کے وقت کام آتے ہیں اگرچہ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ (فقر دونوں جہان میں روسیاہی کا باعث ہے) کہا گیا ہے، اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار حاصل کرتے ہیں اور سب سے آگے قدم لے جاتے ہیں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے تو سیاہی والا پلہ غالب آجائیگا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ. یہی سیاہی اور روسیاہی ان کی عزت و سرخ روئی کا باعث ہوگئی اور ان کے مرتبہ کو بہت سی بلندی تک پہنچا دیا۔ ہاں ع

بتاریکی درون آبِ حیات است (چھپا ظلمت میں آبِ زندگی ہے)

کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے سیاہ روئیِ من کرد عاقبت کارے

(میرے حبیب نے مجھ کو اپنا غلام کہا۔ میری سیاہ روئی نے آخر میرا کام بنا دیا)

یہ کمترین اگرچہ اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکرِ دعا کے شمار میں داخل کرے لیکن تاہم صرف فقر کے نام اور دعا کی قبولیت کے احتمال پر اپنے آپ کو دولتِ قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا اور حال و قال کی زبان سے سلامتی کی دعا و فاتحہ میں مشغول رہتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔"[1]

"اس راہ کے طالب کو چاہیے کہ اول اپنے عقائد کو علماء اہلِ حق کے عقائد کے موافق درست کرے پھر فقہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھے بشرطیکہ اس ذکر کو شیخ کامل و مکمل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص شیخ کے ذریعے کامل نہیں ہو سکتا اور اپنے اوقات کو ذکر کے ساتھ اس طرح آباد رکھے کہ فرضوں اور مؤکدہ سنتوں کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو حتیٰ کہ قرآن مجید کی تلاوت اور عبادتِ نافلہ کو بھی موقوف رکھے اور وضو کے ساتھ بھی اور بے وضو بھی ذکر کرتا رہے، کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اس کام میں مشغول رہے اور چلنے پھرنے، کھانے پینے اور سونے کے وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے۔ ذکر گو ذکر تا ترا جان است ؛ پاکی دل ز ذکرِ رحمان است
دوام ذکر میں اسقدر مشغول ہو کہ مذکور کے سوا سب کچھ اس کے سینے سے دور ہو جائے اور مذکور کے سوا اس کے باطن میں کسی چیز کا نام و نشان نہ رہے حتیٰ کہ ماسوا وسوسہ کے طور پر بھی دل میں نہ گذرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کا خیال دل میں لانا چاہے تو نہ لا سکے۔ (مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۸۴)

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۴۷۔

۱۹

تجدید کا انیسواں سال

(از ۲ ربیع الاول ۱۰۲۹ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ)

(اس سال کے اہم واقعات میں جہانگیر اور شہزادہ خرم کی جنگ، شہزادہ کا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونا اور سلطنت کی بشارت پانا۔)

اس سال ولیعہد شاہزادہ خرم (شاہجہاں) جو بہت نیک طینت اور فرشتہ خصلت تھا، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بہت معتقد تھا اور آصف الدولہ برادر نورجہاں کا داماد تھا۔ حضرتؒ کے حبس کے زمانے میں حضرت کے لئے کئی بار باپ سے لڑا جھگڑا بھی تھا اور رہائی کے لئے سفارش بھی کی تھی۔ بادشاہ کی تلون مزاجی اور آئے دن ان فتنوں کے بپا ہونے سے سخت نالاں تھا، اسی اثناء میں شہزادہ کو خفیہ طور پر معلوم ہوا کہ اس کو ولیعہدی سے محروم کر کے شہریار کو ولیعہد بنانے کی سازش ہو رہی ہے تو مجبور ہو کر باپ کے ساتھ آمادۂ پیکار ہو گیا۔ شہزادہ کے ساتھ فوج کی کثرت تھی اس پر طرہ یہ ہوا کہ عین جنگ کی حالت میں کچھ فوجی دستے بادشاہ سے جدا ہو کر شہزادے سے جا ملے۔ غرض بڑے زور سے باپ بیٹے کا مقابلہ ہوا۔ جہانگیر پریشان ہو کر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے فتح و نصرت کیلئے دعا کی درخواست کی۔ آخر آپ کی دعا کی برکت سے دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ برعکس ہو گیا اور شہزادہ کو شکست اور جہانگیر کو فتح حاصل ہوئی۔

شہزادہ خرم شکست کے بعد چھپتا چھپاتا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں تو ہمیشہ بادشاہ سے آپ کیلئے لڑتا جھگڑتا رہا اب آپ میری مدد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ "مجھے حق تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا ہے کہ عنقریب تم تخت پر بیٹھو گے اور تمہارا لقب شاہجہاں ہوگا اور عرصہ تک تمہاری نسل میں سلطنت رہے گی۔" یہ سن کر شہزادہ بہت خوش ہوا اور بطور تبرک حضرتؒ کی ایک دستار لے گیا جو عرصہ تک شاہانِ مغلیہ کے خزانہ میں رکھی رہی۔ [1]

بعض حضرات نے اس جنگ کے اسباب اس طرح بیان کئے ہیں: "نورجہاں اگرچہ سنجیدہ، قابل اور دانشمند عورت تھی، اس کے رحم و کرم اور جود و فیض سے ہزاروں بیکس اور

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۰۳ تا ۲۰۵ [illegible]

نادار عورتیں اپنی جملہ مشکلات سے نجات پاتی تھیں لیکن بسا اوقات وہ اپنے ذاتی منشا کو پورا کرنے کیلئے تباہ کن فتنہ بھی کھڑا کر دیا کرتی تھی ــــــــ اسی طرح شہزادہ خرم سے جہانگیر اپنا خوش تھا کہ عہد شاہزادگی ہی میں اس کو "شاہجہاں" کا خطاب دیکر چتر وغیرہ شاہانہ امتیازات اس کو مرحمت کر دیئے تھے۔ لیکن جب نورجہاں اس کی مخالف ہوئی تو جہانگیر کو اس فرزند عزیز سے زیادہ نفرت کسی سے نہیں تھی۔ شاہزادہ موصوف نے غلط فہمی کے ازالہ کے لئے اپنا وکیل بادشاہ کی خدمت میں بھیجا تو اس کو بات کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ مجبوراً اس عزیز فرزند کو اپنی جان بچانے کے لئے شاہی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور جہانگیر کی عمر کے آخری سال انہی خرخشوں کی نذر ہو گئے۔

بات صرف یہ تھی کہ نورجہاں شہزادہ شہریار کو جہانگیر کا جانشین بنانا چاہتی تھی کیونکہ شہریار سے شیر افگن کی لڑکی منسوب تھی جو نورجہاں کے بطن سے تھی۔ شاہجہاں کی مشہور اور مسلّم قابلیت کے مقابلے میں شہریار طفلِ مکتب تھا مگر داماد کی محبت میں اس نے مفادِ سلطنت حتیٰ کہ خاندانی مصلحت کا بھی خیال نہ کیا اور پورے ملک میں ایک فتنہ برپا کر دیا۔ نورجہاں کا بھائی آصف الدولہ شاہجہاں کا حامی اور نورجہاں کے مقابلہ پر تھا، کیونکہ آصف الدولہ کی لڑکی ارجمند بانو بیگم شاہجہاں سے منسوب تھی جس کا لقب ممتاز محل تھا۔ یہ رشتہ بھی شاہجہاں کی حمایت کا باعث تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شاہجہاں کی ذات ستودہ صفات ہر ایک بہی خواہِ ملک اور مدبر کو اپنی حمایت پر مجبور کر دیتی تھی (علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۱۴۴)

اسی سال حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادوں کو کوہستان سے اپنے پاس لشکر میں بلا لیا۔

عہ شاہجہاں بن جہانگیر یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۵۹۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ جہانگیر کے مرنے کے بعد ۳۰ر جمادی الاول مطابق ۶ر فروری ۱۶۲۸ء کو تخت نشین ہوئے اور شہاب الدین شاہجہاں لقب اختیار کیا۔ اُن کے زمانے میں سلطنت میں کافی وسعت ہوئی۔ اگرچہ قندھار کا علاقہ مغلیہ سلطنت سے نکل گیا لیکن دکن کا بہت سا علاقہ اس میں شامل ہو گیا۔ شاہجہاں کا دَور ملک کی خوشحالی اور ترقی کی وجہ سے سلطنتِ مغلیہ کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ فنِ تعمیرات میں قدرت نے اُن کو سب سے زیادہ عمدہ مذاق عطا کیا تھا، انھوں نے اپنی بیوی ارجمند بانو بیگم کی قبر پر جو مقبرہ تعمیر کرایا تھا وہ آج بھی تمام دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے، دنیا کے تمام مبصرین کا فیصلہ ہے کہ "تاج محل" سے زیادہ خوبصورت عمارت روئے زمین پر آج تک تعمیر نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ اور بکثرت مساجد اُن کی یادگار ہیں۔ نہایت دیندار، رعایا پرور، نیک اور عادل بادشاہ تھے۔ تقریباً اکتیس ۳۱ سال ۱۰۶۸ھ تک حکومت کی، مزید آٹھ سال نظر بندی میں گذرے اور ۲۶ر رجب ۱۰۷۶ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۶۶۶ء میں وفات پائی اور تاج محل آگرہ میں دفن ہوئے۔

۲۰

تجدید کا بیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ)

[اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہمراہ جہانگیر کا سرہند آنا۔ اجمیر شریف حاضر ہونا، حضرتؒ کی لشکر سے خلاصی وغیرہ حالات ہیں]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اخلاص وکرامات کی وجہ سے جہانگیر اس درجہ گرویدہ ہوا کہ اب ایک ساعت کیلئے بھی آپ کو اپنے سے جدا ہونا پسند نہ کرتا تھا حتی کہ سفر وحضر میں بھی اپنے ساتھ رکھتا۔ اس طرح ساتھ رہنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جو لوگ اپنی مجبوریوں کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور حصولِ فیض کے متمنی تھے ان کو حضرت سے فیض حاصل کرنے کا موقع مل گیا اور جن علاقوں میں دینی مدارس نہ تھے وہاں حضرت کے حکم سے مدارس قائم کئے گئے اور جو مساجد غیر آباد یا منہدم ہو گئی تھیں وہ آباد و تعمیر کی گئیں اس طرح دین کا چرچا عام ہو گیا اور عوام کی دینی واخلاقی اصلاح بھی ہو گئی۔

جب حضرت مجدد علیہ الرحمہ لاہور پہنچے تو اس شہر کی قطبیت شیخ طاہر کو عنایت فرمائی اور سرہند کی طرف روانہ ہوئے، جب شاہی خیمے سرہند میں نصب ہوئے تو حضرتؒ نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی، کھانا کھانے کے بعد بادشاہ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ ایسا لذیذ کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا آپ اپنے باورچیوں سے فرمائیں کہ وہ ہمارے باورچیوں کو کھانا پکانا سکھائیں، حضرتؒ نے فرمایا تمہارے باورچیوں سے ایسا کھانا نہیں پک سکے گا۔ چنانچہ جتنے دن بادشاہ سرہند شریف میں مقیم رہا حضرتؒ کی خانقاہ سے اس کے لئے کھانا جاتا رہا ـــــ ایک روز حضرت علیہ الرحمہ نے بادشاہ سے فرمایا کہ مجھے اب سرہند ہی رہنے دو لیکن بادشاہ نے آپ کی جدائی گوارا نہ کی اور آپ کی خاطر کچھ عرصہ سرہند میں قیام کیا۔ بعد ازاں بادشاہ دہلی روانہ ہوا اور حضرت کو بھی ہمراہ لیا، حضرتؒ وہاں سے بنارس تک بادشاہ کے ہمراہ تشریف لے گئے، پھر بادشاہ اجمیر کی طرف روانہ ہوا حضرتؒ بھی اس کے ہمراہ اجمیر تشریف لے گئے اور وہاں کافی عرصہ قیام پذیر رہے۔ (روضہ ۲۰۱، ۲۰۹)

تجدید کا اکیسواں[۲۱] سال

(۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ)

[اس سال کے اہم واقعات میں شیخ نور الحق پسر شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی طرف مکتوب گرامی اور حضرتؒ کا خصوصی مکاشفہ وغیرہ حالات ہیں۔]

اس سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو لشکر شاہی سے سرہند شریف روانہ کیا۔

اسی سال شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنے صاحبزادے مولوی نور الحقؒ کی معرفت چند اسرارِ باطنی کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے استفسار کیا حضرت نے نہایت تسلی بخش جواب دیا، جو مکتوب ۱۰ دفتر سوم میں شیخ نور الحقؒ کے نام ہے، یہ ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گرفتاری کے بِرّ کو منکشف فرمایا ہے اور بعض اسرارِ غریبہ اور علوم عجیبہ بیان فرمائے ہیں۔ اس مکتوب گرامی کی ابتدا اس طرح پر ہے:-

"الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فضائل و کمالات کے پناہ والے برادرم شیخ نور الحق نے اس گرفتاری کی نسبت جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی بڑے شوق و اہتمام کے ساتھ دریافت کیا تھا اور فقیر کو بھی مدت سے اس انکشاف کا شوق تھا جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور ان کا حُسن و جمال اس عالم دنیا کے خلقت اور حُسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے ان کا حسن حور و غلمان کے حسن کی مانند ہے اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس بارے میں مفصل طور پر جو کچھ فائض ہوا ہے تحریر کرکے

ارسال کیا جاتا ہے، سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا، الیٰ آخرہٖ مکتوب شریف۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس جواب کو دیکھکر آپ کے معتقد ہوگئے اور ملاقات کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہی دنوں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ شیخ حسام الدینؒ کی طرف ایک مکتوب لکھا جو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ شیخ عبدالحق رح حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدید و قیومیت کے معترف تھے ۔[۱]

ایک عالم نے جو تصوف کے خلاف تھے جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ایک مکتوب پڑھا جس میں تحریر تھا " حقیقت و طریقت دونوں شریعت کی خادم ہیں "۔ تو اس عالم نے حضرت کے اس جملہ سے بہت لطف اٹھایا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا " اللھم سلم ھذا الشیخ المعظم " (اے پروردگار! اس شیخِ معظم کو سلامت رکھ) پھر فرمایا کہ آج میرے دل سے وہ کدورت رفع ہوگئی جو مشائخ کی طرف سے تھی ۔[۲]

اسی سال ۱۰۳۱ھ میں حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے امر و طلب پر آپ کی خدمت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور آپ نے حضرت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے بموجب مکتوباتِ شریفہ کا دفتر سوم مرتب و مدون کیا جس کا سالِ تدوین لفظ " ثالث " ۱۰۳۱ " معرفت الحقائق " ۱۰۳۱ سے ظاہر ہے، یہ دفتر ۱۱۴ مکتوبات پر ختم ہوا تھا لیکن اس کی تدوین کے بعد کے دس مکتوبات بھی اس میں اضافہ کر دیئے گئے اور اب یہ دفتر ۱۲۴ مکتوبات پر مشتمل ہے ۔[۳]

اسی سال اجمیر ہی میں شیخ آدم بنوریؒ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور باطنی کمالات میں بہت جلد ترقی کی، چند ماہ بعد جب حضرت علیہ الرحمہ نے شیخ کو لوگوں کی تربیت کے قابل پایا تو سرہند شریف میں خلافت سے سرفراز فرمایا ۔[۴]

---

[۱] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا وہ مکتوب " مجددیت " کے باب میں ۴۳ ملاحظہ فرمائیں۔
[۲] سیرت امام ربانی ص ۱۳۸ [۳] دیباچہ دفتر سوم [۴] روضۃ القیومیہ ص ۲۱۴ -

۲۲

تجدید کا بائیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ)

(اس سال کے اہم واقعات میں آثارِ رحلت، سرہند شریف میں ورودِ مسعود، حضرت خواجہ محمد معصوم کا مسندِ ارشاد پر فائز ہونا وغیرہ حالات ہیں۔)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض مخلص احباب آپ کے مکتوبات شریف کی پہلی اور دوسری جلد بدخشاں، خراساں اور ماوراء النہر لے گئے وہاں کے بعض علماء و مشائخ جو اپنے حلقہ کے سردار بھی تھے ابھی تک کسی کے مرید نہیں ہوئے تھے جب انھوں نے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا تو حضرتؒ کے معتقد ہوگئے چنانچہ وہاں کے جید علماء میں سے مولانا ربانی حسن قادانی اور مولانا ولک نے ایک صالح شخص کے ہاتھ اپنے اپنے نیاز مندانہ عریضے آپ کی خدمتِ اقدس میں بھیجے جو اس نے اجمیر شریف میں حاضرِ خدمت ہوکر آپ کے حضور میں پیش کئے اور ان بزرگوں کی طرف سے وفورِ محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ ان عریضوں میں تحریر تھا کہ اگر کبرسنی، ضعفِ جسمانی، بُعدِ مسافت اور صعوبتِ سفر وغیرہ امور مانع نہ ہوتے تو ہم خود خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر بقیہ لمحات درِ دولت پر گذارتے لہٰذا ہم نیاز مندوں کو اپنے مخلصوں اور مریدوں میں شمار کرکے غائبانہ افاضت کر کے ہمارے احوال پر توجہ فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے ہر ایک عرض گذار کی طرف سے اس شخص کو مرید کیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے درخواست کی کہ وہاں کے بزرگوں نے مکتوبات شریف کے تیسرے دفتر کی بھی درخواست کی ہے۔ آپ نے تیسرے دفتر کا ایک جز اس شخص کو عنایت فرمایا۔[۱]

آثارِ رحلت و جانشینی | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ابھی اجمیر شریف ہی میں تشریف فرما تھے کہ ایک دن فرمایا "آثار بتاتے ہیں کہ اب کوچ کا زمانہ قریب ہے"[۲] چنانچہ سرہند شریف اپنے صاحبزادوں حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کو مندرجہ مکتوب تحریر فرماتے ہیں:-

---

[۱] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۲۱۶ و ۲۱۷ [۲] زبدۃ المقامات ص ۲۸۲

"الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ مدت گذری کہ فرزندانِ گرامی نے اپنے ظاہری وباطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا شاید دیر تک جدا رہنے کے باعث مجھ دور افتادہ کو بھول گئے ہوں ہم بھی ارحم الراحمین رکھتے ہیں۔ آیتِ کریمہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں) نامراد غریبوں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تمہاری اسقدر لاپرواہی کے باوجود دل ہمیشہ تمہارے احوال کی طرف متوجہ ہے اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے۔ کل صبح کی نماز کے بعد مجلسِ سکوت یعنی مراقبہ وخاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے جدا ہو گئی اور بجائے اس کے اور خلعت مجھے پہنائی گئی دل میں آیا کہ یہ خلعتِ زائد (میری اتاری ہوئی خلعت) کسی کو دیتے ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعتِ زائد میرے فرزند محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے یہ خلعتِ زائد معاملۂ قیومیت سے مراد ہے جو تربیت وتکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اس خلعتِ جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ عاجزی کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزند عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست
(کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام)

استعداد ہے تو وہ بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیز و من چیزِ تست

(نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے　　مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (اے آلِ داؤد عمل کرو اور شکر بجا لاؤ، میرے بندوں میں شکر گذار بہت کم ہیں۔) تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہری وباطنی اعضاء وجوارح اور قویٰ کو جس جس غرض کیلئے خدائے تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ان میں صرف کرے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو شکر بھی ادا نہ ہو۔ واللہ سبحانہ

الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں، اگرچہ احتیاط کے ساتھ کہے جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو درپیش تھی شاید وہ معاملہ عالم مثال میں تھا ان دنوں میں وہ بھی حل ہو گئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی، شاید اس امر میں خواجہ معین الدینؒ کی روحانیت کا بھی دخل ہو گا، محمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہو گا۔ والسلام [1]

خواجہ ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ نے اسی سال ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں فرمایا کہ آج عجیب معاملہ پیش آیا کہ میں اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا مجھے محسوس ہوا کہ اسی تخت پر میرے ساتھ کوئی اور آکر بیٹھ گیا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تمہارے واسطے اجازت نامہ لکھنے کے لئے آیا ہوں جو آج تک میں نے کسی کے واسطے نہیں لکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامہ کے متن میں وہ الطافِ عظیم درج فرمائے تھے جو اس جہان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی پشت پر وہ عنایاتِ کثیرہ رقم فرمائی تھیں جو عالمِ آخرت کے متعلق تھیں۔ چنانچہ یہ بات حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات کی تیسری جلد میں تحریر فرمائی ہے۔ [2]

"فرزندانِ گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں (پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) دوپہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔ صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ماندہ تھا سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے جس طرح کہ مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفاء کیلئے لکھتے ہیں۔ اور فقیر کے مخلص دوستوں میں کر ایک دوست بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے۔ اسی اثناء میں گویا ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجزا میں ایک طرح کا فتور ہے، اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہو گئی۔ وہ دوست جو اس خدمت کا پیشکار ہے گویا دوبارہ اس اجازت نامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۰۴ [2] زبدۃ المقامات ص ۱۸۰۔

لے گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامہ کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے، یہ تشخیص نہیں ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت معلوم ہے اور لکھنے کے بعد اپنی مُہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقام شفاعت میں نصیب وحصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت بڑا ہے اور اس میں بہت سی سطریں لکھی ہیں۔ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کونسا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کونسا ہے۔ اور مجھے اسوقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہم ایک ہی جگہ میں باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت کا حضور مجھ سے اجتنا نہیں ہے اور میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں، اُمہات المؤمنین (مؤمنوں کی ماؤں) میں سے بڑی ماں (حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا) مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بعض خدمات بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی، اس اس طرح کرنا چاہئے، اسی اثنا میں افاقہ ہوگیا۔ یہ بات دل سے دور ہوگئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو (اس وقت) معلوم نہیں ہوتی تھی، جوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی اس واقعہ کی خصوصیتیں دل سے نکلتی جاتی تھیں۔

تمہیں یاد ہوگا کہ میں اس بارے میں پہلے بھی یہ بات کہا کرتا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے موافق ظاہر نہیں ہوتی، دل میں یہ بات آتی تھی کہ اس کا ظہور ظاہراً آخرت کے لئے ذخیرہ رکھا ہے اور اس کا نعم البدل میسر ہوگا، اس واقعہ کی وجہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں کہاں حضرت کی نورانیت، شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت ظاہر کی تائید پاکر اس کو رواج دیں گے، اور اس نعمت کے شکریہ میں ہم نے حکم دیا ہے کہ قسم قسم کے کھانے (پکاکر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کو ہدیہ کریں اور خوشی کی مجلس قائم کریں شاید اس مکتوب کے اٹھانے والے بھی ان کھانوں میں سے تناول فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مکتوب میں ایک واقعہ کے بیان میں جو ظاہر ہوا تھا لکھا تھا کہ تیسرے دوست کو نوکری میں قبول نہ کیا، کچھ عرصے کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرمایا، اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے۔ لِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ النَّعْمَآءِ (اس نعمت پر بلکہ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) ان دنوں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ گویا وہ ورق مرقوم ہوا ہے اور ہر ایک کا معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے، "فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہوتا جاتا ہے"۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ تَعَالٰی (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی نصیب کر۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔[1]

اس نامۂ مبارک کے پہنچتے ہی دونوں صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ نے اختیار خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ چند روز کے بعد ایک دن خلوت میں دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ اب مجھے اِس جہاں سے مطلق دلچسپی نہیں رہی اُس جہان میں جانا چاہئے کیونکہ کوچ کی علامات نمایاں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں اس مجلس کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس وقت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس بندہ کو خلعتِ قیومیت سے سرفراز فرمایا اس وقت حضرتؒ اور ہم دونوں بھائی موجود تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مجمع گاہ سے میل جول کا باعث قیومیت تھی جو تجھے عطا کر دی ہے اب تمام خط وکتابت دینی و دنیاوی معاملات میں تمہیں سے ہو گی، اس لئے اب اس جہان میں میرے رہنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ جب میں (خواجہ محمد معصومؒ) نے حضرتؒ کی زبان مبارک سے آپ کے اس جہان سے وادئ قرب میں کوچ کر جانے کی بابت سُنا تو اگرچہ آپ نے مجھے قیومیت کی خوشخبری دی تھی لیکن وہ خوشی فوراً زائل ہو گئی، جگر کباب ہو گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور مارے

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۰۶ –

غم کے زبان بند ہو گئی، سننے کی طاقت زائل ہو گئی۔ جب آپ نے میری طبیعت میں یکایک تبدیلی دیکھی تو ازراہِ لطف و کرم فرمایا کہ غم مت کرو اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہی یہ ہے کہ ایک کو اپنے پاس بلاتا ہے اور دوسرے کو اس کی جگہ قائم مقام کرتا ہے۔" ؎۱

صاحبِ زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرزندانِ عالی قدر کا حزن و ملال بدرجہ غایت ملاحظہ کیا تو مخدوم زادوں سے فرمایا کہ "ابھی کچھ وقت ایک اور کام کے انجام دینے کیلئے مجھے عنایت فرمایا گیا ہے"۔ اس خوشخبری کے سننے سے مخدوم زادے اور احباب خوش ہو گئے۔ ؎۲ غرضیکہ آپ نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو منصبِ قیومیت سے سرفراز فرما کر نسبتِ خاصہ القا کی اور اپنا حقیقی جانشین مقرر فرمایا اور محبوبیتِ ذاتی بھی جو طینتِ محمدی پر موقوف ہے عنایت فرمائی۔ یہ محبوبیت ذاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ یا آپ کے فرزندوں کے کسی بھی ولی کو عنایت نہیں فرمائی۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ کے پہلے عشرے کا ہے اور اس کے ایک سال تین ماہ بعد حضرتؒ کا وصال ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو اپنے حضور میں مسندِ ارشاد پر بٹھایا اور تمام خلفاء اور مریدین کو حکم دیا کہ ان سے بیعت کریں۔ سب نے حسب الارشاد بیعت کی اور خانقاہ کے تمام معاملات بھی ان کے سپرد ہوئے۔ سب کو حکم دیا کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے حلقہ میں بیٹھا کریں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی آپ کے پاس مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا آپ اسے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیج دیتے اور خود مرید نہ فرماتے۔ ؎۳

> "خوارق و کرامات کا بکثرت ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص جس سے کوئی بھی خرقِ عادت ظاہر نہ ہوئی ہو اس شخص سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات بکثرت ظاہر ہوئے ہوں۔"
>
> (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹۳)

؎۱ روضۃ القیومیہ ص ۲۲۱۔ ؎۲ زبدۃ المقامات ص ۲۸۳۔ ؎۳ روضۃ القیومیہ ص ۲۲۲ و ۲۲۳

۲۳

تجدید کا تیئیسواں سال

(از ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ تا ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ)

(اس سال کے اہم واقعات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سرہند واپس تشریف لانا،
تمام تعلقات سے انقطاع کر کے خلوت اختیار فرمانا اور وفات حسرت آیات وغیرہ حالات ہیں)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عمر شریف کا تقریباً ایک سال باقی رہ گیا تو آپ نے بڑی کوشش کے بعد بادشاہ سے رخصت حاصل کی[ع] اور حسب معمول حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، دیر تک مرقد مبارک کے محاذ میں مراقب رہے جب وہاں سے اٹھے تو فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حق مہمانی ادا کیا اور طرح طرح کی ضیافتیں فرمائیں اور بہت سی پوشیدہ باتوں کا اظہار فرمایا۔ اتنے میں مزار کے خادموں نے حضرت خواجہؒ کا قبر پوش جو ہر سال نیا چڑھا کر پرانا بادشاہوں کو دیا جاتا تھا، حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے قبول فرما کر خادم کے سپرد کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ زیارت روضۂ خواجہؒ کے بعد اجمیر سے اپنے وطن مالوف کو روانہ ہو گئے۔ جب اس سفر سے دار الارشاد سرہند شریف تشریف لائے تو اہل سرہند نے آپ کے شایان شان استقبال کیا اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کا بے حد شکر بجا لائے ؎

دیوار و در ش سجود کردند　　شکرانۂ ایں ورود کردند[1]

سرہند شریف پہنچکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے تمام تعلقات سے کلی انقطاع کر کے خلوت اختیار کر لی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین خادموں کے اور کوئی آپ کی خدمت میں جانے کا مجاز نہ تھا۔

خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انہی خلوت کے ایام میں ایک روز میں نے

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۲۴ و ۲۲۵، و زبدۃ المقامات ص ۲۸۳ و ۲۸۴

[ع] جیسا کہ خود حضرت مجدد علیہ الرحمۃ دفتر سوم مکتوب ۱۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہو گئی۔"

عرض کیا کہ حضور! ملکِ دکن کے امورِ سلطنت میں آج کل سخت بدنظمی ہے اگر اجازت ہو تو اپنے اہل و عیال کو لے آؤں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ پھر آستانہ پر حاضر ہو کر قدم بوسی نصیب ہو۔ آپ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا" دعا کنم کہ در آخرت باہم یکجا جمع شویم" (دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں پھر ہم ایک جگہ جمع ہوں)

اسی طرح شعبان المعظم ۱۰۳۳ھ کی پندرہویں شب کو جب آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ" اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آج کس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے اور کس کا باقی رکھا گیا ہے"۔ یہ سن کر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ تم تو شک و شبہ میں یہ بات کہہ رہی ہو لیکن اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو بچشم خود دیکھتا ہو کہ اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے[1] (اس میں اپنی جانب اشارہ تھا۔)

حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکان میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے فرمایا کہ میں آئندہ جاڑے کے موسم میں اس مکان میں نہ ہونگا۔ لوگوں نے عرض کیا شاید اس مکان میں جو کہ خلوت کے واسطے درست کرایا ہے قیام فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ اس جگہ بھی نہیں۔ پھر خدام نے دوبارہ عرض کیا کہ پھر کہاں رونق افروز ہوں گے؟ فرمایا کہ ان مکانوں میں سے کسی میں بھی نہیں، دیکھو خود بخود کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتفاقاً موسم سرما آنے سے پہلے ہی اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف آپ رحلت فرما ہو گئے۔[2]

انہی دونوں مخدوم زادوں سے منقول ہے کہ ہم نے حضرت اقدس قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ آپ نے اہل و عیال سے اسقدر بے رغبتی اور خلق سے بے تعلقی کس لئے اختیار فرمائی ہے ارشاد ہوا کہ میرے انتقال کا زمانہ بہت ہی نزدیک اور نہایت ہی قریب ہے۔ پس جس آدمی کو یہ معلوم ہو تو اس کو لازم ہے کہ اپنے کو نزد عبادت میں مشغول کرے اور تسبیح و استغفار اور درود و تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر وغیرہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہو اور غیرِ حق سے بالکل علیحدگی اختیار کرے، اس لئے تم سب بھی مجھ کو خدا پر چھوڑ دو۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ تم سب سے زیادہ دوست ہے

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۸۵۔ [2] وصالِ احمدی ص ۹ و ۱۰

اور انشاء اللہ تعالیٰ میری توجہ اور اعانت تم لوگوں کے لئے رحلت کے بعد قبلِ رحلت کی بہ نسبت اور زیادہ ہوجائے گی اس لئے کہ تعلقِ بشری بعض وقتوں میں اعانت اور توجہ کو مانع ہے اور بعد انتقال کے چونکہ فراغت اور تجرد ہے کوئی مانع نہیں[1] ——— حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس مدت میں ظاہر و پوشیدہ دن اور رات بہت خیرات کی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے عید الاضحیٰ ۱۰۳۳ھ کی نماز کے بعد ایک مختصر سی تقریر میں فرمایا "لوگو! میں نے تمہیں پہلے ہی اطلاع دیدی ہے کہ میں عنقریب دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں، آثار مجھے بتا رہے ہیں کہ میری عمر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ترسیٹھ ۶۳ سال ہوگی۔ اب ترسیٹھواں سال شروع ہوچکا ہے لہٰذا میں عنقریب تم لوگوں سے جدا ہوجاؤں گا اور اپنے مولیٰ کا دیدار حاصل کروں گا۔ خدا کے بندو! جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حاصل ہوا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ یہ بھی تم سے مخفی نہیں کہ میں نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کس قدر کوششیں کیں، کتنے ظلم سہے، کتنی جفائیں برداشت کیں، کتنے سخت سے سخت مصائب اٹھائے حتیٰ کہ قید تک منظور کی، لشکر میں رہنا اختیار کیا لیکن اپنے کام میں کوتاہی نہیں کی۔ آہ! اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں اور تم کو اپنے پروردگار کے سپرد کرتا ہوں۔ میری اور تمہاری ملاقات اب قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ہوگی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ شیخ احمدؒ نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کیا کچھ کیا تھا۔

یہ سن کر حاضرینِ مجلس تڑپ گئے، بے اختیار رونے لگے اور سب نے یک زباں ہو کر کہا: یا امام الاولیا! واقعی آپ نے شریعت کو رواج دینے میں اور مذہب و ملت کی تجدید میں حد درجہ کوشش فرمائی ہے اور اس دوران میں جو جو مصائب و تکالیف آپ کو پیش آئیں ان پر آپ نے صبر سے کام لیا اور شکرِ الٰہی بجالائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انشاء اللہ ہم قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور خانقاہ شریف میں تشریف لے آئے۔[2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۸۸۔ [2] روضۃ القیومیہ ص ۲۶۲۔

سنہ ۱۰۳۴ھ کا آغاز ہوا تو ۱۲ محرم کو گوشہ نشینی سے اٹھ کر والد ماجد کے مزار شریف پر تشریف لے گئے اور دیر تک مراقبہ فرمایا اور تمام اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت فرمائی پھر وہاں سے جدِ اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ کے مزار شریف پر تشریف لے گئے وہاں بھی مراقبہ فرمایا اور دعائے مغفرت کے بعد دولت خانہ پر تشریف لے آئے۔ (سیرت امام ربانی ص ۱۲۶)

چھ سات ماہ کی گوشہ نشینی کے بعد یہ آخری بار زیارتِ قبور کا اتفاق تھا اس کے بعد ضیق النفس کا دورہ عارض ہوگیا جو ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن اس سے کسی طرح افاقہ نہ ہوا بلکہ مرض شب و روز بڑھتا چلا گیا، ۱۳ صفر کو اس کے ساتھ بخار بھی شروع ہوگیا۔ ان سب کے باوجود آپ نماز باجماعت ادا فرماتے رہے اور اوراد و وظائف اور ذکر و مراقبہ میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہیں ہوئی۔ ۲۳ صفر پنجشنبہ کے دن کچھ افاقہ ہوا لیکن پھر مرض کا زور ہوکر بڑھنا شروع ہوگیا حتیٰ کہ بروز منگل بوقتِ چاشت ۲۸ صفر سنہ ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر سنہ ۱۶۲۴ء کو آپ کا وصال ہوگیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصایا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے وصال سے قبل، زندگی کے آخری ایام میں صاحبزادوں، خلفاء اور مریدوں کو بہت سے وصیتیں فرمائیں جن میں چند درج کی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنا، دینِ حق کے مجتہدوں کی فرمانبرداری کرنا، خلافِ شرع مشائخ سے بچنا، جو فقراء وحدت وجود کے قائل ہیں اور رقص و سماع کو کام میں لاتے ہیں وہ جھوٹے مدعی ہیں، کیونکہ جو احوال سالک پر ان امور سے وارد ہوتے ہیں تو انھیں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آپ نے ان سے منع فرمایا، شریعت اور طریقت پر ثابت قدم رہنا، عزیمت پر عمل کرنا، کرامت اور رخصت کو اعمال میں داخل نہ کرنا ذکر و شغل اور مراقبہ بکثرت کرنا، اپنا سارا وقت یادِ الٰہی میں صرف کرنا تاکہ باطنی احوال کشادہ ہوجائیں۔ باطنی ترقی شریعت پر ثابت قدم رہنے اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر محال ہے۔ اگر کوئی شخص شریعت کا مخالف ہو اور اس سے خوارقِ عادات یا کرامات ظاہر ہوں تو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے۔ یہ باتیں میں نے اپنے کلام (مکتوبات) میں مفصل لکھ دی ہیں، ان پر عمل کرنا تاکہ تمہیں نجات حاصل ہو اور علم باطنی سے حصہ ملے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام مریدوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا ہے جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے، امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر نیک لوگ مجھے اپنے سلسلے میں معلوم ہوئے۔

نیز میرے فرزندوں کی عزت کرنا، ان سے دعا و توجہ کیلئے التماس کرنا، سختی اور مصیبت میں ان سے مدد طلب کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پوری پوری معرفت اور مکمل قرب عطا فرمایا ہے، وہ تمام جہان میں شریف و کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہماری نسبت خاصہ اور تمام جہان کی قطبیت قیامت تک ہمارے فرزندوں میں رہے گی وغیرہ [1]

مذکورہ بالا وصیتوں کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادوں کو وصیت کی کہ میری تجہیز و تکفین میں اتباع سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری رعایت رکھنا، میری قبر کو خام رکھنا، میری قبر کو کسی گمنام جگہ بنانا۔ اس تیسری وصیت پر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ ہماری قبر صاحبزادہ محمد صادقؒ کے گنبد میں ہوگی اور قبر کی جگہ بھی آپ نے معین فرمادی تھی اور اس جگہ کی شرافت اور برکت وانوار بھی بیان فرماتے تھے۔ فرمایا ہاں میں نے کہا تھا لیکن اس وقت مجھے یہی شوق ہے، اگر تم کو یہ منظور نہ ہو تو والد بزرگوار کے نزدیک یا باغ میں دفن کیجیو۔ جب مخدوم زادہ نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا اچھا جو مناسب ہو کیجیو۔ اور مخدوم زادگان کی والدہ ماجدہ کو وصیت فرمائی کہ میری تجہیز و تکفین اپنے مہر سے کرنا [2]

> "حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے، چنانچہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں اور خواب و خیال کے ساتھ مطمئن ہیں۔ اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو اصل کا کچھ پتہ دیتی ہے اور مطلوب کی خوشبو سنگھاتی ہے اس کے علاوہ رنج ہی رنج ہے۔"
>
> (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۶۳)

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۶۲ و ۲۶۳۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۲۹۰۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

کی

وفات حسرت آیات

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے چھ سات مہینے گذرے تھے کہ بتاریخ ۷ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ آپ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا اگرچہ یہ دورہ ہر سال ہوا کرتا تھا لیکن اس سال زیادہ شدت کے ساتھ مع بخار لاحق ہوا، جس کی وجہ سے اعزا کو صحت سے مایوسی ہوئی۔ ایک روز آپ نے مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ آج شب میں نے حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ میرے حال پر نہایت مہربانی اور عنایات فرماتے ہیں اور اپنی زبانِ مبارک کو میرے منہ میں ڈال کر فرماتے ہیں کہ میرے اس شعر

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبٗ

(گذشتہ تمام بزرگوں کے آفتاب غروب ہو چکے ہیں لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ افقِ اعلیٰ پر (چمکتا رہیگا اور) غروب نہ ہوگا)

اور میرے اس قول میں کہ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ (میرا یہ قدم اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے) لوگ حیران ہیں اس کا حل لکھو (اس کی برکت سے) تم کو اس ضعف سے صحت حاصل ہوگی۔" چنانچہ مرض موت ہی میں آپ نے حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو وصیت فرمائی کہ مذکورہ بالا شعر کا حل ضرور لکھنا اور خود زبانِ مبارک سے اس کی تشریح فرمادی۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے حضرت کی وصیت کو آپ کی عزاداری کے دنوں میں پورا کیا اور مکتوبات شریف کی تیسری جلد میں داخل کر دیا ہے جو جلد سوم کے آخر میں مکتوب ۱۲۳ شیخ نور محمد بہاری کے نام لکھا گیا ہے۔[1] اور چونکہ اس ضعف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ملاقات کا شوق کمال درجہ غالب تھا اس لئے آپ پر گریہ وزاری طاری ہوا حتیٰ کہ کلمہ اَللّٰهُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کے ساتھ دم بدم رطب اللسان تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کوئی طبیب

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۶۷۔

کہ تمہاری بیماری کا علاج نہیں ہے تو سو روپیہ بطور شکرانہ خیرات کروں۔

نیز ۱۲ محرم ۱۰۳۴ھ کو ارشاد فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تمہاری قبر بن جائے گی۔ سننے والوں کو گمان ہوا شاید اسی ضعف میں آپ کا وصال ہو جائیگا لیکن بموجب بشارت حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ حضرت موصوفؒ کو صحت حاصل ہو گئی اور ضعف بھی جاتا رہا۔ طبیبوں نے صحت کی خوشخبری سنائی حتیٰ کہ آپ نماز کے لئے مسجد میں جانے لگے، تمام عزیزوں کو آپ کی صحت کا یقین ہو گیا اور آپ کا وہ فرمانا کہ چالیس پچاس روز کے درمیان گذر جاؤں گا لوگوں کے خیال سے نکل گیا اور اس شہود کو واقعہ اور خواب پر محمول کرنے لگے اور اس کی تاویلات و تعبیرات کر کے اپنے دلوں کو اطمینان و تسلی دینے لگے۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ برابر دن گنتے اور وصال کے منتظر تھے۔

ان ایام صحت میں آپ سے صدقات و خیرات بکثرت ظہور میں آئے۔ آپ کے مخلصین میں سے ایک شخص جس نے آپ کا رفیقِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے وصال کے شوق کی کثرت کو مشاہدہ کیا تھا اور اس دنیا کی زندگی سے آپ کی ناامیدی کو دیکھا تھا وہ ان صدقات و خیرات کو بلیات کا دفعیہ گمان کر کے حیرت میں تھا یہانتک کہ ایک روز اس نے عرض کیا کہ آپ میں زندگی سے ناامیدی اور اس دارِ فانی سے رحلت کے آثار ظاہر ہیں اور رفیقِ اعلیٰ کی ملاقات کا شوق نمایاں ہے پھر یہ سب صدقات و خیرات جو دافعِ بلیات ہیں کس لئے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ ہندی مصرع پڑھا۔ ع

آج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دیئوں وار

یعنی آج دوست سے ملنے کا دن ہے اے رازدار دوست! میں اس نعمت کی خوشی میں تمام دنیا کو قربان کرتا ہوں [1]

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں کہ انہی ایام صحت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا "جو کمال کہ کسی انسان کے واسطے مخصوص اور ممکن الحصول ہو سکتا ہے بطفیل حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ کو اس سے ایک حصہ عطا کیا گیا ہے۔"

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۸۷ و وصالِ احمدی ص ۸۔

حضرت مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے میرا دل سخت پریشان ہوا اور سمجھا کہ شاید اب حضرتؒ اس عالم سے کوچ فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیۂ شریفہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کے نزول سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب ہے۔ یہاں تک کہ جمعرات ۲۳ صفر کو عصر کے وقت صوفیوں کو قبائیں تقسیم فرما رہے تھے اور اسوقت آپ صرف فرجی (از قسم قبا) پہنے ہوئے تھے اور فرجی قبا کے نیچے کوئی دوسری قبا عادت کے موافق نہ تھی جس کی وجہ سے سردی لگ کر بخار ہو گیا اور آپ صاحبِ فراش ہو گئے۔ اس کے باوجود آپ اس رات تہجد کے لئے اٹھے اور بعد نمازِ تہجد فرمایا "یہ ہماری آخری تہجد ہے"۔ حضرت مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ اس بات کے سنتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ بیماری سے صحت پاکر پھر بیمار ہونا اور اس عالم سے رحلت فرمانا گویا اس معنی میں بھی آپ کو آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب ہوئی [1]

اس ضعف و ناتوانی کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے کوئی نماز جماعت کے بغیر نہ پڑھی الا ماشاء اللہ۔ قومہ اور جلسہ بھی جیسا کہ چاہئے ادا فرماتے تھے بلکہ جو دعا اور وظیفہ معمول تھا سب ادا فرماتے تھے کوئی دقیقہ دقائقِ شریعت سے اور کوئی ادب آدابِ اعمال سے ترک نہ فرماتے اور کسی جزئیاتِ شریعت میں حالتِ صحت کی سی بال برابر بھی فرق نہ آنے دیتے تھے

اسی حالتِ ضعف میں آپ نے حافظ عبدالرشید سے فرمایا کہ دو روپے کے کوئلے انگیٹھی کے لئے لے آؤ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایک ہی روپے کے لے آؤ اس لئے کہ کوئی واعظ دل میں کہتا ہے کہ اس قدر وقت کہاں ہے جو دو روپے کے کوئلے جل سکیں۔ شیخ حبیب خادم نے عرض کیا کہ حضرت سلامت سردی کا زمانہ ہے کام آئیں گے۔ اس پر فرمایا ملا حبیب اسقدر وقت اور زندگی کی امید کہاں مگر ایسا ہی کرو۔ جب کوئلے آگئے تو ان میں سے ایک روپیہ کے کوئلے جدا کئے اور فرمایا اتنے کوئلے ہمارے واسطے کافی ہیں اور باقی اندرونِ خانہ بھجوا دیئے۔ اپنے لئے جو کوئلے رکھے تھے وہ وصال کے وقت تک کافی ہو گئے اور کچھ نہ بچے [2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۸۸ [2] روضۃ القیومیہ ص ۲۹۲ — حضرات القدس ج ۲ ص ۱۴۵ — وصال احمدی ص ۲۳ ایضاً

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ پر اس مرض میں حالتِ صحت سے بھی زیادہ علوم و معارف کا نزول ہوا جن کو آپ نے مخدوم زادوں پر ظاہر فرمایا چنانچہ ایک روز معارف و حقائق کے بیان میں ایسے سرگرم تھے کہ ضعف و ناتوانی ہو کر طاقتِ گویائی نہ رہی تھی۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ کو بہت ضعف ہو گیا ہے اس لئے ان معارف کو صحت کے وقت پر موقوف رکھئے۔ ارشاد فرمایا: اے عزیز! آئندہ وقت کہاں ہے اور فرصت کس کو ہے، میں جانتا ہوں کہ دوسرے وقت زبان کو اتنا بھی یارائے سخن نہ ہوگا۔[۱]

آخر منگل کی شب کو وصالِ حق جل و علا کے اشتیاق میں آپ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا اِصْبَحْ یَا لَیْل (صبح ہوا ے رات!) اور جو خدام تیمارداری و خدمت گذاری کیلئے حضور میں حاضر تھے ان سے فرمایا کہ تم نے بہت تکلیف اٹھائی اب (صرف) یہی رات محنت کی ہے۔ اس پر سب کو گریہ طاری ہو گیا اور آپ پر بھی ضعف کی وجہ سے بیہوشی اور استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت سلامت یہ غیبت آپ کو استغراق کی وجہ سے ہے یا خواب کی وجہ سے؟ ارشاد فرمایا استغراق کی وجہ سے ہے، بعض معاملات و حقائق درپیش ہیں اس لئے توجہ کرتا ہوں کہ (پوری طرح) ظاہر ہو جائیں اور اختتام کو پہنچیں، اور ان معاملات کو مخدوم زادوں سے بھی بیان فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لطیف اسرار تھے۔

اس بیماری میں بھی اکثر اوقات وصیت فرماتے اور سنتِ عالیہ کی پیروی اور پسندیدہ ملت کے التزام پر رغبت دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ شریعت کو مضبوطی سے اختیار کرو اور یہ بھی فرمایا کہ الدین ھی النصیحۃ (دین نصیحت ہی ہے) کے مصداق صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصیحت کی باریکیوں میں سے کوئی باریکی (بیان کئے بغیر) نہیں چھوڑی۔[۲]

اس کے بعد پیشاب کرنے کے لئے طشت منگایا، اتفاقاً آپ کے خادم مولانا محمد ہاشم نے طشت پیش کیا لیکن اس میں ریت ڈالا ہوا نہ تھا اس لئے فرمایا اس میں ریت نہیں ہے احتمال ہے کہ کہیں پیشاب کے قطرے اُچٹ کر لباس پر گریں، لہٰذا پیشاب کا ارادہ ترک فرما دیا۔ آخر

---

[۱] زبدۃ المقامات ص ۲۸۹ و وصال احمدی ص ۲۰۔ [۲] زبدۃ المقامات ص ۲۹۰ و وصال احمدی ص ۲۰ و ۲۲

ریت وا الطشت حاضر کیا، تو فرمایا اب اتنی فرصت کہاں کہ پیشاب کے بعد وضو کر سکوں، اس کو لیجاؤ اور مجھے بستر پر لٹا دو۔ چنانچہ آپ کو تکیے کے سہارے لٹا دیا گیا تو آپ نے بطریقِ مسنون قبلہ رخ کر کے رخسارے کے نیچے اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نمازِ فجر سے باطہارت تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ رحلت کا وقت بہت قریب ہے اور پیشاب کے بعد استنجا اور وضو کرنے کی مہلت نہیں ملے گی اس لئے آپ نے پیشاب کا ارادہ ترک فرمایا تاکہ پہلا وضو نہ ٹوٹے اور طہارت کے ساتھ اس دارِ فانی سے انتقال فرمائیں۔ جب مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے دیکھا کہ سانس تیز آنا شروع ہو گیا ہے تو گھبرا کر پوچھا حضرت سلامت مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ "میں بہت اچھا ہوں، دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی وہ کافی ہے"۔ اس میں بھی آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اتباع نصیب ہوا کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا آخری کلام نماز کی بابت ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی بات نہیں کی اور ایک لمحہ بعد اللہ اللہ کہتے ہوئے عالمِ قدس میں پہنچ گئے، آہ! وہ آفتابِ حقیقت جس کے فیضان کی شعاعوں سے ایک عالم منور تھا دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ سبحانہٗ رحمۃً واسعۃً [1] ۔ حادثۂ وفات چاشت بروز منگل ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو پیش آیا۔

اس حادثۂ عظیمہ کے واقع ہوتے ہی گھر میں ایک کہرام مچ گیا اور آناً فاناً یہ خبر دور و نزدیک پہنچ گئی، اور ہر شخص اپنے اپنے تعلق کے مطابق رنج و غم میں مبتلا تھا۔ مخدوم زادوں نے انتہائی رنج و غم کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالا اور تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ اس وقت آپ کے متعلقین اعزا و احباب اور خلفاء و مریدین و معتقدین کا رنج و الم سے کیا حال ہوا ہوگا اس کا بیان کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ آج چار سو سال بعد ہم پڑھنے اور لکھنے والوں کے دل اس حادثہ کے تصور سے اثر پذیر ہو رہے ہیں۔

غرضکہ جب غسال نے غسل دینے کے لئے آپ کو تختہ پر لٹایا اور بدنِ مبارک سے کپڑے اتارے تو حاضرین نے دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بطریقِ نماز باندھے ہوئے تھے، بائیں ہاتھ کی

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۹۳۔ [2] حضرات القدس ص ۷۹۔

کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے تھے۔ حالانکہ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے انتقال کے بعد آپ کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے کردیئے تھے۔ تختہ پر لٹاتے وقت آپ نے تبسم کیا اور دیر تک متبسم رہے چنانچہ حاضرین آہ و فغاں کرنے لگے۔ یہ قطعہ آپ کے اور حاضرین کے اس وقت کے مناسب حال ہے۔ قطعہ

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں

ہمچناں زی کہ وقت مُردنِ تو ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

غسال نے آپ کو وضو کرایا اور آپ کے دونوں ہاتھ کھول کر سیدھے کرکے بائیں کروٹ پر لٹایا اور داہنی جانب غسل دیا، اس کے بعد داہنی کروٹ پر لٹا کر بائیں جانب غسل دیا۔ جب بائیں جانب بھی غسل دے چکے تو حاضرین نے مشاہدہ کیا کہ آپ کے دونوں دستِ مبارک پھر بطریقِ سابق ایک ضعیف حرکت کے ساتھ حالتِ نماز کی طرح بندھ گئے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا نے بائیں ہاتھ کے پہنچے پر حلقہ کرلیا۔ حالانکہ جب داہنی جانب لٹایا جائے تو سیدھا ہاتھ اُلٹے ہاتھ پر ہرگز نہیں ٹھہرتا مگر آپ نے اپنے اختیار و قوت سے ایسا پکڑ لیا کہ نہ گرا باوجودیکہ آپ کے اعضائے شریفہ موم سے بھی زیادہ نرم اور برگِ گل سے بھی زیادہ ملائم تھے۔ اسی طرح کفن پہناتے وقت بھی ہاتھوں کا باندھنا ظہور میں آیا اور اسی طرح جب آپ کو غسل کے تختہ سے اٹھایا اس وقت بھی ہاتھوں کا پکڑنا اسی طرح واقع ہوا۔ حاضرین مشاہدہ کر رہے تھے کہ آپ کے دستِ مبارک سیدھے کردیئے جاتے ہیں اور آپ بطریقِ مذکور حالتِ نماز کی طرح باندھ لیتے ہیں۔ جب دو تین دفعہ ایسا ہی واقع ہوا تو یقین ہوا کہ اس امر میں کوئی پوشیدہ بھید اور مخفی راز ہے اس لئے پھر تعرض نہیں کیا اور آپ کے دستِ مبارک ویسے ہی بندھے رہنے دیئے۔ اس وقت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا "معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مرضی یہی ہے کہ آپ کے دستِ مبارک اسی طرح رہنے دیئے جائیں صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ جس طرح زندگی بسر کروگے ویسے ہی مروگے) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [1]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۹۳ و ۲۹۴۔

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے کہ "اخیرِ غسل کے وقت حاضر تھا حضرت کے بھتیجے شیخ بہاؤالدین غسل دے رہے تھے اور میں پانی ڈال رہا تھا میں نے آپ کے پاؤں مبارک کو چوما اور اپنی آنکھوں سے ملا، دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو بطریقِ نماز باندھے ہوئے ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں جیسا کہ زندگی میں مسکرایا کرتے تھے۔ جو دیکھتا تھا تعجب کرتا تھا"[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ لفافہ، قمیص اور تہبند۔ نمازِ جنازہ آپ کے فرزند حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے پڑھائی اور بعد نمازِ جنازہ دعا کے لئے توقف نہیں کیا اس لئے کہ سنت یہی ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کی قبر سے مغرب کی جانب آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی قبر ایک بالشت بلند مثلِ کوہانِ شتر بنائی گئی۔[2]

روایت ہے کہ مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی قبر شریف گنبد کے وسط میں مائل بقبلہ واقع ہوئی تھی جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے وفات پائی تو آپ کی قبر شریف مخدوم زادہ کی قبر سے جانبِ قبلہ کھودی گئی اور اس میں حضرتؒ کو خزانہ کی طرح سپرد کیا گیا اور قبر بنائی گئی (مولانا بدرالدین سرہندیؒ فرماتے ہیں) ہم نے دیکھا کہ یکا یک مخدوم زادہ کی قبر شریف بہ تعظیم والد بزرگوار و پیر دستگیر کسی قدر (بقدر ایک ہاتھ) شرقی دیوار کی جانب ہٹ گئی ہے۔ ابتک اسی حالت میں ہے یہ واقعہ جس نے دیکھا حیران رہ گیا۔ اب بھی زائرین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ مخدوم زادہ کی قبر تقریباً ایک ذراع (ہاتھ) شرقی دیوار کی جانب ہٹی ہوئی ہے۔[3]

پھر جب حضرت خواجہ محمد سعید خازن الرحمۃ قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو ان کو بھی اسی گنبد میں صاحبزادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کے پہلو میں شرقی جانب دفن کیا گیا۔ اب اس گنبد میں تین مزار مبارک ہیں، مغربی سمت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، درمیان میں صاحبزادۂ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ اور مشرقی سمت میں صاحبزادۂ دوم حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ، اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کے مزارِ مقدس پہ گنبد بھی بنا اور گنبد کے اندر تین مزارات کی سنت بھی پوری ہوئی۔ فسبحان اللہ وبحمدہ۔

---

[1] حضرات القدس ص ۱۷۹ [2] عمدۃ المقامات ص ۳۲۱ ، جواہر مجددیہ ص ۱۹۹ [3] زبدۃ المقامات ص ۲۹۶۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے وصال کے دن آسمان کے چاروں طرف کنارے سرخ ہو گئے تھے جیسا کہ "شرح الصدور فی احوال الموتیٰ و القبور" میں حدیث شریف مذکور ہے کہ " مومن کی موت پر آسمان و زمین روتے ہیں اور آسمان کا رونا اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا ہے[1]"

آپ کے وصال کے بعد مخدوم زادوں اور دیگر حضرات نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا مکاشفات میں معلوم ہوا وہ واقعات بکثرت ہیں ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں:۔

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی وفات کے رنج و غم کے زمانے میں ایک شب میں اس حجرہ میں جو روضۂ مبارک کے صحن میں ہے بستر پر لیٹا تھا، اسی ماتم فراق و درد اشتیاق کی حالت میں سو گیا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت صحن روضہ میں ٹہل رہے ہیں پھر واقعہ میں دیکھا کہ حضرت حجرہ کے دروازہ کی طرف مڑے اور اندر تشریف لے آئے اور میرے بستر پر بیٹھ کر مجھ کو گود میں دبا لیا جس طرح کہ مشائخین بوقت عطاءِ نعمتِ باطنی معانقہ کیا کرتے ہیں اس امر سے مجھ پر ہیبت غالب ہو گئی اور تمام جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اتنے میں آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ علاوہ ازیں میں نے مختلف راتوں میں دیکھا کہ حضرتؒ روضہ شریف کے صحن میں چہل قدمی فرما رہے ہیں[2]

شیخ پیر محمد سلطان پوری جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مرید ہیں نقل کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی رحلت کے چار پانچ یوم بعد میں حضرت کی مسجد میں ظہر کی نماز کے لئے آیا۔ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ امامت کے لئے آگے بڑھے اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوا اس وقت میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ میرے برابر کھڑے ہیں اور اپنے دستِ مبارک سے مجھ کو پکڑ کر اپنے قریب کر لیا تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے، آپ ایک سبز شال اوڑھے ہوئے اور پاؤں میں موزے پہنے ہوئے تھے۔ آخر نماز تک میں نے آپ کو بغور دیکھا کہ شاید وہم و خیال ہو، معلوم ہوا کہ بلا ریب و شک حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی ہیں لیکن جونہی نماز ختم ہوئی آپ کو نہ پایا[3]

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو خواب میں دیکھا

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۹۶۔ [2] حضرات القدس ص ۱۸۰۔ [3] وصال احمدی ص ۳۴

تو دریافت کیا کہ حضرت سلامت منکر نکیر کے سوال کا حال کیسا گذرا؟ فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے کمال رحمت کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ اگر تو اجازت دے تو یہ دونوں فرشتے تیری قبر میں آئیں اور تیری قدم بوسی کریں۔ میں نے عرض کیا کہ بارِ الٰہا یہ دونوں تیری ہی بارگاہ کے دروازے پر رہیں یہاں نہ آئیں چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے مہربانی فرما کر ان فرشتوں کو میرے پاس نہ بھیجا۔ اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ حضرت سلامت ضغطۂ قبر (قبر کی تنگی) کی کیا حالت ہوئی؟ فرمایا ہوئی مگر نہایت کم۔ اور گویا آپ کے خادم محمد ہاشم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ یہ تواضع کے طور پر فرماتے ہیں ورنہ اصلاً تنگی نہیں ہوئی۔ [1]

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ اُن انعاماتِ الٰہی کو بیان فرما رہے ہیں جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے بعد وصال آپ پر عنایت فرمائے ہیں اور آپ اُن پر شکر ادا فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو مقامِ شکر سے بھی کچھ حصہ عطا فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں مجھے بھی شکر گذاروں میں شمار فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ جو وارد ہوا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ صرف پیغمبروں کی جماعت ہوگی یا پیغمبروں کے کامل ترین صحابہ کرام ہوں گے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہے مگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اس جماعت میں داخل کر لیا ہے۔ [2]

مولانا بدرالدین سرہندیؒ رقمطراز ہیں کہ آپ کی رحلت کے پانچ چھ دن کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں راستہ میں شیخ فرید فاروقی مل گئے میں نے اُن سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا کہ خلوت خانہ میں تشریف رکھتے ہیں اور حضرت خواجہ حسام الدینؒ کو خط تحریر فرما رہے ہیں، فقیر بھی اندر پہنچا دیکھا کہ (واقعی) خط تحریر فرما رہے ہیں۔ میں نے خط کا مطالعہ کیا اس کا عنوان تھا کہ "ہم خود اس جہان کے نگہبان ہیں، ہم (اس) جہان سے گزر گئے اور اُس جہان میں آ گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ترجمہ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) بہت سا حصہ یاد نہیں رہا، اس کے بعد خط کو لپیٹ کر اس کے اوپر یہ عبارت لکھی "یہ خط مرزا کا بہر خاص ہے"۔ [3]

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۹۷ و وصال احمدی ص ۳۶ ۔ [2،3] زبدۃ المقامات ص ۲۹۷، ۲۹۸ و وصال احمدی ص ۳۸ ۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے ایک شخص عبد العلیم بن شیخ احمد برکی مرحوم نے مخدوم زادگان کی خدمت میں نقل کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے وصال کی خبر ابھی ہم تک نہیں پہنچی تھی اور ان دنوں میرا لڑکا بیمار تھا اور شدتِ مرض کے سبب تڑپ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو دیکھا تھا کیا اب آپ کی صورتِ مبارک تجھے یاد ہے؟ اس نے کہا آپ کا حلیہ مبارک اور ریش شریف (داڑھی) میری نظر میں ہے۔ میں نے کہا پس اسی کو نظر میں رکھ تا کہ وسوسے دور ہو جائیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت شیخ نصیر کے خیال سے تجھ کو صحت عطا فرمائے۔ اچانک اس کو غنودگی طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ حضرتؒ موجود ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم خدائے تعالیٰ کے پاس پہنچے اور بہشتِ اعلیٰ میں آگئے ہم نے پہلے دایاں پاؤں بہشت میں رکھا اس کے بعد سر پھر بایاں پاؤں اندر لائے اور ہم خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ میں نے عرض کیا حضرت سلامت مجھ کو بھی بہشت اور دیدارِ خدا تک پہنچا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ابھی تیرا اور میرے فرزندوں کا وقت نہیں آیا ہے جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو صحتیاب ہو چکا تھا اور ضعف و وسواس کا کچھ اثر باقی نہ رہا تھا۔ یہ واقعہ حضرتؒ کے وصال سے دس روز بعد کا ہے۔[1]

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

÷

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تاریخِ وصال اکثر حضرات نے بکثرت کہی ہیں چنانچہ حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے بھی ۶۳ مادے بعدد عمر شریف آپ کی وفات کے نکالے ہیں مگر یہاں مندرجہ ذیل آیت پیش کی جاتی ہے جس سے آپ نے سنہ وفات نکالا ہے:[2]

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

۱۰۳۴ھ

حضرت مولانا محمد صادق علیہ الرحمۃ نے حدیث شریف اَلْمَوْتُ هُوَ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ میں لفظ هُوَ کو موت اور جسر کے درمیان اضافہ کر کے آپ کا سنہ وفات نکالا ہے۔[3]

از حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ

زیں جہانِ پر بلا چوں شاہِ عرفاں نقل کرد	ظل را بگذاشت در رہ، رو بأصل الاصل کرد
جسم از تاریخ نقلِ اوز دار الابتلا	گفت ہاتف احمد الثانی باوّل نقل کرد

۱۰۳۴ھ

---

[1] وصال احمدی ص ۳۶ و زبدۃ المقامات ص ۲۹۸ - [2] زبدۃ المقامات ص ۳۰۲ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۰۰ [4] زبدۃ المقامات ص ۲۱۵

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا حلیۂ شریفہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا حلیہ شریفہ اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ سالکان راہِ طریقت اور مسافرانِ منازلِ حقیقت اس کو وصول الی اللہ اور فیوض و برکات کا ذریعہ بنائیں۔

آپ کا رنگ گندم گوں مائل بہ سفیدی اور پیشانی کشادہ تھی آپ کی پیشانی اور رخسار سے ایک نور درخشاں رہتا تھا، آپ کے ابرو کشادہ، قوس کی طرح باریک دراز اور سیاہ تھے، آنکھیں کشادہ اور بڑی تھیں ان کی سیاہی زیادہ سیاہ اور سفیدی زیادہ سفید تھی، بینی مبارک باریک اور بلند تھی، آپ کا دہن مبارک نہ دراز تھا نہ کوتاہ، دندانِ مبارک ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور لعلِ بدخشاں کے مثل درخشاں تھے، آپ کی ریشِ مبارک خوب گھنی، دراز اور مربع تھی، ریشِ مبارک نے رخسارۂ مبارک پر تجاوز نہ کیا تھا۔ آپ دراز قد اور نازک اندام تھے، آپ کے جسمِ مبارک پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی، آپ کی ایڑیاں صاف اور چمکتی تھیں، آپ کے پسینہ سے کبھی بدبو نہ آتی تھی جس طرح کہ عموماً موسمِ گرما میں پیدا ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ آپ کا حسن، حسنِ یوسفی کی یاد اور آپ کی وجاہت شوکتِ خلیلی کو تازہ کرتی تھی۔ جو شخص آپ کو دیکھتا بے اختیار اس کی زبان پر مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ آجاتا (یعنی یہ انسان نہیں بلکہ یہ ایک بزرگ فرشتہ ہیں) اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ هٰذَا وَلِيُّ اللّٰهِ جاری ہو جاتا۔ حدیث اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ (یعنی ان کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے) گویا آپ کی شان میں وارد ہوئی تھی ضعفِ اسلام اور غلبۂ کفر کے باوجود ہزاروں کافر آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور فساق و فجار کی ایک کثیر جماعت آپ کے اخلاق و معاملات سے متاثر ہو کر تائب ہو گئی اور صلاح و تقوی اور خدا ترسی و حق پرستی میں مشغول ہو گئی۔

اطراف و اکنافِ عالم سے ایک جمِ غفیر واقعات اور خوابوں میں آپ کا حلیۂ مبارک دیکھ کر اور رابطہ حاصل کر کے آپ کی خدمت شریفہ میں آتا اور شرفِ ملازمت کے بعد آپ کی شکل و صورت کو واقعہ اور خواب کے مطابق پاتا تھا بہت سے علما، صلحا و فقرا اور نوگروں نے آپ کا حلیۂ شریفہ عالم ... میں مشاہدہ کر کے خواب ہی میں آپ سے ذکر و شغل حاصل کیا اور ان کے قلوب ذاکر ہو گئے پھر بکمالِ شوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کیا تو وہی ذکر و شغل پایا جو خواب میں آپ سے حاصل کیا تھا۔" (حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۰۶ و ۲۰۷)

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ
کے
معمولات

"کتاب ہذا کی پہلی اشاعت کے موقع پر اسی عنوان کے تحت ہم نے عرض کیا تھا کہ "زبدۃ المقامات صفحہ ۲۱۲ پر مذکور ہے کہ ایک عزیز نے آپ کے شبانہ روز کے وظائف کو جمع کیا ہے اور ان میں سے اکثر کی تصریح کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے" الحمد للہ کہ وہ نایاب قلمی رسالہ مخدومی و محترمی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ نے ازراہِ کرم عنایت فرمایا ہے لہذا اب اس اشاعت میں اس کا ترجمہ قدرے تصرف کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور قوسین میں زبدۃ المقامات وحضرات القدس وغیرہ سے وہ زائد عبارتیں بھی درج کر دی گئی ہیں جو اس مخطوط کے علاوہ ہیں۔" (مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اجمعین امّا بعد واضح ہو کہ جب درگاہِ عالیہ کے ایک آستانہ نشین نے حضرت حجۃ الاولیاء الصدیقین برہان الاتقیاء المحبوبین قبلۃ الاصفیاء والمسترشدین امام وقبلہ شیخ احمد فاروقی نقشبندی سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ الیٰ یوم الدین کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حضور اجازت دیدیں تو آنجناب کے دن رات کے وظائف شریفہ یا بعض احوال واوضاعِ شریفہ کو تحریر کر لیا جائے تاکہ تمام طالبانِ طریقت اس کے برکات وفیوض سے بہرہ یاب و مستفید ہو سکیں۔ حضرت موصوف نے فرمایا کہ کیا ضرورت ہے جو عمل کہ مقبول اور پیروی کے لائق ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے اس کے لئے حدیث شریف کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور وہاں سے انتخاب کر لینا چاہیئے۔ پھر دوبارہ خدمتِ عالیہ میں عرض کیا گیا کہ آنجناب کا ہر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس عمل کے مطابق ہے جو کہ معتبر کتابوں سے ثابت ہے، پس اولیٰ وانسب یہ ہے کہ ہم آنجناب کے مطابق عمل اختیار کریں تاکہ مستند عمل کے ساتھ

موافقت کرنے والے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تحریر کرلیں، لیکن اچھی طرح خیال رکھیں کہ میرا جو عمل سنت کے مطابق ہو خواہ وہ قولی ہو یا فعلی اس کو عمل میں لایا جائے اور جو ایسا نہ ہو اس کو موقوف رکھا جائے۔ اس بنا پر اس درگاہِ عالی کا کمترین خاک نشین کہ جو اس لائق نہیں ہے کہ یہاں اس کا نام لیا جائے لیکن بھائیوں سے ان اعمال کی توفیق کے وقت دعائے خیر کی التماس کے ساتھ اس امید پر اپنے نام کو درج کر رہا ہے کہ جو شخص ان معمولات پر عمل کرے محمد صالح کولابی کو دعا و فاتحہ سے یاد و شاد کرے۔

اس رسالہ کو تین فصل اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے: فصل اول میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے احوال و اوضاعِ شریفہ اور عقائد کا بیان ہے، دوسری فصل میں دفع شر جن کے لئے دعائیں ہیں اور تیسری فصل میں وہ دعائیں ہیں جو مختلف اوقات میں پڑھتے تھے اور بعض بلند معارف و حقائق جو کہ مکتوبات و رسائل شریفہ میں درج نہیں ہیں اور وہ معارف بھی جو کہ آخر زمانہ میں صادر ہوئے اور عجیب و غریب علوم پر مشتمل ہیں؛ درج کئے جاتے ہیں[1]:۔

فصل اول: آپ کے دن رات کے معمولات آپ ہمیشہ سفر ہو یا حضر، موسم گرما ہو یا سرما نصف شب کے بعد بیدار ہوتے اور یہ دعا پڑھتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ الْبَعْثُ وَالنُّشُوْرُ۔ اور یہ آیت بھی پڑھتے تھے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ○ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ○

(**آپ کے آداب بیت الخلا** بعد ازاں بیت الخلا تشریف لے جاتے تو پہلے بایاں پاؤں رکھتے اس کے بعد داہنا اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ جب بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر زور رکھتے، بعد فراغت بطور حلاق استنجا کرتے اس کے بعد پانی سے استنجا کرتے اور بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں نکالتے۔)

[1] افسوس کہ اس قلمی رسالہ میں معارف و حقائق اور عجیب و غریب علوم والا حصہ اور خاتمہ کتاب کا باب موجود نہیں ہے۔ (مؤلف)

(آپ کے آدابِ وضو) وضو کرنے کے لئے رو بقبلہ بیٹھتے اور بلا کسی کی مدد کے وضو کرتے اور آفتابہ (لوٹا) بائیں جانب رکھتے) اور ابتدائً ہاتھ دھونے میں یہ دعا پڑھتے: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ وَالْکُفْرُ بَاطِلٌ (پہلے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر بائیں پر بعد ازاں دونوں ہاتھ جمع کر کے دھوتے اور انگلیوں میں کف دست کی طرف سے خلال کرتے، بوقتِ مضمضہ مسواک استعمال فرماتے، پہلے داہنی طرف کے اوپر کے دانتوں پر پھر نیچے کے دانتوں پر بعد ازاں بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں پر پھر نیچے کے دانتوں پر پھیرتے اس طرح تین دفعہ کرتے پھر زبان پر کرتے اگر تین دفعہ سے زیادہ کرتے تو عددِ وتر (طاق) کی رعایت کرتے اور ہر وضو میں مسواک کا التزام رکھتے تھے مسواک استعمال فرمانے کے بعد اکثر خادم کے سپرد کرتے اور وہ اس کو اپنی پگڑی کے پیچ میں رکھ لیتا، آپ کلی کے پانی کو دور ڈالتے تھے اور تین مرتبہ کرنے کی رعایت رکھتے تھے بوقتِ مضمضہ یہ دعا پڑھتے تھے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَعَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَعَلٰی صَلٰوۃِ حَبِیْبِکَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اور تین دفعہ استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) بھی تازہ پانی سے جدا جدا کرتے) اور بوقتِ استنشاق یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَ اَرْضِ عَنِّیْ غَیْرَ غَضْبَانَ۔ اور ناک میں ڈالے ہوئے پانی کو جھاڑتے وقت یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَّوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ وَاٰلِہِ الْاَبْرَارِ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اور اس کے بعد منہ مبارک پر کمال آہستگی و سہولت سے بالائے پیشانی سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ داہنے رخسار پر اور بایاں ہاتھ بائیں رخسار پر گزارتے اور داہنے کو بائیں پر مقدم کرتے تاکہ ابتدا داہنے سے ہو) اور منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے: نَوَیْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ لِرَفْعِ الْحَدَثِ وَلِاسْتِبَاحَۃِ الصَّلٰوۃِ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِکَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَائِکَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ (اس کے بعد داہنے ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر ہاتھ پھیرتے تاکہ قطرات ٹپکنے بند ہو جائیں اور اسی طرح سے بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھوتے اور انگلیوں کی جانب سے پانی ڈالتے) داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ

حِسَابًا یَّسِیْرًا وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تُؤْتِیَنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْمِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ وَلَا تُحَاسِبْنِیْ حِسَابًا عَسِیْرًا۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (بعد ازاں داہنے چلو میں پانی لے کر بائیں کفِ دست اور انگلیوں پر ڈال کر اس طرح زمین پر ڈالے کہ چھینٹیں نہ اڑیں اور تمام سر کا مسح کرتے اس طرح پر کہ وسطِ سر پر دونوں انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی (انگشتِ شہادت) کے علاوہ باقی چھ انگلیاں وسطِ سر پر رکھ کر آگے سے پیچھے لیجاتے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اطرافِ سر پر پیچھے سے آگے تک پھیرتے ہوئے لاتے) اور یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ (اس کے بعد اسی تری سے کانوں کے اندر کی طرف کا مسح انگشتِ سبابہ (شہادت کی انگلی) سے اور کانوں کی پشت (باہر کی طرف) کا مسح انگشتِ تر (انگوٹھا) سے کرتے) اور دونوں کانوں کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّسْتَمِعُ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُ اَحْسَنَهٗ اَللّٰهُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ۔ اور گردن کا مسح انگلیوں کی پشت کی تری سے کرتے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ وَرِقَابَ اٰبَآئِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ پھر داہنا پاؤں دھوتے (تو تین مرتبہ ٹخنوں سے اوپر تک دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر اس طرح ہاتھ پھیرتے کہ خشک کے قریب ہو جاتا) اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ وَقَدَمَ وَالِدَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ یَوْمَ تَثْبُتُ بِهٖ اَقْدَامُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اور اسی طرح سے بایاں پاؤں دھوتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ وَقَدَمُ وَالِدَیَّ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ وَالْكَافِرِیْنَ فِی النَّارِ بِحُرْمَةِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اور پاؤں دھوتے وقت قدرے جنوب یا شمال کی طرف مڑ جاتے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے سے خلال کرتے اور دائیں پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرتے) اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد (گوشہ چشم حق بیں آسمان کی طرف متوجہ کر کے) یہ دعا پڑھتے (أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا أَوْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ فَاغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ أَنْ أَذْكُرَكَ كَثِيْرًا وَّأُسَبِّحَكَ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ۝ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ تا آخر۔ پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اشْفِنِيْ بِشِفَائِكَ وَدَاوِنِيْ بِدَوَائِكَ وَعَافِنِيْ مِنَ الْبَلَاءِ وَاعْصِمْنِيْ مِنَ الْأَهْوَالِ وَالْأَمْرَاضِ وَالْأَوْجَاعِ (اور آپ اعضائے وضو کپڑے سے نہ پونچھتے)

(آپ کی نماز تہجد، وتر اور مراقبہ) اس کے بعد لطیف و نفیس لباس زیب تن فرماتے اور پورے تحمل و وقار کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ ہوتے) اور دو رکعت خفیف ادا فرماتے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھتے وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (اور دوسری رکعت میں بعد فاتحہ یہ آیت پڑھتے) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝) — باقی نماز تہجد کو بطول قرأت ادا فرماتے

لیکن ہر بعد کے دوگانہ کی قرأت پہلے دوگانہ سے کم ادا کرتے۔ آپ اکثر اوقات نمازِ تہجد بارہ رکعت پڑھتے کبھی دس اور کبھی آٹھ پر اکتفا فرماتے (اکثر ان میں قرآن مجید کے دو تین سپارے پڑھتے تھے، کبھی کبھی حالتِ محویت میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت میں گذار دیتے اور جب خادم عرض کرتا کہ صبح ہونے والی ہے تب دوسری رکعت تخفیفِ قرأت کے ساتھ ادا فرما کر سلام پھیر دیتے) اکثر نمازِ تہجد میں سورہ یٰسٓ پڑھتے اور فرماتے کہ اس کی قرأت میں بہت زیادہ نفع ہے اور بے شمار نتائج و ثمرات پائے گئے ہیں۔ کبھی نمازِ تہجد میں سورہ الٓمٓ سجدہ، سورہ ملک، سورہ مزمل، سورہ واقعہ اور چہار قل بھی پڑھتے تھے۔ بعد ازاں اگر اول شب میں وتر نہ پڑھے ہوتے تو تین رکعت وتر پڑھتے اور فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ سبح اسم اور دوسری میں قل یا اور تیسری میں قل ہو اللہ پڑھتے۔ تیسری رکعت میں قل ہو اللہ کے بعد قنوتِ حنفی کے ساتھ قنوتِ شافعی ضم کرتے جیسا کہ حنفیوں کی کتاب میں موجود ہے اور وہ قنوت یہ ہے: اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْ مَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنَا فِيْ مَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَ قِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ، اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ط ــــ اگر وتر اول شب میں پڑھ لیتے تو نمازِ تہجد کے بعد وتر نہ پڑھتے کیونکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا مشروع نہیں ہے، پھر سورہ آلِ عمران کا آخری رکوع پڑھتے یعنی اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ بعد ازاں ستر مرتبہ استغفار پڑھتے اور کبھی کبھی آیتِ کریمہ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ستر مرتبہ پڑھتے (بعدہٗ صبح تک مراقبہ کرتے یا کلمۂ طیبہ پڑھتے یا قبل از نمازِ فجر موافقِ سنت سو جاتے تاکہ تہجد بین النوم واقع ہو۔)

(آپ کی نمازِ فجر) پھر صبح سے قبل بیدار ہوتے اور تازہ وضو فرما کر سنتِ فجر گھر پر پڑھتے، ان میں فاتحہ کے بعد اکثر پہلی رکعت میں قل یا اور دوسری میں قل ہو اللہ پڑھتے تھے (سنت و فرض کے درمیانی وقت میں تسبیح و تہلیل کرتے تھے یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ آہستہ آہستہ پڑھتے تھے، بعد ازاں بجانبِ قبلہ داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے لیکن آخر میں یہ اضطجاع (کروٹ پر لیٹنا) ترک کر دیا تھا) پھر مسجد تشریف لے جاتے، مسجد میں

داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت اس طرح کرتے: نَوَیْتُ اَنْ اَعْتَکِفَ مَا دُمْتُ فِی الْمَسْجِدِ۔ اگر مکروہ وقت نہ ہوتا تو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتے ان کو کبھی ترک نہ کرتے، بعد ازاں نمازِ فجر جماعتِ کثیر کے ساتھ اسفار (اُجالے) میں ادا کرتے، خود امامت فرماتے اور طوالِ مفصل پڑھتے بعد ادائے فرض اسی جلسہ میں دس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ اس کے بعد یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرماتے: اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ[1] پھر حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ سے اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک اور آیت الکرسی اور آیۂ کریمہ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ سے تُخْرَجُوْنَ[2] تک پڑھتے، پھر مقتدیوں کے دائیں یا بائیں جانب رجوع ہو کر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے بعد دعا دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیرتے۔

آپ کا حلقۂ ذکر و توجہ | بعد ازاں آپ اپنے احباب کے ساتھ حلقۂ ذکر و مراقبہ فرماتے، شغلِ باطنی میں تا بلندیٔ آفتاب بقدر یک نیزہ مشغول رہتے (حلقہ میں کبھی کبھی حافظ صاحب سے قرآن شریف بھی سنتے)

آپ کی نمازِ اشراق و استخارہ | بعدہٗ دو یا چار رکعت نمازِ اشراق پڑھتے، اول رکعت میں بعد فاتحہ آیت الکرسی و سورۂ یٰسٓ تا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ اور دوسری رکعت میں بقیہ سورۂ یٰسٓ آخر تک اور سورۂ والشمس ــــ پھر دو رکعت بہ نیتِ استخارہ پڑھتے، کبھی اول رکعت میں قُلْ یٰا اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ، اور کبھی پہلی میں سبح اسم، الم نشرح اور قل یا، اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ تین مرتبہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھتے اور سلام کے بعد استغفار اس طرح پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ــــ اس کے بعد یہ دعاء استخارہ پڑھتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اُرِیْدُ

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۶۳ [2] سورۃ الروم: ۱۷، ۱۸

مِنْ اَیِّ عَمَلٍ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیَ الْیَوْمَ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اُرِیْدُ مِنْ اَیِّ عَمَلٍ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیَ الْیَوْمَ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ ـــــ

بوقتِ شب بھی نوافلِ اوابین ادا کرنے کے بعد یہی دعاء استخارہ پڑھتے اور الیوم کی بجائے اللیل پڑھتے چونکہ بعد نمازِ فجر مجلسِ سکوت (مراقبہ) فرماتے تھے اس لئے بعض دعواتِ یومیہ اشراق کے بعد پڑھتے، وہ دعائیں یہ ہیں:- اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ مَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ فَتْحَہٗ وَنَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ وَبَرَکَتَہٗ وَھُدَاہُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ اور تین مرتبہ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اور تین مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اور سات مرتبہ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ اور سات مرتبہ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ نَبِّھْنِیْ قَبْلَ اَنْ تُنَبِّھَنِیَ الْمَوْتُ۔ اور سات بار اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ اور سات مرتبہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ اور سات مرتبہ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِکَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی دِیْنِکَ وَعَلٰی طَاعَتِکَ۔ اور سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اور سات مرتبہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ۔ اور سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔

اور تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور ان میں سے بعض دعاؤں کو نماز اوابین کے بعد بھی پڑھتے اور ان چاروں کلمات کو ہر فرض نماز کے بعد اعداد مذکورہ بالا کے موافق پڑھتے، اور اگر اشراق کے بعد اوراد یومیہ مذکورہ کے پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تو دن رات میں جس وقت فرصت میسر آتی ان اوراد کو پڑھ لیتے تھے۔

(آپ کی خلوت اور صحبت) بعد ازاں خلوت میں تشریف لے جاتے اور بمقتضائے حال کبھی قرآن شریف پڑھتے اور کبھی کلمۂ طیبہ کا تکرار کرتے اور گاہ گاہ طالبانِ خدا کو جدا جدا طلب کرکے احوال پرسی فرماتے اور ہر ایک کے حال کے موافق ارشاد فرماتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے اگلے پچھلے احوال تفصیل و شرح کے ساتھ خود بیان فرماتے اور مقامات و کیفیات سے آگاہ فرماتے اور کبھی خاص خاص اصحاب کو طلب فرما کر اسرارِ خاصہ و معارفِ مکشوفہ بیان فرماتے اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے۔ معارف بیان کرتے وقت محسوس ہوتا کہ گویا انوار و اسرار حال کرتے ہیں۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ جس وقت طالبانِ سلوک کوئی معرفت حضرت کی زبان سے سنتے بمجرد سننے کے اس معرفت سے حضرت کی توجہ کے ساتھ متحقق ہو جاتے، ہر ایک کو اس کے حال اور استعداد کے موافق ذکر و فکر تعلیم فرماتے اور سب کو علوِ ہمت و اتباعِ سنت و دوام ذکر و حضور مراقبت اور اخفارِ حال کی تاکید فرماتے اور تکرارِ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی نہایت ترغیب دلاتے اور فرماتے کہ اس کلمۂ معظم کے مقابلہ میں تمام عالم کی مثال ایسی ہے جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ، اور فرماتے کہ یہ کلمۂ طیبہ جامع کمالاتِ ولایت و نبوت ہے، اور فرماتے کہ فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ کہنے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش رکھتا ہے، اور فرماتے کہ اس سے زیادہ کوئی آرزو دل میں نہیں ہے کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمہ کے تکرار سے متلذذ و محظوظ ہوں مگر کیا کیا جائے کہ یہ آرزو میسر نہیں۔ اور مریدوں کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تاکہ معلوم ہو کہ کونسا مسئلہ مفتی بہ ہے اور کونسا مسنون و معمول بہا اور کونسا مسئلہ بدعت و مردود ہے۔ حضرت کی احباب سے خاموشی کی صحبت ہوتی اور اصحاب

پر اس قدر ہیبت و جلال غالب تھا کہ مجالِ انبساط و دم زدن نہ تھی۔ اور حضرت کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ وارداتِ متنوعہ و متلونہ کے متواتر و بکثرت وارد ہونے کے باوجود ہرگز کبھی اثرِ تلوین ظاہر نہیں ہوا۔ البتہ چشم پُرآب ہو جاتی اور گاہ گاہ اثنائے بیانِ حقائق میں رخسارہ دیدہ کا رنگ متلون ہو جاتا اور رخسارے سرخ و عرق آلود ہو جاتے۔)

آپ کی نمازِ چاشت بعدہٗ نمازِ ضحیٰ یعنی نمازِ چاشت کی آٹھ رکعت ادا کرتے، اگرچہ وہ چار رکعت جو اول پڑھتے تھے داخلِ ضحیٰ تھیں، پس حاصل یہ کہ نمازِ ضحیٰ بارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی بسببِ قلتِ وقت انہی چار رکعتوں پر جو کہ اول بہ نیتِ اشراق پڑھتے تھے اکتفا فرماتے اور کبھی اول کی دو ہی رکعت پر۔ اور قراءتِ نمازِ چاشت میں بعد فاتحہ سبح اسم اور والشمس اور واللیل اور والضحیٰ اور چار قل پڑھتے تھے (اوائلِ حال میں نمازِ تہجد و نمازِ ضحیٰ و فی الزوال میں اکثر تکرارِ قراءتِ سورہ یٰسٓ فرماتے حتیٰ کہ کبھی کبھی اس سورہ مبارکہ کا دن رات میں اسّی مرتبہ پڑھنے کا اتفاق ہو جاتا۔ آپ نمازِ ضحیٰ خلوت میں ادا فرماتے تھے۔)

آپ کا طعام و قیلولہ بعدہٗ محلسرا میں تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور کھانے وقت فرزندان اور درویشوں کو طعام تقسیم فرماتے اور اگر فرزندان و درویشوں اور خادموں میں سے کوئی شخص اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کے حصہ کا کھانا رکھ چھوڑنے کے واسطے ہدایت فرماتے حضرت کے گھر کا کھانا بہت لذیذ ہوتا تھا —— کھانا کھاتے وقت حضرت داہنا زانو کھڑا کر لیتے اور بایاں بچھا لیتے اور کبھی غیر مجالس میں دیکھا جاتا کہ دونوں زانو کو کھڑا کر لیتے، اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے اور بعض اوقات یہ دعا پڑھتے: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اور سورہ لایلاف پڑھتے —— اور کھانا تناول فرمانے کے بعد اگر طعام نمکین ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ اللَّطِیْفَ الْمَلِیْحَ بِغَیْرِ حَوْلٍ وَّلَا قُوَّةٍ۔ اگر طعام شیریں ہوتا تو هٰذَا الطَّعَامَ اللَّطِیْفَ الْحُلْوَ فرماتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَاَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور اگر کسی کی دعوت نوش فرماتے تو یہ بھی پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاٰکِلِهٖ

وَلِبَاذِلِہٖ وَلِمَنْ کَانَ لَہٗ شَیْئٌ فِیْہِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔ اگر صاحب طعام موجود ہوتا تو فرماتے جَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرًا۔ اگر صاحب طعام موجود نہ ہوتا تو جَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا کہتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْھَا عَوْنًا عَلٰی مَا تُحِبُّ (مگر کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر فاتحہ نہ پڑھتے تھے جیسا کہ عام لوگوں میں رواج ہے کیونکہ یہ فعل احادیث صحیحہ میں وارد نہیں ہے۔ اور تین انگلیوں سے لقمہ لیتے اور محض اس نیت سے تناول فرماتے کہ کھانا سنت ہے۔ آپ کی غذا نہایت قلیل (دو چپاتی گیہوں کی ہوتی تھی، اور بکری کا گوشت اور مغز (بھیجا) بہت مرغوب تھا، کباب بھی دسترخوان پر ہوتے تھے، روزانہ صرف ایک بار دوپہر سے کچھ پہلے کھانا تناول فرماتے اور وہ بھی بہت قلیل، اس کے باوجود فرمایا کرتے "کیا کیا جائے کہ بحکم اقتضائے آخر زمانہ بھوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اتباع میسر نہیں ہوتا" اور کھانا نہایت خشوع و خضوع سے تناول فرماتے اور اس امر کی مریدوں کو بھی نہایت تاکید فرماتے۔ اور آپ کے ارشادات میں سے ہے کہ عارف کو کوئی چیز ملکیت سے بشریت کی طرف لانے والی کھانے سے زیادہ نہیں۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر بطریق سنت قیلولہ فرماتے تھے۔ اور آپ کا مؤذن ظہر کی اذان اول وقت میں کہا کرتا تھا جیسے ہی اذان ہوتی بمجرد استماعِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ آپ بے اختیار بعجلت اُٹھ بیٹھتے اور تخت سے زمین پر اتر آتے۔)

آپ کی نمازِ ظہر | جس وقت آپ اذان سنتے اس کا جواب دیتے اور بوقت حَیْعَلَتَیْنِ[1] لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ فرماتے اور فی الفور وضو کر کے مسجد میں تشریف لے جاتے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت سنتِ زوال (سنتِ مؤکدہ) بطولِ قراءت ادا کرتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانِ بعثت سے تا زمانِ رحلت سنتِ زوال (سنت مؤکدہ) ترک نہیں فرمائیں اور ان میں طوالِ مفصل (بڑی سورتیں) پڑھتے اور کبھی بمقتضائے عدمِ گنجائش قصار (چھوٹی سورتیں) پڑھتے۔ پھر تکبیرِ اقامت کے بعد خود امامت فرماتے اور ظہر کے فرض ادا کرتے اور قراءت میں طوالِ مفصل سورتیں پڑھتے (نمازِ فرض سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا

[1] حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح

ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ پڑھ کر کھڑے ہو جاتے) بعد ازاں دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھتے اور پھر چار رکعت سنت زائد پڑھتے اس کے بعد ظہر کے بعد کی ماثورہ دعائیں پڑھتے۔

آپ کا حلقۂ ذکر و توجہ و تعلیم دین اور نمازِ عصر و ختم خواجگانؒ

(اس کے بعد لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے اور احباب کے ساتھ حلقہ کرتے) حافظ صاحب قرآن شریف پڑھتے اور آپ سماعت فرماتے کبھی ایک جزو اور کبھی نصف جزو پڑھا جاتا اور حضرت مریدوں کو مراقبہ کراتے اور فارغ ہونے کے بعد دینی کتب کا درس فرماتے، اور اگر حافظ موجود نہ ہوتا تو خود خلوت میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے) اور جب ثلثین کے بعد وقتِ عصر ہو جاتا تو (تجدیدِ وضو کے بعد چار رکعت سنتِ عصر ادا کرتے اور یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے ان سنتوں کو ترک کیا ہو، بعد ازاں خود امامت فرماتے اور) اول وقت میں جماعتِ کثیرہ کے ساتھ فرض ادا کرتے، اس کے بعد ادعیۂ ماثورۂ وقتِ عصر پڑھ کر احباب کے ساتھ پھر بیٹھتے اور ختم خواجگان پڑھتے اور حلقہ کراتے، حافظ صاحب قرآن کریم پڑھتے اور حضرت اور آپ کے احباب مراقب بیٹھتے اکثر اوقات خلوت میں درویشوں سے احوال دریافت فرماتے اور ہر ایک کی مناسبت کے مطابق اس کی رہنمائی فرماتے۔ (اور ان کی ترقی کے لئے ہمت فرماتے، کبھی کچھ اور عمل صالح کرتے)۔

آپ کی نمازِ مغرب اور صلوٰۃ اوابین

بعد ازاں اگر ابر و غبار وغیرہ نہ ہوتا تو مغرب کی نماز غروبِ آفتاب کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، اور فرض نماز ادا کرنے کے بعد اسی جلسہ میں دس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھتے اور سات دفعہ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ پڑھتے۔ بعد ازاں دو رکعت سنت اور چھ یا چار رکعت نماز اوابین پڑھتے اور اکثر اوقات اس میں سورہ واقعہ و سورۂ اخلاص پڑھتے (اس کے بعد اس وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھتے)۔

آپ کی نمازِ عشاء و وتر

بیاضِ افق کے زوال کے بعد کہ امام اعظمؒ کے نزدیک شفق اسی سے مراد ہے اور وہ عشا کا متفق علیہ وقت ہے مسجد میں تشریف لاتے اول دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت یا دو رکعت سنت پڑھتے اور پھر فرض ادا فرماتے اور بغیر اس کے کہ ادعیہ پڑھیں صرف اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ مذکورہ پڑھ کر اٹھ جاتے، اور دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھتے بعد ازاں اکثر چار رکعت

اور مستحب پڑھتے اور ان چار رکعت مستحب ہیں سورۂ المسجدہ اور سورۂ تبارک و قل یا و قل ھواللہ پڑھتے اور کبھی ان چار رکعت میں چاروں قل والی سورتیں پڑھتے اور اگر ان چار رکعت میں سورۂ المسجدہ اور سورۃ الملک نہ پڑھتے تو وتروں کے بعد ان دونوں سورتوں کو مع سورۂ دخان پڑھتے تھے، اور دوستوں کو بھی اس وقت میں ان سورتوں کے پڑھنے کی ترغیب فرماتے، بعد ازاں وتر پڑھتے اور وتروں کی پہلی رکعت میں اکثر سبح اسم ربك اور دوسری رکعت میں قل یا اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور قنوتِ حنفی کے ساتھ قنوتِ شافعی کو بھی ملاتے یعنی دونوں کو پڑھتے۔ اس کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، اول رکعت میں اذا زلزلت الارض اور دوسری رکعت میں قل یاایھا الکافرون پڑھتے، اور آخر میں ان دو رکعت کو ترک کر دیا تھا شاذونادر ہی پڑھتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ــــ (اور نمازِ وتر کے بعد جو دو سجدے کرنے کا رواج ہے آپ ادا نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علماء نے اس کی کراہت پر فتویٰ دیا ہے، اور وتر کی نماز کبھی اول شب میں ادا فرماتے اور کبھی نمازِ تہجد کے بعد، اور جب اول شب میں وتر ادا فرماتے تو نمازِ تہجد کے بعد اُن کا اعادہ نہ فرماتے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شب میں دو وتر نہیں ہیں۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ وتر تاخیر میں ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سونے لگے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وتر آخر شب میں ادا کرے گا تو اس کے وتر ادا کرنے تک کراماً کاتبین تمام شب اس کے اعمالنامہ میں حسنات لکھتے رہتے ہیں۔ پس جہاں تک ممکن ہو وتر آخر شب میں ادا کرنا بہتر ہے، اس کے باوجود یہ بھی فرماتے تھے اور تحریر بھی فرمایا ہے کہ وتر کی تعجیل و تاخیر میں آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا اور کچھ مدِنظر نہیں ہے، اور کوئی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے برابر نہیں ہو سکتی، اور آنحضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اول شب میں وتر پڑھتے تھے اور کبھی آخر شب میں، اور یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں جانتا ہے کہ کسی امر میں آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ حاصل ہو جائے اگرچہ یہ تشبہ بحسبِ صورت ہی ہو۔)

استراحت | آپ نمازِ عشاء کے بعد جلدی بستر استراحت پر تشریف لیجاتے اور سونے سے قبل سورۂ فاتحہ

وآیۃ الکرسی وآمن الرسول تا آخر اور آیہ کریمہ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تا مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ[1] اور آیہ قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ[2] اور چار قُل پڑھتے اور جس وقت لیٹتے پہلوئے راست پر تکیہ کرتے اور داہنے ہاتھ کو داہنے رخسار مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لَھَا وَاِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَاْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّرَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجٰی مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِرَسُوْلِکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ بِکُلِّ لِسَانٍ وَّاَسْتَعِیْذُ بِکَ مِنَ الْبَلَایَا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تین مرتبہ اسی کلمہ کی تکرار فرماتے پھر تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھتے۔ اور سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے، اور نیز اس کلمہ کو روزانہ بلاناغہ سو مرتبہ پڑھتے اور سو مرتبہ بعد تہجد بھی پڑھتے۔

آپ کی نماز جمعہ وعیدین اور تراویح وغیرہ

آپ نماز جمعہ مسجد جامع میں جس طرح کہ علمائے حنفیہ نے فرمایا ہے اسی طرح ادا کرتے اور بعد ادائے فرض جمعہ سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور سات مرتبہ معوذتین مع بسم اللہ پڑھتے اور بعد ادائے نماز جمعہ صلوٰۃ ظہر احتیاطاً ادا فرماتے کہ کل شرائط جمعہ بقول بعض فقہاء اس وقت نہیں پائی جاتی تھیں اور اس طرح نیت کرتے: نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ اٰخِرَ فَرْضِ الظُّھْرِ اَدْرَکْتُ وَقْتَہٗ وَلَمْ اُؤَدِّہٖ (یعنی میں نے چار رکعت آخر فرض ظہر کی نیت کی جس کا وقت میں نے پایا اور اس وقت تک ادا نہ کیا تھا) اور جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے ادا نہ فرماتے اگر کبھی کچھ بیماری وغیرہ ہوتی اور نماز ظہر کے لئے نہ جا سکتے تو منفرد نماز ظہر ادا فرماتے اور اسی طرح سے سفر میں بھی

[1] سورۃ الاعراف رکوع ۷ آیۃ ۵۴ تا ۵۶ ۔ [2] سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۱۲ آیۃ ۱۱۰-۱۱۱

طریقہ جاری رکھتے، حالانکہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے پر بہت حریص تھے، فرماتے تھے کہ ہم مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تابع ہیں انھوں نے جس کام کا امر کیا ہے وہ کرنا چاہیے اور جس سے منع کیا ہے وہ نہیں کرنا چاہیے۔ (آخیر عشرۂ رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرتے اور عشرۂ ذی الحجہ میں عزلت اختیار کرتے اور ان عشرات میں طاعات واذکار وصیام کی طرف بہت راغب ہوتے اور درود شریف بکثرت پڑھتے، خصوصاً شب جمعہ و روزِ جمعہ و شب دوشنبہ روزِ دوشنبہ میں بکثرت درود شریف پڑھتے اور آخر زمانہ میں شب جمعہ کو دوستوں کو جمع کر کے ہزار بار درود شریف پڑھتے اور اس کے بعد نہایت انکساری کے ساتھ کچھ دیر مراقبہ کرتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس پر مامور تھے اور آپ بلاناغہ رسالۂ صلواتِ ماثورہ جو ایک جزء سے زیادہ ہے اور اور دلائلِ قادریہ جو حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کا ترتیب دیا ہوا رسالۂ درود ہے کبھی بعد ظہر اور کبھی بعد عشا پڑھا کرتے تھے۔)

عیدین کے موقع پر عیدگاہ تشریف لیجاتے اور اس روز کی جمعیت کو غنیمت سمجھتے، مسلمانوں کی جماعت کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے عید الاضحیٰ کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے اور کبھی کتاب حضرات کے فتویٰ کی بنا پر پست آواز سے کہتے اور ذی الحجہ کے اول عشرہ میں حاجیوں کے ساتھ تشبہ کی غرض سے بال و ناخن نہ کترواتے کیونکہ ایسا کرنا مستحب ہے لیکن دیگر افعال جن کو اہلِ عرفات کے تشبہ کی غرض سے لوگ یہاں پر کرتے ہیں وہ افعال آپ نہیں کرتے تھے اور مکروہ جانتے تھے، البتہ بعض ادعیۂ ماثورہ پڑھا کرتے تھے، اور اس عشرۂ ذی الحجہ میں ہر روز نمازِ عشا اور نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ والفجر پڑھتے بلکہ اس ماہ کے آخر تک اسی طرح اس پر عمل فرماتے، ذکرِ جہر کو سوائے چند مواقع کے جائز نہ رکھتے۔

کسوف و خسوف و نمازِ تراویح کو سفر و حضر میں ترک نہ فرماتے اور پوری دلجمعی کے ساتھ ادا کرتے تھے، رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی بیس رکعات جماعت سے بقراءت جہر ادا کرتے اور اس ماہِ مبارک میں تراویح کے اندر تین قرآن سے کم ختم نہ کرتے (اور ہر چہار رکعت تراویح کے بعد تین مرتبہ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ ط سُبُّوْحٌ

قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ پڑھتے اور ہر دو رکعت کے بعد یہ دعا پڑھتے: یَا کَرِیْمَ الْمَعْرُوْفِ یَا قَدِیْمَ الْاِحْسَانِ اَحْسِنْ عَلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ یَا اَللّٰہُ۔ اور ختم کل تراویح پر یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الرِّضْوَانَ وَالْجَنَّۃَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ اَللّٰھُمَّ یَا خَالِقَ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ بِرَحْمَتِکَ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ یَا کَرِیْمُ یَا سَتَّارُ یَا رَحِیْمُ یَا بَارُّ اَجِرْنَا یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ بِعِزَّتِکَ وَفَضْلِکَ رَبِّیْ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ الدَّآئِمَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ چونکہ خود حافظ قرآن تھے اسلئے دیگر ایام میں بعد ظہر ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور حلقات میں استماع قرآن شریف ہمیشہ جاری تھا اور نماز وغیرہ میں اس طرح قرات پڑھتے تھے گویا الفاظ کے ضمن میں معنی ادا فرماتے جاتے ہیں اور سامعین کو بدیہی طور سے معلوم ہوتا تھا کہ اسرار قرآنی اس مقرب سبحانی پر وارد ہو رہے ہیں۔ بہت لوگ جو کہ مرید بھی نہ تھے کہتے کہ حضرت قرآن کریم اس طرح پڑھتے ہیں گویا کہ الفاظ آپ کے دل سے نکل رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ آواز بنا بنا کر ہرگز نہ پڑھتے، اور نماز تراویح میں اکثر سامعین کو غنودگی طاری ہو جاتی تھی لیکن حضرت کو کبھی کچھ بھی نہ ہوتی تھی اور اسی طرح کھڑے کھڑے قرآن کریم سنتے رہتے ـــــ مولانا بدر الدین سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے حضرت سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کو کبھی غنودگی نہیں ہوتی، فرمایا شناوری دریائے اسرار قرآنی فرصت نہیں دیتی کہ پلک بھی جھپکاؤں" سفر میں منزل پر پہنچنے تک تلاوت قرآن فرماتے اور جس وقت آیت سجدہ آتی فی الفور سواری سے اُتر کر زمین پر سجدہ کرتے۔ روزہ افطار کرنے کیلئے اگر کھجور موجود ہوتی تو اُس سے ورنہ پانی سے روزہ افطار فرماتے، اور افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ اَللّٰھُمَّ ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اور روزہ کی نیت اس طرح کرتے وَبِصَوْمِ غَدٍ مِّنْ شَھْرِ رَمَضَانَ فَرِیْضَۃً نَوَیْتُ۔

(کیفیتِ نماز و دیگر مسائل) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بوقت تکبیرِ تحریمہ نماز ہر دو انگوٹھے کان کی لَو تک لے جاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر اس کے کہ کھُلی یا ملی ہوئی رکھیں متوجہ قبلہ رکھتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو نیچے لاتے اور زیر ناف داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طرح سے رکھتے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر (چھنگلیا) اور ابہام (انگوٹھا) سے حلقہ ہو جاتا اور تین انگلیاں کلائی پر لمبی لمبی رکھی جاتیں اور دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہوتا اور دونوں پاؤں پر برابر زور رکھتے ایک پاؤں پر زور دیکر دوسرے کو آرام نہ دیتے، اور قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھتے اور نہایت تجوید و تعمق معانی و اسرارِ قرآنی سے قرارت پڑھتے بعد ازاں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدموں پر نظر رکھتے، اور سر پشت کے ساتھ برابر کرتے اور گھٹنوں کو انگلیاں کھول کر بقوت پکڑتے اور زانو ٹیڑھا نہ ہونے دیتے پھر قومہ بمقدارِ تسبیح کرتے اور بحالتِ انفراد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بقدرِ تسبیح جلسہ کرتے اور سجدہ میں ناک کی نرمہ پر نگاہ رکھتے، اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جُدا رکھتے، اور بوقتِ سجدہ تمام اعضا برابر زور دیتے، اور تشہد میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھتے اور کنار (گود) پر نظر رکھتے اور حضرت کے تمام احباب نماز میں حضرت کی تقلید کرتے، آپ تشہد میں انگشتِ شہادت نہ اٹھاتے تھے اور حالتِ انفراد میں تسبیحاتِ رکوع و سجود پانچ یا سات بلکہ نو یا گیارہ مرتبہ پڑھتے اور کبھی تین مرتبہ پر اقتصار فرماتے یعنی حسب موقع ادا فرماتے، اور فرماتے تھے کہ شرم آتی ہے کہ قوت و استطاعت کے باوجود حالتِ انفراد میں اقل تسبیحات پر اقتصار کیا جائے، اور حالتِ امامت میں اسقدر کہتے کہ مقتدی بفراغت تین مرتبہ کہہ سکیں۔ نماز میں سنن و مستحبات و آداب کی پوری پوری رعایت کرتے اور فرماتے کہ لوگ بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس رکھتے ہیں حالانکہ آدابِ نماز کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت و مجاہدہ نہیں ہے خصوصاً نمازِ فرض و واجب و سنن کو جن آداب کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس طرح ادا کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الآیہ (نماز بہت مشکل ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر مشکل نہیں ہے)۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور پرہیزگار لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دوسری باتوں میں رعایت اور احتیاط کو مدنظر رکھتے

آپ دوگانہ نمازِ تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کبھی ترک نہیں کرتے تھے اور سننِ مؤکدہ کی طرح سننِ زائدہ کی ادائیگی پر حریص تھے اور ان کو بھی سفر و حضر میں ادا کرتے تھے ترک نہ کرتے تھے، اور سوائے تراویح و کسوف کے نمازِ نفل کو جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ مکروہ جانتے اور منع فرماتے تھے جیساکہ مکتوبات شریف میں بھی آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ نمازِ خسوف (چاند گہن کی نماز) منفرداً ادا فرماتے روزِ عاشورہ و شبِ برأت و شبِ قدر میں لوگ جماعت سے نوافل ادا کرتے ہیں آپ اس کو مبالغہ کے ساتھ منع فرماتے اور اس اجتماع کو خلافِ شریعت و ممنوع جانتے تھے۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے اور اس فعل کو اچھا نہیں جانتے تھے، ہر فاجر کے پیچھے نماز کو جائز جانتے اور پڑھ لیتے تھے۔ ہر اہم کام کے لئے استخارہ کرتے خواہ وہ کلی ہو جزئی اور کبھی چند اہم کاموں کا ایک ہی استخارہ کرتے اور ان کاموں کو دعائے استخارہ میں ظاہر کرتے اور کبھی ہر مہم کے لئے الگ الگ استخارہ کرتے بلکہ ہر نفل و سنتِ نماز کے بعد دعائے استخارہ پڑھتے اور اس پر اکتفا فرماتے تھے اور اگر کبھی کوئی مہم پیش آتی اور کراہتِ وقت یا عدم الفرصتی کی وجہ سے نمازِ استخارہ پڑھنے کا وقت نہ ہوتا تو صرف دعائے استخارہ پر اکتفا فرماتے اور اگر کبھی اس مہم کے شروع میں استخارہ کرنا بھول جاتے تو درمیان میں یا اس کام کے آخر میں اس کی تلافی کرتے تھے اور اس تقصیر کا تدارک کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فعل بھی صدور پذیر ہوا اور احادیث میں وارد ہے آپ اس کی متابعت پوری احتیاط کے ساتھ کرتے اور اگر ایک ہی وقت میں متعدد افعالِ مسنونہ جمع ہو جاتے اور سب کا بیک وقت عمل میں لانا ممکن نہ ہوتا تو خوب احتیاط برتتے اور افعالِ مسنونہ کے اعداد کی تعیین میں پوری پوری رعایت فرماتے ——— بیماروں کی عیادت فرماتے اور جو شخص مرنے کے قریب ہوتا اس کے پاس تشریف لیجاتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اس کے حال پر امداد کرتے، اہلِ قبور کی زیارت کے لئے جاتے اور اموات کے لئے دعا و استغفار کرتے اور قبر پر قرآن مجید پڑھنے میں کبھی توقف کرتے کیونکہ بڑے بڑے فقہا اس کی کراہت کے قائل ہیں اور کبھی اس لحاظ سے کہ امام محمدؒ اس کے جواز کے قائل ہیں اور فتویٰ آپ کے قول پر ہے حضرت مجدد علیہ الرحمہ بھی سورۂ فاتحہ و آیاتِ قرآنی پڑھتے تھے اور جب قبور کے پاس پہنچتے تو کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِنْ اَھْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَنْتُمْ لَنَا سَابِقُوْنَ وَاِنَّا اِلَیْکُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَاحِقُوْنَ اور یہ بھی

پڑھتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ اور مُردوں کے حال پر خاص توجہ فرماتے۔ اور جب اپنے والد ماجد کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لیجاتے اپنے روئے مبارک کے سامنے قبر مبارک پر ہاتھ ملنے اور قبروں کو بوسہ دینے اور اُن کا طواف کرنے کو مستحسن نہیں جانتے تھے اور اموات سے استعانت چاہنے کو جائز فرماتے تھے۔ کھانے کی دعوت قبول فرماتے، سماع ورقص کو مکروہ جانتے اور ایسی مجلس میں جہاں سرود ہوتا حتی الامکان تشریف نہ لیجاتے، اس وقت کے صوفیوں کے رقص وسماع کے لئے جمع ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کا انکار کرتے اور لوگوں کو اس عمل سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، تمام حلال وحرام کے بارے میں جو کچھ علما کے نزدیک مختار ہے اس پر عمل کرتے اور عالم کی رائے کو صوفیہ کے عمل ورائے پر مقدم رکھتے اور نجات کو مجتہدینِ دین کے اقوال کے ساتھ وابستہ جانتے، جس حال کو اہلِ شریعت جائز نہیں کہتے اس کو معتبر نہیں کہتے تھے اور اس حال سے بے اعتنائی فرماتے تھے، سنن واہلِ سنن کے خلاف بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تھے اور جو کشف ان بزرگوں کی رائے کے خلاف ہوتا اس کو ردّ فرماتے تھے اور احوال کو ظاہر شریعت کے تابع رکھتے شریعت کو احوال کے تابع نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے چونکہ شریعت قطعی ہے اور وحی سے ثابت ہوئی ہے، احوال ظنی ہیں اور کشفِ احوال سے پیدا ہوئے ہیں پس ظنی کو قطعی کے تابع رکھنا چاہئے اور قطعی کو ظنی کے تابع نہیں کرنا چاہئے۔ علمائے اشاعرہ کی رائے پر علمائے ماتریدیہ کی رائے کو مقدم رکھتے تھے کیونکہ صحیح کشف سے معلوم ہو چکا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے یہ حضرات "انا مؤمن حق" کہتے ہیں اور استثناء سے منع کرتے ہیں (یعنی یہ کہنا جائز نہیں سمجھتے انا مؤمن انشاء اللہ) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ واجبہ آٹھ جانتے اور تکوین کو صفاتِ حقیقیہ میں شمار کرتے ہیں، خواصِ بشر کو خواصِ ملک سے افضل جانتے، نبوت کو ولایت سے افضل کہتے اگرچہ وہ نبی کی ولایت ہو، صحو کو سکر پر ترجیح دیتے، ولیٔ عشرت (لوگوں کے ساتھ رہ کر زندگی گذارنے والے ولی) کو ولیٔ خلوت (تارک الدنیا ولی) سے بہتر جانتے تھے، ادنیٰ واعلیٰ تمام اصحابِ پیغمبر علیہ الصلوات والسلام کو تمام اولیائے امت پر ترجیح دیتے، اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ جو کہ تابعین میں بہتر ہیں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبے سے کم جانتے، غیر صحابی کا سونے کے پہاڑ جتنا صدقہ کرنا اصحابِ کرامؓ کے ایک مُد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں جانتے تھے اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی صحبت کا شرف سب شرفوں سے بڑھ کر کہتے تھے اور صحابۂ کرامؓ کے باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں کو نیک نیتوں پر محمول کرتے تھے اور اجتہاد ورائے کی رُو سے جانتے تھے۔ انسانی نفسانی دشمنیوں اور ہوا و ہوس سے نہیں جانتے تھے کیونکہ یہ اُن بلند شان بزرگوں کے حال کے مناسب نہیں ہے، اور اپنے بعض مریدوں کو تکمیل و کمال کے درجہ تک پہنچنے سے پہلے تعلیم طریقت کی اجازت دیتے تھے اور اس کا راز یہ فرماتے تھے کہ مقصود یہ ہے کہ اس طرح کی ظلمت و گمراہی کے گرداب (بھنور) میں لوگوں کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب رہنمائی کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، نیز اس لئے کہ ان کو بھی ساتھی بہم پہنچانے چاہئیں تاکہ یہاں سے جدائی کے وقت ان کے ساتھ مل کر (ذکر و مراقبہ میں) مشغول رہیں اور تمام مریدوں سے بارہا اظہار فرماتے کہ ایسا نہ ہو اس اجازت سے اپنے آپ کو کامل خیال کرنے لگو اور فرماتے تھے کہ ہمارے گذشتہ مشائخ کرام نے اس قسم کی اجازت کو جائز رکھا ہے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کو فرمایا تھا کہ جو کچھ تم کو ہم سے پہنچا ہے وہ لوگوں کو پہنچاؤ حالانکہ مولانا (موصوف) کا کام حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ کی خدمت میں تکمیل کو پہنچا اسی لئے نفحات میں مولانا موصوف کو خواجہ علاؤالدین عطارؒ کے مریدوں میں دکھایا ہے اور مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کو مشائخ کے تمام طریقوں سے بہتر جانتے تھے اور اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کو اندراج النہایت فی البدایت کے تعلق کی بنا پر بعینہٖ اصحاب کرام کا طریقہ کہتے تھے اور اس سلسلہ کے متاخرین نے اپنے اکابر کے طریقے کے برخلاف جو بدعتیں پیدا کر لی ہیں ان کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اچھا نہیں سمجھتے تھے، شیخ محی الدین العربی قدس سرہ کو نیکی کے ساتھ یاد کرتے تھے، شیخ موصوف کی نسبت اپنی چند در چند محبت کا اظہار کرتے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کے باوجود جو کہ ہم کو شیخ موصوف کے ساتھ ہے مجھے اُن کے اکثر کشفی علوم پسند نہیں ہیں اور حق کو اس کے خلاف جانتا ہوں لیکن چونکہ یہ خطا کشفی ہے اس لئے مواخذہ سے دور ہے بلکہ ایک درجہ ثواب کا احتمال رکھتی ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ہے، اور معقولات و منقولات کے درس ظاہری کو بے تخلل و فتور کہتے تھے اور طلبہ کو علوم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے اور تحصیل علوم کو طریقۂ صوفیہ کے سلوک طے کرنے پر مقدم جانتے تھے۔

بعض ادعیہ مختلفہ | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جنّات کے دفعیہ کے لئے یہ کلمات پڑھتے تھے:۔

اَعُوْذُ بِوَجْہِ الْکَرِیْمِ وَبِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ

جب کسی شخص پر جن کا اثر ہو جاتا اور وہ ہوش و حواس میں نہ رہتا تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوش میں آجاتا تھا ــــــ دیگر سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ جن کو کذبا تک پڑھ کر پانی پر دم کر کے آسیب زدہ کو پینے کے لئے دیتے، اسی وقت شفائے کاملہ حاصل ہو جاتی ــــــ دیگر یہ دعا بھی پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کرتے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفا پا جاتا تھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ اَمْسَیْنَا وَاَصْبَحْنَا بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ مُّمْتَنِعٌ مِّنْہُ وَبِعِزَّۃِ اللّٰہِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ وَلَا تُضَامُ وَبِحَبْلِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ نَعْتَصِمُ بِہٖ وَبِاَسْمَآئِہِ الْحُسْنٰی عَآئِذًا مِّنَ الْاَبَالِسَۃِ مِنْ شَرِّ شَیَاطِیْنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ مُعْلِنٍ وَّمُسِرٍّ وَّمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ بِاللَّیْلِ وَیَکْمُنُ بِالنَّھَارِ وَیَکْمُنُ بِاللَّیْلِ وَیَخْرُجُ بِالنَّھَارِ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ دَآبَّۃٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَاَعُوْذُ بِمَا اسْتَعَاذَ بِہٖ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَاِبْرَاھِیْمُ الَّذِیْ وَفّٰی مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ مِنْ شَرِّ مَا یَبْقٰی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا تا طِیْنٍ لَّازِبٍ۔ ــــــ اور جب سفر پر روانہ ہوتے تو دو رکعت نماز استخارہ پڑھتے اس کی پہلی رکعت میں قل یا اور دوسری میں قل ہو اللہ پڑھتے اور دعائے استخارہ بھی پڑھتے ــــــ اور گھر سے نکلتے وقت سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھتے مسنون دنوں میں سفر پر روانہ ہوتے اور کسی دن کو منحوس نہ سمجھتے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے نحوسات اٹھالئے گئے ہیں چنانچہ حدیث اَلْاَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰہِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ اس کی مؤید ہے ــــــ اور جب سوار ہوتے تو تکبیر کہتے اور آیہ کریمہ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ــــــ اور جب کسی شہر یا گاؤں میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

۵۹

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْمَقَامِ وَخَيْرَ مَنْ لَّهٗ۔ اور جب کسی منزل پر اترتے یہ دعا پڑھتے
رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۔ اور دوران سفر جب کہیں قیام کرتے تو بھی یہی آیہ
پڑھتے۔ اور یہ دعا بھی تین مرتبہ پڑھتے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ چونکہ
اس دعا کی خاصیتوں میں لکھا ہے کہ جو شخص اس دعا کو تین دفعہ پڑھے اس کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاتی
یہاں تک کہ اس منزل سے کوچ کرے۔ اور دو رکعت نماز بھی پڑھتے اور سفر میں لوگوں کو سورہ قریش کی تلاوت
کرنے کی ترغیب دیتے۔ اسی طرح جب کسی منزل پر اترتے تو منزل کی خیر و شر کے لحاظ سے دعائے استخارہ
پڑھتے تھے ـــــ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور پھر کسی منزل کی طرف تشریف لیجاتے تو دوبارہ
دعائے استخارہ پڑھتے ـــــ اور تیز ہوا چلنے کے وقت یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا
رِيْحًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا
اُرْسِلَتْ فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ۔ ـــــ اور بجلی کی کڑک اور چمک کے وقت یہ آیہ کریمہ پڑھتے:
سُبْحَانَ الَّذِیْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ـــــ

اور جب کسی شخص کو کسی مصیبت میں مبتلا دیکھتے تو یہ پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ
وَفَضَّلَنِیْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور جب کسی کافر یا بدعت
کو دیکھتے تو بھی یہی دعا پڑھتے ـــــ اور جب آئینہ دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ
فَحَسِّنْ خُلُقِیْ وَحَرِّمْ وَجْهِیْ عَلَى النَّارِ۔ اگر بازار سے گزرنے کا اتفاق ہوتا تو یہ پڑھتے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ
اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ دولت خانہ سے باہر تشریف لاتے تو کہتے تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَاعْتَصَمْتُ
بِاللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ۔ جب چاند دیکھتے تو یہ پڑھتے اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ
وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ اور اپنے دست مبارک کی انگلیوں سے اللہ کا نقش بنا کر
ظاہر کرتے۔ اور جب مریض کی عیادت کیلئے تشریف لیجاتے تو یہ کہتے عَافَاكَ اللّٰهُ۔ جب نیا لباس پہنتے
تو یہ کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا الثَّوْبَ بِغَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ اور اس لباس کا نام بھی
لیتے مثلاً اگر عمامہ پہنتے تو کہتے كَسَانِیْ هٰذِهِ الْعِمَامَةَ اور اگر قمیص پہنتے تو کہتے هٰذَا الْقَمِيْصَ۔ اور اگر کوئی
دوسرا شخص لباس پہنتا تو کہتے اِلْبَسْ جَدِيْدًا وَّعِشْ حَمِيْدًا وَّمُتْ شَهِيْدًا ۝ تمام شد عون اللہ تعالیٰ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

کے

کشف و کرامات و خوارق اور تصرفات

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بڑی کرامت تو آپ کا کلام ہے جس میں آپ نے ذات و صفاتِ الٰہی کے معارف و حقائق بالکل نئے انداز سے شریعت کے مطابق بیان فرمائے ہیں جو گزشتہ اولیائے کرامؒ کے بیان کردہ حقائق و معارف سے بدرجہا بڑھ کر اور واضح تر ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تمام کراماتِ اولیا اس امت کے پیغمبرؐ کے معجزات ہیں، کیونکہ جس طرح معجزات ترویج و تقویتِ دین کے لئے تھے اسی طرح خوارقِ اولیا بھی اسی مقصد کے لئے ظہور میں آتے ہیں، ان خوارق کے اظہار سے ان کا مقصد حصولِ جاہ و مال اور شہرت وغیرہ نہیں ہوتا بلکہ اس نیت کے باوجود وہ آخر عمر میں ظہورِ خوارق سے نادم بھی ہوئے ہیں،

حضرت امام ربانی محبوبِ صمدانی مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کی ذاتِ اقدس اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے کہ آپ کے کشف و کرامات اور خوارقِ عادات بیان کر کے موصوف کا وصف بیان کیا جائے، لیکن چونکہ اولیائے کرام کے حالات قلمبند کرنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ان حضرات کے بعض خوارق عادات بھی درج کیا کرتے ہیں اور سیرت کا یہ بھی ایک جزوِ اعظم سمجھا جاتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشف و کرامات جو معتبر کتابوں میں درج ہیں ان میں سے چند بطور تبرک پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

ایصالِ ثواب کے وقت ملائکہ و ارواح کا نازل ہونا

حاجی حبیب جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خاص خادموں میں سے تھے اور بڑے صاحبِ ریاضت و مجاہدہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں اجمیر شریف میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہمراہ تھا ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر حضرت کی خدمت

لے زبدۃ المقامات ص ۲۵۵

میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے ستر ہزار بار کلمۂ طیبہ پڑھا ہے اس کا ثواب آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت نے فوراً اپنے دستِ مبارک اٹھا کر دعا دی —— پھر دوسرے دن فرمایا کہ کل جس وقت میں تمہارے لئے دعا کر رہا تھا فرشتوں کی اسقدر جماعت اس کلمۂ طیبہ کا ثواب لے کر آسمان سے آئی کہ زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ نہ رہی —— پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا اس پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں میرا خود اپنا یہ حال تھا کہ ہر شب نمازِ تہجد کے بعد پانچ سو مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر اپنے مرحوم بچوں محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور ام کلثوم کی ارواح کو بخشتا تھا۔ اس کے بعد ہر روز محمد عیسیٰ کی روح تہجد کے وقت آتی اور مجھ کو بیدار کر کے چلی جاتی تاکہ ختم کلمۂ طیبہ کروں۔ اس کے بعد وہ محمد فرخ اور ام کلثوم کی ارواح کو بُلا کر لاتی کہ پدر بزرگوار بیدار ہو گئے ہیں پس جب تک وضو کر کے نمازِ تہجد ادا کرتا اور ختم کلمۂ طیبہ کرتا وہ میرے گرد و پیش رہتے جس طرح کہ ماں روٹی پکاتی ہے اور اس کے چھوٹے بچے اس کے گرد رہتے ہیں یہانتک کہ ان کو روٹی دے۔ پس میں کلمۂ طیبہ کا ثواب ان کو بخشتا اس کے بعد وہ چلے جاتے۔ مگر اب وہ بکثرت ثواب پانے کی وجہ سے معمور ہو گئے ہیں اس لئے نہیں آتے [1]

اموات کو ثواب پہنچنے کی کیفیت مکشوف ہونا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ اپنے مرحوم صاحبزادگان کی فاتحہ کے لئے کھانا تیار کرایا۔ توجہ کثیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کھانا مقبول ہوا ہے اور ایسا مکشوف ہوا کہ ملائکہ کرام کھانے کے خوان لے جا رہے ہیں اور ان کی ارواح کو پہنچانے کے لئے بہشت کے ایک چمن میں جمع کر رہے ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے فرزند اس کھانے کے پاس گئے اور کھانا ان کے اندر چلا گیا اور پھر ان میں فوق کی استعداد پیدا ہوئی اور عروج میں مصروف ہوئے اور عروجِ کثیر کے بعد ایک بہشت ظاہر ہوئی جو نہایت رفیع المنزلت اور پُر بہار تھی پس وہ اس میں داخل ہو گئے۔ چونکہ حضرت قدس سرہٗ نے فاتحہ دینے کے وقت سب مومنین و مومنات اور ملائکہ عالیات کو بھی اس میں شریک فرمایا تھا اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی مومن اور مومنہ کی قبر ایسی نہ پائی جس میں وہ کھانا نہ گیا ہو اور کوئی بہشت ایسی نہ تھی جو اس

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۷۰

ضیافت سے خالی ہو اور یہ بھی دیکھا کہ ملائکہ میں بھی خوانہائے گوناگوں بھیجے گئے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ کی گئی ؂۱

میر سعد الدین کے خیالِ فاسد کا کشف | مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کے بڑے بھائی میر سعد الدینؒ سے شنادہ فرماتے تھے کہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خانقاہ شریف میں رہتا تھا، حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے نہایت عجیب وغریب احوال منکشف ہونے لگے، بسا اوقات سجدہ کی حالت میں زمین و آسمان کے طبقات اور ان کے سب حالات دکھائی دیتے اسی اثناء میں ایک کثیر التحدیثہ دوست کی ہم صحبتی کے باعث خیال گذرا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس بزرگی اور کثرتِ علم و عمل اور عرفان کے باوجود حضرتؒ سے اس عالمِ کون و فساد کے متعلق بہت کم خوارق دیکھی گئی ہیں۔ اس خیال نے اس قدر غلبہ کیا کہ میرے احوال میں قبض اور بستگی آگئی جب میں قبض سے عاجز آگیا تو سمجھا کہ یہ اُس خیالِ فاسد کی شامت ہے۔ میں نے اپنی پگڑی گلے میں ڈال کر (مجرموں کی طرح) حضرت کے قدموں میں سر رکھدیا۔ حضرت نے ایک لمحہ بعد میرا سر اُٹھا کر فرمایا "تم طالبِ کرامت ہو اور یہ فلاں شخص کی صحبت کا نتیجہ ہے" ——— اس کے بعد آپ نے سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "جو شخص کرامت کی خواہش رکھتا ہے وہ کسی دوسرے شیخ کی تلاش کرلے اور جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت، فناء و بقا کا اقتباس اور ذات و صفات کی معرفت کا خواہاں ہے وہ میرے پاس چند روز گذار دے۔"

——— میر سعد الدین بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ کے اس عتاب میں کرامت ظاہر ہوئی کہ مجھے اس خطرے سے بالکلیہ خلاصی ہوگئی ؂۲

ایک صاحبِ دل کے عُجب کا علاج | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک صاحبِ دل سید صاحب حاضر ہوئے، اُن کا دل ایسا ذاکر تھا کہ پاس بیٹھنے والے بھی ذکر کی آواز سنتے تھے خصوصاً جب وہ سوتے تھے تو دُور دُور تک ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی اور ان کو بعض مشائخ سے

؂۱ حضرات القدس دفتر دوم ص ۸۴ ؂۲ ایضاً ص ۱۳۸ و زبدۃ المقامات ص ۲۵۴ و ۲۵۵۔

خلافت بھی حاصل تھی، حضرتؒ کی خدمت میں بھی اسی توقع سے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ صاحبِ استعداد ہیں مگر غلبۂ ذکر اور خلافتِ مشائخ نے ان کو عجب و غرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کی راہِ ترقی مسدود ہو گئی ہے لہٰذا ان کا علاج ان کے حالات سلب کر لینے سے ہوگا۔ چنانچہ دو روز بھی نہ گذرے تھے کہ حضرت نے ان کے حالات سلب کر لئے۔ سید صاحب نے (جب اپنے کو بے حال پایا تو بہت پریشان ہوئے) گریہ و زاری شروع کی اور اشکِ حسرت آنکھوں سے جاری ہو گئے، لیکن حضرت نے ان کے حال پر ذرا التفات نہ کی۔ جب چند روز کے بعد اُن کے دماغ سے عُجب و پندار نکل گیا اور روتے روتے بُری حالت ہو گئی تو حضرت نے ان کو خلوت میں طلب فرما کر ایسے مقاماتِ عالیہ پر پہنچا دیا کہ اس کا پہلا ذکر ان کے مقابلہ میں زینۂ اول کی حیثیت بھی نہ رکھتا تھا، وہ سید صاحب خود بھی اپنی پہلی حالت کے نقص کے معترف ہو گئے [۱]

مسلکِ اہلِ سنت کی پابندی اور دلی خطرہ پر آگاہی

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رقمطراز ہیں کہ جن دنوں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس کمترین کو طریقِ رابطہ میں مشغول کرایا تھا اُن دنوں بندہ پر حضرت قدس سرہ کی محبت کا بہت غلبہ تھا، ایک روز میں نے یہ رباعی نظم کر کے آپ کی خدمت میں پڑھی

اے آنکہ ملائک مگسِ قند تو اند   دل سوختگانِ عشق اسپندِ تو اند

کانِ نمک از لعلِ تو آوارہ بکوہ   عالم ہمہ در شورِ شکر خندِ تو اند

حضرتؒ نے اس رباعی کے سنتے ہی فوراً فرمایا "کسی کی مدح اس طرح نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے کسی دوسرے بزرگ کی قدح لازم آئے، ملائکہ بہت زیادہ بزرگ ہیں، جمہور اہلِ سنت کا مسلک یہی ہے کہ عوامِ ملائکہ عوامِ بشر یعنی اولیاء اور ان سے کم درجہ کے مسلمانوں سے افضل ہیں ان کو مگسِ قند (شہد کی مکھی) کہنا نازیبا ہے۔" اسوقت مجھے مولانا روم کا حسبِ ذیل شعر یاد آیا لیکن خلافِ ادب سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا بلکہ خاموش رہا حضرت نے خود فرمایا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے مولانا روم کے بیت

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق   گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

پر بھروسہ کیا ہو؟ کیونکہ خاصانِ حق سے غالباً مولانا رومؒ کی مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے بفرضِ محال مبالغہ کے طور پر کہا ہو گا اور یا یہ کہ حالتِ سُکر میں ان سے صادر ہوا ہو گا [۲]

---

[۱] زبدۃ المقامات ص ۲۷۸ و حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۶ [۲] زبدۃ المقامات ص ۲۷۵۔

علامہ میرک کے سوالات کا کشف اور ان کا جواب

شہزادہ دارا شکوہ کے استاد علامہ شیخ میرک فرماتے ہیں کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے لکھا ہے میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے اس لئے مجھ کو آپ سے کدورتِ خاطر تھی میں جس زمانہ میں ہندوستان آیا اور سرہند سے گذر ہوا تو میری ملاقات ایک قدیم دوست سے ہوئی دیکھا کہ صلاح وتقویٰ سے آراستہ تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ چنداں پابندِ شریعت نہ تھا۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت وارادت اور سعادتِ حضوری سے مشرف ہوا ہوں میں نے کہا انھوں نے تو اپنی کتاب میں ایسا لکھا ہے ان کی صحبت میں کیا اثر ہوتا۔ اس نے کہا کہ خبردار بے سمجھے انکار نہ کرو ان کی صحبت میں بیٹھو تو حقیقت معلوم ہوجائے گی اور ملاقات کے لئے بہت اصرار کیا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر وہ (یعنی حضرت مجدد صاحبؒ) بغیر پوچھے تین باتوں کے جواب سے مجھ کو مشرف فرمائیں تو میں معتقد ہوجاؤں گا اولؔ یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کریں تاکہ میرے دل کی کدورت دور ہو، دومؔ یہ کہ میرے آباؤ اجداد کا ذکر کریں، سومؔ یہ کہ خواجہ خاوند محمودؒ کے حالات کا بھی ذکر کریں — غرضیکہ میں اُس دوست کے ہمراہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی میں نے حضرت کو دور سے ہی دیکھا تھا کہ میرے بدن میں رعشہ طاری ہوگیا اور میرے دل پر دہشت غالب ہوگئی، ترساں ولرزاں حضرت کی دست بوسی سے مشرف ہوا، پھر آپ نے تکیہ کے نیچے سے ایک جزو نکال کر مجھے دیا، یہ وہی مکتوب تھا جس سے لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر آپ کی فوقیت کا توہم کرتے تھے۔ آپ نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا کہ میرے دل میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہ رہا۔ پھر فرمایا "اے مولانا میرک! تمہارے والد کا نام فلاں تھا اور وہ ایسے تھے اور تمہارے دادا ایسے اور پردادا ایسے تھے"۔ ہر ایک کا نام اور ان کے فضائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت نے مجلس برخاست فرمائی اور چاہا کہ مجھ کو رخصت کریں تو مجھے خیال آیا کہ آپ نے خواجہ محمود کا ذکر نہ فرمایا۔ آپ نے اسی وقت فرمایا کہ خواجہ خاوند محمود ہمارے پیرزادے ہیں اور جذبۂ موروثی رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے یہ تین کرامتیں حضرت سے ایک ہی مجلس میں مشاہدہ کیں۔ (حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۵۶)

ختم حصن حصین سے بلیات کا دفع ہونا

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی بیاض میں میں نے لکھا ہوا دیکھا کہ ایک دفعہ طاعون کا زور ہوا، لوگوں نے ایک عزیز کے بارے میں خوابہائے ناخوش دیکھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کئے۔ آپ نے ان عزیز کو حصن حصین کا ختم پڑھنے کے لئے فرمایا چنانچہ انھوں نے ختم پڑھ کر آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے فاتحہ پڑھی اس کے بعد فرمایا کہ اثنائے فاتحہ خوانی میں میں نے تمہارے گرداگرد ایک قلعہ دیکھا ہے لیکن بعض اطراف سے کچھ شکستہ معلوم ہوتا ہے شاید تمہارے ختم میں کچھ کوتاہی و قصور واقع ہوا ہوگا۔ اس شخص نے جا کر ایک اور ختم پڑھا تو آپ نے فرمایا، یہ قلعہ نزدیک نظر آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے میں نے دیکھا کہ پہلا قلعہ تمہارے پاس سے منتقل ہوا، میں نے گمان کیا کہ میرے گرد آ گیا لیکن وہ تمہارے برادر زادہ کے گرداگرد ہو گیا اور اچھی طرح اس کا احاطہ کر لیا۔ ان کا برادر زادہ امراضِ شدیدہ میں مبتلا تھا اور اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے تھے انہی دنوں اس نے بھی صحت پائی اور خود یہ عزیز بھی بعافیت رہے۔[1]

آپ کی بتائی ہوئی دعا کی برکت سے آگ سے محفوظ رہنا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کئی مخلص احباب نقل کرتے ہیں کہ ایک سفر میں حضرت ایک سرائے میں فروکش ہوئے آپ نے اچانک احباب سے فرمایا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج اس سرا میں کوئی بلا نازل ہوگی اور تمام اہل سرا پر اس کا اثر ہوگا۔ پس تم لوگ ایک دوسرے کو خبردار کر دو کہ ہر شخص اس دعائے ماثورہ کا ورد رکھے بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اور اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ اور جو کوئی اس دعا کا ورد رکھے گا حق سبحانہ تعالیٰ کی عنایت سے اس بلا سے محفوظ رہے گا ——— آپ کے اس فرمانے کے بعد ابھی ایک ساعت نہ گذری تھی کہ اس سرائے میں بہت شدت کی آگ لگی، ہر چند اس کو بجھانے کی کوشش کی مگر کچھ سودمند نہ ہوئی بہت سے مکانات اور بہت کچھ مال و متاع جل گیا۔ مولانا

[1] زبدۃ المقامات ص ٢٧٢۔

عبد المؤمن لاہوریؒ کا اسباب بھی جل گیا جو آپ کے مخلصوں میں سے تھے۔ جب وہ جلا ہوا اسباب اُٹھا کر حضرت کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں دعائے ماثورہ پڑھنے کی کسی نے خبر نہیں کی۔ انھوں نے عرض کیا جی نہیں۔ چنانچہ آپ دوستوں پر ناراض ہوئے۔ غرضکہ جس نے دعائے ماثورہ کا ورد رکھا اس کا سامان جلنے سے محفوظ رہا۔[1]

آپ کی دعا سے لڑکے کا دراز عمر ہونا — حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایک مرید کے ہاں اولاد نرینہ ہوتی تھی لیکن بچپن ہی میں انتقال کر جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ پریشان رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو انھوں نے اس لڑکے کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہے اور بڑا ہو تو حضرت کی غلامی میں رہے گا۔ حضرت نے توجہ کے بعد فرمایا کہ اس کا نام عبدالحق رکھو انشاء اللہ زندہ رہے گا اور عمر پائے گا۔ چنانچہ حضرت کے ارشاد کی برکت سے وہ لڑکا زندہ رہا اور معمر ہوا۔[2]

آپ کی برکت سے اہلِ قبور سے ہمیشہ کے لئے عذاب اُٹھ جانا — حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک روز اپنے والد ماجد کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے وہاں خیال آیا کہ حدیث نبوی علیٰ مصدرہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ جب کوئی عالم کسی مقبرہ پر گزرتا ہے تو اس مقبرے سے چالیس روز تک کے لئے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ فوراً الہام ہوا کہ آپ کے آنے کی وجہ سے ہم نے قیامت تک اس مقبرہ سے عذاب اٹھا لیا۔[3]

ایک امیرزادے کی عتابِ سلطانی سے رہائی — ایک امیرزادے کو سلطانِ وقت نے بوجہ ناراضگی لاہور سے طلب کیا اور اس قدر ناراضگی کا اظہار کیا کہ بس آتے ہی اس کو ہاتھی کے پاؤں تلے روند دیا جائے گا۔ وہ امیرزادہ اپنے وطن سے روانہ ہو کر سرہند شریف سے گزرا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عاجزی و انکساری سے اپنی جاں بخشی کے لئے دعا کی درخواست کی۔

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۰۶ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۲۳ [3] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۲۶ [4] ایضاً ۹۷

حضرت تھوڑی دیر مراقب رہے اور ارشاد فرمایا کہ "اطمینان رکھو بادشاہ سے کچھ تکلیف تم کو نہ پہنچے گی بلکہ الطافِ شاہانہ سے سرفرازی پاؤ گے۔" چند روز کے بعد خبر ملی کہ بادشاہ امیر زادے کو دیکھ کر مسکرایا، چند کلماتِ نصیحت اس سے کہے اور بالطافِ خسروانہ خلعتِ خاص عطا کر کے خدمتِ مقررہ پر روانہ کر دیا۔[1]

خانخاناں سے عتابِ شاہی کا دور ہونا نواب خانخاناں دکن کے صوبہ دار تھے اور مملکتِ دکن کو تصرف و تملیک میں لانے پر مامور تھے لیکن کسی طرح فتح حاصل نہ ہوتی تھی ایک مدت یونہی گذر گئی، حاسدوں نے بادشاہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا کہ خانخاناں بظاہر جنگ میں مشغول ہے لیکن پوشیدہ طور پر غنیم سے صلح کر لی ہے، بادشاہ نے خانخاناں کو فوراً معزول کر دیا اور بہت ناراض ہوا ——— خان موصوف علما، صلحا، اور عارفوں سے بہت محبت رکھتے تھے خواجہ میر نعمانؒ کی خدمت میں برہان پور حاضر ہوئے اور میر صاحب موصوف نے عاجزی اور التجا کے ساتھ سارا واقعہ تحریر کر کے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ عالی میں توجہ کی درخواست کی۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "در وقتِ مطالعۂ کتابتِ شما آں خان در نظر بس عالی شان نمود خاطر شریف از معاملۂ او جمع دارند" (آپ کا مکتوب مطالعہ کرتے وقت خانخاناں بہت عالی شان نظر آئے آپ ان کے معاملہ میں خاطر جمع رکھیں) (دفتر دوم مکتوب ۶۲)

میر صاحب نے حضرت کا عنایت نامہ خانخاناں کے پاس بھیج دیا، وہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور شکریہ بجا لائے اور کہنے لگے کہ رہائی بہت دشوار معلوم ہوتی ہے کہ سلطان میری طرف سے سخت بدگمان ہو گیا ہے اور حاسدوں نے بھی اس معاملہ کو بہت اشتعال دیا ہے تاہم بزرگوں کی توجہ و برکت سے میری علوِ شان عجب نہیں۔ چنانچہ دس بارہ دن بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ سلطان نے خانخاناں کے حال پر شفقت کی اور پھر ان کو صوبہ داری پر بحال کیا اور الطاف و عنایات کیں۔[2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۶۸ و حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۳ [2] ایضاً ۱۴۲ و زبدۃ المقامات ...

ایک درویش کی نورانیت کا کشف ایک درویش جو حدود دکن میں مقیم تھا اور ابھی تک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا لیکن غائبانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت مشتاق و آرزو مند تھا۔ چنانچہ کمالِ اشتیاق سے اس نے ایک عریضہ خدمت میں ارسال کیا جس میں زمانہ دراز سے آستانۂ عالیہ کی حاضری سے محرومی کا ذکر تھا۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "در وقتِ مطالعہ کتابتِ شما انبساطِ نورانیت شما دراں نواحی بسیار بنظر در آمد و امیدوار ساخت الحمد للہ والمنۃ علیٰ ذالک انتہٰی" (تمہارا خط پڑھتے وقت تمہاری نورانیت کی وسعت اس نواح میں بکثرت نظر آئی اور امید طاری ہوئی) اس بشارت نامہ کے پہنچنے کے ایک سال بعد وہ درویش حضرت کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا اور کچھ عرصہ رہ کر الطاف و عنایات دیکھیں اور پھر دکن واپس چلا گیا۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت کے ارشاد کے مطابق ہزاروں آدمی اس درویش کے ذریعہ نقشبندیہ سلسلہ میں داخل ہوئے اور ایک جمِ غفیر صاحب ذوق و حال ہوا اور بہت لوگ فسق سے نیکی کی طرف آگئے۔[1]

قاسم قلیچ خانی کے منصبِ ہزاری پر فائز ہونے کا کشف خواجہ قاسم قلیچ خانی نے جن کا لقب عقیدت خاں تھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مقبولِ نظر تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ بھی اخلاص و عقیدت رکھتے تھے، ایک مرتبہ حضرت سے عرض کیا کہ آپ ایسی توجہ فرمائیں کہ میں دولتمند ہو جاؤں۔ حضرت نے ایک لحظہ کے بعد فرمایا "تم کو منصب ہزاری تک ترقی حاصل ہوگی۔ خان موصوف آداب بجا لائے، حالانکہ اس زمانے میں ان کا کوئی عہدہ نہ تھا مگر چند ہی دنوں میں منصب ہزاری پر پہنچے اور مدت العمر اسی عہدہ پر برقرار رہے۔[2]

آپ کی توجہ کا اثر حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ابھی حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا، میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے یہ راز دریافت کیا "کہ کیا وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت میں غیر صحابی کامل اولیاء سے افضل ہو گئے کیا اسی ایک صحبت میں ان پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام اولیاء سے افضل ہو گئے؟" آپ نے جواب میں تحریر فرمایا "اس سوال کا حل صحبت و خدمت

۱۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۲، ۲۹۳ حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۵۸

تعلق رکھتا ہے۔" اس درویش کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوا، اول ہی صحبت میں مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس کی شرح بیان میں نہیں آسکتی۔ آخر اسی روز حضرت نے مجھے بُلا کر فرمایا "آج ہی تمہاری صورت حال کچھ اور ہو گئی ہے اسی سے اپنے سوال کا حل سمجھ سکتے ہو" ۔[۱]

خواجہ حسام الدین احمدؒ کا مع اہل و عیال سفر حج نہ کر سکنے کا کشف

خواجہ حسام الدین احمد دہلوی علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ "زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً و تکریماً کا مصمم ارادہ ہو گیا ہے چاہتا ہوں کہ متعلقین کے ہمراہ سفر کروں اور حرمین شریفین میں سے کسی ایک مقام پر متوطن رہوں اور مدفون ہوں، اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں کہ سفر ہو گا یا نہیں اور پسندیدۂ خدا ہے یا نہیں" حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "متعلقین کا جانا نظر نہیں آتا بلکہ تنہا بیا ممانعت ظاہر ہوتی ہے، اگر آپ تنہا جانا چاہیں تو پسندیدہ نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامت پہنچ جائیں گے والامر الی اللہ سبحانہٗ" ۔[۲]

چونکہ خواجہ حسام الدینؒ احمد کا شوق بیحد تھا اس لئے بہت کوشش فرمائی کہ اہل و عیال کے ساتھ سفر کریں، بادشاہ جہانگیر سے بھی اظہار کیا مگر اجازت نہ مل سکی یہاں تک کہ ۱۰۴۳ھ میں ہندوستان (دہلی) ہی میں رحمت حق سے واصل ہو گئے۔[۳]

ایک شخص کی قسمت میں حج سے محرومی کا کشف

ایک صوفی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر سفر حج پر روانہ ہونے کیلئے اجازت چاہی حضرت ایک لمحہ سکوت فرما کر مراقب ہو گئے پھر ارشاد فرمایا کہ میں تم کو حج کے میدان میں نہیں پاتا۔ صوفی صاحب مذکور کہتے ہیں کہ اس ارشاد کو آج تیس سال گذر گئے جب بھی میں نے سفر حج کا ارادہ کیا فسخ ہو گیا اور جانے کا سامان نہ ہو سکا۔[۴]

---

[۱] زبدۃ المقامات ص ۲۷۸۔ [۲] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۱۵۔
[۳] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۷۰ [۴] ایضاً ص ۱۴۹۔

دلی منشا کا کشف ہونا حضرتؒ کے ایک مخلص کا بیان ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا طریقہ یہ تھا کہ ہر خورد و کلاں اور یگانہ و بیگانہ کو سلام کرنے میں سبقت کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں اچانک پہنچ کر سلام میں ابتدا کروں گا، چنانچہ حاضر خدمت ہوا، ابھی حضرت کے در دولت سے اتنے فاصلہ پر تھا کہ اگر دو تین قدم آگے بڑھتا تو حضرت کے روبرو پہنچ جاتا، مگر حضرتؒ نے اندر ہی سے بلند آواز سے کہا "السلام علیکم یا فلاں! آخر میں نے آگے بڑھ کر وعلیکم السلام کہا اور سلام عرض کرنے میں سبقت کرنے کے ارادہ کا اظہار کیا تو آپ مسکرائے۔[۱]

بغض معاویہؓ کا دل سے نکلنا حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جوان طالب علم سادات کرام میں سے میرا دوست تھا اس نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں آپ کے ایک جملے پر نظر پڑی کہ "حضرت امام مالکؒ حضرت امیر معاویہؓ کو برا کہنا حضرت صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہنے کے برابر جانتے تھے اور جو حد حضرت صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے وہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے" ——— چونکہ میرے دل میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے کینہ تھا اس لئے میں اس تحریر کو دیکھ کر بہت آزردہ ہوا اور حضرتؒ کے مکتوبات کو زمین پر ڈال کر سو گیا ——— شب کو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ غصہ کی حالت میں تشریف لائے ہیں اور میرے دونوں کانوں کو پکڑ کر فرما رہے ہیں اے طفلِ نادان تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پٹکتا ہے اگر تجھے میری تحریر کا اعتبار نہیں ہے تو میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلتا ہوں۔ آپ اسی طرح کشاں کشاں مجھ کو ایک باغ میں لے گئے اور اس کے ایک گوشے میں مجھے بٹھا دیا، اس باغ میں ایک عالی شان عمارت تھی جس میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے آپ اندر تشریف لے گئے اور نہایت ادب و تواضع سے سلام کیا انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور ملاقات کی، پھر آپ ان بزرگ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے اور کچھ گفتگو کی،

---

[۱] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۵۸۔

آپ اور وہ بزرگ دور سے میری طرف دیکھتے اور کچھ اشارات کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مجھے بلاکر فرمایا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف فرما ہیں سنو کیا فرماتے ہیں۔ میں نے ان کو سلام کیا انھوں نے زبانِ گوہر فشاں سے فرمایا "خبردار ہرگز ہرگز اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبھی کینہ نہ رکھنا اور ان بزرگوں کی ملامت میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا، اس بات کو ہم اور ہمارے بھائی ہی جانتے ہیں کہ کن نیک نیتوں کے ساتھ ہماری منازعت واقع ہوئی تھی، پھر حضرت مجدد صاحبؒ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے کلام کا کبھی انکار نہ کرنا ——

شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ باوجود اس نصیحت کے میرا دل کدورت سے پاک نہ ہوا تو حضرت امیرؓ نے آپ کو حکم دیا کہ اس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے اور تھپڑ مارنے کا اشارہ فرمایا حضرت مجدد صاحبؒ نے زور سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا۔ تب میں نے اپنے دل کو اس کدورت سے پاک وصاف پایا اور اس جواب وخطاب کی لذت آجتک میرے دل میں موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارف کے ساتھ اعتقاد بہت زیادہ ہوگیا[1]۔

فتح قلعۂ کانگڑہ | کانگڑہ کا قلعہ جو ہندوستان کے مستحکم قلعوں میں مشہور تھا جہانگیر نے اس کو فتح کرنے کیلئے نواب سید مرتضیٰ خاں کو مقرر کیا تھا، نواب موصوف حضرت مجددؒ کے مخلصین میں سے تھے اس لئے انھوں نے حصولِ فتحیابی کی دعا کیلئے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ حضرتؒ نے جب اس معاملہ کی طرف توجہ فرمائی تو منکشف ہوا کہ قلعہ مذکور نواب موصوف کے ہاتھوں فتح نہ ہوگا چنانچہ چند روز کے بعد نواب صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد اس مہم کیلئے راجہ بکرباجیت کو بھیجا گیا جب راجہ سرہند شریف پہنچا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بصد عجز ونیاز اور صدق جاذب تواضع بجا لایا اور باطنی طور پر اپنے اسلام کے دعوے میں بعض حالات بیان کئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے قلعۂ کانگڑہ کی مہم پر مجھ کو متعین فرمایا ہے جو بہت سخت ودشوار ہے مگر یہ کہ حضرت دستگیری فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کفار دار الحرب کے ساتھ جنگ کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے لیکن چونکہ تم اس واجب کو ہماری طرف سے ادا کررہے ہو اس لئے ہم تمہارے لئے ضرور دعا کریں گے۔ راجہ نے جب حضرت کو اپنے اوپر مہربان پایا تو مزید عجز وانکساری سے عرض کیا کہ جب تک

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۱ و زبدۃ المقامات ص ۲۶۵

حضرت فتح کی بشارت نہ دینگے میں یہاں سے نہ جاؤں گا حضرت نے مزید اطمینان دلایا اور فرمایا "فتح شما است خاطر جمع داشتہ برویدؔ" پس راجہ مذکور بتر از انکسار و تواضع اجازت لیکر رخصت ہوا اور حضرت کی دعا کی برکت سے ۱۰۲۹ھ میں قلعہ کانگڑہ راجہ کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ ؎۱

نماز تہجد سے مقام محمود کی برکات کا حاصل ہونا

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں سورۃ بنی اسرائیل تلاوت کر رہا تھا جب اس آیت فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا پر پہنچا تو دل میں خطرہ گذرا کہ شاید ادائے نماز تہجد کو مقام محمود کی برکات حاصل ہونے میں جو کہ شفاعت کا مقام ہے کوئی دخل نہیں ہے آپ سے پوچھنا چاہیے۔ چنانچہ میں اس ارادہ سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے از خود فرمایا کہ نماز تہجد کو لازم رکھو میں نے عرض کیا جی ہاں ادا کرتا ہوں۔ فرمایا جو شخص تہجد پڑھتا ہے مقام محمود سے بہرۂ تمام حاصل کرتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی میں نے عرض کیا کہ میں اسی بات کا حل معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا الحمد للہ کہ حضرت کی توجہ سے بلا استفسار کے مطلب حاصل ہو گیا ؎۲

تراویح میں تین ختم قرآن تک بارش کا رک جانا

جس زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف میں تشریف فرما تھے برسات کا موسم تھا کہ رمضان المبارک شروع ہو گیا۔ حضرت حسب عادت قرآن مجید کے ختم میں مشغول ہو گئے، بارش کا وہ زور ہوا کہ دن رات مسلسل ہوتی رہی اس لئے حضرت کو اور حضرت کے درویشوں کو نماز تراویح کے لئے مسجد میں آنے جانے کی بہت تکلیف تھی۔ ایک رات تراویح کے بعد حضرت مسجد سے نکلے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا اگر تین ختم قرآن تک جو ہماری دائمی عادت ہے شب میں بارش فرصت دے تو کیا اچھا ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ستائیسویں شب تک کہ تین ختم قرآن تمام ہو گئے شب میں بارش بند رہی اس کے بعد اٹھائیس تاریخ سے اتنی بارش ہوئی گویا دہانۂ مشک بند تھا اب کھول دیا گیا ہے ؎۳

؎۱ حضرات القدس دفتر دوم فارسی ص ۱۲۸۔ ؎۲ زبدۃ المقامات ص ۲۷۵۔
؎۳ حضرات القدس دفتر دوم ص ۴۷ و زبدۃ المقامات ص ۲۷۹۔

آپ کے قیام تک مسجد کی خستہ دیوار کا قائم رہنا | کہتے ہیں کہ اجمیر شریف کی اس مسجد کی جس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نماز ادا فرماتے تھے جنوبی دیوار اس قدر بوسیدہ ہو گئی تھی گویا کہ بس گرنے والی ہے، آپ کے مریدوں کو بھی اس دیوار کا خطرہ رہتا تھا ایک روز حضرتؒ نے بطور مذاق فرمایا کہ جب تک ہمارے فقرا یہاں ہیں ان کی خاطر سے یہ دیوار نہ گرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب تک حضرت کا وہاں قیام رہا دیوار بھی قائم رہی جب وہاں سے تشریف لے آئے دیوار بھی گر گئی حالانکہ برسات کا موسم بھی نہ تھا۔ ؎

مکان گر جانے کا کشف | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جن دنوں لاہور میں تشریف فرما تھے ایک روز نمازِ عشا کے بعد آپ نے اس مکان کی ایک دیوار کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ کوئی شخص ہرگز اس دالان کے نزدیک نہ رہے اور اس میں نہ سوئے، حالانکہ اس کے گرنے کا کوئی سبب بارش وغیرہ نہیں تھا۔ ایک شخص نے خوش طبعی کے طور پر مولانا ہاشم کشمیؒ سے کہا کہ بعض مکان تو اس سے بھی زیادہ شکستہ اور پرانے ہیں پھر اس مکان کو کیا ہوا کہ آج شب کو گر جائے گا۔ تقریباً دو حصہ رات گزری تھی کہ ناگہاں یہ مکان گر پڑا۔ ایک خادمہ اسی دالان کے اندر سو رہی تھی وہ دب گئی، دوسری خادمہ جو اس کے قریب ہی سو رہی تھی اس کے پاؤں پر بھی کچھ ڈھیلے آ کر گرے آپ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ کیا ہم نے رات کو نہیں کہہ دیا تھا کہ اس مکان کے نزدیک کوئی نہ رہے۔ لیکن جب اس خادمہ کو مکان کے نیچے سے نکالا تو اس کے بالکل کوئی چوٹ نہیں آئی تھی ؎

سخت گرمی میں دفعتاً ابر کا آجانا | ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ چند احباب کے ہمراہ سیر و تفریح کی غرض سے جنگل کی جانب پیادہ پا تشریف لے گئے۔ گرمی اور گرد و غبار کی وجہ سے مخدوم زادہ بزرگ اور احباب پر تشنگی اور تکان کا غلبہ ہو گیا لیکن حضرت کے عظمت و جلال کی وجہ سے کسی کو عرضِ حال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ حضرت نے مولانا یوسف سمرقندی سے جو کہ آپ کے پرانے اصحاب میں سے تھے بلکہ آپ کے پیر بھائی بھی تھے فرمایا

؎ حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۷ و زبدۃ المقامات ص ۲۸۰ ؎ زبدۃ المقامات ص ۲۸۰ -

وہماناحرارتِ آفتاب وتراکم غبار یاراں را آزار می دہد" (گرمی شدید ہے اور گرد وغبار الگ دوستوں کو تکلیف دے رہا ہے) مولانا نے عرض کیا کہ حضور کو سارا حال خود معلوم و مکشوف ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور گوشہ چشم حق بیں آسماں کی طرف کر کے منہ ہی منہ میں کچھ کہا۔ ابھی چند قدم نہ چلے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا، حضرت اور آپ کے احباب پر سایہ فگن ہو گیا اور صرف اسقدر پھوار پڑی کہ گرد وغبار دب گیا اور بادِ شمال نہایت اعتدال کے ساتھ چلنے لگی جس سے راستہ کی کوفت اور ہوا کی گرمی اور گرد وغبار کی تکلیف دور ہو گئی، حالانکہ ابر وباراں کا موسم نہ تھا۔ ابر کا سایہ اور بارش دیکھ کر رفیقوں کو مزید عقیدت حاصل ہوئی [1]۔

تراویح میں غنودگی کا نہ آنا | صاحبِ حضرات القدس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے رمضان المبارک میں ہمیشہ تین قرآن مجید سنا کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر حضرات کو نیند اور غنودگی بہت ستاتی تھی مگر حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کو تراویح میں قرآن شریف سننے وقت ذرا بھی غنودگی نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے عرض کیا کہ حضرت سلامت! کیا وجہ ہے کہ سب لوگوں کو غنودگی ستاتی ہے لیکن حضرت کو کبھی بھی نیند نہیں آتی؟ فرمایا کہ معارفِ قرآن کریم کی شناوری مہلت ہی نہیں دیتی لہذا غنودگی کو کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے [2]۔

منقی کے دانوں کا شفائے ہر مرض بن جانا | ایک مرتبہ کسی بیماری میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر ضعف کا غلبہ ہوا تو چند دانے منقی کے تناول فرمانے کے لئے طلب فرمائے۔ خادم نے پیش کئے تو آپ نے مراقبہ فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا عجیب بات ظاہر ہوئی، ان تمام دانوں نے مناجات اور دعا کی کہ "خداوندا! تیرے دوست نے تناول کرنے کیلئے ہمیں منگوایا ہے ہم میں صحت اور نفع کی ایسی تاثیر عطا فرما کہ جو شخص ایک دانہ بھی کھالے اس کا ہر مرض صحت سے بدل جائے۔" حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان دانوں کی یہ دعا قبول فرمائی، یہ واقعہ بخوبی محسوس و مشہود ہوا ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر ان میں سے چند دانے حضرت نے تناول فرمائے

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۶۵ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۰ [3] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۷۰

چنانچہ آپ کی بیماری فوراً صحت میں تبدیل ہو گئی اور جس بیمار نے بھی ان میں سے ایک دانہ کھا لیا صحت مند ہو گیا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کاش ان دانوں کی مقدار زیادہ ہوتی تاکہ جماعت کثیر اُن سے صحت حاصل کر سکتی۔ [1]

پیراہن مبارک سے مریض کا شفا پانا مولانا محمد ابن ابتداء میں خواجہ سورتی کے مرید تھے کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گئے، دعا اور دوا نے بھی اثر کرنا چھوڑ دیا۔ آخر ایک شخص کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا اور بصد نیاز و انکسار توجہ فرمانے کیلئے عرض کیا اور کوئی کپڑا بھی تبرکاً عنایت فرمانے کی درخواست کی۔ حضرت کو ان کے حال پر رحم آیا عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ضعف کی شدت سے اندیشہ نہ کرو ہمارا دل تمہاری طرف سے مطمئن ہے انشاء اللہ ضرور صحت پاؤ گے۔ فقیر کا کپڑا تم نے طلب کیا تھا اس لئے ایک پیراہن بھیجا جاتا ہے پہنو اور اس کے نتائج و ثمرات کے امیدوار رہو کہ کثیر البرکت ہے۔ مولانا نے پیراہن پہنا اور برسوں کی بیماری سے فوراً رہائی پائی، مرید صادق بنے اور تمام عمر جمعیت و استقامت سے حضرت کی خدمت میں بسر کر کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو کر اصحاب خاص میں داخل ہوئے۔ [2]

مرض قولنج سے شفا حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک دولتمند میرزادہ کو جو ماں کی طرف سے شاہی خاندان سے بھی تھا مرض قولنج لاحق ہوا۔ بہت علاج کرائے لیکن مطلق فائدہ نہ ہوا۔ اس نے اپنے ایک دوست کے ذریعہ اس فقیر کو پیغام بھیجا کہ میں اس کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے درخواست کروں۔ چنانچہ میں نے حضرت رح سے اس کی صحت کیلئے توجہ کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ میں توجہ کرنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ دوسرے دن صبح آپ نے تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ تہجد کے بعد میں ان کی رفع بلیہ کی طرف متوجہ ہوا اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی چنانچہ بعنایتِ الٰہی ان کی تکلیف دُور ہو گئی تم جا کر ان کو خوشخبری سنا دو۔ جب میں اُن کے پاس پہنچا تو وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھے اور دوڑ کر مجھ سے ملے اور کہا کہ حضرت کی دعا کی برکت سے اب میرا درد موقوف ہو گیا ہے [3]

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۸ [2] زبدۃ المقامات ص ۲۶۱ [3] زبدۃ المقامات ص ۲۷۰۔ ۲۷۲

آپ کی دعا کی برکت سے اسلام لانا

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں عبد المومن نومسلم موجود تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے جو مانگے گا ملے گا" اس نے کہا سرکار میری ماں اور بھائی سخت قسم کے کافر ہیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ مسلمان ہو جائیں مگر وہ نہیں ہوئے آپ دعا فرمائیں کہ مسلمان ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کچھ اور بھی چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت کی توجہ سے مجھے سب کچھ حاصل ہو جائیگا مگر بالفعل ان کے اسلام کی تمنا ہے۔ فرمایا بہت اچھا وہ جلد ہی مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ تیسرے دن اس کی ماں اور بھائی سامانہ سے سرہند آئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔[1]

ایک مرید کے دل سے غیر عورت کی محبت کا دور ہونا

خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صاحبزادے خواجہ جمال الدین حسین اپنے والد بزرگوار کے حکم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہوئے۔ فرماتے تھے کہ جب میں خدمت عالی میں حاضر ہوا اور حضرت نے مجھ کو ذکر کی تعلیم دیکر توجہ فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے دل میں کسی عورت کی محبت کا نقش ایسا جما ہوا پاتا ہوں جس طرح کہ پتھر مٹی میں، سچ کہو کیا بات ہے جبتک کہ اس کی محبت کا نقش تمہارے دل سے نہ نکل جائے گا خدا کی محبت سے تم مستفیض نہیں ہو سکتے۔" میں نے کہا کہ پھوپی کی ایک کنیز سے میرا تعلق ہے اور میں اس کا شیفتہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے توجہ فرمائی اور اس کے تعلق سے میرے دل کو پاک کر دیا اس کی محبت میرے دل سے اس طرح جاتی رہی گویا کہ کبھی اس سے الفت ہی نہ تھی۔[2]

دوسری بیوی سے اولاد کی بشارت

ایک امیر نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جوانی سے گذر کر بڑھاپے کو پہنچ گیا مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی، للّٰہ میرے حال پر توجہ فرمائیے۔ حضرت کچھ دیر مراقب رہے اور فرمایا کہ لوح محفوظ میں اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں پائی جاتی اگر دوسری شادی کرو تو بیشک اس سے اولاد ہو گی اور وہ تمہارے بعد تمہاری یادگار رہے گی۔

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۷۵ [2] ایضاً ص ۱۴۷ اور ۱۴۸۔

اتفاقاً اس کی اس بیوی نے بقضائے الٰہی وفات پائی اس کے بعد اس شخص نے دوسری شادی کی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے [1]

بچھڑے ہوئے مسافر کو قافلہ میں پہنچایا: حضرت مولانا بدر الدین سرہندی کے چچا شیخ محمد یامین بیان کرتے ہیں کہ اصفہان کے سفر سے واپسی پر گھوڑے سے میری خرجین (گونی) گر گئی۔ اس کی تلاش میں اتنا وقت لگ گیا کہ قافلہ نظر سے غائب ہو گیا۔ قافلہ کی جدائی سے میں سخت حیران و پریشان ہوا۔ ہر طرف دوڑا مگر قافلہ کا کہیں پتہ نہ چلا، مایوس ہو کر زمزگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور چشمہ کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا کی اور تصور میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔ تھوڑی دیر نہ گذرنے پائی تھی کہ حضرتؒ اسپ عراقی پر سوار میرے سامنے آموجود ہوئے، فرمایا کہ اپنا ہاتھ مجھ کو دو۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھوڑے پر مجھ کو بھی سوار کر کے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ چنانچہ ایک گھڑی بعد قافلہ نظر آنے لگا تب مجھ کو گھوڑے سے اتار دیا اور فرمایا اب تم قافلے میں چلے جاؤ۔ میں قافلہ کی جانب روانہ ہوا تو آپ میری نظروں سے غائب تھے [2]

وفات کا کشف ہونا: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص معتقدین میں سے ایک صاحب نے حاضر ہو کر اپنے لڑکے کی صحت کے لئے درخواست کی اور کچھ نذرانہ بھی پیش کیا۔ حضرت نے اس کا نذرانہ قبول نہ فرمایا حالانکہ اس نے نذرانہ قبول کرنے کیلئے بہت کچھ التجا کی مگر قبولیت نہ ہوئی۔ چونکہ آپ کا طریقہ ردِ فتوح کا نہ تھا اس لئے سب کو یقین ہو گیا کہ اس کا لڑکا بچنے والا نہیں ہے چنانچہ وہی ہوا کہ اسی روز شام کو لڑکے کا انتقال ہو گیا [3]

ایضاً: ایک عالم جو حضرت کے مخلصوں میں سے ہیں بیان کرتے تھے کہ میرا ایک عزیز تھا جس سے مجھ کو بے حد محبت تھی وہ بیمار ہو گیا حکیموں کے علاج اور عزیزوں کی دعاؤں سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ میں نے حضرت کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی تھوڑی دیر کے بعد

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۷ [2] ایضاً ص ۱۵۰ - [3] ایضاً ص ۱۴۸ -

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس کی مغفرت کیلئے فاتحہ پڑھ دی ہے۔ میں بہت متعجب ہوا اور اس کی خبر گیری کے لئے روانہ ہوا جب اس کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ لوگ اس کے دفن سے فارغ ہو چکے ہیں سلہ

ایضاً حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بھائی شیخ مسعودؒ بغرض تجارت قندھار جانے کیلئے ایک قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ایک روز صبح کے وقت حضرت نے محرمانِ اسرار سے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے آج میں شیخ مسعود کے احوال کی طرف متوجہ ہوا، ہر چند میں نے چشم مکاشفہ سے ان کے احوال کی جستجو کی لیکن زمین پر ان کو کہیں نہ پایا۔ اس کے بعد پھر میں نے بغور ان کی طرف توجہ کی تو ان کی قبر بلدۂ قندھار کے اطراف میں نظر آئی، غالباً آج ہی وفات ہوئی ہے سامعین نے دن اور تاریخ لکھ لی۔ ایک مدت بعد جب قافلہ واپس آیا اور تحقیق کی تو آپ کا ارشاد حرف بحرف صحیح پایا سلہ

(۳۸) ایک متوفی کو سلسلہ میں داخل کرنا | مولانا مرتضیٰ نائب جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضرت کی خدمت میں لیجا کر عرض کرنا کہ مجھ کو اپنے طریق میں داخل کرلیں۔ میں حسبِ وصیت نماز کے لئے جنازہ حضرت کی خدمت میں لے گیا اور مرحوم کی درخواست بھی پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ کل حلقۂ ذکر میں تم کو معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن جب میں آپ کے حلقۂ ذکر میں بیٹھا تو ایک کیفیت پیدا ہوئی اور میں نے دیکھا کہ حضرت تشریف فرما ہیں اور والد مرحوم حلقۂ ذکر میں آپ کی خدمت میں تھوڑے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر میں مشغول ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا سلہ

سلہ حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۲۸ و زبدۃ المقامات ص ۲۷۳
سلہ " " " " ۱۲۹ " " ۲۷۹
سلہ " " " " ۱۲۹

ملفوظاتؒ

اسم اللہ کی تعظیم کی برکات ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قضائے حاجت کے لئے بیت الخلا تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں مٹی کا ایک پیالہ پڑا ہوا ہے اور اس پر اسم اللہ منقوش ہے آپ نے اس پیالہ کو وہاں سے اٹھایا اور واپس تشریف لائے اور پانی منگا کر اپنے دستِ مبارک سے اس کو دھویا اور اچھی طرح پاک کیا۔ خدام نے ہر چند عرض کیا کہ ہم اس کو پاک کر دیں مگر قبول نہ فرمایا پھر اس پیالہ کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر اونچی جگہ رکھدیا اور جب پانی پینا چاہتے تو اسی پیالہ میں پیتے۔ چنانچہ اس تعظیم کی برکت کی وجہ سے جناب باری عزاسمہ کی جانب سے ندا آئی کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معظم بنا دیا۔ اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جسقدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔ [1]

کلمۂ طیبہ کے فضائل و برکات ایک روز بتقریب تکرار کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ اے کاش تمام عالم اس کلمۂ طیبہ کے مقابلہ میں دریائے محیط کے ساتھ قطرہ ہی کی مناسبت رکھتا۔ یہ کلمہ مقدسہ جامعِ کمالاتِ ولایت ہے لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمۂ طیبہ کہنے والا کیونکر جنت میں داخل ہو جائے گا اور جہنم کے خلود سے کس طرح رہائی پالے گا۔ اور مجھ کو تو ایسا محسوس و مشہود ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم صرف ایک دفعہ کلمۂ طیبہ کہنے پر بخش دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو عین ممکن ہے۔ اگر اس کلمۂ طیبہ کی برکات تقسیم کی جائیں تو اس سے تمام عالم ابد الآباد تک معمور اور سیراب ہو جائے لیکن اس کلمہ کی برکت پڑھنے والوں کو علیٰ قدر مراتب پہنچتی ہے۔ [2]

اتباعِ سنت کا اہتمام حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ایک شب بھولے سے بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتداءً دائیں پہلو سے کرنا سنتِ اجماعی ہے جو ترک ہو گئی۔ نفس نے کاہلی سے ظاہر کیا کہ سہو اور نسیان سے جو چیز سرزد ہو جا

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۸۲، ۸۳۔ [2] ایضاً و زبدۃ المقامات ص ۳۰۰۔

وہ معاف ہے لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر دائیں پہلو پر لیٹ گیا جس کے بعد بکثرت فیوض و برکات اور اسرار و عنایات مجھ پر ظاہر ہوئے اور ندا آئی کہ اس سنت کی رعایت کی برکت سے آخرت میں تجھ کو کسی طرح کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ [1]

ادنیٰ درجہ کے ادب کی رعایت | حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضرت تحریرِ معارف میں مصروف تھے کہ یکایک پیشاب کے سخت تقاضے سے بیت الخلاء تشریف لے گئے اور جلدی ہی واپس آ گئے آتے ہی پانی کا لوٹا منگایا اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا پھر بیت الخلا تشریف لے گئے۔ جب آپ فارغ ہو کر آئے تو فرمایا کہ میں پیشاب کے تقاضے سے جلدی میں چلا گیا تھا اور پاخانہ میں بیٹھا ہی تھا۔ میری نظر ناخن کی پشت پر پڑی کہ وہ سیاہی کا نقطہ جو قلم کا امتحان کرتے وقت انگوٹھے پر لگ گیا تھا چونکہ وہ بھی اسبابِ کتابتِ حروفِ قرآنی سے تھا اس کے ساتھ وہاں بیٹھنا رعایتِ ادب کے خلاف تھا، اگرچہ پیشاب کا غلبہ اور تقاضا سخت تھا مگر وہ تکلیف اس ترکِ ادب کی تکلیف سے کم درجہ کی تھی فوراً باہر آیا اور اس سیاہی کے نقطے کو دھو کر پھر گیا۔ [2]

مستحبات کی رعایت | از حضرت مولانا محمد ہاشم کشمیؒ۔ یہ بندہ خدمتِ عالی میں حاضر تھا کہ حضرتؒ نے مولانا صالح خلانی سے فرمایا کہ تھیلی میں سے چند لونگیں نکال کر لاؤ۔ وہ چھ لونگیں نکال کر لائے۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ یہ صوفی ہیں جنھیں ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اَللّٰہُ وِتْرٌ وَّ یُحِبُّ الْوِتْرَ ہے اس لئے وتر کی رعایت مستحبات میں سے ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے مستحب کو کیا سمجھ رکھا ہے ابھی یہ مستحب اللہ تعالیٰ کا پسند کیا ہوا ہے، اور فرمایا کہ میں استحباب کی رعایت اس درجہ رکھتا ہوں کہ منہ دھوتے وقت بھی یہ کوشش کرتا ہوں کہ پہلے دائیں رخسارے پر پانی پہنچے کیونکہ تیامن بھی مستحبات سے ہے۔ [3]

ایضاً منقول ہے کہ ایک دن آپ اپنے بستر پر تشریف فرما تھے کہ یکایک گھبرا کر نیچے اتر آئے اور فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ بستر کے نیچے کوئی کاغذ ہے۔ ہرچند یہ معلوم نہ تھا کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے مگر آپ نے اس پر بیٹھنے کو بھی ترکِ ادب خیال فرمایا۔ [4] نیز ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں نے بیت الخلاء جاتے ہوئے بھولے سے اول داہنا پاؤں رکھ دیا جس کی وجہ سے اس دن کئی احوال مجھ پر بند ہوگئے۔ [5]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۸۰ [2] ایضاً ص ۱۶۲ [3] ایضاً ص ۱۹۴ [4] ایضاً ص ۱۹۲ [5] ایضاً ص ۱۹۳

ایضاً: ایسا ہی ایک اور وقت دیکھا گیا کہ ایک حافظ قرآن مجید پڑھ رہا تھا آپ نے خیال کیا کہ میرے نیچے فرش وغیرہ زیادہ ہے اور اس کلام مجید پڑھنے والے کے نیچے کم ہے پس جلدی سے اپنے نیچے سے اس فرش کو ہٹا دیا۔ [1]

تہجد کے لئے اٹھایا جانا حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ مجھ کو نماز تہجد کے لئے ہمیشہ اذان یا اعلام یا کسی آواز کے ذریعے سے بیدار کر دیا جاتا ہے اور کبھی اپنے اختیار سے نہیں اُٹھتا مگر ایک دفعہ صاف اور واضح طور سے آواز نہ آئی تھی کہ میں بیدار ہو گیا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ میں کون ہوں جو اپنے اختیار سے اٹھوں اور اس کی بندگی وطاعت میں مصروف ہوں لہٰذا میں پھر سو گیا۔ ایک لحظہ نہ گذرا تھا کہ ہر طرف سے اذان و اعلام کی آواز آنے لگی اس وقت میں اٹھا اور نماز میں مشغول ہو گیا"۔ [2]

لیلۃ القدر کی زیارت ہونا ایک مرتبہ ستائیسویں شب ماہ رمضان المبارک میں آپ نے فرمایا کہ آج شبِ قدر ہے اور تراویح سے فراغت پانے کے بعد فرمایا کہ لیلۃ القدر کی ساعت شریفہ میں مجھ پر غیبت طاری ہوئی اور اس ساعت کا آخری حصہ نصیب ہوا جس طرح کہ ایک لشکر آگے چلا جائے اور پیچھے ہوئے لوگ آہستہ چلنے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ایسا ہی میں نے اسے دیکھا۔ [3]

آخر شب میں وتر پڑھنے کی فضیلت آپ نے فرمایا کہ ایک شب ہم پر منکشف کیا گیا کہ اگر کوئی نمازی نمازِ وتر کو تہجد کے وقت ادا کرنے کے ارادہ سے سو جائے اور یہ نیت رکھے کہ آخر شب میں وتر پڑھوں گا تو کاتبینِ اعمال تمام شب اس کے نام پر نیکیاں لکھتے ہیں یہاں تک کہ وتر ادا کرے۔ [4]

مصاحبت کو خلوت پر فضیلت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ کسی مقام خلوت میں جا کر گوشہ نشین ہو جاؤں اور سب سے خلوت اختیار کر لوں میں نے استخارہ کیا اور بارگاہ رب العزت سے اجازت طلب کی۔ خطاب مستطاب آیا کہ طریقۂ محبوب و پسندیدہ و مناسب و لائق یہی ہے جس پر اس وقت قائم ہو نہ کہ طریق گوشہ نشینی اور تنہائی۔ [5]

آپ کے سینے سے خناس کا نکلنا حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ ایک دن ظہر کے وقت حلقہ میں حافظ قرآن شریف پڑھ رہا تھا اس وقت قرآن شریف کے بارے میں بعض وساوس و خطرات

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۹۵ - [2] حضرات القدس دفتر دوم ۳۰۲ [3] ایضاً ۱۱ [4] ایضاً ص ۔ [5] ایضاً

پیش آتے۔ میں متفکر ہوا کہ نفس مطمئنہ ہو چکا، ولایت متحقق ہو گئی اور فنا و بقا حاصل ہو چکی، اب یہ خطرات کہاں سے آتے ہیں۔ جب نہایت الحاح و زاری کے ساتھ متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک مرغ عظیم الجثہ میرے سینے سے نکلا اور اُڑ چلا گیا۔ میں نے پھر غور کیا کہ یہ کیا چیز تھی۔ آواز آئی کہ یہ خناس تھا جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اسی خناس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا۔" [1]

قصورِ اعمال کی دید پر انعامِ الٰہی | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ چند روز تک مجھ پر قصورِ اعمال کی دید اس درجہ غالب ہوئی کہ جب میں نماز اور سورۂ فاتحہ میں لفظ اِیَّاکَ نَعْبُدُ پڑھتا تو حیران رہ جاتا کہ کیا کرنا چاہئے اگر پڑھتا ہوں تو آیۂ شریفہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے) کا مصداق ہو جاتا ہوں اور اگر نہیں پڑھتا تو واجب ترک ہو جاتا ہے۔ ندا آئی کہ ہم نے تجھ سے شرک فی العبادات اٹھا لیا۔ اس وقت آیۂ کریمہ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (یاد رکھو اخالص دین اللہ ہی کے لئے ہے) کا مطلب ظاہر ہوا۔ [2]

آپ کی قبر مبارک جنت کا باغ ہے | آپ فرماتے تھے کہ مجھ کو میرے فرزند خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی قبر کے مقابل دفن کیا جائے، میں نے وہاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔ [3]

آپ کے معارف بارگاہِ مہدی موعود میں مقبول ہوں گے | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھ پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے تحریر کردہ معارف و حقائق حضرت مہدی موعود کی نظر مبارک سے گزریں گے اور ان کی بارگاہ میں مقبول ہوں گے۔ [4]

حضرت شاہ کمال کیتھلی کی عظمتِ شان | ایک روز حضرت قدس سرہٗ نے بسبیلِ تذکرہ فرمایا کہ جب نظرِ کشفی سے غور کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ [5]

حدیث القبر روضۃ من ریاض الجنۃ کی تشریح | حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ (قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے) پس قبر کا

---

[1] [2] زبدۃ المقامات ص ۱۸۲ و حضرات القدس دفتر دوم ص ۷۴۔ [3] حضرات القدس ص ۷۶ [4] ایضاً ص ۷۷ [5] ایضاً ص ۷۸

روضہ جنت ہوتا یہ ہے کہ قبر اور جنت کے درمیان جو حُجب و مسافت ہے وہ اٹھا لیا جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی حجاب و مانع نہیں رہتا گویا وہ بقعۂ فنا جنت کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے فافہم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) کے یہی معنی ہیں۔ روضہ کی یہ قسم اخص الخواص کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں پر بھی اگر ایمان کی نورانیت کی وجہ سے جنت کا پرتو اس بقعہ (قبر) میں چھکے تو ہو سکتا ہے۔"[1]

بلاد مصیبت ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں: اگر کوئی بلا و مصیبت پہنچتی تو فرماتے یہ ہمارے شامتِ اعمال سے ہے اور اس کا تدارک آپ خیر خیرات سے کرتے اور اسے ترقی کا زینہ سمجھتے۔

ایک روز ایک شخص نے پوچھا کہ سلطانِ وقت نے ترکِ ادب کر کے آپ کے ساتھ جو ایذا رسانی کا معاملہ کیا اس کا سبب کیا تھا؟ فرمایا اس کا باعث بھی ہمارے اعمال و افعال تھے اور یہ آیۂ شریفہ تلاوت فرمائی وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (جو کچھ مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے)۔

باوجود کثرتِ عمل کے دیدِ قصورِ اعمال آپ پر غالب تھا۔ اور دوستوں کو بھی آپ اسی کی ہدایت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عُجب (خود پسندی) عمل صالح کو اس طرح نابود کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو، اور عجب پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ عامل کی نظر میں اس کا عمل اچھا معلوم ہو، اس لئے چاہئے کہ اس وقت اپنی برائیوں کو یاد کرے اور حسنات کو ان سے متہم کرے اور اس پر شرمندہ ہو۔ اور فرماتے کہ ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ قصورِ اعمال کی دید اس پر اس قدر غالب ہے کہ وہ اپنے کاتبِ یمین کو بیکار و معطل سمجھتے ہیں اور کاتبِ شمال کو ہمیشہ کام میں مشغول جانتے ہیں۔[2]

> "اس گروہ کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے۔"
>
> (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۰۲)

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۱۹۔ [2] ایضاً ص ۳۱۲۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدّس سرّہ

کی

دعوت و تجدید کا پس منظر

امام ربّانی حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کی فنّی نکتہ طرازیوں اور شریعت و طریقت و حقیقت کی صوفیانہ معرکہ آرائیوں میں کچھ اس طرح رل مل گئے ہیں کہ آج حضرت مجدد قدس سرّہ کو مجدّد الفِ ثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر کسی اور اہم امر پر مبنی نہیں معلوم ہوتا بلکہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ نے حضرت مجددؒ کو کسی خاص وقت میں اس خطاب سے مخاطب کیا تھا جس نے رفتہ رفتہ عام لقب کی صورت اختیار کر لی لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ان اصلاحی کوششوں اور کارناموں سے جن کا تعلق علم و عمل اور اخلاص سے ہے نہ صرف ہندوستان کے مسلمان بلکہ تمام اسلامی ممالک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ "خالدیہ سلسلہ" کے نام سے عراق و شام و عرب خصوصاً ترکی وغیرہ ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہے، نیز آپ کے فارسی مکتوباتِ شریفہ کے ترجمے اردو، عربی اور ترکی زبان میں ہو کر تمام ممالک میں شائع ہو چکے ہیں۔

مکتوباتِ شریفہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے مکاتیب شریفہ کی اشاعت کے بعد حدیث و تفسیر کی جتنی اچھی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی متعدد کتابیں مل سکتی ہیں جن میں مکتوباتِ شریفہ کے مضامین نقل کیے گئے ہیں، خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر "روح المعانی" جو سلطان عبد المجید خاں مرحوم خلیفہ ترکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام رکھا ہے کہ جہاں بھی آپ کی تحریرات کے ذکر کا موقع میسر آئے وہاں قال المجدد الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے وہ آپ کے

خاص خاص نظریات و تعبیرات کو بڑے فخر و ناز کے ساتھ سند کے طور پر پیش کرتے ہیں ـــ اسی طرح حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ بھی اپنی شہرہ آفاق تفسیرِ مظہری میں بہت جگہ قال المجدد رحمۃ اللہ لکھ کر آپ کی عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ نمایاں امتیازات ہیں جو آپ کے لئے سرمایۂ افتخار بن سکتے ہیں لیکن کیا آپ کی "مجددیت" صرف ان ہی چند باتوں تک محدود ہے، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس مقصد کے لئے ہمیں اس زمانے کے تمام حالات کا جائزہ لینا ہوگا کہ اس وقت کے بادشاہ کے عقائد و اعمال کیا تھے اور اس وقت علماء کے حالات کیا تھے، صوفیہ کس رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور بیچارے عوام کس کس مپرسی میں مبتلا تھے، تب کہیں آپ کی دعوتِ اسلام اور تجدیدی کارناموں کا اندازہ ہوسکے گا۔

امام ربانی حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ السامی ایک ایسے پُرآشوب دور میں اسلام کے حامی بن کر کھڑے ہوئے جبکہ شجرِ اسلام کی شاخوں کو ہی نہیں بلکہ جڑوں کو کاٹنے کے لئے متعدد قسم کے تیشے چل رہے تھے، عہدِ نبوت کو گزرے ایک ہزار سال کا زمانہ ہوچکا تھا اور اسلام کی عمر کے دوسرے ہزار سال کا آغاز تھا، اعدائے اسلام ایک منظم سازش میں لگے ہوئے تھے اور دشمنوں کے یہ حملے کسی ایک سمت سے نہیں ہو رہے تھے بلکہ ایک طرف مبتدعین کا گروہ تھا جو دینِ اسلام میں نئی نئی بدعتیں و رسوم پیدا کر رہا تھا، دوسری طرف ملحد و بے دین صوفیوں کی جماعت عقائدِ اسلام کی صورت بگاڑنے میں مصروف تھی تیسری جانب دشمنانِ اصحابِ رسولؐ اکابر صحابہ اور خلفائے راشدین پر طعن و ملامت کے تیر چلا رہے تھے چوتھی سمت سے ہنود و نصاریٰ وغیرہم مذاہبِ باطلہ نے احکامِ اسلام کو منسوخ کرانے پر کمر باندھ رکھی تھی ان تمام گروہوں نے آپس میں کچھ ایسا گٹھ جوڑ کر رکھا تھا اور دربارِ شاہی میں اتنا اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ بادشاہِ وقت جلال الدین اکبر غازی کو جو ابتدائے عہد میں علماء و مشائخ کی صحبت میں رہ کر راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا اور اس وقت واقعی وہ ان خطابات کا مستحق تھا اسلام سے برگشتہ ہی نہیں بلکہ احکام و رسومِ کفریہ کا رائج کرنے والا بنا دیا تھا ظاہر ہے کہ جب سلطنت کا دل یعنی بادشاہ ہی بگڑ جائے تو جسم یعنی سلطنت کیسے درست رہ سکتی ہے حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے تجدیدی کارناموں کو بیان کرنے سے پہلے اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت کا جائزہ لینا ضروری ہے اس لئے اس دورِ پُرآشوب کے حالات چند عنوانات کے تحت ذیل میں درج

کہ جاتے ہیں، گویا یہ حضرت مجدد قدس سرہ کے فقرہ کی وضاحت ہے جو مکتوب ۶۵ دفتر اول میں خانِ اعظم کے نام ہے وہ فقرہ یہ ہے :-

"پہلی سلطنت (دورِ اکبری) میں دینِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد مفہوم ہوتا تھا اور اس سلطنت (عہدِ جہانگیری) میں ظاہر طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو عناد دشمنی تک پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے۔"

اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی | اکبر اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں علماء و مشائخ کی صحبت میں رہ کر ایک راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا، اکبر کو اولیائے کرام کے ساتھ جو عقیدت تھی وہ اُسے اپنی والدہ حمیدہ بانو بیگم کی جانب سے ورثہ میں ملی تھی جو مشہور صوفی و شاعر شیخ احمد جام ژندہ پیل کی اولاد سے تھی، یہ شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ وہی بزرگ ہیں جن کا یہ مشہور شعر ہے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر است

محفلِ سماع میں سن کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اکبر کئی بار پاک پٹن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے مزارِ پُر انوار پر خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس سرہ کے روضۂ اطہر پر سالانہ حاضری تو اس کا معمول بن چکی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ وہ خواجہ بزرگ سے اظہارِ عقیدت کی خاطر اجمیر تک پاپیادہ گیا، خان زمان کی بغاوت پر اس کے مقابلہ کے لئے نکلنے سے پہلے دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بغرضِ دعا حاضر ہوا۔ سلیم کی ولادت کے بعد بزرگانِ دہلی کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لئے گیا تھا، اس کے والد ہمایوں بادشاہ کے مقبرہ میں سیکڑوں درویش اور حفاظ مقیم تھے جن کے خورد و نوش کا انتظام سرکار کی طرف سے ہوتا تھا۔ شیخ نظام نارنولی قدس سرہ جو اُن دنوں حیات تھے اکبر ایک بار اجمیر جاتے ہوئے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے ہانسی میں حضرت قطب جمال قدس سرہ کے مزارِ پُر انوار پر بھی حاضری دی ہے۔ شیخ سلیم چشتی کے ساتھ اکبر کو جو عقیدت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، شیخ موصوف کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتح پور سیکری ہی کو دار السلطنت بنا لیا تھا۔ شیخ موصوف کا روضہ اکبر نے تعمیر کرایا جو فنِ تعمیر کا شاہکار اور شیخ موصوف سے اس کی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے، شیخ موصوف ہی کی دعا سے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے فرزند عطا فرمایا تھا جس کا نام شیخ کے نام پر "سلیم" رکھا گیا۔ شہزادہ سلیم کی بسم اللہ خوانی اس عہد کے مشہور محدث مولانا میر کلاں ہرویؒ سے عمائدینِ سلطنت کی موجودگی میں کرائی گئی اور پھر شہزادہ سلیم کی تعلیم وتربیت قدوۃ المحدثین میرک شاہ بن میر جمال الدینؒ محدث کے سپرد کی گئی پھر شہزادہ کو حکم دیا کہ شیخ عبد النبیؒ کے گھر جا کر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے خود بھی اکثر ان کے گھر جا کر درسِ حدیث میں شرکت کیا کرتا تھا، بادشاہ کو جو عقیدت ان سے تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔

حضرت محمد غوث گوالیاری قدس سرہ سے چونکہ ہمایوں بادشاہ کو بہت عقیدت تھی اس لئے اکبر کو بھی ان سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور اکبر نے ان کے گذارہ کے لئے ایک کروڑ (دام) سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کر دی تھی۔ اکبر کے آبا و اجداد کو نقشبندیہ سلسلہ کے گلِ سرسبد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احراری کے ساتھ بڑی عقیدت تھی ان کی اولاد میں سے خواجہ یحییٰ ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے اخراجات کے لئے ایک جاگیر پیش کی۔ مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری کا ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ شیخ طاہر بوہرہ پٹنی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ کشمیر پر لشکر کشی کے وقت گجرات (پنجاب) کے مشہور صوفی شیخ سری کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا اور فتح کشمیر کے بعد پندرہ سو بیگہ زمین بطور نذرانہ پیش کی۔ سید محمد میر عدل کا بھی اکبر پر کافی اثر تھا۔ ان علماء ومشائخ کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو گیا تھا، نماز باجماعت کا اتنا اہتمام کرتا تھا کہ اس نے ہفتے کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کئے ہوئے تھے جو باری باری مقررہ دنوں میں نماز کی امامت کرتے تھے بدھ کے روز کی امامت ملا عبد القادر بدایونی کے متعلق تھی، ہر پانچ وقت برسرِ دربار جماعت کے متعلق تاکید کرتا تھا، سفر میں نماز کے لئے ایک خاص خیمہ ہوتا تھا جس میں بادشاہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا۔ ہر سال حج کے لئے ایک میرِ حاج مقرر کر کے سرکاری اخراجات پر بھیجتا اور اس کے ہاتھ شریف مکہ کے لئے گراں قدر تحائف اور اہلِ حرم کے لئے نقد وجنس روانہ کرتا، حجاج کے قافلہ کی روانگی کا منظر قابلِ دید ہوتا تھا اس دن بادشاہ حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال قصر کراتا اور تکبیر کہتا ہوا سر و پا برہنہ انھیں رخصت کرنے کیلئے دُور تک ان کے ہمراہ جاتا تھا غرضکہ اکبر کے ابتدائی مذہبی خیالات بہت اچھے تھے لیکن بعد میں ہندوستان میں مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کو اسقدر نقصان پہنچایا کہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اس کی تلافی نہ ہو سکی اور اس کی پاداش میں وہ اکبر کی بجائے اکفر کے نام سے مشہور ہوا۔ (از دین الٰہی اور اس کا پس منظر صفحہ ۲۹ تا ۲۱)

بادشاہی عبادت خانہ | جب اکبر بادشاہ کو بڑی بڑی فتوحات نصیب ہوئیں اور روز بروز ملک کی حدود میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ملک کا سارا نظم و نسق حسبِ منشا قائم ہو گیا اور دنیا میں کوئی مخالف اور دشمن نہ رہا تو اس کا رجحان زیادہ تر عبادت اور ریاضت کی طرف ہو گیا چنانچہ اجمیر کی درگاہِ معینیہ کے مجاوروں اور درویشوں کے ساتھ صحبتیں رہنے لگیں اور اس کے زیادہ تر اوقات اللہ و رسول کے تذکرے میں گذرنے لگے، راتیں بھی اللہ کی عبادت میں گذارنے لگا وہ عموماً راتوں کو "یاھو" اور "یا ھادی" کا وظیفہ پڑھتا تھا، ان دنوں اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بڑا اثر تھا۔ حاکمِ بنگالہ سلیمان کرانی کے متعلق اس نے سن رکھا تھا کہ وہ پچھلی رات اٹھ کر ڈیڑھ سو مشائخین اور علماء کے ساتھ تہجد کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا اور فجر کی نماز تک ان عالموں کی مجلس میں تفسیر و تذکیر میں مصروف رہتا تھا فجر پڑھنے کے بعد ملکی معاملات، فوج اور لشکر کے حساب کتاب میں وقت گذارتا تھا اس کے اس معمول میں کبھی فرق نہ آتا تھا اسی طرح اکبر نے اپنے اوقات تقسیم کر رکھے تھے ان دنوں مرزا سلیمان (حاکمِ بدخشان) کے آنے کی بھی خبر تھی مرزا سلیمان صوفی منش صاحبِ حال بادشاہ تھا صاحبِ بیعت بھی تھا لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کیا کرتے تھے، ان باتوں سے اکبر کے دل میں فطری طور پر ایسا بننے کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ اس نے ۹۸۳ھ میں فتح پور سیکری میں شیخ عبداللہ نیازی کے حجرۂ عبادت کی جگہ ایک بڑی عبادت گاہ تعمیر کرائی اس عبادت گاہ کے چاروں طرف عمارتیں بنائی گئیں اور انوپ تلاؤ نامی حوض تیار کرایا گیا اور اس حجرہ کو عبادت خانہ کا نام دیا گیا جو بعد میں عبادت خانہ ہو گیا۔ بادشاہ اپنی ابتدائی زندگی کے دور میں آبادی سے دور اسی مقام پر جہاں اب یہ عبادت خانہ تعمیر کرایا اس پرانے حجرہ کے پتھر پر بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول رہتا تھا اور صبح کا فیض حاصل کیا کرتا تھا۔ اکبر کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو نماز کے بعد شیخ الاسلام کی جدید خانقاہ سے اس عبادت خانہ میں آکر مجلس منعقد کرتا تھا اس محفل میں نامی گرامی علماء و مشائخین اور چند خاص مصاحب اور ندیم ہی شریک ہوا کرتے تھے دوسروں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس محفل میں علمی مباحث اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، مذکورہ عبادت خانہ میں ہر جمعہ کی رات کو بھی محفل منعقد ہوتی تھی جس میں سادات، مشائخ، علماء، وامراء سب ہی حاضر رہتے تھے بادشاہ ساری ساری رات اس محفل میں گذار دیتا، اس موقع پر طرح طرح کی خوشبوؤں سے پوری مجلس مہک اٹھتی تھی، شیخ محمد غوث گوالیاری کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کو آگرہ سے بلوا کر اسی

عبادت خانہ میں ان کے قیام کا انتظام کرا دیا۔ بادشاہ کے تقریب نشستیں لینے کے لئے تقدیم و تاخیر کا جھگڑا شروع ہوا تو اکبر نے باقاعدہ نشستوں کا تعین کر دیا کہ امرا مشرقی جانب بیٹھیں سادات غربی جانب علما کی نشست جنوبی حصہ میں ہو اور مشائخین شمال میں بیٹھا کریں، اکبر باری باری ہر ایک نشستگاہ میں جا کر ان کے مباحثوں میں حصہ لیا کرتا تھا۔[1]

بدایونی کی تحریر سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ عبادت خانہ کی تعمیر سے اکبر کا مقصد قال اللہ وقال الرسول کے سوا اور کچھ نہ تھا اور دینی مسائل خواہ اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے ہمیشہ اُن ہی کی تحقیق سے سروکار تھا اسی جذبہ کے تحت اس نے علما و مشائخ کو وہاں آنے کی دعوت دی بحث و مناظرہ کرنے والے علما، خواہ محقق ہوں یا مقلد ان کی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی۔[2]

علماءِ سوء جلوس کے چوبیسویں سال ۹۸۶ھ میں فتح پور واپس آنے کے بعد بادشاہ کے اکثر اوقات عبادت خانہ میں علماء کی محفل میں گذرتے تھے خاص طور پر جمعہ کی راتیں شب بیداری میں گذرتی تھیں اور دینی مسائل کی تحقیق اور اصول و فروع کی بحثیں گرم رہتی تھیں، ان مجلسوں میں علماء ایک دوسرے کے مقابلہ میں زبان کی تلواریں نکالتے ایک دوسرے کی نفی و تردید اور مقابلہ میں مصروف رہتے تھے مذہب و مسلک کے اختلافات اتنے شدید ہو گئے کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل کرنے لگے۔ سُنّی، شیعہ حنفی شافعی فقیہ و حکیم کے موازنہ و مقابلہ سے گذر کر اصول و مہماتِ دین پر بھی زبانوں کی چھریاں بے باکی سے چلنے لگیں، انہی دنوں مخدوم الملک (مولانا عبد اللہ سلطانپوری) نے شیخ عبد النبی کی مخالفت میں ایک رسالہ لکھا کہ اس نے خضر خاں سروانی کو جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی کا الزام لگایا گیا تھا اور میر حبش کو جس پر رفض کا الزام تھا ناحق قتل کرا دیا لہٰذا اس کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی، اس لئے بھی کہ اس کو اس کے باپ نے عاق کر دیا تھا اور وہ خود خونی بواسیر کے عارضہ میں مبتلا ہے۔ شیخ عبد النبی نے بھی اس کی جہالت اور گمراہی ثابت کرنے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ درباری مُلّاؤں میں سے کچھ اس طرف اور کچھ اس طرف ہو گئے اور ایک دوسرے کو گمراہ اور خبطی بتانے لگے، علماء کے ان اختلافات اور جھگڑوں کی وجہ سے اہلِ بدعت کو خوب کھل کھیلنے کا موقع ملا، انھوں نے حقائق کو مسخ کر کے بادشاہ کو جو کہ اخلاص کے ساتھ

۱۔ منتخب التواریخ اردو ترجمہ ص ۲۴۳ و ۲۴۴ (ملخصاً) ۲۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۴۳ ۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۵۵ ملخصاً

طالبِ حق تھا لیکن اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر تھا اور علماء کے ان مباحث کی وجہ سے عالمِ حیرت میں مبتلا تھا اس کو اصل دین ہی سے پھیر دیا اور اس نے دین و شریعت کی بنیادوں پر ایسی ضرب لگائی کہ ان پانچ چھ سالوں میں اسلام کا نام تک نہ رہا اور وہ ساری بساط چوپٹ ہو کر رہ گئی ــــ بدایونی نے ایک مباحثہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے "رگِ گردنِ علمائے زمان برآمد آوازہائے بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد ایں معنی بر خاطر اشرف گران آمد الخ" (یعنی علمائے زمانہ کی گردنوں کی رگیں پھولنے لگیں، شور و غل ہونے لگا اور سخت ہلڑ مچ گیا، بادشاہ کی طبع نازک کو یہ بات ناگوار گذری اور برہم ہو کر مجھ سے کہا اس کے بعد جو شخص بھی ناشائستہ بات کرے اس کو وہاں سے اٹھا دے۔ (منتخب التواریخ ص ۲۳۵)

اکبر کے دربار میں کس قسم کے علماء جمع تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک ملا عبد اللہ سلطانپوری تھے جن کا عہدہ مخدوم الملک کا تھا، اس نے محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا ـــ ملا بدایونی رقمطراز ہے کہ "ایک مرتبہ اسی شبینہ محفل میں خان جہاں نے کہا مخدوم الملک نے فتویٰ دیا ہے کہ ان دنوں حج پر جانا فرض نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے گناہ ہے جب لوگوں نے وجہ دریافت کی تو اس نے یہ دلیل دی کہ حج کے لئے خشکی کا راستہ تو گجرات اور عراق کا ہے جو قزلباشوں کی لوٹ مار سے پُر خطر ہے اور اگر سمندر کے راستہ جائیں تو فرنگیوں سے پروانہ راہداری لینے کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے ان کے پروانۂ راہداری پر صلیب کا نشان اور حضرت عیسٰی و حضرت مریم علیہما السلام کی تصویر چھپاں رہتی ہے جو بت پرستی کی ایک شکل ہے اس لئے یہ دونوں راستے حج کیلئے بند ہیں اور ان دونوں صورتوں کے علاوہ اور کسی طریقے سے حجاز پہنچنا ممکن نہیں اس لئے فریضۂ حج ساقط ہو چکا ہے ـــ اس کے متعلق خان زماں نے ایک بات یہ بھی بتائی کہ وہ زکوٰۃ سے بچنے کیلئے یہ حیلہ کرتا ہے کہ ہر سال کے اختتام سے قبل اپنا سارا مال و متاع اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتا ہے اور اسی طرح دوسرے سال کے ختم ہونے سے پہلے وہ نیک بخت سارا مال و متاع اس کے نام منتقل کر دیا کرتی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جو کامل سال گذرنے کی شرط ہے چونکہ اس طرح ہیر پھیر میں یہ شرط پوری نہ ہوتی تھی اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی ـــ غرض خان زماں نے مخدوم الملک کی کنجوسی، رذالت، خیانت، مکاری اور دنیاداری کے بہت سے قصّے سنائے۔ پھر کیا تھا بہت سے

لوگوں کی زبانیں کھل گئیں اور لوگ اس کی اہانت اور مذمت کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر قصے سنانے لگے آخر یہ طے پایا کہ اُسے حج کے لئے زبردستی مکہ معظمہ بھیج دیا جائے۔ جب بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم پر حج فرض ہے تو اس نے جواب دیا نہیں[1]۔

مخدوم الملک کے انتقال کے متعلق ملا بدایونی لکھتے ہیں: "سنہ ۹۹۰ھ میں مخدوم الملک کا احمد آباد میں انتقال ہو گیا اس کے مال و اسباب کی تحقیقات کے لئے قاضی علی کو مقرر کیا گیا اس نے لاہور آکر چھان بین کی تو مخدوم الملک کے اتنے خزانے اور دفینے برآمد ہوئے کہ ان کا شمار ممکن نہ تھا۔ مخدوم الملک کے خاندانی قبرستان سے بھی سونے کی اینٹوں سے بھرے ہوئے کئی صندوق نکلے جو اس نے میتوں کے بہانے سے دفن کرا رکھے تھے، اس کے علاوہ اس نے جو مال لوگوں کے پاس رکھوا دیا تھا اس کی مقدار تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، سونے کی اینٹیں اور اس کی تمام کتابیں خزانۂ عامرہ میں داخل کر لی گئیں، اس کی اولاد مصیبتوں میں گرفتار ہو کر روٹی تک کو محتاج ہو گئی"[2]۔

دربارِ اکبری کے ایک ممتاز عالم مولانا شیخ عبدالنبی محدث ہیں جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے ہیں، بادشاہ نے ان کو صدر الصدور کے عہدہ پر مقرر کیا اور انھیں یہ اجازت دی کہ مظفر خاں کی مدد سے لوگوں کے روزینے اور معاش مقرر کیا کریں۔ چند دن بعد ہی وہ مستقل صدر الصدور بن گئے، اول اول انھوں نے لوگوں کو اس قدر انعامات اور روزینے عطا کئے کہ اگر سابقہ بادشاہوں کے تمام عطیوں کو بھی جمع کیا جائے تو اس کے برابر نہ ہوں بعد میں ان کا طرز عمل بالکل ہی برعکس ہو گیا[3]۔ جب مخدوم الملک کا ستارہ زوال میں آچکا تھا تو دربار سرکار میں شیخ عبدالنبی کا سورج چمکنے لگا چنانچہ بادشاہ انتہائی تعظیم واحترام کی وجہ سے کبھی کبھی حدیث سننے کے لئے اس کے گھر چلا جاتا تھا۔ ایک دو مرتبہ تو اکبر نے شیخ کی (پہننے کے لئے) جوتیاں بھی اس کے آگے رکھیں، بڑے شہزادہ کو بھی تعلیم کے لئے اسی کے حجرہ میں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ عموماً مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی چہل حدیث کا درس دیا کرتا تھا۔ جب شیخ عبدالنبی کرسئ صدارت پر بیٹھا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ جب تک ممالکِ محروسہ کے تمام ائمہ اپنے وظائف اوقاف اور معاش کے فرامین پر صدر (شیخ عبدالنبی) کی مہر نہ لگوائیں کروڑی ان کی رقمیں اجرانہ کریں تو ہندوستان کے مشرقی کنارے سے لیکر بھکر تک اہلِ غرض علماء شیخ کی خدمت میں

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۳۵، ۲۳۶ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۵۰، ۵۱۔ [2] منتخب التواریخ ص ۵۰۳۔
[3] ایضاً ص ۳۶۱۔

حاضر ہونے لگے جن کی سفارش کسی امیر یا مقرب نے کردی تو اس کا کام حسب منشا تکمیل پا گیا ورنہ شیخ کے کارندوں کے پاس دھکے کھاتے رہے اور صرف ان کو بلکہ شیخ کے فراشوں، درباتوں، سائیسوں اور حلال خوروں تک کو بھاری بھاری رشوتیں دیکر ان غریبوں نے اپنا کام بنایا اور جو یہ بھی نہ کر سکے وہ درباتوں کے ڈنڈے کھاتے رہے، بہت سے بدنصیب اس ہجوم میں گرمی کی تاب نہ لاکر وہیں جاں بحق ہو گئے، جس وقت وہ اپنی مسند جاہ وجلال پر متمکن رہتا تھا تو اس کے تیور بس دیکھنے کے لائق ہوتے تھے، اہل علم کی تعظیم وتکریم کا کیا سوال وہ ہر ایک کو برا بھلا کہنے اور ڈانٹنے ڈپٹنے پر اتر آتا اور جب بیچارہ بڑی عاجزی اور خوشامد کرتا تو ان عالموں کے لئے جو پڑھایا اور دوسری منتہی کتابیں پڑھا سکتے تھے سو بیگھہ کے لگ بھگ اراضی منظور کرکے باقی زمین کو جس پر وہ ایک مدت دراز سے قابض تھے قلمزد کردیتا اس کے مقابلہ میں جاہل کمینوں بلکہ ہندوؤں تک کو اچھی اچھی زمینیں از خود عطا کردیتا تھا اس طرح اس کے ہاتھوں علم اور عالموں کی قدر وقیمت روز بروز گھٹتی چلی گئی، اپنے اجلاس پر دوپہر کے بعد جب وہ نہایت غرور وتکبر سے چوکی پر بیٹھ جاتا اور ایک خادم اسے وضو کراتا تو مستعمل پانی کے چھینٹے اڑکر امراء ومصاحبین وعلماء کے سروں اور کپڑوں پر گر رہے ہوتے اس کو اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہ ہوتا تھا وہ لوگ بھی اہل علم وفقرا کا کام نکالنے کے لئے سب کچھ برداشت کرتے رہتے اور خوشامد چاپلوسی اور اس کی دلجوئی کی خاطر طرح طرح کی ذلتیں اٹھاتے رہتے پورے شاہی عہد میں کسی صدر الصدور کا یہ اثر اور دبدبہ نہیں رہا جتنا کہ شیخ عبدالنبی کو حاصل ہو گیا تھا۔[1] مخدوم الملک کی طرح اس نے بھی ادائیگی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کتاب الحیل سے کوئی حیلہ تلاش کر لیا تھا بالآخر اس کا انجام بھی مخدوم الملک جیسا ہی ہوا۔[2]

جب شوال ۹۸۶ھ میں حاجیوں کا قافلہ اجمیر سے روانہ کیا گیا تو شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو بھی جن کے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے اکبر اسلاف سے متنفر اور احکام دین سے منحرف ہو گیا تھا اسی قافلہ کے ساتھ حج کے لئے روانہ کردیا گیا۔ ان لوگوں نے اس سال حج کا فریضہ ادا کیا۔ جب مخدوم الملک واپس لوٹے تو یہ بھی ہندوستان چلے آئے۔ مخدوم الملک کو تو دارالحکومت پہنچنا نصیب ہی نہ ہوا، شیخ عبدالنبی کو ان کی قضا دربار میں لے آئی، شیخ جب فتح پور

---

[1] منتخب التواریخ ۲۳۶، ۲۳۴ ملخصاً۔ [2] دین الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۵۲۔

پہنچ گیا اور اکبر کے روبرو ہوا اس نے سخت باتیں کہیں اور اُسے خوب بُرا بھلا کہا تو اکبر کو بھی غصہ آگیا اور اس نے شیخ عبدالنبی کے منہ پر پوری قوت سے ایک گھونسہ مارا۔ شیخ نے چلا کر کہا کہ ایک ہی بار چھری مار کر میرا کام کیوں نہیں تمام کر دیتے۔ اکبر نے اس کو ابوالفضل کے حوالہ کر دیا کہ اسے زندان میں ڈال کر اس سے ستر ہزار روپے کا حساب لیا جائے جو مکہ معظمہ جاتے وقت دیا گیا تھا، کروڑیوں نے اس کو کچہری کے حوالات میں طویل عرصہ تک مقید رکھا۔ آخر ایک رات گلا گھونٹ کر اس کو زندگی کی قید سے رہائی دیدی گئی۔ عبرت کی بات ہے کہ شیخ عبدالنبی جیسا مقتدر آدمی اس کا یہ حشر ہوا کہ قتل کے دوسرے دن مناروں والے میدان میں اس کی لاش نماز ظہر تک بے گور و کفن پڑی رہی یہ واقعہ ۹۹۲ھ میں رونما ہوا۔ ان کی وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابوالفضل نے اگلے پچھلے بدلے لینے کی خاطر انھیں طرح طرح کی اذیتیں دیکر مروا ڈالا[۱]

اکبر کی بے دینی کا آغاز جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے علماء کے باہمی اختلاف اور ملحدوں کی دراندازی کی وجہ سے بادشاہ کی نظر میں اسلام اور علمائے اسلام کی وقعت گھٹتی چلی گئی۔ کچھ تو اکبر کی افتادِ طبع اور کچھ حالات کا تقاضا، بہر حال نتیجہ یہی نکلا کہ بادشاہ نے بہت جلد سارے مسلّمہ اعتقادات سے منکر ہو کر الحاد و بے دینی کی راہ اختیار کر لی۔ بچپن سے عہدِ جوانی اور جوانی سے اس پختہ عمری تک اکبر کی کچھ ایسی ہی ڈانوا ڈول روش تھی کہ وہ ایک نظریہ اور اعتقاد کا پابند نہیں رہا، طبیعت میں تحقیق و تجسس کا جذبہ تھا جسے بد عقیدہ مصاحبوں نے غلط رخ پر پھیر دیا۔ اول اول تو صرف طلب حق کا سچا جذبہ تھا چنانچہ اسی جذبہ کے تحت اکبر ہر دین اور مذہب کے معتقدات اور ان کی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کیا کرتا تھا لیکن اس وقت کے درباری علماء، بادشاہ کو صراطِ مستقیم پر لے جانے کے لئے حق پسندی کا رویہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے اعزاز اور مرتبہ کو بڑھانے کی خاطر ایک دوسرے کی تکفیر و تذلیل کرنے لگے۔ ایک ہی مسئلہ کو جب علماء کا ایک گروہ حرام اور دوسرا حلال کہنے لگا تو بادشاہ شک میں پڑ کر نہایت حیران و حیرت زدہ اور ان بحثوں سے دل برداشتہ ہو گیا اور مقصود جاتا رہا علماء کا یہ اختلاف کہ ان میں سے ایک عالم ایک ہی فعل کو حرام کہتا تھا اور دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کرتا تھا بادشاہ کے انکار کا سبب بن گیا۔ دربار میں مختلف مذاہب و

---

[۱] منتخب التواریخ ص ۳۷۵، ۵۰۳ و دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۵۳ ۔

مسالک کے جو گمراہ کن عناصر جمع ہو گئے تھے انھوں نے اس سے خوب ہی فائدہ اٹھایا اور دین کے معتقدات کو خلافِ عقل ثابت کرکے اکبر کے ذہن کو انکار وانحراف کی طرف مائل کر دیا[۱] ملا مبارک ناگوری اور اس کے شہرۂ آفاق صاحبزادوں ابو الفضل وفیضی نے اکبر کی بے دینی کے رجحان کو بامِ بلند کی انتہائی چوٹی تک پہنچا دیا۔

شیخ مبارک ناگوری اور اس کے دونوں بیٹوں ابو الفیض فیضی اور ابو الفضل (جسے علامی بھی لکھا جاتا ہے) نے جب مرزا عزیز کوکہ کے توسل سے اکبر تک رسائی حاصل کی تو انھوں نے جلد ہی زمانہ سازی، پدربانی، مزاج شناسی اور خوشامد کے ذریعہ بادشاہ کا بہت زیادہ تقرب حاصل کر لیا پھر ابو الفضل نے جو بادشاہ کا وزیر اعظم ہو گیا تھا اپنے مخالفین سے ایک ایک کرکے انتقام لیا، اس انتقام کی لپیٹ میں صرف اس کے مخالف ہی نہیں آئے بلکہ وہ خاص وعام ہر ایک کی ایذا رسانی پر اتر آیا چنانچہ اس کی وجہ سے کتنے ہی مشائخین صالحین اور صاحبِ احتیاج اشخاص کی معاش اور وظیفے بند ہو گئے، وہ ان لوگوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا، بحث ومباحثہ کے وقت اگر کسی مجتہد کا قول پیش کیا جاتا تو وہ نہایت جسارت سے کہا کرتا تھا کہ فلاں حلوائی فلاں موچی اور فلاں چرم فروش کا قول ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ غرض علماء کا انکار اور ان کی توہین اس کا محبوب مشغلہ تھا۔[۲]

ملا بدایونی ابو الفضل کے ساتھ اپنی ایک گفتگو کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "آخر میں میں نے اس سے پوچھا کہ ان مشہور مذہبوں میں سے تمہارا میلان کس مذہب کی طرف ہے؟ اس نے کہا میں ابھی چند دن الحاد کی وادی میں سیر وسیاحت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے مذاقاً چھیڑتے ہوئے کہا نیک ارادے ہیں بشرطیکہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ میری بات پر وہ ہنس پڑا اور بات آئی گئی ہوئی"۔ یہ دیرینہ سال بوڑھے عالموں کو بڑی جسارت سے چھیڑ چھیڑ کر بحثیں کیا کرتا اور ان کی بے عزتی کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتا تھا، بادشاہ اس کی لن ترانیوں کو سن کر خوش ہوتا تھا۔ بوڑھے علما نے عاجز آکر ایک مرتبہ آصف خاں میر بخشی کے ذریعہ خفیہ طور پر ابو الفضل کو کہلوایا کہ تم آخر کس وجہ سے ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ "میں بیگن کا نہیں بادشاہ کا نوکر ہوں" غرض اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی ذہانت، باپ کی معاونت اور بادشاہ کی پشت پناہی اور بخت کی یاوری سے ان سب عالموں کو ایک ایک کرکے ذلیل وخوار کیا اور اہلِ علم کی ساری بساط الٹ کر رکھ دی۔[۳]

---

[۱] منتخب التواریخ ص ۲۶۶۔ [۲] ایضاً ص ۲۳۳، ۲۳۴۔ [۳] ایضاً ص ۲۷۲ و ۲۷۳۔

اکبر کی بے دینی کے اسباب و محرکات
وحدتِ ادیان کا تصور

اس زمانہ میں دربار شاہی میں تقریباً ہر ملک کے اہلِ علم اور مفکر موجود تھے اور مختلف مذاہب کے عالم و رہنما بھی جمع ہو گئے تھے اور بادشاہ کی ہمکلامی سے شرفیاب ہوتے تھے، یہ لوگ رات دن مختلف علوم و نظریات پر تبادلۂ خیالات اور طرح طرح کی نکتہ سنجیوں میں مصروف رہتے تھے بادشاہ کو بھی فتوحات و مہمات کی طرف سے پوری فرصت تھی اس لئے وہ بھی انہی مشغلوں میں اپنے اوقات صرف کیا کرتا تھا اور تحقیق و تفتیش کے بعد جو اصول و کلیات اسے پسند آجاتے خواہ وہ مسلمانوں کے معتقدات کے موافق ہوتے یا مخالف انھیں وہ بدل و جان قبول کر لیتا تھا اور جو باتیں اس کی نگاہ میں نہ جچتی تھیں ان کو وہ ترک کر دیتا تھا اس طرح اس نے ترک و اختیار اور ردّ و قبول کے ایک شعور اور جداگانہ معرفت کو اپنا معیار بنا لیا اور عجیب طرح کے ہیولانی اعتقادات نے اس کے ذہن پر غلبہ پا لیا۔

مجموعی طور پر ایک خیال اس کے ذہن پر پتھر کی لکیر بن گیا تھا کہ اصحابِ علم و دانش تمام مذاہب میں موجود ہیں اور ہر قوم و ملت میں عبادت گذار، صاحبانِ کشف و کرامت کی کمی نہیں رہی ہے۔ حق ہر مذہب اور ہر قوم میں یکساں طور پر موجود ہے اس لئے حق کو ایک ایسے دین اور ایک ایسی ملت میں محدود و منحصر کر دینا ضروری نہیں ہے جو نسبتاً نیا اور نو پیدا شدہ ہے اور اس کے نزول پر ابھی ایک ہزار سال بھی نہیں گزرے ہیں، اور ایک مذہب کو صحیح خیال کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا بلا وجہ کی ترجیح ہے۔ بادشاہ کے اس خیال کو وہ ملحد اور برہمن حسبِ موقع پختہ اور اٹل بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے جو ان دنوں شاہی محفلوں اور خلوتوں میں پیش پیش نظر آتے تھے اور بلحاظِ علم و دانش علوم رسمی اور انسانی احوال و نفسیات پر ان کی گہری نظر تھی وہ بڑی خوبی اور مہارت کے ساتھ اپنے مذاہب و نظریات پر عقلی و نقلی استدلال کر کے دوسروں کی تکذیب کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی خام خیالیوں کو راسخ اعتقادات کی شکل دیدی اور نظریات کو اس طرح بدیہیات بنا کر پیش کیا کہ ان سے پھر جانا اکبر کے لئے ممکن نہ رہا۔ اس نقطۂ نظر کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ حشر و نشر اور دوسرے دینی اصول و معتقدات جن کا ماخذ حکمتِ نبوی ہے معتبر اور قابلِ قبول نہ رہیں[1]۔ اور وہ ساری چیزیں جن کا تعلق نبوت سے ہے ان کا نام تقلیدات رکھا گیا یعنی سب غیر معقول ٹھہرائی گئیں اور مذہب کی بنیاد عقل پر رکھی گئی نہ کہ نقل پر[2]۔

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۶۶، ۲۶۷ ج ۲۔ [2] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۵۴۔

ہندو مذہب اور اکبر دیوی برہمن جو کہ مہابھارت کی کتھا کہنے والا تھا جب خلوت شاہی میں باریاب ہوا تو اس سے مذاکرات کے لئے ایک خاص انتظام کیا گیا تھا کہ ایک چارپائی کو رسیوں سے اوپر کھینچ کر بادشاہ کی خوابگاہ کے جھروکے کے برابر لگا دیا جاتا تھا اور وہ راتوں میں اسی معلق چارپائی پر بیٹھا ہوا اپنی دیومالا کے ہندوستانی قصے سنایا کرتا تھا۔ ان نشستوں میں اس نے بادشاہ کو ہندو مذہب کے اسرار بت پرستی کے طریقے آگ اور آفتاب کی پوجا اور ستاروں کی تعظیم کے رموز بتلائے مشرک بادشاہوں اور کافروں کے خیالی دیوتاؤں جیسے برہما، مہادیو، بشن، کشن، رام اور مہامائی (جن میں سے بعض کو ہندو خدا اور بعض کو فرشتہ کہتے ہیں) کی عظمت و احترام پر دلیلیں پیش کیں، اسی کے اپدیش بادشاہ کے دل پر اثر کر گئے اور وہ عقیدۂ تناسخ پر ایمان لے آیا۔ بھلا خوشامدی درباری کہاں پیچھے رہتے وہ بھی تناسخ کے اثبات و صحت پر رسائل لکھ لکھ کر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں دوڑ لگانے لگے، بادشاہ ہندوؤں کے مذاہب کی تحقیق کی طرف بہت زیادہ مائل ہو گیا اور اس کے نتائج روز بروز منظر عام پر آنے لگے[1]

اسی طرح پر کوتھم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل مل گیا تھا ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ "دین اکبری" میں ان ہی لوگوں کے عقائد و اعمال و رسوم و طریقوں کو جگہ ملی۔[2]

آفتاب پرستی وغیرہ کا آغاز بیر بر ملعون ایک بس کی گانٹھ تھا اس نے آفتاب پرستی سے اکبر کی آنکھوں کو اس طرح خیرہ کیا کہ آفتاب ہی مظہر کامل اور سرچشمۂ سعادت ہے اسی کی تاثیر سے غلہ پکتا ہے، کھیتیاں لہلہاتی ہیں پھلوں میں رس اور سبزہ میں تراوت پیدا ہوتی ہے دنیا کی روشنی اور دنیا والوں کی زندگی آفتاب ہی سے وابستہ و متعلق ہے اس لئے وہی ایک ایسا وجود ہے جس کی عبادت اور تعظیم ہونی چاہئے پرستش کے لئے اسی کے طلوع کی طرف رخ کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ غروب کی طرف جو زوال کی نشانی ہے۔ آفتاب پرستی کے ذیل میں اس نے آگ پانی پتھر درخت اور تمام مظاہر عالم یہاں تک کہ گائے اس کے گوبر قشقہ اور زنار کے تقدس کو بھی خوب بڑھا چڑھا کر بتایا، بادشاہ جب ان باتوں کی طرف مائل نظر آیا تو دربار کے بدبخت حکما و فضلا بھی چراغ دکھانے لگے کہ آفتاب نیرِ اعظم ہے عطیہ بخش ہمہ عالم ہے مربی بادشاہاں ہے غرض آفتاب پرستی کو دربار میں خوب فروغ ہوا اور نوروز جلالی کی تعظیم بڑے اہتمام سے کی جانے لگی۔ چنانچہ ہر سال اس دن اکبر ایک بڑا جشن منعقد کرتا تھا۔ گائے کا ذبیحہ

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۶۷، ۲۶۸ - [2] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۶۳۔

بند کر دیا، اس کے گوبر کو پاک سمجھنے لگا اور گائے کا گوشت حرام قرار دیدیا۔ گاؤ کشی کی سزا میں اچھے اچھے آدمیوں کو قتل کرا دیا گیا۔[1]

پارسی مذہب اور اکبر۔ آتشکدہ کا قیام

ولایتِ گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرستوں کا ایک گروہ دینی خراج لینے کے لئے دربار میں پہنچ چکا تھا انھوں نے زردشت کے دین کو حق بنا کر پیش کیا اور آگ کی تعظیم کو سب سے بڑی عبادت بتایا کیانی بادشاہوں کی راہ و روش کے قصے بیان کرکے اکبر کو اپنے معتقدات کی طرف جھکا لیا۔ چنانچہ اکبر نے حکم دیا کہ ہمارے محل میں بھی شب و روز آگ جلتی رہے کیونکہ آگ بھی خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے انوار کا ایک پرتو ہے اس آتشکدہ کا انتظام شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا گیا۔ اکبر اپنی جوانی کے زمانہ ہی سے ہندوستانی راجاؤں کی لڑکیوں کی صحبت میں ہَوَن کیا کرتا تھا جو ہندوؤں کی آتش پرستی کی ایک پوجا ہے۔[2]

عیسائیت اور اکبر۔ عقیدۂ تثلیث کا اثبات

اسی زمانہ میں دربار میں عیسائیوں کی بھی آمد و رفت ہونے لگی تھی، یورپ کے عالمِ دین کو پادری کہا جاتا ہے اور ان کے مجتہد کامل کو پاپا کہتے ہیں جسے مصلحتِ وقت کے لحاظ سے امورِ دین میں تغیر و تبدل کا اختیار حاصل رہتا ہے اور بادشاہِ وقت بھی اس سے روگردانی نہیں کر سکتا، جب عیسائی پادری بھی بادشاہ کی نظرِ التفات سے نوازے گئے تو انھوں نے انجیل پیش کی اور عقیدۂ تثلیث کے حق ہونے پر مباحثے کرتے رہے، اکبر نے ان کی عیسائیت کی بھی تصدیق کی اور عیسوی مذہب پھیلانے کی ہمت افزائی کی حسب الحکم شہزادہ مراد نے عیسائی پادری سے انجیل کے چند سبق پڑھے، ان ملعون عیسائیوں کی جسارت اتنی بڑھ گئی کہ انھوں نے دجال ملعون کے حالات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں مشابہت پیدا کرنے تک سے دریغ نہ کیا[3] العیاذ باللہ

اللہ اکبر! اتنی ملعونیت اور بدبختانہ بیہودگی کوشش کر کے بھی اکبر کی پیشانی پر ذرا بل نہیں پڑتا تھا۔

جب مناظروں میں مسائل و دلائل کی جگہ کج بحثی اور تمسخر و مذاق نے لے لی تو اکثر راسخ العقیدہ علماء و مشائخ نے عبادت خانہ میں جانا چھوڑ دیا۔ شیخ چشتی کے صاحبزادے مولانا بدر الدین نے دارالحکومت سے گجرات کی راہ لی اور ایک روز چپکے سے جہاز میں بیٹھ کر جدہ روانہ ہوگئے اور بقیہ عمر حرم میں گذاری، اکبر نے ناراض ہوکر اکثر و بیشتر علماء کو دور دراز علاقوں میں بھیج دیا، اُن کے

[1] منتخب التواریخ ص ۲۷۱۔ [2] ایضاً ملخصاً ص ۱۷۱۔ [3] ایضاً ملخصاً ۲۷۰۔

عبادت خانہ سے نکلتے ہی میدان خالی دیکھ کر سب سے پہلے شیعہ ان کے بعد ہندو پارسی جینی وہاں آدھمکے پرتگیز بھی انجیل مقدس لیکر دربار میں آپہنچے اور بچے کھچے علماء کو مناظرہ کی دعوت دی، علماء میں اب اس قابل کوئی نہ تھا جو ان سے مناظرہ کرتا اور ان کے اعتراضات کے مسکت جواب دیتا علماء کو بے بس دیکھ کر شیخ قطب جلیسری نام کے ایک مجذوب الحال درویش مستانہ نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور پادریوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔ اکبر نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے پادریوں سے کچھ دیر تبادلۂ خیال کیا اور ان پر بعض بڑے کڑے سوال کئے۔ اس طرح بادشاہ نے مباہلہ کی نوبت ہی نہ آنے دی، بادشاہ نام نہاد علماء سے پہلے ہی نالاں تھا اب پادریوں کے مقابلہ میں اُن کی بے بسی دیکھ کر اس نے علماء کی اکثریت کو قندھار بھیج دیا اور وہاں کے حاکم کو لکھ دیا کہ وہ قندھار کے نخاس میں ان کا تبادلہ گھوڑوں سے کرکے وہ گھوڑے حضور میں بھیج دے، اکبر علماء کے اثر سے آزاد ہونا چاہتا تھا اس لئے اس نے کچھ علماء اس طرح ٹھکانے لگادیئے اور بقیہ کے اختیارات محضر نامہ کی رو سے سلب کرلئے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔[1]

جینی اور اکبر جب عبادت خانہ کے دروازے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لئے کھلے تو اکبر نے جینی پنڈتوں کو بھی وہاں آنے کی باقاعدہ دعوت دی، یہاں کے ابتدائی مباحثوں میں جینی پنڈتوں نے اکبر کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے ۱۵۸۲ء میں ہندوستان میں جینیوں کے سب بڑے مذہبی رہنما ہیراوجیا سوری سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور آگرہ کے جینیوں کی وساطت سے اُسے دارالحکومت آنے کی دعوت دی جب یہ دارالحکومت کے قریب آیا تو اکبر بادشاہ جینیوں کے دستور کے مطابق سترسٹھ ۶۷ سادھوؤں کے ایک قافلہ کے ہمراہ پاپیادہ فتح پور سیکری کی طرف چل پڑا اور آگرہ سے اس کے استقبال کو آئے ہوئے جینیوں نے اس کا بڑا شاندار جلوس نکالا اور ایک آشرم میں اس کے قیام کا انتظام کیا، چند روز بعد جب ہیراوجیا سوری اکبر کے دربار میں پیش ہوا تو پہلی ہی ملاقات میں اکبر اسکی علمیت، نیک نفسی اور تقویٰ سے بے حد متاثر ہوا۔ دو سال اس کا قیام دارالحکومت میں رہا اور اکبر نے مختلف ملاقاتوں میں اس سے بہت کچھ سیکھا اور اس کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے "جگت گرو" کا خطاب دیا، اور اس کے کہنے پر اہنسا کے نظریہ کو فروغ دیا اور سال کے کئی مہینوں

---

[1] دین الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۶۳، ۶۴۔

اور ہفتے کے مختلف دنوں میں ہر قسم کے ذبیحہ پر پابندی لگادی صیاد، ماہی گیر، جلاد و قصاب، مقہور و معتوب قرار پائے حتیٰ کہ عوام کو چوہے مارنے سے بھی منع کر دیا۔ مذکورہ جینی پنڈت کی واپسی کے بعد دوسرے جینی پنڈت اکبر کے مصاحب رہے اور ان کی صحبتِ دوام نے اکبر پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ جین مت کی حقانیت کا قائل ہو گیا، اور جینیوں کے زیرِ اثر اکبر نے ان کے بہت سے طور طریقے اپنا کر لوگوں کو اس شبہ میں ڈال دیا تھا کہ اس نے جین مت اختیار کر لیا ہے۔ ؎۱

بھگتی تحریک اور اکبر بھگت کبیر، گرونانک وغیرہ سادھوؤں اور بھگتوں کی تحریکات سے بھی اکبر بہت متاثر تھا اکبر اور جہانگیر دونوں پر ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کا بڑا اثر تھا اور وہ ان کی بات رد نہیں کرتے تھے، اکبر بادشاہ کی صلح کل پالیسی نے ملک میں ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ مسلمان غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا سنگ بنیاد رکھتے تھے اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے ترجمے فارسی میں کیے جاتے تھے جن کے مطالعے سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جسے ملا بدایونی "مسلمانانِ ہندو مزاج" لکھتا ہے، اور ہندو بھی رام اور رحیم کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے۔ اس طرح بادشاہ نے بھگت کبیر اور گورو نانک کے نقشِ قدم پر چل کر صلح کل پالیسی اختیار کی اور مسلمانوں کی برتری ختم کر کے ہندوستان کو دارالاسلام سے ایک سیکولر اسٹیٹ (لادینی مملکت) میں تبدیل کر دیا اور ہر مذہب و ملت کے رہنماؤں سے بڑی فراخدلی سے ملنے لگا۔ اکبر کی اس حکمتِ عملی سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو جو نقصان پہنچا اس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی۔ ؎۲

جوگیوں سے بادشاہ کی عقیدت بادشاہ نے شہر سے باہر ہندو اور مسلمان فقیروں کو کھانا کھلانے کے لئے دو سرائیں تعمیر کرائیں ایک کا نام خیر پورہ اور دوسری کا نام دھرم پورہ رکھا گیا ان کے انتظام پر ابوالفضل کے چند آدمی متعین تھے جو شاہی خرچ پر فقراء کو کھانا کھلاتے تھے، جوگیوں کی ٹولیاں بھی بہت آتی تھیں ان کے لئے ایک الگ سرائے بنوا کر اس کا نام جوگی پورہ رکھا گیا، اکبر راتوں کو اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ ان جوگیوں کی صحبت میں جایا کرتا تھا اور ان سے مختلف جاہلانہ معلومات اعتقادات، مراقبے، مشغلے، آسن، کیمیا، ہیمیا، اور لیمیا جیسے عجیب و غریب علوم سیکھا کرتا تھا۔ جوگی ہر سال ایک مقررہ رات میں جسے وہ شیوراتری کہتے تھے ہر طرف سے آکر جمع ہوتے تھے اس رات اکبر بڑے بڑے جوگیوں کے ساتھ

؎۱ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً ص ۱۵۲ تا ۱۵۶۔ ؎۲ ایضاً ۱۴۹ تا ۱۵۱ ملخصاً۔

کھانا کھاتا تھا اور اُن سے تگنی چوگنی عمر کی بشارت حاصل کرتا تھا، کچھ ان کی دعاؤں اور بعض دوسرے قرینوں سے اکبر کو اپنی درازئ عمر کا پورا یقین ہو گیا تھا بعض حکیموں نے بھی اس کی تائید کی۔ ؎

نقطوی تحریک اور اکبر اکبر کے مریدوں میں ابوالفضل سرِ فہرست تھا اور بدایونی نے ایک موقع پر اسے "مجتہدِ دینِ مذہبِ نو" کے لقب سے ملقب کیا ہے، جن لوگوں نے اکبر کو گمراہ کیا ان میں بھی ابوالفضل کا نام سب سے اونچا ہے ابوالفضل فطرۃً الحاد کی طرف مائل تھا۔ "فزادھم اللہ مرضا" کے مصداق اسلام کے متعلق اس کے شکوک دن بدن بڑھتے گئے اور آخر کار وہ مبدأ و معاد کا انکار کر کے ملحد ہو گیا۔

گیلان کے ایک گاؤں پسیخوان کے رہنے والے ایک شخص محمود نے پہلے حروفی فرقہ میں شمولیت اختیار کی پھر کسی مسئلہ پر اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے ان سے الگ ہو کر ۸۰۰ھ میں نقطوی فرقہ کی بنیاد رکھی شریف آملی نقطوی فرقہ کا ایک مبلغ تھا جب اکبر کے دربار میں آیا تو اکبر نے ہزاری منصب دے کر اس کو اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا یہیں سے اس کی دوستی ابوالفضل سے شروع ہوئی اور اس کے توسط سے ابوالفضل نے ایران کے نقطویوں کے ساتھ نامہ و پیام شروع کر دیا بہت سے پڑھے لکھے ایرانی نقطویوں نے شریف آملی کے توسط سے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی۔ نقطویوں کے چند عقائد یہ ہیں: عالم قدیم ہے حشر و نشر کو نہیں مانتے، نیک و بد اعمال کی جزا اور جنت و دوزخ کو دنیاوی زندگی میں خوشحالی اور تنگدستی پر محمول کرتے ہیں، نظریۂ ارتقا کے قائل ہیں، کہتے ہیں خدا کی قدرت کو کوئی دخل نہیں۔ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے ہیں، مسائلِ شریعت کو اہل الرائے کے بنائے ہوئے کہتے ہیں، نماز کا مذاق اڑاتے ہیں، سعی صفا مروہ وغیرہ مناسک حج کا تمسخر اڑاتے ہیں، قربانی کے منکر ہیں، ماہِ رمضان کو ماہِ گرسنگی و تشنگی کہتے ہیں، خروجِ منی سے غسل فرض ہونے کے منکر ہیں، ماں بہن کی حرمت کے قائل نہیں۔ محمود پسیخوانی بانئ فرقۂ نقطوی کو پیغمبر کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجمیوں میں ہی پیدا ہوا کریں گے، تناسخ کے قائل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اکبر کے دینِ الٰہی (جس کا ذکر آگے آتا ہے) کی بنیاد میں نقطویوں کا بھی کافی حصہ ہے۔ ابوالفضل اور فیضی دونوں بھائی نقطوی تحریک کے پیروکار تھے اس لئے اکبر کے دینِ الٰہی میں اُن کے عقائد شامل ہو گئے جیسا کہ آگے آتا ہے کہ اکبر بھی تناسخ کا قائل ہو گیا تھا۔ حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا، عقائدِ اسلامیہ، اصول و فروع کا تمسخر و استہزا کرتا تھا، قرآنِ حکیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

؎ منتخب التواریخ ص ۵۱۱۔

کی تصنیف سمجھتا تھا جیسا کہ خود جہانگیر کا بیان ماثر الامرا، جلد دوم ص۲۱۴ پر درج ہے، اکبر بھی دین اسلام کی میعاد ختم ہونے اور ایک نئے دین کی ضرورت کا قائل تھا، اکبر نے بھی غسل جنابت منسوخ کر دیا تھا حجاج پر پابندی لگا دی تھی، اکبر بھی نقطویوں کی طرح عقلیات کا قائل اور نقلیات کا منکر تھا، نقطوی شریعت کے مسائل کو اہل الرائے کے بنائے ہوئے کہتے ہیں اکبر بھی جس سے ناراض ہوتا تھا تو اسے تقیہ کہہ کر پکارا کرتا تھا، فیضی جام شراب ہاتھ میں لیکر کہا کرتا تھا کہ این پیالہ را بکوری فقہا می خورم، نقطوی شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے تھے ابوالفضل اپنی تحریروں میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے انھیں پیروان احمدی کیش، کوتاہ بیں گم گشتگان بیابان ضلالت، سادہ لوحان تقلید پرست اور گرفتار زندان تقلید کے تحقیر آمیز کلمات سے یاد کرتا ہے نیز اس نے اسلامی عبادات کے خلاف رسائل بھی لکھے تھے نقطوی ماہ رمضان کو ماہ تشنگی و گرسنگی کہا کرتے تھے، اکبر بھی درباریوں کو رمضان میں روزے رکھنے سے منع کرتا تھا اس کا حکم تھا کہ ماہ رمضان میں اس کے درباری اس کے سامنے کھایا پیا کریں ورنہ کم از کم پان کا بیڑا ہی منھ میں رکھ لیا کریں، ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ اکبر اور اس کے حواریوں کے نقطویوں کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے اور دین الٰہی کی بنیاد میں نقطوی مذہب کو کافی دخل تھا۔[1]

شیعیت اور اکبر ہمایوں بادشاہ نے شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد شاہ طہماسپ صفوی کے ہاں پناہ لی اور اس سے مدد طلب کی تھی وہ غالی شیعہ تھا شیعیت اختیار کر لینے کی شرط پر مدد کا وعدہ کیا مجبوری اور مصلحت وقت کی بنا پر ہمایوں نے شیعی مسلک اختیار کر لیا جس سے شیعوں کو ہندوستان میں بہت سی مراعات مل گئیں، اور عراق و عجم و ایران کے بہت سے شیعی علماء و شعراء دربار ہمایوں میں اعزاز و اکرام سے نوازے گئے، یہ دستور اکبر کے دور میں بھی بدستور جاری رہا بلکہ اکبر کے دور میں ہمایوں کے عہد سے بھی زیادہ رسوخ حاصل کر لیا۔[2] اور سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ایک سیلاب تھا جو مسلسل انقراض دولت مغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا۔[3] خلوت معلیٰ کے بلند پروازوں میں ملا یزدی بھی تھا وہ اپنے عقائد کے مطابق خلفائے ثلاثہ کے خلاف طنز و طعن کرکے اور عموم صحابہ، تابعین، تبع تابعین، صلحائے سلف، علمائے خلف سب کو کافر بتاتا اور بادشاہ کی نظر میں اہلسنت و جماعت کا

---

[1] دین الٰہی اور اس کا پس منظر ملخصاً ص ۱۷۳ تا ۱۸۸۔ [2] مقدمہ رد روافض و تذکرہ ص ۲۶۔ [3] تذکرہ ص ۳۶

درجہ گھٹانے کی فکر میں لگا رہتا تھا، اس نے بجز شیعہ کے سب کو گمراہ دکھایا اور اکبر کے خیالات پر شیعیت کی اچھی خاصی چھاپ پڑ گئی۔ تتمۂ التواریخ ص ۱۴۷

صوفیائے خام | اس دور کے تمام صوفیہ وحدت الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے ان کا اکثر و بیشتر وقت سُکر کی حالت میں گذرتا تھا اور وہ اٹھتے بیٹھتے وحدت الوجود کے نظریہ کا پرچار کرتے رہتے تھے، اس نظریہ کو قبول کرنے سے اکبر پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ "خدا کی پرستش کے بہت سے طریقے ہیں اور تمام مذاہب حقیقت پر مبنی ہیں، جب تمام موجودات مظاہرِ الٰہی ہیں تو بچھڑے اور ستارے کی صورت میں بھی خدا ہی کی پرستش ہوگی" تمام ہندوستان اس عہد میں روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا اور اس وقت ملک بھر میں کوئی مردِ خدا اس قابل نہ تھا کہ وہ عوام کی رہنمائی کر سکتا۔ تاریخ شاہی اور مخزنِ افغانی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اکبر کے عہد میں صوفیہ پر سُکر غالب آگیا تھا اور ملک میں مجذوبوں کی بھرمار تھی ۔ نعمت اللہ ہروی نے ایسے بے شمار مجذوبوں کے نام گنوائے ہیں جو اس عہد میں ملک کے طول و عرض میں بے اولادوں کو اولاد اور نامرادوں کو مرادیں دیتے پھرتے تھے۔ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ عوام جن مجاذیب کو قطب اور غوث سمجھتے تھے ان کی اکثریت عشقِ مجازی میں گرفتار تھی۔ تاریخ شاہی کے مصنف نے ان کے عشق کی داستانیں بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہیں، دو چار نہیں بلکہ ایسے عشق باز مجاذیب کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا، اکبر گرچہ علماء سے بدظن ہو چکا تھا لیکن صوفیہ پر وہ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ طبقہ تو ہمیشہ یادِ حق میں مشغول رہتا ہے اور ماسوا کا تصور ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اس کے اس حسنِ ظن سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے چند نام نہاد اور پیشہ ور پیروں نے فتح پور سیکری آکر دکانِ تصوف آراستہ کر لی ۔۔۔ سب سے پہلے شیخ عبد العزیز کے خلیفۂ اعظم شیخ چاٹیلہ فتح پور سیکری پہنچے اور انھوں نے عبادت خانہ میں نمازِ معکوس شروع کر دی ان کو پیشین گوئیوں کا بڑا شوق تھا اس نے بادشاہ کے حرم میں لڑکا ہونے کی پیشین گوئی بار ہا کی مگر ہر بار ان کی پیشنگوئی جھوٹ ثابت ہوئی، اس نے بادشاہ کے اعتقادات کو بہت ٹھیس پہنچائی۔ سید ہاشم نامی ایک بزرگ زادے نے جو فیروز آباد کے رہنے والے تھے فتح پور سیکری میں آکر اپنی دکان سجائی۔ اس کی بعض نازیبا حرکات سے بادشاہ مشائخ سلف سے بھی بد اعتقاد ہو گیا ۔۔۔ اکبر کے عہد میں بگڑے ہوئے معاشرہ میں سجادہ نشینوں اور نام نہاد روحانی پیشواؤں کی حالت عوام کی نسبت کہیں زیادہ ناگفتہ بہ تھی،

اس کے ایک ہم عصر بزرگ آخوند درویزہ اپنی مشہور تصنیف ارشاد الطالبین فارسی میں تحریر فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے "خاص طور پر اس زمانہ فساد میں اکثر انسان صورت اور شیطان سیرت لوگ اپنے باپ اور دادا کی مسندوں پر براجمان ہیں" حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی ایسے ہی صوفیوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "اکثر جہلائے صوفی نمائے ایں زمانہ حکم علمائے سو دارند فساد ایں ہا نیز فسادِ متعدی است" (دفتر اول مکتوب نمبر ۴۷) (یعنی اس زمانے کے اکثر صوفی نما جہلا علمائے سُو کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے) ــــــ یہ تھی اس وقت کی وہ مذہبی فضا جس میں اکبر دینِ اسلام سے برگشتہ ہوا اور اس نے بھی اس ماحول کو سازگار دیکھتے ہوئے دوسروں کی دیکھا دیکھی ایک نئے دین کی طرح ڈالی[۱]

وحدۃ الوجود کا اثر شیخ تاج الدین ولد شیخ زکریا جودھنی دہلوی شیخ امان پانی پتی کا شاگرد اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا علمِ تصوف اور علمِ توحید میں وہ ثانی شیخ ابن عربی سمجھا جاتا تھا راتوں میں معلق چارپائی پر اوپر جا کر رات بھر اہلِ تصوف کے شطحیات اور مزعومات سنایا کرتا تھا، وہ چونکہ شرعی پابندیوں کا قائل نہیں تھا اور اس نے وحدت الوجود کا نظریہ اور فصوص الحکم کے دوسرے مسائل مثلاً "ترجیح رجا بر خوف" "فرعون دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوا" وغیرہ بخوبی بادشاہ کے ذہن نشین کرا دیئے، چنانچہ اس کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ کافر دوزخ کی آگ میں ڈالے تو ضرور جائیں گے لیکن یہ عذاب ان کے لئے دائمی نہیں بلکہ عارضی ہوگا[۲]

انسانِ کامل کا تصور اور جب شیخ تاج الدین مذکور نے بادشاہ کو تصوف کی ان بھول بھلیوں میں اچھی طرح سرگشتہ کر دیا تو اس نے اپنی تعلیم و تلقین کا آخری اور اہم نکتہ جو سب سے زیادہ خطرناک تھا نکال کر سامنے رکھا یعنی "انسانِ کامل" کا ایک تصور پیش کیا اور پھر اس انسانِ کامل کو خلیفۂ وقت سے تعبیر کر کے خود اکبر کو اس کا مصداق قرار دیدیا انسانِ کامل کے بعد تو صرف عین واجب (ذاتِ خداوندی) کا ہی درجہ ہے اس لئے شیخ کی کمند انسانِ کامل سے گذر کر عینِ واجب تک جا پہنچی۔

بادشاہ کیلئے سجدہ حوالی موالی نے خوب خوب شگوفے چھوڑے طرح طرح کی خرافات و اختراعات شروع ہو گئیں چنانچہ بادشاہ کے لئے سجدۂ تعظیم تجویز کیا گیا اور اس کا نام "زمین بوس" رکھا گیا، بادشاہ کے ادب و احترام کو اتنا بڑھایا گیا کہ اسے "قرمِ عین" اور "چہرۂ شاہی" کو "کعبۂ مرادت" و "قبلۂ حاجات" قرار دیدیا گیا۔ کسی نے زبان ہلائی بھی تو اس کا منہ بند کر دیا گیا[۳]

---

[۱] دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر محمد اسلم ص ۱۶۱ تا ۱۸۲ [۲] منتخب التواریخ ص ۲۶۸ [۳] ایضاً۔

اکبر کی بے دینی

اکبر کے حق اجتہاد کیلئے علماء کا محضر نامہ

ان حالات سے پہلے اکبر کے دل پر علماء کا بڑا اثر تھا یہاں تک کہ وہ ان کو بلحاظِ رتبہ وعظمت امام غزالی و امام رازی رحمہما اللہ سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر سمجھتا تھا لیکن جب ان عالموں کی رکیک حرکتیں اس کی نظر میں آئیں اور ان کے تحریم و تکفیر کے مناقشوں سے وہ سخت متنفر ہوا تو اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ جھگڑالو عالموں اور قاضیوں کی عظمت ہی گر گئی بلکہ ان پر قیاس کر کے وہ بزرگانِ سلف کا بھی منکر ہو گیا۔ [۵۱]

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں اکبر پر دنیاوی اقتدار کے ساتھ دینی سیادت پر بھی قبضہ جمانے کی دھن سوار ہو گئی اور اسے کسی کی پیروی گراں گذرنے لگی۔ بادشاہ کی بداعتقادی کو دیکھ کر لوگوں کی جرأتیں بڑھ گئیں، اسلامی عقائد اور فروعی مسائل کا علانیہ مضحکہ اُڑنے لگا، چند بدبخت ہندو اور ہندو مزاج مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں صراحتاً زبان درازیاں کرنے لگے۔ علماءِ سُوء اپنی تصانیف کے خطبہ میں نعت لکھنے سے پرہیز کرنے لگے اور توحید کے ذکر کے بعد وہ حسب قاعدہ نعت لکھنے کی بجائے بادشاہی القاب کے ذکر پر اکتفا کرنے لگے، ان کی مجال نہ تھی کہ بے ایمان کذابین کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک (زبان و قلم پر) لاتے۔ ان باتوں سے عوام میں بڑی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگوں میں بادشاہ اور بادشاہ پرستوں کی بدنامی و رسوائی ہو گئی ملک میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا، آخر بادشاہ کی سیادت کو تسلیم کرانے کے لئے ان دنوں یعنی ماہ رجب سنہ ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا گیا جس میں مجتہدِ شرع پر امامِ عادل کی فضیلت ثابت کی گئی تھی اور امامِ عادل (حکمرانِ وقت) کو اس بات کا حق دیا گیا تھا کہ وہ اختلافی مسائل میں کسی روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دے سکتا ہے اور اس کے مطابق تجویز و فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس محضر نامہ پر مخدوم الملک شیخ عبدالنبی صدر الصدور، قاضی جلال الدین ملتانی قاضی القضاۃ، صدر جہاں مفتئ اعظم، مشہور عالم شیخ مبارک اور غازی خاں بدخشی نے جو معقولات کا بہت بڑا عالم تھا اپنے دستخط کئے تھے اور اس پر ان کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اس محضر نامہ کا مسودہ شیخ مبارک نے مرتب کیا تھا دوسرے علما سے طوعاً او کرھاً اس پر دستخط کرائے گئے۔ شیخ مبارک نے بڑے انشراحِ قلب کے ساتھ محضر نامہ کے ذیل میں یہ فقرہ لکھا کہ "میں اس بات کا دل و جان سے

خواہشمند تھا اور سالہا سال سے اس کا منتظر تھا" ــــــــ اس محضر نامہ کے چند جملے درج ذیل ہیں:

"ہندوستان جیسا وسیع ملک سلطانِ جہاں پناہ کے عدل و انصاف و تدبر و انتظام سے دارالامن بن چکا ہے اور ہر جگہ کے خواص و عوام خصوصاً عرب و عجم کے علماء و فضلا یہاں آکر مقیم ہو چکے ہیں، آیۂ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ اور حدیثوں اور عقلی و نقلی دلائل و شواہد کی بنا پر ہم یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سلطانِ عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے بڑھ کر ہے لہٰذا سلطان الاسلام جلال الدین اکبر بادشاہ غازی اگر عوام کی سہولت اور مملکت کے انتظامی مصالح کی خاطر دین کے ان مسائل میں جو مجتہدین کے نزدیک اختلافی ہوں کسی بھی ایک صورت کو تجویز کرکے اس کے مطابق احکام کا اجرا فرمائیں تو ان کی تجویز حکم متفق علیہ متصور ہوگا اور اس کی اطاعت و پیروی تمام رعایا پر لازمی اور قطعی ہو گی اور جس وقت سلطانِ عالم پناہ کوئی بھی ایسا قانون اور حکم نافذ فرمائیں جو عوام کے لئے باعثِ سہولت ہو اور نصوصِ شرع کے مغائر نہ ہو، اس پر عمل درآمد ہر شخص پر لازم و قطعی ہوگا اور اس کی مخالفت عذابِ اخروی اور خسرانِ دینی و دنیوی کا موجب ہو گی"۔

ــــــ اس محضر کی صورت میں بادشاہ کو فتویٰ دینے کے کلی اختیارات مل گئے، پھر کیا تھا جلد ہی اجتہاد کا دروازہ کھل گیا اور کسی کو کسی قسم کی مخالفت کی مجال نہ رہی، تحلیل و تحریم کا جھگڑا مٹ گیا اور شریعت کے مقابلے میں امام کی رائے کو فوقیت حاصل ہو گئی۔ بادشاہ نے کھلم کھلا اسلام کو تقلید کا نام دے کر پسِ پشت ڈال دیا، غالباً اسی کے بعد بحیثیت مجتہد و امام عادل ہونے کے اکبر کو جمعہ میں خطبہ پڑھنے کا خیال آیا۔ بظاہر اسلاف کی پیروی میں لیکن درحقیقت اپنے حقِ اجتہاد کو مضبوط کرنے کے لئے یکم جمادی الاولیٰ ۹۸۷ھ کو فتح پور کی جامع مسجد میں جو بادشاہی محل کے قریب تھی جمعہ سے پہلے اکبر نے خطبہ پڑھنا چاہا، خطبہ کو فیضی نے فارسی اشعار میں تیار کیا تھا لیکن جب بادشاہ (جس کی تلوار میدانِ جنگ میں سروں کو اڑاتی تھی) منبر پر چڑھا تو گھبرا گیا اور لرزنے لگا بڑی مشکل سے تین شعر وہ بھی ادھورے پڑھ کر منبر سے اتر آیا، یہ شعر بھی اس طرح ادا ہوئے کہ برابر سے دوسرے لوگ بتاتے جاتے تھے۔ اس خطبہ کے بعد حافظ محمد امین کو امامت کا حکم دیا۔ (یہی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے ہٹا کر اکبر کو اجتہاد کے درجہ تک پہنچایا گیا)

مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی ہزار بے وقعت سہی لیکن ان کے ہوتے ہوئے دینی معاملات

بیں اکبر کی جسارتیں رکی رکی اور سہمی سہمی رہیں ان کے جانے کے بعد گویا پاؤں کی بیڑیاں کٹ گئیں اور اس نے دھڑلے سے عقائد و مسائل میں نئی نئی اختراعات شروع کر دیں چنانچہ قرآن کو مخلوق قرار دیدیا، وحی کو امرِ محال کہا، نبوت و امامت کے بارے میں شکوک پیدا کئے، جنّ، فرشتے اور دوسرے تمام غیبی امور اور معجزوں و کرامتوں کا صریح انکار کر دیا۔ قرآن کے تواتر اور اس کے کلامِ الٰہی ہونے پر بھی اعتراضات وارد کئے۔ مرنے کے بعد بقائے ارواح اور عذاب و ثواب کو امرِ محال کہا اور صرف تناسخ پر منحصر کر دیا۔[1]

امامت و نبوت کا ادّعا

دربار کے کمینے اور ذلیل علماء نے جو دراصل جاہل محض تھے من گھڑت دلیلیں دے کر بادشاہ کو یہ یقین دلایا کہ اس عہد کے صاحبِ زماں خود آپ ہیں کہ آپ کا ظہور مسلمانوں اور ہندوؤں کے بہتر فرقوں کے اختلافات ختم کرنے کے لئے ہوا ہے۔ ایک نقطوی عالم ملا شریف آملی نے محمود بسیخوانی کے رسالوں سے جو نبیوری عہد کا ایک سطح نویس مصنف گذرا ہے یہ شہادت نکالی دکھائی کہ اس نے صراحتاً کہا ہے کہ سنہ ۹۹۰ھ میں باطل کو ختم کرنے والا ایک شخص کا ظہور ہوگا اور "صاحبِ دینِ حق" کے کلمہ سے اس کی تعبیر کی گئی کہ جمل کے قاعدے سے اس کے ۹۹۰ عدد ہوتے ہیں اس لئے اس کے مصداق آپ ہی ہیں۔ یہ باتیں اس کے نبوت کے دعوے کا سبب بنیں اور اکبر نے صراحتاً و لفظاً تو نہیں لیکن مجملاً و معناً نبوت کا دعوٰی کر دیا۔[2]

الفِ ثانی کا نظریہ اور دینِ الٰہی کا نفاذ

اکبر کے عہد میں اس بات کا پروپیگنڈا بڑے زور شور سے کیا گیا کہ دینِ اسلام کی میعاد صرف ایک ہزار سال تک ہے اور اس کے بعد ایک نئے دین کی ضرورت ہوگی۔ خواجہ مولانا شیرازی ملحد نجومی مکہ معظمہ کے معززین کی طرف سے ایک رسالہ لے کر آیا جس میں درج تھا کہ صحیح حدیث کے بموجب دنیا کی مدت سات ہزار سال پوری ہو چکی ہے اور اب مہدی موعود کے ظہور کا وقت آگیا ہے، اس خصوصیت کے بارے میں خود اس نے بھی اپنا ایک رسالہ مرتب کر کے پیش کیا۔ ایسی ہی خرافات شیعوں نے بھی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب کر کے پیش کیں —— ہجرت پر ابھی پورے ہزار سال نہیں ہوئے تھے مگر بادشاہ نے اپنے زعم میں یہ خیال پکایا کہ ہجرت سے نہ سہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تو پورے ہزار سال ہو چکے ہیں جو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے دین کی مدت تھی اس لئے وہ وقت آگیا ہے کہ ہم ایک نئے دین کے آغاز کا اعلان کر دیں۔ اس وقت ایسے کسی دعوے کے اظہار اور اعلان کے لئے جو بادشاہ کے دل میں تھا کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ سب سے

---

[1] منتخب التواریخ ملخصاً ص ۲۷۶ تا ۲۷۹ ۔ [2] ایضاً تصرفاً ص ۲۸۷، ۲۸۸ ۔

بڑی رکاوٹ علماء اور مشائخ کی تھی جو کہ اثر و اقتدار و رعب داب رکھتے تھے اب ان سے بھی بساط خالی ہو چکی تھی اس لئے نہایت اطمینان و جسارت کے ساتھ اکبر نے اسلامی ارکان و احکام کی منسوخی اور اپنے ساختہ پرداختہ ایک نئے دین کے قواعد و ضوابط کے نفاذ کا فیصلہ کر کے اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ صادر کیا کہ اب سکہ پر الفی تاریخ (ہزارواں سن) ثبت کیا جائے اور اس سنِ ہزار کو سنِ ہجرت سے نہیں بلکہ بعثت سے موسوم کیا جائے ۔ [1]

دینِ الٰہی کے عناصر یہ تو معلوم ہو چکا کہ سلبی طور پر اسلامی عقائد و عبادات و رسوم کا بتدریج خاتمہ ہو چکا تھا لیکن ان کی جگہ جو چیزیں اس جدید دین میں بھر گئیں ان میں ممتاز چیزیں یہ ہیں :-

سنِ الٰہی کا اجراء اکبر نے عربی کے سنِ ہجری کو موقوف کرا دیا اور اس کی جگہ تاریخ کو اپنے جلوس کے سن سے شروع کرایا جو ۹۶۳ھ میں ہوا تھا مہینوں کا تعین عجمی بادشاہوں کے طریقہ پر کیا گیا۔ زرتشتیوں کے مذہب کی طرح سال میں چودہ عیدیں مقرر کی گئیں، مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی البتہ جمعہ کا التزام باقی رہا اس خیال سے کہ جمعہ کا خطبہ بادشاہ کے نام سے پڑھا جاتا تھا اور اس میں بھی بس بوڑھے لوگ ہی شریک ہوا کرتے تھے، نئی تقویم میں سال اور مہینوں کو سنِ الٰہی اور ماہِ الٰہی کہا جانے لگا سکوں (ٹنکوں اور مُہر ٹکوں اور اشرفیوں) پر تاریخ الف ثبت کرائی گئی اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ دینِ محمدی کی مدت جو کہ ایک ہزار سال تھی ختم ہو چکی ہے ۔ [2]

ظاہر ہے کہ سکہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کو ہر خاص و عام تک رسائی ناگزیر ہے، کتابوں اخباروں رسالوں سب سے زیادہ اشتہار کی کارگر تدبیر اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے تمام سکے اور خود اپنے زمانے کے دوسرے سکوں کو سخت ترین احکام و فرامین کے ذریعہ اکبر نے گلوا دیا تھا صرف ایک ہی سکہ باقی رکھا تھا۔

تاریخ الفی کی تصنیف لیکن بات اسی پر ختم نہیں کی گئی بلکہ ایک کتاب بھی "تاریخِ الفی" کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی جس کی تدوین و ترتیب کا کام چند علماء کے سپرد ہوا جن میں ملا بدایونی بھی شامل ہیں، چنانچہ ملا صاحب لکھتے ہیں: [3] " اسی سال بادشاہ نے حکم دیا کہ چونکہ ہجرت کے ہزار سال ختم ہو چکے ہیں اب تک لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ ہی لکھتے آئے ہیں، اب ایک تاریخ مرتب ہونی چاہئے جس میں

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۹۶ و تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۴۴ [2] منتخب التواریخ ص ۳۰۰ [3] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۴۵

ابتدا سے آج تک کے تمام مسلمان بادشاہوں کے واقعات مندرج ہوں، یہ تاریخ دوسری تاریخوں کے غلط واقعات کی تردید و تنسیخ کرنے والی ہو اس کا نام "تاریخ الفی" رکھا جائے اس میں سنوں کے ذکر کے ساتھ ہجرت کی بجائے رحلت کا لفظ لکھا جائے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اس زمانہ تک کے حالات لکھنے کے لئے سات اشخاص مامور کیے گئے، سن چھتیس تک کے حالات لکھے جا چکے تو اکبر نے حکم دیا کہ اب صرف ملا احمد ٹھٹھہ تاریخ الفی کے بقیہ حالات لکھے گا۔ ملا احمد نہایت متعصب آدمی تھا اپنے اعتقاد کے مطابق جو کچھ جی میں آیا لکھ دیا، اس نے چنگیز کے دور تک اس تاریخ کی دو[۲] جلدیں پوری کر دیں، مرزا فولاد برلاس کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا اس لئے اس نے اسے قتل کرا دیا اور مرزا فولاد کو بھی قصاص میں سزائے موت دی گئی۔ تاریخ الفی کے بقیہ حالات لکھنے کی ذمہ داری اب آصف خاں کے سپرد کی گئی، اس نے یہ واقعات ۹۹۷ھ تک پورے کر دیئے ۱۰۰۰ھ میں بادشاہ نے ملا بدایونی کے سپرد یہ کام کیا کہ مسودات کا مقابلہ اور تصحیح کرے اور سنوں میں جو تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے درست کر دے ایک سال تک اس نے یہ خدمت انجام دی اور پہلی دو جلدوں کو مکمل کر دیا تیسری جلد کا کام آصف خاں کے حوالہ کر دیا گیا[۱]

مقصد یہ تھا کہ اپنے زمانہ کی حد تک تو "سکہ" کا طریقہ اشتہار کے لئے مفید تھا لیکن اس کے بعد پھر اس کی یاد دہانی کا ذریعہ کوئی اور ہونا چاہیے اس کے لئے "تاریخ الفی" کا ذریعہ اختیار کیا گیا[۲]

بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گذرنا ایک ایسا واقعہ بنا لیا گیا جس پر "الف ثانی" کے نظریہ کی یار لوگوں نے بڑی بڑی تعبیریں کھڑی کر دیں اور مستقل طور پر طے کر دیا گیا کہ "محمدی اسلام" کی عمر پوری ہو گئی اور شیخ مبارک وغیرہ نے یہ بات بادشاہ کے ذہن نشین کر دی کہ ہمارے مذہب میں بھی بکثرت تحریفیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہیں رہا، لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے جو ہندو مسلم وغیرہ سب ادیان کا جامع ہو[۳]

بہرحال آخر یہ طے کر لیا گیا کہ جدید ملت کی بنیاد رکھ دی جائے، ظاہر ہے کہ اکبر کی تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف ایمان نبوت تک پہنچی تھی الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہنچا تھا اس کے دماغ میں "الله" کا عقیدہ ابھی تک باقی تھا اسی لئے اس نے اس جدید دین کا نام "الٰہی مذہب" رکھا[۴]

۱۔ منتخب التواریخ ص ۵۰۷، ۵۰۸ ۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۴۶ ۳۔ ایضاً ص ۵۰، ۵۱ ۴۔ ایضاً ص ۵۲

عبادت میں بجائے توحید کے صریح شرک | اکبر نے ہر روز چار مرتبہ یعنی صبح، دوپہر، شام اور نصف شب کو آفتاب کی پرستش شروع کر دی اور آفتاب کے ایک ہزار ایک ہندی ناموں کا وظیفہ پڑھنے لگا، یہ وظیفہ دوپہر کے وقت حضورِ دل کے ساتھ پڑھتا تھا، اس وظیفہ کے وقت اپنے دونوں کان پکڑ کر گھومتا اور کانوں کی لو پر (توبہ کے طور پر) مکّے مارتا، اسی طرح کی اور بہت سی حرکتیں کرتا رہتا تھا، قشقہ لگاتا اور نوبت و نقارہ ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت اور ایک مرتبہ طلوعِ آفتاب کے وقت بجانے کا حکم دیا۔ مسجدیں اور خانقاہیں ہندوؤں کے فراش خانے اور چوکی خانے بن گئیں اور وہاں بجائے جماعت کے جلوع ہونے لگا اور "حی علیٰ" کی جگہ "یلا نلا" ہونے لگی شہر میں جو قبرستان تھے ان کو مسمار کر دینے کا حکم دیا گیا۔[1]

گاؤ کشی کی ممانعت | بادشاہ بچپن ہی سے رند مشرب ہندوؤں سے تعلقِ خاطر اور وابستگی رکھتا تھا انہی کی صحبت میں گائے کی تعظیم اس کے ذہن نشین ہو گئی تھی اس لئے گائے کے ذبیحہ کی بھی ممانعت کر دی گئی، ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کی لڑکیاں حرمِ شاہی میں تھیں وہ بادشاہ کے مزاج پر حاوی تھیں، ان کے پاسِ خاطر سے اکبر گائے کا گوشت، لہسن پیاز کھانے اور داڑھی رکھنے سے احتراز کرتا تھا اور اپنی مجلس میں ہندوؤں کی رسومات کی پابندی کیا کرتا تھا۔ ان تمام باتوں کو ترک کر دیا جن سے ہندوؤں کو کراہت ہوتی تھی۔[2]

کتّے اور سور کی پاکی | احکامِ اسلام کی مخالفت میں سُوّر اور کُتّے کو پاک قرار دیا گیا نہ صرف یہ بلکہ ان ناپاک جانوروں کو شاہی محل کے نیچے رکھا گیا بادشاہ ہر صبح ان کے دیدار کو عبادت سمجھتا تھا کیونکہ ہندوؤں نے یہ ذہن نشین کرا دیا تھا کہ سور اُن دس مظاہر میں سے ہے جن میں حق تعالیٰ نے حلول کیا ہے۔ کتّے کے متعلق بعض عارفوں کا یہ قول سند تھا کہ کتّے میں ایسی دس عمدہ صفتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک صفت کسی آدمی کو مل جائے تو وہ ولی بن جائے۔ دربار کے بعض مقرب اور ملک الشعراء فیضی تو اپنے دسترخوان پر کتوں کو ساتھ لیکر بیٹھا کرتا تھا اور عراق و ہندوستان کے بعض مردود شاعر اس کی پیروی کرتے تھے بلکہ بڑے فخر کے ساتھ کتوں کی زبان اپنے منہ میں لیکر پیار کرتے تھے۔[3]

شراب کی حلّت | ایک حکم یہ دیا گیا کہ اگر جسمانی صحت اور بدن کی اصلاح کے لئے طبّی طور پر شراب پی لی جائے اور اس کے پینے سے فتنہ و فساد پیدا نہ ہو تو وہ جائز ہو گی، اگر اتنی پی لی جائے جس سے

---

[1] منتخب التواریخ ص ۵۰۹ [2] ایضاً ص ۲۹۸ [3] ایضاً ص ۲۹۹ ۔

حد سے زیادہ نشہ ہو جائے اور لوگ جمع ہو کر شور و غوغا مچائیں تو یہ منع ہوگی، اگر بادشاہ کو اس کی خبر ہو جاتی تھی تو سخت سزا دیتے تھے۔ حسب الحکم دربار کے دروازے پر شراب فروشی کی ایک دکان بھی قائم کی گئی تھی جس کی منتظم دربان کی عورت مقرر کی گئی تھی جو کسی شراب فروش کی بیٹی تھی، بادشاہ نے خود شراب کے نرخ مقرر کئے۔ (گویا ہندوستان میں "محکمۂ آبکاری" کی یہ پہلی بنیاد تھی، تذکرہ مجدد الفثانی ص ۷۱) اس دکان سے ہر شخص علاج کے نام سے منشی کے پاس اپنا اور اپنے باپ دادا کا نام لکھوا کر شراب خرید سکتا تھا۔ لوگ فرضی نام لکھوا کر شراب مول لے جاتے تھے ان کی تحقیق کرنے والا کون تھا؟ اس طرح شاہی سرپرستی میں نشہ بازوں اور متوالوں کے لئے باقاعدہ سرکاری دکان کھل گئی، لوگوں کا بیان ہے کہ اس شراب میں سور کے گوشت کا عرق بھی شامل کیا جاتا تھا (واللہ اعلم) اس احتیاط و سختی کے باوجود لوگ پی پی کر وہاں شور و غوغا مچانے لگے اور ہر روز جھگڑا فساد ہونے لگا، سپاہی روزانہ بدمستوں کو پکڑ پکڑ کر سزائیں دیتے تھے لیکن ان کی مستی اتارے نہیں اترتی تھی، بادشاہ اس دکان کو بند بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور ان ہنگاموں سے عاجز بھی تھا۔[1]

غسل جنابت کی تحریم | اس نئے دین کی شریعت میں ناپاکی کے غسل کی فرضیت بھی کلی طور پر منسوخ کر دی گئی اور کہا کہ پیشاب اور پاخانے کے اخراج پر تو غسل واجب نہیں ہوتا اس پاکیزہ لطیف مادہ کے اخراج پر جو کہ نیک اور پاک لوگوں کی آفرینش کا تخم ہے غسل کو واجب کر دینا عجیب بات ہے بلکہ مناسب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے غسل کریں اس کے بعد جماع کریں۔[2]

قانونِ نکاح | چچا ماموں اور دیگر قریبی رشتہ داروں کی لڑکیوں سے نکاح حرام کر دیا گیا کیونکہ ان لڑکیوں کی طرف مرد کی رغبت کمزور رہتی ہے۔ نکاح کے لئے عمر مقرر کی گئی کہ مرد کے لئے سولہ سال کی عمر سے اور عورتوں کے لئے چودہ سال کی عمر سے پہلے نکاح روا نہیں کیونکہ چھوٹی عمر کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے[3] (گویا ساردا ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانہ میں ہو گیا تھا) نکاح ہی کے سلسلہ میں ایک قانون یہ بھی تھا کہ ایک سے زیادہ نکاح نہ کریں بجز اس کے کہ عورت بانجھ نکلے گویا تعدد ازدواج کا قصہ اسی وقت اٹھ چکا تھا۔ دلیل میں کہا جاتا کہ "خدا یکے و زن یکے" یعنی خدا بھی ایک ہے اور عورت بھی ایک ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ آئسہ عورت (جس کے ایام بند ہوں) نکاح نہیں کر سکتی۔[4]

[1] منتخب التواریخ ص ۲۹۷ [2] ایضاً ۲۹۹ [3] ایضاً ص ۲۹۹ و ۵۱۸ [4] ایضاً ص ۵۲۸۔

اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو مرد اس کے ساتھ ہمبستری نہیں کر سکتا حکم چونکہ یہ تھا کہ جب تک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ نہ کرا لیا جائے اور عمر کا صداقت نامہ حاصل نہ کر لیا جائے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بہانہ سے عہدہ داروں کو کمانے کا خوب موقع ملا خصوصاً کوتوال اور خاتوے کلال کے آدمیوں اور ان کے دوسرے مددگاروں، ماتحتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں اس قانون سے جو نفع پہنچا اس کا اندازہ حدِ وہم و خیال سے باہر ہے[1] حکم دیا کہ جو نوجوان عورت شہر کی گلیوں اور بازاروں میں بے پردہ گھومتی نظر آئے یا ایسی مکار عورت جو شوہر سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہو فاحشہ عورتوں کے محلہ میں بھجوا دی جائے[2]

زنا کی تنظیم اور قحبہ خانہ شیطان پورہ کی آبادکاری

شروع زمانہ میں اکبر نے علماء سے ایک دفعہ یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ کتنی آزاد عورتیں نکاح میں رکھنا درست ہے، علماء نے کہا بیک وقت چار سے زائد آزاد عورتوں کو نکاح میں رکھنا منع ہے۔ اکبر نے کہا ہم نوجوانی میں اس کے پابند نہیں رہے جتنی عورتوں کو چاہتے تھے نکاح میں لے لیتے تھے خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام، اب اس کی تلافی کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف لوگوں نے مختلف باتیں بنائیں اور اکبر کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ بعض مجتہدین نو اور بعض اس سے بھی زیادہ بیویوں کے قائل ہیں، آخر یہ فتویٰ دیدیا کہ متعہ کے طریقہ پر جتنی عورتیں چاہے نکاح میں رکھنا مباح ہے اس مسئلہ پر کافی بڑی بڑی بحثیں اٹھیں جن کا قصہ طویل ہے۔ بادشاہ نے کہا ہم اس مسئلہ میں قاضی حسین عرب مالکی کو قاضی بناتے ہیں اور قاضی یعقوب کو آج سے معزول کرتے ہیں، اسی وقت قاضی حسین کو وکیل بنایا گیا اور اس نے متعہ کے جواز کا حکم دیدیا۔ اسی روز سے تمام بوڑھے عالموں صدر سے لیکر مخدوم الملک اور قاضی وغیرہ کا زوال شروع ہو گیا[3]

بعضوں نے اکبر کے الحاد کا نقطۂ آغاز اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے لیکن یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب تک کہ مولویوں کو "فقیہ کور" کا خطاب نہ ملا تھا۔ دینِ الٰہی کی تدوین کے بعد تو ایک سے زائد بیویوں تک کی حرمت کا قانون بن گیا تھا البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی ایک طرف تو یہ حال تھا اور دوسری طرف بغیر نکاح و متعہ کے بھی اس فعل کی اجازت ہو گئی تھی گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا، صرف اس کو منظم کرنے کے لئے ایک دستور بنا دیا گیا تھا۔ مُلّا صاحب لکھتے ہیں:

[1] منتخب التواریخ ص ۱۵۵ و تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۷۳، ۷۴، [2] منتخب التواریخ ص ۱۵۵ [3] ایضاً ص ۲۰۸، ۲۰۹ ملخصاً

"اس زمانہ میں پایۂ تخت فتح پور میں سارے ملک سے کھنچ کھنچ کر بہت سی طوائفیں اور فاحشہ عورتیں جمع ہو گئیں ان کی تعداد حساب و شمار سے باہر تھی۔ حکم شاہی سے ان عورتوں کو شہر سے باہر بسایا گیا اور ان کی بستی کا نام "شیطان پورہ" رکھا گیا اور وہاں بھی محافظ و داروغہ و منشی مقرر کئے گئے تاکہ جو شخص بھی ان عورتوں کے ساتھ صحبت رکھے یا اپنے گھر لیجائے تو پہلے وہ اپنا نام و نسب رجسٹر میں درج کرائے اس کے بعد ان ملازموں کے اتفاق سے جماع وغیرہ جو کچھ چاہے کرے۔ اس دفتری اندراج کے بغیر کوئی شخص کسی عورت کو رات کے وقت اپنے گھر نہیں لے جا سکتا تھا (اس سے زیادہ اہم قانون کا یہ حصہ تھا کہ) ان میں سے کنواری لڑکیوں کے ساتھ پہلی شب باشی کی اجازت صرف نامی گرامی اُمراہی کو حاصل تھی وہ بھی داروغہ با قاعدہ بادشاہ کی خدمت میں عرض کر کے بارگاہِ شاہی سے اجازت حاصل کرے ورنہ نہیں۔ بدمعاشوں نے یہاں بھی فرضی ناموں سے اپنا دھندا بے روک ٹوک شروع کر دیا، لوگ بدمست ہو کر جھگڑے فساد کرنے لگے اور عورتوں کی خاطر ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ قصاص میں پکڑے بھی جاتے اور سزا بھی پاتے تھے لیکن ان کی جگہ دوسرے لوگ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ یہ جرائم کرنے کے لئے آجاتے تھے (بادشاہ کو اس مسئلہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ) ان فاحشہ عورتوں میں سے جو مشہور اور نامی گرامی تھیں بادشاہ نے ان کو پوشیدہ طور پر اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا کہ سب سے پہلے کس شخص نے ان کا کنوارپن توڑا ہے' ان عورتوں نے جن امراء کے نام لئے ان کو سخت سزائیں دیں اور کافی عرصہ کے لئے قید میں بھیج دیا، انہی میں سے ایک نے راجہ بیربر کا بھی نام لیا جو کہ "مراتب چہارگانہ" میں سب کا پیشرو اور مخلص مرید تھا۔ بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے اپنی بیٹیوں تک کو نہیں چھوڑا ہے، وہ اس زمانہ میں اپنی جاگیر کورہ میں گیا ہوا تھا جب اس کو افشائے راز کی خبر ملی تو اس نے جوگی بن جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر بادشاہ نے عنایت آمیز فرمان لکھ کر اس کو دربار میں بلا لیا[۱]

سود اور جوئے کی حلت | سود اور جُوا حلال کر دیا گیا۔ دوسری حرام چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے اکبر کے دربار میں ایک جُوا خانہ (قمار خانہ) بھی بنوایا، جواریوں کو شاہی خزانے سے سود پر قرض دیا جاتا تھا اس طرح بادشاہ کی دولت میں اضافہ کی ایک صورت نکل آئی۔[۲]

---

[۱] منتخب التواریخ ص ۲۹۷۔ [۲] ایضاً ص ۵۱۹۔

مسلمان شدہ ہندوؤں کو ہندو بننے اور اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی آزادی وہ ہندو جو بچپن میں یا بہ جبر مسلمان بنا لئے گئے ہوں انھیں اختیار دیدیا کہ اگر چاہیں تو دوبارہ اپنے آبائی مذہب کو اختیار کرلیں، تبدیلِ مذہب پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے، جو شخص جس مذہب کو چاہے اختیار کرسکتا ہے، اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں کا مذہب اختیار کرلے تو اس عورت کو جبراً و قہراً (زبردستی سے) پکڑ کر اس کے گھر والوں کے سپرد کردیا جائے۔ بت خانہ و گرجا و آتش کدہ کسی بھی عبادت گاہ کی تعمیر میں کافروں پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے[1]

بھوک و اضطرار میں اپنے بچوں کو بیچنے کی اجازت بھوک اور اضطرار کی حالت میں ماں باپ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے بچوں کو فروخت کردیں اور جب ان کی تنگی رفع ہوجائے تو وہ روپیہ دیکر اپنے بچوں کو چھڑالیں[2]

اکبر کے نزدیک ہندوؤں کی مذہبی کتابیں صحیح اور نصِ قاطع ہیں اکبر کو خیال آیا کہ اب ہندی کتابوں کو جو کہ مرتاض عبادت گذار دانشمندوں کی تصانیف ہیں اور وہ سب صحیح اور نصِ قاطع ہیں اور اس گروہ (ہندوؤں) کے دین اور اعتقادات و عبادات کا سارا دارو مدار انہی کتابوں پر ہے میں کیوں نہ ان کو ہندی سے فارسی زبان میں ترجمہ کراکر اپنے نام سے منسوب کردوں۔ یہ کتابیں ابھی تک فارسی میں ترجمہ نہیں ہوئیں اسلئے غیر مکرر اور تازہ علوم والی ہوں گی اور یہ سب دنیوی و دینی سعادتوں کا موجب لازوال شان و شوکت اور کثرتِ اولاد و اموال کا باعث ہوں گی (اس کے بعد ایک دفتر قائم کردیا گیا علماء مقرر ہوئے جو ان کتابوں کی اشاعت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے فارسی زبان میں ان کو منتقل کرنے لگے) اکبر نے خود بھی ذاتی طور پر وقت دینے کا فیصلہ کیا اہلِ علم ہندوؤں کو جمع کرکے حکم دیا کہ وہ مہابھارت کی تعبیر و ترجمانی کریں اور چند راتوں تک خود اس کے مضامین سمجھ کر فارسی میں لکھواتا رہا پھر دوسروں کے حوالہ کردیا[3]

جزیہ کی منسوخی اسی سال بادشاہ نے تمغا اور جزیہ کا قانون منسوخ کردیا جس کے ذریعہ کروڑہا روپیہ کی آمدنی ہوتی تھی ——— اور اس کے لئے تاکیداً فرامین صادر کئے گئے[4]

پردہ کی ممانعت حکم دیا گیا کہ ہر جوان عورت جو کوچہ و بازار میں گھومتی پھر رہی ہو وہ اس حالت میں یا تو پردہ نہ کرے یا چہرہ کھلا رکھے[5]

عزت و ناموس کی بربادی کے لئے نوروزی کی دکانوں کو کبھی کبھی مردوں سے خالی کرا دیا جاتا

---

[1] منتخب التواریخ ص ۵۵۲ [2] ایضاً ص ۵۵۱ - [3] ایضاً ص ۵۰۸ [4] ایضاً ص ۲۸۱ -
[5] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۲۴۴ بحوالہ منتخب التواریخ ص ۲۹۱

(یعنی مینا بازار بنا دیا جاتا) اور بیگمات اہلِ حرم اور خاص وعام پردہ نشین عورتوں کو سیر و تفریح کے لئے بلایا جاتا تھا۔ اس میلہ میں بادشاہ لوگوں کو روپیہ پیسہ انعام دیتا تھا، باہر سے آنے والی عورتوں کے قضیئے بھی طے کئے جاتے تھے اور لڑکوں لڑکیوں کے نکاح بھی کرائے جاتے تھے۔ بادشاہ نے نکاح کی قید کو بھی ختم کرا دینے کی بڑی کوشش کی لیکن ہندو اس کے لئے راضی نہیں تھے اس لئے کچھ نہ کر سکا اس زمانہ میں ہندوؤں کا بڑا زور تھا آدھا ملک ان کے قبضہ میں تھا وہ فوج میں بھی پچاس فیصد تھے۔ مغل اور ہندوستانی امراء سے وہ کہیں زیادہ مقتدر اور با اختیار تھے اس لئے نکاح کے معاملہ میں اکبر کی کچھ پیش نہ گئی، رہ گئیں دوسری قومیں تو ان کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی ان میں نہ غیرت تھی نہ اتفاق اس لئے بادشاہ نے ان کو جس طرح چاہا نچایا۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ شاید قانوناً پردہ بھی اٹھا دیا گیا تھا، گویا وہ ساری روشن خیالیاں اور جدت طرازیاں جن پر "عہدِ جدید" کو ناز ہے نہایت افسوسناک سانحہ ہے کہ تقریباً ان میں اکثر روشنی جدید نہیں بلکہ قدیم ہے کاش اس کی کہنگی و قدامت ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بن جائے۔[2]

داڑھی منڈانے کا جواز | شراب کی حلت کے بعد دینِ الٰہی میں جس چیز پر زیادہ زور دیا جاتا تھا وہ ریش تراشی کا مسئلہ تھا ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں: "جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے تھے بادشاہ ان کو زیادہ پسند کرتا تھا اس وجہ سے ڈاڑھی منڈانے کا عام رواج ہو گیا اور ڈاڑھی منڈانے کے متعلق بڑی عجیب و غریب دلیلیں پیدا کی گئیں۔[3] دربارِ اکبری کے بڑے بڑے فضلاء و علماء روزمرہ اپنی اپنی ڈاڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔[4]

اکبر کے مرید شجرہ کی بجائے اس کی تصویر رکھتے تھے | جو لوگ اکبر کی مریدی اختیار کر کے نئے دین میں داخل ہوتے تھے اکبر ان کو شجرہ کی بجائے اپنی تصویر اخلاص اور رشد و ہدایت کی علامت کے طور پر عطا کرتا تھا۔[5]

سونے اور ریشم کا جواز اور دیگر حلال و حرام کا اجراء | سونا اور ریشم پہننا فرضِ عین قرار دیا گیا، شیر اور جنگلی سور کا گوشت اس بنا پر حلال کر دیا کہ اس سے آدمی میں بہادری کی صفت پیدا ہوتی ہے۔[6]

میتوں کے لئے ضابطہ | میتوں کے مال پر ایک داروغہ مقرر کرنے کا حکم دیا تاکہ تحقیقات کے بعد اگر اس کے ذمہ کچھ سرکاری بقایا ہو یا مرنے والا کروڑی عملدار ہو تو اس کا مال ضبط کر لیا جائے ورنہ اس کا مال اس کے

---

[1] منتخب التواریخ ص ۵۱۸، ۵۱۹۔ [2] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۴۷ [3] منتخب التواریخ ص ۴۹۸ [4] تذکرہ ص ۴۲ [5] منتخب التواریخ ص ۱۸۰ [6] ایضاً ص ۴۹۹

وارثوں کو دیدیا جائے جب تک بیت المال کے داروغہ سے اجازت نہ مل جائے میتوں کو دفن نہ کیا جائے آفتاب کی تعظیم کے لئے قبرستان کا دروازہ شہر کی مشرقی جانب رکھا جائے اگر کوئی "درشنی مرید" (یعنی دینِ الٰہی کا پیرو) مرجائے تو خواہ مرد ہو یا عورت کچھ کچا اناج اور چند پکی اینٹیں اس کی گردن میں باندھ کر اس کو دریا کے پانی میں بہادیں اور جہاں پانی نہ ہو وہاں اس کی میت جلادی جائے یا چینیوں کی طرح اس مردہ کو کسی درخت پر باندھ دیا جائے [1]

شاید یہ ڈبونے یا جلانے یا درخت پر لٹکانے کا حکم بعد میں ہوا ہو ورنہ پہلے جو حکم تھا اس میں دفن کرنے کی مخالفت نہیں کی گئی تھی البتہ یہ ترمیم کی گئی تھی جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ "مُردہ کا سر مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب رکھ کر اس کو دفن کیا جائے [2]

سلطان خواجہ جو کہ اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا جب مرا ہے تو اکبر نے مذکورہ بالا سمت میں دفن کرانے کے علاوہ اس کی قبر میں شرقی جانب سورج کے سامنے جالی دار ایک کھڑکی لگوائی تھی تاکہ ہر صبح کو سورج کی روشنی اس کے چہرے پر پڑتی رہے کیونکہ (اس کے نزدیک) سورج گناہوں کو پاک کرنے والا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے منہ کو آگ سے جُھلسایا بھی گیا تھا [3]

یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرونِ ہند سے توڑ لیا گیا تھا اور ٹھیک جس سمت ہندوستان سے کعبہ ہے مردہ کی ٹانگ اسی جانب رکھی جاتی تھی اور ضد کی یہ حد تھی کہ "سوتے وقت بادشاہ اسی ہیئت سے سوتا تھا" (یعنی ٹھیک جانبِ قبلہ پاؤں کرتا تھا) کہاں تک لکھا جائے اس نے تو ابتداءِ زندگی سے آخر زندگی تک کے سارے قوانین کو الٹ پلٹ دیا تھا، یہ تھا اس دین کا ایک اجمالی نقشہ جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جزد کو ان لوگوں کی عقل نہ رد کرتی تھی نہ اس میں خرابی نظر آتی تھی کیونکہ اسلام کے ساتھ جہاں ان کا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور ان کے رسوم کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت یہ نہ تھی۔ یہی عقلی بادشاہ تھا جو اپنے ہاتھ میں راکھی باندھتا تھا شیوراتری میں رات بھر جوگیوں کے ساتھ جاگتا تھا لیکن اسلام کا کوئی جزد قابلِ انتخاب و پسندیدگی نہ تھا۔ ایک طرف حرام جانوروں شیر اور بھیڑیئے کے گوشت کی حلت کا

---

[1] منتخب التواریخ ص ۵۵ [2] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۴۶ [3] منتخب ۵۲۰ و تذکرہ ص ۷۶

فتویٰ دیا جاتا تھا کہ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف حلال جانوروں گائے بھینس بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ کا گوشت حرام قرار دیدیا تھا، اور اسی کے ساتھ یہ بھی ایک قانون تھا کہ "جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ ذبح کرنے کا ہے تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اگر اس کی بیوی اس کے ساتھ کھائے تو کھانے کی انگلیاں اس کی بھی تراش لی جائیں" جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ہندوستان سے "لحمی غذا" کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا اور اس ہندی قومیت کی تعمیر میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ ضرور تھا جو اگر کچھ نہیں تو پشتینی مسلمان ضرور تھا اور وہ مسلمان ماں اور باپ سے پیدا ہوا تھا۔[1]

تثلیث پرستی | ہندوؤں کی رسومات کے علاوہ نصاریٰ کی ناقوس نوازی بھی ہونے لگی اور ان کے تین خداؤں کی تصویروں کی زیارت بھی کی جانے لگی، طرح طرح کے لہو ولعب شروع ہو گئے۔[2]

جشنِ نوروز کی محفلیں | شاہ کو شراب کے مسئلہ میں جس قدر غلو تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ "جشن نوروز کی مجلسوں میں اکثر علماء و صلحا بلکہ قاضی اور مفتی تک شراب نوشی کی وادی میں اتارے جاتے تھے، دین کے مجتہد خاص طور پر ملک الشعراء فیضی تو یہ کہہ کر پیتے کہ "ہم یہ پیالہ فقیہوں اور عالموں کے اندھی تقلید کے نام پر پیتے ہیں"۔[3]

مجلسِ چہل گانہ | بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی شبانہ محفلوں میں چہل تن کے عدد کے مطابق چالیس مقربین شرکت کیا کریں، ان چالیس عقلمندوں میں سے ہر شخص جو کچھ جانتا ہے کہے اور جو کچھ چاہے پوچھا کرے اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہتا۔ اگر کوئی شخص کسی علمی (مراد دینی) مسئلہ کے متعلق سوال اٹھاتا تو اس سے کہا جاتا کہ ایسی باتیں ملاؤں سے پوچھی جائیں اور جو مسائل عقل و حکمت پر مبنی ہوں وہ ہمارے سامنے لائے جائیں۔ ان محفلوں میں جب سیرت کی کتابیں پڑھی جاتیں تو بادشاہ اور یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں ایسی ایسی بے ادبانہ باتیں کرتے خاص طور پر خلفائے ثلثہ کی خلافت، قضیۂ فدک اور جنگِ صفین وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی زبانیں اس بے باکی سے چلتی تھیں کہ کان ان کے سننے سے بہرے ہو جائیں اور ان کو زبان پر نہیں لایا جا سکتا۔ شیعوں کو بڑا غلبہ اور اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور سنی عاجز و مغلوب ہو گئے تھے جتنے خدا کے نیک بندے تھے

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۷۶ تا ۷۸ ملخصاً [2] منتخب التواریخ ص ۲۹۸ [3] ایضاً ص ۵۰۱، ۵۰۲ و تذکرہ ص ۷۱

وہ خوف زدہ رہنے لگے تھے اور شر پسند عناصر کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا تھا، ہر روز کوئی نہ کوئی نیا حکم، ایک نہ ایک نئی ممانعت نکلتی طرح طرح کے اشکال و اوہام سامنے لائے جاتے، بادشاہ اور اس کے حواری اپنے معتقدات و نظریات کے حق ہونے کے لئے کوئی دلیل اور ثبوت تو کیا لاتے صرف دوسروں کی نفی اور تردید کرتے اور اپنی بات منوانے کی فکر میں رہتے تھے، بے دینوں کی بن آئی تھی، اچھے لوگ مردود ہو گئے تھے اور مردود مقبول بن گئے تھے، جو نزدیک تھے انھیں دھتکار دیا گیا تھا اور جو دور تھے ان کو قریب کر لیا گیا تھا، دربار کے اس رنگ کو دیکھ کر سارے ملک میں شور و غوغا مچا اور بادشاہ کی ان حرکتوں پر لوگ اللہ اکبر کہہ کر کان پکڑنے لگے۔ ملا شیری نے اس پر آشوب زمانے میں ایک قطعہ کہا اس کا شعر یہ ہے ؎

بادشہ امسال دعوئ نبوت کردہ است　　　　گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن[1]

مسائلِ دینی کا تمسخر | غرض اکبر نے ارکانِ دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدے کے متعلق خواہ وہ اصول سے متعلق ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر و نشر کے متعلق تمسخر و استہزا کے ساتھ طرح طرح کے شبہات وارد کئے۔ اگر کوئی شخص جواب دینے یا تنقید کرنے پر آمادہ ہوتا تھا تو اس کو جواب دینے سے روک دیا جاتا تھا اور کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا، بحث میں تو دونوں فریق مساوی ہونے کی شرط لازمی ہے اور یہاں ذرہ اور آفتاب کا معاملہ، کون کس سے بحث کرتا اور بحث کا کس کو یارا تھا چنانچہ اس مباحثہ کی قربان گاہ پر کتنے ہی خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ تو مباحثہ نہیں بلکہ "مکابرہ" ہوتا تھا جس میں دین فروش علما خوشامد کے لئے طرح طرح کے متروکات و مشتبہات کو ڈھونڈھ ڈھونڈ کر بطور تحفہ پیش کرتے تھے[2]

یہی نہیں کہ صرف بادشاہ ہی شک میں مبتلا ہو گیا تھا بلکہ اہلِ دربار سے بھی ان مسائل میں بحث کرتا اور سب کو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا[3]

اذان اور نماز کی موقوفی | محل میں پہلے پانچ وقت جماعت کے ساتھ نماز بھی ہوتی تھی اور اذان بھی دی جاتی تھی لیکن ان دنوں سب کچھ موقوف کر دی گئی[4]

معراجِ نبوی سے انکار | ایک رات اکبر نے شاہ فتح اللہ کی موجودگی میں بیربر سے کہا "اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے جسمانی بوجھ کو لئے پلک جھپکنے میں بستر سے بیدار ہو کر آسمان پر جائے

---

[1] منتخب التواریخ ص ۵۰۱ [2] ایضاً ص ۵۰۰ [3] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۸ [4] منتخب التواریخ ص ۵۰۵

اور اللہ تعالیٰ سے دس ہزار باتیں کر کے اتنی جلدی لوٹ آئے کہ اس کا بستر واپسی تک گرم ہی رہے اور لوگ بھی اس دعوی کی تصدیق کرنے لگ جائیں، اسی طرح شق القمر اور دوسرے معجزے بھی عقل کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اکبر نے اپنا پاؤں اُٹھا کر سب کو دکھایا اور کہا دوسرا پاؤں ٹکائے بغیر آخر سارا کھڑا رہنا کس طرح ممکن ہے، آخر لوگوں نے یہ کیا قصے بنا رکھے ہیں۔ بیربر بدبخت اور دوسرے گمراہوں نے بادشاہ کی خوب ہاں میں ہاں ملائی اور بڑا سراہا، اکبر رہ رہ کر شاہ فتح اللہ کو دیکھتا جاتا تھا اور اس ساری گفتگو کی غرض بھی یہ تھی کہ وہ نیا آیا ہوا ہے اس کے خیالات معلوم کریں لیکن وہ بندۂ خدا سر جھکائے کھڑا رہا کچھ نہیں بولا۔[۱] گویا خلافِ عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اُٹھی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔[۲]

عربی زبان کی مخالفت | عربی پڑھنا اور عربی جاننا عیب ہو گیا، فقہ، حدیث اور تفسیر اور ان کے پڑھنے والے مطعون و مردود ٹھہرائے گئے، نجوم، حکمت، طب، ریاضی، شعر، تاریخ اور افسانہ کی تحصیل فرض ہو گئی بادشاہ نے عربی زبان کے خاص حروف جیسے ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ کو بول چال سے نکال دیا چنانچہ اگر کوئی شخص عبداللہ کو بگاڑ کر ابداللہ، احدی کو اہدی کہتا تو بادشاہ بہت خوش ہوتا۔[۳]

علوم عربیہ پر پابندی | حکم نافذ ہوا کہ لوگ علوم عربیہ کا پڑھنا ترک کر دیں اور علوم نادرہ یعنی نجوم، حساب، طب اور فلسفہ کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھا جائے۔[۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **اسمائے مبارکہ سے نفرت** | بیرونی کافروں اور حرم کی کافرزادیوں (وہ کافر عورتیں جن سے اکبر نے شادی کی تھی) کی خاطر اکبر کو اب تو احمد، محمد اور مصطفےٰ جیسے نام بھی گراں گذرتے تھے آخر کچھ دن کے بعد اس نے اپنے چند خاص لوگوں کے نام بدل دیئے مثلاً یار محمد و محمد خاں کو وہ رحمت خاں ہی کے نام سے پکارتا اور لکھتا تھا، بے دینی کی یہ آگ آگرہ سے اٹھی اور اس نے چھوٹے بڑے ہر ایک کو جلا کر راکھ کر دیا آخر اس کی لپٹوں سے آگ لگانے والے فسادی بھی نہ بچ سکے۔[۵]

دینی شعائر کی ہجو | دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گائے جاتے تھے جن میں کے بعض اشعار ملا صاحب نے بھی نقل کیے ہیں۔

مذہبی شعائر کا نام "تقلیدیات" رکھا | بے دینی کے سارے اسباب جمع ہو گئے تو اکبر نماز روزہ اور دوسرے مسائل سے منحرف ہو گیا اور ان کا نام "تقلیدیات" رکھ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ ساری باتیں غیر معقول

۱؎ منتخب التواریخ ص ۵۰۶ ۲؎ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۹ ۳؎ منتخب ص ۵۰۰ ۴؎ ایضاً ص ۵۳۲ ۵؎ ایضاً ص ۵۰۵ ۶؎ تذکرہ ص ۴۲

ہیں، پھر دین کو "نقل" کی بجائے "عقل" پر منحصر سمجھ لیا، اسی زمانہ میں فرنگیوں کی آمد و رفت ہونے لگی بادشاہ نے ان کے بعض عقلی اعتقادات کو بھی قبول کر لیا۔ [۱]

ختنہ کا ضابطہ حکم دیا کہ بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کو ختنہ نہ کرایا جائے، بارہ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا خواہ کرائے یا نہ کرائے۔ [۲] ظاہر ہے کہ بارہ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتا تھا خصوصاً جبکہ سلطنت کی جانب سے اس کی ہمت شکنی بھی ہوتی ہو گویا ہندوؤں کی خاطر سنتِ ختنہ کو مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی۔ [۳]

بعض دیگر احکامات حکم دیا کہ جب بادشاہی مرید ایک دوسرے سے ملیں تو سلام کی بجائے ایک "اللہ اکبر" کہے اور دوسرا "جل جلالہ" کہہ کر جواب دے، کم حیثیت لوگوں کو شہروں میں تحصیل علم سے روکنے کا حکم بھی نافذ ہوا کیونکہ بادشاہ کے خیال میں یہی لوگ پڑھ لکھ کر فتنہ و فساد مچایا کرتے ہیں، ایک نیا ضابطہ بنا کہ ہندوؤں کے معاملات کا فیصلہ مسلمانوں کا قاضی نہیں کریگا بلکہ وہ اس غرض کے لئے کسی دانا برہمن کے پاس رجوع کرینگے ایک اور حکم دیا کہ مردہ کو دفناتے وقت اس کا سر مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی طرف رکھے جائیں سونے کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ [۴]

اخلاص کے چار درجے ان دنوں بادشاہ کے ساتھ اخلاص کے چار درجے قرار دیئے گئے تھے ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس، ترکِ دین، جو شخص ان چاروں مدارج کو طے کر لیتا اس کا چہارگانہ اعزاز ہوتا اور جو کسی ایک درجہ تک پہنچا اس کا اعزاز اسی مناسبت سے متعین ہوتا، ویسے سب کے سب بادشاہ کے مرید سمجھے جاتے تھے۔ [۵]

دینِ الٰہی کے اقرار نامے دس بارہ سال کے اندر اندر یہ صورت ہو گئی کہ اکثر گمراہ جیسے مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ اور دوسرے مرتد امرا نے اپنے ہاتھ سے اقرار نامے لکھے کہ "میں فلاں بن فلاں اپنی خوشی اور مرضی سے مجازی اور تقلیدی دینِ اسلام سے جسے میں اپنے باپ دادا سے دیکھتا اور سنتا چلا آیا ہوں انکار کرتا ہوں اور اب میں دینِ الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہو گیا ہوں اور اخلاص کے مراتب چہارگانہ یعنی ترکِ مال و ترکِ جان و ترکِ ناموس و ترکِ دین کو قبول کرتا ہوں" یہ اقرار نامے اس نئے دین کے مجتہدین کے سپرد کر دیئے جاتے تھے اور بادشاہ اقرار کرنے والوں کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کیا کرتا تھا۔ [۶]

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۳۰۴ [۲] ایضاً و تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۷۵ [۳] تذکرہ ص ۷۵ [۴] منتخب ص ۳۲۵ ملخصاً [۵] ایضاً صفحہ ۲۹۰ [۶] منتخب ص ۲۹۸، ۲۹۹۔

اکبر پر ایک کیفیت کا ظہور | بادشاہ نے پٹن میں حضرت گنج شکر (قدس سرہٗ) کے مزار پر حاضری دی اور نندنہ (پنجاب) کے نواح میں ہانکے کے شکار کا ارادہ کیا چار دن تک برابر جانوروں کو ہانکا گیا جس وقت دونوں طرف سے ہانکے کے جانور شکار گاہ میں آکر جمع ہوگئے اور بادشاہ شکار کے لئے چلے تو اچانک بادشاہ پر ایک درخت کے نیچے ایک عجیب غیر معمولی حالت طاری ہوگئی اور ایک عظیم جذبہ وارد ہوا اور اس کی ظاہری حالت کچھ اس طرح متغیر ہوگئی کہ اس کی تعبیر کسی طرح ممکن نہیں، لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنے لگے، اسی وقت بادشاہ نے شکار بند کرنے کا حکم دیدیا، جس درخت کے نیچے یہ کیفیت وارد ہوئی تھی بادشاہ نے وہاں فقیروں اور مسکینوں کو دل کھول کر بہت سا روپیہ خیرات میں دیا اور وہاں ایک عمدہ عمارت اور وسیع باغ کی بنیاد رکھنے کا حکم دیا، سر کے بال ترشوالئے، بہت سے مصاحبین اس کیفیت و حالت کی بڑھ چڑھ کر تصدیق و تائید کرنے لگے۔ جب یہ خبر مشرقی ہندوستان میں پھیلی تو لوگوں میں طرح طرح کی عجیب غریب گپیں اور افواہیں پھیل گئیں اور رعایا میں بڑی ہلچل سی پیدا ہوگئی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حالات اعتدال پر آگئے [1]

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں "کون کہہ سکتا ہے کہ یہ "گیا" کے بولی ٹری (Holy Tree) کی نقل نہ تھی، کیا اکبر کو پیپل کے اس درخت کی خبر نہ تھی جس کے نیچے ہندوستان کے مشہور بانی مذہب "بدھا" کے ساتھ کچھ اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا؟ لیکن باوجود "عمارتِ عالی" اور "باغِ وسیع" بنانے کے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بہر حال جہاں تک میرے محدود معلومات کا تعلق ہے اکبر نے نبوت کا صریح اور صاف دعویٰ کبھی نہیں کیا جس کی شہادت مُلّا صاحب بھی دیتے ہیں [2]"

ہوسکتا ہے اکبر نے ہندوؤں کو باور کرانے کے لئے کہ وہ خدا کا اوتار ہے یہ سوانگ رچایا ہو اور اس طرح اس ظہور کو اپنی طرف منسوب کیا ہو جس کے یہودی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ ظہور کے اور مسلمان ان کے آسمان سے نزول اور امام مہدی کے ظہور کے اور ہندو کنہیا جی کے دوبارہ اوتار ہونے کے منتظر ہیں [3]

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۶۴ [2] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۵۳/۵۴ [3] دین الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۱۹۶ ملخصاً

اکبر پرمیشور کا اوتار مکار اور چالاک برہمنوں نے خود اکبر کے ایک ہزار ایک نام ترتیب دیکر کہا کہ رام اور کرشن کی طرح آپ بھی ایک اوتار ہیں اور پرمیشور نے آپ کی صورت میں حلول کیا ہے، اکبر نے یہ بھی باور کر لیا۔ پنڈت ہندوستان کے قدیم علماء کے ہندی دوہے نقل کر کے پیش کرتے رہتے تھے، ان کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ ہندوستان میں ایک بڑا بادشاہ ہوگا جو برہمنوں کا محافظ ہوگا۔ گائے کی حفاظت کرے گا اور ساری دنیا پر عدل و انصاف سے حکومت کریگا، یہ ساری خرافات پرانے کاغذوں پر لکھ کر پیش کی جاتی تھیں اکبر ان تمام باتوں پر اعتقاد لے آتا تھا۔ مختلف فرقوں میں سے جن کے سچے اعتقاد کا اکبر کو یقین ہو جاتا تھا ان کو "احدی" کہا کرتا تھا اور یہ گمان تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو وقت پڑنے پر آگ اور خون کے سمندر میں بے جھجک کود پڑیں گے۔[1]

مہابلی اکبر کے درشن بادشاہ نے اپنے مسلک کا نام "توحید الٰہی" رکھا اور اپنے خاص گروہ کے مریدوں کو جوگیوں کی اصطلاح میں "چیلہ" کا نام دیا۔ عام لوگ جن میں زیادہ تر رذیل اور مکار شامل تھے چونکہ بارگاہِ شاہی میں نہیں جا سکتے تھے اس لئے ہر روز صبح کو سورج پوجا کے وقت جھروکہ کے سامنے جا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک بادشاہ کا دیدار نہیں کر لیتے تھے ان پر مسواک اور کھانا پینا حرام رہتا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے تقدس کا یہ رنگ جما کہ ہر رات ہندو مسلمان عورتیں اور مرد تندرست اور بیمار اپنی اپنی حاجتیں پوری کرانے نیازمندانہ حضور میں حاضر ہوتے تھے اس وقت ہر ایک کو حاضری کی عام اجازت ہوتی تھی، لوگوں کا بہت بڑا ہجوم جمع ہو جاتا تھا اور جیسے ہی بادشاہ آفتاب کے ایک ہزار نام کا ورد کر کے پردہ کے پیچھے سے نمودار ہوتا یہ لوگ سجدہ میں گر پڑتے۔[2]

علما و ائمہ کی بدحالی اور مدارس و مساجد کی ویرانی قاضی علی بغدادی کو شیخ عبدالنبی کی جگہ مدد معاش اور اراضیات کی تحقیق و ضبطی کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہزاری، پانصدی اور صدی مرتبہ رکھنے والے ائمہ کو بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرتا تھا ان کی اکثر زمینیں ضبط کر لی جاتی تھیں، کٹ کٹا کر بہت تھوڑی سی اراضی ان کے پاس رہ گئی اس طرح بڑے بڑے علماء، ائمہ اور مشاہیر کے خاندانی اعزاز و اعتبار کو گھٹا دیا گیا، مدرسے اور مسجدیں ویران ہو گئیں اکثر علماء جلا وطن ہو گئے ان کی نا قابل اولاد جو اس ملک میں رہ گئی وہ "پاجی گیری" (آوارہ گردی) میں نام پیدا کر رہی تھی۔[3]

---

[1] منتخب التواریخ ص ۵۱۲ [2] ایضاً ص ۵۱۱، ۵۱۲۔ [3] ایضاً ص ۲۸۰۔

علماء کا اخراج وتبادلے ملا یزدی نے بادشاہ کے خلاف بغاوت وخروج کے جواز کا فتویٰ دیا، بادشاہ نے اس کو دریا میں غرق کرادیا، قاضی یعقوب کو بھی اسی طرح ختم کرادیا اس طرح اکبر نے ان تمام علما کو جن کے بارے میں اسے اندیشے تھے ایک ایک کرکے راستہ سے ہٹادیا اور لاہور کے علماء کو جلاوطن کرکے منتشر کردیا صرف مولانا معین کے پوتے شیخ معین جو مشہور واعظ تھے رہ گئے بادشاہ نے ان کو کبرسنی کی وجہ سے نظر انداز کردیا[1] ـــــ اہلِ علم کے لئے ان کا علم ہی وبال بن گیا تھا آئے دن ان بیچاروں کو طرح طرح کی سرکاری کارروائیوں کا سابقہ رہتا تھا، بادشاہ نے ممالکِ محروسہ کے تمام علما روشائخین کو فرمان بھیج کر دربار میں بلالیا اور خود ان کی مددِ معاش، انعام ووظائف کی تحقیق کی سب علما کو درباری آئین کے مطابق تعظیم وتسلیمات بجالانا پڑتا تھا۔ بادشاہ ان عالموں سے خلوت وجلوت میں گفتگو کرکے اپنے حسبِ مرضی ہر ایک کے لئے مختصر سی اراضی مقرر کردیتا تھا اور جس کسی کے متعلق یہ رپورٹ ہوتی کہ وہ پیری مریدی کا سلسلہ قائم کئے ہوئے ہے یا مجلسِ سماع منعقد کرتا ہے یا اُسے کسی نہ کسی طرح کا اعزاز حاصل ہے اس کے مشغلوں کو دکانداری کا نام دے کر اُسے یا تو قلعہ میں قید کردیا جاتا تھا یا بنگال اور بکھر کی طرف جلاوطن کردیا جاتا تھا علماء کے خلاف یہ کارروائیاں برابر ہوتی رہتی تھیں، بوڑھے اور معمر پیروں اور شیوخ کا حال اور بھی بُرا تھا، اہلِ ذوق صوفیوں کی معاش کے فرامین کی جانچ پڑتال ہندو کارندوں کے ذمہ تھی اور ان کا اجرا اس وقت تک نہیں ہوتا تھا جب تک ہندوؤں کی مہر نہ لگ جاتی۔ اس معاشی بدحالی کی وجہ سے بیچارے صوفی اپنا حال وقال فراموش کربیٹھے اور وطن چھوڑ کر کسی نہ کسی جائے پناہ میں جاچھپے، ان ظاہر پرست صوفیوں کی بے روح مجلسوں، ان کی بے حسی وجمود، شرمناک اعمال اور بے جا تکلیفات کا یہی خمیازہ ہونا تھا[2]

مفتی صدر جہاں دینِ الٰہی کا پیرو اسی مہینے مفتیٔ ممالکِ محروسہ صدر جہاں کو ہزاری منصب مرحمت ہوا اور وہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ مریدانِ خاص میں شامل ہوگیا ہزاری کا منصب اسی مریدی کا معاوضہ تھا۔ مرید ہونے کے بعد اس نے پوچھا "میری ڈاڑھی کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے، بادشاہ نے کہا "رہنے دو"۔

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۸۱ [2] ایضاً ۲۸۲، ۲۸۳ [3] ایضاً ۵۵۸ -

عرضِ حال یہ اقتباسات زیادہ تر ملا عبد القادر بدایونی کی مشہور کتاب منتخب التواریخ سے لیے گئے ہیں، ملا صاحب نے اپنی اس تاریخ میں واقعات کو منتشر صورت میں پیش کرنے کے بعد ایک موقعہ پر یہ لکھا ہے:۔

"جو واقعات کہ حزم واحتیاط کی وادی سے بہت دور تھے میں نے ان کے لکھنے پر دلیری کی ہے، خدائے عزوجلّ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے کہ ان کے لکھنے سے اس کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں ہے کہ ملتِ مرحومۂ اسلام پر جو کہ عنقا کی طرح غریب الدیار ہو چکی ہے اور اس نے اپنے ہُما کے بازو کا سایہ پستیٔ دنیا کے خاک نشینوں سے دُور کر لیا ہے درد دین و دل سوزی کا اظہار کروں اور میں حد سے تجاوز کرنے اور کینہ وحسد وتعصب سے خدا تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈھتا ہوں (منتخب ص ـــ)

یہ گویا ملا صاحب کا حلف نامہ ہے اور ملا صاحب جیسے راستباز بزرگ کی اس حلفی شہادت کے بعد ان کے تحریر کردہ واقعات پر عدم اعتماد کی گنجائش مشکل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے[1]

اس کے باوجود ابو الفضل جو کہ اکبر کا وزیر اعظم اور مرید خاص ہے خود آئینِ اکبری میں اکبر کے مذہبی حالات کے متعلق وہ سب کچھ لکھتا ہے جو ملا بدایونی کے اقتباسات سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں، ابو الفضل نے آئینِ اکبری میں جا بجا آفتاب پرستی، آگ کی تعظیم، چراغ کی عظمت، مسئلہ تناسخ، گئو درشن، نکاح نابالغاں اور ایک سے زائد شادی پر پابندی، قریبی رشتہ داروں میں نکاح کی مخالفت بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کی ختنہ پر پابندی، سن ہجری کی منسوخی، ذبیحہ گاؤ پر پابندی اور ترکِ لحمیات کا ذکر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے بزرگ عالم شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۳۶ میں اکبر کی ان مشرکانہ حرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کسی بُت کے آگے جھکے یا زنار باندھے وہ یقیناً کافر ہے[2]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کے زمانہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی اور سلطنت اپنے پورے جاہ وجلال پر تھی، آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہدِ سلطنت میں گزرا اس کے بعد نور الدین جہانگیر کا زمانہ آپ نے پایا، یہی سلطنت گو لامذہبیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی مگر ہندو مذہب کے ساتھ صلح وآشتی رکھتی تھی چنانچہ جہانگیر لکھتا ہے:۔

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۳ [2] دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۲۴۷

"میرے والد اکثر اوقات ہر ایک دین اور مذہب کے دانشمندوں اور ماہرین سے اور بالخصوص پنڈتوں اور دانایانِ ہند سے صحبت رکھا کرتے تھے اور باوجودیکہ اُمّی (قطعاً اَن پڑھ) تھے مگر داناؤں اور اربابِ فضل کی مجالست اور رات دن کی صحبت کے باعث ان کی گفتگو سے بظاہر کوئی شخص بھی معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اُمّی (اَن پڑھ) ہیں نظم و نثر کی ان باریکیوں تک پہنچ جاتے تھے کہ اس سے زیادہ ہی تصور نہیں کر سکتا۔"[1]

جو کچھ عناد یا مخالفت تھی وہ دینِ اسلام کے ساتھ تھی، آج بھی مسلمانوں میں جو لوگ لامذہب ہیں وہ دیگر مذاہب کے ساتھ توبڑی رواداری برتتے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھی خاصی دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو آزاد خیال اور غیر متعصب سمجھیں، دوسری سلطنت (جہانگیری عہد) کو نفسِ اسلام کے ساتھ کوئی عناد نہ تھا مگر سلطنت و بادشاہت کا نشہ بہت بڑھ گیا تھا اور نئے بادشاہ (جہانگیر) پر الشباب شعبۃ من الجنون" کا جن بھی سوار تھا حتی کہ شاہی دربار کی تعظیم یہ تھی کہ لوگ بادشاہ کو سجدہ کریں، سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ بھی بزورِ سلطنت حاصل کر لیا گیا تھا۔

جہانگیر اکبر کا بیٹا تھا اور مرید بھی، اکبر اور جہانگیر دونوں نے بزرگانِ چشت کو دیکھا تھا اور وہ ان ہی کے معتقد تھے، اکبر کے خیالات جہانگیر کی فطرت میں داخل تھے جو بے اختیار موقع بموقع رونما ہوتے رہتے تھے آفتاب کے لئے وہ ہمیشہ "نیرِ اعظم نزولِ اجلال ارزانی داشت" کے الفاظ استعمال کرتا ہے، نجومیوں کا معتقد ہے بارہ برجوں کے بموجب بارہ سکے بتولئے، وہ ستاروں کو مؤثرِ حقیقی نہیں مانتا مگر مؤثر ضرور جانتا ہے اور ان کو نورِ الٰہی کا مظہر قرار دیکر ان کی تعظیم ضروری سمجھتا ہے اور اس کی تلقین کرتا ہے، باپ کی طرح مرید کرتا ہے اور اس کی تلقین یہ ہوتی ہے کہ کسی مذہب کی دشمنی سے اپنے وقت کو گندا مت کرو، تمام مذاہب والوں کے ساتھ صلحِ کُل کا طریقہ ملحوظ رکھو، کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے مت مارو، اس کا عقیدہ ہے کہ آگ خدا کا نور ہے، دسہرہ دیوالی وغیرہ ہندو تہواروں کے وقت جشن ہوتا تھا، ہندو برہمن اس کی کلائی پر راکھی بھی باندھ دیا کرتے تھے، سیاست یہ تھی کہ ہندو اور مسلمانوں کے مشترک بادشاہوں کو دونوں قوموں کے مذہبی جذبات کا مظہر بننا چاہیے، اکبر سال میں صرف تین مہینے گوشت کھاتا تھا جہانگیر اتنا مرتاض تو نہیں تھا البتہ اپنے باپ کی پیروی

---

[1] توزکِ جہانگیری ص ۱۴

میں ہفتہ میں دو روز ذبح کی ممانعت ضرور کر دی تھی، اس کے نزدیک شراب نوشی اچھی نہیں مگر جس قدر مفید ہو اس میں مضائقہ نہیں چنانچہ سنہ جلوس کے واقعات میں لکھتا ہے "۲۵ ماہ آذر جمعہ کو شاہزادہ خرم "شاہجہاں" کا جشنِ وزن ہوا اس کی عمر چوبیس سال ہو چکی، شادیاں ہو چکی ہیں، صاحب فرزند ہو گیا ہے مگر ابتک خود کو شراب نوشی سے آلودہ نہیں کیا تھا آج میں نے اس سے کہا بابا صاحب فرزند ہو گیا ہے بادشاہوں اور شاہزادوں نے شراب پی ہے آج تیرے جشنِ وزن کا دن ہے میں تجھ کو شراب پلاتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جشن کے ایام میں اور اسی طرح بڑی بڑی تقریبات کے موقعوں پر شراب پی لیا کر والبتہ طریقۂ اعتدال ضرور ملحوظ رکھو کیونکہ اتنی شراب پینا جو عقل کو زائل کر دے عقلائے جائز نہیں رکھی شراب نوشی سے نفع اور فائدہ پیشِ نظر رہنا چاہئے"[۱]۔ جہانگیر نے جس دایہ کا دودھ پیا تھا اس کی صحبت نے جہانگیر کو خود پرست اور توہمات میں مبتلا کر دیا اور دنیا سے بے خبر رکھا"[۲]

ان سب باتوں پر طرہ یہ تھا کہ بادشاہ کی محبوبہ بیوی ملکہ نور جہاں بیگم جس کے ہاتھ میں بادشاہ نے سلطنت کی باگ دے رکھی تھی نہایت غالی شیعہ تھی[۳]۔ اس نے متعصب ماں باپ کی آغوش میں پرورش پائی تھی اس کے باپ دادا متعصب شیعہ فرمانرواؤں کے عہد کی کارگزاریوں کو دیکھے ہوئے تھے اہل تسنن سے بغض اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت ان کا خمیر مایہ تھا نور جہاں بھی اسی تنورِ عداوت کا ایک پرکالۂ آتش تھی حسن کی سحرکاریوں سے بادشاہ کو پہلے ہی مسحور کر چکی تھی، باپ بھائی اور دیگر اقربا کو بڑے بڑے عہدے دلوائے، باپ نے اعتماد الدولہ لقب پایا تو بھائی خانساماںی کے عہدہ پر سرفراز ہوئے حتی کہ اس کے خاندان کے غلاموں تک کو خانی اور ترخانی کے خطاب مل گئے، جہانگیر ناؤ نوش میں مست رہنے لگا اور مسندِ شاہی اور سکۂ شاہی پر نور جہاں کا قبضہ ہو گیا، فرمانوں پر نور جہاں کے نام کا طغرا لگنے لگا، سکہ کا نقش یہ تھا، بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور۔ بنام نور جہاں بادشاہ بیگم، زر" اور طغرا کی عبارت یہ تھی، حکم العلیۃ العالیۃ نور جہاں بیگم بادشاہ۔ خود جہانگیر کا اعتراف ہے کہ "در دولت شاہی من حالا در دستِ این

[۱] تزکِ جہانگیری ص ۱۵۰۔
[۲] تزکِ جہانگیری ص ۲۱ دیباچہ
[۳] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۴۳
[۴] علماء ہند کا شاندار ماضی

سلسلہ است، پدر دیوانِ کل، پسر وکیل مطلق و دختر ہمراز و مصاحب"۔ (یعنی میری سلطنت کا دور اب اس خاندان (نور جہاں اور اس کے گھر والوں) کے ہاتھ میں ہے، باپ دیوانِ کل ہے، بیٹا (آصف خاں) وکیل مطلق ہے، اور بیٹی (نور جہاں) ہمراز و ہم صحبت ہے)

جب بادشاہ اور ارکانِ سلطنت پر شیعیت کا تسلط اس درجہ ہو چکا تو ظاہر ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) کے طبعی اصول کے تحت عوام میں بھی رفض و شیعیت کا اثر ہو گیا چنانچہ تعزیہ داری، سوز خوانی، ماتم و سینہ کوبی سنیوں میں بھی رائج ہو چکی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیتِ مطلقہ کا عقیدہ اور خلافت و مشاجرتِ صحابہ کے سلسلہ میں خلفائے ثلثہ اور امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض و عداوت اور لعن طعن کے اثرات اور اس قسم کے دوسرے شیعی مبادیات بھی وبائے عام کی طرح سنیوں میں کافی پھیل چکے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اکبر اور جہانگیر دونوں کے زمانہ کی زبوں حالی اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائی ہے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:۔

آپ ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

"بادشاہ کی نسبت جہان کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ کہ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے اور اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے، اسی طرح جہان کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑ جانے سے جہان کا بگڑ جانا وابستہ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں اہلِ اسلام کے سر پر کیا گزرا ہے، سابقہ صدیوں میں باوجود انتہائی غربت قلیل ہونے کے اہلِ اسلام پر اس قسم کی خرابی اور تباہی نہیں گذری تھی کیونکہ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنے طریق پر لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ اسی مضمون کا بیان ہے اور گذشتہ صدی میں کافر غلبہ پا کر دارِ اسلام میں برملا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے، اگر کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے۔

کس قدر مصیبت اور حسرت و غم ہے کہ حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار ہو رہے تھے اور ان کے منکر عزت و اعتبار میں تھے مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی ٹھٹھا کر کے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔

ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردہ میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آگیا تھا"۔ [1]

حضرت مجدد قدس سرہٗ ایک مکتوب میں خانِ اعظم کو تحریر فرماتے ہیں :-

"اسلام کی غربت و کس مپرسی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور نڈر ہو کر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری کرتے اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں، اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیئے گئے ہیں اور شرائع کے بجالانے میں ان کی مذمت اور طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سبحان اللہ وبحمدہٖ، داناؤں نے کہا ہے اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور انھوں نے شرع شریف کی رونق کو بادشاہ پر وابستہ کیا ہے، لیکن اب قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے، ہائے افسوس! وائے حسرت و ندامت!!" [2]

ایک دوسرے مکتوب میں لالہ بیگ کو تحریر فرماتے ہیں :-

"تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں کھلم کھلا صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کا کچھ نشان نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلامی کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے"۔ [3]

اور خواجہ میر محمد نعمان کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

"اے محبت کے نشان والے! اَلشَّرِیْعَۃُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) کے حکم کے موافق رونقِ شریعت کی ترقی و رواج شاہانِ بزرگ کے حسنِ انتظام پر وابستہ ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے اس لئے اسلام بھی ضعیف ہو گیا ۔ کفارِ ہند بے خوف و خطر مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں چنانچہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۷ [2] ایضاً مکتوب ۶۵ [3] ایضاً مکتوب ۸۱ ۔

ایکادشی کے دن ہندو کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں اور بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اُس دن بازار میں نان و طعام نہ پکائے اور نہ بیچے، اور ماہِ مبارک رمضان میں برملا نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی اس سے روک نہیں سکتا۔ افسوس اصد ہزار افسوس!! کہ بادشاہِ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا حال اس طرح خستہ اور خراب ہے۔ بادشاہوں کے اسلام کی قدر و عزت کرنے ہی سے اسلام کو رونق تھی، اور انہی کی بدولت علماء و صوفیہ معزز و محترم تھے اور انہی (بادشاہوں) کی تائید سے شریعت کے احکام کو جاری کرنے میں کوشش کرتے تھے"۔[۱]

حضرت مجددؒ ایک مکتوب میں خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ انہی دنوں میں دار الحرب کے کفار نے نگر کوٹ کے گرد و نواح میں مسلمانوں اور مسلمانوں کے شہروں پر کیا کیا ظلم و ستم کئے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو خوار کرے، اس قسم کے بدبودار پھول زمانہ کے آخر ہونے کے باعث بہت کھلیں گے"۔[۲]

حکومت کی بے راہ روی، ہندو نوازی، ضالین پروری کی وجہ سے اسلام اور فرزندانِ اسلام پر اُس وقت جو کچھ گذر رہی تھی اور ہندوستان کی زمین اس وسعت کے باوجود جس قدر تنگ کر دی گئی تھی اس کا کافی اندازہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے انہی اجمالی بیانات سے ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ جیسے "ثقہ" و "حجت" کی ان کھُلی کھُلی شہادتوں کے بعد بھی ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات میں کوئی شک کر سکتا ہے، سچ پوچھئے تو ملا عبد القادر نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ نے لکھا ہے، فرق صرف تفصیل و اجمال کا ہے اور خود ابو الفضل نے بھی آئینِ اکبری میں اکبری عقائد و نظریات کو فرمودند کے عنوان سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[۳]

کیا اکبر بادشاہ نے نیا دین جاری کیا؟

یہ مسئلہ تاریخ دانوں میں آج تک متنازعہ فیہ چلا آ رہا ہے کہ آیا اکبر نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی تھی یا اس کا ایجاد کردہ دینِ الٰہی صرف ایک طریقہ اور مسلک (ملہ؟) تھا، ہمارے آزاد خیال مؤرخین جو مستشرقینِ یورپ سے متاثر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اکبر نے کسی نئے دین کی بنیاد نہیں ڈالی اور نہ ہی نبوت و امامت کا دعویٰ کیا بلکہ بدایونی جیسے تنگ نظر ملاؤں نے اکبر کو

[۱] دفتر دوم مکتوب ۹۲ [۲] ایضاً مکتوب ۶۸ - [۳] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر

ہدفِ ملامت بنانے کی نیت سے یہ ایک شوشہ چھوڑ دیا ہے اور یار لوگ اُسے لے اڑے، لیکن مذکورہ بالا اقتباسات اور دیگر تاریخی مواد کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں ہوتا کہ اکبر کا ایجاد کردہ دینِ الٰہی محض ایک مسلک وروش (cult) نہیں بلکہ باقاعدہ ایک مذہب تھا۔ ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر کے عہد میں اس بات کا پروپیگنڈا بڑے زور شور سے کیا گیا کہ دینِ اسلام کی میعاد ایک ہزار سال تک ہے اور اس کے بعد ایک نئے دین کی ضرورت ہوگی ۔ محققین نے اسے عقیدۂ الفی کا نام بھی دیا ہے اس عقیدہ کی نشر واشاعت کی غرض سے ہزار سالہ جشن پر نئے سکے ڈھالے گئے جن پر سنِ الف مضروب تھا، اکبر کے حکم سے تاریخِ الفی بھی لکھی گئی جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اسلام کی تاریخ اب مکمل ہو چکی ہے اور اب نئے ظہور کے ساتھ نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ ملا شیرازی، شریف آملی وغیرہ نے اکبر کو اس بات کا یقین دلایا کہ سنہ ۹۹۰ھ میں مہدی کا ظہور ہوگا اور وہ اکبر بادشاہ ہی ہے شیعی علماء نے بھی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے اس وقت کو ظہورِ مہدی کا وقت ثابت کیا، ان کی دیکھا دیکھی برہمن بھی اس کی تائید میں کرم خوردہ پوتھیاں نکال کر لائے اور اکبر کے متعلق پیشین گوئی دکھائی کہ ہندوستان میں ایک عظیم بادشاہ پیدا ہوگا جو برہمنوں کا احترام اور گائے کی حفاظت کرے گا اور دنیا میں عدل کے ساتھ حکومت کرے گا، اور باور کراتے تھے کہ اکبر رام اور کرشن کا اوتار ہے، ابراہیم سرہندی بھی ایک پرانا کرم خوردہ مخطوطہ اٹھا لایا جس میں ابنِ عربی قدس سرہ کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا تھا کہ صاحبِ زماں بہت عورتیں رکھے گا اور ڈاڑھی منڈا ہوگا۔ اکبر کے مصاحب اس کو صاحبِ زماں کہہ کر مخاطب کرتے تھے، شیعہ سُنی دونوں کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام دنیا میں خلافتِ الٰہیہ قائم کریں گے اکبر نے جو کلمہ رائج کیا تھا وہ یوں تھا "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ابو الفضل بھی اکبر کو "خلیفۃ اللہ" اور "ہادی علی الاطلاق" اور "مہدی باستحقاق" لکھتا ہے (ملاحظہ ہو دیباچہ مہابھارت وغیرہ) محضر نامہ تیار ہوا جس کی رو سے اکبر کو اعدل واعقل واعلم تسلیم کرا لیا گیا، ہوتے ہوتے وہ عملاً نبوت کا مدعی ہو گیا یعنی اکبر نے ایک پیغمبر کی تمام تر ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں لیکن احتیاط کے طور پر وہ خود کو نبی نہیں کہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نبوت کا دعویٰ ملک میں اس کے خلاف ایک شورش بپا کر دے گا اور غیر ممالک میں بھی اس کی رسوائی ہوگی اس لئے

اس نے باقاعدہ دعویٰ تو نہیں کیا لیکن وہ کام نبیوں اور اوتاروں جیسے ہی کرتا رہا۔ ایک دفعہ جب اکبر پنجاب میں نندنہ کے نواح میں شکار میں مصروف تھا تو ایک درخت کے نیچے اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اس نے فوراً شکار سے ہاتھ کھینچ لیا اپنا سر منڈوایا غرباء و مساکین میں نقد و جنس تقسیم کئے اور اس مقام پر عمارت بنانے اور اس کے گرد ایک باغ لگانے کا حکم دیا۔ مولانا مناظر احسن مرحوم کا یہ خیال ہے کہ اکبر نے مہاتما بدھ کے ایک درخت کے نیچے گیان حاصل ہونے کے واقعہ کی نقالی کی تھی۔ اکبر نے نئے نئے قوانین بنائے جو شریعت اسلامیہ سے ٹکراتے تھے اپنے ظہور کا نیا سن (سنِ الٰہی) سرکاری طور پر رائج کیا، شعائر اسلام کا مذاق اُڑاتا تھا، اس کی جدید شریعت میں گائے کا درشن، سورج آگ اور چراغ کی تعظیم، قشقہ لگانا، زنار پہننا، الٰہی پرستش کہلاتا تھا۔ جب اس کی عبادات اسلامی عبادات سے مختلف تھیں تو ظاہر ہے کہ اس کا دین بھی اسلام سے الگ دین تھا، شادی بیاہ کا طریقہ بھی الگ قائم کیا جس میں دولہا دولہن کو آگ کے گرد پھیرے دیئے جاتے تھے، قتلِ مرتد و تقلیدِ ائمہ کی مخالفت کی، اس زمانہ کے لوگ ابوالفضل کو مجتہدِ دین و مذہب نَو کہتے تھے، شیخ مبارک کی تاریخ وفات اس وقت کے کسی منچلے نے "شریعتِ جدید" سے نکالی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکبر کے ہمعصر دینِ الٰہی کو مذہب نَو اور شریعت جدید سمجھتے تھے جب اکبر کا دینِ الٰہی یا مذہب تھا تو پھر اس دین کا بانی بھی ایک نیا پیغمبر ہوا، اکبر خود کو "روحانی پزشک" کہلاتا تھا اور اس نے ایک "آئینِ رہنمونی" بھی بنایا ہوا تھا اسی آئین کے تحت وہ لوگوں کو مرید کر لیا کرتا تھا اس لئے اس کے مرید الٰہیان کہلاتے تھے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں آئینِ اکبری و منتخب التواریخ)۔ علومِ اسلامیہ کی تدریس پر پابندی لگادی تھی، دینِ الٰہی کے اقرار نامے کی تحریر سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی قبول کرنے سے پہلے دینِ اسلام ترک کرنا ضروری تھا، اکبر ایسا اَن پڑھ نہیں تھا جیسا کہ اسے ظاہر کیا گیا ہے چونکہ اکثر نبی اُمّی ہوتے ہیں اس لئے اکبر کو بھی اُمّی ظاہر کر کے نئے دین کی بنیاد رکھوائی گئی، ابوالفضل دینِ الٰہی کو نَو آئینِ الٰہی کہتا ہے

(ملاحظہ ہو آئینِ اکبری جلد ۳ ص ۲۹۲)

دینِ الٰہی کا ردِّ عمل "صلح کل" بادشاہ کے عہد میں کفار کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ مسلمانوں کی زندگی اجیرن بن گئی تھی، ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالیاں اس نوبت تک پہنچ چکی تھیں کہ ان کے چھوٹے بڑے سب بگڑ چکے تھے، آوے کا آوا بگڑ چکا تھا اور اس آوے کا کوئی برتن سالم نہیں رہا تھا اور تن کا کوئی حصہ داغ سے خالی نہیں تھا، اس صنم کدۂ ہند کے عام جاہل مسلمان کافروں کے دیوتاؤں کی دہائی دیتے تھے ان کے آگے صحت و تندرستی کے لئے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے تھے ان کی عورتیں ہندوؤں کی دیوی دیویوں کی پوجا کرتی تھیں سیتلا مائی کی منت مانتی تھیں، اللہ کے باغیوں رسول کے دشمنوں کے تہواروں کو اپنی اسلامی عیدوں کی طرح منایا جاتا تھا، مسلمان خواتین بیبیوں اور دیویوں کے نام سے روزے رکھتی تھیں قبروں پر بکرے چڑھائے جاتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ عامیوں اور جاہلوں کا حال تھا اور جو دین کی پابندی کے مدعی تھے وہ اپنے آپ کو اس امر کا مختار ٹھہراتے تھے کہ فرض کو نفل اور نفل کو فرض کا درجہ عطا کریں، رہے مشائخ و علماءِ سُوء ان کے نزدیک شریعت اس مغز کا چھلکا تھی جو ان کے دماغ کے "بھیجے" کے بخارات سے تیار ہوا تھا، جس قانون کی پابندی رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری سانس تک کی تھی اس کی پابندی ان کے لئے غیر ضروری تھی، جمال کی تلاش میں شیطان نے جس جال میں ان کو پھانسا تھا یہی گندہ وبال ان مشائخ سوء کا انتہائی وصال تھا اور علماءِ سوء نے تو اپنے "علمی و دینی" کاروبار سے شیطان کے لئے فراغت و تعطیل (Holiday) کا موقع بہم پہنچایا تھا۔ اس زمانہ میں بھی پڑھے لکھوں اور تعلیم یافتوں کی ایک جماعت تھی جو خواندہ و اہلِ کتاب ہونے کے باوجود "علماء" کے لفظ سے موسوم نہ تھی، ان کے علم و فضل اور فکر و غور نے ان میں بھی وہی چیز پیدا کر دی تھی جس کی بنیاد پر وہ اپنی "آوارہ دماغی" کی تعبیر "آزاد خیالی" سے کیا کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان کے مسلک کی تعبیر ایک مفصل بیان میں فرمائی ہے جس کا خلاصہ ان الفاظ میں درج فرمایا ہے: "جو شخص احکامِ شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق بنائے اور عقلی دلائل کے برابر کرے وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اس کے ساتھ کلام کرنا بے وقوفی ہے" (دفتر اول مکتوب ۳ (۲)) [1]

غرضکہ حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے تھے کہ جو چند اہلِ دل ہستیاں باقی تھیں وہ بھی

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۳۰، ۱۳۱ ملخصاً و تصرفاً۔

حیران و پریشان اور دم بخود تھیں، ان حالات کا ردِ عمل یہ ہوا کہ شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ کے فرزند شیخ بدرالدین رحمۃ اللہ مکۂ مکرمہ چلے گئے اور اپنی بقیہ عمر وہیں گذار دی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ جب حدیث کی سند لینے کے لئے حجاز گئے تو ہندوستان واپس آنے کا ارادہ فسخ کر دیا، ان کے استاد و پیر شیخ عبدالوہاب متقی کا ہمیشہ دنیا تک ہندوستان کے مسلمانوں پر احسان رہے گا کہ انھوں نے شیخ موصوف کو دہلی جاکر احیائے شریعت کے لئے کام کرنے کا مشورہ دیا ورنہ ہندوستان اس بزرگ کی دینی خدمات سے محروم رہ جاتا۔

ان مایوس کن حالات میں کچھ ایسے باہمت اور باغیرت لوگ بھی تھے جو احیائے شریعت کی خاطر سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکلے، جونپور کے قاضی ملا محمد یزدی نے فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے اس لئے اس کے خلاف تلوار اٹھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ قاضی بنگال میر یعقوب اور قاضی لالن برنی نے بھی اس فتویٰ کی تائید کی، پنجاب کے اکثر و بیشتر علما نے ملا محمد یزدی کی جرأت کی داد دیتے ہوئے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیدیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال، بہار اور اضلاع پورب میں اکبر کے خلاف بغاوت ہو گئی اور محمد معصوم کابلی و محمد معصوم خاں فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خاں، عرب بہادر اور دوسرے امرا تلواریں کھینچ کر اکبر کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئے، اکثر مقامات پر انھوں نے بڑی سخت لڑائیاں لڑیں۔ باغی امرا کی قیادت باباخاں جباری اور وزیر جمیل نے کی اور کافی مدت تک وہ اکبر کے لئے دردِ سر بنے رہے، فریقین میں گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں لیکن بدقسمتی سے باباخاں عین معرکہ کارزار میں کام آیا۔ امیر میر نامی ایک سردار جو اپنی فوج لیکر باغیوں کی مدد کو آرہا تھا شاہی فوج کے ہاتھ لگا اکبر نے اس کا سر قلم کرا دیا۔ حسین بیگ چترا دقلی بھی اکبر کے خلاف لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا۔ باغی امرا کا زور ٹوٹتے ہی علمار کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی، قاضی بنگال میر یعقوب بھی گرفتار ہوئے اور اکبر نے ان کے دست و پا بندھوا کر دریائے جمنا میں پھنکوا دیا۔ قاضی برنی کو اکبر کے حکم سے ذبح کیا گیا، میر معز الملک اور قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کرا دیا، لاہور کے اکثر علمار کو اکبر نے مروا ڈالا اور بقیۃ السلف میں سے قاضی صدرالدین لاہوری، ملا عبدالشکور، ملا محمد معصوم اور شیخ منور کو دور دراز علاقوں میں جلا وطن کر دیا، شیخ سلطان تھانیسری (حضرت مجددؒ کے خسر) کو کسی بہانے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

اگرچہ اکبر اس بغاوت کو دبانے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس کی وفات کے بعد راسخ العقیدہ مسلمان اپنے مشن میں کامیاب ہوگئے، اکبر کی زندگی میں اس کے حواریوں میں سے راجہ ٹوڈرمل بھگوان داس راجہ بیربل، شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل، شاہ فتح اللہ شیرازی وغیرہ ایک ایک کر کے راہی ملکِ عدم ہوگئے اور ان کی جگہ راسخ العقیدہ امراء نے لی، ان میں شیخ فرید بخاری، قلیچ خاں، مرزا عزیز کوکلتاش، میراں صدر جہاں اور عبدالرحیم خان خاناں پیش پیش تھے، ان امراء نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کر لی جسے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ "جرگۂ ممدانِ دولتِ اسلام" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کا اثر زیادہ تر شاہی دربار اور سرکاری حلقوں تک ہی رہا۔

شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی تحریکِ احیائے دین کے روحِ رواں تھے، یہ دونوں بزرگ ان امراء کو بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور ترویجِ شریعت کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے، اپنے اور پرائے سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ ان امراء نے عہد کیا تھا کہ اکبر کی وفات کے بعد اس شہزادے کی حمایت کریں گے جو ملک میں احکامِ شریعت نافذ کرے گا۔ چنانچہ جہانگیر نے ان کے ساتھ اس بات کا عہد کیا اور ان امراء کی کوشش سے جہانگیر کو اس وقت تخت ملا جبکہ خسرو کی جانشینی کے تمام مراحل قریب قریب طے ہوچکے تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے گو اسلام کو سنبھالا مل گیا لیکن اکبر کا لگایا ہوا زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اتنی جلدی مندمل نہیں ہوسکتا تھا اس کے لئے کسی مردِ حق کی ضرورت تھی، آخر

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اور وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذاتِ گرامی تھی جن کی اصلاحی تحریک سے اسلام کو ہندوستان میں صحیح مقام حاصل ہوگیا۔[1]

ایسے موقع پر اکثر پاکانِ عصمت مآب کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی زبانوں پر غریب مسلمانوں کی لعنت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، وہ مسلمانوں کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں کہ گویا یہ خود ان مسلمانوں میں شریک نہیں ہیں، وہ ان کو اسی طرح سراپتے اور بددعا دیتے ہیں کہ گویا اس سراپ اور بددعا کے مستحقوں میں وہ خود شریک نہیں ہیں، یہ شاید ہوشیاروں اور فرزانوں کی باتیں ہیں لیکن وہ جو دیوانہ اور عقل و ہوش سے بیگانہ

---

[1] دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر ص ۲۳۸ تا ۲۴۲ ملخصاً۔

ہوتا ہے وہ سب کچھ دیکھتا اور سب کچھ سنتا ہے لیکن با ایں ہمہ " واویلاہ وامصیباہ واحسرتا واحزنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او ذلیل و خوار و منکران او بعزت و اعتبار" (مکتوب ۴۷ دفتر اول) کے ساتھ چلاتا ہے اور اتنا چلاتا ہے کہ آسمان کو لرزا دیتا ہے زمین کانپ اٹھتی ہے دنیا الٹ جاتی ہے اور جو سوچا نہیں جا سکتا آخر وہ اس پکار کی اجابت و کامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مرتا ہے رحمہ اللہ وطاب ثراہ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سچ ہے ہندوستان میں اس عہد کے مسلمان وہ سب ہو چکے تھے جو ہو سکتے تھے لیکن ایک چیز ان میں پھر بھی باقی تھی کہ انھوں نے اپنے آپ کو ابھی تک محبوب رب العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے نہیں نکالا تھا ان کے اعمال و افعال کے لحاظ سے گو اُن پر مصدقوں کا لفظ صادق نہ آتا ہو لیکن انصاف شرط ہے، واقعی وہ اور ان کے باپ دادا جس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے تھے کیا وہ اس کی رسالت کو اسی طرح جھٹلاتے تھے جس طرح غیر مسلم جھٹلاتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کمزور عمل مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا اس لئے نہیں چاہتے کہ وہ مشرقی ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ ایشیائی ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ عربی یا عجمی ہیں، اس لئے نہیں کہ ان کی کھال کا کوئی خاص رنگ ہے اس لئے نہیں کہ اُن کی کوئی خاص بولی ہے بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھتے ہیں ان کی اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کو محبوب رب العالمین کہتے ہیں، انھوں نے مسلمانوں کا جب کبھی بگاڑا اور جہاں کہیں بگاڑا حتی کہ اس وقت بھی جو بگاڑ رہے ہیں یہی کہہ کر بگاڑ رہے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب اب تم سے کیا کہتا ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کا دل دیوانہ سرمست بادۂ الست محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی منسوب اس غریب و بیکس امت کی خواری و ذلت کے نظارہ کی تاب نہ لا سکا اور اس کٹھن گھڑی میں جبکہ دوستوں نے بھی دشمنی کے لئے کمر باندھ لی تھی اور اللہ کی فوج شیطان کی صف میں شریک ہو کر ایمان و اسلام کی دھجیوں پر دھاوا بول رہی تھی، حضرت مجدد قدس سرہ کے دل میں ٹیس پیدا ہوئی وہ اس دکھ اور کوفت سے بے چین ہو کر پکارتے ہیں ؎

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیماں گم شدے ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

اور اس ٹوک سے تلملا کر کہتے ہیں ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے جو کام بعد میں سرانجام پایا وہ کسی غیر مرتب مذہبی جوش و خروش کا ایک غیر شعوری نتیجہ تھا، سچ ہے کہ کسی کی نظرِ انتخاب یقیناً حضرت مجدد قدس سرہٗ کے قلبِ مبارک کو ازل ہی میں تاک چکی تھی اور جو ایسا ہوتا ہے ارجمندی و اقبال کا ستارہ اس کی پیشانی کو اسی وقت چوم لیتا ہے جس وقت وہ اس خاکدان میں قدم رکھتا ہے، آئندہ کے نیک سالوں کا پتہ اس کی زندگی کی ابتدائی بہاروں سے چلنے لگتا ہے لیکن اس اویسی پر جب روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے "راز" فاش کیا تو اس کے بعد یقیناً اس کا جو قدم بھی اس راہ میں اٹھا سوچ سمجھ کر اٹھا، دماغ نے ایک لائحہ عمل مرتب کیا اور دل نے اس "لائحہ" کو ہاتھ میں لیکر "دل افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا" کہتے ہوئے جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو لیکر ایک دفعہ ان موج افزا طوفانوں اور بے پایاں سمندروں میں دھکیل دیا۔ بہرحال حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سامنے ایک "مستقل طے شدہ منصوبہ" تھا جس کا ثبوت آپ کی تحریروں سے ملتا ہے[1] (اس کی کچھ تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں)

یہ ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی دعوت و تجدید کا پس منظر اور آپ کے محیر العقول کارناموں آہنیں عزم و ارادے کی تفصیل کے لئے تمہید، اکبری فتنہ جس کا دوسرا نام الف ثانی کا فتنہ ہے عوام تو عوام خواص بھی چند مشہور باتوں کے سوا اس سے واقف نہیں ہیں یا اُن کو ناواقف رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ضرورت تھی کہ اس پہلو کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے کیونکہ روشنی کو وہی پہچان سکتا ہے جس نے اندھیرے کو دیکھا ہو اور مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں کو وہی سمجھ سکتا اور ان کی قدر کر سکتا ہے جو اس دعوت کے پس منظر سے اچھی طرح واقف اور اس دور کے حالات سے کماحقہ' باخبر ہو، خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ملخص ہونے کے باوجود اس موضوع پر ایک سیر حاصل مضمون تحریر ہو گیا ہے اگرچہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہے جو واقع ہوا تھا اور جس کا مواد تاریخ کے منتشر اوراق میں بکھرا ہوا ہے۔

الف ثانی کا آغاز امت کے حق میں اگلے اور پچھلے فتنوں کا فتح باب تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی ایک یہ کہ میری امت کی عمر پانچسو سال ہے یا

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ج ۱ ص ۱۲۸ تا ۱۳۶ و ۹۳ ملخصاً و تصرفاً و تغیراً۔

پانچویں سے کم ہے، دوسرے یہ کہ امت کی عمر ہزار سال ہے جیسا کہ ذخیرۂ روایات میں دونوں حدیثیں موجود ہیں، پانچ صدی گذرنے پر فتنۂ تاتار کا ظہور ہوا جس نے حقیقتاً امت کی تیریت ہی نہیں بلکہ سرے سے امت ہی کو ختم کر دیا تھا، گویا عالم سے مسلمانوں کا اور ان کی شوکت و قوت کا استیصال ہو چکا تھا مگر حافظ حقیقی نے انجام کار خود تاتاریوں ہی کے قلوب کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا جنھوں نے خلافت عثمانیہ (ترکی) کی بنیاد رکھ کر اسلام کی وکالت شروع کر دی، پھر الف اول کے اختتام اور الف ثانی کے آغاز ہی سے اسلامی ملت کے خلاف غیر مسلم اقوام کی منظم ریشہ دوانیاں شروع ہوتی ہیں، ادھر تو اغیار نے تخریب امت کا عزم مصمم کیا اور ادھر خود امت میں دینی بے پروائی اور قلت دیانت نے نفوذ کرنا شروع کر دیا، بدعات و منکرات نے عزائم دین کی صورت اختیار کر لی اور رسوم شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اندر ہی اندر پرورش پاکر اسلام کے اصلی رنگ و روپ کو متغیر کر دیا اس لئے گیارہویں صدی گویا امت کے لئے اندرونی اور بیرونی مذہبی اور سیاسی فتن و آفات کا ایک پیش خیمہ تھی اور گویا کوئی ظاہری و باطنی مرض ایسا نہیں تھا جس کی تخم ریزی امت کے قلوب میں نہ ہو چکی ہو اس لئے اس صدی کے مجدد کے متعلق ان صد انواع فتن کو دیکھ کر خود ہی رائے قائم کر لینی چاہیے کہ اس کی روحانیت کس قدر بلند پایہ اور اس کا طرز تسلیم و تلقین کس درجہ مؤثر اور ہمہ گیر ہوگا جو ان فتن میں امت کے ایمانوں کی نگہبانی کر سکے اور ان ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں میں کشتی اسلام کو کھینچتا ہوا کنارہ آ لگائے۔

تو الف ثانی کے مجدد حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ہیں جن کے علوم و معارف نے ابنائے کفر و ضلال میں تہلکہ مچا دیا اور جن کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک سینوں کو منور کر دیا کتنے ہی تلون پذیر قلوب کو تسکین و استقامت پر جما دیا، کتنے ہی وہ علوم و معارف جو بارگاہ نبوت سے جاری ہوئے تھے لیکن راستہ کی ناہمواریوں نے انھیں راستہ میں روک دیا تھا حضرت موصوف کی بدولت منصۂ شہود پر آ گئے اور علوم نبوت کے کتنے ہی بند شدہ دروازے از سر نو کھل گئے، پھر اس زمانہ کا سب سے گہرا اور بنیادی مرض ابتداع اور بدعت پسندی تھا جس نے عمل و اعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا اسی لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تعلیمات میں بھی غالب رنگ اتباع سنت اور رد بدعت ہے آپ کے مناقب کے لئے دو جملے ہی کفایت کرتے ہیں، ایک یہ کہ آپ مجدد ہیں جس کی حقیقت ظلیت نبوت ہے دوسرے یہ کہ آپ الف ثانی کے مجدد ہیں جو بنص حدیث شیوع فتن کے لحاظ سے خطرناک صدی تھی اور جس کا طبعی مقتضیٰ یہ تھا کہ اس سرے پر کوئی معمولی مجدد نہیں بلکہ ایک رئیس المجددین فرد بھیجا جائے جو ایسے عظیم مہالک و فتن کی مدافعت کر سکے۔ پس جبکہ نص حدیث میں شرور و آفات کی برسات کی خبر دی گئی ہے تو اس صدی کے مجدد کی روحانی قوتوں علمی برکتوں اور عملی ہمتوں کی مسلسل موسلا دھار بارش کا اندازہ کر لینا چاہیے جس نے فتنوں کی کیچڑ اور گندگی کو دھو کر امت کے جسم کو صاف کر دیا تھا اور عرب و عجم میں اپنی برکات کی تر و تازگی پھیلا دی تھی"[1]

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ۳۱۳ تا ۳۱۸ ملخصاً۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

کی

مجددیت

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے چونکہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کو "الف ثانی" کی مجددیت کی خلعت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا تھا اور حضرت موصوف کے تجدیدی کارناموں سے متاثر ہو کر خواص و عوام نے بھی آپ کو "مجدد الف ثانیؒ" کے لقب سے ملقب فرمایا اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی "دعوت و تجدید کا پس منظر" بیان کرنے کے بعد اور آپ کے "تجدیدی کارنامے" بیان کرنے سے پہلے مجدد کی ضرورت و حیثیت اور شخصیت وغیرہ کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔

ضرورت مجدد: مجدد کی ضرورت کو اس بات سے سمجھ لینا چاہیے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اور ان کو اپنے قرب و رضا اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا اور انسانی دنیا کے آغاز سے لیکر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطۂ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انھیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی۔ اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ اب سے تقریباً چودہ سو سال قبل حکمتِ الٰہی نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دنیا کو عطا فرما دیا جائے جو سب قوموں کے حسب حال ہو اور جس میں آئندہ کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو، اور ایک ایسے نبی و رسول کے ذریعہ اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب ملکوں اور سب قوموں کا نبی ہو اور پھر اسی نبی پر نبوت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔

حکمتِ خداوندی نے اس فیصلہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

خاتم النبیین بنا کر مکمل ہدایت اور مکمل دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ بھیجی ہوئی مقدس کتاب قرآن مجید میں ختمِ نبوت اور تکمیلِ دین کا اعلان بھی فرما دیا۔ لیکن حکمتِ خداوندی کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ دوسرے عام نبیوں کی طرح خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عمرِ طبعی دی جائیگی، چنانچہ بعثت کے تیئس ۲۳ سال بعد تریسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے پردہ فرما گئے۔ آپ کے بعد قیامت تک کے لئے آپ کے لائے ہوئے اس دینِ متین کی حفاظت کا ذمہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے لے کر اس کا ایک ظاہری انتظام یہ فرمایا کہ اس امت کے علمائے کرام کو انبیائے عظام کا تبلیغی مشن سپرد فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے ان کو یہ بشارت دی گئی کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔ چنانچہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنھوں نے دین کے تعلّم و تعلیم اور حفاظت و خدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ قدرتی طور پر یہ بات بھی ناگزیر تھی کہ جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی آسمانی تعلیم و ہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں اور عقائد و اعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت و تعلیم میں بھی تحریف و تبدیل کی کوششیں ہوں گی اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لئے حقائقِ دینیہ کی غلط تاویلیں کریں گے اور سادہ لوح عوام ان کے دجل و تلبیس کا شکار ہونگے اور اس طرح یہ امت بھی عقائد و اعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لئے یہ سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دینِ حق کی حفاظت کے لئے ایک خاص انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگانِ خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم و بصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں اور اسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالا جائے اور اس راہ میں ان کو ایسی عزیمت بھی عطا فرمائی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر فتنہ کا مقابلہ کرنے میں سینہ سپر ہو جائیں

اور دینِ حق کے چشمۂ صافی میں الحاد و بدعت کی آمیزش نہ ہونے دیں، اس کی بیخ کنی کے لئے اپنی پوری قوت کے ساتھ جدوجہد کریں، کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس ضرورت کو بھی اپنے ذمہ لے لیا اور حکمتِ الٰہی کے اس فیصلہ کا اعلان خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل و امین اور محافظ ہوں گے، وہ افراط و تفریط کی تحریفات اور اہلِ زیغ و ہوی کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصلی شکل میں (جس میں کہ وہ ابتدا میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا تھا) امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے"۔ اسی کام کا اصطلاحی عنوان "تجدیدِ دین" ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے وہی مجددین ہیں۔[1]

حدیثِ تجدید آں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مجددین کی بعثت اور ان کے ظہور کے متعلق ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ (اخرجہ ابوداؤد فی باب ما یذکر فی قرن المائۃ) یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سرے پر مجدد (ایسے بندے) بھیجتا رہے گا جو اس کیلئے اس کے دین کی تجدید (نیا اور تازہ) کرتے رہیں گے"۔[2]

حدیثِ تجدید کی تخریج اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے (ج ۴ ص ۵۲۲) اور ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور حاکم کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے اور سند و رجال کے بارے میں لکھا ہے وسندہ صحیح ورجالہ کلھم ثقات وکذا صححہ الحاکم (مرقاۃ ج ۱ ص ۳۰۲) اور کنز العمال میں اس حدیث کو روایت کرنے والے محدثین میں امام بیہقی کا اور ان کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کا بھی حوالہ دیا ہے (کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۸) اور حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ نے مجموعۃ الفتاوی میں اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ان کے علاوہ حلیہ ابونعیم اور مسند بزار اور مسند حسن بن

[1] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ملخصاً ص ۱۳ تا ۱۹۔ [2] ایضاً ص ۱۲ و سیرت امام ربانی ص ۳۹۔ المشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثانی

سفیان اور کامل ابنِ عدی کا بھی ذکر کیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۵۱) تخریج کے یہ سارے حوالے حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کے اس مقالہ سے ماخوذ ہیں جو الفرقان کے مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا تھا۔[1] اور ہم نے بھی اس کو مرقات مجموعۃ الفتاوی وغیرہ سے ملا لیا ہے (مؤلف)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس حدیثِ تجدید کے بارے میں مرقاۃ الصعود میں لکھتے ہیں: "اِتَّفَقَ الحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحِہٖ" یعنی حفاظِ حدیث اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔[2]

اب یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ تجدیدِ دین سے کیا مراد ہے؟ دوم یہ کہ مجدد کون ہو سکتا ہے؟ سوم یہ کہ مجدد شروع صدی میں ہی آنا ضروری ہے یا وسط اور آخر میں بھی آسکتا ہے۔ چہارم یہ کہ کیا ایک وقت میں ایک ہی مجدد ہو سکتا ہے یا متعدد بھی ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ان سوالات کے جوابات ذیلی عنوانات کے تحت درج کئے جاتے ہیں۔

تجدیدِ دین سے مراد حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی کتاب مرقات[3] میں اس حدیثِ تجدید کی شرح میں لکھتے ہیں: ای یبین السنۃ من البدعۃ ویکثر العلم ویعز اھلہ ویقمع البدعۃ ویکسر اھلھا (یعنی مجدد کی صفت یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممتاز و نمایاں کردے گا اور علم کو بکثرت شائع کریگا اور اہلِ علم کی عزت کرائے گا اور بدعت کا قلع قمع کرے گا اور اہلِ بدعت کا زور توڑ دیگا)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب لمعات التنقیح عربی ص ۲۹۳ اور اشعۃ اللمعات فارسی ص ۱۸۲ ج ۱ میں اس حدیث کی شرح میں مجدد کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ "وہ تجدید و نصرتِ دین اور ترویج و تقویتِ سنت اور قلع و قمعِ بدعت اور اس کی تصنیف و نشرِ علوم اور اعلائے کلمۂ اسلام کے ساتھ اپنے اہلِ زمانہ میں ممتاز ہو گا۔"

نیز مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی مجموعۃ الفتاوی ص ۱۵۱ پر ہے کہ "مجدد کی علامات و شروط یہ ہیں کہ وہ علومِ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو گا اور اس کی تدریس و تالیف و تذکیر (وعظ و نصیحت) سے عام نفع پہنچے گا اور وہ سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعتوں کے مٹانے میں سرگرم ہو گا۔"

ان تحریرات اور اس حدیث کے دیگر شارحین کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ تجدیدِ دین سے مراد ہے کتاب و سنت کا عمل جو مرورِ زمانہ سے ترک

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۳۔ [2] سیرت امام ربانی ص ۲۰۔ [3] مرقات ۱۲ ص ۳۰۲

ہو کر مٹ چکا ہو اُس کو از سرِ نو زندہ کرنا، لوگوں کے غلو اور افراط و تفریط کو روکنا، جاہل مدعیوں کی تحریفات و تاویلات کی نفی کرنا اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی تراشی ہوئی بدعات سے دین کو بچانا، حق و باطل میں تمیز کرانا اور دین کو اس کی بالکل اصلی شکل میں جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعین کے زمانہ میں تھا مسلمانوں میں رائج کرنا اور اس کی تبلیغ اور اثراتِ صحبت سے کثیر التعداد لوگوں کا اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونا، پس ایسا شخص مجددِ دین کہلاتا ہے اور جو یہ نہ کرے وہ کیسا ہی فاضل، عالم، فقیہ، صاحبِ دل اور صاحبِ مکاشفہ ہو، مجدد نہیں ہو سکتا۔

مجدد کون ہو سکتا ہے چونکہ مذکورہ بالا صفات کا حامل مجددؒ ہوتا ہے لہٰذا مجدد کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہو، امورِ دین میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں، علومِ ظاہرہ و باطنہ میں یکتائے روزگار ہو، حامیِ سنت اور قامعِ بدعت ہو، مجدد کا پتہ اس کی دینی خدمات سے چلتا ہے، اس کے ہمعصر علما قرائن اور ظنِ غالب سے اس کی دینی خدمات اور اس کے علم و فضل کو دیکھ کر اس کے مجدد ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں۔

زمانہ مجدد حدیثِ مذکور کے لفظ "علی رأس کل مائۃ سنۃ" کی تشریح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ای انتھائہ او ابتدائہ اذا قل العلم والسنۃ وکثر الجھل والبدعۃ (یعنی ایک صدی کے آخر یا دوسری کے ابتدا میں جبکہ علم اور سنت کی کمی ہو جائے اور جہل و بدعت کی کثرت ہو جائے) اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں المراد بالرأس اٰخر المائۃ اد قریب من اٰخرھا (یعنی رأس سے مراد صدی کا آخر یا اس کے آخر کا قریبی زمانہ ہے)۔

جن حضرات نے اس حدیث کے لفظ رأس کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لئے بطور شرط کے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع یا آخر میں) جاری ہونا چاہئے انھوں نے صدی سے ہی معروف ہجری صدی مراد لی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی قدس سرہٗ بھی مجموعۃ الفتاوی ص ۱۵ میں فرماتے ہیں "مجدد کے لئے ضروری ہے کہ ایک صدی کا آخر زمانہ اور دوسری صدی کا اول زمانہ اس طرح پر پائے کہ اس سے علوم مشتہر ہوں اور انتفاع عام طور پر شائع ہو جب اگر اس نے آخرِ صدی کو نہ پایا یا اُس سے اس زمانہ میں شریعت کو زندہ کرنے کا انتفاع حاصل نہ ہوا تو

وہ شخص مجددین سے خارج ہوگا اور اس حدیث کے مفہوم میں داخل نہیں ہوگا"——— لیکن بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ اس سے معروف ہجری صدی مراد نہیں ہے اس لئے کہ سنہ ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے قائم ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور یہ اصطلاح اس وقت وضع ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس حدیث کے لفظ مِائَۃِ سَنَۃٍ سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مطلب کُلُّ قَرْنٍ ہوگا اور حدیث میں رأس کی قید کو اتفاقی کہنا پڑے گا بلفظ دیگر اس کو مقحم ماننا پڑے گا جیسا کہ عربی میں علیٰ رؤس الاشہاد میں رؤس کا لفظ مقحم ہے اور فارسی یا اردو میں بر سرِ منبر و بر سرِ مجلس وغیرہ میں سر کا لفظ مقحم ہے۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امت مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اس امت کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے بندے ہر دور میں برابر پیدا ہوتے رہے ہیں اور دین کی تجدید کا یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے اور ہماری دینی تاریخ ہی اس کی بھی شاہد و مصدق ہے کہ تجدید کا یہ کام کبھی اور کسی ملک میں ہجری صدی کی ابتدا میں ہوا ہے کبھی اور کہیں وسط میں اور کبھی اور کہیں اواخر میں۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے حجج الکرامہ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ "رأس مائۃ" سے مراد خاص صدی کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں مجدد بھیجے گا خواہ شروع میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں' اور رأس کی قید اتفاقی ہے اور غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ رہے گی اور ہر صدی کے اوائل اور اواسط اور اواخر میں مجددین کا ہونا اس احتمال کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔"[1] لیکن اکثر محققین کے نزدیک تو یہی پہلا قول یعنی مجدد کا صدی کے سرے پر ہونا ہی معتبر ہے جیسا کہ آگے مزید بیان آئے گا (مرتب)

تعدد مجدد | بعض لوگوں کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مجددین کے بارے میں ان کا تصور کچھ ایسا ہے کہ گویا وہ نبوت سے چھوٹے درجہ کا کوئی خاص منصب ہے اور ہر صدی میں اللہ تعالیٰ کسی ایک خاص بندے ہی کو اس منصب پر فائز کرتا ہے اور اس صدی کے مسلمانوں کی فلاح و سعادت اور دینی و روحانی کمالات کا حصول اس پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ اپنی

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۹　بحوالہ حجج الکرامہ ص ۱۳۴

صدی کے اس مجدد کو پہچانیں اور اس کا اتباع کریں۔ لیکن مجددیت کے اس تصور کی کتاب و سنت میں کوئی اصل و بنیاد نہیں مل سکی، مجددیت کے متعلق جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے اس میں جو مَنْ کا لفظ ہے وہ جس طرح واحد اور فرد کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جمع اور جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، شارحینِ حدیث علامہ سیوطیؒ و ملا علی قاریؒ وغیرہما نے اس کی تصریح کی ہے لہذا یہ قطعی طور پر لازمی نہیں کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہو بلکہ ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں، بہر حال ہر صدی میں ایک مجدد کا وجود ضروری ہے[۱]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ من یجدد لھا دینھا کی تشریح میں لکھتے ہیں: "علماء نے اس لفظ مَنْ کی تاویل میں مختلف طریقے پر کلام کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے مذہب کے عالم کی طرف اشارہ کیا ہے اور حدیث کو اس پر محمول کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو عموم پر محمول کیا جائے کیونکہ لفظ مَنْ واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کو فقہاء کے لئے بھی مخصوص نہیں کرنا چاہئے اگرچہ فقہائے کرام سے امت کو بہت نفع پہنچا ہے لیکن اولوالامر و محدثین و قراء و واعظین اور زاہدین سے بھی امت کو بہت نفع پہنچا ہے، چنانچہ دین اور قوانینِ سیاست کی حفاظت اور عدل و انصاف کا پھیلانا اولوالامر کا کام ہے اور اسی طرح قراء و محدثین قرآن اور احادیث کا ضبط کرتے ہیں جو کہ شرع کے اصول اور دلائل ہیں اور واعظین اپنے مواعظ سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور تقویٰ کی ترغیب دیتے ہیں . . . الیٰ قولہ اور میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ من یجدد سے مراد صرف ایک شخص نہیں ہے بلکہ ایک جماعت مراد ہے ان میں سے ہر ایک کسی ایک ملک میں علوم شرعیہ کے کسی ایک فن یا کئی فنوں میں جس قدر ہو سکے گا تقریر یا تحریر کے ذریعہ دین کی تجدید کرے گا اور اس کی بقا کا باعث ہوگا اور اس کے ذریعہ سے دین مٹ جانے اور ختم ہو جانے سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ امرِ الٰہی آجائے۔" (مرقات ج ۱ ص ۳۰۲)

اسی قسم کا مفہوم شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے بھی اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ "اکثر لوگوں نے اس حدیث سے ایسا سمجھا ہے کہ علمائے امت میں ایک شخص ہوگا جو کہ اپنے زمانہ میں دین کی تجدید و نصرت وغیرہ امور میں ممتاز ہوگا حتیٰ کہ انہوں نے متعین کیا ہے کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں صدی کے مجدد ہوئے ہیں لیکن صاحبِ جامع الاصول وغیرہ نے اس کو عموم پر حمل کیا ہے، خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک جماعت کیونکہ کلمہ مَنْ واحد اور جمع دونوں پر

[۱] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۱۰ وغیرہ

واقع ہوتا ہے اور علما و فقہا ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ بادشاہوں، حاکموں، قاریوں، محدثین، زاہدین، عابدین، علمائے نحو، ارباب سیر و تواریخ، اغنیا و اسخیا جو کہ اپنے مال و متاع کو علما و صلحا و مصارف خیر پر صرف کرتے ہیں اور دین کی ترویج و تقویت کا باعث ہوتے ہیں اور تمام وہ گروہ جن کے وجود سے دین میں قوت و کمال و رواج پیدا ہوتا ہے ان سب کو شامل ہے ۱۵۱ اور اگر ملکوں اور شہروں کے عموم کا بھی اعتبار کریں اس طرح پر کہ وہاں ایک زمانہ میں ایک شخص یا جماعت اس شان کی ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے[1] مجمع بحار الانوار ص ۱۷۷ ج ۱ اور مجموعۃ الفتاوی ص ۱۵۳ ج ۴ میں بھی اسی قسم کی عبارت درج ہے۔

دراصل اس ارشاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد امت کو یہ اطمینان دلاتا ہے کہ اس دین میں کبھی تحریف نہیں کی جاسکے گی اور نہ ہی زیادہ زمانہ گذرنے سے بوسیدہ ہوگا اور نہ زمانے کے انقلابات اس کی حقیقت کو بدل سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی بقا و حفاظت اور تجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور اور ہر قرن میں ایسے بندے پیدا ہوتے رہیں گے جو دین سے اس گرد و غبار کو جھاڑتے رہیں گے جو زمانے کی ہواؤں سے اس پر پڑے گا اور اس کی کہنگی سے بچانے کے لئے اپنی جدوجہد سے اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیثِ تجدید کی وضاحت و تشریح میں اُس حدیث کو پیش فرماتے ہیں جو کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ "میرے لائے ہوئے اس علم یعنی دین کی امانت کو ہر زمانے کے اچھے اور نیک بندے سنبھالیں گے اور اس کی خدمت و حفاظت کا حق ادا کریں گے وہ غلو کرنے والوں کی تحریف اور کھوٹے سکے چلانے والوں کی ملمع کاریوں اور جاہلوں کی فاسد تاویلوں سے اس دین کی حفاظت کریں گے۔"

ان سب امور کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت ہی میں سے ایسے بندے ہر دور میں پیدا کرتا رہے گا جو اللہ و رسول کی اس امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرتے رہیں گے اور اس دین کی حقیقت تحریفوں اور تاویلوں کے پردوں میں کبھی اس طرح گم نہ ہوسکے گی جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی ہدایتیں دنیا سے گم ہوگئیں۔

اس توضیح سے معلوم ہوگیا کہ امت میں مجددین کی تعداد صرف تیرہ (۱۳)، چودہ (۱۴) ہی نہیں ہوگی بلکہ اللہ کے ہزاروں وہ بندے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی خدمتیں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں

[1] اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۸۲ و لمعات ج ۱ ص ۲۹۳

ہیں لی ہیں سب ہی اس کارِ تجدید میں حصہ دار ہوں گے اور سب ہی کا مجددین میں شمار ہوگا، اس طرح وہ اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے جو مجددین کے تعین میں امت کے مختلف گروہوں اور حلقوں میں پایا جاتا ہے کہ ہر حلقہ اپنے ہی کسی بزرگ کے مجدد ہونے پر اصرار اور دوسروں سے تکرار کرتا ہے۔

مختلف صدیوں میں جس قدر مجدد گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں، کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے کوئی فقہ شافعی کا، کوئی علمِ کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان (تصوف) کا ۔۔۔ اس کے باوجود ایسا بیشک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے میں اپنے کسی بندے سے کوئی بہت بڑا تجدیدی کام لیا ہے اور اس کے ذریعہ دین کے بہت سے شعبوں کی تجدید کرائی ہے اور کبھی کسی سے اس سے کم درجے کا اور دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدیدی کام لیا ہے اور یہ فرق ایسا ہے جیسا کہ نبیوں اور رسولوں کے کاموں اور ان کے درجات میں بھی رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ چنانچہ اس امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لی ہیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے اور اسی طرح اس اخیر دور میں جس کا آغاز ہزارۂ دوم (الف ثانی) کے آغاز سے ہوتا ہے امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

فائدہ | مجمع بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۱۷۲ پر پانچویں صدی کے ختم تک کے مجددین کے جو نام درج ہیں وہ یہ ہیں: (۱) پہلی صدی کے ختم پر خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز الاموی رضی اللہ عنہ (۶۰-۱۰۱ھ) اور فقہاء کرامؒ و محدثین عظامؒ جو بکثرت ہیں ۔۔۔۔ (۲) دوسری صدی کے ختم پر، خلیفہ مامون الرشید (متوفی ۲۱۸ھ) و امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) و امام حسن بن زیاد (متوفی ۲۰۴ھ) و اشہب مالکی (متوفی ۲۰۴ھ) و علی بن موسیٰ (متوفی ۲۰۳ھ) و یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) و معروف الکرخی (متوفی ۲۰۰ھ) رضی اللہ عنہم ۔۔۔۔ (۳) تیسری صدی کے ختم پر خلیفہ المقتدر باللہ (متوفی ۳۲۰ھ) و ابو جعفر الطحاوی الحنفی (متوفی ۳۲۱ھ) و ابو جعفر الامامی (متوفی ۔۔۔ھ)

وامام ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) وامام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) رضی اللہ عنہم ——

(۴) چوتھی صدی کے ختم پر خلیفہ القادر باللہ (متوفی ــــ ھ) وابو حامد الاسفرائنی (متوفی ــــ ھ) وابوبکر محمد الخوارزمی الحنفی (متوفی ۳۸۳ھ) ومرتضیٰ اخوالرضا الامامی (متوفی ــــ ھ) ——

(۵) پانچویں صدی کے ختم پر خلیفہ المستظہر باللہ (متوفی ــــ ھ) وامام غزالیؒ (۴۵۰ - ۵۰۵ھ) و قاضی فخر الدین حنفیؒ (متوفی ــــ ھ) وغیرہم۔

(ختم چھٹی صدی سے ختم نویں صدی کے مجددین کے نام علامہ حافظ سیوطی قدس سرہٗ کے قصیدہ سے جامع المجددین کے حوالہ سے یہاں درج کئے جاتے ہیں) —— (۶) چھٹی صدی کے ختم پر امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) وامام رافعیؒ (متوفی ۶۲۳ھ) —— (۷) ساتویں صدی کے ختم پر ابن دقیق العیدؒ (متوفی ۷۰۲ھ) وحافظ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) وغیرہما۔

(۸) آٹھویں صدی کے ختم پر امام بلقینیؒ (متوفی ۸۰۶ھ) وحافظ زین الدین عراقیؒ (متوفی ۸۰۶ھ)

(۹) نویں صدی کے ختم پر امام سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) وامام سخاویؒ (متوفی ــــ ھ) ——

(حافظ سیوطیؒ شافعی المذہب تھے اس لئے انھوں نے زیادہ تر شافعیوں کے نام لکھے ہیں اور نویں صدی میں انھوں نے اپنے متعلق امید ظاہر کی ہے مگر ان کے معاصر امام سخاویؒ بھی اس منصب کے امیدوار ہیں اس لئے دونوں کے نام لکھ دیئے گئے) دسویں صدی میں صاحب خلاصۃ الاثر نے شمس الدین ابن شہاب الدین کا نام لیا ہے جن کو ان کے اہل زمانہ مجدد سمجھتے تھے —— (۱۰) دسویں صدی کے ختم اور گیارہویں صدی کے آغاز میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز ہیں بیرونِ ہند یعنی حجاز میں کچھ ایسے بزرگ گذرے ہیں جن کے فیض سے علوم حدیث کو دنیائے اسلام میں رواج ہوا اور ان کی برکت سے ہندوستان و حجاز یکساں مستفید ہوئے۔ چنانچہ گیارہویں صدی میں ابراہیم بن حسن کردی (سنہ ۱۱۰۱ھ) نزیلِ مدینہ منورہ اور بارہویں صدی میں شیخ صالح بن محمد بن نوح نزیل مدینہ کے نام بعض محدثین نے لئے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن حسن کردی کے صاحبزادہ ابوطاہر بن ابراہیم کردی (سنہ ۱۱۴۵ھ) ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ کے استاد ہیں [۱]

---

[۱] مقدمہ جامع المجددین ص ۲۲ - ۲۳ (ملخصاً) ع صاحب مجمع البحار نے مجددین میں بعض خلفائے عباسیہ کو بھی شمار کیا ہے بہ غالباً ان کے خصوصی کارناموں کی بنا پر ہے اگرچہ ان کے بعض کردار تاریخی حیثیت سے مجددیت کی شان کے شایاں نہ ہوں بہرحال یہ صاحب مجمع البحار کی رائے ہے یا اس نے کہیں سے لیا ہے (مؤلف)

حدیثِ تجدید کی مزید توضیحات

(۱) اصل بات وہی معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے تمام اکابر نے اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی تجدیدی خدمت انجام دی ہے لیکن اگر حدیثِ تجدید کو قبول کیا جائے تو "صدی کے سرے" کی قید و تخصیص کسی تخصیصی مجدد کی بھی ضرور مقتضی ہے۔ واللہ اعلم [1]

تجدید و احیائے دین کے بارے میں جو آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً آیہ مبارکہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران ۴/۱۱) (اور تم میں سے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف لوگوں کو بلایا کرے، اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پوری طرح کامیاب ہوں گے) اور حدیثِ تجدید کے علاوہ دوسری حدیث عن معاویة سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ متفق علیه (المشکوۃ ص۵۸۳ باب ثواب ہذہ الامۃ) (میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر دین اور احکامِ شریعت کے ساتھ قائم رہے گا جو شخص ان کو ذلیل کرنے کی کوشش اور ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور وہ گروہ ہمیشہ اسی کام پر قائم رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) آجائے گی۔) اس حدیث میں امر دین سے مراد کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کا یاد کرنا اور سکھانا اور ان دونوں سے احکام کا استنباط کرنا فی سبیل اللہ جہاد کرنا اور مخلوقِ خدا کو نصیحت کرنا اور تمام فرضِ کفایہ کا ادا کرنا ہے جیسا کہ آیۂ ولتکن منکم امۃ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ روئے زمین صلحا سے کبھی خالی نہیں ہوگی جو کہ اوامر الٰہی پر قائم اور اس کے نواہی سے بچتے رہتے ہیں اور شریعت پر قائم ہیں لوگوں کی مددگاری اور مخالفت ان کے نزدیک برابر ہے، بعضوں نے کہا کہ اس گروہ سے مراد حدیث و علومِ دینیہ کی تعلیم دینے والے اور ترویجِ سنت و تجدیدِ دین کرنے والے ہیں [2]

ان آیات و احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ ہر دور میں علما و صلحا کی ایک جماعت اس دین کی حفاظت کرتی رہے گی اور اس دین کی حقیقت کو تحریفات و فاسد تاویلات کی دست برد سے محفوظ اور بدعات و ایجاداتِ انسانی کی آمیزش سے پاک رکھے گی اس لئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] حاشیہ مقدمہ جامع المجددین ص۲۳۔ [2] مستفاد عن مرقات شرح مشکوۃ و مظاہر حق۔ ۱۲/۴ ص ۴۶۵

پر ختم ہو چکی ہے قیامت تک اب کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا اور اس امت کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کی مانند قرار دیدیا گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف ہے: عُلَمَاءُ أُمَّتِیْ کَأَنْبِیَاءِ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ، اور ہر صدی کے سرے پر ایک شخص یا متعدد حضرات ایسے مخصوص انداز کے ساتھ نمایاں ہوں گے کہ دورانِ صدی میں ان محافظینِ دین کی کوششوں کے باوجود جو تحریفات و بدعات فی الدین عامۃ المسلمین میں رواج پا گئی ہوں گی اور جس قسم کی اعتقادی و عملی خامیوں و کوتاہیوں نے مسلمانوں میں اپنا سکہ جما لیا ہوگا وہ ختمِ صدی پر مبعوث ہونے والی اس مخصوص ہستی یا ہستیوں کی کوششوں اور تبلیغ و تربیت کے اثرات سے دور ہو کر مسلمانوں کی اعتقادی و عملی زندگی میں دینِ اسلام از سرِ نو حیات پذیر ہو جائیگا اور یہی وہ ایک مخصوص شخص یا ایک سے زیادہ مخصوص حضرات ہوں گے جو حدیثِ تجدید کا خصوصی مصداق ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)۔

(۲) ایک اور بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ صدی کے سرے پر مجدد کی پیدائش کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس وقت اس کے تجدیدی مشن کا آغاز ہوتا ہے جس کو حدیث میں بعثت کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیدائش کے چالیس برس بعد مبعوث ہوئے [۱]

(۳) جس طرح قرآن کریم نے انبیاء کرامؑ کے لئے بعثت من اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور فرمایا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الآیہ، دیگر هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الآیہ، دیگر حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یا بَعَثْنَا اِلَيْهِمْ رَسُوْلًا وغیرہ۔ اسی طرح حدیثِ نبویؐ میں بھی مجددوں کے لئے یہی بعثت من اللہ کا کلمہ اختیار کیا ہے، اور فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ الحدیث، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نبی و رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور کوئی نبی محض اپنے ذاتی کسب و کمالات اور شخصی جد و جہد یا کسی اجتماعی و جماعتی تجویز سے نبوت کا درجہ حاصل نہیں کرتا اسی طرح مجدد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور کسی مجدد کو محض اس کی ذاتی جانفشانی و محنت اور شخصی کسب و سعی سے عہدۂ تجدید نہیں ملتا اور نہ ہی کسی جماعت کی تجویز اور مفاہمت سے ہاتھ لگتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نبوت و رسالت کے لئے چن لیتا ہے

---

[۱] حاشیہ مقدمہ جامع المجددین ص ۱۹۔

اور اس خلعت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اور دوسری جگہ فرمایا اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ الآیہ اسی طرح مجدد کو بھی اللہ تعالیٰ ہی منتخب فرما کر مبعوث فرماتا ہے۔ پس ان دونوں منصبوں کا انتخاب من جانب اللہ ہی ہوتا ہے لیکن دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ نبوت اصل اور تجدید اس کا ظل ہے نبی کی ذات منصوص من اللہ اور وحیِ الٰہی کے ذریعہ مشخص ہوتی ہے اور نبی کا کشف والہام قطعی ہے جس کو وحی کہتے ہیں، مجدد کی شخصیت منصوص من اللہ نہیں ہوتی اور اس کا کشف والہام ظنی ہوتا ہے۔ نبی کا منکر خارج از اسلام ہے مجدد کا منکر خارج از صلاح و تقویٰ ہے، بہر صورت مجددیت نبوت کا ایک نہایت روشن اور درخشاں پرتو ہے اس لئے مجدد علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق و ملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے پس جس طرح کسی ذات کو نبی مان لینے سے اس کے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لینے سے اس میں وراثتِ نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور کسی کو مجدد مان لینے اور کہنے کے بعد کسی منقبت کا درجہ باقی نہیں رہتا کہ جس کے ذریعہ مجدد کی تعریف کی جائے اور اگر کی جائے گی تو وہ اسی وصفِ تجدید کی ایک تفصیل ہو گی جس کا متن لفظ مجدد ہو گا[۱]

(۴) اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منصب تجدید منصب نبوت کا پورا پورا ظل اور اس کے قد و قامت کا سایۂ اصلی ہے اس لئے شئونِ تجدید بھی شئونِ نبوت سے بہت کچھ ملتی جلتی ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام جامعِ کمالات ہونے کے باوجود غالب طور پر وہی کمال لے کر آتے ہیں جس کی اس دور کو ضرورت ہوتی ہے، ان کے تمام اصلاحی پروگرام میں اسی اصلاحی نقطہ کا زیادہ غلبہ اور زور ہوتا ہے جو اس زمانے کے مخصوص مفاسد کے مٹانے میں موثر ہو مثلاً جب قومِ عاد تمدن کی گہرائیوں میں پھنس کر اونچی اونچی بلڈنگیں اور عظیم الشان سنگین عمارتیں تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو کر دین اور دیانت کو خیر باد کہہ چکی تھی تو اس قوم میں بھیجے ہوئے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے بھی تقویٰ وغیرہ کے عام اصطلاحی خطاب کے ساتھ خصوصیت سے جو خطاب کیا وہ وہی تھا جو اس تمدنی غلو و افراط کے استیصال کے لئے تھا چنانچہ فرمایا: اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ

---

[۱] مستفاد عن علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۳۰۷ تا ۳۰۹ بتصرف و زیادۃ۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝

(سورۃ الشعراء ع ۷) (کیاتم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار کے طور پر بلا ضرورت عمارت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تیار کرتے ہو جیسا کہ تم کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دار وگیر کرتے ہو تو بالکل جابر اور ظالم بن کر دار وگیر کرتے ہو۔)

اور جب قوم ثمود اپنے اوقات دنیا کی سرسبزیوں، چمن بندی کے نظر فریب مناظر اور پہاڑی محلات کے دلکش نظارے مہیا کرنے میں صرف کر رہی تھی جس سے وہ لوگ خدا اور رسول کے قانون سے بیگانہ محض بن گئے تھے تو اس قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے پروگرام میں غالب حصہ ان ہی امور پر نکتہ چینی اور انہی کی اصلاح کا رکھا اور فرمایا اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ (الشعراء ع ۸) (کیاتم کو دنیا کی ان چیزوں یعنی باغوں، چشموں، کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے خوشے خوب گندھے ہوئے ہیں بے فکری سے رہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا اور کیا پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے اور فخر کرتے ہوئے مکان بناتے رہو گے۔)

قوم لوط میں لواطت اور اغلام کے جرائم پھیلے ہوئے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام نے عام اصلاح کے ساتھ اس مرض کی خصوصی اصلاح فرمائی اور فرمایا اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ (الشعراء ع ۹) (کیا دنیا جہان والوں میں سے تم یہ حرکت کرتے ہو کہ مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو بلکہ دراصل تم حد انسانیت سے نکل جانے والی قوم ہو۔)

علیٰ ہذا القیاس اصحاب الایکہ جن میں ناپ تول کی خیانت کا مرض عام تھا ان کی اصلاح کے لئے اسی کو اپنا غالب پروگرام بنایا۔ اور قوم نوحؑ نے خدائی طاقتیں پتھر کی مورتیوں اور مٹی کے ڈھیروں میں مان رکھی تھیں اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے زیادہ تر حصہ ان ہی باطل معبودوں کی کمزوریوں کے اظہار میں صرف فرمایا——بہرحال قوموں میں جن روحانی مفاسد اور باطنی امراض کا غلبہ رہا ہے اسی قسم کے خصوصی معالجات لیکر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو اسی ذہنیت کے مناسب اعجازی دلائل بھی دکھائے ہیں

چنانچہ قبطیانِ مصر میں سحر و ساحری کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ دیا گیا جس نے اژدہا بن کر ان جادوگروں کے سارے مصنوعی سانپوں کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور علاج کی اعجوبہ سازیوں کا زور شور تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دمِ مسیحائی کا معجزہ عطا ہوا۔ مرضِ جذام جو اس وقت بھی لاعلاج سمجھا جاتا تھا آپ کے دم کرنے سے وہ بھی تندرست ہو جاتا تھا حتیٰ کہ آپ کے دم کرنے سے مردہ بھی زندہ ہو جاتا تھا جو سارے علاجوں کی غایت یعنی صحت سے بھی آگے کی چیز ہے۔ قوم ثمود جو کوہ تراشی میں ماہر تھی گویا پتھروں کو موم کی طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی بہت زیادہ استعداد رکھتی تھی تو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ سے بغیر نر و مادہ کے توسط کے پتھر کو پھوڑ کر ناقۂ ثمود ظاہر ہو گئی۔ ہمارے نبی اکرم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین اور ہمارے نبی کا دین خاتم الادیان ہے اور آپ تمام کمالات کے جامع اور آپ کا دین تمام ادیان سے اکمل ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شانِ جامع غایت فرما کر مبعوث فرمایا اور آپ نے انسانی ضروریاتِ زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح و ترقی کا نہایت جامع پروگرام پیش کیا اور اس پر عمل فرما کر قیامت تک کے لئے تمام دنیا کو نہایت مستند و مکمل لائحہ عمل عطا فرمایا، اور آپ کے معجزات بھی تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے جامع ہیں، ؎

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کے باوجود چونکہ زمانہ جاہلیت کے عربوں میں فصاحت و بلاغت کا زور شور تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا معجزہ علمی ہی دیا گیا جس نے سارے عالم کی فصاحت و بلاغت کو مات دے دی اور بڑے بڑے فصحاء و بلغا کو عاجز کر دیا۔

غرض کہ نبی وقت قوم کی ذہنیت ہی کے مناسب خوارق بھی لاتا ہے اور اسی کے امراضِ باطنی کے مناسب اصلاحی پروگرام بھی پیش کرتا ہے، چونکہ مجدد نبوت کا اصلی ظل ہے اس لئے امتِ محمدیہ کے مجددوں کو بھی وہی شان دی گئی جو انبیاءِ سابقین کو عطا ہوئی تھی۔ امت میں صدیوں اور زمانوں کے گذرتے رہنے سے جس جس قسم کے فتن ظہور کرتے رہے اسی قسم کے اصلاحی طرق لیکر مجددینِ امت بھی مبعوث ہوتے رہے۔ اگر کسی وقت امت میں دیانت کی کمی ہوئی تو مجددِ دیانت آئے جنھوں نے شعائرِ دیانت برپا کئے، اگر کبھی دیانت ہوتے ہوئے نظامِ ملت زیادہ پراگندہ ہوا تو

ایسے ہی مجدد آئے جنھوں نے اپنے حلقۂ اثر کو باہم شیر و شکر کردیا، اگر کبھی نفوس میں اخلاقی کدورت اور زنگ لگ گیا تو ایسے ہی مجدد آئے جنھوں نے اخلاق کا تزکیہ کرکے نفوس کو مجلّٰی و مصفّٰی کردیا، اگر کبھی امت بے دین ریاضت کشوں کے کشف و خوارق پر مفتوں ہوئی تو ایسے ہی مجدد آئے جنھوں نے اپنے کشف و کرامات اور خوارق سے ہر شعبدہ باز کے کرشموں کا طلسم توڑ کر رکھدیا، پھر نفسانی فتنوں کے ساتھ آفاقی فتنے بھی جس نوع کے آئے مجددینِ وقت کو اسی قسم کے فتنوں کے استیصال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت و استعداد دیکر بھیجا گیا، کسی نے فتنۂ شیعیت کو ختم کیا کسی نے فتنۂ باطنیت کو، کسی نے ادعاءِ نبوت کے فتنوں کا تار پود بکھیرا اور کسی نے عیسائیت کی وسوسہ اندازیوں کا استیصال کیا، کسی نے شرک کا تانا بانا اُدھیڑا، کسی نے وثنیت کے ستون ڈھائے اور کسی نے ثنویت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔ غرض یوں سمجھنا چاہئے کہ انبیائے سابقین میں نبوت کی جس جس رنگ کی نسبتیں تھیں اتنی اور اسی رنگ میں ولایت کی نسبتیں امت کے مجددوں کو عطا فرمائی گئیں تاکہ امت کے ہر طبقہ کی اصلاح اس کے مناسب طریقوں سے ہو[1]۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح امم سابقہ میں بیک وقت مختلف قوموں اور علاقوں میں جُدا جُدا نبی مبعوث ہوئے ، اِن کے اصلاحی و تبلیغی پروگرام بھی ان کی امتوں کی اصلاحی ضروریات کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں اگرچہ اصول اور مجموعی اصلاحی پروگرام میں وہ سب متفق ہیں، اسی طرح ایک ہی صدی میں مختلف علاقوں میں الگ الگ مجدد مبعوث ہوئے اور ان کے اصلاحی و تبلیغی پروگرام بھی اپنے اپنے اہلِ علاقہ کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں اگرچہ اصول و مجموعی اصلاحی پروگرام میں وہ سب متفق ہیں۔

اور جس طرح حضور انور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کا دین خاتم الادیان ہے اسی طرح اس امت میں قیامت سے پہلے خاتم المجددین کا ظہور ہوگا جس کی تجدیدی شان اکمل المجددین کی ہوگی اور اس کے اثرات و فیوضات سے تمام دنیا اسلام کی آغوش میں آباد ہوجائے گی اور صدرِ اسلام کی طرح خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوکر عدل و انصاف اور امن و امان کی حکومت ہوگی، وہ خاتم المجددین امام مہدی موعود اور مہدی آخر الزماں کے لقب سے معروف و مشہور ہے، واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۳۰۹ تا ۳۱۳ ملخصاً و تصرفاً و زیادۃً۔

(۵) ایک اور نکتہ کو بھی واضح کر دینا ضروری ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ 'مجدد' دین کو نیا کر دے گا' یعنی رسومات و بدعات و فسادات کی گندگی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کرے گا اس لئے مجدد کی بڑی پہچان جس سے خواص اس کو پہچان اور جان سکتے ہیں یہ ہے کہ اس کی تعلیم و تلقین اور جدوجہد اور دعوت و تبلیغ سے زمانہ کی ظلمتیں اور خیالات کی بدعتیں اور اعمال کے مفاسد دور ہو کر وہ اصل دین نمودار ہو جائے جس کی صحیح تصویر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نگارخانہ کتاب و سنت میں محفوظ ہے۔

چونکہ اس حدیث کا سہارا لے کر بعض مدعیانِ باطل نے نئے نئے دعوے کئے ہیں یہانتک کہ نبوت کے حدودِ حرم تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اسلام میں نئے نئے فرقوں بلکہ امتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے اس لئے یہ لغزش گاہ بھی ہے، اس مقام پر قلم اور قدم کو بہت پھونک پھونک کر رکھنا چاہیے' اسی لئے ضروری ہے کہ بتلا دیا جائے کہ نبی کی ضرورت من جانب اللہ اصل احکام کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ہے یعنی نبی علیہ السلام احکامِ الٰہی کو بندوں تک پہنچانے کا واسطہ ہے، وہ عقل و قیاس اور علم و فہم سے نہیں کہتا بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وحی سے کہتا ہے اور احکام کی تعلیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے اس کی وحی و تعلیم ہر خطا سے پاک اور وہ خود ہر غلطی سے معصوم ہے، مگر مجدد کا یہ حال نہیں بلکہ وہ کتاب و سنت اور وحی و رسالت کے احکام و پیغام کو سمجھ کر اور اپنی فراستِ ایمانی، صفائیِ ذہن، عقلِ مستقیم، قیاسِ صحیح اور اصابتِ رائے سے صحیح و غلط میں تمیز کرتا ہے، دین کو غیر دین سے، ارشاداتِ الٰہی کو ایجاداتِ انسانی سے، سنت کو بدعت سے ممتاز کرتا ہے اور اپنی علمی و عملی زندگی کی طہارت و نزاہت اور ثبات و استقامت اور نبی کی اتباعِ کامل اور اقتدائے تام سے محبوبیت و مقبولیت کی شان پیدا کرتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نبی کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر انسان اصل شریعت سے محروم اور کفر سے لپٹا رہتا ہے اس لئے اس پر نعیم آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے بند اور عذابِ آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا ہے لیکن مجدد کے نہ ماننے سے وہ صرف کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی سے محروم رہتا ہے، یہ محرومی بھی کتنی بڑی محرومی ہے کہ دولتِ ایمان رکھ کر بھی اس کے دینی و دنیوی ثمرات و برکات سے گویا عملاً محروم ہی رہتا ہے اور بدعات و فسادات کی آمیزشوں سے بچ نکلنے میں اس کو مشکلیں پیش آتی ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ جنت

تک پہنچنے میں اس کو عذاب کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑے۔ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ اسی وجہ سے نبی اور مجدد کی دعوتوں کی نوعیت میں بھی فرق ہے۔ نبی ہر شخص کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور نبی کی نبوت پر ایمان لانا ایمان کا جزو ہے جس کے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی کو ماننے بغیر اس کے واسطے آئے ہوئے احکامِ الٰہی اور کلامِ ربانی تک رسائی نہیں ہو سکتی لیکن مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا یہاں تک کہ مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جزو بھی نہیں ہے خصوصاً کسی ایک زمانہ کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں۔

اسی فرق سے دوسرا فرق بھی پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ نبی کو اپنا نبی ہونا یقینی اور قطعی طور سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم و خبر سے اس واقعہ کا ہونا یقینی و بدیہی معلوم ہوتا ہے جس کے لئے اس کو دلیل کی بھی ضرورت نہیں لیکن مجدد کو اپنا مجدد ہونا ظن و تخمین سے زیادہ معلوم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اگلے زمانہ کے مجددین کا مجدد ہونا بالعموم ان کی وفات کے بعد ان کے پاکیزہ کارناموں اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی سے خواصِ امت پر ظاہر ہوا اور اس کے بعد لوگوں نے مان لیا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پہلی صدی کے خاتمہ کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ اور دوسری صدی کے خاتمہ کا مجدد امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کو مانا۔[1]

(۶) یہ صحیح ہے کہ مجدد کو اپنے مجدد ہونے کا علم ظن و تخمین سے زیادہ نہیں ہوتا اور اس کو انبیائے کرام کی طرح یقینی و قطعی طور پر اپنے مجدد ہونے کا علم نہیں ہوتا لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ تجدید کی خلعت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے ظن و تخمین یا کشف و الہام کی حیثیت عامۃ المؤمنین بلکہ خواص کے ظن و تخمین و کشف و الہام کے مقابلہ میں نہایت نمایاں اور حقیقت آمیز ہوتی ہے اور اگرچہ اس کا کشف و الہام نبی کے کشف و الہام کی طرح وحی کا درجہ نہیں رکھتا لیکن دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں وہ غالب طور پر صادق الکشف والالہام ہوتا ہے ؎

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود
لیک بس عالی ست پیشِ خاک تود

باوجودیکہ مجدد کو اپنی مجددیت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے تاہم بعض حضراتِ مجددین کو اللہ تعالیٰ

---

[1] مقدمہ جامع المجددین ص ۱۹ تا ۲۱۔

ان کی مجددیت کا علم عطا فرماتا ہے اور وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر اس کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اپنے مجدد ہونے کا علم علی وجہ الکمال تھا جیسا کہ بعض مکتوبات میں خود تحریر فرماتے ہیں خصوصیت سے مکتوب نمبر ۴ دفتر دوم ملاحظہ فرمائیں۔ (مؤلف)۔

(۷) اگرچہ مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا یعنی وہ اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جزو بھی نہیں ہے خصوصاً کسی ایک زمانے کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس کے باوجود بعض حضرات نے اپنے مجدد ہونے کو تحدیثِ نعمت کے طور پر ظاہر فرمایا ہے اور یہ کوئی قبیح امر نہیں ہے ہر شخص تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ پس جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہیں، آپ کے اتباع کے طور پر تمام امت بھی تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ حضرات مجددین بطورِ خاص بطریق تحدیثِ نعمت بغرضِ استفادہ قوم اپنے مجدد ہونے کے اظہار پر مامور من اللہ ہوں، فافہم ولا تکن من القاصرین۔

(۸) اقامتِ دین، احیائے سنّت اور ازالۂ بدعت کرنے والے کے لئے علومِ شرعیہ میں مہارتِ تامہ اور اتباعِ سنت میں کمال کا حصول لازمی ہے اور اس کی پہچان کے لئے یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ خواص واخص الخواص اکابرِ امت میں اس کی مقبولیت کیسی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ قَالَ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ الی اٰخر الحدیث (رواہ مسلم) (یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو جبرئیل (علیہ السلام) کو پکارتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ۔ پس جبرئیل (علیہ السلام) اس کو دوست رکھتا ہے پھر جبرئیل (علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب) آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پس اس کو تمام آسمان والے دوست رکھتے ہیں پھر اس کے لئے قبولیت (یعنی آثارِ محبت) زمین میں رکھی جاتی ہے (کہ زمین والے یعنی جن وانس اس سے محبت کرنے لگتے ہیں) الی آخر الحدیث۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے (المشکوٰۃ کتاب الآداب باب الحب فی اللہ ومن اللہ)۔

"پھر اس کے لئے قبولیت زمین میں رکھی جاتی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ دنیا کے دلوں میں اس کی محبت اور رضا پیدا کر دی جاتی ہے پس لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور وہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں یعنی جبرئیل علیہ السلام وغیرہ کی جانب سے ابتداءً اس کی محبت اللہ سے محبت رکھنے والوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے (پھر ان کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی جاتی ہے جس طرح پہلے اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو اس سے محبت کرنے کیلئے فرماتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام ملائکہ مقربین کو پھر ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو اس کا اظہار فرماتا ہے اور وہ اس شخص سے محبت کرتے ہیں بعینہٖ اسی طرح اہلِ زمین میں بھی اس کی محبت پہلے اخص الخواص اولیاء اللہ میں پیدا کی جاتی ہے پھر دوسرے اولیاء میں اور پھر عامۃ المؤمنین میں اس کی قبولیت پیدا ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ محبوبین و مقبولینِ بارگاہِ خداوندی کا معیار یہ ہے کہ ان کی مقبولیت ابتداءً اخص الخواص میں ہوتی ہے پھر ان کے قریب والوں میں، علیٰ ہذا القیاس پھر ان قریب والوں کے قریبی حلقہ میں قبولیت پیدا ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ عام اہلِ دنیا میں مقبول محبوب ہو جاتا ہے۔ مؤلف)

پس بہت سے اولیاء اللہ کو جو عوام الناس میں قبولیت حاصل نہیں ہوتی اس سے حدیث مذکور کی تردید نہیں ہوتی اس لئے کہ خواص میں مقبولیت حاصل ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ محض عوام میں مقبولیت کا (اور اسی طرح اگر کوئی فاسق فاجر شخص کسی وجہ سے عوام میں مقبول ہو جائے چونکہ خواص اس کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے قبول نہیں کریں گے تو اس کی یہ مقبولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مؤلف)

اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عبد بن حمید و بخاری و مسلم و ترمذی و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ اور بیہقی نے الاسماء والصفات کے بیان میں روایت کی ہے اور اس میں کہا ہے فذلک قول اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورہ مریم ع ۶) (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے (خلائق کے دل میں) محبت پیدا کر دے گا) تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں درج ہے کہ امام ترمذی و ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کے بارے میں دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنین کے سینوں اور ملائکہ مقربین میں محبت ہونا۔ الحدیث ——— پس یہ ان حضرات کی ولایت کی علامت اور اہلیت مشیخت کی دلیل ہے اور حدیث بالا میں اسی محبت کے پیدا کر دینے کا ذکر ہے اور مخلوق کے دلوں سے مراد وہ دل ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت ہو پس یہ اشکال نہ رہا کہ بہت سے مومنین و صلحا سے بعض لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے کیونکہ ایسے لوگ بدباطن ہوتے ہیں اور صلحا سے بغض رکھنا خبثِ باطن کی علامت ہے۔ مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث متفق علیہ فی المعنی ہے۔[1]

نیز جاننا چاہیے کہ یوں تو ہر مسلمان مبلغِ اسلام ہے اور دین کا جس قدر علم جس کے پاس ہے وہ اس کو دوسروں تک پہنچانے کا مکلف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (اگر تم کو مجھ سے ایک آیت بھی ملے تو دوسروں کو پہنچاؤ)۔ نیز ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو میری مجلس میں حاضر ہے وہ میری باتوں کو غائبین تک پہنچا دے۔"

تاہم جس طرح اللہ پاک کا فرمان ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی) اُمت کے افراد میں بھی بعض کو بعض پر بدرجۂ اولیٰ فضیلت حاصل ہے اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے پس دین کی تبلیغ و تائید کرنے والے حضرات کے بھی عام اصول کے مطابق تین درجے ہیں:۔ اول عام مومنین ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ لوگ جو فاسق و فاجر معلن ہیں ان سے بھی دین کی خدمت و تائید کے بعض کام ادا ہوتے رہتے ہیں اور بعض وقت کسی فاجر و فاسق سے دین کی کوئی نمایاں خدمت سرانجام پاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ لیکن اس کے باوجود علما و صلحا و خواص المومنین میں اس کو مقبولیتِ عامہ حاصل نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ عام مومنین ہیں جو علانیہ فسق و فجور سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں، یہ لوگ پہلی قسم کے مومنین کے مقابلہ میں زیادہ خدمتِ دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرتے رہتے ہیں انہی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورۂ توبہ ع ۹)

---

[1] مرقات جلد ۹ ص ۲۴۷ و ۲۴۸ و مظاہر حق جلد ص

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی ساتھی ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں)۔

دوسرے خواص المؤمنین، اگرچہ آیۂ مذکورہ تمام مؤمنین کے بارے میں ہے لیکن دین کی تائید و تبلیغ کا کام اس گروہ کی خصوصیت کو دوسروں سے نمایاں کرتا اور عام مؤمنین پر ان کو فوقیت دیتا ہے یہ حضرات صحیح عقائد اہلِ سنت وجماعت رکھتے ہوئے شریعتِ مقدسہ اور سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حتی المقدور ہر وقت عمل پیرا رہتے ہیں ان کے نفوس کا تزکیہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے اخلاصِ عمل کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں یہ حضرات ہر وقت اقامتِ دین واحیائے سنت وازالۂ بدعت میں کوشاں رہتے ہیں اور دعوتِ حق بلا خوفِ لومۃ لائم ہر وقت ان کا مشغلہ رہتا ہے، ان کی تبلیغ کا اثر ان کے تقویٰ وتزکیۂ نفس واخلاصِ عمل کی برکت سے بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ اولیاء اللہ کی جماعت ہے ان کی شان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ؕ (سورۂ یونس ع ۷) (یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا) ——

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولایت کا مبنیٰ ایمان اور تقویٰ ہے، ان حضرات کی دعوت عام مؤمنین کی دعوت سے نہایت ممتاز و مؤثر ہوتی ہے کیونکہ یہ حضرات تقویٰ کے زیور سے آراستہ اور تزکیۂ نفس و اخلاصِ عمل کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں بخلاف عام مؤمنین کے کہ وہ ابھی تک نفس کی شرارتوں سے پوری طرح محفوظ نہیں ہیں اور اعمال میں اخلاص کی دولت سے کافی حد تک محروم ہوتے ہیں۔

سوم اخص الخواص، اولیاء اللہ میں بھی عام اولیاء اللہ اور خواص اولیاء اللہ ہوتے ہیں یہ حضرات دعوت وعزیمت کے لوگ ہیں، حدیث شریف میں وارد ہے اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ كَلِمَةُ عَدْلٍ، یہ حضرات اس حدیث پر پوری طرح عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور کسی ایذا رساں کی ایذا رسانی سے بے خوف ہو کر اقامتِ دین واحیائے سنت وازالۂ بدعت کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ ایسے زمانہ میں جبکہ دین بہت کمزور ہو گیا ہو اپنے اور اغیار ہدمِ دین میں دن رات لگے ہوئے ہوں شریعت کے احکامات پر چلنا آگ پر چلنے کی طرح

مشکل ہو گیا ہو، بدعات کا ہر طرف زور ہو، علماءِ سوء و صوفیائے خام کا زور ہو، انہی اخص الخواص اولیاء اللہ میں سے ایک شخص یا جماعت ظاہر ہوتی ہے جو دعوتِ اسلام کا کام اس انداز سے سرانجام دیتی ہے کہ دین نئے سرے سے زندہ ہو جاتا ہے اور لوگ احکامِ شریعت پر عمل کرنے لگتے ہیں اور قانونِ شرعی کو بالادستی حاصل ہو جاتی ہے ایسے ہی ایک شخص یا جماعت پر حدیث کی رُو سے مجدد کا اطلاق ہوتا ہے، اس کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق ہوں، علوم شرعیہ میں مہارت تامہ اور اتباعِ سنت میں کمال حاصل ہو، اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو، اخص الخواص سے عام مومنین تک اس کو مقبولیت حاصل ہو، اقامتِ دین و احیائے سنت و ازالۂ بدعت میں اس کی خاص شان ہو۔ هذا ما عندی۔ واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)۔

(۹) ہر مجدد اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے، اس کی وضاحت چند مقدمات میں کی جاتی ہے:۔

اوّل، چونکہ منصبِ تجدید منصبِ نبوت کا ظلِ کامل ہے اور شئونِ تجدید بھی شئونِ نبوت سے بہت کچھ ملتی ہیں اس لئے جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بلاخوفِ لومۃ لائم اور بے خطرِ جان و خانمان احکامِ الٰہی من و عن بلا کم و کاست اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں اور ارشادِ خداوندی یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الآیۃ ہر وقت ان کے پیش نظر رہا ہے اسی طرح مجدد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کے احکام بلا خوفِ لومۃ لائم امت کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لئے وقف سمجھتا ہے۔

دوم، ایمان کا حاصل ہونا اور ہدایت کا ملنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے، تمام لوگوں کو مومن و ہدایت یافتہ بنا دینا نبی کے ذمہ نہیں ہے بلکہ اگر نبی کسی خاص شخص کے متعلق چاہے کہ وہ ایمان لے آئے اور ہدایت حاصل کر لے تو جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے ایسا نہیں ہو سکتا اور اس سے نبی کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ — پس نبی کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پہنچا دینا ہے اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور اس میں اس کے لئے حکمتِ بالغہ اور حجتِ دافعہ ہے — وقال تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ — وقال تعالیٰ لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ــــــ وقال تعالیٰ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ــــــ

وایضاً قال تعالیٰ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ــــــ وایضاً قال تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً، وغیرھا من آیات القرآن۔ پس اگر کسی نبی پر معدودے چند لوگوں کے سوا باقی لوگ ایمان نہ لائے یا کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا تب بھی اس نبی کا مشن کامیاب رہا، کیونکہ کسی نبی سے احکامِ الٰہی کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی لہٰذا ہر نبی کی شانِ نبوت اور ہر رسول کی شانِ رسالت ہر طرح سے اعلیٰ وارفع اور بے داغ ہے بعینہٖ مجددِ دین بھی اقامتِ دین احیائے سنت وازالۂ بدعت میں حتی المقدور سعی وکوشش کرتا ہے جس کی بنا پر کہا جائے گا کہ ہر مجدد اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ بااِیں ہمہ اس سلسلہ میں مجدد کی ایک خاص شان ہوتی ہے اور غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے جس کی بنا پر اس کے معاصرین اور بعد میں آنے والے حضرات اس کو مجدد تسلیم کرتے اور تجدیدی کارناموں کی تصدیق کرتے ہیں۔

سوم۔ نبی کے ذمہ اپنی امت کو احکامِ الٰہی کا پہنچانا ہے قال تعالیٰ وَمَا عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ــــــ وایضاً قال تعالیٰ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ وغیرھا من الآیات۔ پس جس طرح نبی کا کام احکامِ الٰہی کا امت کو پہنچا دینا ہے اور ہدایت کا دینا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اسی طرح مجدد کا کام بھی احکامِ شریعت کی تبلیغ اور احیائے سنت وازالۂ بدعت واقامتِ دین کے لئے کوشش کرنا ہے۔ تمام لوگوں کو ہدایت پر لگا دینا جب نبی کے ذمہ نہیں ہے تو مجدد کے ذمہ بھی نہیں ہے البتہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ ضرور اس کے فیضِ تربیت سے فیضیاب ہو کر فلاحِ دارین حاصل کریں گے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت ووراثت کے فیض اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مشیتِ ایزدی کے مطابق مجدد کی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے جس کی بنا پر اہلِ زمانہ بھی اور بعد میں آنے والے حضرات بھی اس کے مجدد ہونے کو تسلیم اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

چہارم۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتے تھے اور ان کا تزکیۂ نفس فرماتے تھے یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے اور جس خبث ونجاستِ باطنی سے وہ لوگ حالتِ شرک وجاہلیت میں

ملوث تھے اس سے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے اور ان کو قرآن و سنت کے احکام سکھاتے تھے قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وغیرہا من الایات۔ مجدد بھی لوگوں کے سامنے تبلیغ دین کے لئے کلام الٰہی کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں سے جو اس کو بطریق توارث مشائخ کرام قدس سرہم سے پہنچے ہیں اپنے متبعین کا تزکیہ نفس کرتا ہے، ان کو احکامِ قرآنی اور مسائل دینی کی تعلیم دیتا ہے، اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جو تحریف اور تغیر و تبدل عقائد و احکام دین میں ضالین و مبتدعین کی طرف سے پیدا ہو جاتا ہے مجدد اس کی اصلاح کر کے صحیح دین کی تعلیم دیتا، بدعات فی الدین کا ازالہ کرتا اور جو سنتیں مردہ ہو گئی ہیں ان کو زندہ کرتا ہے۔

پنجم۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شخصیات اور ان کی تعلیمات اور طریقہ ہائے کار اطوارِ عقل و فکر سے ماوراء ہیں، عقل ان سے درماندہ اور فکر نارسا ہے، عقلاء معرفتِ حق سے محروم وا طباء دریوزہ گرِ صحفِ انبیاء ہیں اور اتباعِ عقل گمراہی ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے مکتوب ۲۳ دفتر سوم میں مذکورہ بالا دعووں کو مفصل و مدلل طور پر ثابت فرمایا ہے اس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے: "انبیاء علیہم السلام اہلِ عالم کے لئے رحمت ہیں، جن کی بعثت کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات سے ہم ناقص عقلوں اور کم فہموں کو خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے موافق اپنے ذاتی و صفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے اور اپنی رضامندی کو اپنی ناراضگی سے جدا کیا ہے اور ہمارے دنیا اور آخرت کے نفعوں کو ہمارے ضرروں و نقصانات سے ممتاز فرمایا ہے، اگر اُن کے وجودِ شریف کا وسیلہ نہ ہوتا تو انسانی عقلیں حق تعالیٰ کے اثبات میں عاجز رہتیں اور اس کے کمالات کے ادراک میں ناقص و قاصر ہوتیں، غرض انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ہدایت کے بغیر عقل اس اعلیٰ دولت کے اثبات میں کوتاہ و گمراہ ہے۔ جب ان حضرات کی تبلیغ سے وجودِ خدا عام طور پر تسلیم کر لیا گیا تب فلاسفہ بھی اپنی غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار وجودِ خدا کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا وجود، انبیاء علیہم السلام کی بعثت، فرشتوں کی عصمت، حشر و نشر، بہشت و دوزخ اور ان کا دائمی راحت و رنج وغیرہ وغیرہ جو شریعت نے بیان کی ہیں عقل ان کے

ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے سُنے بغیر ان امور کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے، جس طرح طورِ عقل طورِ حِس سے ماوراء ہے اسی طرح طورِ نبوت بھی طورِ عقل سے ماوراء ہے جو چیز عقل سے مدرک نہ ہو سکے نبوت کے ذریعہ ادراک میں آجاتی ہے، جو شخص طورِ عقل کے ماسوا اور کوئی طریقہ صانع جل شانہٗ کی معرفت کے لئے ثابت نہیں کرتا وہ درحقیقت طورِ نبوت کا منکر اور بداہت و صراحت کا مخالف ہے پس انبیاء علیہم السلام کا وجود ضروری تھا کیونکہ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم جو اس کی طرف سے حاصل نہ ہو وہ اس کے شکر کے لائق نہیں اس لئے کہ قوتِ انسانی اس کے ادراک میں عاجز ہے بسا اوقات اس کی بے تعظیمی کو تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں آجاتا ہے حق تعالیٰ سے اس کی تعظیم کے استفادہ کا طریق نبوت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر موقوف ہے، اولیاءِ کرام کا الہام بھی انوارِ نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے، ریاضت و مجاہدہ کا طریق نظر و استدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتماد و اعتبار کے لائق ہوتا ہے جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے جو حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تائید سے مؤید ہیں۔ جن علوم میں عقل کا استقلال اور استحکام ہے وہ غلط و خطا سے محفوظ ہونے کے باوجود اس بحث سے خارج اور دائرہ مالایعنی میں داخل ہیں، یہاں گفتگو ان علوم سے ہے جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر ہے اور طورِ نبوت پر موقوف ہیں اور جن پر آخرت کی نجات منحصر ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اس تحریر سے انبیائے کرامؑ کے مقام، عظمتِ شان اور ضرورت کا تعین ہوتا ہے اور یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کارنامے حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریق کے مطابق نبوت و رسالت کے فرائض انجام دیتے ہیں ان حضرات کو ہر وقت حق جل مجدہٗ کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور ان کی مساعئ جمیلہ کا جو نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے وہ عین مرضئ حق کے مطابق ہوتا ہے مجدد بھی چونکہ منصبِ نبوت کا ظل ہوتا ہے وہ بھی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متابعت تمام اطوار و طرق میں کرتا ہے اس کی تمام مساعی بھی حق تعالیٰ کی عین مرضی کے مطابق ہوتی ہیں وہ اگرچہ خطا سے معصوم نہیں ہوتا لیکن اس کو بھی حق تعالیٰ کی حفاظت و رہنمائی کا شرف ہر وقت حاصل رہتا ہے اگرچہ ختم نبوت کے ساتھ نزولِ وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطوارِ عقل سے ماوراء دوسرے طریقے یعنی صحیح وجدان، الہام وغیرہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اولیائے کرامؒ کا الہام بھی انوارِ نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے، اسے

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

واللہ اعلم بالصواب

مجدد الف ثانی | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بکثرت انبیاء و مرسلین گزرے ہیں، کوئی بستی اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ہدایت کرنے والا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرانے والا نہ گذرا ہو، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ اور دوسری جگہ فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ لیکن تقریباً ہر ہزار سال کے بعد ایک اولوالعزم پیغمبر کا زمانہ آتا رہا ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً ہزار سال بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے تقریباً ہزار سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر آنحضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے، آپؐ کے بعد کسی کو نبوت ملنے والی نہیں تھی لہذا آپ کی شریعت کے قیامت تک محفوظ رہنے کے انتظامات بھی قدرت کاملہ کی طرف سے پیش از پیش کیے گئے اور امت کو ان انتظامات سے بطور پیشینگوئی کے آگاہ کر کے مطمئن کر دیا گیا۔ بعض اہم انتظامات کی خبر قرآن مجید میں ہے اور بعض کی احادیث صحیحہ میں، چنانچہ ہر صدی میں مجدد کا ہونا بھی انہی انتظامات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا ذکر احادیث صحیحہ میں ہے لہذا سنن ابی داؤد کی ایک حدیث اوپر بیان ہو چکی ہے۔ لیکن صدی کے مجددؒ کے علاوہ ہزار سال کے بعد اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام اولوالعزم مجدد کا ہونا بھی لازمی تھا تاکہ جس طرح صدی کے مجددین کی خدمات کے اثرات ایک صدی تک کے لئے ہوتے ہیں ہزار سال کے مجدد کی خدمات کے اثرات آئندہ ایک ہزار سال تک باقی رہیں۔ چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کو الف ثانیؒ کا مجدد بنا کر اس دنیا میں بھیجا، آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے الف (ہزار) کا مجدد کوئی نہیں ہوا کیونکہ الف ثانی کا آغاز ہی نہیں ہوا تھا اور الف اول میں خود سید البشر احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر موجود تھی چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ خود اپنے ایک مکتوب گرامی میں جو میر محمد نعمان بدخشیؒ کے نام صادر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"گزشتہ شریعتوں کا یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبر کے رحلت فرما جانے کے ہزار سال بعد تک انبیائے کرام و مرسلین مبعوث ہوتے رہتے تھے جو اس اولوالعزم پیغمبر کی شریعت کو تقویت دیتے

تھے اولاً اس کے کلمہ کو بلند کرتے تھے اور جب اولوالعزم پیغمبر کی دعوت و شریعت کا دورہ تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور نئے سرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا اور چونکہ حضرتِ خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ و تبدیل سے محفوظ ہے اس لئے حضور کی امت کے علماء کو انبیاء کا قائم مقام بنا کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کا کام ان کے سپرد فرمایا ہے بلکہ ایک اولوالعزم پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبع بنا کر آپ کی شریعت کو ترقی بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اور جاننا چاہئے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت فرما جانے کے ہزار سال بعد حضور کی امت کے جو اولیا ظاہر ہوں گے اگرچہ وہ قلیل ہوں گے مگر اکمل ہوں گے تاکہ اس شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں، حضرت مہدی علیہ السلام جن کی تشریف آوری کی نسبت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت فرمائی ہے ہزار سال کے بعد پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔" [1]

نیز مکتوب ۴ دفتر دوم میں جو میر محمد نعمان رح ہی کے نام صادر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں "جاننا چاہیئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گذرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار کا مجدد اور، جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے، اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں امتوں کو پہنچتا ہے اسی کے ذریعہ پہنچتا ہے خواہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد ہوں اور خواہ ابدال و نجباء

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

مجدد الف ثانی رح کا مصداق

اس کے بعد اب یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ الف ثانی کے مجدد حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔ آپ کا ظہور ہندوستان میں ایسے ہی نازک دور میں ہوا جب کفر و شرک، ضلالت و گمراہی، فسق و فجور کا دور دورہ تھا، لوگ دینِ اسلام سے منحرف ہو رہے تھے، آپ نے آکر توحید کا جھنڈا پھر سے بلند کیا، کفر و بدعت اور فسق و فجور کی ظلمت کو دور کیا جس کا مفصل تذکرہ آئندہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ دینی خدمات بلحاظ

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۰۹

سے آپ کے مجدد ہونے پر بزور دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں علمائے عصر نے بھی آپ کو مجدد تسلیم کیا ہے بلکہ ان میں سے اکثر تو آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور آج تک خواص و عوام، علماء و مشائخ سب آپ کو مجدد مانتے چلے آئے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی مانتے رہیں گے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کی مجددیت کی تائید میں آیات و احادیث اور خود آپ کے اور آپ کے ہمعصر اور بعد کے بزرگوں کے اقوال بھی پیش کر دیئے جائیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ظہور کے متعلق آیات و احادیث میں اشارات

بعض آیات و احادیث میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ظہورِ فیض گنجور و وجودِ باجود کے متعلق اشارات ملتے ہیں چنانچہ تفسیرِ مظہری میں سورۂ واقعہ کی آیت وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی قدس سرہٗ لکھتے ہیں: "قال المجددؒ الصحابۃ کلھم کانوا مستغرقین فی کمالات النبوۃ ومن التابعین اکثرھم ومن اتباع التابعین اقلھم ثم انطمس انوار النبوۃ واختفی اٰثارھا وظھر کمالات الولایۃ واستعلی انوارھا السکر والشطح وکثرۃ الخوارق المستفادۃ من التجلیات الصفاتیۃ والظلیۃ حتی اذا مضی بعد الھجرۃ الف سنۃ تدارک رحمۃ اللہ الواسعۃ افاض کمالات النبوۃ بمقتضی طینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی بعض اتباعہ حتی اشتبہ اٰخر الامۃ باولھا فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ المَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ رواہ الترمذی عن انس ورویٰ رزین عن جعفر بن محمد الصادقؒ عن ابیہ الباقرؒ عن جدہٖ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابشروا ابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لا یدری اٰخرہ خیر ام اولہ او کحدیقۃ اطعم منھا فوج عاما ثم اطعم منھا فوج عاما لعل اٰخرھا فوجا ان یکون اعرضھا عرضا واعمقھا عمقا واحسنھا حسنا، وعن ابی الدرداء عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال خیر امتی اولھا و اٰخرھا وفی وسطھا الکدر رواہ الحکیم الترمذی پھر آیۂ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ کے جزو قلیل من الاٰخرین کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وھم ارباب کمال النبوۃ الذین وجدوا بعد الف سنۃ کما ذکرنا من قبل۔"

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مجدد الف ثانی کے ظہور کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے جو گویا آپ کے متعلق پیشینگوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ صِلَۃٌ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِشَفَاعَتِہٖ کَذَا وَکَذَا۔

(یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے بکثرت لوگ جنت میں جائیں گے) خدا کی قدرت کہ یہی لفظ صلہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے قلم سے اپنے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس امت میں آپ سے پہلے یہ لفظ کسی نے اپنے لئے استعمال نہیں کیا (ان فی ذلك لآیات)۔ چنانچہ مکتوب ۶ دفتر دوم میں اپنے فرزند رشید و خلیفہ راشد عروۃ الوثقی مجدالدین خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو بعض پوشیدہ اسرار تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ”میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہوگیا ہے اور ہزار سالہ درخواست قبول ہوگئی،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ اَکْمَلَ الْحَمْدِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَّالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخْوَانِهِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ الْعِظَامِ (اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں کامل ترین شکر ہے جس نے مجھ کو دو سمندروں کا ملانے والا اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنایا اور حضرت خیرالانامؐ اور ان کے اخوانِ کرام یعنی انبیاء و ملائکہ عظام پر صلوٰۃ و سلام ہو)“

آپ کی نسبت اولیائے سابقین کی بشارتیں	ذیل میں چند بزرگوں کی بشارتیں نقل کی جاتی ہیں جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے متعلق ہیں،

(۱) مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ”مقاماتِ شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہٗ میں میں نے خود دیکھا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ ”میرے بعد سترہ آدمی میری مثل اور میرے ہم نام پیدا ہوں گے ان سب کے آخر میں جو شخص بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا وہ سب سے زیادہ بزرگ ہوگا۔“ (حضرات القدس ج۲ ص ۱۹)

(۲) مقاماتِ شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا سبحان اللہ خواجگانِ نقشبندیہ سے ایک عزیز ہندوستان میں پیدا ہوگا جو تمام اولیاء سے افضل ہوگا لیکن افسوس کہ میں ان سے شرفِ ملاقات حاصل نہ کرسکوں گا بعد ازاں ایک خط اپنی نیازمندی و معذرت اور دعائے خیر کیلئے لکھ کر اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰن بدخشی کو دیا جو انھوں نے ۱۰۲۲ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرماکر شیخ موصوف کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام اولیائے کبار میں نظر آتا ہے۔ (روضۃ القیومیہ ص ۴۲)

(۳) حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور شیخ نظام نارنولیؒ اور شیخ عبداللہ سہروردیؒ اور دیگر اکابر اولیائے ہند کی خدمت میں لوگ حاضر ہو کر اکبر بادشاہ کی بددینی اور گمراہی کی شکایت کرتے اور ترقی اسلام کی دعا کے لئے خواستگار ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ اولیائے کرام جب توجہ باطنی فرماتے تو ان پر بھی یہی منکشف ہوتا کہ عنقریب امام و مجدد وقت کا ظہور ہوگا وہ اس بددینی اور گمراہی کو دور کریگا۔

(۴) حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہ نے ایک شب نماز تہجد کے بعد مراقبہ میں دیکھا کہ تمام عالم میں تاریکی پھیل گئی ہے خوک و بندر اور ریچھ وغیرہ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک نور اُن کے سینے سے نکلا جس سے تمام جہان منور ہو گیا اور اس نور سے ایک بجلی نکلی جس نے تمام درندوں کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا۔ پھر اسی نور سے ایک تخت نمودار ہوا جس پر ایک بزرگ مسند نشین ہیں اور ان کے گرد ہزارہا نورانی مرد اور ملائک مؤدب کھڑے ہیں اور تمام ملحدوں، زندیقوں، ظالموں اور جابروں کو لا لا کر ان کے حضور میں پیش کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر رہے ہیں اور ایک شخص یہ آیت بآواز بلند پڑھ رہا ہے: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (اے پیغمبر! آپ کہدیجئے کہ حق آیا اور باطل جاتا رہا۔ واقعی باطل مٹنے والا ہی تھا)"۔ جب آپ نے یہ واقعہ شاہ کمال کیتھلیؒ سے عرض کیا تو آپ نے متوجہ الی اللہ ہونے کے بعد فرمایا کہ آپ کے ایک فرزند پیدا ہوگا جو ضلالت و گمراہی کو مٹا دے گا اور اس کے زمانے میں دینِ اسلام کو فروغ ہوگا۔[۱]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے ارشادات

حضرت خواجہ باقی قدس سرہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی شان میں بکثرت مدحیہ کلمات فرمائے ہیں ان میں سے چند کلمات بطور تبرک درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) میاں شیخ احمدؒ کے طفیل ہم کو معلوم ہوا کہ توحیدِ وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہِ طریقت اور ہی ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۴۳)

(۲) میاں شیخ احمدؒ ایک آفتاب ہیں اور ہم جیسے کتنے ستارے ان کی روشنی میں گم ہیں۔

(۳) ہماری اور میاں شیخ احمدؒ کی تمثیل خواجہ ابوالحسن خرقانی اور ان کے مرید خواجہ

---

[۱] روضۃ القیومیہ ص ۴۴۔ ان تمام واقعات کیلئے مزید ملاحظہ سیرت امام ربانی از ص ۴۵ تا ۵۰۔

عبید اللہ انصاری کی ہے کہ اگر پیر زندہ رہتے تو اپنے مرید کے مرید ہوتے۔ (کلیاتِ باقی مکتوب ۸۳ ص۱۴۰)

(۴) میاں شیخ احمدؒ کمال مرادوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔

(۵) میاں شیخ احمدؒ کی مانند آج زیرِ فلک کوئی نہیں ہے۔

(۶) بعدِ صحابہؓ و تابعین میاں شیخ احمدؒ کے مماثل معدودے چند بزرگ گذرے ہیں۔

(۷) میاں شیخ احمدؒ جامعِ قطبیتِ ارشاد و مدار ہیں۔

(۸) الحمد للہ ہماری تین چار سال کی محنت رائیگاں نہیں گئی، شیخ احمدؒ جیسے عزیز الوجود شخص نے تربیت پائی۔

(۹) شیخ تاجؒ آپ کے پیر بھائی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب نے آپ کے موسومہ بعض مکاتیب میں جو الفاظ عزیزِ متوقف (یعنی سلوک میں رُکا ہوا شخص) تحریر کر کے اس کا چارۂ کار دریافت کیا۔ عزیزِ متوقف سے مراد خود ذات با برکات حضرت پیر و مرشد تھے۔ (جواہرِ مجددیہ ص ۲۷)

خود حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے آپ کو مجدد الفِ ثانی فرمانا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف کی بعض وہ عبارتیں بھی پیش کر دی جائیں جن میں حضرت موصوف نے خود اپنے مجدد الفِ ثانی ہونے کا صراحۃً یا اشارۃً ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"اے فرزند! یہ علوم و معارف کہ جن کی نسبت اہل اللہ میں سے کسی نے نہ ہی صراحت سے گفتگو کی ہے اور نہ ہی اشارے سے، اُن نہایت اعلیٰ معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں جو کہ ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جس قدر کہ ممکن و لائق ہے بیان فرمایا ہے، یہ معارف نہ کتاب و سنت کے ساتھ مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہلِ حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔ . . . (پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) اے فرزند! یہ وہ وقت ہے کہ پہلی امتوں میں ایسے ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اولو العزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا اور اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے اور اس امت کے پیغمبر آنحضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات ہیں (اس امت کے) علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کے وجود سے علماء کے وجود کے ساتھ مستغنی فرمایا ہے، اسی لئے ہر صدی کے سرے پر (ختم پر یا شروع میں) اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تا کہ شریعت کو زندہ کرے۔ خصوصاً ہزار سال کے بعد جو کہ سابقہ امتوں میں

اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے ایسے وقت میں ہر پیغمبر کو کافی نہیں سمجھا گیا (بلکہ اولوالعزم پیغمبر مبعوث کیا گیا) اب بھی اسی طرح کے وقت میں ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو سکے

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد[1]

نیز ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ وہ کمال ہے جو ہزار سال کے بعد وجود میں آیا ہے اور آخریت سے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے، شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ "اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ" (ان میں سے اول بہتر ہیں یا ان میں سے آخر)....

....اور دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس امت میں سے بہترین اول ہیں یا آخر اور درمیان میں کدورت و تیرگی ہے"..... (پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتداء سے ہے کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گذرنے کو امور کے متغیر کرنے میں بڑی خاصیت ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے اسی لئے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور اس نے الف ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید فرمائی ہے"[2]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: "میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگواروں پر بھی اپنا پر تو ڈالا ہے اور تبع تابعین بزرگواروں پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہو گئی حتی کہ حتی کہ آں سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کی باری آگئی اور اس وقت بھی وہ دولت تبعیت اور وراثت کے طور پر ظاہر ہو گئی اور آخر کو اول سے مشابہ کر دیا ہے"[3]

ایک مکتوب اور بھی ملاحظہ فرمائیں: "یہ علوم انوار نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی مشکوٰۃ (قندیل) سے مقتبس ہیں جو الف ثانی (دوسرے ہزار) کے آغاز کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازہ ہو کر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس الف (دوسرے ہزار) کا مجدد ہے چنانچہ اس کے ان علوم و معارف میں جو کہ ذات و صفات و افعال اور احوال و مواجید و تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں نظر و غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف

[1] دفتر اول مکتوب ۲۳۴ [2] دفتر اول مکتوب ۲۶۱ [3] دفتر اول مکتوب ۳۰۱ -

علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف کے علاوہ ہیں، بلکہ یہ علوم (علماء و اولیاء کے) اُن علوم کے مقابلہ میں (جو حضرت مجدد الفِ ثانیؒ پر ظاہر ہوئے) پوست کی طرح ہیں اور یہ (مجدد الفِ ثانیؒ کے) معارف اس پوست کے مغز کی مانند ہیں۔ واللہ سبحانہ الہادی۔" (دفتر دوم مکتوب نمبر ۴)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق اکابر معاصرین کی شہادت

پاک و ہند کے علاوہ عرب و عجم میں حضرت مجددؒ کے معاصرین علماء و صلحا بکثرت ہیں جنھوں نے آپ کی عظمت اور آپ کے مجدد الفِ ثانی ہونے کی شہادت دی ہے اُن میں سے چند اکابر کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ، شیخ عبد الحقؒ محدث دہلوی، شیخ فضل اللہ برہانپوری، شیخ حسن غوثی، میر مومن بلخیؒ، مولانا جمال الدین تلویؒ مولانا یعقوب صرفیؒ جو حضرت مجددؒ کے شیوخ میں سے ہیں مولانا حسن قبادانیؒ مولانا میرک شاہؒ مولانا جان محمد لاہوریؒ، مولانا عبد السلامؒ الدیوی وغیرہم یہ سب اپنے وقت کے فاضل اور کامل حضرات ہیں جنھوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعریف کی ہے اور ان کے مخالفین کا رد کیا ہے ہم ان میں سے چند حضرات کی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق رائے الگ الگ عنوان سے ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ

حضرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ[ع] علیہ الرحمۃ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی نہایت تعظیم و تکریم فرماتے، آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا اقرار کرتے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو برا کہنے والوں کی شدت سے تشنیع کرتے اور جو مکتوبات حضرت کی خدمت میں بھیجتے ان میں آپ کو "مجدد الف ثانی" کے لقب سے خطاب کرتے تھے بلکہ کہا گیا ہے کہ انھوں نے ہی حضرت کو سب سے پہلے اس لقب سے ملقب کیا ہے، بعض مخالفین کے شبہ کے رد میں مولانا موصوف کی یہ عبارت بھی نقل کی گئی ہے "اکابرِ ملت کے کلام میں ان کی مراد سمجھے بغیر نقص نکالنا جہالت ہے اور اس کا کوئی

ع علامۂ زماں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ بن شمس الدین رحمہما اللہ مولانا کمال کشمیریؒ کے شاگرد تھے، اپنے وقت کے اکابر علماء و اعاظم فضلا میں ممتاز، حدیث، فقہ اور تفسیر میں یکتائے زمانہ تھے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ آپ کو آفتاب پنجاب کہتے تھے، اور آپ بھی حضرت مجددؒ کے بہت عقیدتمند تھے اور سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت کو مجدد الف ثانی کہا ہے۔ جہانگیر کے زمانے میں اپنے وطن سیالکوٹ میں درسِ علوم میں مشغول رہے پھر شاہجہاں نے دربار میں بلا کر انعام و اکرام سے نوازا، اور دو مرتبہ چاندی سے آپ کو وزن کرا کر وہ چاندی آپ کو بخشدی دونوں مرتبہ چھ ہزار روپیہ وزن میں آیا اور چند دیہات معافی آپ کو عطا فرمائے، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہیں۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ میں انتقال فرمایا۔

اچھا نتیجہ نہیں نکلتا اور ملجائے مشیخت معدن عرفان شیخ احمد (سرہندی) کے کلام کا رد کرنا جہالت اور علم فہم کی وجہ سے ہے۔ کتبہ الفقیر عبدالحکیم" ؎۱

خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ میرے دل میں خیال گزرا کہ جبکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو مجدد الف ثانی کیا ہے اگر اکابر علمائے وقت اس کو تسلیم کر لیتے تو اس امر کی پوری طرح تائید ہو جاتی۔ یہانتک کہ ایک دن یہ خیال میرے دل میں آپ کی خدمت مبارک میں بھی آیا تو حضرت نے احقر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مولانا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی کہ علوم عقلیہ ونقلیہ اور اعلیٰ درجہ کی تصانیف کے اعتبار سے اس وقت ہندوستان میں ان کا نظیر معلوم نہیں ہوتا انھوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا تھا پھر آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ ان کے مدحیہ فقرات میں سے ایک فقرہ "مجدد الالف الثانی" بھی تھا"۔

اس کے بعد خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں "پوشیدہ نہ رہے کہ مولانا عبدالحکیمؒ نے ایک روز حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ۔ اس واقعہ کا آپ پر بہت اثر ہوا اور آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم ذکر اخذ کی اور آپ کے حقیقی مخلصین میں داخل ہوئے۔ اس ظاہری ملاقات سے پہلے وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت کا اویسی (روحانی فیض یافتہ) ہوں"۔ ؎۲

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ آپ نے ابتداء میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے بعض معارف پر بتقاضائے بشریت ومقتضائے معاصرت بعض اعتراضات تحریر کیے تھے لیکن آخر میں عنایت الٰہی نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور اپنے اس فعل سے تائب ہوئے اور اپنے ایک مکتوب میں جو حضرت خواجہ حسام الدین احمد رحمہ اللہ خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو لکھا ہے ان اعتراضات سے رجوع کیا ہے وہ مکتوب درج ذیل ہے:۔

"ان ایام میں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے حق میں فقیر کی صفائی قلب حد سے زیادہ ہے پردہ بشریت وحجاب جبلت درمیان میں حائل نہیں رہا، برادر طریقت ہونے کی رعایت اور انصاف کا

؎۱ ترجمہ احوال الامام الربانی للمعرب برحاشیہ دفتر اول ص ۳۵۔ ؎۲ زبدۃ المقامات ص ۱۷۹۔

تقاضا اور عقل کا حکم یہ ہے کہ ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بدظن نہیں ہونا چاہیے، اس کے باوجود میرے باطن میں ذوق و وجدان اور غلبۂ حال سے ایک کیفیت پیدا ہو گئی ہے جس کے بیان سے زبان قاصر ہے، دلوں کے پھیرنے والے اور احوال کے بدلنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے شاید ظاہر بین لوگ اس بات کو دور از عقل خیال کریں، میں نہیں جانتا کہ یہ حالت کیا ہے اور کیوں ہے؟"

نیز شیخ موصوف نے اپنی اولاد کو ایک طویل و عریض مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "جو مسودات میں نے میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراضاً لکھے ہیں ان سب کو پانی سے دھو ڈالو کیونکہ جو کدورت ان کی نسبت میرے دل میں پیدا ہوئی تھی وہ صفائی میں تبدیل ہو چکی ہے"

شیخ موصوف کے اس انکار سے رجوع فرمانے کے سبب میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے انکار پر اظہار ناراضگی فرما رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ شیخ نے قرآن مجید سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ اور بعض نے کہا ایک دفعہ یہ آیت نکلی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ اور بعض نے کہا کہ بعض دشمنوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق بعض جعلی عبارتیں ان کو لکھی تھیں جب شیخ موصوف کو اصل عبارات معلوم ہوئیں تو رجوع کیا اور توبہ کی اور امام موصوف قدس سرہ سے معذرت کی پس انھوں نے بھی معذرت قبول کر لی اور دونوں طرف سے صفائی قلب حاصل ہو گئی اور کدورت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔"[1]

شیخ فضل اللہ برہانپوریؒ | آپ کے متعلق صحیح نقل کے ساتھ منقول ہے کہ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اوصاف سن کر بہت مسرور اور آپ کے معارف جلیلہ کی سماعت سے نہایت لطف اندوز ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کچھ قطب الاقطاب (حضرت مجدد قدس سرہ) بیان فرماتے ہیں اور جو اسرار تحریر فرماتے ہیں وہ سب صحیح اور واضح ہیں اور وہ ان اسرار کے بیان کرنے میں صادق اور ان سے بہرہ ور ہیں اور آپ کے صدقِ مقال اور علوِ حال کی علامت آپ کا کمال درجہ اتباعِ سنت ہے اور مجھے آپ کی جناب میں غائبانہ اخلاصِ تام اور محبتِ عام ہے اور جب حضرت مجدد قدس سرہ کو جہانگیر بادشاہ نے

[1] ترجمہ احوال الامام الربانی للمعرب برحاشیہ دفتر اول ص ۳۹ تا ۴۱۔

محبوس کیا تو شیخ فضل اللہ[1] مذکور نمازِ پنجگانہ کے بعد آپ کی رہائی کے لئے دعا فرماتے تھے، اور جب کوئی شخص سرہند کی طرف سے بیعتِ توبہ وارشاد کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتا تو آپ فرماتے تعجب ہے کہ تو حضرت کے جوار میں رہتا ہے اور دوسری جگہ جا کر مرید ہوتا ہے تم لوگ سورج کو چھوڑ کر ستاروں سے روشنی حاصل کرتے ہو۔ [1]

شیخ حسن غوثیؒ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تعریف اُن کے شایانِ شان کرتے اور اُن کے بلند مقامات کا ذکر کرتے تھے۔ مناقبِ اولیاء میں جو آپ کی تصنیف ہے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ذکر اس عبارت میں کیا ہے "بالاتشینِ مسندِ المحبوبیت، صدر آرائے محفلِ وحدانیت، خداوندِ مقامِ فردیت صاحبِ مرتبۂ قطبیت الخ" [2]

میر مؤمن بلخیؒ ثقہ لوگوں سے نقل ہے کہ شیخ میر محمد مؤمن بلخی قدس سرہٗ کا ایک مرید حضرت مجددؒ کے ہاتھ پر انابت و توبہ اور سلوک کی نیت سے سرہند شریف حاضر ہوا اور اپنے شیخ موصوف اور مولانا مبارک شاہ قدس سرہٗ و شیخ حسن القبادانی و قاضی القضاۃ تولک کا سلام پہنچایا۔ پھر عرض کیا کہ میرے شیخ میر محمد مؤمن کردی فرماتے تھے کہ اگر کبر سنی اور بُعدِ مسافت مانع نہ ہوتے تو میں خود آپ کی صحبت و خدمت میں حاضر ہوتا اور بقیہ عمر آپ کی خدمت میں گذارتا اور آپ کے احوال کے انوار کا جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے نہیں سُنا اقتباس کرتا، چونکہ موانعاتِ مذکورہ موجود ہیں اس لئے امیدوار ہوں کہ اس ظاہری طور پر جُدا اور باطنی طور پر حاضر کو بھی اپنے مخلصین حاضرین میں شمار فرما کر غائبانہ توجہات اور انوارِ قدسیہ کے

---

[1] شیخ محمد بن فضل اللہ بن صدر الدین جونپوری ثم برہانپوری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں گجرات میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ پھر شیخ صفی گجراتی سے خرقہ پہنا اس کے بعد حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں بارہ سال تک رہے۔ اس دوران میں شیخ علی بن حسام الدین متقی مکی کی خدمت میں رہے اور ان کے فیوضات کثیرہ کا استفاضہ کیا پھر احمد آباد واپس آ گئے اور وہاں شادی کی پھر شیخ وجیہ بن نصر اللہ علوی سے علم حاصل کیا پھر شیخ ابو محمد بن خضر تمیمی سے طریقہ اخذ کر کے برہانپور میں قیام کیا اور درس و تدریس اور افادہ میں مشغول ہو گئے۔ بہت عبادت کرنے والے مراقبہ کرنے والے اور خوفِ خدا رکھتے تھے ہمیشہ عبادت و اوراد میں مشغول رہتے۔ آپ کی تصنیفات میں سے ہدیۃ للرسل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شرح دعاء السیفی اور ایک رسالہ الوسیلہ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں قاضی عیاض کی شفا اور شمائل ترمذی کا خلاصہ ہے اور لوائح جامی کی شرح بھی ہے، ایک رسالہ امامتِ امرد کی کراہت میں اور ایک رسالہ معراج کے بارے میں بھی ہے۔ پیر کے روز ۱۲ رمضان المبارک ۱۰۲۹ھ کو برہان پور میں وفات ہوئی وہیں دفن ہوئے "ابن فضل اللہ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۵۲)

[2] ترجمہ احوال الامام الربانی للمعرب بر حاشیہ ص ۳۳۔

افاضات سے اس کے احوال پر بھی متوجہ ہیں اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے نیابتاً آپ سے بیعت کروں پھر لوٹتے وقت عرض کیا کہ وہاں کے اعزا درخواست کرتے ہیں کہ ان کی طرف بھی بعض مکاتیب جو حقائق عالیہ پر مشتمل ہیں ارسال کئے جائیں۔ پس امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوب ۹۹ دفتر سوم، تحریر فرمایا اور اس کے ساتھ دیگر بعض مکاتیب مشتمل بر معارف عالیہ ارسال فرمائے۔ اور ایک عزیز جو بلخ سے ہندوستان آیا تھا اس سے منقول ہے کہ جب مکتوب مذکور شیخ مذکور کی خدمت میں پہنچا اور اس کا مطالعہ کیا تو شیخ کھڑے ہوگئے اور کمال درجہ کی خوشی و سرور میں رقص کرنے لگا اور فرمایا کہ اگر سلطان العارفین و سید الطائفہ وغیرہما اس وقت زندہ ہوتے تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اھ" [1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق بعد کے اکابرین کی رائے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعد بھی ہر زمانہ میں اکابر علماء و صلحاء نے آپ کو بے چون و چرا مجدد الف ثانی تسلیم کرتے ہوئے آپ کے تجدیدی کارناموں کو سراہا ہے اور آپ کی تجدیدی اصلاحات سے استفادہ و افادہ کا سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ ظہور امام مہدی تک جاری رہے گا۔ اب ہم ان میں سے چند حضرات اکابرین کی رائے درج کرتے ہیں:-

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ [2] ولی اللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے رسالہ "رد روافض" کی شرح فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ قلمی جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری مدظلہ العالی (صدر مفتی دار العلوم دیوبند) کے پاس ہے، شاہ صاحب اس شرح کے شروع میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ رسالہ جس کو واحد زماں، فرید آواں، شریعت و طریقت میں راسخ، معرفت و حقیقت کے کوہ بلند، ناصر سنت، قامع بدعت، اللہ کا روشن چراغ جس کو عالم میں اس لئے رکھا گیا کہ مومن

---

[2] حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی قدس سرہما بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب ۴ شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب تیس ۳۰ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ تقریباً پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے تھے، سترہ سال کی عمر میں والد ماجد کے انتقال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے اور تقریباً بارہ سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے مستفیض ہوئے ظاہری اور باطنی علوم میں آپ کی ذات مجمع کمالات تھی آپ کی اولاد امجاد بھی فضل و کمال میں آپ کے نقش قدم پر تھی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ آپ نے اکسٹھ سال چار ماہ کی عمر میں ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بوقت ظہر دہلی میں وفات پائی۔

[1] ترجمہ احوال الامام الربانی المعرب برحاشیہ ص ۳۵ و ۳۶

بندوں میں سے جو چاہے اس سے روشنی حاصل کرے، اللہ کے دشمنوں یعنی کافروں اور بدعتیوں پر سیف مسلول، امام و عارف العالم الالمعی مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی نقشبندی سرہندی نے تصنیف کیا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور وسط جنتِ خلد میں جگہ عنایت فرمائے اور خطیرۂ رضامندی میں ان کا مسکن بنائے الخ"

آگے چل کر اس شرح رسالہ میں شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"شہامت، نجابت، کثرتِ علم، توقدِ ذہن، استقامتِ عمل، اللہ ورسولؐ کے بارے میں دینی غیرت، کرامتِ جلیلہ اور مقاماتِ کثیرہ وغیرہ صفاتِ محمودہ جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس شیخ (حضرت مجدد علیہ الرحمۃ) کے نفسِ قدسی صفت میں رکھدی ہیں ان کے علاوہ اس کے بہت سے احسان اہلِ ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے اس لئے کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوگا۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے احسانات شمار کرائے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ "ان امور کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ حالت ہوگئی کہ ان سے محبت کرنے والا شخص مؤمن متقی ہے اور ان سے بغض و عداوت کرنے والا شخص فاجر شقی ہے۔" [1]

نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ مجدد علیہ الرحمۃ اس دور کے پیش خیمہ ہیں، اس دورہ کے بہت سے مخصوص معارف اور علوم، شیخ کی زبانِ مبارک سے رمز و اشارہ کے طور پر صادر ہوئے ہیں۔ شیخ اس دورہ کے قطبِ ارشاد ہیں، آپ کے ہاتھوں پر بہت سے طبعی گمراہ اور بدعتی تائب ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کی تعظیم عین مُروّدِ و مکوّنِ کائنات (یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ) کی تعظیم ہے۔ حضرت شیخ کے انعامات و برکات کا شکریہ عین ایزد متعال کے انعامات کا شکریہ ہے۔" [2]

حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کا مکاشفہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ نے بھی تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شان و عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۰۳، ۳۰۴ تا ۳۰۶ ملخصاً۔ [2] کلمات طیبات ص ۱۶۲ مکتوب ہفتم۔ [3] ... ملاحظہ

"میں ایک مرتبہ جمالِ جہاں آرائے حضرتِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات سے مشرف ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں لیٹا ہوا ہوں، اور آپؐ کا سانس مبارک مجھ کو پہنچ رہا ہے اسی اثناء میں مجھے پیاس لگی اور پیرزادگانِ سرہندی بھی وہاں موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک کو پانی لانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ! یہ تو میرے پیرزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہمارا حکم بجا لاتے ہیں۔ پس ان میں سے ایک عزیز پانی لایا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حق میں کیا فرماتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "مثلِ ایشاں در امتِ من دیگر کیست" (یعنی اُن جیسا میری امت میں دوسرا کون ہے)۔ پھر میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اُن کے مکتوبات آپ کی نظر سے گذرے ہیں"؟۔ آپؐ نے فرمایا "اگر تمہیں کچھ یاد ہے تو پڑھو۔ میں نے ان کے کسی مکتوب شریف کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی "اِنَّہٗ تَعَالٰی وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ (بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند اور اعلیٰ وارفع ہے) آپؐ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور نہایت محظوظ ہوئے۔ فرمایا "دوبارہ پڑھو" میں نے دوبارہ یہی عبارت پڑھی۔ آپ نے پھر بہت زیادہ تحسین فرمائی اور یہ حالت بہت دیر تک جاری رہی"۔ انتہٰی۔ (کلماتِ طیبات ص ۷۷)

قاضی ثناء اللہ محدثؒ پانی پتی[ع] | آپ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت میرزا مظہر جاناں[ع] قدس سرہٗ کے اجل خلفاء میں سے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ آپ کو اپنے زمانہ کا بیہقی کہا کرتے تھے، آپ

ع حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں بن میرزا جان علیہما الرحمہ بروز جمعہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ بوقت فجر بعہد عالمگیرؒ پیدا ہوئے، آپ کے والد بزرگوار امرائے شاہی سے تھے اور شاہی خاندان سے قرابت بھی تھی، مزاج میں نفاست و لطافت کو بہت دخل تھا، حدیث و تفسیر اور متداول علوم کے علاوہ آدابِ شاہی اور فنِ سپہ گری میں بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ شیخ محمد عابدؒ اور دیگر مشائخ سے کسبِ فیض کیا آخر میں حضرت سید نور محمد بدایونیؒ سے بیعت ہو کر خلافت و اجازت حاصل کی، کہتے ہیں کہ شہادت سے چار یا پانچ یوم قبل ایک غزل کہی تھی جس کا یہ شعر آپ کے لوحِ مزار پر کندہ ہے ؎

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے ۔۔۔ کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

دیوانِ مظہر (فارسی دیوان) کلماتِ طیبات (فارسی مکتوبات) آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ایک رافضی آپ کی خدمت میں آیا اور موقعہ پاکر آپ کے گولی ماردی جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے تین دن بعد بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۹ محرم ۱۱۹۵ھ شہادت پائی اور اپنی خانقاہِ مظہریہ دہلی میں دفن ہوئے۔

ع حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ کا سلسلۂ نسب بارہ واسطوں سے حضرت شیخ جلال الدین پانی پتیؒ تک پہنچتا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، آپ نے ۱۲۲۵ھ میں پانی پت میں وفات پائی۔

کی تفسیر مظہری عربی علماء میں نہایت مقبول ہے سلوک میں ارشاد الطالبین اور فقہ میں مالا بد اور دیگر کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ تفسیر مظہری میں بہت جگہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے معارف بطور سند قال المجدد رضی اللہ عنہ کہہ کر نقل فرماتے ہیں مثلاً مظہری ص۲۷۵ ج۶ قال المجدد للالف الثانی رضی اللہ عنہ ان الکعبۃ بیت اللہ مع کونھا متجسد أمر یُتالھا شبہ بما لا کیف لہٗ ـــــ ایضاً سورۃ النحل ص۶۵ ج۵ واٰتینٰہ فی الدنیا حسنۃ قال المجدد رضی اللہ عنہ المراد بھا الخلۃ الخ ـــــ ایضاً سورۂ بنی اسرائیل ص۸۵ ج۵ قال المجددؒ رضی اللہ عنہ لصلوۃ التہجد مدخلا عظیما فی مقام الشفاعۃ ـــ ایضاً سورۃ النساء ص۹۳۶ ج۲ قال المجددؒ رضی اللہ عنہ الخلیل ھو الندیم الذی یعرض المرء علیہ اسرار محبہ و محبوبہ وغیرہ

علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ | حضرت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمہ اللہ صاحب تصانیف کثیرہ[5] اپنی عربی تصنیف سبحۃ المرجان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا شیخ احمدؒ بن شیخ عبدالاحدؒ فاروقی سرہندی ...... آپ سرہند کے اکابرین میں سے ہیں اہلِ ہند کے لئے باعثِ فخر و مجدد الفِ ثانی اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر روشن دلیل ہیں، آپ ایک ایسا ابرِ کرم ہیں جس کی بارش سے عرب و عجم سیراب ہے اور ایسا آفتاب ہیں جس کے انوار سے مشارق و مغارب منور ہیں، علومِ ظاہری و باطنی کے جامع ظاہر و پوشیدہ خزانوں کے خزانچی ہیں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے صغرسنی میں قرآن مجید حفظ کیا، آپ نہایت خوش آواز تھے، ابتداء میں اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال الدین کشمیری سے معقولات کی بعض کتابیں نہایت تحقیق و تدقیق سے پڑھیں اور حدیث مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھی اور حدیثِ مسلسل کی روایت شیخ عبدالرحمٰن سے جو کہ ہند کے اکابر

[5] حضرت مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی بن نوح حسینی نسباً، واسطی اصلاً، بلگرامی مولداً و منشأً، حنفی مذہباً اور چشتی طریقۃً ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ مطابق ۹ جون ۱۷۰۴ء کو پیدا ہوئے، درسی کتب از ابتدا تا انتہا میر طفیل محمد بلگرامی سے اور لغت، حدیث، سیرت اور ادب کی تحصیل اپنے ماموں میر عبدالجلیل بلگرامی سے کی شاعری کا ذوق بھی اُن ہی سے پایا عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر ہوئے ہیں میر سید لطف اللہ بلگرامیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی پھر زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور مدینہ منورہ میں مولانا شیخ محمد حیات سندھیؒ سے صحیح بخاری اور صحاح ستہ کی اجازت حاصل کی، مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری کی صحبت میں استفاضہ کیا۔ بعد ازاں ۱۱۵۰ھ میں نواب نظام الدولہ والی دکن نے آپ کو اورنگ آباد کی صوبہ داری پر تعینات کیا، اسی زمانہ میں مرہٹوں کے خلاف جہاد کیا۔ غرض بہت سی علمی انتظامی اور عسکری کارنامے انجام دے کر ۱۲۰۰ھ میں فوت ہوئے متعدد تصانیف کیں جو بیشتر عربی اور فارسی میں ہیں۔

محدثین ہیں سے تھے ایک واسطہ کے ساتھ حاصل کی اور ان سے کتبِ تفسیر و صحاحِ ستہ اور تمام مفردات کی اجازت حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں علومِ درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے، عربی و فارسی زبان میں بعض رسائلِ لطیفہ تصنیف فرمائے، پھر دہلی تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کیا۔۔۔۔ طریقۂ چشتیہ اپنے والدِ ماجد شیخ عبدالاحدؒ سے اور طریقۂ قادریہ شیخ سکندر کیتھلی قدس سرہٗ سے اخذ کیا۔۔۔۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ آپ کے حق میں بڑی عنایات فرماتے اور کلماتِ عزت سے خطاب کرتے تھے۔۔۔۔ پھر مجدد (علیہ الرحمہ) مسندِ ارشاد و تلقین پر متمکن ہوئے اور آپ کے فیض سے تمام آسمان و زمین پُر ہو گئے اور آپ کی زیرِ تربیت بڑے بڑے خلفا نے ترقی حاصل کی ان میں سے ہر ایک دائرہ ولایت کا مرکز اور نشانی ہے۔ آپ کا سلسلہ ہند سے ماوراء النہر و روم و شام و عرب تک پہنچ گیا۔ آپ کے فارسی مکتوبات تین مجلدات میں ہیں جو آپ کے تبحر پر قاطع دلائل اور آپ کی بصیرت پر روشن براہین ہیں۔۔۔۔ آپ نے اپنے بعض مکتوبات میں اپنے بعض معارف تحریر فرمائے ہیں میں ان کا عربی میں ترجمہ کرتا ہوں قال قدس سرہٗ۔۔۔[1]

نواب صدیق حسن خان مرحوم[ع] کا خراجِ عقیدت

نواب صاحب مرحوم باوجودیکہ مسلکاً "اہلِ حدیث" اور اپنے مسلک میں بڑے راسخ ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک راسخ العقیدہ حنفی اور فقہ حنفی پر بڑا اعتماد و یقین رکھنے والے ایک مقلد صوفی، لیکن نواب صاحب مرحوم اپنی کتاب "تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار" میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ عالم عارف اور کامل مکمل تھے، اپنے زمانے میں طریقۂ نقشبندیہ کے امام تھے، صوفیوں کے لئے سلوک کے راستوں میں مجدد، خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ ہیں، آپ کا سلسلہ ہندوستان

ع مولوی نواب صدیق حسن خان بہادر، مولوی آل حسن قنوجی کے صاحبزادے تھے کنیت ابوالطیب ہے۔ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو بریلی شہر میں جہاں آپ کی ننہال تھی پیدا ہوئے، بچپن اپنے آبائی وطن قنوج میں گزارا، علوم مروجہ مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے پڑھے، تفسیر و حدیث وغیرہ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ ہندی، شاہ محمد یعقوب دہلوی اور قاضی حسین بن محسن انصاری سے حاصل کئے۔ نواب شاہجہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں شادی ہوئی اور وہیں قیام فرما کر اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں وفات پائی اور بھوپال ہی میں دفن ہوئے ۔۔ دوسری بیوی سے دو صاحبزادے نورالحسن خاں طیب اور میر علی حسن خاں طاہر پیدا ہوئے۔ دونوں صاحبِ علم و ثروت تھے۔

[1] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص۴۷ و ۴۸۔

سے ماوراء النہر اور شام و روم اور اقصائے مغرب تک پہنچا ہوا ہے۔ مقامات کی انتہا پر پہنچنے اور ان کی معرفت حاصل کرنے میں جو اعلیٰ درجہ کا علم اور کمال درجہ کا تبحر ان کو حاصل تھا اس پر ان کے یہ مکتوبات شاہد اور روشن دلیل ہیں جو کہ تین جلدوں میں ہیں، اتباعِ سنت اور ترکِ بدعت پر حریص تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہما جیسے حضرات کا ان کے سلسلۂ طریق میں داخل ہونا ان کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کو شروع میں آپ کے قال و حال پر انکار تھا لیکن آخر کار اس انکار سے رجوع فرمایا اور ظاہر و باطن میں آپ کی فضیلت کا اعتراف کرلیا۔ وللہ الحمد۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے مکتوبات ردِّ بدعت اور بدعت کے حسنہ و سیئہ ہونے کی تقسیم کے انکار سے پُر ہیں، اپنے زمانے میں اہل سنت و جماعت کے امام تھے۔ ظاہر و باطن میں ان کا طریقۂ عالیہ کتاب و سنت پر مبنی ہے اور جو چیز ان دونوں محکم اصولوں کے مخالف ہو وہ ان کے طریقہ میں مقبول نہیں۔ معرفت و قبول کی منزلوں پر پہنچنے کے لئے یہ مکتوبات اصولِ عظیمہ ہیں، طالبِ صادق اور سالکِ راغب کو کسی وقت ان مکتوبات کے مطالعہ سے بے نیازی حاصل نہیں۔"[1]

نیز نواب صاحب موصوف اپنی کتاب ریاض المرتاض میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حالات میں رقمطراز ہیں:۔

"مجدد الف ثانی رح کے کشف کے مرتبہ بلند کو اس سے معلوم کرنا چاہئے کہ سب کشف چشمۂ ہوش سے سرزد ہوئے اور کبھی کوئی کشف شریعت کے مخالف نہ ہوا بلکہ اکثر کی تو شریعت مؤید ہے اور بعض کشف ایسے ہیں کہ شریعت ان سے ساکت ہے۔ اولیائے کرام میں ان کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اولوالعزم نبیوں کا مرتبہ"۔[2]

ترکی کے ایک بزرگ عالم باعمل کی رائے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات قدسی آیات کے متعلق عالم باعمل ولی کامل جناب سید عبدالحکیم بن مصطفیٰ الآرواسی قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۳۶۳ھ بشہر انقرہ (ترکی) نے اپنی کتاب المسمّی "باصحاب الکرام" میں لکھا ہے: "افضل الکتب الاسلامیۃ بعد کتاب اللہ تعالیٰ و بعد الاحادیث النبویۃ مکتوبات للامام

---

[1] تقصار جیود الاحرار ملخصاً ص ۱۱۱ و ۱۱۲ [2] اردو ترجمہ ریاض المرتاض ص ۱۲۱ و ۱۲۲ بحوالہ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۰۸۔

الربانی لامثل لہ فی الاقطار الجہانی" (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کتبِ اسلامیہ میں سب سے افضل کتاب حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات قدسی آیات ہیں کہ جن کی مثل اطرافِ عالم میں کوئی کتاب نہیں ہے[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ یورپ کی نظر میں

"الفرقان" کے مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ میں اس عنوان کے تحت چند سطریں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق لکھنؤ کی بھی شائع ہوئی تھیں وہ بھی ملاحظہ ہوں)

"یورپ کی نظر میں حضرت مجددؒ کی اصل حیثیت مبلغ دین کی ہے۔ ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام میں ہے: "شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سُنّی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے۔ شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کرا دیا۔ دو برس وہ قید میں رہے اور اس مدت میں انھوں نے اپنے رفقائے زندان میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنا لیا" (ص ۴۱۲ طبع ثالث)

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (مذہب و اخلاقیات کی دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے: "ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا ناحق قید کر دیئے گئے تھے ان کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنا لیا۔" (ج ۸ ص ۷۴۸) [2]

> "اعمالِ مقربہ یعنی وہ اعمال جن سے درگاہِ الٰہی میں قرب حاصل ہوتا ہے فرض ہیں یا نفل، فرضوں کے مقابلے میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ کسی ایک وقت میں فرضوں میں سے ایک فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نفل خالص نیت سے ادا کئے جائیں اور خواہ وہ نفل نماز و روزہ ذکر و فکر وغیرہ کسی بھی قسم کا ہو، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کی ادائگی کے درمیان سنتوں میں سے کسی سنت اور مستحبات (آداب) میں سے کسی مستحب (ادب) کی رعایت کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے۔" (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۹)

[1] بحوالہ "علماء المسلمین [2] از تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۰۹۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ

کے

تجدیدی کارنامے

امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ السامی اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ العزیز کو جو کہ اسرار و معارفِ مجددیہ کے وارث ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ولایتِ ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسنِ ملاحت اس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے"

اسی مکتوب گرامی میں اس مفہوم کی تفصیل درج فرما کر آخر میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"اے فرزند! باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے وابستہ رہا ہے ایک اور کارخانۂ عظیم میرے سپرد کیا گیا ہے، مجھے پیری مریدی کے لئے (اس دنیا میں) نہیں لایا گیا ہے اور نہ ہی میری پیدائش سے مخلوق کی تکمیل وارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرتِ خداوندی کو مجھ سے کچھ اور ہی کام لینا ہے البتہ اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ فیض بھی حاصل کرلیگا ورنہ نہیں، تکمیل وارشاد کا کام اس کارخانہ کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے (یعنی بالکل ہیچ ہے) انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ان باطنی معاملات کے ساتھ ہی نسبت تھی اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات و خصوصیات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہے"۔[1]

"یہ کارخانۂ عظیم" اور "معاملۂ دیگر" کہ جس کے سامنے تکمیل وارشاد کی بھی کوئی حقیقت نہیں ــ "احیائے ملت" اور "اقامتِ دین" کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے، فی الحقیقت آپ کا اصل کام ہی تھا

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۷۔

کہ بگڑی ہوئی اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں اور حق کو جو کہ باطل کے پردوں میں مستور ہو گیا تھا اس کی اصلی صورت اور اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں، کلمۂ الٰہی پھر غالب ہو اور کفر و بدعت کے غلیظ بادل اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دیئے جائیں۔ اس کارخانۂ عظیم کے ایک حصہ کی توضیح حضرت مجدد قدس سرہٗ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے :۔

"حضرت خواجۂ احرار قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں صرف پیری (شیخ ہونے) کا کام انجام دیں تو دنیا میں کسی پیر کے لئے کوئی مرید نہ رہے لیکن میرے متعلق کچھ اور ہی کام ہے اور وہ شریعت کا رواج دینا اور مذہب کی تائید کرنا ہے چنانچہ حضرت موصوف اسی لئے بادشاہوں کی مجالس میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع فرماتے اور ان کے ذریعہ شریعت کی ترویج کرتے"[1]

آپ کی روحِ پاک پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی اس وقت کسی سے کوئی امید نہ کی جا سکتی تھی۔ اس مضمون میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اِس مجددِ دین و ملت نے اُن حد سے زیادہ بگڑے ہوئے حالات کو کس طرح سنبھالا اور کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے بغیر کن تدابیر سے پورے ملک کی فضا کو بدل کر رکھ دیا حتیٰ کہ خود حکومت میں بھی خود بخود ایسا انقلاب پیدا ہو گیا جو بسا اوقات زبردست انقلابی تحریکوں سے بھی پیدا نہیں ہوتا، افسوس ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس جدوجہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ بھی ایسی موجود نہیں ہے جس سے اس سلسلہ کے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے۔ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کے مکتوبات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے بہت سے ارکانِ سلطنت اور عمائدینِ حکومت سے خاص ربط پیدا کیا بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں یوں کہئے کہ اُن کو اپنا گرویدہ و پیروکار بنا لیا لیکن یہ کیونکر ہوا اور ایک فقیر بے نوا نے کس طرح اس میں کامیابی حاصل کی اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں[2]۔

قامعِ بدعت، حامیِ سنت، مجاہدِ ملت کہلانے کے لئے اگرچہ بہت سی خانقاہیں درگاہیں اور محفلیں تھیں جہاں ردِ بدعت پر تقریر کر دی جاتی اور عوام کے تصادم سے یہ خطابات حاصل کر لیے جاتے مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نزدیک نظریۂ اصلاح یہ ہے کہ

---

[1] دفتر اول مکتوب ۶۵ [2] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۴۰ تا ۱۴۳۔

"بادشاہ کو عالم (جہان) کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ دل کو بدن کے ساتھ ہے اگر دل ٹھیک ہے تو بدن بھی ٹھیک ہے اور اگر دل بگڑا ہوا ہے تو تمام بدن بگڑا ہوا ہے لہذا بادشاہ کی درستی میں سارے عالم کی درستی ہے اور اس کی خرابی میں سارے عالم کی خرابی ہے۔"[1]

نیز ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں:-

"بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسم کی طرح، اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے اور اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے پس بادشاہ کی بہتری میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔"[2]

آپ تحصیلِ علم کے بعد آگرہ تشریف لے گئے اور بسلسلۂ درس و تدریس چند سال آگرہ میں قیام فرمایا وہاں آپ کے حلقۂ درس نے بہت جلد اتنی شہرت حاصل کر لی کہ ابوالفضل اور فیضی جیسے مشہور زمانہ و خود پسند ماہرینِ منطق و فلسفہ آپ کی زیارت کے مشتاق ہوئے، آگرہ کے اس قیام سے آپ کو ان تمام سرچشموں کا علم ہو گیا جن سے اکبری فتنہ کی نہریں نکل رہی تھیں، یہ ممکن تھا کہ آپ ابتدا ہی سے انقلابِ سلطنت کی صورتیں سوچتے اور کامیابی کی جدوجہد کرتے مگر آپ کو اپنے لئے سلطنت مطلوب نہ تھی اور دوسرے کو سلطان بنانے میں وہی دشواری درپیش ہوتی اس لئے آپ نے انقلابِ سلطنت کی بجائے نظریاتِ سلطنت کی تبدیلی کو زیادہ مفید تصور کیا لیکن اس کے لئے بادشاہ کی اصلاح سے پیشتر کارکنانِ حکومت کی اصلاح ضروری تھی چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریق کار کی ترتیب اس طرح تھی (الف) غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح —— (ب) ارکانِ سلطنت کی اصلاح —— (ج) بادشاہ کی اصلاح۔

اس وقت ملک کے سامنے غلامی اور آزادی یا ملکی اور غیر ملکی اقتدار کا سوال نہیں تھا، بادشاہ ہندوستانی تھا، ہندوستان کسی ملک کا باجگزار نہ تھا، ہر ایک ہندوستانی خود کو آزاد سمجھتا تھا خود مختار پنچائتی نظام ہر ایک ہندوستانی کے شخصی حقوق اور شخصی عزت و حرمت کا ذمہ دار تھا لہذا مذہبی نقطۂ نظر نیز مسلم حکومت کی بقاء و تحفظ کے پیشِ نظر اصلاح کے معنی صرف یہ تھے کہ عوام ان کے ارکانِ دولت اور خود سلاطین طے کر لیں کہ انفرادی طور پر اتباعِ سنت اور اجتماعی طور پر ترویجِ شریعت

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۷ [2] دفتر دوم مکتوب ۶۷

ان کا نصب العین اور اُن کی تمام اجتماعی اور انفرادی جدوجہد کا محور ہے، ارادوں کی تکمیل قدرت کا عام قانون ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ؏

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

آسمانِ تاریخ پر جو لوگ چاند تارے بن کر چمکتے ہیں قدرتی طور پر اُن کے فکر بلند ارادے عظیم ہوتے ہیں اور اسی کے بموجب ان کو توفیقِ الٰہی حاصل ہوتی ہے ؎

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق　　باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

قدرت اپنے دستور کے مطابق جب بلند ارادوں کی تکمیل کرتی ہے تو عوام کی نظر میں وہ بالکل عجیب چیز ہوتی ہے اور اس کو امدادِ غیبی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصلاحِ سلطنت بلند ترین نظریہ ہے، اسلامی اصول کے بموجب اصلاحِ سلطنت، ملّتِ اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے اور اس بلند نظریہ کے حامل کو جس قدر توفیقِ الٰہی حاصل ہو کم ہے، مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔

غیر سرکاری طبقہ کی اصلاح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب اس عظیم الشان مقصد کے لئے جدوجہد شروع کی تو کامیابی ان کے ہمرکاب تھی، (الف) غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح۔ (ب) ارکانِ دولت کی اصلاح۔ اس عظیم الشان مقصد کی پہلی اور دوسری کڑی تھی۔ نمبر (الف) میں کامیابی کا اندازہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے جو جہانگیر بادشاہ کی تخت نشینی کے فوراً بعد شیخ فرید کے نام تحریر فرمایا ہے اس میں عہدِ اکبری کی ماتم گساری کے بعد رقم فرماتے ہیں:۔

"آج جبکہ دولتِ اسلام کی ترقی اور موانعاتِ اسلام کا زوال اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے کہ بادشاہ کے مددگار و معاون ہوں اور شریعت کی ترویج اور مذہب کو تقویت دینے میں اس کی رہنمائی کریں خواہ یہ امداد و تقویت زبان سے میسر ہو یا ہاتھوں سے جس قسم کی بھی امداد مطلوب ہو اس سے دریغ نہ کریں، سب سے بڑھ کر مدد کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے طریق پر شرعی مسائل کو بیان کرنا اور عقائدِ کلامیہ کو ظاہر کرنا ہے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آکر بادشاہ کو راستہ سے نہ بہکائے اور کام خراب نہ کردے۔ اس قسم کی امداد علمائے اہلِ حق کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں، علمائے دنیا جن کا مقصود صرف کمینی دنیا ہے ان کی صحبت

زہر قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

گزشتہ صدی میں جو بلا اسلام کے سر آئی وہ اسی جماعت کی کم بختی و بے باکی کے باعث تھی بادشاہوں کو سیدھے راستے سے یہی لوگ بہکاتے ہیں، بہتر فرقے، جنھوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے اُن کے مقتدا اور پیشرو یہی بُرے علما تھے، علماء کے سوا ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گمراہ ہوئے ہوں اور اُن کی گمراہی کا اثر دوسروں تک پہنچا ہو۔

اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ بُرے علماء کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص ہر قسم کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی بھی مدد نہ کرے اور کارخانۂ اسلام میں فتور پڑ جائے تو وہ کوتاہی کرنے والا شخص سزایاب ہوگا اس لئے یہ فقیر بے سر و سامان بھی چاہتا ہے کہ آپ کو دولتِ اسلامیہ کے مددگار گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کے گروہ کو زیادہ کیا وہ انہی میں سے ہے) کے موافق ہو سکتا ہے کہ اس فقیر بے استطاعت کو ان بزرگوں کی جماعت میں شامل کر لیں۔ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ہے جو اپنا تھوڑا سا سوت لے کر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں میں شامل ہو گئی تھی ــــ امید ہے کہ فقیر جلدی ہی انشاء اللہ العزیز حاضرِ خدمت ہونے کا شرف حاصل کریگا۔ آپ کی جنابِ شریف سے امید ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آپ کو پادشاہ کا قرب پورے طور پر بخشا ہے تو خلوت و جلوت میں اور پوشیدہ و علانیہ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رواج دینے میں کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو ذلت و خواری سے نکالیں گے"۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خواص و عوام کی بیشمار جماعت آپ کے ساتھ ہے جو انقلاب یا اصلاحِ حکومت کے لئے بے چین ہے اور آپ جنگ و جدل کے فتنہ کو دبا کر یہ چاہتے ہیں کہ ارکانِ دولت اور مشیرانِ خصوصی کے ذریعے یہ مرحلہ طے ہو جائے۔ حضرت موصوف کے نزدیک ارکینِ دولت کی اصلاح بادشاہ کی اصلاح سے مقدم تھی کیونکہ فساد کا اصلی سبب یہی لوگ تھے۔ مذکورہ مکتوبِ گرامی کے مکتوب الیہ شیخ فرید ایک رکنِ دولت ہیں جو اکبر کے زمانے میں میر بخشی تھے، تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے سب سے پہلے جن پر انعام و اکرام کیا وہ آپ ہی ہیں۔ جہانگیر

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۴۷۔

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: "شیخ فرید میرے والد کی خدمت میں میر بخشی تھے میں نے ان کو خلعت، شمشیر مرصع، دوات وقلم مرصع مرحمت فرما کر اسی خدمت پر بحال رکھا اور ان کی سربلندی کیلئے ابدولت نے فرمایا کہ ما بدولت تم کو صاحب السیف والقلم جانتے ہیں"۔ [1]

اور جلوس سنہ ۲ میں جب جہانگیر کا بڑا لڑکا خسرو باغی ہو گیا جس کے تعاقب میں بنفس نفیس جہانگیر کو جدوجہد کرنی پڑی اس یلغار میں شیخ فرید ہراول کے افسر اعلیٰ تھے انھوں نے جہانگیر سے چند گھنٹے پہلے لاہور پہنچ کر خسرو کی بہت بڑی فوج کو اپنی تھوڑی سی فوج کے ذریعہ شکست دی اس کے بعد جہانگیر بادشاہ نے صاحب السیف والقلم یعنی شیخ فرید کو اس کی حسن خدمت کے صلہ میں مرتضیٰ خاں کے خطاب والا سے سرفراز کر دیا"۔ [2]

شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت خلق اللہ کی ایک بے شمار جماعت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ تھی خود جہانگیر آپ کے متعلق لکھتا ہے کہ "ہر شہر اور دیار میں اپنے مریدوں میں سے ایک ایک خلیفہ کو جو دکان آرائی، معرفت فروشی اور مردم فریبی کے طریقے میں دوسروں کی بہ نسبت بہت پختہ ہوتے ہیں بھیج رکھا ہے اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام بہت سی چکنی چپڑی نمائشی باتیں لکھ لکھ کر ایک کتاب جمع کی ہے جس کا نام مکتوبات رکھا ہے"۔ [3]

مکتوبات شریفہ میں اگرچہ تاریخیں درج نہیں ہیں مگر بظاہر دفتر اول و دوم اس واقعہ سے پہلے مرتب ہو چکے ہیں اور جہانگیر کی مراد یہی دو دفتر ہیں کیونکہ تیسرے دفتر میں حضرت موصوف کے وہ مکاتیب ہیں جو قید خانہ سے ارسال فرمائے ہیں، اگرچہ جہانگیر نے جو اس وقت غرور و تکبر میں مست تھا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر یہ فرد جرم لگائی تھی لیکن یہ خواص و عوام میں حضرت موصوف کی کامیابی و مقبولیت کی اعلیٰ سند اور آپ کی منقبت کی بیّن دلیل ہے۔

ارکانِ سلطنت کی اصلاح | بہرحال اس منظم جدوجہد سے نمبر الف کی کامیابی کا کافی اندازہ ہو جاتا ہے اب نمبر ب یعنی ارکانِ سلطنت کی اصلاح میں کامیابی ملاحظہ فرمائیے۔ مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دربار کے جتنے ممتاز رکن سنی المذہب تھے آپ نے سب کو اپنا حلقہ بگوش کر لیا تھا چنانچہ خانخاناں، خان جہاں، خانِ اعظم، خواجہ جہاں، مرزا داراب، قلیچ خاں،

---

[1] تزک جہانگیری [2] ایضاً ص ۳۲ [3] ایضاً ص ۲۷۲۔

اور نواب سید فرید وغیرہم کے نام خطوط، دفاترِ مکاتیب میں موجود ہیں۔ یہ تمام حضرات دولتِ جہانگیر کے عمائدین ہیں، بالخصوص عبدالرحیم خانخاناں (خلف الرشید بیرم خاں خانخاناں) عہدِ اکبری سے اتنا ترقی یافتہ ہے کہ گویا آدھی سلطنت کا مالک ہے۔ جہانگیر نے اپنی توزک[۱] میں ان کی تعریف میں بہت اچھے الفاظ لکھے ہیں۔ آپ حضرت مجدد قدس سرہ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں باقاعدہ بیعت تھے۔ داراب خاں خانخاناں کا لڑکا تھا جو شاہجہاں کا رفیق خاص رہا حتیٰ کہ شاہجہاں کی بغاوت کے زمانہ میں شاہجہاں کی حمایت کرتا ہوا شاہی لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح دوسرے حضرات بھی دولتِ جہانگیری کے ممتاز رکن تھے جو اکبر کے زمانہ سے معتدر حیثیت رکھتے تھے، ایک فقیر بے نوا نے ان شوکت و حشمت کی اونچی چوٹیوں پر رہنے والوں کو کس طرح شکار کر لیا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے[۲]۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عظمت و جلالت اور مودت و محبت کچھ ایسے قلوب میں ڈال دی جن کے ہاتھوں میں سلطنت کا کاروبار تھا اور جن کو حکومت میں کافی رسوخ حاصل تھا، آپ نے ایک طرف تو خود ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کر کے اسلامی زندگی کا اعلیٰ نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعے حکومت کی مشینری کے رُخ کو صحیح کیا، یہ ارکانِ سلطنت جن کے ذریعہ حضرت علیہ الرحمہ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے ان میں سے بعض دارالسلطنت آگرہ ہی میں تھے اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں، اور حضرت ہر ایک کو برابر ہدایات دیتے رہتے تھے، حیرت ہوتی ہے کہ اُس وقت جبکہ رسل و رسائل کے ذرائع بہت ہی محدود تھے جبکہ تار برقی کا یہ جال اور ریلوں کا موجودہ نظام پھیلا ہوا نہ تھا اس وقت یہ فقیر کس طرح سرہند کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر یہ سب کچھ کر رہا تھا آپ کی اس ٹھوس اور خاموش انقلابی کوشش کا کچھ دھندلا سا نقشہ جن مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام کی غربت و کس مپرسی، مسلمانوں کی ذلت و خواری اور بے اعتقادی اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے بعد لالہ بیگ کو خدمتِ دین اور اعلائے حق کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(لالہ بیگ، جہانگیر کے بہت معتمد تھے اُس نے صوبہ بہار کا تمام نظم و نسق انہی کے سپرد کر دیا تھا گویا یہ بہار کے گورنر تھے (تزک جہانگیری)

---

[۱] توزک جہانگیری

[۲] تذکرہ مجدد الف ثانی و علمائے ہند کا شاندار ماضی ملتقطاً۔

"تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں صرف کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کا نشان نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلامی کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے، گائے کا ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے، کفار جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں مگر گائے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ سلطنت کے ابتداء ہی میں اگر مسلمانی نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ورنہ نعوذ باللہ اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث، دیکھئے کون صاحبِ دولت اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون بہادر اس دولت کو آگے بڑھ کر لیتا ہے۔
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"[1]

مفتی صدر جہاں کو جہانگیر بہت مانتا تھا، یہ بچپن میں اس کے نگرانِ تعلیم بھی رہے تھے، یہ وہی بزرگ ہیں جن کو اکبر نے وفات کے وقت خاص طور سے کلمۂ شہادت پڑھوانے کے لئے بلوایا تھا اور اس بنا پر کہ یہ سید تھے اور اکبر کے زمانہ میں مدتوں منصب صدارتِ افتاء پر فائز رہے تھے، جہانگیر نے بدستور منصب صدارت پر فائز رکھا اور کچھ اختیارات میں مزید توسیع کر دی اور ایک دم چار ہزاری منصب پر سرفراز کر دیا تھا جیسا کہ تزکِ جہانگیری میں ہے اور مذہبی احترام کی بنا پر ان کو اور قاضی القضاۃ کو سجدۂ شاہی بجا لانے سے بھی مستثنیٰ کر دیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ان کو کچھ دعائیں دینے اور عہدِ اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:[2]

"احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور مذہبِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی ذلت و خواری کی باتیں سن کر نیم زدہ مسلمانوں کے دل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوئی، اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ مالک و قدیر سے سوال ہے کہ اپنے نبی بشیر و نذیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس بڑے کام میں زیادتی بخشے۔ یقین ہے کہ اسلام کے مقتدر، یعنی ساداتِ عظام اور علمائے کرام خلوت و جلوت میں اس دینِ متین کی زیادتی اور اس صراطِ مستقیم کے درپے رہیں گے، یہ فقیر بے سر و سامان اس بارے میں کیا دم مارے۔ اب سنا ہے کہ

[1] دفتر اول مکتوب ۸۱ [2] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۱۳۶ و علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۲۱۹

بادشاہ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہونے کی وجہ سے علماء کا خواہاں ہے الحمد للہ علی ذلک۔[1]

نیز ایک دوسرے مکتوب میں سید صدر جہاں کو تحریر فرماتے ہیں :۔

"اب جبکہ سلطنتوں میں انقلاب واقع ہوا ہے اور اہل مذاہب کی عداوت کی تیزی درہم برہم ہو گئی ہے اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے بڑے وزیروں اور امیروں اور بزرگ عالموں پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترویج میں لگائیں اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں، کیونکہ تاخیر میں خیریت ظاہر نہیں ہوتی اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بیقرار ہیں۔ گزشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں ایسا نہ ہو کہ پھر ان کا تدارک نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔ جب بادشاہ سنت سنیۂ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہوں کے مقرب بھی اس بارے میں اپنے آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہل اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

شعر

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے — ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا — صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

اسلامی نشانیوں میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے جو گزشتہ زمانہ میں ختم ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہل اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے کئی سال سے کوئی قاضی نہیں۔ حامل رقیمہ ھذا قاضی یوسف کے باپ دادا شہر سرہند کے آباد ہونے کے وقت سے قاضی ہوتے آئے ہیں چنانچہ بادشاہوں کے کافی اسناد اس کے پاس ہیں اور صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ ہے اگر بہتر سمجھیں تو اس عظیم الشان کام کو اس کے حوالہ فرمائیں"[2]

خان جہاں اکبر کے زمانہ میں پنج ہزاری منصب رکھتے تھے عہد جہانگیری میں سلطنت کے معتمد رکن ہوئے بادشاہ کے مقربین خاص میں سے تھے اور جہانگیر ان کی بات کو سنتا اور مانتا تھا اُن کی اصلاح کی طرف حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو خاص توجہ تھی، دفتر دوم میں اُن کے نام ایک طویل مکتوب ہے جس میں آپ نے دین کے تمام مہمات اور ضروری عقائد و ارکانِ اسلام کو بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے جمع فرمادیا ہے

[1] دفتر اول مکتوب ۱۹۴ [2] ایضاً مکتوب ۱۹۵ دفتر اول

اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک شخص کو دینِ اسلام اور طریقۂ اہلِ سنت و جماعت سے واقف کرانے کے لئے یہی ایک مکتوب گرامی کافی ہے، اس میں دین کے متعلق ضروری باتیں لکھنے کے بعد "حرفِ مطلب" کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:۔

"وہ لڑائی جھگڑے جو اصحابِ کرام کے درمیان واقع ہوئے ہیں جیسا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین، ان کو نیک وجہوں پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ ان بزرگوار کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر ہوا و ہوس سے پاک اور حرص و کینہ سے صاف ہو چکے تھے اگر ان میں صلح تھی تو حق کے لئے تھی اور اگر لڑائی جھگڑا تھا تو وہ بھی حق کے لئے تھا، ہر ایک گروہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا ہے اور مخالف کو رنج و تعصب کے بغیر اپنے سے دفع کیا ہے۔ ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد میں مصیب (درستکار) ہے اس کو دو درجہ بلکہ ایک قول کے موافق دس درجہ ثواب ملے گا اور جو مخطی (خطاکار) ہے ایک درجہ ثواب کا اس کو بھی حاصل ہے پس مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دور ہے بلکہ درجاتِ ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کی امید رکھتا ہے علماء نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق حضرت امیر (علی مرتضیٰ) رضی اللہ عنہ ہی کی جانب تھا اور مخالفوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی اس کے باوجود ان پر طعن نہیں کیا جاسکتا اور ان پر ملامت کی کوئی گنجائش نہیں چہ جائیکہ ان کی طرف کفر یا فسق کی نسبت کی جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی، یہ نہ کافر ہیں نہ فاسق، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو ان سے کفر و فسق کو روکتی ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ (جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تم اس سے بچو) پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا چاہئے فلاح و نجات کا طریقہ یہی ہے کیونکہ اصحابِ کرامؓ کی دوستی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث ہے کسی بزرگ کا قول ہے مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہی نہیں جس نے آپ کے اصحاب کی عزت نہ کی)۔" (دفتر دوم مکتوب ۶۷)

پھر ہندی بُت پرستوں اور شیعوں کے عقائدِ باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد (کہ حکومت کو اس وقت یہی دو گھُن لگے ہوئے تھے) آخرِ مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

"وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس دولت سے غافل ہیں بلکہ قریب ہے کہ آپ بھی اس کو محسوس کریں وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہلِ سنت و جماعت میں سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے، اگرچہ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قربِ قیامت اور عہدِ نبوت کے بُعد کا زمانہ ہے بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی و ذلت سے جو کہ باطن کی خباثت سے پیدا ہوئی ہے بادشاہوں کے امراء کے ساتھ تقرب حاصل کیا ہے اور خوشامدی بن گئے ہیں اور دینِ متین میں تشکیکات اور اعتراضات کئے ہیں اور شبہے نکالے ہیں اور سادہ لوح اور بیوقوفوں کو بہکا رہے ہیں جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سُن لیتا اور قبول فرماتا ہے تو یہ کس قدر بھاری دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام کو اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اس کے گوش گذار کر دیں اور جہاں تک ہو سکے اہلِ حق کی باتوں کو پیش کریں بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو کی جائے تاکہ اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور کفر و کافری کے بطلان و برائی کا بیان کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرتا، بے خوف اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہئے اور بلا توقف ان کے جھوٹے خداؤں کی نفی کرنی چاہئے، اور معبودِ برحق جل شانہٗ بلا تردد و شبہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ کیا کبھی سُنا ہے کہ اُن کے باطل خداؤں نے ایک مچھر کو بھی پیدا کیا ہے اگرچہ وہ سب اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مچھر اُن کو ڈنک مارے اور تکلیف پہنچائے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تو پھر وہ دوسروں کو کس طرح بچا سکتے ہیں۔ کافر گویا اس امر کی برائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود حق تعالیٰ سے ہماری سفارش کرنے والے ہوں گے اور ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں گے۔ یہ لوگ بے عقل ہیں انہوں نے کیسے جان لیا ہے کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور حق تعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمنوں کی عبادت کرنے والوں کے حق میں قبول کرلے گا۔ ان کی مثال

بعینہٖ ایسی ہے جیسے کہ باغی لوگ بادشاہ پر حملہ کریں اور چند بے وقوف ان باغیوں کی مدد کریں اس خیالِ فاسد سے کہ تنگ وقت میں یہ باغی بادشاہ کے نزدیک ہماری سفارش کریں گے اور ان باغیوں کے ذریعہ ہم بادشاہ کا تقرب حاصل کرلیں گے۔ یہ عجیب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی شفاعت سے بادشاہ سے معافی مانگیں اور اس کا قرب حاصل کریں۔ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہلِ قرب اور اہلِ حق میں سے ہوں۔

(پھر ایک صفحہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسم کی طرح، اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے، اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بلحاظِ وقت جس طرح ہو سکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے، کلمۂ اسلام کے بعد اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دیتے چاہئیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثتِ عظمیٰ ہاتھ آگئی، آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے اس کی قدر جاننی چاہئے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے اگرچہ یہاں جس قدر زیادہ مبالغہ کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

واللہ سبحانہ الموفق [1]

انہی خاں جہاں کو ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:-

"یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کرلیں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سا کام کریں گے جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا۔ ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں تو بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔" [2]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷ [2] دفتر سوم مکتوب ۵۴۔

بارگاہِ سلطانی کے ممتاز مقربین میں شیخ فرید بھی تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ان کے نام بھی حضرت مجدد قدس سرہ کے بہت سے مکاتیب ہیں، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے خاص کر ایسے زمانہ میں جبکہ اسلام کے شعائر (نشانات) بالکل مٹ گئے ہوں کروڑ ہا روپیہ خدا تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے ایک مسئلے کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے، کیونکہ اس فعل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا ہے جو کہ بزرگ ترین مخلوقات ہیں، اور اس فعل میں ان بزرگواروں کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں انہی حضرات کو عطا ہوئی ہیں، اور کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگواروں کے سوا اوروں کو بھی میسر ہے اور نیز شریعت کے بجا لانے میں نفس کی کامل مخالفت ہے کیونکہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے ہاں ان اموال کے خرچ کرنے میں جو شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہوں بہت بلند درجہ ہے اور اس نیت پر ایک جیتل کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے کئی لاکھ خرچ کرنے کے برابر ہے۔" [1]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آج کل اس طرح کی گمراہی کے بھنور میں پھنسے ہوئے بیچارے اہلِ اسلام کی نجات کی امید بھی حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلبیت کی کشتی سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ (میرے اہلبیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ہلاک ہو گیا)۔

اپنی تمام بلند ہمت کو اسی بات پر لگائیں تاکہ یہ بڑی بھاری سعادت حاصل ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ آپ کو حاصل ہے، ذاتی شرف و عزت کے ساتھ اگر یہ بات بھی شامل ہو جائے تو آپ سبقت کی گیند سعادت کے چوگان (گیند بلا) کے ساتھ سب سے آگے لے جائیں گے یعنی بڑی سعادت حاصل کریں گے۔

یہ فقیر حقیر شریعت حقہ کی ترویج اور تائید میں اس قسم کی باتوں کے ظاہر کرنے کے ارادے سے آپ کی طرف متوجہ ہے۔" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۸ [2] دفتر اول مکتوب ۵۱

نیز انہی شیخ فرید کو ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت غریب و بیکس ہو رہا ہے۔ آج اس کی تقویت میں ایک جیتل کا صرف کرنا کروڑہا روپیوں کے بدلے قبول کرتے ہیں، دیکھیں کس بہادر کو اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرماتے ہیں۔ دین کی ترقی اور مذہب کی تقویت کسی بھی وقت خواہ کسی بھی شخص سے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے لیکن اس وقت میں جبکہ اسلام غریب ہوتا جارہا ہے آپ جیسے اہل بیت کے جوانمردوں سے نہایت ہی زیبا اور خوب ہے، کیونکہ یہ دولت آپ جیسے بزرگوں کے خاندان کی خانہ زاد ہے، اس کا تعلق آپ سے ذاتی ہے اور دوسروں سے عرضی حقیقت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اسی عظیم القدر امر کے حاصل کرنے میں ہے۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "تم ایسے زمانے میں موجود ہوتے ہو کہ اگر اوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو ترک کرو تو ہلاک ہو جاؤ، اور تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ اگر اوامر و نواہی سے دسویں حصہ کو بجا لائیں گے تو نجات پائیں گے"۔ اب یہ وہی وقت ہے اور یہ وہی لوگ ہیں ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند | کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد

کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا۔ خواہ کسی نیت سے اس کو قتل کیا گیا ہو اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا گیا ہو، کفار کا ذلیل ہونا ہی اہل اسلام کی عزت و ترقی ہے۔

اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہِ وقت نے شرک کے مزار کا خیمہ و سائبان توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بڑا بت پرست اہل شرک کا رئیس اور اہل کفر کا امام تھا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے)۔ اور دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہل شرک کو اس عبارت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ (یا اللہ تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے)

اسلام اور اہل اسلام کی عزت، کفر اور اہل کفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ وصول کرنے سے

مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے، جس قدر اہل کفر کی عزت ہوگی اسی قدر اسلام کی ذلت ہے اس اصول کو اچھی طرح نگاہ رکھنا چاہئے اکثر لوگوں نے اس اصول کو ضائع کر دیا ہے اور اس بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (اے نبیؐ! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان کے ساتھ سختی سے معاملہ کر) کفار کے ساتھ جہاد اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ اس وقت جبکہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی، کفر کی وہ رسمیں جو گذشتہ زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں ان میں سے جو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی مسلمانوں کے دلوں پر بہت گراں معلوم ہوتی ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہ اسلام کو ان بدمذہبوں کی رسموں کی برائی سے اطلاع بخشیں اور ان کے دور کرنے میں کوشش کریں، شاید بادشاہ کو ان تعاملات و رسوم کی برائی کا علم نہ ہو، اور اگر وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو بعض علمائے اہل اسلام کو اطلاع دیں کہ وہ آکر اہل کفر کی رسوم کی برائی ظاہر کریں، کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ کے لئے خوارق و کرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں، قیامت کے دن کوئی عذر نہیں سنیں گے کہ تصرف حاصل نہ ہونے کی وجہ سے احکام شرعی کی تبلیغ نہیں کی تھی۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بہترین موجودات ہیں احکام شرعی کی تبلیغ کرتے تھے اگر امت کے لوگ ان سے معجزہ طلب کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ معجزات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں ہم پر احکام کا پہنچانا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت شاید حق تعالیٰ بعض علمائے اہل اسلام پر ایسا امر ظاہر کر دے جو ان لوگوں کے حق پر ہونے کے اعتقاد کا باعث ہو جائے۔ بہرحال مسائل شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینا ضروری ہے، جب تک یہ واقع نہ ہو اس امر کی ذمہ داری علما اور بادشاہ کی بارگاہ کے مقربوں پر ہے، یہ کس قدر بڑی سعادت ہے کہ اس گفتگو میں کسی جماعت کو تکلیف پہنچے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام کی تبلیغ میں کونسی تکلیفیں ہیں جو برداشت نہیں کیں اور کونسی مصیبتیں ہیں جو ان کو پیش نہیں آئیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بہتر و بہتر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَآ اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَآ اُوْذِیْتُ (کسی نبی کو ایسی ایذا نہیں پہنچی جیسی کہ مجھے پہنچی ہے) ؎

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نہ شد | شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

(دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۳)

خانِ اعظم (اکبر کا رضاعی بھائی مرزا عزیز کوکہ) امرایا اکبری میں سے ہیں، عہد جہانگیر میں بھی حکومت کے عظیم الشان رکن ہیں اور بادشاہ ان کی بات بہت مانتا تھا، اسلام کی غربت و کس مپرسی اور حکومت وقت کی اسلام کے ساتھ بے مہری کا ذکر کرنے کے بعد ان کو تحریر فرماتے ہیں:-

"ہم آج آپ کے وجود مبارک کو غنیمت شمار کرتے ہیں اور اس معرکۂ ضعیف اور شکست خوردہ میں آپ کے سوا کسی کو بہادر اور لڑاکا نہیں جانتے، حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کا مددگار اور ناصر ہو۔ حدیث میں وارد ہے۔ لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ (تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے)۔ اس وقت وہ جنون جو کثرتِ غیرتِ اسلام کے زیادہ ہونے پر مبنی ہے اب آپ ہی کی ذات میں محسوس ہے الحمد للہ علیٰ ذالك۔

آج وہ دن ہے کہ تھوڑے سے عمل کو اجرِ عظیم کے بدلے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ اصحابِ کہف سے ہجرت کے سوا اور کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا جس نے اتنا اعتبار (یعنی فضیلت) پیدا کیا ہے۔ سپاہی دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑی سی جدوجہد بھی کریں تو بڑا اعتبار پیدا کرلیں بر خلاف دشمنوں کے امن و آرام کے وقت کے۔ اور یہ قولی جہاد جو آج آپ کو حاصل ہے یہی جہادِ اکبر ہے، اس کو غنیمت جانیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کہیں، اور اس جہادِ قولی کو جہادِ قتال سے بہتر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقرا اس دولت سے محروم ہیں ؎

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) التماس یہی ہے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے بزرگواروں کی صحبت کی برکت سے آپ کی بات میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت ہمسروں کی نظروں میں ظاہر ہو چکی ہے تو کوشش فرمائیں، کم از کم اہلِ کفر کے وہ احکام جو اہلِ اسلام میں شائع ہیں منہدم و معدوم ہو جائیں اور اہلِ اسلام منکرات (خلافِ شرع امور) سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ پہلی سلطنت میں دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اور اس سلطنت میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے، ڈر یہ ہے کہ

ایسا نہ ہو یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے۔[۱]

اس قسم کے مکاتیب جو حضرت مجدد قدس سرہٗ نے مقربانِ سلطانی کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں، مکتوبات کے دفاتر میں پچاسوں موجود ہیں، پھر ان میں صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ تک کلمۂ حق پہنچانے اور اس کو راہِ راست پر لانے کی طرف ہی ان کو توجہ اور ترغیب دلائی ہو، بلکہ اکثر مکاتیب میں تو ان مسائل کو بھی خود ہی وضاحت اور تفصیل سے نہایت دلنشین طریقہ پر لکھ دیا ہے، کفر و شرک اور رسومِ کفار کی تردید و تقبیح، اور اسلام و شعائرِ اسلام و تعلیماتِ اسلام کی تائید و توضیح اس طرح کی ہے کہ ایک صاحبِ فہم اور منصف مزاج کی اصلاح اور درستیٔ خیالات کے لئے بالکل کافی ہے، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے بادشاہ کے ان ہم نشینوں اور مقربوں پہ اچھی طرح قبضہ کر لیا تھا اور گویا ان کو اپنا ٹیپ ریکارڈ بنا لیا تھا کہ جو بات اور اصلاح کی جو آواز آپ بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے بس ان میں بھر دیتے تھے اور پھر وہ ان کے ذریعہ بادشاہِ وقت کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ اس تدبیر سے آپ نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ چند ہی دنوں میں بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اور "غریب" اسلام کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی۔[۲]

اصلاحِ سلطنت کو مقاصدِ زندگی میں شامل کر لینے کی یہ ایک مدبرانہ شان ہے کہ اس مقصد کو گویا اپنا کام تصور فرما لیا ہے اور جس طرح اپنے کسی کام کے لئے منت سماجت، توشامد اور ہمت افزائی کی جاتی ہے وہی تمام باتیں یہاں بھی کی جا رہی ہیں حالانکہ یہی امراء و حکام ہیں جن کے نام مکتوبات میں وہ خطوط بھی ہیں جو تلقین و ارشاد، تزکیہ اور اصلاح یا دیگر علمی مباحث سے متعلق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں، ان تمام مکاتیب میں استغنا اور بے نیازی کی وہی شان ہے جو ایک شیخ اور مرشد کے مکتوبات میں ہونی چاہئے ان مکاتیب میں انہی امراء کے اعمال پر محاسبہ بھی ہے تنبیہات بھی ہیں اور عقائدِ باطلہ یا فاسد خیالات کی تردید بھی قوت اور صفائی کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ امراء جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا پنج ہزاری ہفت ہزاری اور دس ہزاری ہیں جو وزرائے دولت، گورنر اور بڑے بڑے جرنیل ہیں، ان کے علاوہ

---

[۱] دفتر اول مکتوب ۶۵۔ [۲] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۴۔

حکیم فتح اللہ، شیخ عبدالوہاب، سید محمود، سید احمد، خضر خاں لودھی، مرزا بدیع الزماں بجاری خان، سکندر خاں لودی وغیرہ کتنے ہی افسرانِ فوج، حکام اور عہدہ داران ہیں جو دو ہزاری سہ ہزاری منصب رکھتے ہیں، دربار تک ان کی رسائی ہے اور وہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے حلقہ بگوش ہیں مکتوبات شریفہ میں ان کے نام مکاتیب ہیں جن میں اصلاحِ نفس، پابندیٔ شریعت، تصحیحِ عقائد، روحانی مقاصد وغیرہ وغیرہ کے متعلق گراں قدر تعلیمات وارشادات ہیں جن کی خوبی مطالعہ پر موقوف ہے معلوم ہوتا ہے کہ دولتِ اکبری وجہانگیری کے تمام سنّی ارکان واعضا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحریک کے اعضا وارکین ہیں، ایک مضبوط نظام ہے جس میں اہلِ سنت وجماعت تعلقہ داران ومنصب دارانِ حکومت کے تمام ورنہ اکثر وبیشتر افراد منسلک ہیں اور اس نظام کا سرچشمہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ موقعہ بموقعہ اس نظام کو حرکت دے رہے ہیں ـــــ علاوہ ازیں تقریباً دو سو [۲۰۰] حضرات کے نام آپ کے پانچ سو چھتیس [۵۳۶] مکتوبات شریفہ ہیں جو تین جلدوں کے تقریباً بارہ سو [۱۲۰۰] صفحات میں درج ہیں۔ مکتوبات شریفہ کے طرزِ خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتوب الیہم حضرات ہندوستان کے مختلف گوشوں کے سنجیدہ اہلِ علم اور ذی اثر حضرات ہیں جو اپنی اور نوعِ انسانی کی اصلاح میں مشغول ومنہمک ہیں۔

معاندین کی سازش درباری امراء کو قابو میں لانے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو ابتدا میں بعض دشواریاں بھی اٹھانی پڑیں، بعض اہلِ علم جو آپ کو اور آپ کے نصب العین کو نہ سمجھ سکے انہوں نے حضرت موصوف کو بھی اپنے جیسی تنگ نظروں سے متہم خیال کیا اور معاصرانہ رشک وحسد کے سلسلہ میں حسبِ دستور وہی چند پینترے جو اس جماعت کی طرف سے ہمیشہ اربابِ حق کے مقابلہ میں نکالے جاتے ہیں آپ کے ساتھ بھی نکالے گئے، بعض نے آپ پر کفر کا اور بعض نے فسق کا فتویٰ صادر کیا، بادشاہ کو بدگمان کرنے کی کوشش کی گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی کامیابیاں نورجہاں اور اس کی پارٹی کے لئے خطرناک تھیں خصوصاً جبکہ وارثِ تخت وتاج کا سوال بھی سامنے آگیا تھا، نورجہاں اپنے داماد شہزادہ شہریار کو تختِ شاہی پر متمکن دیکھنا چاہتی تھی، اس کے بالمقابل شاہجہاں کی مذہب پرستی اور اس کا سنّی مسلک ہونا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے پورے گروپ کو قدرتی طور پر اُس سے وابستہ کر رہا تھا،

نیز روافض کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی جد و جہد اور بیباکانہ جرأت نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو نورجہاں کی نگاہ میں اور بھی زیادہ مقہور و معتوب کر دیا تھا، سلسلہ نقشبندیہ کی ترغیب تحریص، اتباعِ سنت کی تاکید، سماع و غنا و رقص و سرود کی مخالفت نے ان پارٹی کو لازمی طور پر اثر زدہ کر دیا تھا جنھوں نے رقص و سرود کی طرب انگیز صورتوں میں ہی چشتیت یا صوفیت کو منحصر کیا ہوا تھا یا جن کی مذہبیت اسی جماعت کے آبشار سے سرشار تھی، شیخ کبیر، شیخ علاؤالدین وغیرہ اسی جماعت کے ممتاز ارکان بلکہ ذمہ دار رہنما تھے جو جہانگیر کو بہت زیادہ محبوب تھے۔ جاہل متصوفین اور دنیادار علما کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مخالفت پر آمادہ کیا اور روافض کو نورجہاں کی وجہ سے اپنے مذہب کی اشاعت اور دینِ اسلام کے فنا کرنے کی جو امیدیں قائم ہو گئی تھیں ان کو بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ذاتِ اقدس سدِ راہ نظر آتی ان سب نے مل کر ایک منظم و مکمل سازش کی اور جہانگیری حکومت کے اس داہنے بازو نے حضرت مجدد موصوفؒ اور آپ کی جماعت کو آئینی طور پر شکست دینے کی کوشش شروع کر دی، جہانگیر بادشاہ کو چند مکتوباتِ قدسیہ کے اقتباسات قطع و برید کے ساتھ سنائے گئے اور ان کا غلط مطلب سمجھا کر سخت برہم کر دیا۔ از انجملہ ایک بات یہ سمجھائی گئی کہ شیخ احمدؒ اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حسن خاں افغان کابل کا رہنے والا ایک شخص حضرت مجدد قدس سرہٗ سے بیعت ہوا تھا پھر حضرت موصوف کے کسی متوسل سے اُس کو آزردگی پیدا ہو گئی، طبیعت میں کجی تھی، ناراضگی کسی خادم سے تھی مگر وہ خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے آزردہ ہو کر آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا، کج طبع اور حکومت کے داہنے بازو کے ایماء سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں تحریف کی، کفریہ اور زندیقانہ عبارتوں کا اضافہ کر کے بیس نقلیں مرتب کیں اور ہندوستان و افغانستان کے مشہور علماء و مشائخ کے پاس بھیج کر فتوے طلب کیے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ کو ان کے متوسلین وقتاً فوقتاً ان ناپاک سازشوں کی اطلاع دیتے تھے، آپ ان کو لکھ بھیجتے تھے کہ ان باتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے آپ لوگ اپنے کام (یعنی یادِ الٰہی) میں مشغول رہیں جو جیسا کرے گا اس کا نتیجہ پائے گا کبھی کبھی اپنے مخلصین کو ان بیجا الزامات کا جواب لکھ کر بھیجتے تھے جو آپ پر لگائے جاتے تھے۔ اس پروپیگنڈے کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسا متبحر اور دیندار عالم بھی نہ بچ سکا تو پھر بادشاہ اور

شاہی دربار کے ارکین کا متاثر ہوجانا کیا بڑی بات تھی، بادشاہ کا متاثر ہونا تھا کہ تمام ہندوستان میں آگ بھڑک اٹھی۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اس فتنہ میں مبتلا ہو کر حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تردید میں مضامین اور رسالے تحریر فرمادیئے لیکن جب اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکاتیب کے اصل مسودات ارسال فرمائے اور تحریر فرمایا کہ اس قسم کے کلمات مجھ سے کبھی بھی صادر نہیں ہوئے یہ میرے ایک مرید کی شرارت ہے جس نے مجھے بدنام کیا اور خود میری بددعا میں مبتلا ہو کر بخارا میں ارتداد کی تہمت میں قتل کردیا گیا۔ اس پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے خیالات سے رجوع فرمایا اور اپنی غلطی پر معذرت کی اور آپ کے کمالات کے معترف ہوگئے)

یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ جہانگیر بادشاہ نے آپ کو طلب کیا، آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کردیا۔ مفسدوں نے جب دیکھا کہ ہمارا سب کیا دھرا خاک میں ملا جاتا ہے تو فوراً ایک دوسرا حربہ استعمال کیا، بادشاہ کو سمجھایا کہ حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے سلطنت کا باغی ہے ہزاروں جاں نثار مرید اپنے گرد جمع کرلئے ہیں خطرہ ہے کہ ملک میں کوئی فتنہ کھڑا کردے، یہ ایک مغرور شخص ہے، دیکھئے تمام علما سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں مگر یہ شخص اپنے مکتوبات میں اس شرعی فتویٰ کی برابر مخالفت کرتا رہا ہے اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے یہ کبھی اس پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی، بادشاہ کے لئے یہ سیاسی خطرہ مذہبی خطرہ سے زیادہ تشویشناک تھا، دوبارہ بارگاہِ سلطانی میں طلب کیا گیا اور آدابِ شاہانہ کا مطالبہ کیا گیا جس کا لبِ لباب سجدہ تھا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے سختی سے انکار کردیا اور فرمایا کہ سجدہ از روئے نصِ قرآنی خالق کے لئے مخصوص ہے اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنے جیسی عاجز محتاج مخلوق کو سجدہ کرے۔ یہ سن کر جہانگیر کی وہی کچھ حالت ہوئی جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان سن کر خسرو پرویز بادشاہِ ایران کی ہوئی تھی، سب علما نے امراءِ دربار کی خاطر داری کے لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے قتل کا فتویٰ دیدیا، اسی غیظ و غضب کی حالت میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر قتل کی بجائے غیر محدود وقت کے لئے قید کا حکم سنایا گیا اور ریاست گوالیار کا قلعہ بطورِ قید خانہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے رشکِ جنت بنا۔

شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس نے اپنے خاص الخاص محمد افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی کتابیں ان کے ساتھ کردیں اور عرض کیا جبکہ علما نے سجدۂ تحیت کو جائز بتایا ہے اگر جناب والا بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کرلیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ جناب کو کوئی گزند نہ پہنچے گا" مگر حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا "جان بچانے کے لئے اگرچہ جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے" جہانگیر نے قید و بند پر ہی بس نہیں کی بلکہ دولت کدۂ مجددی کو لوٹنے کا حکم دیا مگر مجددانہ صبر و تسلیم کا یہ عالم تھا کہ نہ خود آپ نے بددعا کے لئے لب کشائی کی اور نہ اپنی اولاد یا خدام کو اجازت دی کہ بادشاہِ اسلام کے لئے کسی قسم کی بددعا کریں سہ

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

جہانگیر اس واقعۂ قید و بند کو اپنی تزک کے صـ ۲۰۲ پر ڈپلومیسی کے انداز میں لکھتا ہے گویا مسل کا پیٹ بھر کر اپنے اس نامعقول کردار پر پردہ ڈال رہا ہے حالانکہ در پردۂ الفاظ وہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی کامیابی کا معترف ہے جیسا کہ اس عبارت کا کچھ حصہ پہلے نقل کیا جاچکا ہے [1]

جیلخانہ میں تسلیم و رضا کی مکمل تصویر

قید ہونے سے چند ماہ پہلے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے احباب و اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب مجھ پر ایک بلا نازل ہوگی جو میرے لئے مقامات ولایت کی ترقیات کا باعث ہوگی۔ اس بلا کے نزول کے بغیر ان ترقیات کا حصول ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے کہ تحریک اصلاح، طریق کار، راستہ کی مشکلات نتائج و ثمرات پہلے سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے سامنے ہیں اور یہ تمام چیزیں سوچی سمجھی ہوئی ہیں، یہی وہ فراستِ مومن ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ جب حضرت مجددؒ قلعۂ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کئی ہزار غیر مسلم بھی قید میں تھے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے تبلیغ کی ان کو مشرف باسلام کیا اور سیکڑوں کو بیعت ارادت سے سرفراز فرما کر درجاتِ ولایت پر پہنچایا۔ حضرت نے زمانۂ قید میں کبھی بھی بادشاہ کے لئے بددعا نہیں کی بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھ کو جیل خانہ میں نہ بھیجتا تو اتنے ہزار نفوس دینی فوائد سے کیسے بہرہ اندوز ہوتے اور ہمارے مراتب کی ترقی جو اس

[1] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۵۴، ۲۵۵ و علمائے ہند کا شاندار ماضی ملتقطاً۔

مصیبت کے نزول پر منحصر تھی کیسے حاصل ہوتی۔ آپ کے حلقہ بگوش صوفیائے کرام جو چاہتے تھے کہ بددعا کر کے باطنی تصرفات سے بادشاہ کو نقصان پہنچائیں اُن کو خواب اور بیداری میں منع فرماتے تھے۔ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ حتی الوسع انبیاء علیہم السلام کی کسی سنت کو نہیں چھوڑتے تھے تو تقدیر الٰہی کا تقاضا ہوا کہ جیل خانہ کے ذریعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی اس سنت کو بھی ادا کرایا جائے۔

اب چند مکتوبات شریفہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو آپ نے جیل خانہ سے ارسال فرمائے ہیں، مکتوبات کا ہر فقرہ سلوک و طریقت اور شریعت و حقیقت کا درسِ گراں مایہ ہے:۔

• "اے فرزندانِ عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے جو تم کو اس وقت فرصت مل گئی ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم اور ایک لمحہ بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو، اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو، قرآن مجید کی تلاوت کرو، یا طویل قراءت کے ساتھ نماز کو ادا کرو، یا کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرتے رہو۔

(چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلاء و ابتلاء (مصیبت و امتحان) کے زمانے میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانہ کے سوا یہ ہوا و ہوس سدِ سکندری (موانع عظیمہ) ہے گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے۔ فتنے کے زمانہ میں تھوڑے سے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنے کے زمانے کے علاوہ سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں، اطلاع دینا ضروری ہے شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔ یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس باقی نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دیدیں اور اُن کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں، چونکہ یہ جہاں فانی اور گذرنے والا ہے اس لئے باقی احوال کیا لکھے جائیں چھوٹوں پر شفقت رکھیں اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیں اور جہاں تک ہوسکے تمام اہلِ حقوق کو ہماری طرف سے راضی کردیں، اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے ممد و معاون رہیں، تاکید کے ساتھ یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کریں اور ذکرِ الٰہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہوں اگرچہ وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلباء کے ساتھ تکرارِ علم ہی کیوں نہ ہو کہ اب ذکر کا وقت ہے۔ (پھر چند سطور کے بعد آخرِ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔)

حویلی و سرائے و کنواں و باغ و کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے ان میں کوئی

کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہونی چاہئے اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے، اگر ہم مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں اگر ہماری زندگی میں چلی گئیں تو کوئی فکر نہ کریں، اولیاءؒ نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں، امید ہے کہ مخلَصین (بفتح لام) میں سے ہو جائیں گے۔ جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو، چند روزہ زندگی جہاں گذرے یادِ حق میں گذر جائے، دنیا کا معاملہ آسان ہے (اس کو چھوڑ کر) آخرت کی طرف متوجہ رہیں اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دیں، باقی رہی ایک دوسرے کی ملاقات، اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو حاصل ہو جائے گی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ دار السلام (جنت) میں سب جمع ہوں اور ہم دنیا کی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں الحمد للہ علی کل حال۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قید خانہ کے بعض ثمرات و برکات کا تذکرہ شیخ بدیع الدینؒ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ آپ کا صحیفۂ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمدست ارسال کیا تھا پہنچا۔ آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا یہ خود اس گروہ کا جمال ہے اور ان کے زنگار کے لئے صیقل ہے پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو۔ ابتداءِ حال میں جب فقیر اس قلعے میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے درپے (میری طرف) پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ (کارکنانِ قضا و قدر جو) سالہا سال سے جمالی تربیت کے ساتھ مراحل طے کرا رہے تھے اب جلالی تربیت کے ساتھ مسافت طے کرا رہے ہیں، لہذا صبر بلکہ رضا کے مقام میں رہیں اور جمال و جلال کو یکساں جانیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ فتنے کے ظاہر ہونے کے وقت سے نہ ذوق رہا ہے نہ حال، چاہئے تو یہ تھا کہ ذوق و حال دوگنا ہوتا کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کی ہیں اور محبت ذاتیہ

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۱

سے ڈور نکل گئے ہیں گذشتہ کے برخلاف۔ آپ جلال کو جمال سے زیادہ خیال کریں اور دردوالم کو انعام سے زیادہ تصور کریں کیونکہ جمال اور انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور جلال وایلام میں خالص محبوب ہی کی مراد ہے وہ اپنی مراد کے بالکل برخلاف ہے۔ یہاں پر جو وقت اور حال وارد ہے وہ سابقہ وقت اور حال سے مختلف ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارے میں لکھا تھا تو اب کیا مانع ہے؟

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ؕ [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قید ہونے کے بعد بعض احباب و معتقدین نے آپ کی رہائی کے لئے کوششیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ خواجہ میر محمد نعمانؒ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیادت پناہ میر محمد نعمان کو معلوم ہوگا کہ یارانِ خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارے میں کوشش کی مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔ اَلْخَيْرُ فِيْ مَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) اس امر سے بمقتضائے بشریت کچھ غم و حزن لاحق ہوا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینہ کی فراخی) سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو سینہ کی تنگی اور کدورت بے فائدہ اور دعویٰ محبت کے برخلاف ہے کیونکہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کی طرح محب کے نزدیک محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی متلذذ ہوتا ہے بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے کیونکہ محب کی اپنی مراد اور حظِ نفس کی آمیزش سے پاک ہے۔ جب حق تعالیٰ جو جمیلِ مطلق ہے اس شخص کا آزار چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے۔ اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کے ظہور کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۴

لذت حاصل ہونے کا موجب ہے کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے محبوب کے فعل کی طرح محبوب دکھائی دیتا ہے اور وہ شخص فاعل بھی اس نظر کے علاقہ سے محب کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ جوں جوں اس شخص سے جفا زیادہ منصور ہوتی ہے اسی قدر محب کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے کیونکہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے، اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا اور برعکس ہے۔ پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظروں میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ دوستوں سے کہدیں کہ سینہ کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے درپے ہیں دشمنی اور بگاڑ نہ کریں بلکہ انھیں چاہیے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں چونکہ ہم کو دعا کا امر ہے اور حق تعالیٰ دعا و التجا و تضرع و زاری کو پسند کرتا ہے اس لئے بلیتو مصیبت کے دفع ہونے کے لئے دعا اور عفو و عافیت کا سوال کریں۔ اور یہ جو غضب کی صورت کہی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کے نصیب میں ہے۔ دوستوں کے ساتھ ظاہری صورت میں غضب ہے اور حقیقت میں عین رحمت ہے۔ غضب کی اس صورت میں محب کے لئے اسقدر فائدے اور نفعے رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو کچھ دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی اس سے خرابی ہے اور ان کی ابتلا و آزمائش کا باعث ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہٗ کی عبارت کے معنی آپ کو معلوم ہوں گے انھوں نے کہا ہے کہ "عارف کے لئے ہمت نہیں" یعنی وہ ہمت جو بلیہ کے دفع کرنے کیلئے ہو عارف سے مسلوب ہے کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کے لئے کس طرح ہمت کرے اور اس کو کیوں دفع کرے۔ اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے لیکن وہ صرف دعا کا امر بجالانے کیلئے ہے، در حقیقت وہ کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ پیش آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی[1]

[1] دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۵

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک اور مکتوب میں خواجہ میر محمد نعمانؒ کو تحریر فرماتے ہیں:-

"جناب میر نعمان صاحب! اہلِ خسران کی پریشان کن باتوں سے رنج نہ اٹھائیں قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (ہر ایک شخص اپنی صورتِ حال اور اپنی طرز پر کام کرتا ہے) آپ کے لئے مناسب ہے کہ ان کو سزا دینے اور بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ دروغ کو بھی فروغ نہیں ہے ان کی متناقض و متضاد باتیں ہی ان کے بازار کی رونق کو کم کر دیں گی مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (جس کے لئے اللہ نے کوئی نور نہیں بنایا اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے) جو شغل آپ کے پیش نظر ہے اس میں کوشش کریں اور اس کے غیر سے آنکھیں بند کر لیں۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (آپ اللہ کا ذکر کیجئے اور پھر ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں)"۔[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو تحریر فرماتے ہیں:-

"میرے مخدوم و مکرم! مصائب کے آتے ہیں اگرچہ بڑی تکلیف وایذا برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے، اس جہان کا بہتر اسباب حزن واندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت مصیبت والم ہے، ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے، اور اس حیلہ سے ابتلاء و آزمائش کا راستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے اس تلخی کو شکر کی طرح چباتے ہیں اور کڑواہٹ کو صفراوی مزاج والے کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں۔ کیوں شیریں نہ سمجھیں جبکہ محبوب کے تمام افعال شیریں ہوتے ہیں، علتی اور بیمار شاید ان کو تلخ معلوم کرے کیونکہ وہ ماسوا میں گرفتار ہے مگر معنوی دولت والے حضرات محبوب کے الم و رنج دینے میں اس قدر حلاوت اور لذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز منصور نہیں ہوتی، اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے"۔[2]

ان مکتوباتِ قدسیہ کو ملاحظہ کیجئے حق تعالیٰ کے ساتھ کیسا صحیح تعلق اور کیسی بے مثال محبت ہے ارشادِ الٰہی ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ ان خطوط میں ان جذبات کا جواب ہے جو حضرت میر محمد نعمان اور دوسرے خدام عالی مقام کے دل میں پیدا ہو رہے تھے کہ ہمتِ باطنی کے ساتھ بددعا کر کے موذیوں کو برباد کر دیا جائے۔ بلاشبہ یہ چیز ان حضرات کے لئے مشکل نہ تھی جن کے حق میں ارشادِ

[1] دفتر اول مکتوب ۲۰۴ ۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۲۹ ۔

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لو اقسم علی اللہ لابرہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے) وہ چاہتے تو سلطنت تہ و بالا ہو جاتی، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور بجائے ان انتقامی جذبات کے دعائے خیر کے جذبات دلوں میں بھر دیئے خانخاناں، خانجہاں، صدر جہاں وغیرہ جو حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے عقیدتمندی اور ارادتمندی کے ساتھ ساتھ حکومت کے سرادر خانہادر بھی تھے اُن کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ابتلا و امتحان کسقدر پیچیدہ تھا مگر حضرتؒ نے اس کو کس قدر آسانی سے حل کیا، ان کے خلوص ارادتمندی اور جوشِ عمل میں کتنا اضافہ کر دیا۔ جہانگیر نے مکر و فریب اور غرور وغیرہ کا جو الزام لگایا تھا اس کا کیسا عمدہ عملی جواب دیا یہ ہے اسلام کی سیاست جس سے باطل پرستوں کی باطل ڈپلومیسی کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ ہے مقاومت بالصبر یا عدم تشدد کی جنگ جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے قال اللہ تعالیٰ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ الآیہ وقال تعالیٰ وتواصوا بالصبر، یہی مضمون اور یہی نکتہ ہے جو دیگر احباب کے نام خطوط میں مختلف عنوان سے واضح کیا جا رہا ہے تمام مکاتیب کا نقل کرنا طوالت ہے البتہ ایک مکتوب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس قید و بند سے کیا حاصل کیا۔

" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ پوشیدہ نہ رہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کی عنایت نے اس کے فضل و کرم سے جلال و غضب کی صورت میں تجلی نہیں فرمائی اور میں قید خانہ کے قفس میں قید نہ ہوا تب تک ایمانِ شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا اور خیال و مثال کے ظلالی کوچوں سے پورے طور پر باہر نہ ہوا اور ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوقِ کامل اور وجدانِ بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور اُن کے عیب کو ہنر معلوم نہ کیا اور بے ننگی و ناموسی کے خوشگوار شربت اور خواری و رسوائی کے مزے دار مربے نہ چکھے اور خلقت کے طعن و ملامت کے جمال کا حظ نہ پایا اور لوگوں کے بلا و جفا کے حُسن سے محظوظ نہ ہوا اور مُردے کی طرح غسال کے ہاتھ میں پوری طرح ہو کر اپنے ارادہ و اختیار کو ترک

نہ کیا اور آفاقی و انفسی تعلقات کے رشتوں کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع و التجاد انابت و استغفار و ذلت و انکسار کی حقیقت کو حاصل نہ کیا اور حق تعالیٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت و کبریائی کے پردے تنے ہوئے ہیں مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندۂ خوار و زار و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے طاقت اور کامل محتاج و فقیر معلوم نہ کیا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بیشک نفس برائی کی طرف بہت زیادہ امر کرنے والا ہے مگر جس پر میرے رب نے رحمت کی، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے) اگر محض فضل سے حق تعالیٰ کے فیوض و واردات اور اس کے نامتناہی عطیات و انعامات پے در پے اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شاملِ حال نہ ہوتے تو قریب تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت دی اور نفس کی جفا میں مجھ پر کرم فرمایا اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور خوشی و رنج میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے قدم بقدم چلنے والوں اور علماء و صلحا کے محبوں میں سے بنایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَسْلِيْمَاتُهٗ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ اَوَّلًا وَّعَلٰى مُصَدِّقِيْهِمْ ثَانِيًا (اول انبیاءؑ پر اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو) [1]

قید سے رہائی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو قلعہ گوالیار میں مقید کیا گیا تھا مگر بظاہر خط و کتابت اور ملاقات پر وہ پابندی نہیں تھی جو بیسویں صدی عیسوی کے قید خانوں میں ہوتی ہے۔ پرچہ نویس جو ہر ایک چیز کو بادشاہ تک پہنچایا کرتے تھے انھوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے حالات آپ کے خیالات عزائم اور ارادوں کو بھی یقیناً جہانگیر تک پہنچایا ہوگا، اور جہانگیر یقیناً حیران ہوا ہوگا کہ جس شخص کو (نعوذ باللہ) عیار، مکار، مغرور، خود پسند، کافر اور مرتد بنایا گیا تھا اس کے پرچہ نویس اس کو

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۵۔

پیکرِ صدق وصفا، مجسمۂ اخلاق اور اسلامی کمالات کی جیتی جاگتی تصویر قرار دے رہے ہیں جس کی قوتِ ایمانی نے جیلخانہ میں پہنچ کر ازلی ڈاکوؤں، چوروں اور بدمعاشوں کو بھی صداقت وہدایت کے رنگ میں رنگ دیا، وہ بے دین کافر لوگ جن کی عمر ظلم وجفا، ایذاءِ خلق اللہ اور امنِ عامہ کی تباہی و بربادی میں گذری تھی جن کو جیل خانہ کی سخت سے سخت تکلیف بھی رام نہ کر سکی تھی صرف ایک سال کے عرصہ میں وہ سب حلقہ بگوشِ اسلام اور راستی وراستبازی کے حریص نظر آرہے ہیں، ان تمام حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایک سال کے بعد بادشاہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت کو اپنے پاس طلب کر کے بہت زیادہ اکرام واحترام کیا اور بہت کچھ معذرت کی اور حضرت مجدد قدس سرہٗ سے اس قدر محبت کرنے لگا کہ کسی وقت بھی حضرتؒ کی جدائی گوارا نہ کرتا تھا اور شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو حضرتؒ کے حلقۂ مریدان میں داخل کیا چنانچہ شاہجہاں وعالمگیر کے زمانہ تک بادشاہ اور جملہ علماء وزراء سلسلۂ مجددیہ کے حلقہ بگوش ہوتے رہے۔

قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے، بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا خواب کیا دیکھا قسمت جاگ اٹھی کہ "سید الخلق اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تاسف کے طور پر اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرمارہے ہیں کہ جہانگیر! تونے کتنے بڑے شخص کو قید کیا" اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ جہانگیر ۱۲ خورداد (اساڑھ) ۱۵ جلوس کے روزنامچہ میں لکھتا ہے "شیخ احمد سرہندیؒ جس کو دکان آرائی خود فروشی اور بیہودہ گوئی کے سبب سے چند روز زندانِ ادب میں محبوس کیا تھا اپنے سامنے طلب کر کے رہا کر دیا خلعت اور ایک ہزار روپیہ خرچ عنایت کر کے ان کو جانے اور رہنے کا اختیار دیدیا" جہانگیر کی آئین دانی قابلِ داد ہے کہ حکمِ رہائی میں بھی ان الزامات کا لحاظ رکھتا ہے جن کو گرفتاری اور سزا کا سبب قرار دے چکا ہے اس کو کہتے ہیں مسل کا پیٹ بھرنا۔ بہرحال اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے ایک سال شمسی میں ابھی دو دن باقی تھے کہ رہائی کا حکم صادر فرمایا، مگر سوانح نگار متفقہ طور پر مدتِ قید دو سال بتاتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرمانِ شاہی براہِ راست حضرت مجدد قدس سرہٗ کے پاس نہیں پہنچایا گیا اور کسی دوسری سیاست کے ماتحت ایک سال تک کارپردازانِ دربار نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کو وطن جانے کا موقع نہیں دیا کڑی پابندی ونگرانی کے ساتھ شاہی کیمپ میں رکھا، اس کو حضرت مجدد قدس سرہٗ کے متوسلین نے حبس وقید قرار دیا ہے اگرچہ جہانگیر اس کو رہائی

سمجھا رہا، بظاہر جہانگیر نے حضرت کو جانے اور رہنے کا اختیار دیدیا مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سُن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوادیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں، گو یہ چیز حضرتؒ کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا، بادشاہ کو اچھی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکّٰی کردیا پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

بادشاہ کی اصلاح قید سے رہائی کے بعد کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند یا شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے اس موقع سے آپ نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، بادشاہ کے لئے پند و نصائح کرنے کا موقع میسر ہوا، جیساکہ آپ کے بعض مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے، اسی سال رمضان شریف میں روزانہ بعد نماز مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی تھی جس کا کچھ حال حضرتؒ نے اپنے صاحبزادگان کو تحریر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب و غریب صحبتیں گذر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امور دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرمو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجالس میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کیلئے ایک دفتر ہونا چاہیئے خاصکر آج ماہِ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت پر ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور رویت اور دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوات والسلام کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت اور اسی طرح کا بہت کچھ مذکور ہوا اور (بادشاہ و حاضرین مجلس) بڑی خوشی سے سنتے رہے، اور اسی طرح اس ضمن میں اقطاب و ابدال اور اوتاد کے احوال اور ان کی خصوصیتوں سے بہت سی چیزوں کا بیان ہوا، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی

پوشیدہ حکمت اور خیر لازم ہوں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول حق وصداقت لیکر آئے ہیں) دوسرے یہ ہے کہ قرآن مجید کو سورہ عنکبوت تک ختم کیا ہے۔ جب رات کو اس مجلس سے اٹھ کر آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہوتا ہوں۔ ان فرصت کے اوقات میں جو کہ عین جمعیت تھیں (قرآن مجید) حفظ (پڑھنے) کی یہ اعلیٰ دولت حاصل ہوگئی، الحمد للہ اولاً وآخراً[۱]

اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے صاحبزادوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا اب یہ پورا گھرانا پورے لشکر کی تبلیغ و تلقین میں مشغول ہوگیا، چنانچہ خواجہ حسام الدین کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) صحیفہ شریفہ جو ازروئے کرم و شفقت اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کے حالات معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں، اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت اور عین تفرقہ میں جمعیت حاصل ہے۔ وہ فرزند و دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے گذر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی ہو رہی ہے لشکر اُن کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عین تلوینات میں اُن کو تمکین حاصل ہے، اور عین مختلف گرفتاریوں میں جو اس جگہ کے لئے لازمی ہیں ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں، نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے نہ ان کو کسی سے واسطہ ہے، اس کے باوجود بے اختیار و مجبور ہیں اور حبس و قید کی دولت میں گرفتار ہیں۔ یہ ایک عجیب قسم کی حبس ہے جس کے عوض رہائی کو جَو کے برابر نہیں خریدتے اور ایک عجیب قید ہے کہ وہاں سے رہائی کو ایک کوڑی کے بدلے میں نہیں لیتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کا شکر اور احسان ہے) میرے مخدوم! قُرَّۃُ الْعَیْنَیْنِ (یعنی دونوں فرزندوں) کی طرف خط بھیجنے سے مقصود اُن بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس تھا جن کے حاصل ہونے کی وطن میں امید تھی

[۱] دفتر سوم مکتوب ۴۳

اور لشکر میں آنا اور صحبت رکھنا آپ کی صلاح پر وابستہ ہے کیونکہ آپ لشکر اور لشکریوں کے اوضاع و احوال کو بہتر جانتے ہیں اور اس جگہ کے نفع و ضرر کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگر تم لکھو کہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آجائیں، اَلْغَیْبُ عِنْدَ اللّٰہِ (غیب کا حال اللہ کو معلوم ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے باوجودیکہ ارباب تفرقہ سے بہت میل جول ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی اب تک تفرقہ کی آفت نہیں پہنچی اور مطلب سے نہیں روکا" [1]

پھر بزرگ صاحبزادے وطن واپس چلے گئے مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ لشکر ہی میں زیر حراست رہے چنانچہ مخدوم زادوں کو تحریر فرماتے ہیں:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور رسول اللہ پر درود و سلام ہو) فرزندان گرامی اگرچہ ہماری دائمی صحبت کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور و ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں کیونکہ تمام امیدیں میسر نہیں ع

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ (ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف)

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں، اس جگہ وہ کچھ میسر ہے کہ دوسری جگہوں میں اس کے مثل میسر ہونا معلوم نہیں ہے۔ اس مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور اس مجمع کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں۔ وہ ممانعت جو بادشاہ کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولیٰ جل شانہٗ کی کمال مہربانی اور رضامندی کا دروازہ جانتا ہوں اور اپنی سعادت اس قید میں خیال کرتا ہوں، خاص کر لڑائی اور مخالفت کے ان دنوں میں عجیب ہی معاملہ ہے اور ان پراگندہ وقتوں میں عجیب و غریب ناز و کرشمے ظاہر ہوتے ہیں لیکن ہر روز جو تازہ اور عجیب دولت پہنچتی ہے اس کے لئے فرزندوں کی جدائی میں دل تڑپتا ہے اور ان کی دوری اور نایافت سے جگر بے چین رہتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور مقرر ہے کہ جسقدر باپ کو بیٹے کی محبت ہوتی ہے اسقدر بیٹے کو باپ کی محبت نہیں ہوتی۔ اگرچہ فرعیت اور اصالت کا قضیہ اس امر کے برعکس حکم کرتا ہے

[1] دفتر سوم مکتوب ۴۲

کیونکہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی اور فرع سراسر اصل کی محتاج ہوتی ہے لیکن بارگاہِ الٰہی سے ایسا ہی ہوا ہے کہ زیادہ شدید شوق اصل کے لئے ثابت ہوا ہے۔ ہاں ع

درخانہ بکدخدائے ماند ہمہ چیز (گھر میں سب چیز ہے گھر والے کی)

اگر دہلی ہے تو وہ بھی تمہارا ہمسایہ ہے اور اگر آگرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کرم سے قریب ہے۔ والسلام" [1]

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ ایک دوسرے مکتوب میں لشکر کے برکات سے متعلق بزرگ مخدوم زادوں کے نام صادر فرماتے ہیں:۔

"فرزندانِ گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری تکلیفوں کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی طلب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قدر زیادہ حُسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس شخص کو زبردستی اس کے اختیار سے بے اختیار کر دیں اور اپنے اختیار کے موافق اس کو زندگانی بخشیں اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس کی بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نکال دیں اور جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے بنا دیں۔ قید کے دنوں میں جب کبھی اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجب حظ حاصل ہوتا تھا اور نہایت ہی ذوق پاتا تھا۔ ہاں فراغت و آرام والے لوگ مصیبت والوں کے ذوق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں اور ان کی بلا کے جمال کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بچوں کا حظ شیرینی پر ہی منحصر ہے لیکن جس نے تلخی سے حظ حاصل کیا وہ شیرینی کو جَو کے برابر بھی نہیں خریدتا ع

مرغ آتشخوارہ کے لذت شناسد دانہ را (مرغ آتشخوار کو آئے نہ لذت دانہ کی)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"۔ [2]

کچھ عرصہ کے بعد حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو وطن تشریف لیجانے کی اجازت مل گئی مگر حالاتِ سلطان کی نگہداشت آپ کا نصب العین تھا اور ہمتِ عالیہ مدبرانہ انداز میں سلطان کی جانب منعطف رہتی تھی۔ دفتر سوم میں ایک مکتوبِ گرامی سلطان جہانگیر کے نام ہے جس میں ظاہر کیا ہے کہ آپ کے پاس

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۷۸ [2] دفتر سوم مکتوب ۸۳۔

لشکرِ غزا ہے اور ہمارے پاس لشکرِ دعا جس کے بغیر لشکرِ غزا کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی اور پھر اس کو احادیث سے ثابت کیا ہے بظاہر یہ مکتوب سرہند شریف سے بھیجا گیا ہے اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دہلی، اجمیر یا آگرہ میں لشکر کی حراست میں ہوں اور بادشاہ پایۂ تخت سے باہر کسی مہم کے لئے گیا ہوا ہو۔"[1]

حضرت مجددؒ کی کامیابیاں | قدرت کے کرشموں کے علل وحکم کی تہ تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کے رموز کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا، اتفاقِ وقت کیسا عجیب ہے کہ جس طرح اکبری وجہانگیری دور میں مصائب وفتنِ مظلمہ کا جوش وخروش تھا، الحاد وزندقہ کی گرم بازاری تھی، مشرکین وروافض کے رسوم وبدعات کا دور دورہ تھا کہ جس کا عشر عشیر بھی زمانۂ سابق میں نہ تھا، اسی طرح ان دونوں زمانوں میں اولیائے کرام اور علمائے ربانی کا اجتماع بھی ایسا تھا کہ اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے رسالہ ردِّ روافض کی شرح میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ خاص دہلی میں اس وقت سید عبدالوہاب بخاری، شاہ محمد خیالی صاحب الریاضات العجیبہ، شیخ عبدالعزیز چشتی خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم موجود تھے ان میں سے ہر ایک صاحبِ کرامات وصاحب تصانیف اور اپنے اپنے فن کا امام تھا، گنگوہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی اولاد موجود تھی رحمہم اللہ تعالیٰ، ان میں کا ہر ایک یکتائے روزگار تھا۔ مولانا سید رفیع الدین اکبر آباد میں تھے جو اپنے زمانے میں صالحین اور اہلِ علم کے ملجا وماویٰ تھے یہ وہی شیخ الحدیث ہے کہ حافظ سخاوی نے ان سے حدیث کی پچاس کتابوں کی سندِ اجازت حاصل کی، اسی طرح امیر ابو العلیٰ علوی رحمہ اللہ بھی اکبر آباد میں موجود تھے جو طریقہ علویہ نقشبندیہ کے زبردست شیخ تھے، گوالیار میں شاہ محمد غوث گوالیاری، نارنول میں شیخ نظام الدین نارنولی اور سرہند میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی قدس سرہٗ تھے، یہ حال تو دہلی اور اس کے اطراف کا ہے جہاں یہ اکابر حضرات جمع تھے، ان کے علاوہ اطرافِ گجرات اور دکن میں بھی بڑے پائے کے علماء واولیاء حضرات موجود تھے، شرح رسالہ مذکور میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں

ومن عجیب صنع اللّٰہ انہ کما تراکم فی تھد ھذین من الفتن الدھماء مالم یرد محشار عشر

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی وتذکرہ مجدد الف ثانیؒ ملتقطاً۔

عهد القدماء وكذلك لم يرمثل عهد هما في اجتماع الاولياء اصحاب الآيات الظاهرة والكرامات الباهرة والعلماء اصحاب التصانيف المفيدة والتواليف الجيدة كالسيد عبد الوهاب البخاري ۔۔۔۔۔ هولاء وغيرهم ممن يتبرك باسمه ويرجى نزول الرحمة بذكره وهولاء من نواحي دهلي خاصة فضلاء ممن كان في گجرات ودكهن وغيرهما الخ [ے]

اگرچہ ان اکابر علمائے کرام وصلحائے عظام نے ایسے نازک دور اور کٹھن وقت میں تصانیف و وعظ و نصائح وغیرہ سے دین کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے بھی لوگ مستفید و مستفیض ہوتے رہے لیکن ایسا شخص جو صورت کی کایا پلٹ دے اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے حکومت کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور اپنے تقوی و ورع و مقاومت بالصبر کے خاموش اسلحہ سے حکومتِ وقت کو شریعتِ اسلامیہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی ہی کی ذات گرامی تھی

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اور نوبت یہانتک پہنچی کہ ایک دن شیخ فرید کو سلطانی حکم ملا کہ " دربار کے لئے چار دیندار عالم مہیا کئے جائیں جو مسائلِ شرعیہ بتایا کریں تاکہ کوئی کام خلافِ شرع واقع نہ ہو" ـــــــ

ـــــــ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بیحد مسرت ہوئی لیکن آپ کی مجددانہ فطرت نے اس باریک تر خطرہ کو بھی فوراً ہی محسوس کر لیا جو اس سراپا خیر تجویز میں مضمر تھا، آپ کے حافظہ میں واقعات کی پوری روداد موجود تھی اور یہ حقیقت آپ کے سامنے تھی کہ اکبر کو اسلام سے برگشتہ کر کے بعض نفس پرست اور جاہ پسند علماء سوء ہی نے " اکبر" بنایا تھا، اگر خدانکردہ اسی ٹائپ کے "مولوی" پھر دربار میں جمع ہو گئے تو کہیں یہ کی کرائی محنت بھی برباد نہ جائے ـــــــ آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا اس میں شیخ موصوف کو دعائیں دیتے اور اس خبر فرحت اثر پہ مسرت و شادمانی کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں [ہ۳] :-

" سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام نے مسلمانی کی نیت سے جو اپنی ذات میں رکھتا ہے آپ سے فرمایا ہے کہ چار آدمی دیندار علماء مہیا کریں تاکہ دربار میں ملازم رہیں اور مسائلِ شرعیہ کو بیان کرتے رہیں تاکہ خلافِ شرع کوئی امر صادر نہ ہو۔

[ہ۲] شرح رسالہ رد روافض [ہ۳] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۰۱ تا ۳۰۵ ملخصاً

الحمد للہ! مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کونسی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوشخبری ہوگی، لیکن چونکہ یہ حقیر بھی اسی غرض کے لئے آپ کی خدمتِ بلند کی طرف متوجہ ہے چنانچہ کئی دفعہ اس امر کا اظہار کیا گیا ہے اس لئے اس بارے میں کہتے اور لکھنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھ سکتا امید ہے کہ مجھے معذور سمجھیں گے، صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ (غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے) معروض کرتا ہے کہ ایسے دیندار علماء جو حبِ جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کے سوا اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں بہت ہی کم بلکہ کم سے کم ہیں، اور حبِ جاہ و ریاست ہونے کی صورت میں ہر ایک اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بزرگی کو ظاہر کرنا چاہے گا پھر ان میں اختلافات ہوں گے اور انہی کو یہ بادشاہ کے قرب کا وسیلہ بنائیں گے تو لامحالہ معاملہ بگڑ جائے گا۔ گذشتہ زمانے میں ایسے علماء کے اختلافات ہی سے دنیا کو بلا میں ڈالا تھا اب بھی وہی چیز درپیش ہے، ترویج کیا ہوگی بلکہ یہ تو دین کی خرابی کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ' بُرے علما کے فتنے سے بچائے، اگر اس غرض کے لئے ایک ہی عالم مل جائے تو بہتر ہے اور اگر علمائے آخرت میں سے کوئی مل جائے تو نہایت ہی سعادت ہے کیونکہ اس کی صحبت کبریتِ احمر ہے اور اگر ایسا آدمی نہ ملے تو خوب غور و فکر کے بعد اس قسم کے آدمیوں میں سے کسی بہتر کو اختیار کریں

مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ۔

میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں، جس طرح مخلوقات کی نجات علما کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح جہان کا خسارہ بھی انہی پر منحصر ہے۔ علماء میں سے بہترین عالم جہان کے تمام انسانوں سے بہتر ہے اور علما میں سے بدتر عالم جہان کے تمام انسانوں سے بدتر ہے کیونکہ تمام جہان کی ہدایت و گمراہی انہی پر موقوف ہے۔

کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بیکار بیٹھا ہے اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ اس وقت کے علماء میرا کام کر رہے ہیں بہکانے اور گمراہ کرنے میں وہی کافی ہیں

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند ۔۔۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

غرض کہ اس بارے میں صحیح فکر اور کامل غور کر کے کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ جب کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ ہر چند اس قسم کی باتیں داناؤں کے

سامنے اظہار کرنے سے شرم آتی ہے لیکن اسی مطلب کو اپنی سعادت کا وسیلہ جان کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔ [۱]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی کامیابی کا پہلا قدم وہ ہے کہ خود جہانگیر خصوصی مجالس میں آپ سے وعظ و نصیحت سنتا تھا اور لشکرِ شاہی میں آپ کی رفاقت کی وجہ سے ترویج شریعت کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ اس کے بعد ہی اسی سال قلعۂ کانگڑہ کی فتح میسر ہوئی، کیونکہ یہ ایسی فتح تھی جو کسی بادشاہِ اسلام کو میسر نہ ہو سکی تھی باوجودیکہ ہر ذی حشمت بادشاہ اس کی تمنا کرتا رہا اور بقول جہانگیر ظاہر بینوں کی نظرِ کوتاہ میں اس کی فتح ناممکن تھی۔ لیکن یہ کس کی جد و جہد اور دعاؤں کا ثمرہ تھا؟

اس مہم کو سر کرنے کے لئے شروع میں نواب سید فرید بخاری نامزد ہوئے تھے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خاص الخاص ارادتمند تھے لیکن ان کی وفات ہو گئی تو یہ مہم عبدالعزیز خاں نقشبندی کے سپرد ہوئی آخر میں راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں ۲۸ ذی الحجہ ۱۰۲۹ھ کو قلعہ کانگڑہ فتح ہو گیا۔ جس پر جہانگیر نے بہت مسرت کا اظہار کیا، سجداتِ شکر ادا کئے اور قاضی میرعدل و دیگر علمائے اسلام کو ہمراہ لیکر جہانگیر بنفسِ نفیس قلعۂ کانگڑہ کی سیر کے لئے گیا اور وہاں اذان، نماز، خطبہ وغیرہ شعائرِ اسلامی جاری کرائے، مسجد تعمیر کرائی اور شعائرِ اسلام کے اجرا پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔ [۲]

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعہ جہانگیر کے دربار سے سجدہ تعظیمی موقوف کرایا، خلافِ شریعت قوانین منسوخ کرائے، ذبیحہ گاؤ علی الاعلان جاری کرایا، کفار پر جزیہ مقرر کرایا، ویران اور منہدم مساجد آباد کرائیں اور قوانینِ شریعت کا نفاذ کرایا۔ غرضکہ جہانگیر نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی اور آپ کا مرید ہو کر شراب وکباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید۔ نیز کشمیر جاتے ہوئے دو مرتبہ سرہند شریف میں قیام کیا اور حضرت مجددؒ کی دعوت قبول کی وغیرہ

---

[۱] دفتر اول مکتوب ۵۴ ۔ [۲] تزکِ جہانگیری ص ۳۱۸

وہی بادشاہ جس کے غرور و مستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا سجدۂ تعظیمی کے جواز کے فتوے علماء سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر میں کہتا ہے کہ "میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دوں گا وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔" بہر حال اگرچہ جہانگیر کے اقبال نے واقعی یہاں تک ترقی کر لی تھی تو اس کی اخروی سعادتمندی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عظیم الشان کامیابی ہے مگر درحقیقت اصل کامیابی یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا کر دی کہ شاہجہاں اور شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمہما اللہ جیسے جامع کمالاتِ صوری و معنوی بادشاہ پیدا ہوئے اور اپنی کامل دینداری کے ساتھ تقریباً ایک صدی تک حکومت کرتے رہے اور یہی فضا باقی رہتی اگر عالمگیر بادشاہ کے جانشین فکر و ہمت سے محروم نہ ہوتے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بغاوت سے احتراز

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بغاوت کیوں نہیں کی، نصِ حدیث کے بموجب مسلمان بادشاہ سے بغاوت صرف اسی وقت جائز ہے جبکہ واضح اور بیّن طور پر اس سے ارتکابِ کفر ہو، مشرکانہ اور کفریہ افعال کا ارتکاب اگرچہ حرام ہے لیکن کسی شخص کے کفر کا فیصلہ اسی وقت کیا جائے گا جبکہ اس کو مسلمان قرار دینے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے اور اعلانِ جہاد کے لئے اتنی قوت کا ہونا ضروری ہے کہ بظاہرِ اسباب کامیابی کی توقع کی جا سکے۔ بہت ممکن ہے کہ اکبر کے زمانے میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تحریک کو اتنی قوت حاصل نہ ہوئی ہو کہ جس سے اکبر جیسے چالاک شہنشاہ کی چالیس پچاس سالہ شہنشاہیت کا مقابلہ کر سکے درآنحالیکہ بعض لوگوں کی غیر مدبرانہ ناکام بغاوت کا انجام بھی حضرت موصوف کے سامنے تھا اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک نے اکبر تک اپنا اثر پہنچا دیا ہو اور اس کے نتائج اور رفتہ رفتہ بادشاہ اور ارکانِ سلطنت کی اصلاح پذیری سے آپ مطمئن ہوں اور اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہوں چنانچہ یہ قول اگرچہ مشہور نہیں مگر ممکن ہے صحیح ہو کہ اکبر نے وفات سے کچھ پہلے توبہ کر لی تھی، عہدِ اکبری کے جو حالات پس منظر میں بیان کئے گئے ہیں اگرچہ وہ ملحدانہ، زندیقانہ و مرتدانہ ہیں اور

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۵۶ و علماءِ ہند کا شاندار ماضی

ان سے اکبر کے مرتد و بے دین ہونے کا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ اکبر کو اغراض پرست اور فاسق مسلمان قرار دیتے ہوں جو اغراض پرستوں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہے، اور درباری علمائے سوء، صوفیائے کج رو اور اغراض پرست آزاد خیال اہلِ علم نے اکبر کے دماغ کو نئے دین کے نفاذ کی طرف آلودہ کرتے ہوئے شرعی اعتقادات و روایات کی من گھڑت توجیہات و تعبیرات سے ماؤف کر دیا تھا وہ خود علمِ دین کے مبادیات تک سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ان کا رد کرنے سے قاصر تھا نیز اپنی ڈپلومیسی اور غیر مسلموں کے خوش کرنے کے لئے اس کا دلی رجحان بھی اسی طرف ترقی کر تا گیا کہ تمام مذاہبِ غیر مسلمہ سے رواداری قائم کی جائے اگرچہ دینِ اسلام کے اصول و مبادیات کو علمائے سوء کی تاویلات کے ذریعہ اس رواداری کی بھینٹ ہی کیوں نہ چڑھانا پڑے، ان علمائے سوء کی توجیہات و تعبیرات کے ذریعہ عقائد و احکامِ اسلامیہ کی کانٹ چھانٹ کرنے کے باوجود اکبر اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں فائدہ جلیلہ کے تحت فرماتے ہیں:۔

"دوزخ کا دائمی عذاب کفر کی جزا ہے پھر اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان حاصل ہوتے ہوئے کفر کی رسمیں بجا لاتا اور اہلِ کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے اور علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے اور مرتد سمجھتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں پس چاہیئے کہ علماء کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کے ابدی عذاب میں گرفتار ہو، حالانکہ احادیثِ صحیحہ میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کے نصیب ہے نعوذ باللہ منہ۔ اور اگر کفر کی رسموں کے بجالانے کے باوجود ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن اس ذرہ برابر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ دائمی عذاب سے خلاص ہو جائیگا اور دائمی گرفتاری سے نجات پائے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اکبر سے زیادہ علماءِ سوء اور اغراض پرست جماعتوں اور افراد کی مذمت فرماتے ہیں اور بادشاہ کی اصلاح کے لئے ارکینِ حکومت کی اصلاح کو مقدم اور موقوف علیہ گردانتے ہیں۔

اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے حکومت کا خواہاں نہ ہو بلکہ حکومت کی اصلاح اس کا نصب العین ہو وہ خونریزی کو صرف اسی وقت ضروری سمجھے گا جب اس کے بغیر اور کوئی چارہ باقی نہ رہے، مقربین اور وزرا کی جماعت میں جو رسوخ پیدا کیا جا چکا تھا وہ اگرچہ فوری انقلاب نہیں لا سکتا تھا مگر انقلاب کی توقعات سے مایوسی بھی نہیں ہوئی تھی، ضرورت تھی کہ ان اصلاح پسند مقربین کے جذباتِ اصلاح کو مزید تقویت پہنچائی جائے اور اپنے نصب العین کو آشکارا اور بیّن کر دیا جائے کہ اس کے ماسوا کا ان کو شک و شبہ بھی باقی نہ رہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی خانہ جنگی اس وقت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جہاد بالسیف کا اعلان فرما دیتے تو یہی مقربین یہ یقین کر سکتے تھے کہ حکومت حاصل کرنے کے لئے ایک ڈھونگ رچایا گیا ہے اور حضرت موصوف کے دعوائے اصلاح کو بھی وہی اصلاح خیال کیا جاتا جس کا اعلان ابراہیم لودھی کے مقابلہ پر بابر نے یا ہمایوں کے مقابلہ پر شیر شاہ سوری نے کیا تھا جس کا نتیجہ یہی ہوا تھا کہ ایک چیرہ دست کی جگہ دوسرے چیرہ دست نے حاصل کر لی۔

علاوہ ازیں اکبر اپنے پچاس سالہ عہدِ حکومت میں ہندوؤں کے حوصلے اتنے بڑھا چکا تھا کہ اصلاح کی اس جدوجہد میں خود اقتدارِ مسلم کے زوال ہی کا خطرہ تھا اس کے ماسوا شاہ عباس ایران میں شیعہ بادشاہ تھا ہندوستان میں شیعہ پارٹی برسرِ اقتدار تھی کیا کوئی شک ہو سکتا ہے کہ ملکہ نورجہاں کی امداد کے لئے ایرانی قزلباش دندناتے ہوئے ہندوستان نہ پہنچ جاتے۔ بہرحال اس وقت مدبرانہ اور عاقلانہ لائحہ عمل اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ مقربین اور وزرا جو اصلاح پر کان دھر سکتے تھے اس آواز کو اُن کے دلوں کی گہرائیوں میں اتنا اتار دیا جائے کہ وہ سراسر اصلاح بن جائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اکبر کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے لئے تیاری کا زمانہ تھا جب اکبر کا انتقال ہو گیا اور جہانگیر تختِ سلطنت پر بیٹھا اس وقت قریب قریب آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے اور اندرون و بیرونِ حکومت آپ کی کافی جماعت اقامتِ دین و احیائے ملت کے لئے تیار ہو چکی تھی اس لئے جہانگیر کے تخت پر بیٹھتے ہی آپ میدان میں نکل آئے اور آپ نے اپنا کام شروع کر دیا جیسا کہ مکتوباتِ شریفہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

دعوے بہت کچھ کئے جاتے ہیں مگر ان کا اثر اور ان میں قوتِ جاذبہ جب ہی پیدا ہوتی ہے کہ

ایثار، قربانی، جفاکشی اور فداکاری سے ان کی صداقت کا یقین پیدا کرا دیا جائے، بلاشبہ یہ نہایت قوی اور مضبوط طریقۂ جنگ ہے جو اس وقت تک کیا جاتا ہے جب تک اس کی کامیابی کے امکانات باقی رہیں اور اسی طرزِ جنگ کو مقاومت بالصبر کے مذہبی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آج کل کی اصطلاح میں عدمِ تشدد کی جنگ کہا جاتا ہے۔ آپ اس حقیقت سے ناآشنا نہ ہوں گے کہ جب مکہ معظمہ میں اس طریقۂ جنگ کو آزمایا جا رہا تھا تو تلوار اور قوت سے جنگ ممنوع تھی۔ جب وہ تمام طبیعتیں جن کو انصاف پسندی کا کچھ بھی حصہ مرحمت ہوا تھا ایک ایک کر کے حلقہ بگوش ہو چکیں اور صرف وہی ظاہر پرست ذہنیتیں باقی رہ گئیں جن کا اعلیٰ مدار انصاف اور قوت ہی ہوتا ہے اور تلوار کی چمک کے سوا کوئی نور ان کی شوخ اور دلیر آنکھ کو خیرہ کر ہی نہیں سکتا تب خاص خاص احتیاط اور شرائط کے ساتھ تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی جنگ کے یہ دونوں طریقے آج بھی مشروع ہیں اور شریعتِ غرّا موقع بموقع ہر ایک کے اجرا کا حکم دیکر ایک ہی ثواب دونوں کے لئے تجویز فرماتی ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے: افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر وفی روایۃ کلمۃ عدل (ظالم بادشاہ کے سامنے صداقت اور انصاف کا کلمہ کہنا سب سے افضل جہاد ہے) بہر حال اس طرزِ جہاد کے لئے ضرورت تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنی صداقت نیز سلطان اور سلطنت کی خیر خواہی کا آخری ثبوت پیش کریں [1]

مکتوباتِ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر پانچ راستے ہیں جن سے مسلمانوں میں گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں: ایک [1] اربابِ حکومت یعنی بادشاہ و ارکانِ سلطنت جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور "سیاسی مفاد" کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے اسلامیت سے بیگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندوئیت سے آشنا بنا دیا ہے — دوسرے [2] وہ علماءِ سوء جن کا مطمحِ نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، اربابِ اقتدار اور امراءِ وقت کی خوشنودی اور رضاجوئی میں ساعی رہنا، ان کی خاطر ہر منکر کو معروف اور ہر معروف کو منکر بنا دینا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرتا ہوتا ہے — تیسرے وہ گمراہ اور

[1] علماءِ ہند کا شاندار ماضی

برخود غلط صوفی جو شریعت کو "ظاہر پرستوں" کا کھلونا سمجھتے ہیں اور "طریقت و حقیقت" کے مقدس ناموں سے انھوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے، خدا کا بیٹا بھی اور جس میں "عارفِ کامل" بننے کے باوجود ہر قسم کے گناہ اور لذتِ نفس کے ہر طریقے کی پوری گنجائش ہے ــــ چوتھے، باریافتگانِ دربارِ نبوت و سعادتمندانِ شرفِ صحبتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تحقیر کرنے والا گروہ ــــ پانچویں، آزاد خیال اہلِ علم و طالبانِ علم جنھوں نے علومِ عقلیہ دنیویہ مثلاً ادب و انشاء و شعر و شاعری و فلسفہ و تاریخ وغیرہ کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور علومِ نقلیہ شرعیہ سے روگردانی کر کے اپنی عقلوں کو معیارِ شریعت و معیارِ علوم کون و مکان ٹھہرایا ہوا تھا۔ یہ تھے فتنوں کے پانچ چشمے جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا۔ ان پانچوں گروہوں کے اعمال کا تفصیلی جائزہ ہم "مجدد الفِ ثانیؒ کی دعوت و تجدید کا پس منظر" میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے انہی گمراہی کے پانچوں منبعوں کو قابو میں لانے اور ان کا رُخ صحیح کرنے کے لئے اپنی پوری حکمت و قوت صرف فرما دی۔

حکومت (یعنی بادشاہ اور ارکانِ سلطنت) کا مورچہ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جس طرح فتح کیا اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اب رہ گئے باقی چار گروہ، ان سب کا فتنہ صرف اس لئے روبہ ترقی تھا کہ حکومت کی رفتار ان کے مناسبِ مزاج تھی جب حکومت کا رُخ بدل گیا تو باطل کی یہ باقی قوتیں بھی کمزور پڑ گئیں، بایں ہمہ ان گمراہیوں کے خلاف بھی آپ نے مستقل جنگ کی۔ اب ہم ان چاروں گروہوں میں سے ہر ایک کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے جہاد اور آپ کے اصلاحی پروگرام کا قدرے تفصیلی جائزہ ذکر کرتے ہیں۔

علماء سوء کے خلاف جہاد علماءِ سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے: ایک نااہلیت اور نا خدا ترسی کے باوجود اجتہاد کا دعویٰ اور نصوصِ کتاب و سنت میں معنوی تحریف کر کے نت نئے عقائد و خیالات کا اختراع اور پھر خدا اور رسول و قرآن و حدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج و اشاعت (ابو الفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا) ــــ دوسرے بدعتِ حسنہ کے نام سے دین میں نئی نئی ایجادیں، جو بلا تمیں

علماء سوء کی طرف سے دین پر نازل ہوتی تھیں اکثر انہی دو دروازوں سے آتی تھیں اس لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑی قوت سے جنگ کی، مکتوبات شریفہ میں ان دونوں چیزوں کے خلاف جسقدر مواد موجود ہے اگر اس سب کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، عقائد اسلام اور اجتہاد و تقلید وغیرہ مسائل کلامیہ کے متعلق ہر سہ دفاتر مکتوبات شریفہ میں مجمل اور مفصل مکتوبات موجود ہیں، جن میں گمراہی کے اس چشمہ پر بند لگانے کی کوشش کی گئی ہے "حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات کے باب میں اس کے متعلق کچھ اقتباسات درج ہیں، کچھ اقتباسات یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں: ایک مکتوب میں جو حکیم عبدالوہاب کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:-

"اے سعادتمند! جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ اول اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق اس طرح پر درست کریں جس طرح پر کہ علماء حق نے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے، ان عقائد کو کتاب و سنت سے سمجھا اور وہاں سے اخذ کیا ہے، کیونکہ ہمارا اور آپ کا سمجھنا اگر ان بزرگواروں کی فہم درائے کے موافق نہیں ہے تو وہ حد درجہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنت ہی سے سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے حق کے متعلق کسی چیز کا فائدہ نہیں ہوتا۔" [1]

ایک مکتوب میں شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں:-

"مکلفین بالشرع پر سب سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی راؤں کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں کیونکہ آخرت کی نجات انہی بزرگواروں کی بے خطا آراء و اقوال کی تابعداری پر موقوف ہے اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے متبعین ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں، اور ان علوم میں سے جو کہ کتاب و سنت سے حاصل ہوتے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب و سنت سے اخذ کئے اور سمجھے ہیں، کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیال فاسد میں کتاب و سنت ہی سے اخذ کرتا ہے پس ان (کتاب و سنت) کے مفہوم معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۵۷۔ [2] دفتر اول مکتوب ۱۹۳۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں جو صدر جہاں کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء ہی کی کمبختی سے ظہور میں آیا تھا۔ اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مدنظر رکھ کر علمائے دیندار کا انتخاب کرکے پیشدستی کریں گے علماء بد دین کے چور ہیں ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ ورعب داب اور بزرگی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے"۔ ؎

ایک مکتوب میں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں :-

"معلوم ہونا چاہئے کہ طریق سالک کی جملہ ضروریات میں سے ایک اعتقاد صحیح ہے جس کو علمائے اہل سنت وجماعت نے کتاب وسنت اور آثار سلف سے استنباط فرمایا ہے اور کتاب وسنت کو ان معانی پر محمول رکھنا بھی ضروری ہے۔ جن معانی کو تمام علمائے اہل حق یعنی اہل سنت وجماعت نے اس کتاب وسنت سے سمجھا ہے اور اگر بالفرض کشف والہام کے ساتھ ان معانی مفہومہ کے برخلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے اور اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔ مثلاً وہ آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحید وجودی سمجھی جاتی ہے اسی طرح (جن آیات واحادیث سے) احاطہ اور سریان اور قرب معیت ذاتیہ معلوم ہوتے ہیں جبکہ علماء اہل حق نے ان آیات واحادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے ہیں، تو اگر اثنائے راہ میں سالک پر یہ معانی منکشف ہو جائیں اور سوائے ایک کے موجود نہ پائے اور اس کو محیط بالذات جانے اور از روئے ذات کے قریب جانے۔ اگرچہ اس وقت وہ غلبۂ حال اور سکر وقت کے باعث معذور ہے لیکن اس کو چاہئے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا وزاری کرتا رہے تاکہ اس کو اس بھنور سے نکال کر جو امور کہ علمائے اہل حق کی آرائے صائبہ کے مطابق ہیں اس پر منکشف کرے اور ان کے معتقدات حقہ کے برخلاف سرمو ظاہر نہ کرے۔

غرض علماء اہل حق کے معانی مفہومہ کو اپنے کشف کا مصداق اور اپنے الہام کی کسوٹی بنانا چاہئے کیونکہ وہ معانی جو اُن کے مفہوم معانی کے خلاف ہیں محل اعتبار سے ساقط ہیں اسلئے کہ ہر بدعتی یعنی بدعتی اور ضال یعنی گمراہ کتاب وسنت ہی کو اپنے معتقدات کا مقتدا جانتا ہے اور اپنے ناقص فہم کے موافق اسی (کتاب وسنت) سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور اکثر کو گمراہ کرتا ہے) اور یہ جو میں نے کہا کہ

؎ دفتر اول مکتوب ۱۹۴

کہ علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ معتبر ہیں اور ان کے برخلاف معتبر نہیں ہیں۔ وہ اس سبب سے کہا ہے کہ انھوں نے ان معانی کو آثارِ صحابہ و سلفِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تتبع و اتباع سے اخذ کیا ہے اور ان کے نجوم ہدایت کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے، اسی واسطے نجاتِ ابدی انہی پر مخصوص ہو گئی ہے اور فلاحِ سرمدی انہی کو نصیب ہوئی ہے اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں خبردار یہی اللہ تعالیٰ کا گروہ فلاح پانے والا ہے) اور اگر بعض علما اعتقادِ حقہ کے باوجود فرعیات (اعمال) میں سستی کریں اور عملیات میں تقصیرات کے مرتکب ہوں تو مطلق علما کا انکار کرنا اور سب کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور صرف مکابرہ یعنی ہٹ دھرمی ہے، بلکہ اس میں دین کی اکثر ضروریات کا انکار ہے کیونکہ ان ضروریات کے ناقل اور ان کے کھوٹے کھرے کو پہچاننے والے یہی لوگ ہیں۔"[1]

ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آج بھی جو نئی نئی خطرناک گمراہیاں امت میں پیدا ہو رہی ہیں ان کی اصل بنیاد یہی ہے کہ ہر بوالہوس "اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ کوفیؒ، سفیان ثوریؒ، ابوالحسن اشعریؒ، ابو منصور ماتریدیؒ، ابن تیمیہ حرانی اور امام غزالیؒ کے ہمسر سمجھتا ہے اور ادنیٰ تامل و تدبر کے بغیر کتاب و سنت ہی کا نام لیکر نئے نئے فتنے برپا کرتا ہے، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت اور مشرقیت، کیا یہ سب اسی گمراہی (تقلیدِ سلف سے آزادی) کے کرشمے نہیں؟

بدعتِ حسنہ کا نظریہ بھی جس کے پردہ میں اس عہد کے علماءِ سوء نے اپنی خواہشاتِ نفس کو دین کا جزو بنا رکھا تھا حضرت مجدد قدس سرہٗ کی نظر میں سخت خطرناک تھا اس لئے آپ نے اس نظریے کے خلاف بھی جنگ کی اور بلا خوفِ لومۃ لائم بالکل مجددانہ انداز میں بدعت کے حسنہ ہونے ہی سے انکار فرما دیا۔ اس موضوع پر بھی دفاترِ مکتوبات میں بیسیوں بلکہ پچاسوں مکاتیب ہیں ہم نے بھی ان میں سے چند اقتباسات تعلیماتِ مجدد میں درج کئے ہیں، مزید چند اقتباسات یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ خانخاناں کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے مخدوم و مکرم! اس سلسلۂ علیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی طرح پڑے ہیں اور بدعتوں کے رواج پانے کے باعث اس ملک کے رہنے والوں کو ان بزرگواروں کے طریقہ کے ساتھ جس میں سنت کا التزام ہے بہت کم مناسبت ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ والے لوگوں میں سے بھی

[1] دفتر اول مکتوب ۲۸۶۔

بعض نے قصورِ نظر کے باعث اس طریقۂ علیہ میں بھی بدعتوں کو اختیار کر لیا ہے اور بدعت کا ارتکاب کر کے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقہ علیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں۔ حاشا و کلا، بلکہ یہ لوگ اس طریقہ کے خراب و برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں ان کو اس طریقہ کا اصل معاملہ معلوم ہی نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔“ ؎۱

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہؒ کو ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:۔

”اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث بحرِ ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے اور سنت کا نور غربت و ندرت کے باوجود اس بحرِ ظلمانی میں کرمہائے شب افروز یعنی جگنوؤں کی طرح محسوس ہو رہا ہے، اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کر جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اُس (ظلمت) کے کم ہونے اور اس نورانیت کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔ اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی شخص بدعتوں کی ظلمات کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور خواہ اللہ تعالیٰ کے گروہ کو زیادہ کرے یا شیطان کے گروہ کو۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ ؎۲

ایک مکتوب میں کابل کے مفتی خواجہ عبد الرحمٰن کو ارقام فرماتے ہیں:۔

”اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہیں لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کے ساتھ پنجہ مارو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو، اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو، کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“۔ پس جب دین میں ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے۔

نیز جو کچھ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں، پس ہر بدعت سیئہ ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

”جب کوئی قوم بدعت پیدا کرتی ہے تو اس سے اُس جیسی ایک سنت اُٹھائی جاتی ہے پس سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اور حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی قوم نے دین میں کسی بدعت کو جاری نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سنت کو ان میں سے اٹھا لیا، پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو ان کی طرف نہیں لوٹاتا“۔ ؎۳

؎۱ دفتر دوم مکتوب ۶۲۔ ؎۲ دفتر دوم مکتوب ۲۳۔ ؎۳ دفتر اول مکتوب ۱۸۶۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک مکتوب میں جو مخدوم زادہ اکنگی یعنی حضرت خواجہ محمد قاسمؒ کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:۔

"میرے مخدوم و مکرم! اس طریقۂ عالیہ میں ان لوگوں نے بہا تک احداث و ابداع (بدعتوں) کو رواج دیا ہے کہ اگر مخالفین یہ بات کہیں کہ اس طریقہ میں بدعت کا التزام اور سنت سے اجتناب ہے تو بھی گنجائش ہے (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) نماز تہجد کو پوری جمعیت یعنی جماعت سے ادا کرتے ہیں، اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجدوں میں رواج و رونق بخشتے ہیں اور اس عمل کو نیک جانتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ فقہانے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے نوافل کا جماعت سے ادا کرنا اشد مکروہ کہا ہے، اور بعض فقہائے جو تداعی کو جماعت نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انھوں نے بھی نوافل کی جماعت کے جواز کے لیے یہ قید لگائی ہے کہ مسجد کے کونے میں ہو اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے، اور نیز یہ لوگ نماز تہجد کی تیرہ[۲] رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ وہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرلیں، کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے۔ حالانکہ یہ علم و عمل بھی سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں ان میں وتر بھی شامل ہیں، اور نماز تہجد کی رکعتوں کا فرد و طاق ہونا رکعات وتر کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ ان بزرگواروں نے خیال کیا ہے۔" [۱]

اس بات کو تو ارباب نظر ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بدعت حسنہ کا انکار کر کے کتنی بڑی گمراہی کا دروازہ بند کر دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام وعن المسلمین جزاءً حسنا۔

کج رو صوفیوں کی نشاندہی و اصلاح دینی رخنوں اور مذہبی فتنوں کا تیسرا سرچشمہ "کج رو صوفیوں" کا گروہ تھا اس نے اسلام کو جس قدر مسخ کیا تھا اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کے سامنے اس "غیر اسلامی تصوف" کی پوری تاریخ ہو۔ اکبر بادشاہ کو گمراہ کرنے میں اس گروہ کا بھی بہت بڑا حصہ تھا جیسا کہ "دعوت و تجدید کا پس منظر" کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

[۱] دفتر اول مکتوب ۱۶۸

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے کارناموں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ "عمل تجدید" سے پہلے ہندوستان میں صوفیائے خام کے ہاتھوں اسلام پر جو مصیبت ٹوٹ پڑی تھی اس کو بیان نہ کیا جائے۔ اس طبقہ کی گمراہیوں کی اصلاح کے لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے جو کچھ عملی، لسانی اور قلمی کوششیں فرمائیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے یہاں ہم اس باب کی بھی صرف چند جزئیات پیش کرتے ہیں "تعلیماتِ مجدد" کے باب میں بھی اس کی تفصیلات کے لئے حضرت موصوف کے مکتوبات سے کچھ اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔

(۱) ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی اتحاد و حلول کا وہ عقیدہ تھا جس کی بنیاد وحدۃ الوجود کے نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابرِ طریق سے غلبۂ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن میں وحدت کی جھلک پائی جاتی ہے پھر بعض حضرات مثلاً شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ وغیرہ نے اس نظریہ کو علمی رنگ میں بھی رنگ دیا اور ہمہ اوست کے عنوان سے تعبیر کیا، ان حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو قاصرین کیا سمجھتے بس ہر مدعی نے حلول و اتحاد کا دعوی شروع کر دیا پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں۔ بہت سے مدعیانِ بےخبر نے کہا کہ عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے زمین بھی خدا ہے آسمان بھی خدا ہے شجر و حجر، نباتات و جمادات، عناصر بسیطہ اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہیں (معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ) حلول کے متعلق ہندوؤں کے نظریہ کی تائید میں اس گروہ نے بھی اکبر کے سامنے دلائل کا طومار باندھا اور اس کے ذہن کو پختہ کر دیا کہ حلول کا مسئلہ اسلام کے عین مطابق ہے اور بادشاہ خود بھی اس کا مصداق ہے، واحسرتا! کسقدر دردناک ہے یہ منظر! خدا تعالیٰ کے سارے پیغمبر یہی بتاتے آئے کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے وراء الورا، ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے لیکن یہ مدعیانِ غلط کہتے ہیں کہ "عالم میں جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی خدا ہے"۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اس گمراہی کے خلاف بھی سخت جنگ کی اور بلا خوفِ لومۃ لائم اس کو الحاد و زندقہ قرار دیا چنانچہ فرماتے ہیں:-

"ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال و صفات کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء و صفات میں الحاد ہے"۔

اصل مسئلہ (وحدت الوجود) کی تنقیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں :-

"پس حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ (خالق و مخلوق ہونے کے سوا) کسی قسم کی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد و عینیت) اللہ تعالیٰ تمام اہل جہان سے غنی ہے۔ حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔" [1]

نیز ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :-

"فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہ کا جمع ہونا خیال کرتی ہے، درحقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے۔ ان (آئینوں) میں ان کا مشہود ان کے خیالی اور من گھڑت (تصور) کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جو کچھ وہ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ و تقدس نہیں ہے، اور جو کچھ وہ حادث میں پاتے ہیں قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی باطل و خلاف شرع باتوں پر فریفتہ ہونا چاہئے اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہئے، اگرچہ یہ لوگ غلبۂ حال کی وجہ سے معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان مقلدوں کے ساتھ (قیامت کے روز) معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے۔ کاش کہ مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے، اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا گیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔

(تقریباً ایک صفحہ کے بعد اسی مکتوب میں فرماتے ہیں) عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے اس راہ کے مدعی اس شہود و مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس جہان میں رویت بصری کے بھی قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہٗ کی ذات بیچون کو دیکھتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ایک دفعہ حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جو ان کے دیکھنے میں آتا ہے اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبۂ بے کیفی خیال کرتے ہیں۔ اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے)۔

[1] دفتر دوم مکتوب ۱

اور نیز حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ اپنا مکالمہ و کلام کرنا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا ایسا فرمایا ہے کبھی اپنے دشمنوں کے حق میں حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے کئی قسم کی وعیدیں یعنی وعدہ ہائے عذاب نقل کرتے ہیں، اور کبھی اپنے دوستوں کو بشارتیں دیتے ہیں اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کی تہائی یا چوتھائی حصہ سے لیکر صبح کی نماز تک میں حق تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا رہا اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا (ان لوگوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی) ان لوگوں کی باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس نورِ مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا اس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہوں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افترا صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لئے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا۔ یا اللہ تو پاک ہے کہ ہماری برائیوں کو جان کر حلم فرماتا ہے اور قدرت کے باوجود معاف کرتا ہے"۔ [1]

ایک طرف تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس گمراہی کی قباحتوں کو ظاہر فرمایا اور اس کو الحاد و زندقہ قرار دیا اور دوسری طرف ان اکابر صوفیائے کرام کی مراد ظاہر فرمائی جو "وحدۃ الوجود" اور "ہمہ اوست" کے قائل ہوئے ہیں اور بتایا کہ اس قسم کے کلمات سے ان کا مقصد یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے سب اس کی قدرت کا ظہور ہے یا یوں کہئے کہ اس کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور باقی تمام موجودات کا وجود محض ظلی ہے جو قابلِ اعتبار و لائق شمار نہیں ہے چنانچہ ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:-

"اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اس عبارت کے اور معنی بھی ہیں جو اتحاد و حلول سے بعید ہیں یعنی سب نیست ہیں اور حق تعالیٰ ہی موجود ہے نہ یہ کہ سب ہست ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہی متحد ہیں۔ اس قسم کی بات کوئی بیوقوف اور نادان بھی نہیں کہتا بزرگوں سے کس طرح متصور ہو سکتی ہے اور چونکہ غلبہ محبت کے باعث محبوب کے سوا سب کچھ ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کچھ بھی ان کے مشاہدہ میں نہیں رہتا اس لئے ہمہ اوست کہہ دیتے ہیں یعنی یہ سب کچھ

[1] دفتر اول مکتوب ۲۷۲

جو ثابت و موجود دکھائی دیتا تھا سراسر وہم و خیال ہی ہے موجود صرف حق تعالیٰ ہی ہے، اس صورت میں نہ جزئیت و اتحاد کی آمیزش ہے نہ حلول و تلون کا گمان، لیکن اس کے باوجود یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اور اس قسم کے مقاصد سے ہر طرح مبرا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے مرتبۂ تقدیس و تنزیہ کے لائق نہیں، یہ اشیاء کیا ہیں جو اس کا مظہر ہو سکیں ۔ع در کدام آئینہ در آید او۔
اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں، اگر مظہر بھی ہیں تو حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر ہیں، اور وہ ظل کہ جس کا یہ مظہر ہیں حق تعالیٰ کے ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لیکر ذات تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال درمیان میں ہیں، آپ نے یہ سنا ہی ہوگا کہ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں)"۔ [۱]

نیز ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"حق سبحانہ و تعالیٰ بے چون و بیچگون ہے اور عالم سراسر چونی اور چگونی کے داغ سے داغدار ہے۔ بیچون کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے، واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہو سکتا ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا حقائق کا بدل جانا عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور ایک کو دوسرے پر حمل کرنے کا ثبوت کلی طور پر ممتنع ہے"۔ [۲]

ارباب وحدۃ الوجود کے اس قسم کے کلمات کی آپ نے اور بھی لطیف توجیہات کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

"اور بعض دوسروں سے یہ باتیں محبت کے غلبہ کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں کیونکہ محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوائے محبوب محب کی نظر سے دور ہو جاتا ہے اور اسے محبوب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، نہ یہ کہ فی الواقع محبوب کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہوتا، کیونکہ یہ بات حس و عقل اور شرع کے مخالف ہے"۔ [۳]

اسی مفہوم کے چند اقتباسات "تعلیماتِ مجدد" میں بھی مذکور ہیں۔

الغرض ایک طرف تو آپ نے ان اکابر کے کلمات کا مقصد و منشا بیان کیا جو وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہوئے ہیں اور دوسری طرف وحدۃ الوجود کے اس گمراہانہ بلکہ زندیقانہ نظریہ

[۱] دفتر سوم مکتوب ۸۹ ۔ [۲] [۳] دفتر اول مکتوب ۳۱

صریح الفاظ میں الحاد اور کفر بتایا جس کو "زمانۂ مابعد کے مدعیانِ بے خبر" اکابر حضرات کے کلمات کی سند پکڑ کر عوام میں پھیلا رہے تھے اور کائنات کی ہر چیز کو بے دھڑک خدا بنا رہے تھے۔

(۲) اسی ٹائپ کے بعض صوفی ہر چیز کو تو خدا نہیں کہتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ فقیر جب کامل ہو جاتا ہے تو وہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی گویا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے اور اس کی سند بھی بعض عارفوں کے کلمات سے پکڑی جاتی تھی حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس کا بھی رد فرمایا اور اس کو بھی کفر و زندقہ قرار دیا جیسا کہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے لیکن حق تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے اس احاطہ اور قرب و معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہم قاصر میں آسکے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جنابِ پاک کے لائق نہیں، اور جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں وہ اس سے بھی منزہ اور پاک ہے۔ اس لئے کہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی حقیقت کی سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اُس کو لا کی نفی کے نیچے لانا چاہئے"۔

اس قسم کا مضمون دوسری جگہ سے "تعلیماتِ مجدد" میں بھی مذکور ہے۔

(۳) بعض عارفوں کے کلام میں "محو و اضمحلال کے الفاظ آئے ہیں، ان گمراہوں نے اس کو بھی اپنے لئے سند بنایا اور سمجھے کہ اس سے "محو و اضمحلالِ عینی" مراد ہے یعنی عارف کا خدا تعالیٰ کی ہستی میں تحلیل ہو کر "من تو شدم تو من شدی" کا مصداق ہو جاتا ہے اس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

"ہاں کسی شے تک پہنچنا اور ہے اور اس شے میں مضمحل ہونا امر دیگر ہے اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کی عبارت میں جو لفظ محو و اضمحلال استعمال ہوتا ہے اس سے مراد محو و اضمحلالِ نظری ہے نہ کہ عینی (یعنی حقیقی اور ذاتی) یعنی سالک کا تعین (اپنا وجود شخصی) اس کی نظر سے مرتفع ہو جاتا ہے نہ یہ کہ نفس الامر میں (یعنی فی الواقع) محو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ الحاد و زندقہ ہے اس راستہ کے بعض ناقص لوگ ان وہم میں ڈالنے والے الفاظ سے محو و اضمحلالِ عینی

جان کر زندقہ تک پہنچ گئے ہیں اور آخرت کے عذاب و ثواب کا انکار کر دیا ہے اور انھوں نے خیال کیا ہے کہ جس طرح (آغاز میں) وحدت سے کثرت میں آئے ہیں اسی طرح دوسری مرتبہ (انجام کار) کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں مضمحل ہو جائے گی اور ان زندیقوں سے بعض نے اس محو ہونے کو قیامتِ کبریٰ خیال کیا ہے اور حشر و نشر و حساب صراط و میزان سے انکار کیا ہے، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا)۔

(چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) یہ لوگ شاید اندھے ہیں دیکھتے نہیں کہ جب کسی کامل سے عجز و نقص و احتیاج زائل نہیں ہوئے تو پھر وحدت کی طرف رجوعِ وجودی کے کیا معنی ہوئے، اور اگر وحدت کی طرف رجوع کرنا موت کے بعد خیال کیا ہے تو کافر زندیق ہیں کہ عذابِ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو باطل سمجھتے ہیں"[1]

(۴) یہ تو ان زندیقوں کا رد ہوا جو ساری کائنات یا کم از کم عرفائے کاملین کے خدا بن جانے یا خدا کے ساتھ متحد ہو جانے کے قائل ہیں لیکن اسی قبیل کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور خاص کر سید الانبیاء سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ متحد سمجھا جائے جیسا کہ آج بھی ہمارے کان کبھی کبھی اس قسم کی صدائیں سُن لیتے ہیں کہ ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر — اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

اسی طرح ایک اور صاحب کہتے ہیں ؎

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں — خدا خود رسولِ خدا بن کے آیا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس گمراہانہ و مشرکانہ عقیدہ کو بھی بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینک دیا چنانچہ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:-

"اور اسی قسم سے بعض مشائخ کا وہ کلام ہے جو انھوں نے (حالتِ) سکر میں کہا ہے کہ جامعیتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جامعیتِ الٰہی سے زیادہ جامع ہے چونکہ یہ لوگ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امکان و وجوب کی حقیقت کا جامع جانتے ہیں اس لئے حکم کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اللہ جل شانہٗ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی صورت کو حقیقت تصور کر کے حکم کیا ہے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] دفتر اول مکتوب ۲۹۴

مرتبۂ وجوب کی صورت کے جامع ہیں نہ کہ حقیقتِ وجوب کے، اور اللہ تعالیٰ حقیقی واجب الوجود ہے۔ اگر وجوب کی حقیقت اور اس کی صورت کے درمیان تمیز کرتے تو ایسا حکم نہ کرتے، اس قسم کے سکر یا احکام سے اللہ کی پناہ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندہ ہیں محدود اور متناہی ہیں، اور حق تعالیٰ و تقدس غیر محدود اور نامتناہی ہے۔" [1]

ایک اور مکتوب میں یہی مضمون مرقوم ہے جو تعلیماتِ مجدد کے باب میں درج ہے اسی مکتوب میں سے مزید کچھ حصہ یہاں بھی درج کیا جاتا ہے:۔

"جاننا چاہیے کہ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے دو مقام ہیں نفی اور اثبات، اور نفی و اثبات میں سے ہر ایک کے دو اعتبار ہیں:۔۔۔ اول: یہ کہ جھوٹے خداؤں کی عبادت کے استحقاق کی نفی کی جائے اور حق تعالیٰ کو عبادت کا مستحق ثابت کیا جائے۔۔۔۔ دوسرا اعتبار یہ ہے کہ غیر مقصود مقصودوں اور غیر مطلوب مطلوبوں کی نفی کی جائے اور مطلوب حقیقی اور مقصود اصلی کے سوا کچھ ثابت نہ کیا جائے اور اعتبار اول میں کمال ابتدا میں یہ ہے کہ جو کچھ معلوم و مشہود ہو اسے سب لا کے نیچے داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ بھی ملحوظ نہ ہو۔" [2]

(۵) ان گمراہ متصوفین کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت صرف اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ معرفت حاصل نہ ہو، حصولِ معرفت کے بعد عبادت کی حاجت نہیں اس کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہٗ نہایت غضبناک ہو کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور اکثر متصوفۂ خام اور بے سروسامان ملحد اس امر کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکالیں اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ خواص صرف معرفتِ الٰہی کے مکلف ہیں اور بس، جیسا کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں اور شہادت کے طور پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے) اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں

[1] دفتر اول مکتوب ۹۵۔ [2] دفتر اول مکتوب ۲۷۱۔

(یعنی حتی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے) جیسا کہ سہل تستریؒ نے کہا ہے یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہٗ کے کئے ہیں اس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفس عبادت کی انتہا۔ کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی ہے، یعنی عارف اس واسطے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور پیرو ان کی اقتدا کریں۔ نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق اور مرائی یعنی ریاکار نہ ہو مرید اس سے نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَا اَجْهَلَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں) عارفوں کو عبادت کی جسقدر حاجت ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ان کے عروج عبادات پر ہی وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرات اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں اس لئے یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی زیادہ حاجت ہے۔[1]

(۶) اسی طرح ان بطالوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ صرف باطن درست ہونا چاہیے اعمال ظاہر یعنی نماز روزہ وغیرہ کی اللہ والوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ ہو سکے، کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے علماء صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں باطن میں اہتمام کرنا ظاہر کے اہتمام کو لازم کرتا ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروا نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے استقامت کا طریقہ یہی ہے۔"[2]

نیز یہ مضمون دفتر اول مکتوب ۳۹ میں بھی مذکور ہے جو تعلیمات کے باب میں درج ہے۔

[1] دفتر اول مکتوب ۲۷۹ - [2] دفتر دوم مکتوب ۷۸ -

(۷) ان متصوفین کی ایک عام غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مشائخِ طریق کے مکاشفات اور معارف کو اصل سمجھتے تھے اور اپنے اعمال کی بنیاد انہی پر رکھتے تھے خواہ وہ ظاہرِ شریعت سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس کے خلاف بھی مجددانہ جرأت و عزیمت سے لکھا چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"علومِ لدنیہ (کشفیہ) کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ صریح علومِ شرعیہ کے مطابق ہوں اگر اس میں بال برابر بھی تجاوز ہوا تو وہ سکر کی وجہ سے ہے، اور حق وہی ہے جو علمائے اہلِ سنت و جماعت نے تحقیق کیا ہے اور اس کے ماسوا زندقہ و الحاد ہے یا سکرِ وقت و غلبۂ حال ہے اور یہ تمام مطابقت مقامِ عبدیت میں میسر ہے، اس کے ماسوا میں ایک قسم کا سُکر ثابت ہے

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی ہو جائے"، یہ نہیں فرمایا کہ معارفِ شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے اگرچہ راستہ میں علومِ شرعیہ پر زائد بعض امور پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر نہایت کار تک پہنچا دیں تو وہ امورِ زائدہ پراگندہ ہو کر دُور ہو جاتے ہیں اور وہی معارفِ شرعیہ مفصل طور پر معلوم ہو جاتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے کشف کے وسیع میدان میں آجاتے ہیں۔"[۱]

ایک مکتوب کا اکثر حصہ جس میں یہ مضمون مذکور ہے تعلیماتِ مجدد کے باب میں درج ہے صرف چند سطور یہاں لکھی جاتی ہیں:۔

"حضرت ذوالنونؒ، حضرت بسطامیؒ، حضرت جنیدؒ اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہم زید و بکر و عمرو خالد کے ساتھ جو کہ عام مومنوں میں سے ہیں احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدوں کی تقلید کرنے میں مساوی و برابر ہیں ہاں ان بزرگواروں کی بزرگی اور امور میں ہے۔ کشف و مشاہدات کے صاحب اور تجلیات و ظہورات کے مالک یہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے محبوب حقیقی جل شانہٗ کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوا اللہ سے تعلق توڑ لیا ہے اور غیر و غیریت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں"۔[۲]

(دفتر دوم مکتوب ۲۳ کا اقتباس تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ ہو)

---

[۱] دفتر اول مکتوب ۳۰۔ [۲] دفتر دوم مکتوب ۵۵۔

(۸) بہت سے جاہل صوفی سنت و شریعت سے ہٹ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے تھے اور اس کو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے تھے آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ اس کے متعلق دفتر اول مکتوب ۲۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں جو کہ تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہے۔ نیز حضرت قدس سرہٗ نے متعدد مکاتیب میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ان غیر شرعی ریاضتوں و مجاہدوں یا اس قسم کے دوسرے غیر شرعی ذریعوں سے جو مکاشفات و تجلیات اور جو احوال و مواجید حاصل ہوں خدا تعالیٰ کا انعام نہیں بلکہ وہ استدراجات ہیں جو خدا کے دشمنوں (جوگیوں سادھوؤں وغیرہ) کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں چنانچہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں ارقام فرماتے ہیں یہ بھی تعلیماتِ مجدد میں درج ہے۔

(۹) سماع و رقص و نغمہ اور سرود کے متعلق جو کہ اس طبقہ میں بلائے عام کی حیثیت رکھتا ہے دفتر اول مکتوب ۲۶۶ میں ارقام فرماتے ہیں۔ یہ بھی تعلیماتِ مجدد میں درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰) ان متصوفین نے نماز کو بھی بیفائدہ اور دور از کار سمجھا چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:۔

"اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس کے مخصوص کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انھوں نے اپنے امراض کا علاج اور امور سے کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل ہونا اور اشیاء پر وابستہ جانا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا۔" [۱]

(۱۱) ان متصوفین کے نزدیک پیری مریدی کا مقصد بقول حضرت مجدد قدس سرہٗ یہ تھا کہ "مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں پیر اُن کے لئے ڈھال بن جائیں گے اور ان کو آخرت کے عذاب سے بچا لیں گے۔" اس کے متعلق دفتر سوم مکتوب ۴۱ میں درج ہے جو تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہے۔ اس کے ساتھ سلبِ نسبت کا نظریہ پیدا کیا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مرید کے تمام دینی و دنیوی منافع اب صرف پیر کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہیں دینا ہی نہیں بلکہ مشہور تھا کہ پیر چاہے تو مرید کو دین سے بھی محروم کر کے جہنم کا ابدی ایندھن بنا دے اور اس کے متعلق طرح طرح کے قصے مشہور کئے گئے تھے (آج کل بھی اس قسم کے خیالات کا عام رواج ہے) اسی سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں رشحات کے حوالہ سے خواجہ علاؤ الدین اور ان کے مرید خواجہ نظام الدین

[۱] دفتر اول مکتوب ۲۶۱

خاموش قدس سرہما کے متعلق سلب نسبت کے واقعہ کی بابت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "جاننا چاہیے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ اس نقل کو پسند نہ کرتے تھے اور مولٰنا کی نسبت کے سلب ہونے میں توقف فرماتے تھے۔" آخر میں تحریر فرماتے ہیں "معلوم ہوا کہ اس کے صدق میں تردد ہے رشحات کی اور اس قسم کی نقلیں صدق سے دور ہیں اور اس سلسلۂ علیہ کے لوگ ان نقلوں میں تردد رکھتے ہیں وَھُوَ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مفلس کرنا سلبِ ایمان پر دلالت کرتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اور اس بات کو جائز قرار دینا بہت مشکل ہے۔" اور اپنا خیال اس واقعہ کے متعلق ان الفاظ میں ثبت فرمایا کہ "ہر دو قول پیش نیامدہ" (یعنی ان دونوں قصوں میں سے کوئی قصہ بھی پیش نہیں آیا) [1]

(۱۲) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے ایک خلیفۂ مجاز ملا طاہر بدخشی کو جو نصائح تحریر فرمائی ہیں ان میں ارقام فرماتے ہیں" اور نہایت تاکید سے اس بات کو سمجھ لو کہ مرید کے مال میں طمع اور دنیاوی منافع میں اس سے کسی طرح کی توقع دل میں پیدا نہ ہو جائے کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت کے مانع اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ وہاں تو خالص دین طلب کرتے ہیں اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔" اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں پیری مریدی کا چرخ کس محور پر گھوم رہا تھا جبھی تو حضرت موصوف کو ایسا لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، مرض نہ تھا تو علاج کی کیا ضرورت تھی۔

(۱۳) ان پیشوایانِ دینِ متین کی اخلاقی بلندی جس حد تک پہنچی ہوئی تھی اس کا کچھ اندازہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مکتوب ۲۳۴ دفتر اول اور مکتوب ۶۹ دفتر سوم سے ہو سکتا ہے یہ اقتباسات تعلیماتِ مجدد میں مذکور ہیں حسینوں کی بھری محفل میں جبّہ و دستار و سُبحہ و سجادہ والے چلبلے دل یہ شعر

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر ست
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

کہتے ہوئے اپنے سر اپنے قنطروں (مجازی محبوں) کے قدموں پر ڈال دیتے تھے ادھار جنت کے مقابلہ میں ان کی نقد بہشت یہی تھی قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ" کے فرمانِ الٰہی کا اُن سے گویا کوئی تعلق ہی نہ تھا"

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۲۸ [2] دفتر اول مکتوب ۱۷۱

انہی پرستارانِ نغمہ و سرود صوفیائے خام کی کوتاہ نصیبی کا اظہار مکتوب ۲۶۱ دفتر اول میں فرمایا ہے جو کہ تعلیماتِ مجددؒ کے باب میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دراصل ان متصوفین کی ان تمام غلط فہمیوں اور گمراہیوں کی اصل و اساس ایک ہی تھی وہ یہ کہ یہ لوگ شریعت و طریقت کو الگ الگ سمجھتے تھے اور ارباب معرفت و سالکین راہِ طریقت کے لئے ظاہرِ شریعت کا اتباع ضروری نہیں جانتے تھے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس بنیادی گمراہی کے خلاف بہت زیادہ زورِ قلم صرف فرمایا۔ اگر آپ کے مکتوباتِ شریفہ کا تجزیہ کیا جائے تو جتنی بحث اس مسئلہ پر نکلے گی غالباً اتنی کسی موضوع پر نہ ہوگی، اس کے متعلق کچھ اقتباسات تعلیماتِ مجدد میں درج ہیں یہاں بھی بطور نمونہ مزید چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:۔

"اس نعمتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا سید اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے وابستہ ہے جبتک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کریں اور اوامر کے بجالانے اور نواہی سے رک جانے سے پوری طرح آراستہ نہ ہو جائیں، اس دولت کی بُو جان کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی۔ باوجود شریعت کی مخالفت کے اگرچہ بال برابر بھی ہو، اگر بالفرض احوال و مواجید حاصل ہو جائیں تو وہ سب استدراج میں داخل ہیں آخر اس کو رسوا و خوار کریں گے۔ محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے بغیر خلاصی ممکن نہیں۔ چند روزہ زندگانی کو خدائے تعالیٰ کی رضا مندی میں صرف کرنا چاہیے۔" [1]

نیز ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اے فرزند جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے، احوال و مواجید اور علوم و معارف اور اشارات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر اور زہے قسمت، ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا انھوں نے جواب میں کہا کہ سب عبارتیں اُڑ گئیں اور سب اشارات فنا ہو گئے اور دو رکعتوں کے سوا جو ہم رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے کسی چیز نے نفع نہ دیا۔

پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین علیہ د

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۷

علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رہیں اور قول و فعل میں شریعت کی مخالفت سے بچیں، کیونکہ متابعت میں امن و برکت ہے اور مخالفت میں بدبختی اور ہلاکت ہے"۔ ؎۱

نیز ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"بزرگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے اور ہر کمال شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کا سونا جو اس اتباع سنت کے طور پر واقع ہو کروڑوں راتوں کی شب بیداریوں سے جو اس تابعداری کے موافق نہ ہوں اولیٰ و افضل ہے۔ اور ایسے ہی عید فطر کے دن کا کھانا جس کا شریعت نے حکم کیا ہے خلافِ شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے، اور شارع علیہ السلام کے حکم سے جیتل (ایک دام) کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن صبح کی نماز باجماعت ادا کرکے یاروں میں نگاہ کی ان میں ایک آدمی کو موجود نہ پایا، اس کا سبب پوچھا، یاروں نے عرض کی کہ وہ شخص جاگتا رہتا ہے شاید اس وقت سو گیا ہو گا۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں (یعنی اہلِ ہنود وغیرہ کے بزرگوں) نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں لیکن جب شریعتِ حقہ کے موافق نہیں ہیں وہ سب بے اعتبار اور خوار ہیں، اور اگر ان اعمالِ شاقہ پر کچھ اجر ثابت ہو بھی جائے تو کسی دنیاوی نفع پر ہی منحصر ہے اور جب تمام دنیا بھی ہیچ ہے تو پھر اس کے کسی نفع کا کوئی کیا اعتبار کرے ان کی مثال خاک روب کی طرح ہے کہ جس کا کام سب سے زیادہ اور مزدوری سب سے کم ہے، اور شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو قیمتی جواہر میں عمدہ عمدہ ہیروں کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے، ایک گھڑی کے کام کی مزدوری لاکھ سال کے برابر ہو سکتی ہے اس میں بھید یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے وہ خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے برخلاف ناپسند، پس ناپسندیدہ فعل میں ثواب کی کیا امید ہے بلکہ وہاں تو عذاب کی توقع ہے

؎۱ دفتر اول ص ۱۸۴۔

عالم مجاز میں اس بات کے شواہد واضح طور پر موجود ہیں جو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے[1]

نیز ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو، اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے، کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی۔ اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقہ کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں"[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے تصوف کے متعلق ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اصلاحیں فرمائیں اور حق تو یہ ہے کہ سینکڑوں برس سے جو آلائشیں اس میں باہر سے داخل ہو گئی تھیں ان سب کو چھانٹ کر نہایت صاف اور ستھرا اسلامی تصوف دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے باطل متصوفین کے خلاف جہاد اور ان کے نظریات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی بھی اصلاح فرمائی ہے جو سرے سے تصوف کے منکر ہیں اور اصلاح قلب و نفس کے ان طریقوں کو جو مشائخ طریقت میں رائج ہیں اور شرع شریف سے ان کی صحت ثابت ہے، عجمی تصوف اور شرع کے خلاف کہہ کر فقراء اور درویشوں پر طعن کرتے ہیں چنانچہ دفتر اول مکتوب ۱۸ میں ارقام فرماتے ہیں "حق تعالیٰ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تمام مسلمانوں کو فقراء کے انکار اور درویشوں کے طعن سے نگاہ رکھے"۔

سلوک و طریقت کے سلسلہ میں حضرت کی کامیابیوں کی تفصیل آپ کے مکتوباتِ شریفہ سے معلوم ہو سکتی ہے تعلیماتِ مجددیہ میں مکتوبات شریفہ کا خلاصہ کافی حد تک آچکا ہے وجد و حال و سماع و غنا وغیرہ کے سلسلہ میں جو توسیع و گنجائش سلسلہ چشتیہ وغیرہ میں ہے اور جس کا اثر عوام پر بہت تھا آپ نے اس وسیع المشربی کو ختم کر کے اتباع سنت کو اصل قرار دیا، اس اتباع کا جذبہ متوسط درجہ کے مسلمانوں میں

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۱۴ [2] دفتر اول مکتوب ۲۶۱۔

پیدا کرنا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا کارنامہ ہے جس کا دائرہ آجتک رفتہ رفتہ وسیع ہوتا جارہا ہے اور انشاء اللہ العزیز تا ظہورِ امام مہدی علیہ السلام بدستور جاری رہے گا۔

(۴) آزاد خیال اہلِ علم کی تردید و اصلاح

آزاد خیال اہلِ علم و طالبانِ علم جنھوں نے دنیاوی عقلی علوم کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور اپنی عقلوں کو معیارِ شریعت بلکہ معیارِ علوم کون و مکان ٹھہرایا ہوا تھا ان کے علم و فضل اور فکر و غور نے ان میں آوارہ دماغی پیدا کر دی تھی جس کو وہ آزاد خیالی سے تعبیر کرتے تھے ان کی بھی مکتوبات شریف میں نشاندہی کی گئی ہے اور ان کو لصوصِ دین سے تعبیر کرکے ان کی صحبت سے پرہیز کرنے کو ضروریاتِ دین سے قرار دیا ہے۔ لُصوصِ دین کا لفظ ایک عجیب لفظ ہے گویا دین اور علمِ دین کے صرف جاننے سے آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا، دین کا مالک وہی ہے جو اس پر عامل ہے ورنہ جو لوگ دین کے دائرہ میں صرف علم کے لئے داخل ہوتے ہیں اور دینِ حقہ پر اعتراض کرنے کے سوا ان کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی، یہ لوگ لصوصِ دین (دین کے چور) ہیں، یہ محض اس لئے دینی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان سے کوئی دنیاوی نفع اٹھا سکیں یا جن اجزاء سے اپنے وسوسوں کی توثیق کر سکتے ہوں انھیں چرالیں حقیقت یہ ہے کہ ان لُصوصِ دین کی ایک خاصی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے اعاذنا اللہ من شرورھم۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے ان آزاد خیال (Free ThinKers) تعلیم یافتوں کا نام طالبانِ بے باک رکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"بیباک (یعنی آزاد خیال) طالب خواہ کسی فرقہ سے ہوں یہ دین کے چور ہیں ان کی صحبت سے بچنا ضروریاتِ دین میں سے ہے یہ سب فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہوا ہے انہی لوگوں کی کمبختی سے ہے کیونکہ انھوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔" [۱]

ایک اور جگہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"وہ شخص جو تمام احکامِ شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق اور عقلی دلائل کے برابر کرنا چاہے وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اس کے ساتھ کلام کرنا بے وقوفی ہے۔" [۲]

مسلمانوں کا یہ گروہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کا گرویدہ تھا اور قرآنی آیات و حدیثی روایات کو

---

[۱] دفترِ اول مکتوب ۲۱۳۔ [۲] دفترِ اول مکتوب ۲۱۴۔

انہی تحقیقات کا تابع قرار دیتا تھا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ایک مکتوب میں انہی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے :-

"عجیب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں گویا مبدا میں بھی اور معاد میں بھی طریق نبوت کی نقیض مقابل ہیں اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مخالف ہیں، ان کا ایمان نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے اور نہ آخرت کے ساتھ وہ قدم عالم کے قائل ہیں حالانکہ تمام مذاہب کا اس بات پر اجماع ہے کہ عالم مع اپنے تمام اجزاء کے حادث ہے، ایسے ہی آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے اڑ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور دریاؤں کے جاری ہونے کے جن کا قیامت کے دن وعدہ ہے قائل نہیں ہیں اور حشر اجساد کے منکر ہیں اور نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں، ان میں سے متاخرین جنھوں نے اپنے آپ کو اہل اسلام میں داخل کیا ہے اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر راسخ ہیں، اور آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم اور ان کے فنا اور ہلاک ہونے کے قائل ہیں، ان کی تو ان نصوص قرآنی کی تکذیب اور ان کا زرق دین کی ضروریات کا انکار ہے، عجیب قسم کے مومن ہیں کہ خدا اور رسول پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن جو کچھ خدا اور اس کے رسول نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے اس سے بڑھ کر سفاہت اور بیوقوفی کیا ہوگی۔

(اسی مکتوب میں تقریباً ایک صفحہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں) بعض لوگ جو علوم فلسفی سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات (ڈھکوسلوں) پر فریفتہ ہیں اُن لوگوں کو حکما جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر سمجھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء کی شرائع پر مقدم سمجھنے لگیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِ الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس بُرے اعتقاد سے بچائے) ہاں جب ان لوگوں کو حکما جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں تو ناچار اس بلا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حکمت سے مراد کسی شے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو، پس وہ علم جو ان کے مخالف ہوں گے وہ نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے نقیض ہیں اور ایک کی تصدیق میں دوسرے کی تکذیب لازمی ہے۔ اب جو چاہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو لازم پکڑ لے اور حق تعالیٰ کے گروہ سے

ہو جائے اور نجات پا جائے، اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے زیاں کار اور ناامید بن جائے۔"[1]

ایک اور مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور تمام گمراہ اور بیدین فرقوں کی نسبت ان بدبختوں میں دو چیز زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکامِ منزلہ کا کفر اور انکار کرنے اور اخبارِ مرسلہ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں بیہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے اور جھوٹے دلائل اور باطل شواہد کو عمل میں لاتے ہیں، اپنے مطالب و مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اسقدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں اپنے کاموں کا مدار ان کی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے، اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد و محرک اور مدبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں اور دور از معاملہ سمجھے ہیں، یہ لوگ بہت ہی بے خرد اور بے وقوف ہیں، اور ان سے بھی زیادہ بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا سمجھتا اور عقلمند جانتا ہے ان کے منظم و منضبط یعنی مرتب علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بیہودہ و لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دو زاویہ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکلِ عروسی اور ماموتی جوان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے۔

علمِ طب و نجوم اور علمِ تہذیبِ اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہیں انھوں نے گزشتہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چُرا کر اپنے باطل اور بیہودہ باتوں کو رائج کیا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ المنقذ عن الضلال میں اس امر کی تصریح کی ہے۔ اہلِ ملت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین کو صرف تطوّر تبرّع (زائد طور پر) لاتے ہیں یہی تقلید ان کے لئے کافی ہے، بخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ضلّوا فاضلّوا (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے

[1] دفتر سوم مکتوب ۲۳۔

اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

(اسی مکتوب میں تقریباً دس صفحات کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اہلِ فلسفہ آسمانوں اور ستاروں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے ان کو ازلی ابدی کہتے ہیں، اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین لوگ اپنی بے وقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہلِ اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں اور بعض اسلامی احکام کے بجالانے کا دعویٰ کرتے ہیں زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہلِ اسلام ان کی ان باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور جرأت و دلیری کیساتھ ان کو مسلمان جانتے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں اور اگر کوئی ان کو طعن و تشنیع کرے تو بہت بُرا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ نصوصِ قطعی کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کا انکار کرتے ہیں" [1]

طالب علموں یا تعلیم یافتوں کی اسی جماعت کے بعض افراد کا ذکر ایک اور مکتوب گرامی میں ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

"چند سال ہوئے اس زمانہ میں جو کہ قیامت کے قرب اور عہدِ نبوت کے بُعد کا زمانہ ہے بعض طالب علموں نے طمع کی بدبختی سے جو کہ ان کے خبثِ باطن سے پیدا ہوئی ہے اُمرا اور بادشاہوں کا تقرب حاصل کرکے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا ہے اور دینِ متین میں تشکیکات و اعتراضات اور شکوک و شبہات پیدا کرکے سادہ لوح مسلمانوں کو راستہ سے بھٹکا رہے ہیں۔" [2]

بظاہر یہ اشارہ ادب و انشاء، فلسفہ و تاریخ کے ان ہی شہسواروں کی طرف ہے جن میں سے ایک اپنے زمانے میں ؎

امروز نہ شاعر و حکیم ۔۔۔ دانندۂ حادث و قدیم

کا نعرہ بلند کرتا تھا اور دوسرا اس وقت کتنے تعلیم یافتوں کا اگر معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا ہوا تھا یعنی ابو الفضل و فیضی کہ اکبر کی سوء دماغی میں بہت بڑا دخل ان ہی دو تعلیم یافتہ بے دینوں کا تھا۔[3]

مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں بہت جگہ اس قسم کے مضامین آئے ہیں جن میں حضرت موصوف نے امورِ دین کو

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ [2] دفتر دوم مکتوب ۶۷ [3] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۲۱ تا ۱۳۳ ملخصاً۔

عقل کے تابع کرنے والوں کی مذمت و نشاندہی کرکے امت مسلمہ کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا ہے اور بے دینی و الحاد کے اس بھنور میں گرنے سے بچایا ہے یہاں بخوف طوالت بطور نمونہ چند اقتباسات پر کفایت کی گئی ہے فمن شاء المزید فلیراجع الی مکتوباتہ الشریفۃ (مؤلف)

(۵) دشمنانِ صحابہ کے خلاف جہاد۔ اس سے پہلے بعض مضامین کے ضمن میں ان اسباب کی طرف اشارات گذر چکے ہیں جن کی وجہ سے دورِ اکبری میں شیعوں کو حکومت کے اندر عمل دخل کا موقع ملا اور عہدِ جہانگیری میں ملکۂ نورجہاں کے طفیل حکومت کی باگ اسی گروہ کے ہاتھوں میں چلی گئی بلکہ جہانگیر کے نام سے ملکۂ نورجہاں کا گھرانا ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ خود جہانگیر نے اپنی تزک میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ الناس علیٰ دین ملوکہم کے فطری اصول پر عوام میں رفض کے جراثیم پھیلنے لگے اور شیعی خیالات عوام سنیوں میں سرایت کرنے لگے۔ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی اسی لئے کھڑے کئے گئے تھے کہ دینِ اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے تمام فتنوں اور گمراہیوں کا قلع قمع کرکے دین کو پھر سے تر و تازہ اور ملت کو از سرِ نو زندہ کریں اس لئے آپ نے اس فتنہ کے استیصال کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ کی کوششیں تین طرح ظہور پذیر ہوئیں:۔

(۱) شیعی علما سے آپ نے عام و خاص جلسوں میں بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کئے جن میں ان کو فاش شکستیں دیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے اس اقدام نے اس گمراہ فرقہ کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور آپ کی اسی ایک ضرب نے ان کی کمر توڑ دی۔

(۲) مشہد کے بعض علماء شیعہ نے ماوراء النہر کے سُنّی علماء کے ایک رسالہ کے جواب میں ایک نہایت پُر فریب اور سراپا تزویر رسالہ لکھا جس کا حاصل خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے لفظوں میں ہے:۔ ”حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذمت و تشنیع تھی“ (العیاذ باللہ)۔ اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا خصوصاً امراء و حکام اور ارکانِ سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہونے لگا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے پہلے تو خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا رد بیان کرنا شروع کیا اور اس کی مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں کا پردہ خوب اچھی طرح چاک کیا پھر

اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے جواب میں لکھ کر شائع کیا، اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ بس اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

(۳) حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اپنے بہت سے مکاتیب میں شیعی اصول و خیالات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید کی اور شیعوں کے بے پناہ پروپیگنڈے کی وجہ سے جو غلط خیالات خود سنیوں میں پیدا ہو رہے تھے آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ کتاب و سنت اور عقلِ سلیم کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔ آپ کے مکاتیب اگرچہ خاص اشخاص کے نام لکھے جاتے تھے اور بظاہر ان کی حیثیت نجی خطوط کی ہوتی تھی لیکن ان کی نشر و اشاعت اور نقل در نقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اس غیر اخباری زمانے میں آپ کے یہاں سے "مجدد گزٹ" نکلتا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اطرافِ ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر، بدخشاں، خراساں، توران، طالقان وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے یا یوں کہیے کہ ایک خاص نظام و نقشہ کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا اور یہ سب بھی مختلف ذرائع سے مکتوباتِ شریفہ کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے اس لئے آپ کے مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ و اشاعت کا ایک نہایت منظم اور مؤثر سلسلہ تھا، اس ذریعہ سے بھی آپ نے فتنۂ رفض کی بڑی حد تک روک تھام کی۔ اس سلسلہ میں حضرت علیہ الرحمہ نے متفرق طور پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے اگر اس سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے یہاں چند عنوانات کے تحت مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) افضلیتِ شیخین رضی اللہ عنہما، شیعیت کا پہلا زینہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیتِ مطلقہ کا اعتقاد ہے اور چالاک روافض عوام سنیوں کو سب سے پہلے اسی عقیدے پر جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسری وجوہ سے وہ اس ابلہ فریبی میں کسی قدر آسانی سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پھر جب ایک شخص اتنی بات کو مان لیتا ہے کہ حضرت علیؓ بلا استثناء تمام صحابۂ کرامؓ سے افضل تھے تو لازمی طور پر وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے خلافت کے انتخاب میں ان کے ساتھ ناانصافی کی یا کم از کم یہ کہ صحیح انتخاب نہیں کیا اور جمہور صحابہؓ سے بدظنی اور بغض و عداوت ہی شیعی مذہب کا سنگِ بنیاد ہے بہرحال شیعیت کا پہلا دروازہ یہی عقیدۂ تفضیل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے

بلامبالغہ پچاسوں جگہ اپنے مکتوبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے چند اقتباسات تعلیمات مجدد میں مذکور ہیں فلیراجع الیہا۔

افضلیتِ شیخین اور حضرات خلفائے اربعہ کے باہمی فرقِ مراتب کے متعلق آپ نے کہیں کہیں "رسمی علوم" اور اصطلاحی دلائل سے گذر کر اسرار و لطائف کے رنگ میں بھی کلام کیا ہے۔ خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام ایک مکتوب گرامی میں تو اسی رنگ میں اتنا لکھا ہے گویا الہامی معارف کا چشمہ ہی پھوٹ پڑا ہے، اس کے بعض حصے تو عام فہموں بلکہ متوسطین کی عقلوں سے بھی بالاتر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو متوسط لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں، اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:۔

"حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادتمند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض عجیب و غریب علوم و اسرار و مواہب لطیفہ اور معارفِ شریفہ کہ جن میں سے اکثر حضراتِ شیخین و ذی النورین و حیدرِ کرار (یعنی خلفائے اربعہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے مطابق حوالۂ قلم کرتا ہوں توجہ سے سنیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالاتِ محمدی کے حامل ہونے اور ولایتِ مصطفوی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجوں پر فائز ہونے کے باوجود گذشتہ انبیا کے درمیان بلحاظِ ولایت حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور باعتبارِ دعوت جو کہ مقامِ نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں، حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ (ولایت و دعوت) دونوں کے لحاظ سے حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان دونوں (ولایت و دعوت) میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب کی بہ نسبت ولایت کی جانب ان میں غالب ہے اور حضرت امیرؓ میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی جہت غالب ہے۔

(پھر ایک دقیق تحقیق کے بعد فرماتے ہیں) اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوجھ کو (باقی)

اٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت امیر (علی مرتضیٰؓ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت اور جانبِ ولایت کے غلبہ کے باعث ولایتِ محمدیؐ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت ذی النورینؓ کو برزخیت (درمیانی حیثیت) کے اعتبار سے (نبوتِ محمدیؐ و ولایتِ محمدی) ہر دو طرف کے بوجھ کو اٹھانے والے فرمایا گیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں۔

(پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اور چونکہ حضرت امیرؓ ولایتِ محمدی کے حامل ہیں اس لئے مشائخ و اولیاء کے اکثر سلسلے انہی سے منتسب ہوئے ہیں اور اکثر اولیائے عزلت (گوشہ نشینوں) پر چونکہ کمالاتِ ولایت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں حضرت امیرؓ کے کمالات حضرات شیخینؓ کے کمالات کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخینؓ کی افضلیت پر اہلِ سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عزلت کا کشف حضرت امیرؓ کی افضلیت کا حکم رکھتا کیونکہ حضراتِ شیخینؓ کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں، اور صاحبانِ ولایت کی ان کمالات تک دسترس نہیں ہے، اور اہلِ کشف کا کشف ان کے کمالاتِ نبوت کے درجات کی بلندی کے باعث راستہ ہی میں ہے۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے زینے ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے۔ آج یہ بات عہدِ نبوت کے بُعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبولیت سے دُور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علماءِ اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں، ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا گیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ اپنے پیغمبر کی متابعت کے باعث مقامِ نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور ان کمالات سے کامل حصہ نہیں دیا گیا تب تک شیخینؓ کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہیں بخشی گئی تھی اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہیں دکھائی گئی تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ

رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول پیغام حق کے ساتھ آئے ہیں۔)

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ راویوں نے لکھا ہے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دونوں بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا، گویا حضرت صدیق رضؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں، اور حضرت فاروق رضؓ ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاتے ہیں۔ اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضؓ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخینؓ کے لئے تمام صحابہؓ کے درمیان علیحدہ شان اور سب سے الگ درجہ ہے گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے، حضرت صدیق رضؓ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں، اگر فرق ہے تو صرف بلندی اور پستی کا ہے (یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیق رضؓ اسی محل کے نیچے کی منزل میں ہیں) اور حضرت فاروق رضؓ بھی حضرت صدیق رضؓ کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور باقی تمام صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم سرائے یا ہم شہری ہونے کی نسبت رکھتے ہیں، پھر اولیاء امت کی وہاں کیا رسائی ہے ؎

این بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

یہ لوگ کمالات شیخینؓ سے کیا حاصل کریں، یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی و برتری کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات سے متصف اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔

(پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) اور حضرات شیخینؓ وفات کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں بائیں اکٹھا ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس ان کی افضلیت اقربیت کے باعث ہوگی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان حضرات کے کمالات کے متعلق کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے، ذرے کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے، اور

قطرے کی کیا مجال کہ بحرِ عمان کی بات زبان پر لائے۔

اُن اولیاء نے جو دعوتِ خلق کی طرف لوٹا دیئے گئے ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے کامل حصہ رکھتے ہیں، اور تابعین و تبع تابعین میں سے علماءِ مجتہدین نے کشفِ صحیح کے نور فراستِ صادقہ اور متواتر روایات سے حضرات شیخین کے کچھ کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کا کچھ حصہ پہچان کر ان چاروں کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے، اور اس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو، غلطی پر محمول کر کے اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جا سکتا ہے جبکہ صدرِ اول (عہدِ نبویؐ میں) ان کی افضلیت صحیح و مسلّم ہو چکی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ عمرؓ سے روایت کی ہے:-

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم" سلہ

افضلیتِ شیخین کے مسئلہ پر بعض اور مکاتیب میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس قسم کے معارف ارقام فرمائے ہیں لیکن ہم بقصدِ اختصار یہاں انھیں اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس مکتوب کے اقتباسات سے دوسرے نادر فوائد اور عجیب و غریب اسرار و لطائف کے علاوہ ناظرینِ کرام کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اکثر سلاسلِ اولیاء اللہ کا انتساب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیوں ہے؟ اور عام اربابِ ولایت کو جنابِ مرتضویؓ ہی سے زیادہ مناسبت کی وجہ کیا ہے؟—— اور نیز اس مکتوب شریف سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ بعض اربابِ ولایت پر حضرت علیؓ کے فضائل و کمالات حضرات شیخینؓ کی بہ نسبت جو زیادہ منکشف ہوتے ہیں تو اس کا سبب اور منشا کیا ہے؟

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تحقیق (جو کہ صرف غور و فکر والی تحقیق نہیں بلکہ الہامی تحقیق اور

سلہ دفترِ اول مکتوب ۲۵۱۔

کشفی تلقین ہے جس) کا خلاصہ یہ ہے کہ حضراتِ شیخینؓ کو چونکہ مقامِ نبوت سے زیادہ قرب ہے اور نسبتاً اُن پر کمالاتِ نبوت کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے ان کے کمالاتِ خاصہ تک ان عام اربابِ ولایت کی رسائی ہی نہیں ہوتی جن کی پرواز صرف مقامِ ولایت تک ہے اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ میں ولایت کی جہت ہی غالب ہے اور ان پر کمالاتِ ولایت ہی کا غلبہ ہے اس لئے عام اربابِ ولایت ان کے کمالاتِ فضائل کا ادراک خوب کرسکتے ہیں، اسی واسطے حضرت امیرؓ کے فضائل وکمالات بہ نسبت حضراتِ شیخینؓ کے ان پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں اور اسی قرب ومناسبت کا یہ اثر ہے کہ اولیاء اللہ کے اکثر سلاسل حضرت علی مرتضیٰؓ سے منسوب ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مرقدِ پاک کو منور فرمائے، اس تحقیقِ انیق نے کتنی اُلجھنیں صاف کردیں اور کتنی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دیا — روحِ مجددؒ شاد باد!

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ "افضلیتِ شیخین کا عقیدہ اہلِ سنت کے "ضروریات" اور اجماعیات میں سے ہے اور اس سے اختلاف کرنے والا اہلِ سنت سے خارج ہے"۔ چنانچہ دفتر اول کے مکتوب نمبر ۲۰۲ میں ارقام فرماتے ہیں: "کسیکہ حضرت امیرؓ را افضل از حضرتِ صدیقؓ گوید از جرگۂ اہلِ سنت مے برآید" (یعنی جو کوئی حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کہے وہ گروہِ اہلِ سنت سے خارج ہے) [1]

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت: جمہور اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک حضرات خلفاءِ اربعہ کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کی ترتیب ہے یعنی شیخین کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین خلیفۂ برحق ہیں۔ اسی طرح فضیلت کے اعتبار سے بھی شیخین کے بعد آپ کا مرتبہ ہے، آپ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفۂ برحق ہیں اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوتھے مرتبہ پر ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی ایک مجلسِ شوریٰ نے کیا تھا اور اس مجلسِ شوریٰ نے جس میں خود حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے آخرکار انتخابات کے پورے اختیارات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیدئیے تھے لیکن

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۹۱، ۱۹۲۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت مدینۂ طیبہ میں ان کی نظر میں جو صاحب الرائے اور قابل مشورہ حضرات تھے انھوں نے خفیہ طور پر ان سے فرداً فرداً رائے حاصل کی۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہوں اس لئے انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی منصب خلافت تفویض کر دیا پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت و فوقیت بھی جمہور صحابہ کرام کی متفقہ رائے ہے اس سے اختلاف کرنا گویا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خاطی قرار دینا ہے اور بلا شبہ شیعی خیالات کے دل میں گھسنے کا یہ پہلا چور دروازہ ہے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس کا انسداد بھی ضروری سمجھا اور صاف ارقام فرمایا کہ۔

"اکثر علمائے اہل سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے بارے میں امام مالکؒ سے جو توقف نقل کیا ہے اس کے متعلق قاضی عیاض، مکی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی صحیح ہے۔" [1]

بایں ہمہ حضرت مجدد قدس سرہٗ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کو حضرت علیؓ وغیرہ دیگر صحابۂ کرامؓ پر اس درجہ یقینی و قطعی نہیں کہتے جس درجہ کی حضرات شیخین کی افضلیت تمام صحابۂ کرام پر ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:-

"الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم درجہ کی یقینی ہے لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں اور اس کو صاحب بدعت و گمراہ جانیں۔" [2]

بعض صلح کل، رواداری اور وسیع الخیالی کا دعویٰ کرنے والے حضرات کہا کرتے ہیں کہ یہ تفضیل کی بحث ہی فضول اور لغو ہے ہم تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برابر سمجھتے ہیں، آجکل اس قسم کے وسیع خیال لوگوں کی بڑی کثرت ہے، ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] و [2] دفتر اول مکتوب ۲۶۶۔

"اور جو شخص سب صحابۂ کرامؓ کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ خود احمق وابوالفضول ہے اور وہ عجیب ابوالفضول ہے جو کہ اہلِ حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے، شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف لے گیا ہے۔" [1]

(۳) **مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم**۔ شیعہ صاحبان جن پہلوؤں سے عوام سنیوں کو ورغلایا کرتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ صحابۂ کرامؓ کے ان نزاعات و محاربات کا ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں واقع ہوئے۔ یہ لوگ صحابۂ کرامؓ کے اجتہادی اختلافات و نزاعات و مشاجرات اور محاربات کو اپنی حاشیہ آرائی سے ناواقف و عوام سنیوں کے سادہ ذہنوں میں اولاً یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں گویا دو پارٹیاں تھیں ایک حضرت علیؓ کی پارٹی تھی اور دوسری ان کے مخالفین کی جو کہ حضرت علیؓ سے خلافت چھیننا چاہتی تھی۔ ان کے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو تفصیلی واقعات اور اصل حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ذاتی فضائل و کمالات و اسلامی خدمات کی وجہ سے سچی محبت اور پختہ عقیدت ہوتی ہے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف کرنے والے صحابۂ کرام یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سینکڑوں اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن ہو جاتے ہیں، اور کبھی یہ بدظنی بغض و بدگوئی تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اس اصولی گمراہی کے انسداد کے لئے بھی پورا زورِ قلم صرف کیا ہے اور بلا مبالغہ بیسیوں پچاسوں مکتوبات میں ان مشاجرات و محاربات کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

ایک طویل مکتوب جس میں مسائلِ شیعہ و شبہاتِ شیعہ پر ہی بحث ہے، خواجہ محمد تقی کے نام، جو حکومتِ وقت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے جیسا کہ خود مکتوب کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے، اس مکتوب میں نزاعات و مشاجراتِ صحابۂ کرامؓ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:۔

"اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ سعیهم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہوں پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے، اور ان کے سینے

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶۔

عداوت دیکھنے سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ چونکہ ان میں سے ہر ایک صاحبِ رائے اور صاحبِ اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے بعض امور میں اختلافِ آراء کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت ناگزیر ہو گئی اور ہر ایک کیلئے اپنی رائے پر عمل کرنا درست ہوا۔ پس ان کی یہ مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہش کے لئے۔

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے حضرات اہلِ اسلام کا ایک جم غفیر ہیں جو کہ جلیل القدر اصحاب ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جنت کی بشارت مل گئی ہے ان کو کافر اور بُرا کہنا معمولی بات نہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (چھوٹا منہ اور بڑی بات) تقریباً نصف دین اور شریعت کو انھوں نے ہی اس امت تک پہنچایا ہے، اگر ان پر طعن کی جائیگی تو نصف دین سے اعتبار و اعتماد دُور ہو جائے گا۔

(پھر چند سطور کے بعد رقام فرماتے ہیں) جاننا چاہئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان سے اختلاف کرنے والے خطا پر۔ اگرچہ محاربہ (ان جنگوں) میں حق بجانب امیر تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے اختلافی مسائل میں علماء و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہ) کے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کیا ہے اور اس مذہب پر حکم جاری نہیں کیا، اگر حق حضرت امیرؓ کی جانب ہی متعین ہوتا تو یہ حضرات اس کے برخلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریحؒ نے جو تابعین میں سے ہیں اور صاحبِ اجتہاد ہوئے ہیں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں جاری کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبتِ فرزندی کی وجہ سے منظور نہیں کیا اور مجتہدین نے قاضی شریحؒ کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت کو جائز نہیں رکھا ہے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ کے اقوال جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں اختیار کئے گئے ہیں جو

منصف تلاش کنندہ پر مخفی نہیں ہیں، ان کی تفصیل طویل ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور ان سے اختلاف کرنے والوں پر طعن و ملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا۔" (دفتر دوم مکتوب ۳۶)

صحابہ کرامؓ کے مشاجرات کے متعلق اس قسم کے مضامین مکتوبات شریفہ میں بکثرت ہیں یہاں بقصد اختصار انہی اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے اس کا کچھ بیان تعلیمات مجددیہ میں بھی مذکور ہے۔ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے صرف اس اصولی بحث پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ جن صحابہ کرام رضی کے نزاعات و محاربات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئے ہیں ان کے فضائل و مناقب بھی آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بڑے اہتمام سے تحریر فرمائے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی صحیح الایمان مسلمان ان بزرگوں کی طرف سے کبھی بدگمان ہو ہی نہیں سکتا، چنانچہ ان میں سے بعض صحابہؓ کے فضائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے محاربین میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ ان محاربات ہی پر کلام کرتے ہوئے ایک موقع پر رقم فرماتے ہیں (اس اقتباس کا کچھ حصہ جس میں فضائل صدیقہ رضی اللہ عنہا مذکور ہیں تعلیمات مجددیہ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں کچھ حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے):۔

"حضرت امیر اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔۔۔ اس سے چند سال پہلے فقیر کی یہ عادت تھی کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہل عبا (اہل بیت) کی ارواح پاک کو بخشا کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو ملا لیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، فقیر نے آپؐ کو سلام عرض کیا، آپؐ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا، اسی اثناء میں فقیر سے فرمایا کہ میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں جس کسی کو میرے لئے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں بھیجا کرے اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو کہ وہ سب اہلِ بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہلِ بیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار و ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچتی ہے وہ اس آزار و ایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سبب سے پہنچتی ہے۔" [1]

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما: جن صحابۂ کرامؓ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے محاربات ہوئے ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجددؒ اسی مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصحابِ کبار اور عشرۂ مبشرہ جنت میں سے ہیں اُن پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے اور اُن پر کی ہوئی لعنت و پھٹکار، لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا تو ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو شامل کیا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی دلیل واضح نہ پائی تو طلحہ و زبیرؓ نے اپنے اختیار سے خلافت کا حق چھوڑ دیا اور ہر ایک نے وَتَرَكْتُ حَظِّي (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا۔ اور یہی طلحہؓ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اُس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی، قتل کر کے اس کے سر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تھے، قرآن مجید میں اس فعل پر اُن کی تعریف و ثنا بیان کی گئی ہے۔ اور یہ وہی زبیر ہیں جن کے قاتل کے لئے مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے، اور یوں فرمایا ہے قَاتِلُ زُبَيْرٍ فِي النَّارِ (زبیرؓ کا قاتل دوزخ میں ہے) حضرت زبیرؓ پر لعن و طعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابرِ دین اور بزرگوارانِ اسلام کی طعن و مذمت سے بہت بہت ڈرنا چاہئے، یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۳۶۔

رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے خویش و اقارب اور مال و اولاد و ازواج، گھر بار، وطن، کھیتی باڑی، باغ و درخت اور کنوؤں و نہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اموال و اولاد کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے شرفِ صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے مالا مال ہوئے، وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا، حتی کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا حتی کہ دوسروں کا اُحد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک یا آدھ مُد جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ تعریف کرتا ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (یہ لوگ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے) ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی ہے جس کی بیشمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے خوب موٹے اور مضبوط ہو جائیں جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ و غضب میں آئیں)۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے پس جس طرح مومن لوگ کفر سے ڈرتے ہیں اسی طرح ان پر غیظ و غضب کرنے سے بھی ڈرنا چاہئے واللہ سبحانہ الموفق۔

وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور اور مقبول ہو گئے ہوں، اگر وہ بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے و اجتہاد کے موافق عمل کریں تو طعن و اعتراض کی مجال نہیں، بلکہ ایسے وقت اُن کا آپس میں اختلاف کرنا اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے۔" (دفتر دوم مکتوب ۳۶)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اختلافات ہوئے اور جنگ وجدل تک نوبت پہنچی ان میں سے ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ دیر تک رہی اور ان کے خاندان میں خلافت وامارت دیر تک رہی اس لئے ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈا دوسروں کی نسبت بہت زیادہ کیا گیا۔ اسی کا اثر ہے کہ بہت سے سُنّی حضرات بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کی جرأت کر جاتے ہیں حالانکہ یہ بھی رفض ہی کا ایک شعبہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کی نشر واشاعت کرنے اور ان کی خطا کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کرنا اہل سنت کے عقائد میں شمار کرنے کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ہے، چند اقتباسات تعلیمات مجددیہ میں بیان ہوئے ہیں مزید چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"اور شیخ ابوبکر سلمیؒ نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت وجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ معاویہؓ مع ان تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت امیرؓ کے درمیان جھگڑے ازروئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔ اور شارح مواقف نے جو کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ منازعات ازروئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔

معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کونسا گروہ ہے جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں جیسا کہ گذر چکا اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی کے حکم سے بھری پڑی ہیں، جیسا کہ امام غزالیؒ اور قاضی ابوبکرؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق وضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابوبکرؓ عمرؓ وعثمانؓ وعمرو بن العاصؓ کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے وہ واجب القتل ہے۔ یا اس کے سوا اور کوئی گالی نکالی جس طرح لوگ ایک دوسرے کو

گالی نکالتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا، کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے جیسا کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے اور نہ ہی فسق پر تھے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحاب کی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت صدیقہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے اور طلحہؓ اور زبیرؓ جمل کی لڑائی میں معاویہؓ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ شہید اور قتل ہوئے، پس ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو، کوئی مسلمان دلیری نہیں کرتا۔

اور امام مالکؒ نے جو تابعین میں سے ہیں اور اپنے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا اگر وہ گالی کے مستحق ہوتے تو ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کو گالی دینا کبیرہ گناہ جان کر ان کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز ان کو گالی دینا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا، پس معاویہؓ برائی کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! معاویہؓ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہیں، کم و بیش آدھے اصحاب کرامؓ ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں پس اگر حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی لڑنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا۔

اے برادر اس فتنے کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمانؓ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے طلحہؓ و زبیرؓ جو اول مدینہ سے باہر نکلے تھے تاخیر قصاص کے باعث نکلے، اور حضرت صدیقہؓ نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی، اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے، طلحہؓ و زبیرؓ بھی کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے، حضرت عثمانؓ کے قصاص کے باعث ہوا ہے، اس کے بعد معاویہؓ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کیا۔

امام غزالیؒ نے تصریح کر دی ہے کہ وہ جھگڑا امرِ خلافت پر نہیں ہوا بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لئے حضرت امیرؓ کی خلافت کے ابتدا میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابنِ حجرؒ نے بھی اس بات کو اہلِ سنت کے معتقدات سے کہا ہے۔" [1]

شرفِ صحبت: شیعہ اور اہلِ سنت کے نقطہائے نظر میں ایک اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ اہلِ تشیع کے نزدیک "صحبتِ رسولؐ" کی کوئی خاص اہمیت نہیں، جمہور صحابہؓ کو تو معاذ اللہ وہ مؤمن ہی تسلیم نہیں کرتے اور جن چار حضرات یعنی حضرات مقداد، سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے ایمان کے وہ قائل ہیں اور ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں تو وہ بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے گروہ میں شامل اور ان کے ناصر و مددگار تھے۔ بہرحال نفسِ صحبتِ رسولؐ کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر صحبتِ رسالت کی حقیقی عظمت کسی کے دل میں قائم ہو جائے اور اس کے واقعی فضل و شرف کو وہ سمجھ لے تو کبھی تشیع کا شکار نہیں ہو سکتا، اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں اس اصول پر بھی بہت زیادہ زورِ قلم صرف کیا ہے چنانچہ ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ستاروں کی مانند فرمایا بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ اور اہلِ بیت کو کشتی نوح کی طرح۔ اس میں اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لئے ستاروں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے، اور ستاروں کی رعایت کے بغیر نجات بالکل محال ہے۔ اور اس بات کو اچھی طرح معلوم کریں کہ بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہؓ مشترک ہیں، اور صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اویس قرنیؓ جو تمام تابعین میں سے اچھے ہیں ایک ادنیٰ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی ہو گی۔ کیونکہ ان کا ایمان صحبت اور نزولِ وحی کی برکت سے شہودی ہو گیا تھا، اور صحابہؓ کے بعد کسی کو اس درجہ کا ایمان نصیب نہیں ہوا اور اعمال ایمان پر مترتب ہوتے ہیں اور ان کا کمال

[1] دفتر اول مکتوب ۲۵۱

ایمان کے کمال کے موافق ہوتا ہے اور جو کچھ ان کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں، وہ حرص و ہوا اور جہالت سے نہ تھے بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی روح سے تھے، اور اگر ان میں سے کسی نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا کار کے لئے بھی ایک درجہ ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہلِ سنت جماعت نے اختیار کیا ہے اور یہی بچاؤ والا اور مضبوط راستہ ہے۔" [1]

اس مضمون کے کچھ اقتباسات جو دفتر اول مکتوب ۱۲۰ و ۲۵۱ سے ماخوذ ہیں تعلیماتِ مجددیہ میں مذکور ہیں۔ صحبتِ نبویؐ کی افضلیت و اہمیت کے متعلق اس قسم کے ایمان افروز مضامین مکتوبات میں بکثرت ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی شخص رفض کی گمراہی کا شکار انشاء اللہ العزیز کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم بقصدِ اختصار اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی یہ دعا: اَللّٰھُمَّ وَاِنْ لَّمْ تُخَلِّفْنَا فِیْ ھٰذِہِ النَّشْأَۃِ فِیْ قَرْنِ ھٰؤُلَاۗءِ الْاَکَابِرِ فَاجْعَلْنَا فِی النَّشْأَۃِ الْاٰخِرَۃِ مَحْشُوْرِیْنَ فِیْ زُمْرَتِھِمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ؀ پڑھتے اور اس پر آمین کہتے ہیں۔

(۴) سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب۔ اہلِ تشیع کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ "مطاعن" ہیں، مکالمات و مباحثات میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی بحث میں عاجز آجاتے اور میدانِ کلام کو اپنے لئے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعنِ صحابہ پر آجاتے ہیں اور اسی بحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ صحابۂ کرام کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت رفض کی اصل و اساس ہے اور دوسروں کو بھی اس گمراہی میں شریک کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی مطاعن ہی کی اشاعت ہے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہٗ نے "مطاعن" کے جوابات کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی اور شیعوں کے ان مشہور "مطاعن" کے مفصل جوابات جن کو شیعہ بہت اچھالتے ہیں آپ نے رسالہ "رد روافض" کے علاوہ متعدد مکاتیب میں بھی سپردِ قلم فرمائے ہیں۔ ان تفصیلی جوابات کے علاوہ ایک اصولی جواب بھی دیا ہے جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلہ کی ساری بحثیں کافور ہو جاتی ہیں اور بیقین واثق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ مصنفین نے اس باب میں جو دفتر کے دفتر

[1] دفتر اول مکتوب ۵۹

سیاہ کئے ہیں حضرت مجدد قدس سرہ کا یہی ایک اصولی جواب ان سب کو خاکستر کر دینے کیلئے کافی ہے چنانچہ ایک طویل مکتوب میں واقعۂ قرطاس پر کلام فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:-

"خدا آپ کو سعادتمند کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے اور شبہے جو بعض لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی تمام اصحاب کرامؓ پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کی تشکیکات اور شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت کے شرف و رتبہ کو قبول فرمائیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے نفس حضرت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک و صاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا، اور ان کو واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اکابر اسلام اور دین کے بزرگوار ہیں جنھوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید انام کی مدد اور دین متین کی تائید کے لئے رات دن اور ظاہر و باطن میں اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے اور اپنے خویش و قبیلہ اور اولاد و ازواج اور وطن و گھر بار کھیتی کیاری کنوئیں و باغ و انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں چھوڑ دیا تھا، اپنے نفسوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو ترجیح دی تھی اور اپنی جان و مال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اختیار کیا تھا۔ ان بزرگواروں نے وحی و فرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت سے اور ان کا علم عین سے بدل چکا تھا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ توریت اور انجیل میں ان کی یہی مثال ہے)۔ جب تمام اصحاب کرامؓ ان کرامات اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفاء راشدین جو تمام صحابہؓ سے افضل و اعلیٰ ہیں ان کی فضیلت و بزرگی کس قدر ہو گی۔

(پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) نظر انصاف کے ساتھ دیکھئے و حضرت خیر البشر

صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت کے قبول کرنے اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات کی بلندی اور بزرگی معلوم کرنے کے بعد امید ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے اور تشکیکات پیدا کرنے والے لوگ ان شبہات کو مغالطوں اور طمع کی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار خیال کریں گے اور اگر وہ ان شبہات میں غلطی کو تجویز نہ کریں گے اور ان کو وہمی اور خیالی باتوں کی طرح نہ سمجھیں گے تو کم از کم اتنا ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات و تشکیکات کا ماحصل ہیچ و پوچ ہے بلکہ اسلامی تصریحات و مرویات کے برخلاف ہے اور کتاب و سنت کے مقابلے میں مردود اور مطرود ہے"۔ ؎۱

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے واقعۂ قرطاس پر چند مقدمات قائم کر کے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا جواب دیا ہے گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کر کے انگلی رکھ رکھ کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے، ان مقدمات کا خلاصہ یہ ہے:—— اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و گفتار وحی کے مطابق نہ تھے ورنہ بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معانی کی گنجائش نہ ہوتی —— دوم: احکامِ اجتہادیہ و امورِ عقلیہ میں اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو اور رد و بدل کی گنجائش تھی —— سوم: سہو و نسیان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز بلکہ واقع ہے اور وحیٔ قطعی کے ساتھ سہو و نسیان پر اطلاع فرما کر صواب کو خطا سے الگ کر دیا جاتا ہے کیونکہ نبی کا خطا پر مقرر کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے احکامِ شرعیہ کا اعتماد رفع ہو جاتا ہے۔ پس شدتِ مرض میں بتقاضائے بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے قصد بے اختیار کلام کا صادر ہونا جائز ہے —— چہارم: حضرت فاروق و خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بلکہ تمام صحابۂ کرامؓ کے لئے کتاب و سنت میں جنت کی بشارت ہے اور ایسی احادیث تواترِ معنی تک پہنچ چکی ہیں جن کا انکار کرنا سراسر جہالت یا بغض و عناد ہے —— پنجم: کاغذ لانے میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا توقف رد و انکار کے باعث نہ تھا (نعوذ باللہ) بلکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مطلب استفہام و استفسار تھا جیسا کہ لفظ استفھموہ سے ظاہر ہے کہ اگر آپ اہتمام سے کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے ورنہ ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دی جائے،

؎۱ دفتر دوم مکتوب ۹۶۔

کیونکہ اگر امرِ وحی سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو پھر تاکید و مبالغہ سے طلب فرمائیں گے اور اگر امرِ وحی سے طلب نہیں فرمایا ہے بلکہ آپ محض اپنے خیال و فکر سے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں تو اس حالت میں آپ کو تکلیف نہ دی جائے، آپ کے بعد بھی اجتہاد و استنباط باقی رہے گا پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں جدا اہتمام نہ فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہیں تھا اور وہ توقف جو محض استفسار کے لئے ہو مذموم نہیں ہے ———

ششم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہونے کے باعث اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسنِ ظن ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر زمانہ اصحاب کرام کا زمانہ ہے پس اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کاغذ کے لانے سے منع کرنا کفر کے باعث ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمرؓ کی خلافت پر تنصیص و تصریح نہ کرتے اور مہاجرین و انصار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین نہ بناتے ——— جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو بلا تکلف اس شبہ کا اور اس قسم کے دوسرے شبہات کا جواب حاصل ہو گیا بلکہ متعدد اور کئی قسم کے جوابات حاصل ہو گئے کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ متعدد جوابوں میں سے ایک جواب ہے؟

ان تفصیلی مقدمات کے بعد پھر اسی اصولی رنگ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس قسم کی تشکیکات صریحاً جھٹلانے کے قابل ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے باطل کرنے میں لائے گئے ہیں اس ہدایت پر تنبیہات کی قسم سے ہیں۔

(پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) ہائے افسوس! ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ اکابرِ دین کے لئے گالی نکالیں اور اسلام کے بزرگوں پر طعن لگائیں، حالانکہ فاسقوں اور فاجروں میں سے کسی کے لئے گالی نکالنا اور طعن لگانا یہ درجہ نہیں رکھتا کہ شرع میں عبادت و کرامت و فضیلت اور نجات کا وسیلہ سمجھا جائے تو پھر دین کے ہادیوں کو گالی دینا اور اسلام کے حامیوں کو طعن لگانا کس طرح عبادت ہو سکتا ہے۔

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) حق تعالیٰ قرآن مجید میں اصحابِ پیغمبر

علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت میں رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ فرماتا ہے، پس ان بزرگوں کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ عداوت وکینہ کا گمان کرنا نص قرآنی کے برخلاف ہے۔ نیز ان بزرگواروں میں عداوت وکینہ کا ثابت کرنا فریقین میں قدح ومذمت پیدا کرتا ہے اور دونوں گروہوں سے امان کو رفع کرتا ہے جس سے اصحاب کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو لوگ تمام بنی آدم سے بہتر تھے، اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ گویا بدترین مردم تھے اور ان کا بہترین زمانہ بدترین زمانہ تھا، اور اس قرن وزمانہ کے لوگ عداوت وکینہ سے موصوف تھے۔ کوئی مسلمان اس بات پر دلیری نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس امر کو جائز کہہ سکتا ہے، یہ عقیدہ رکھنا کتنی بڑی گستاخی اور جرأت ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی ہو اور حضرت امیرؓ ان کے پوشیدہ دشمن رہیں۔ اس امر میں فریقین کی مذمت وملامت ہے۔

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی لڑنے والے اگرچہ باغی ہیں لیکن وہ سب کے سب صاحبِ تاویل اور صاحبِ رائے واجتہاد تھے، اگرچہ وہ اس اجتہاد میں خطا کار بھی ہوں تب بھی طعن وملامت اور تفسیق وتکفیر سے دور اور پاک ہیں۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا لَیْسُوْا فَسَقَۃً وَّلَا کَفَرَۃً لِمَا لَهُمْ مِنَ التَّاوِیْلِ (ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی وہ نہ فاسق ہیں نہ کافر کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے)۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ "یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہیے۔" [1]

درحقیقت شیعوں کے تمام مطاعن کی حقیقت یہی اور صرف یہی ہے اور اس کے سمجھ لینے کے بعد تشیع کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ تار تار ہوجاتا ہے۔ تقیہ وغیرہ دوسرے معتقداتِ شیعہ پر بھی حضرت مجدد قدس سرہٗ نے واضح طور پر بحث کرکے ان کا رد کیا ہے۔

[1] دفتر دوم مکتوب ۹۶

جو مکتوبات شریفہ در رد روافض میں موجود ہے حضرت مجدد قدس سرہ نے فتنۂ روافض اور اس کے مختلف شعبوں کے خلاف اپنے مستقل رسالہ "ردِ روافض" کے علاوہ مکتوباتِ شریفہ میں بھی جو کچھ متفرق طور پر لکھا ہے اگر اس سب کو یکجا جمع کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، اس مختصر بیان میں جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں درحقیقت ان کو سمندر سے کوزہ بلکہ قطرہ ہی کی نسبت ہے، اس ایرانی فتنہ کے خلاف اس قلمی جہاد کے علاوہ آپ نے لسانی جنگ بھی بڑی پامردی سے کی ہے اور اگرچہ یہ فتنہ حکومتِ وقت کی آغوش میں تربیت پا رہا تھا اور گویا شاہی محل ہی اس کا سرچشمہ بنا ہوا تھا پھر بھی آپ نے یا رہا علی رؤس الاشہاد عام معرکوں اور خاص محفلوں میں مناظروں اور تقریروں کے ذریعہ اس کی تار و پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا چنانچہ "ردِ روافض" کے دیباچہ میں وجۂ تالیف کے تحت خود حضرت مجدد قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں "بعض شیعہ طلبا جو ان اطراف میں آمد و رفت رکھتے تھے اپنے دلائل پر بڑا فخر و ناز کیا کرتے تھے اور امراء و سلاطین کی مجلسوں میں ان مغالطوں کو پھیلا رہے تھے فقیر اگرچہ ان مجلسوں اور معرکوں میں زبانی طور پر عقلی و نقلی دلائل سے ان کا رد کرتا رہتا تھا اور شیعوں کی صاف و صریح غلطیوں پر امراء و سلاطین کو مطلع کرتا رہتا تھا لیکن بموجب حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہ "جب بدعتیں اور فتنے نمودار ہونے لگیں اور میرے اصحاب کو برا کہا جانے لگے تو اہلِ علم پر واجب ہے کہ وہ اپنے صحیح علم کو پیش کریں اور جو عالم ایسا نہ کرے گا اس پر خدا اور تمام بندوں کی لعنت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نیک عمل طاعت و صدقہ قبول نہ فرمائے گا" میری رگِ فاروقی حمایتِ اسلامی میں محض اتنی ہی تردید و جواب پر کفایت نہیں کر سکتی تھی اور میرے سینۂ بے کینہ کی جلن اس سے ٹھنڈی نہ ہوتی تھی اسلئے خاطرِ ناقص میں یہ خیال جم گیا کہ شیعوں کی خرابیوں کا اظہار جب تک قیدِ تحریر میں نہ لایا جائے گا اس وقت تک اس کا کامل فائدہ اور عام نفع نہ ہو سکے گا۔"

پس یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی کی ان مجددانہ مساعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے عام مسلمانوں کو اس سیلابِ عظیم میں بہنے سے بچا لیا۔ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَہٗ وَبَرِّدْ مَضْجَعَہٗ وَاحْشُرْنَا مَعَہٗ بحرمت سید الاولین والآخرین صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ واھل بیتہٖ وذریاتہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

(تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۱۸۰ تا ۲۱۶ ملخصاً وزیادۃً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

کے

شواہدِ تجدید

مجددِ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی قدس سرہ السامی کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ آپ کے مجددِ الفِ ثانی ہونے کی شہادت دیتا ہے ؎

سراپا ظاہرش نور ست و جان ست
مپرس از باطنش کاں بے نشان ست

تاہم آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کے چند شواہد بطورِ ایجاز یہاں درج کئے جاتے ہیں ان کی تفصیل اسی کتاب میں اپنے اپنے مقام پر درج ہے۔ ان شواہد کو دو حصوں میں منقسم کر کے درج کیا جاتا ہے:۔

اوّل: آپ کے ذاتی فضائل

(۱) علومِ ظاہری میں مہارتِ تامہ: حفظِ قرآن مجید سے فراغت کے بعد کتبِ درسیہ اور مشہور کتبِ تصوف اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں، پھر مولانا کمال کشمیری سے بعض کتبِ معقولات پڑھیں، شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے کتبِ حدیث کی سند حاصل کی، قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر و حدیث و تاریخ وغیرہ کا درس لیا اور سند حاصل کی، غرضکہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور و مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند لی، آپ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے متبحر عالم تھے (تفصیل بر صفحہ ۱۳۱ تا ۱۴۲ کتاب ہٰذا)

(۲) علومِ باطنی میں حصولِ کمال: طریقہ چشتیہ و قادریہ اپنے والدِ ماجد سے اخذ کیا اور قادریہ خرقۂ خلافت حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے حاصل ہوا، سلسلۂ کبرویہ حضرت مولانا یعقوب کشمیری (المتخلص بہ صرفی) قدس سرہٗ سے حاصل کیا۔ پھر سلسلۂ نقشبندیہ کی تکمیل حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی احراری دہلوی قدس سرہ العزیز سے کی، حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے آپ کی تعریف میں بارہا کلماتِ طیبات ارشاد فرمائے۔ (تفصیل بر صفحہ ۵۳ کتاب ہٰذا)

(۳) تدریسِ کتب و تلقینِ طریقت: آپ نے سترہ سال کی عمر میں جامعِ کمالاتِ ظاہری و باطنی

ہوکر کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ باطنی کی تلقین شروع کردی تھی، آپ کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے علما مستفید ہوئے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی سندِ حدیث بلادِ پاک وہند وجملہ بلادِ اسلامیہ میں جاری ومقبول ومعتبر ہے آپ بھی اپنی سندِ حدیث کا اتصال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے کرتے ہیں۔

(۴) آپ کے آبائے کرام میں بڑے بڑے علمائے کاملین وفقرائے واصلین گزرے ہیں آپ کے والدِ ماجد مخدوم عبدالاحد قدس سرہ بڑے جید عالم اور سلسلۂ چشتیہ کے بہت بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے خلفا میں سے تھے اور سلسلۂ قادریہ میں بھی صاحبِ اجازت تھے تمام کتب درسیہ منقولات ومعقولات کا درس دیتے تھے اور مریدوں کو فیوضِ باطنی سے سیراب فرماتے تھے (تفصیل بر ص ۲۹ تا ۵۴)

(۵) ظاہری حسن وجمال: حق تعالیٰ نے آپ کو ظاہری وباطنی، صوری ومعنوی ہر قسم کے کمالات کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل وصورت ایسی محبوب تھی کہ جو دیکھ لیتا بے اختیار اس کا دل کہتا فتبارک اللہ احسن الخالقین جبکہ امامِ نماز کے لئے خوبصورت ہونا وجہ ترجیح ہے تو مجدد وقت کے لئے اجمل واحسن ہونا ضروری وجہ کمال ہوا آپ حسب ونسب ہر لحاظ سے ممتاز وفائق تھے (ملاحظہ ہو ص ۲۳۹)

(۶) پابندی شریعت کا بے حد اہتمام: اتباعِ سنت کا بے اندازہ جذبہ، بدعات سے بیحد نفرت واحتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھا، ہمیشہ عزیمت پر عمل کرنا اور رخصت کے قریب نہ جانا آپ کا نمایاں شعار تھا، امورِ عادیہ اور معمولی معمولی باتوں میں بھی اتباعِ سنت کا اسقدر اہتمام فرماتے کہ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے اور لباس وغیرہ غرض کسی چیز میں بھی آپ کے کسی فعل کا خلافِ سنت ہونا آپ کے کسی مخالف ومعاند نے بھی نقل نہیں کیا۔

(۷) آپ کی کثرتِ عبادت بھی ایک غیر معمولی شان رکھتی تھی، آپ کے شبانہ روز کے معمولات کو الگ باب میں بیان کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۴۰ تا ۲۶۱)

(۸) حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہ فرماتے تھے، اہل وعیال کی خبرگیری، صاحبزادوں اور مریدوں کی تربیت، علومِ شرعیہ کا زبانی وکتابی درس، خطوط کے جوابات وغیرہ اور پھر اپنے نفسِ مبارک کے حقوق، ان سب امور کو روزانہ باحسن وجوہ انجام دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے

ان امور کی ادائیگی کے لئے آپ کے اوقات میں بہت برکت عطا فرمائی تھی جو آپ کی عظیم الشان کرامت ہے۔

(۹) امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں آپ ایک ماموریمن اللہ کی سی شان رکھتے تھے اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر اور نہ کسی کی ایذا رسانی کا خوف ہوتا، کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو اس فریضہ کے ادا کرنے سے نہیں روک سکا، ابتدا میں آپ کو بڑے بڑے مصائب برداشت کرنے پڑے اور آپ نے آیۂ کریمہ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ[1] پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کرکے دنیا کے لئے ایک بہترین نمونہ چھوڑا۔

(۱۰) آپ کے تصرفاتِ باطنی اور کثرتِ ارشاد کو احاطہ کرنا ہمارے لئے مشکل بلکہ محال ہے۔

(۱۱) آپ کے مکشوفاتِ الٰہیہ اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل و محال ہے اور مکتوبات شریف اُن سے پُر ہیں۔

(۱۲) آپ کے مکشوفات کو تبہ یعنی خوارقِ عادات وکرامات بکثرت آپ سے ظاہر ہوئیں، اگرچہ یہ چیزیں کمالاتِ اصلیہ میں سے نہیں ہیں تاہم اتباعِ شریعت کے ساتھ ان کا موجود ہونا صاحبِ ولایت کی بزرگی کی دلیل ہوتا ہے ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، آپ کی چند کرامات تبرکاً اس کتاب میں درج کردی گئی ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶۲ تا ۲۸۵)

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کو مراتب کمالاتِ ولایت وکمالاتِ نبوت وکمالاتِ رسالت و کمالاتِ اولوالعزم و درجاتِ خلّت و محبت و اسرارِ ذات و صفات و شئونِ الٰہیہ سے سرفراز فرمایا اور آپ نے اُن مقامات کا اظہار فرمایا جن کو پہلے کسی بزرگ نے بیان نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواہبِ لدنیہ و اذواقِ عالیۂ غیبیہ کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا جن کا آپ نے خود ذکر فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں کہ جو علوم و معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور ارباب ولایت علمائے ظاہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں، یہ علوم مشکوٰۃ انوارِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مقتبس ہیں جو کہ الفِ ثانی کے آغاز کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں، ان علوم

[1] سورہ لقمان رکوع ۲ آیت ۱۷

معارف کا صاحب اس الف (ہزار دوم) کا مجدد ہے الخ (دفتر دوم مکتوب ۴)۔

(۱۴) آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ میں بشارت دی کہ آپ علم کلام کے مجتہدین میں سے ہیں اسی وقت سے مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں آپ کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے (مبدأ و معاد) اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آپ کی شفاعت سے ہزاروں بندوں کی بخشش فرمائے گا (حضرات القدس ص۱۹)

(۱۵) آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز مراقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے ایک اجازت نامہ لکھ دوں جو آج تک کسی کے لئے نہیں لکھا۔ (زبدۃ المقامات ۱۸۰)

(۱۶) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بشارت دی کہ جس جنازہ پر آپ نماز پڑھیں گے اس میت کو بخش دیا جائے گا۔ اور آپ کی شفاعت سے ہزارہا آدمیوں کی بخشش ہوگی (حضرات القدس مکاشفہ ۱)

(۱۷) آپ کو قرآن مجید کی آیات متشابہات وحروف مقطعات کے مطالب خفیہ منکشف ہوئے اور آپ نے ہر حرف کے تحت اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ پر دلالت کرنے والے علوم کا سمندر پایا کہ اگر ان کا اظہار کیا جائے تو حلقوم قطع کر دیا جائے۔ (دفتر اول مکتوب ۲۷۶)

(۱۸) آپ نے فرمایا میری یہ نسبت میری اولاد کے واسطے سے قیامت تک باقی رہے گی اور حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی اسی نسبت شریفہ پر ہوں گے۔ (حضرات القدس ص۵۲ و ۵۳)

قسم دوم: آپ کے تجدیدی کارنامے

(۱) عامۃ الناس کی روحانی واخلاقی اصلاح کرنے میں آپ کا مقام نہایت نمایاں ہے۔

(۲) علماء سوء کی نشاندہی اور ان کی اصلاح فرمائی اور علماء حق کو ان کا صحیح مقام دلایا۔

(۳) صوفیائے خام کی نشاندہی اور ان کی اصلاح فرمائی اور صوفیائے ربانی اور اولیائے حقانی کو ان کا صحیح مقام حاصل ہوا۔

(۴) گمراہ اور بدعتی فرقوں کی نشاندہی کرکے اور ان کے شر و فساد سے مسلمانوں کو آگاہ فرما کر اہل سنت وجماعت کے مطابق صحیح عقائد اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی۔

(۵) باریافتگان دربار نبوت وسعادتمندان شرف صحبت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر کرنے والوں کی پرزور مذمت اور نمایاں تردید کی اور امت وارباب حکومت کو ان کے شر و فساد سے

آگاہ فرما کر اس سیلاب بے پناہ سے بر وقت بچا لیا۔

(۶) آزاد خیال اہلِ علم و طالبانِ علم کی اصلاح فرمائی جنھوں نے علوم عقلیہ دنیویہ ادب و انشاء و فلسفہ و تاریخ وغیرہ کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور علوم نقلیہ شرعیہ سے روگردانی کر کے اپنی عقلوں کو معیارِ شریعت و معیارِ علوم کون و مکان ٹھہرایا ہوا تھا۔

(۷) ارکانِ سلطنت کی ظاہری و باطنی اصلاح فرمائی اور ان میں تبلیغ اسلام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا (ملاحظہ ہوں آپ کے تجدیدی کارنامے ص ۳۸۳ تا ۴۶۹)

(۸) بادشاہِ وقت کی اصلاح فرمائی (ملاحظہ ہوں تجدیدی کارنامے ص ۴۹۲) ـــــــ

اور جب بادشاہ وارکانِ سلطنت کی اصلاح ہو گئی تو الناس علیٰ دین ملوکھم کے مصداق دوسرے گروہوں کی اصلاح خود بخود بھی ہوتی گئی اس کے باوجود دیگر سب طبقوں کی اصلاح بھی بطورِ خاص فرماتے رہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

(۹) آپ کے مکتوباتِ شریفہ جو تقریباً دو سو مختلف اکابرِ امت وارا کینِ سلطنت کے نام ہیں ۵۳۶ مکتوبات اور فلسکیپ سائز کے تقریباً تیرہ سو صفحات کے تین دفاتر پر مشتمل ہیں آپ کی تجدید و احیائے دین کا اعلیٰ ترین کارنامہ اور عظیم ترین شاہکار ہیں جو ان شاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہیں گے اور ان کے ذریعہ ہمیشہ ہمیشہ آپ کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ان کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات ہیں جو آپ کے علوم و معارف کا گرانمایہ سرمایہ اور صدقہ جاریہ ہیں (ان سب کی تفصیل "تصانیفِ عالیہ" اور "مکتوب الیہم" کے باب میں ملاحظہ فرمائیں)۔

(۱۰) آپ کی اولادِ امجاد باقیات الصالحات ہیں (تفصیل بر صفحہ ۶۸۸ تا ۷۲۳) اور الحمدللہ آج تک آپ کی اولاد جہاں کہیں بھی ہے اکثر و بیشتر آپ کے طریقہ اور شریعتِ مقدسہ کی پابند ہے اور ان شاء اللہ العزیز تا قیامِ قیامت پابندِ شریعت اور فیوض و برکاتِ ظاہری و باطنی سے ممتاز رہے گی ان میں سے اکثر قربِ الٰہی کے درجاتِ عالیہ پر فائز ہوئے ہیں چنانچہ افغانستان میں حضرت نور المشائخ کا خاندان، صوبہ سندھ میں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن مجددیؒ صاحبِ تصانیف اور ان کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد حسنؒ مجددی صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ٹنڈو سائیں داد و گنجہ شریف ضلع حیدرآباد و حضرت مولانا نظام الدینؒ مجددی تنکارپوری صاحبِ تصانیفِ کثیرہ وغیرہ حضرات، اور

خانقاہ شاہ غلام علی دہلویؒ کے حضرات شاہ ابوسعیدؒ و شاہ احمد سعیدؒ و شاہ ابوالخیر وغیرہ مجددی حضرات اور خانقاہِ بھوپال کے حضرت شاہ ابواحمد اور خانقاہِ رامپور کے حضرت مولانا ارشاد حسین مجددی حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۱۱) آپ کے خلفاء بکثرت ہیں جن سے آپ کے بعد بھی آپ کا فیض بدستور جاری رہا اور سلسلہ بسلسلہ آجتک جاری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا، آپ کے سلسلہ میں پابندئ شریعت و اتباعِ سنّت بدرجۂ کمال پایا جاتا ہے اور انشاء اللہ العزیز ہمیشہ موجود رہے گا (خلفاء کی تفصیل بر صفحہ ۷۲۴ تا ۸۰۰)

(۱۲) آپ کے سلسلۂ عالیہ کا فیض عرب و عجم کے گوشہ گوشہ میں پھیلا ہوا ہے اور انشاء اللہ العزیز ہمیشہ پھیلا رہے گا چنانچہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے ایک خلیفہ مولانا خالد رومی قدس سرہٗ کا فیض بلادِ عرب و روم و شام وغیرہ میں بکثرت جاری ہوا اور اب بھی ان کے سلسلۂ عالیہ کے خلفاء کا فیض ان ممالک میں جاری ہے اور وہ لوگ نسبتِ سلسلۂ طریقت مولانا خالد کی طرف کرتے ہوئے اپنے آپ کو خالدی مجددی نقشبندی کہتے ہیں اور یہ سب حضرات نہایت درجہ متبع شریعت و سنت ہیں۔ مولانا امین الدین الشہیر بابن عابدین شامی قدس سرہ جو رد المحتار شرح درمختار کے مصنف ہیں (جس پر تمام بلادِ اسلامیہ میں حنفی مذہب کے علماء کے فتاویٰ کا دار و مدار ہے) اور علماء میں سند المتاخرین کے لقب سے مشہور ہیں آپ بھی حضرت مولانا خالد رومی قدس سرہٗ کے مرید ہیں آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی" ہے یہ رسالہ مصر میں چھپ چکا ہے۔ اسی طرح دہلی، بھوپال، رامپور، احمد آباد، گجرات، بمبئی، یوپی، سی پی اور ہندوستان کے مختلف مقامات میں اور پاکستان کے صوبۂ پنجاب و سرحد و بلوچستان اور سندھ میں بکثرت آپ کے سلسلۂ عالیہ کے اکابر حضرات گذرے ہیں اور فی زمانہ بھی موجود ہیں چنانچہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں موسیٰ زئی شریف کی خانقاہ کا فیض تمام عالمِ اسلام میں پھیلا ہوا ہے خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوری نقشبندی مجددی قدس سرہ بھی اسی خانقاہ سے فیضیاب تھے حضرت قریشی قدس سرہٗ کا فیض پاک و ہند کے علاوہ عالمِ اسلام میں بکثرت پھیلا اور آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا عبد الغفور العباسی المدنی قدس سرہٗ نے اپنے مدینہ منورہ کے تقریباً ۲۴ سالہ قیام کے دوران تمام بلادہائے عرب و عجم کے

مسلمانوں میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تبلیغ فرمائی، چنانچہ تمام ممالک میں آپ کے مریدین و خلفاء بکثرت موجود ہیں اور فیض کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح دیگر خلفاء سلسلۂ عالیہ سے اپنے اپنے علاقوں میں اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں فیوض روحانی جاری ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامِ قیامت جاری رہیگا، اللہ تعالیٰ آپ کے سلسلۂ عالیہ کے فیوض و برکاتِ عالیہ سے ہم سب مسلمانانِ عالم کو ہمیشہ ہمیشہ مستفیض فرماتا رہے اور اس پر استقامت نصیب فرمائے اور قیامت کے دن ان بزرگوں کے جھنڈے کے نیچے ہم سب کو جمع فرما کر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوائے حمد کے سایہ میں داخل فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین واتباعہ المکرمین ثم آمین

جاننا چاہیئے کہ امورِ دینیہ کا مدار ان پانچ اصولوں پر ہے: اعتقادات، عبادات، معاملات، عقوبات (حدود و تعزیرات) آداب، اور اعتقادات پانچ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی کتب انبیاء و رسل اور یوم آخرت پر ایمان لانا۔ اور امورِ عبادات بھی پانچ ہیں یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد۔ اور امورِ معاملات بھی پانچ ہیں یعنی معاوضاتِ مالیہ (مالی لین دین) مناکحات (نکاح و طلاق وغیرہ) مخاصمات (مقدمات وغیرہ) امانات اور ترکات (وراثتیں)۔ اور عقوبات بھی پانچ ہیں یعنی سزائے قتلِ نفس (قصاص) سزائے اخذِ مال (حد سرقہ) سزائے ہتکِ ستر (حد زنا) سزائے ہتکِ عزت (حدِ قذف) اور سزائے قطع بیضہ (حدِ ارتداد)۔ اور آداب چار ہیں، اخلاقِ حمیدہ، عاداتِ حسنہ، سیاسیات، معاشرات۔ ان پانچ اصولِ دینیہ میں سے پہلی اصل یعنی اعتقادات کا متحمل علمِ کلام ہے اس کی تفصیل کتبِ عقائد و علم الکلام میں موجود ہے اور اس کے بعد کے تین امور یعنی عبادات و معاملات و عقوبات کا متحمل علمِ فقہ ہے، کتبِ فقہ اُن کی تفصیلات سے پُر ہیں۔ پانچویں امرِ دین یعنی آداب کی تفصیل کتبِ تصوف و اخلاق میں موجود ہے، کتاب ہذا اور دیگر کتبِ سیرت حضرت مجدد الف ثانیؒ میں مکمل حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرتِ موصوف نے دین کے ان تمام اصول و شعب میں نہایت واضح اور نمایاں تجدیدی کردار ادا فرمایا ہے، آپ کی تجدیدِ دین، تجدیدی کارنامے، تعلیمات، اولادِ امجاد اور خلفائے عظام وغیرہ عنوانات کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ غرضکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دینِ اسلام کے ہر شعبہ میں تجدید و احیائے دین کا کام سرانجام دیا اور آپ ایک جامع مجدد کی حیثیت سے الف ثانی (ہزارۂ دوم) کے مجدد مبعوث ہوئے۔

فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ

کے

معترضین اور اُن کی تردید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۔ (سورۃ الانعام ع ۱۴) (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے کچھ آدمی اور جن دشمن بنا دیئے جن میں سے بعض دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں) ____ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (سورۃ الفرقان ع ۴) (اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لئے مجرم لوگوں میں سے دشمن بنا دیئے ہیں) ____ یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ سنت قدیمہ ہے کہ کفار، مشرکین اور منافقین خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے انبیاءِ کرام و مرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عداوت کرتے رہتے ہیں ____ اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ "یہ جو صوفیائے کرام کے نزدیک مسلّم ہے کہ ہر ولی کسی ایک نبی کے زیرِ قدم ہوتا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ولی کا بھی ایک عدو ہوتا ہے اور اس میں ایسے شخص کی بدحالی کی طرف بھی اشارہ ہے جو اولیاء اللہ سے عداوت رکھے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان حضرات کی عداوت سوءِ خاتمہ کی علامت ہے (العیاذ باللہ)

روی البخاری رحمہ اللہ عن انس وابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عن اللہ تبارک وتعالیٰ مَنْ اَهَانَ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کی اہانت کی اس نے مجھ سے جنگ کی)۔ وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ مَنْ اٰذٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِيْ الحدیث اخرجہ الامام احمد فی مسندہ وایضاً عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اللہ تعالیٰ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ الحدیث رواہ البخاری والامام احمد (التاج جلد ۵ کتاب الزہد والرقاق فی الفصل الخامس) (یعنی اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں اس کے لئے اعلانِ جنگ کرتا ہوں)۔

امام ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ نے زواجر میں فرمایا "یہ اعلانِ جنگ من جانب اللہ کی سخت وعید سود خوار اور دشمنانِ اولیاء کے لئے وارد ہوئی ہے اس قسم کا شخص فلاح سے محروم ہے"۔

امام زرکشی رحمہ اللہ کا قول بھی اسی قسم کا ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیرِ مکافات   با دُرد کشاں ہر کہ در اُفتاد بر اُفتاد

اولیاء اللہ کی تنقیص کرنے والوں سے انتقام لینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ قدیمہ یہ ہے کہ جو شخص کسی عالم کی بے ادبی و گستاخی کرتا ہے اس کا دل طبعی موت سے پہلے مردہ ہو جاتا ہے پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ڈرتے ہیں ان کو چاہیئے کہ فتنہ و فساد ابتلا اور عذابِ الیم سے خائف رہیں ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد   تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

قوت القلوب میں مرقوم ہے کہ "جو شخص عارفوں کے کسی مقام یا منقبت کا منکر ہوگا اس کا احسن حال ضعفِ یقین اور ابتر حال کفر و نفاق و کینہ ہوگا اس کی سزا محرومیٔ وجد و فقدانِ شہود ہوگی"۔

مثل مشہور ہے کہ جہاں پھول ہوتا ہے وہاں کانٹا بھی ہوتا ہے اور جہاں خزانہ ہوتا ہے وہاں سانپ بھی ہوتا ہے، صالحین و مصلحینِ قوم کی مخالفت بعض افرادِ انسانی کی فطرت میں داخل ہوتی ہے یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، انبیاء کرام و مرسلینِ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات بھی ان معترضین کے طعن و تشنیع سے اور رد و انکار سے نہیں بچ سکے حتیٰ کہ ان محرومانِ قسمت نے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے مزعوماتِ باطلہ کا ہدف بنایا۔ ولنعم ما قیل ؎

قیل ان الالٰہ ذو ولد   قیل ان الرسول قد کھنا

ما نجی اللہ والرسول معا   من لسان الوریٰ فکیف انا

ہر زمانے میں جہاں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات پر ایمان لانے والے اور اولیائے عظام قدس اللہ اسرارہم کے دامن سے وابستگی پیدا کرنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں ان حضرات کے مخالفین کی بھی ایک جماعت معرکہ آرائی اور انگشت نمائی پر آمادہ رہتی ہے، ان مصلحین میں سے مجدد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کی ذاتِ گرامی بھی ہے معاندین و معترضین نے ان پر جو اعتراضات کئے اور الزامات لگائے ہیں تاریخ ان کج فہموں کی ستم ظریفی کو کبھی معاف نہیں کرسکتی۔

عام طور پر معترضین و مخالفین تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو عناد کی وجہ سے کسی کی مخالفت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنی کم فہمی و کم علمی کی بنا پر اپنی ناقص معلومات و مزعومات کو صحیح و برحق سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کے اقوال و تحریرات کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے ان پر اعتراضات کرتے اور اس شخص کی تنقیص و توہین اور مخالفت پر اُتر آتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو ان دونوں قسموں میں سے نہیں ہوتے بلکہ اپنی سادہ لوحی اور معلومات کی کوتاہی کی وجہ سے اُن مخالفین و معترضین سے متأثر ہو جاتے ہیں یا پہلے کسی تعلق سے ان مخالفین کے معتقدین و متوسلین میں شامل ہو جاتے ہیں پھر اُن کے ہر قول و فعل کو اپنے لئے حکمِ قطعی سمجھتے ہیں ــــــ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے معترضین میں بھی تینوں قسم کے افراد پائے جاتے ہیں، زمانہ کے لحاظ سے بھی ان کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اوّل وہ جنھوں نے آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی آپ کی شدید مخالفت کی اور ان میں سے اکثر نے آپ کو ہر قسم کا آزار پہنچانے سے گریز نہیں کیا۔ دوم وہ جو آپ کے وصال کے بعد کے قریبی زمانے میں آپ کے معاندین و مخالفین کے گروہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے یا اس گروہ کی تحریرات سے متأثر ہو کر آپ کی اور آپ کے سلسلۂ عالیہ کے منتسبین کی مخالفت میں سرگرم رہے۔ سوم وہ افراد جو اب تک آپ کی تحریرات و تعلیمات اور آپ کے سلسلۂ عالیہ کے منتسبین و متوسلینِ صادقین کی کسی نہ کسی انداز سے مخالفت کرتے رہتے ہیں اور آپ کی تحریراتِ صادقہ و اقوالِ حقّہ کی صحیح و واضح اشاعت و تبلیغ کے باوجود اور معترضین کے جوابات کا مدلل تحریری مواد و سرمایہ موجود ہونے کے باوصف اپنے عنادِ طبعی و بعض معاویہ و کجی دماغ کا ثبوت دیتے رہتے ہیں اگرچہ ایسے لوگ نہ ہونے کی برابر ہیں اور عوام و خواص میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے تاہم یہ لوگ اپنے گمراہ کن زہریلے پروپیگنڈے سے اہلِ سلاسلِ تصوف کی فضا کو مکدّر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من مضلات ھذہ الاشرار ورزقنا اتباع الابرار و الصالحین من امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ السامی کے مکتوباتِ شریفہ اور آپ کی دیگر تصانیفِ عالیہ و ملفوظاتِ غامضہ اور مقاماتِ مرتفعہ (جن پر آپ فائز ہوئے) کا سمجھنا ہی لیاقتِ کاملہ اور عنایتِ الٰہیہ کے بغیر ہر ذی علم اور ہر سالکِ طریقت کے بس کی بات نہیں چہ جائیکہ معمولی علم کا آدمی یا عامی شخص، پھر اُن کی تردید کرنا تو نہایت درجہ جہالت کجی عقل و فہم اور خرابی دماغ کا نتیجہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی وجہ

نہیں ہے۔ آپ کے زمانۂ مبارکہ میں بعض معاندین نے آپ کے مکتوباتِ گرامی کی بعض عبارتوں کی جو تردید کی اس کے دو باعث ہوئے، ایک یہ کہ آپ کا مرید حسن خاں افغان کابلی آپ کے کسی متوسل سے ناراض ہو گیا طبیعت میں کجی تھی ناراضگی خادم سے تھی مگر خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا اور آپ سے منحرف ہو کر آپ کے مکتوباتِ شریفہ کے کچھ سودات چرا کر لے بھاگا اور ان میں تحریف و ترمیم کر کے اُن کی متعدد نقول بغرضِ افشا، معاندینِ وقت کے پاس بھیج دیں ان محرف تحریرات کو جس نے دیکھا حضرت موصوف سے بدعقیدہ ہو گیا حتیٰ کہ بعض نے ان تحریرات کی تردید بھی لکھی مگر رفتہ رفتہ حسن خاں افغان کی تحریف کا حال لوگوں کو معلوم ہو تا گیا جن حضرات نے غلط فہمی کی بنا پر تردید لکھی تھی انھوں نے حضرت موصوف سے معافی چاہی، حضرتؒ نے ان کو معاف کیا اور اصل حقیقت سے روشناس کرایا جس سے طرفین میں صفائی قلب ہو کر محبت و مودت راسخ ہو گئی۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی بعض تحریرات کا رد لکھنے والوں میں حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی بھی ہیں جو کہ دیارِ ہند کے مشہور علمائے حنفیہ میں سے ہیں اور حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے معاصر ہیں باوجودیکہ آپ حضرت موصوف کے پیر بھائی اور حضرت خواجہ رضی الدین محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کے مرید صادق ہیں لیکن اصل مکتوباتِ شریفہ کو ملاحظہ فرمائے بغیر صرف حسن خاں افغان کی محرف تحریرات کو دیکھ کر حضرت موصوف قدس سرہٗ کی تردید میں ایک رسالہ لکھ دیا جب حضرت قدس سرہٗ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اصل مسودات اپنے دستخط کے ساتھ شیخ دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھجوائے اور حسن خاں افغان کی تحریفات سے مطلع کیا تب شیخ دہلوی قدس سرہٗ کو اصل حقیقت کا علم ہوا اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اصل تحریرات ملاحظہ کیں تو اپنے اس انکار سے توبہ استغفار کیا اور آپ کی خدمت میں معذرت نامہ لکھا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تعریف و توصیف کی اور آپ کی جانب سے اپنی صفائی قلب کا اظہار فرمایا چنانچہ حضرت خواجہ حسام الدین احمد قدس سرہٗ خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں یہ مضمون تحریر فرمایا کہ "ان ایام میں میاں شیخ احمد سلمہٗ کے بارے میں حد سے زیادہ صفائی باطن حاصل ہو گئی ہے بشریت و جبلت کا کوئی پردہ ہمارے درمیان میں باقی نہیں رہا ہے معلوم نہیں یہ بات کہاں سے ہے' انصاف کا طریقہ اور عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے بزرگوں اور عزیزوں کی طرف سے بدظن نہیں ہونا چاہئے' ذوق و وجدان و غلبۂ حال کے طور پر میرے باطن میں ایک ایسا اثر پیدا ہوا ہے کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ مقلب القلوب اور مبدل الاحوال ہے الخ

اور شیخ دہلوی موصوف اپنے ایک طویل مکتوب گرامی میں اپنی اولاد کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے جو سودات میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراضات کے طور پر لکھے ہیں سب کو پانی سے دھوڈالیں جو غبار کہ ان کے بارے میں میرے دل میں آیا تھا وہ صاف ہو گیا ہے انتہیٰ۔

ہدیۂ مجددیہ صفحہ ۵۰ پر ہے کہ حضرت شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی قدس سرہٗ اپنی کتاب مناقب العارفین میں لکھتے ہیں کہ "میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کو جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے اختلاف تھا اس کے بارے میں تفتیشِ حال کے لئے دہلی گیا اور شیخ دہلوی کے صاحبزادہ شیخ نورالحق دہلوی سے ملاقات کر کے اس معاملہ کے متعلق استفسار کیا اور یہ بات تحقیق ہوئی کہ قوم افغان کا ایک شخص تھا جس کا نام حسن خاں تھا اور حضرت شیخ مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کا مرید تھا اس نے کسی بات پر آپ سے ناراض ہو کر آپ کے ان مکتوبات میں جو اس کے پاس تھے تحریف کر کے اس محرف مسودہ کی بیس نقلیں کرائیں اور جگہ جگہ ہندوستان و افغانستان کے مشہور علماء و مشائخ کے پاس فتویٰ کے لئے بھجوائیں جب ایک نقل شیخ دہلوی قدس سرہٗ خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو پہنچی تو بہت غضبناک ہوئے اور ان اقوال کے رد میں ایک مکتوب حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت میں لکھا اور اس میں بہت زجر و توبیخ کی۔ اس کے جواب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے دستخط کے ساتھ اپنے اصل مسودات حضرت شیخ دہلوی قدس سرہٗ کے پاس بھجوائے اور تحریر فرمایا کہ معاذ اللہ جو مجھ سے اس قسم کے کلمات صادر ہوئے ہوں، میرے ایک مرید نے طریقت سے مردود ہو کر یہ فتنہ برپا کیا ہے اور مجھ کو ہر پیر و جوان کا ہدف بنایا ہے آخر وہ میری بددعا میں گرفتار ہو کر بخار ایں زندان کی تہمت میں قتل کر دیا گیا ہے حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد شیخ دہلوی قدس سرہٗ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تعریف و توصیف اور اس حقیقت سے عدم آگاہی اور اپنی غلطی کی عذر خواہی کا ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے چنانچہ شیخ دہلوی قدس سرہٗ کا وہ دستخطی مکتوب میں نے دیکھا ہے انتہیٰ"۔

حضرت شیخ دہلوی قدس سرہٗ کی صفائی خاطر اور مسوداتِ ناشائستہ کے دھو دینے کا ارشاد فرما دینے کے بعد اب اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ شیخ کے رسالہ کا رد لکھا جائے اور باوجودیکہ اولادِ شیخ موصوف نے اپنے والد کے ارشاد کی تعمیل ضرور کی ہو گی لیکن پھر بھی وہ مسودہ کسی دوسرے ذریعہ سے باقی رہا ہو گا جس کی بنا پر بعد کے معاندین کو مخالفت میں لکھنے کا اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کے متوسلین کو رسالہ مذکورہ کے رد میں لکھنے کا سبب بنا چنانچہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ العزیز نے بھی شیخ دہلوی قدس سرہٗ کے

رسالہ کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ حسن خاں افغان مذکور کی حکومت کے داہنے بازو کے ساتھ سازش کا حال "دعوت وتجدید کے پس منظر" میں معاندین کی سازش کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت کا دوسرا باعث یہ ہوا کہ جب آپ کی ذاتِ بابرکات سے کراماتِ ظاہرہ وکمالاتِ باہرہ کا اظہار ہوا، سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نور ہر طرف پھیلا شرک وبدعت کی ظلمت دور ہوئی اور آپ کا شہرہ عالمگیر ہوا تو بعض بے دینوں اور حاسدوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی، یہ لوگ آپ کے کلام معجز نظام کی تردید میں کوشش کرنے لگے چنانچہ ایک بدباطن شخص محمد صالح گجراتی نے ایک رسالہ بنام اشتباہ لکھا اور محمد عارف وعبداللہ سورتی کو بہکا کر ان سے کچھ روپیہ فراہم کر کے سید محمد برزنجی مدنی کے پاس مدینہ منورہ پہنچا اس کو بطور رشوت وہ رقم پیش کی، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مکتوباتِ شریفہ کی ان محرف عبارتوں کا رد لکھوایا اور اس کا نام ایرادات البرزنجی رکھا، ایرادات البرزنجی ایک نہایت ہی غیر معتبر اور بالکل بے حقیقت رسالہ تھا اس لئے حرمین شریفین کے تمام علما نے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے کلیتہً انکار کر دیا تھا بلکہ فاضلِ جلیل عالمِ نبیل علامۂ وقت شیخ نور الدین محمد بیگ قدس سرہٗ نے ردّ برزنجی میں ایک رسالہ لکھا اس رسالہ کی صحت پر علمائے حرمین شریفین مثل شیخ عبداللہ آفندی وشیخ احمد البشیشی وسید اسعد المفتی المدنی الحنفی وامام العلی الطبری المفتی الشافعی و عبدالرحمٰن ابن محمد الصالح الامام المالکی ومحمد بن القاضی الحنفی وشیخ حسن حنفی ومرشد الدین بن احمد المرشدی نے دستخط کئے اور مہرِ تصدیق ثبت کی، اور شیخ معظم عالمِ محترم سید محمد آفندی وشیخ الاسلام مفتی مکہ معظمہ مذہبِ حنفیہ شیخ عبداللہ آفندی عتاقی زادہ وغیرہ نے تقریظیں لکھیں اور اس معاملہ کی تعقیب کی، ان کے مضمون کا نہایت مختصر ماحصل یہ ہے "شیخ صالح جو کہ گجراتی ہے یا اورنگ آبادی اور اس کے اتباع محمد عارف وعبداللہ سورتی نے عالمِ ربانی عارفِ حقانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی کے مکتوبات قدسی آیات کی کچھ عبارتوں میں تحریف وکمی بیشی کر کے اور عربی ترجمہ کرا کر ہمراہی زرکثیر سید محمد برزنجی مدنی کے پاس ردّ لکھنے کی غرض سے بھیجیں، برزنجی مذکور نے طمعِ نفسانی کی بنا پر ردّ لکھ دیا اور علماء ومفتیانِ حرمین شریفین کی خدمت میں بغرضِ تائید وتصدیق پیش کیا لیکن ان سب حضرات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کر دیا اور فاضلِ اجل عالمِ باعمل شیخ نور الدین محمد بیگ نے فوراً حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کے اصل مکتوبات ہندوستان سے منگا کر مقابلہ کیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ تحریرات جن کا ردّ

برزنجی مذکور نے لکھا تھا محرّف عبارتیں تھیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اصل کلام معجز نظام درحقیقت معارف و حقائق کا گنجینہ اور شرائع و احکام کا خزینہ ہے ایسے کلام کی تردید کرنا واضح ضلالت اور کھلی گمراہی ہے چنانچہ شیخ نور الدین محمد بیگ مذکور نے برزنجی کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اصطلاحاتِ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم و مقاصد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ وحلِ اشکالاتِ معترضین وغیرہ کو باحسن طریق پیش کیا، ان مکتوبات قدسی آیات کو اپنا دستور العمل قرار دینا چاہیے"۔

جب حرمین شریفین کے تمام علماء و مفتیان و قاضیان نے برزنجی مذکور کے رسالہ پر مہر و دستخط ثبت کرنے سے انکار کر دیا تو ناچار ایسے سوقیانہ لوگوں سے جو کوئی شہرت و تعارف نہیں رکھتے تھے اپنے منشا کے مطابق ان کے مہر و دستخط سے مسجل کرا کر وہ رسالہ گجراتی کے پاس بھجوا دیا۔ گجراتی نے اس کے شبہات کا ترجمہ کرا کر مزید طور کا اضافہ کیا اور اس کا نام "مکاشف الاسرار" رکھا لیکن سوائے چند گمراہ لوگوں کے کسی نے اس کے اس رسالہ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جس سے وہ رسالہ خود بخود ناپید ہو گیا۔

نیز ایرادات البرزنجی کا رد جناب مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمہ اللہ نے فاضلانہ عربی میں تحریر فرمایا اس کا نام "الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی" ہے اور باہتمام مولانا عبد الاحد رحمہ اللہ مالک مطبع مجتبائی رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ نیز جناب مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمہ اللہ نے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے رسالہ اور دیگر لوگوں کے اعتراضات کی تردید میں بھی ایک ضخیم رسالہ "ہدیۂ مجددیہ" تحریر فرمایا جو ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، اور موصوف سکندر پوری نے محمد صالح گجراتی مذکور کے رسالہ "مکاشف الاسرار" کے اشتباہات کا دندان شکن مدلل جواب بھی تحریر فرمایا اور اس کا نام "انوارِ احمدیہ" رکھا جو ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، یہ دونوں کتابیں بھی مطبع مجتبائی دہلی سے باہتمام مولانا حاجی عبد الاحد رحمہ اللہ مالک مطبع علی الترتیب سنہ ۱۳۰۹ھ و سنہ ۱۳۱۲ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ غلام علی قدس سرہٗ نے حالات مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہٗ کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ محمد فرخ قدس سرہٗ نبیرہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی بددعا سے سید برزنجی سمندر میں ڈوب گیا۔ خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۲۵ پر بھی شیخ محمد فرخ قدس سرہٗ کے حالات میں یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے۔

حضرت خواجہ شیخ محمد فرخ نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اور دوسرے معترضین کے رد میں "کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء" تصنیف فرمائی نیز حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹوی صاحب دراسات اللبیب نے بھی جملہ معترضین کے رد میں "بہجۃ الانظار فی برأت الابرار" تحریر فرمائی۔ یہ دونوں کتابیں نہایت جامع، مدلل، مفصل اور ضخیم ہیں لیکن افسوس کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں اور ان کے قلمی نسخے مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی کے پاس موجود ہیں۔

نیز جن دنوں حضرت سید آدم بنوری قدس سرہٗ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں مقیم تھے ایک شخص شیخ احمد قشاشی بھی جو کہ مدینہ منورہ میں مقیم تھا حضرت سید آدم بنوری قدس سرہٗ کی مقبولیت عامہ کو دیکھ کر حسد کرنے لگا اور حضرت سید موصوف کے مکشوفات و ملفوظات پر اعتراضات کرنے لگا، کافی عرصہ تک چھیڑ چھاڑ کرتا رہا اور حضرت موصوف باحسن طریق اس کا دفاع کرتے رہے آخر شیخ قشاشی اہلِ مدینہ میں مطعون و شرمندہ ہوا اور خاص و عام میں اس کا حسد و عداوت ظاہر ہو گیا پھر جب تک سید صاحب موصوف زندہ رہے قشاشی کی طرف سے کوئی آواز و حرکت و سوال ظاہر نہ ہوا کیونکہ وہ عداوت کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا اس لئے کوئی شخص اس کی بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ سید صاحب موصوف کی وفات کے بعد قشاشی نے ایک رسالہ لکھا جو سراسر کذب و افترا پر مبنی تھا اس کا نام اسرار المناسک رکھا اہلِ مدینہ پر اس کو ظاہر نہیں کیا بلکہ پوشیدہ طور پر ہندوستانی لوگوں کو دکھایا اور لکھ کر ان کو دیدیا اور ان کو لالچ دیکر اس رسالہ کی اشاعت کرائی۔ آخر سید صاحب موصوف کی وفات کے سات سال بعد جب اس رسالہ کی حقیقت حال معلوم ہوئی تو ملا نافع نے جو مدینہ منورہ کے بہت بڑے عالم تھے مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر اس کی تردید کی اور اس وقت سے بفضلہ تعالیٰ یہ رسالہ بھی ہباءً منثورا ہو گیا۔

نیز بعد کے زمانے میں ایک شخص عبداللہ المعروف بہ عبدی خویشگی خلیفہ چشتی قصوری نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور آپ کی اولاد و خلفا کے خلاف جا بجا الزام تراشی کی ہے' ایسے لوگوں کی عداوت محض جہالت اور ہوا پرستی پر مبنی ہوتی ہے، آج اس زہر آلود اور خلافِ حق مواد سے رسائی کا واحد ذریعہ عبدی ہی کی تصانیف ہیں ورنہ یہ مواد آج تقریباً ناپید ہو تا۔ عبدی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی کوئی تصنیف بھی ایک طالب علم کی حیثیت سے نہیں پڑھی بلکہ ایک مخالف کی طرح کتاب کے جستہ جستہ مقامات دیکھ کر مخالفت کے جوش میں کچھ سے کچھ لکھ دیا ہے۔ عبدی کے اعتراضات کا واحد ماخذ اس کے عہد کی ایک ناپاک کتاب "کاسر المخالفین" ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ اور آپ کے متبعین کے رد میں لکھی گئی تھی، اس کتاب کے محرف اقتباسات ہی اس کی معلومات کا واحد ذریعہ ہیں۔

نیز حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ سے عبدی کی عناد و مخالفت کے چند وجوہ معلوم ہوتے ہیں: اوّل یہ کہ وہ شیخ نعمت لاہوری کا شاگرد ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تکفیر کے فتووں میں شریک رہا ہے۔ دوم عبدی کے مشائخ و مصاحب اکثر غالی وحدۃ الوجودی صوفیہ ہیں۔ سوم عبدی کے شیوخ میں سے شیخ عبد اللطیف برہانپوری ہے جو حضرت مجدد قدس سرہٗ و حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ سے نسبت رکھنے والوں کو نعوذ باللہ ملحد و زندیق کہتا تھا۔ چہارم قاضی نور الدین قاضی قصور نے بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلاف فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کی تھی عبدی اس کی صحبت میں رہا ہے۔ پنجم عبدی قصور سے بسلسلۂ ملازمت اورنگ آباد (دکن) چلا گیا تھا جو خاندانِ مجددیہ کی مخالفت کا مرکز رہا تھا، خاندانِ مجددیہ کے شدید ترین دشمن و مخالف سید محمد بن سید رسول برزنجی کی اولاد اورنگ آباد میں آکر مقیم ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلاف زیادہ تر مواد عبدی کی کتاب "معارج الولایت" ہی میں ملتا ہے، یہ کتاب اس نے ۱۰۹۶ھ میں اورنگ آباد ہی میں مکمل کی اور مذکورہ مخالف مواد معارج الولایت کے بالکل اختتام ہی میں درج ہے۔ ششم شیخ ابن عربی سے گہری عقیدت اور اپنے مشائخ سے موروثی و اکتسابی طور پر نظریۂ توحیدِ وجودی پانے کے باعث غلو و غیر سلامتی کی راہ پر گامزن ہو گیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت اختیار کی (واللہ اعلم بالصواب)

غرضیکہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے فرزندان حضرت شاہ محمد یحییٰؒ وغیرہ اور آپ کے پوتوں حضرت خواجہ محمد فرخؒ و حضرت خواجہ عبد الاحدؒ اور دیگر مخلصین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ و قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہ نے بھی معترضین کا رد کیا ہے، نیز حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے بھی ایک رسالہ در دفع اعتراضات بر بعض عبارات حضرت مجدد الفِ ثانیؒ (در آخر فتاویٰ عزیزی) لکھا ہے جو نہایت مدلل و مسکت ہے۔

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے مکتوباتِ شریفہ کی بعض عبارتوں پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ

یا تو عناد کی بنا پر ہیں یا اہلِ تصوف کے اصول و اصطلاحات اور ان کے علوم و معارف سے ناواقفیت کی بنا پر اور ان مقاماتِ عالیہ پر نارسائی کے باعث ہیں اس قسم کے جسقدر اعتراضات حضرت موصوف کی حیاتِ مبارکہ میں کئے گئے اور آپ کو ان کی اطلاع ہوئی تو ان کا مدلل و شافی و تسلی بخش جواب آپ نے خود بنفسِ نفیس اپنے مکتوبات کے ذریعہ دیا کما لا یخفیٰ علیٰ من طالعہا جس کے بعد اہلِ علم و فہم حضرات کی تشفی ہوگئی اور اکثر و بیشتر یہ فتنہ اسی زمانہ میں فرو ہوگیا لیکن بعض معاندین و نافہم لوگوں نے آپ کے بعد بھی اس فتنہ کو زندہ کرنے کی کوشش کی ان کا دفاع آپ کے منتسبین نے بطریقِ احسن کیا، پس الحمد للہ آپ کے بعد کے قریبی زمانے ہی میں یہ فتنہ تقریباً ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا اور اب تک بفضلہٖ تعالیٰ کسی کو مزید شورش پیدا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی لیکن کبھی کبھی بعض تصوف و طریقت سے بے بہرہ لوگ سابقہ نظریاتِ ضالہ کے مدفون مُردے اکھاڑنے کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنانے کے لئے بے ہنگام باتیں لکھ دیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کا اچھی طرح سے رد کر کے ان کا منھ بند کر دیتے ہیں چنانچہ ہمارے زمانے میں بھی ایک معروف مصنف نے اپنی کتاب میں اس قسم کی گستاخی کی جرأت کی تھی جس کا مدلل و مسکت جواب محترم ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرما کر شائع کیا اور الحمد للہ کہ مصنف مذکور نے اپنی اس کتاب کے نئے ایڈیشن میں کافی حد تک اپنے مضمون کی اصلاح کر کے اپنی عاقبت کے دامن سے اس آلودگی کو دور کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ مزید ہدایت و توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب مسلمانانِ عالمِ اسلام کو اہل اللہ و مشائخ کرام قدس اللہ اسرارہم کی اہانت اور ان کے متعلق بدظنی سے اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیشہ مستفیض ہونے کی توفیق نصیب فرما کر ان حضرات کے زمرے میں محشور فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت سے قطع نظر بعض حضرات سرے سے تصوف اور اہلِ تصوف ہی کے منکر پائے جاتے ہیں اُن کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ ؎

حدیثِ عشق چہ داند کسے کہ در ہمہ عمر   بسر نکوفتہ باشد درِ سرائے را

وما علینا الا البلاغ، واللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

کی

تعلیمات

آپ کے مکتوباتِ قدسی آیات کی روشنی میں

عقائدِ حقّہ کی تعلیم

(ف) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے اپنے مکتوبات ۲۶۶/۱ و ۶۷/۲ و ۱۷/۳ میں عقائد اہل سنت وجماعت کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے ان مکتوبات کا مطالعہ عقائد کی درستی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مکتوبات میں عقائد کے متعلق مختلف عنوانات کا مفصل ذکر ہے چنانچہ حسب توفیق کچھ عنوانات کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ (مؤلف)

(توحید)

توحید کی تعریف | توحید سے مراد یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ کرنے سے بالکل خالی ہو جائے جب تک دل ماسوائے حق میں گرفتار ہے اگرچہ بہت ہی تھوڑا سا ہو وہ شخص توحید والوں میں سے نہیں ہے، (توحید کی) اس دولت کے حاصل کئے بغیر ایک کہنا اور ایک جاننا ارباب اصول کے نزدیک فضول ہے۔ [۱]

---

[۱] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۱۱۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات صفات اور افعال میں واحد ہے

"جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ وتقدس بذاتِ خود موجود ہے اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں، اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے اور فی الحقیقت کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے، مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بیچون اور بیچگون ہیں اور ممکنات کی صفات اور افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفتِ قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے، اگرچہ وہ تکثر وتعدد تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہو کیونکہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل اور ابد کے معلومات منکشف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کے موافق ومخالف احوال کے ساتھ کلی اور جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوص اوقات کے ساتھ آنِ واحد بسیط میں جانتا ہے (چند سطروں کے بعد) اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آنِ واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے (پھر ایک صفحہ سے زیادہ کے بعد ہے) اور اسی طرح حق تعالیٰ کا کلام ایک ہی کلامِ بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اُسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے اگر امر ہے تو وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر اعلام (خبر دینا) ہے تو وہیں سے ماخوذ ہے اور اگر استعلام (خبر دریافت کرنا) ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر تمنّی (خواہش) یا ترجّی (امید) ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔"[1]

کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی روح

"اور قرآن مجید کی تلاوت یا طولِ قرأت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا یا کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرنا، ان تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہیں اور کلمہ لا سے اپنے نفس کی خواہشات کے معبودوں کی نفی کرنی چاہیئے اور اپنی تمام مرادوں اور مقاصد کو دور کرنا چاہیئے، اپنی مراد کا طلب کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے سینہ کی وسعت میں کسی مراد کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے اور کوئی ہوس قوتِ خیالیہ میں نہیں رہنی چاہیئے تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو جائے اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولیٰ کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶۔

مقابلہ کرنا ہے اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور خود مولیٰ بننے کا اثبات ہے اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے اپنی الوہیت کے دعوے کی نفی کرو تاکہ تمام ہوا و ہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ اور طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے۔ (اسی مکتوب میں کچھ آگے فرماتے ہیں) تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کردو اور کوئی مراد سینے میں نہ رہنے دو حتی کہ میری خلاصی بھی جو اس وقت تمہارے اہم مقاصد میں سے ہے تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو اور کلمۂ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و متخیلات کے وراء الوراء ہے کچھ نہ رہے۔" [1]

خلقتِ انسانی سے مقصود

خلقتِ انسانی سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف کامل طور پر متوجہ ہونا ہے اور یہ مطلب اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ظاہری اور باطنی طور پر سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل تابعداری نہ کریں، حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو قول و فعل اور ظاہر و باطن میں عملی اور اعتقادی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل تابعداری عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین سے

بعد از خدا ہر چہ پرستند ہیچ نیست
بے دولت است آنکہ ہیچ اختیار کرد

حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ مقصود ہے وہی معبود ہے، غیر کی عبادت سے اسوقت نجات ملتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کے سوا کچھ مقصود نہ رہے۔" [2]

ماسوی اللہ کے ساتھ قلبی تعلق تمام باطنی امراض کی جڑ ہے

"باطنی امراض کی جڑ اور اندرونی بیماریوں کا سردار، دل کا ماسوائے حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار ہونا ہے جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر آزادی حاصل نہ ہو جائے (ایمان کی) سلامتی محال ہے، کیونکہ شرکت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اعلیٰ میں ہرگز دخل نہیں ہے، اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (خبردار! اللہ تعالیٰ کیلئے خالص دین ہی ہے) پس جب شریک کو (محبت میں) غالب کر لیا جائے تو وہاں ایمان کا کیا حال ہوگا، یہ کسقدر بے حیائی ہے کہ غیر کی محبت کو اسقدر غالب بنا لیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے مقابلہ میں معدوم یا مغلوب ہو جائے، اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (حیا ایمان کی ایک

---

[1] دفتر سوم مکتوب نمبر ۲۔ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۱۰۔

فرع ہے) ہیں شاید اسی حیا کی طرف اشارہ ہو۔ اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر بھول جائے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ تکلّف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ پس اشیاء کی گرفتاری کی اس مقام میں کیا مجال ہے اس حالت کو اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔" سلہ

مخلوق کیلئے خالق کی صفات ثابت کرنا شرک ہے "میرے مخدوم! آپ کو معلوم ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشا ہے، وجود واجب جل شانہٗ کیلئے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے تاکہ تمام خیر و کمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کیلئے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر و کمال کو اس کی طرف راجع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ملک و ملک میں اس کو شریک بنانا ہے۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد و شرک ہے۔" سلہ

شرک سے بچنے کی تاکید "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو پھر عورتوں کی بیعت شروع فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صرف قول ہی سے بیعت فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک ہرگز نہیں پہنچا، چونکہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ردّی اور بیہودہ اخلاق زیادہ پائے جاتے ہیں اس لئے مردوں کی بیعت کی نسبت عورتوں کی بیعت میں زیادہ شرائط کو مدنظر رکھا گیا ہے اور رضائے تعالیٰ کے امر کو بجالانے کیلئے عورتوں کو اس وقت ان بری عادتوں سے منع فرمایا ہے، شرطِ اول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا چاہیئے، نہ ہی وجوبِ وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں۔ جس شخص کے اعمال ریا و سمعہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنہ سے خالی نہ ہوں اگرچہ وہ طلب قول اور ذکرِ جمیل سے ہو وہ شخص دائرۂ شرک سے باہر نہیں ہے اور وہ شخص موحد مخلص بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلشِّرْكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ الَّتِيْ تَدُبُّ فِيْ لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ

سلہ دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰۹۔ سلہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۱

عَلٰی صَخْرَۃٍ سَوْدَاءَ (میری امت میں شرک اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چلتی ہے) سلہ

لافِ بے شرکی مزن کاں از نشانِ پائے مور ۔۔ در شبِ تاریک بر سنگِ سیہ پنہاں تر است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرکِ اصغر سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ شرکِ اصغر کیا ہے، آپ نے فرمایا "ریاء" شرک وکفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہلِ شرک میں سے ہے اور اسلام وکفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے، کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے۔ سلہ

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے

مرزا بدیع الزماں رحمۃ اللہ نے اپنے کسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو ایک فقرہ میں "خدیو نشاتین" سے خطاب کیا تھا جس کے معنی ہیں "بادشاہ دوجہاں" حضرت موصوف یہ کلمۂ شرکیہ برداشت نہیں کرسکے اور ان کو اپنے مکتوب گرامی میں تنبیہ فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں: "اے سعادتمند عزیز! آپ کے مکتوب کے کسی فقرہ میں لکھا ہوا تھا "خدیو نشاتین" یعنی دونوں جہان کا بادشاہ، یہ ایسی نعت اور تعریف ہے جو حضرتِ واجب الوجود جل شانہٗ کیلئے مخصوص ہے، بندۂ مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا حق ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ شرکت کرے اور خداوندی کا راستہ اختیار کرے، خاصکر عالمِ آخرت میں کہ (حقیقی ومجازی) مالکیت اور ملکیت حضرت مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کے لئے مخصوص ہے حضرت حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ یعنی آج کے دن کس کا ملک ہے پھر خود ہی اس کے جواب میں ارشاد فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی آج کے دن کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اس روز بندوں پر ڈر اور خوف چھایا ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا"۔ سلہ

پروردگارِ عالم کی عبادت کرنا اور بہت سے جھوٹے خداؤں سے بچنا چاہئے

جان لیجئے اور آگاہ ہوجائیے کہ ہمارا اور تمہارا الٰہ تمام جہان والوں یعنی آسمانوں اور زمینوں اور عالم

سلہ دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ ۔ سلہ دفتر اول مکتوب نمبر ...

اعلیٰ واسفل سب کا پروردگار صرف ایک ہی ہے اور وہ بیچون وبیچگون (بے مثل و بے مثال) ہے، شبیہ وماند سے منزّہ اور شکل ومثال سے مبرّا ہے، پدر وفرزند ہونا اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے، اس بارگاہ میں ہمسر اور ہم مثل ہونے کی کیا مجال ہے، اتحاد وحلول کی آمیزش اس کی شان میں عیب ہے اور کمون وبروز یعنی حلول ونزول کے ذریعہ پوشیدہ وظاہر ہونے کا گمان اس جنابِ پاک کے حق میں قبیح ہے وہ زمانی نہیں ہے کیونکہ زمانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور نہ وہ مکانی ہے کیونکہ مکان اسی کا بنایا ہوا ہے، اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کے بقا کی کوئی انتہا نہیں سب قسم کا خیر وکمال اسی کی ذات میں ثابت ہے اور سب قسم کا نقص وزوال اس سے مسلوب ہے، پس عبادت کے لائق وہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔

رام وکرشن وغیرہ جو ہندوؤں کے معبود ہیں اس کی ادنیٰ مخلوقات میں سے ہیں اور ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں، رام جسرتھ کا بیٹا اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے، جب رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کرسکا تو پھر وہ دوسرے کی کیا مدد کرسکتا ہے عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیے ——

(چند سطروں کے بعد) ہمارے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گذرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی ہے اور غیر کی عبادت سے منع کیا ہے اور اپنے آپ کو بندہ اور عاجز جان کر اس کی ہیبت اور عظمت سے ڈرتے اور کانپتے رہے ہیں، اور ہندوؤں کے معبودوں نے مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی اور اپنے آپ کو معبود سمجھا ہے اگرچہ پروردگار کے قائل ہیں لیکن اپنے آپ میں اس کا حلول واتحاد ثابت کیا ہے اور اسی وجہ سے خلق کو اپنی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں اور اپنے آپ کو معبود کہلایا ہے اور بے کھٹکے محرمات میں پڑے ہیں اس خیال سے کہ معبود کے لئے کوئی چیز منع نہیں ہے اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے۔ اس قسم کے بیہودہ اور فاسد خیالات بکثرت رکھتے ہیں، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور انھوں نے اوروں کو بھی گمراہ کردیا، برخلاف پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کہ انھوں نے جن باتوں سے مخلوقات کو منع کیا ہے اُن سے اپنے آپ کو بھی پورے اور کامل طور پر باز رکھا ہے اور اپنے آپ کو تمام انسانوں کی طرح انسان ہی کہتے رہے ہیں ع

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا! (دفتر اول مکتوب ۱۶۷)

بتوں اور طاغوت سے استمداد و طلب حوائج اور کافروں کی رسمیں بجا لانا عین شرک ہے

"دکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے بتوں اور طاغوت (شیطانوں) سے مدد مانگنا جس کا جاہل مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور تراشے ہوئے ونا تراشیدہ پتھروں سے اپنی حاجتیں مانگنا واجب الوجود (حق تعالیٰ جل شانہٗ) کا صاف انکار اور عین کفر ہے، اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس سے انکار کریں، اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کر دے) اکثر عورتیں انتہائی جہالت کی وجہ سے اس قسم کی منع کی ہوئی مدد طلبی میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمی اسموں سے بلیات و مصائب کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں، خاصکر مرض چیچک کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا اور چیچک (ماتا) کہتے ہیں نیک و بد سب ہی عورتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے شاید ہی کوئی عورت ہو گی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان کی مشہور رسموں کو بجا لانا سراسر شرک ہے جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجا لاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں و مشرکوں کی طرح کے ہدیے اور تحفے بیٹیوں اور بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کفار کی طرح اپنے برتنوں کو رنگ کر کے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی ہیں یہ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ (اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے مگر یہ کہ وہ شرک بھی کرتے ہیں)۔

مشائخ کی نذر کر کے حیوانات کو قبروں پر جا کر ذبح کرنے کا حکم

(اس کے بعد فرماتے ہیں) "اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں روایات فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن کے

ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو ممنوعِ شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے، اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں شرک کی بُو پائی جاتی ہے۔ نذر اور منت کے طریقے اور بہت سے ہیں کیا ضرورت ہے کہ حیوان کے ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اس کو ذبح کر کے جن کے ذبیحوں سے ملائیں اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔" (پھر اس کے بعد فرماتے ہیں) :-

حاجت برآری کیلئے پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزے رکھنا

اسی قسم سے عورتوں کے وہ روزے بھی ہیں جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں، اکثر اُن کے ناموں کو اپنی طرف سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں، اور افطار کے وقت ہر خاص روزہ کے لئے ایک مخصوص طریقہ مقرر کرتی ہیں اور ان روزوں کیلئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں، وہ اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلے سے ان (پیروں و بیبیوں) سے مرادیں مانگتی ہیں۔ اور اپنی حاجات کا روا ہونا (مراد ملنا) اُنہی کی طرف سے سمجھتی ہیں، یہ عبادت میں شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلے سے غیر اللہ سے اپنی مرادوں کا طلب کرنا ہے، اس فعل کی بُرائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے، حالانکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-
اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ خاص میرے ہی لئے ہے اور کسی دوسرے کا عبادتِ روزہ میں کوئی حصہ نہیں اگرچہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں ہے لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کے بلند شان ہونے کے باعث ہے جس میں تاکید کے ساتھ شریک کی نفی کی گئی ہے اور یہ جو بعض عورتیں اس فعل کی بُرائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو خدائے تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں یہ اُن کا حیلہ اور بہانہ ہے اگر یہ اس امر میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کو معین کیوں کرتی ہیں اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی بُری وضعوں کا تعین کیوں کرتی ہیں، اکثر اوقات افطار کے وقت محرمات کی مرتکب ہوتی ہیں اور حرام چیز سے افطار کرتی ہیں اور بلا ضرورت سوال و گدائی کر کے اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا اس حرام فعل کے کرنے پر موقوف جانتی ہیں، یہ سب گمراہی اور شیطان لعین کا مکر و فریب ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْعَاصِمُ (اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے) [1]

---

[1] دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱

غیر اللہ کی عبادت نہ کرنا اور شرک سے بچنا تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے

"تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ تعلیمات میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جائے اور کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔ غیر اللہ کی عبادت کی نفی کا حکم دینا سب انبیاء علیہم السلام ہی کی شان ہے اور ان کے متبعین کے سوا اور لوگ اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی اور نے اس قسم کے کلمات نہیں کہے ہیں۔ نبوت کے منکر بھی اگرچہ خدائے تعالیٰ کو ایک ہی کہتے ہیں لیکن ان کا حال ان دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا وہ اہل اسلام کی تقلید کرتے ہیں یا وہ حق تعالیٰ کو واجب الوجود ہونے میں واحد جانتے ہیں نہ کہ عبادت کے استحقاق میں (کیونکہ وہ غیر اللہ کو عبادت کا مستحق جانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں) اور اہل اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ وجود کے وجوب میں بھی واحد ہے اور استحقاق عبادت میں بھی واحد ہے۔ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں باطل خداؤں کی عبادت کی نفی ہے اور معبود برحق کا اثبات ہے۔"[1]

حق تعالیٰ اتحاد وحلول سے پاک ہے

مکتوب ۲۶۶ کے تیسرے عقیدے میں بیان فرماتے ہیں:۔

"اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ صوفیائے کرامؒ کی عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے وہ اُن کی مراد کے برخلاف ہے کیونکہ ان کے اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم گذرتا ہے یعنی اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ سے یہ مراد ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا نہ یہ کہ فقیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے تعالی اللہ سبحانہ عما یتوھم الظالمون علوا کبیرا۔ حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں کہ میں حق ہوں بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔"[2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۹۳۔ [2] دفتر اول مکتوب ۲۶۶۔

مخلوق خالق کا ظہور نہیں ہے | انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام آفاقی و انفسی باطل خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون و بیچگون ہے رہنمائی کرتے ہیں، یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کسی پیغمبر نے ایمانِ تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور مخلوق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب (باطل خداؤں) کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الآیہ (اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اہلِ کتاب کو کہدیں کہ آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مشترک) ہے یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے پس اگر وہ یہ بات نہ مانیں تو کہدیجئے کہ تم اس بات پر گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں) (پ۳ ع ۱۵)

یہ لوگ بے انتہا ارباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب و سنت کو اپنے مطلب کی شہادت میں پیش کرتے ہیں۔"[1]

کوئی مخلوق خالق کا ظل نہیں ہے | حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ واجب و ممکن کے درمیان اصالت و ظلیت کے متعلق ایک سوال قائم کر کے اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "اس قسم کے علوم جو واجب اور ممکن کے درمیان کسی قسم کی نسبت کو ثابت کرتے ہیں شرع میں ان کے ثبوت کے لئے کچھ وارد نہیں ہوا، سب حالتِ سکر کے معارف میں سے ہیں اور حقیقتِ معاملہ تک نہ پہنچنے کے باعث ہیں۔

ع ممکن چہ بود کہ ظلِ واجب باشد

اور واجب تعالیٰ کا ظل کیوں ہو؟ کیونکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گذرتا ہے اور اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شک پیدا ہوتا ہے۔ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال لطافت کے باعث سایہ و ظل نہ تھا تو خدائے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظل کیوں ہو، خارج میں بالذات و بالاستقلال حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ ہی موجود ہیں باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن و مخلوق و حادث ہے اور کوئی مخلوق

[1] دفتر اول مکتوب ۲۵۱

اپنے خالق کا ظل نہیں ہے اور مخلوقیت کی نسبت کے سوا جو کہ شرع شریف میں وارد ہوئی ہے اور کوئی نسبت اپنے خالق کے ساتھ نہیں رکھتی۔ [1]

انسان کے علم و دیگر صفات کو اللہ تعالیٰ کے علم و دیگر صفات کچھ نسبت نہیں۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ انسان میں جو کمالات ہیں وہ سب مرتبۂ وجوب تعالت و تقدست سے مستفاد ہیں، اگر علم ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کے علم سے مستفاد ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ ہے علیٰ ہذا القیاس لیکن ہر مرتبہ کا کمال اس مرتبہ کے اندازہ کے موافق ہے انسان کے علم کو واجب تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں وہ نسبت ہے جو مُردہ کو جو کہ لاشی محض ہے اس زندہ کے ساتھ نسبت ہے جس نے حیاتِ ابدی سے زندگی پائی ہو۔ اسی طرح انسان کی قدرت کو واجب تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں وہ نسبت ہے جو عنکبوت (مکڑی) کو جو کہ اپنا گھر بنتا رہتا ہے اس شخص کے ساتھ نسبت ہے جس کی ایک پھونک سے زمین و آسمان اور پہاڑ وریا پارہ پارہ ہو کر گرد کی طرح اڑ جائیں، دیگر کمالات کی نسبت کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے یہ فرق بھی میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث بیان کیا گیا ہے ورنہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

پس انسان کے کمالات مرتبۂ وجوب کے کمالات کی صورت ہوئے لیکن ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے شارکتِ اسمی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔" [2]

سجدۂ تعظیمی کی ممانعت و برائی

"اور نیز معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں، زمین بوسی پر کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی آفتاب سے زیادہ روشن ہے ان کو منع کریں اور بڑی تاکید کریں کہ اس قسم کے افعال سے بچنا ہر ایک آدمی کے لئے ضروری ہے خاص کر اس شخص کے لئے جو خلق کا مقتدا و پیشوا بنا ہوا ہو۔" [3]

بادشاہوں کیلئے سجدۂ تحیت کا حکم

"اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کا نام ہے اس میں نہایت ذلت و انکسار پایا جاتا ہے اور یہ کامل درجہ کی عاجزی و فروتنی کو شامل ہے اسی لئے اس قسم کی تواضع اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے، شریعتِ مقدسہ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے اس کو جائز نہیں رکھا، منقول ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۱۴۲ [2] دفتر اول مکتوب ۳۱۰ [3] دفتر اول مکتوب ۲۹

راستہ میں تشریف لے جارہے تھے کہ ایک اعرابی نے حاضر ہوکر معجزہ طلب کیا تاکہ ایمان لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت کو جاکر کہو کہ تجھ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بُلاتے ہیں، درخت یہ سُن کر اپنی جگہ سے چلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ اعرابی یہ حال دیکھ کر اسلام لے آیا، پھر عرض کیا یارسول اللہؐ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں اگر حق تعالیٰ کے سوا غیر کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو کہتا کہ وہ مردوں کو سجدہ کریں۔

بعض فقہاء نے اگرچہ بادشاہوں کیلئے سجدۂ تحیۃ یعنی سجدۂ تعظیم جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں اور اس قسم کی ذلت وانکسار حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے پسند نہ کریں حق تعالیٰ نے تمام جہان کو ان کے تابع اور ان کا محتاج بنایا ہے اس نعمت کا شکر بجا لاکر اس قسم کی تواضع کو جس سے کمال درجہ کا عجز وانکسار ظاہر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ مسلّم رکھیں اور اس امر میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں، اگرچہ بعض نے اس امر کو جائز رکھا ہے مگر مناسب ہے کہ ان کا حُسنِ تواضع اس امر کو پسند نہ کرے۔" [1]

تمام عالم اسماء صفاتِ الٰہی کا مظہر ہے | "عجیب وغریب معارف تحریر کئے جاتے ہیں غور سے سُنیں اور اخصِّ خواص کے مراقبہ کا طریق بیان کیا جاتا ہے پوری طرح توجہ فرمائیں۔

جاننا چاہئے کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کا آئینہ ومظہر ہے اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو وہ بھی اسی ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی کی قدرت کا آئینہ ہے عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس لیکن حق تعالیٰ کی ذات کا عالم میں نہ کوئی مظہر ہے نہ کوئی آئینہ بلکہ اس سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے اور نہ ہی کسی چیز میں شراکت ہے اگرچہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ مشارکت صورت میں ہو، اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی وبے نیاز ہے) بخلاف اسماء وصفات کے کہ یہ عالم کے ساتھ اسمی مناسبت رکھتے ہیں

[1] دفتر دوم مکتوب ۹۲

اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے، جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت ہے بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں بذاتِ خود قائم ہونا حاصل نہیں ہے بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی صورتوں پر مخلوق ہے اس لئے سب کا سب عرض ہے اور اس نے جوہر ہونے کی بُو بھی نہیں پائی اور اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے (جیسا کہ عرض کی خاصیت ہے) اور معقول والوں (فلاسفہ) نے جو ممکن کو جوہر و عرض میں تقسیم کیا ہے یہ ظاہر بینی کے سبب سے ہے اور بعض ممکن کا بعض دوسرے ممکن کے ساتھ جو قیام ثابت ہے وہ عرض کا قیام عرض کے ساتھ ہونے کی قسم سے ہے نہ کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہونے کی قسم سے، بلکہ حقیقت میں وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں ہے تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ و تقدس ہی ہے۔"[۱]

اہلِ توحید کی پہچان "کامل توحید پرست لوگ پسندیدہ امور کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے غضب میں آئے ہوئے امور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اپنا ایمان کو چرب و شیریں لقموں کے بدلے فروخت نہیں کرتے اور خوشنما لباس و باریک و اعلیٰ کپڑوں کے لئے غلامی اختیار نہیں کرتے اور اس بات سے شرم رکھتے ہیں کہ شاہی تخت کو تعلقات کی پلیدیوں سے آلودہ کریں اور اس بات سے بھی عار رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں لات و عزّیٰ کو شریک کریں۔ اے بھائی! خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف دینِ خالص طلب کرتے ہیں اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (خبردار خالص اطاعت و عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے) اور شرکت کا غبار پسند نہیں فرماتے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (فرمانِ ایزدی ہے کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو نے شرک کیا تو تیرے بھی سب عمل اکارت جائیں گے) ایک ساعت کے لئے اپنے حالات کی طرف غور فرمائیں اگر آپ کو خالص دین میسر ہو چکا ہے تو آپ کے بشارت و مبارک ہے اور اگر حاصل نہیں ہوا تو واقع کا علاج وقوع سے پہلے پہلے کرنا چاہئے۔"[۲]

---

[۱] دفتر دوم مکتوب ۴۵ [۲] دفتر اول مکتوب ۱۲۴

(رسالت)

بعثتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام | "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں تاکہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف بلائیں اور گمراہی سے راستے پر لائیں جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں، اور جو کوئی انکار کرے اس کو دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور جو کچھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کی طرف پہنچایا اور بتایا ہے سب سچ اور برحق ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ہے۔" [1]

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد | "ہمارے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات جو تعداد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گذرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کرنے کی ترغیب و تبلیغ فرمائی ہے، اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور عاجز جانتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت سے ڈرتے اور کانپتے رہے ہیں۔" [2]

انبیاء علیہم السلام اصولِ دین میں متفق ہیں | "یہ بزرگواران یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اصولِ دین میں متفق ہیں، ذات وصفاتِ باری تعالیٰ، حشر و نشر اور پیغمبروں کا بھیجا فرشتے کا نازل ہونا، وحی کا وارد ہونا، جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا دائمی ہونا ان سب امور کے بارے میں ان سب کا کلام واحد ہے اور ان کا اختلاف صرف بعض ان احکام میں ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر ایک زمانے میں ہر اولوالعزم پیغمبر پر اس زمانہ والوں کے لئے ان کے مناسب بعض احکام کے متعلق وحی بھیجی ہے اور اس زمانے کے لوگوں کو احکام مخصوصہ کے ساتھ تکلیف فرمائی ہے۔ احکامِ شرعیہ میں نسخ اور تبدیلی کا ہونا حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے اور اس قسم کی مثالیں بہت سی ہیں کہ ایک ہی صاحبِ شریعت پیغمبر پر مختلف وقتوں میں متضاد احکام نسخ و تبدیل کے طور پر وارد ہوئے ہیں اور ان بزرگواروں کے متفق علیہ کلمات میں سے یہ ہیں الیٰ آخر المکتوب الشریف۔" [3]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۱۰۔ [2] دفتر اول مکتوب ۱۶۷

[3] دفتر اول مکتوب ۲۶۳

جمیع انبیاء علیہم السلام کا اقرارِ بشریت۔

"دوسرا دعوتی کلمہ جوان بزرگواروں یعنی انبیاء علیہم السلام کا مخصوص (و متفق علیہ) کلمہ ہے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام انسانوں کی طرح بشر جانتے ہیں اور بندگی و عبادت کے لائق صرف حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں اور حق تعالیٰ کو حلول و اتحاد سے پاک کہتے ہیں"۔[1]

نفسِ انسانیت میں انبیاءؑ و غیر انبیاء سب برابر ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت و ذات میں سب باہم متحد ہیں، تفاضل (یعنی انبیاءؑ کا دوسرے انسانوں سے افضل ہونا) صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں صفاتِ کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج اور اس نوع کے فضائل و خصائص سے محروم ہے لیکن اس تفاوت کے باوجود نفسِ انسانیت میں زیادتی و کمی واقع نہیں ہوتی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب"۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

"اے بھائی! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بلندیٔ شان کے باوجود بشر تھے اور حدوث و امکان کی صفت سے متصف تھے۔ بشر خالقِ بشر کی حقیقت کیا دریافت کرسکتا ہے اور ممکن واجب کی نسبت کیا معلوم کرسکتا ہے اور حادث، قدیم جل شانہٗ کا کس طرح احاطہ کرسکتا ہے لَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا نصِ قاطع ہے"۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکیدِ اظہارِ بشریت

"حاصل کلام یہ کہ اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی مَلَکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے امر فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے) لفظ مِثْلُکُمْ کا لانا تاکیدِ بشریت کے لئے ہے، وجودِ عنصری سے رحلت فرما جانے کے بعد حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی جانب غالب آگئی اور بشریت کی مناسبت کم ہوگئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہوگیا، بعض اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۹۳۔ [2] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ عقیدہ ۱۹۔ [3] دفتر اول مکتوب ۱۷۳۔

فرمایا ہے کہ ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تفاوت پایا — ہاں (کیوں نہ ہو جبکہ) ایمانِ شہودی ایمانِ غیبی سے بدل گیا اور معاملہ آغوش سے گوش تک آپہنچا اور دیکھنے کی بجائے سننے کی نوبت آگئی"۔ ؎۱

اسقدر بلندئ شان کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائرۂ امکان میں ہیں

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر بلندئ شان، جاہ وجلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہیں اور ہرگز کبھی امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ نہیں ملیں گے کیونکہ یہ امر الوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کا موجب ہے، اللہ تعالیٰ ہمسر و شریک ہونے سے برتر و اعلیٰ ہے جو کچھ نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں دعویٰ کیا ہے وہ اہلِ اسلام کو چھوڑ دینا چاہیے"۔ ؎۲

دعوتِ انبیاء کی عمومیت اور اہلِ ہند میں انبیاء کا مبعوث ہونا

" اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا نور پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کے بیچ میں دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے، اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرتے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم ہی کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو یہاں تک کہ زمینِ ہند میں بھی جو کہ اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم و محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر صرف ایک ہی آدمی ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں اور بعض پر صرف تین آدمی ایمان لائے ہیں، تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہندوستان میں کسی ایک پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تا کہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوتے، اور ہند کے سردارانِ کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات و تنزیہات و تقدیسات کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ سب قندیلِ نبوت کے

؎۱ دفتر اول مکتوب ۲۰۹۔ ؎۲ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲۔

انوار سے لیا گیا ہے کیونکہ گذشتہ امتوں میں ہر زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گذرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفاتِ ثبوتیہ و تنزیہات و تقدیسات کی نسبت خبر دی ہے اگر ان بزرگ پیغمبروں کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ان بدبختوں (کافروں) کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کہ کفر و معاصی کی ظلمتوں سے آلودہ ہے اس دولت کی طرف کب ہدایت پاتی؟ الی آخرہ[1]

انبیاء علیہم السلام کی بعثت سراسر رحمت ہے

ؒ انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہے اگر ان بزرگواروں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اس واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کی طرف کون ہدایت کرتا اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کی مرضیات و نامرضیات میں کون تمیز کرتا، ہماری ناقص عقلیں ان بزرگواروں کے نورِ دعوت کی تائید کے بغیر معزول و بیکار ہیں اور ہمارے ناتمام اور ادھورے فہم ان کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں ذلیل و خوار ہیں، ہاں عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبۂ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے، حجتِ بالغہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب و ثواب وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو رحمتِ عالمیان کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب: بعثت عین رحمت ہے کیونکہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے جو کہ دنیا و آخرت کی سعادتوں کو شامل ہے اور بعثت کی بدولت معلوم ہو گیا ہے کہ فلاں چیز حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے مناسب ہے اور فلاں چیز نامناسب ہے کیونکہ ہماری اندھی اور لنگڑی عقل جو حدوث و امکان کے داغ سے داغدار ہے اس کو کیا معلوم کہ اس حضرتِ وجوب کیلئے جس کے واسطے قدم لازم ہے اسماء، وصفات و افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب تاکہ ان مناسب اسماء و صفات سے اطلاق کیا جائے اور ان نامناسب اسماء و صفات سے پرہیز کیا جائے بلکہ بسا اوقات اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان جانتی اور نقص کو کمال جانتی ہے، یہ تمیز فقیر کے نزدیک تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے

[1] دفتر اول مکتوب ۲۵۹۔

وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو نامناسب امور کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے اور ناشائستہ اشیاء کو حضرت حق سبحانہٗ کے ساتھ نسبت دے، بعثت کی بدولت حق باطل سے جدا ہوا ہے اور بعثت ہی کی وجہ سے عبادت کے مستحق اور غیر مستحق میں تمیز ہوئی ہے اور بعثت ہی ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت کرتے ہیں اور بندوں کو مولیٰ جل سلطانہٗ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتے ہیں اور بعثت کے ذریعہ حق تعالیٰ کی مرضیات پر اطلاع میسر ہوتی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور بعثت ہی کے طفیل حق تعالیٰ کی مِلک میں تصرف کے جائز ہونے اور ناجائز ہونے میں تمیز ہوتی ہے، بعثت کے اس قسم کے فائدے بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعثت سراسر رحمت ہے اور جو شخص اپنے نفسِ امارہ کی خواہش کے تابع ہو جائے اور شیطان ملعون و مردود کے حکم سے بعثت کا انکار کر دے اور بعثت کے موافق عمل نہ کرے تو بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہ ہوگی۔[1]

بعثتِ انبیاءؑ کے فوائد اور پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر رہنے والوں اور زمانۂ فترتِ انبیاء کے مشرکین اور دارِ حرب کے مشرکوں کی اولاد کے حساب آخرت کا حکم

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بھیجنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور اس نعمت کے دینے والے یعنی حق تعالیٰ کا اعتقاد کس دل سے ظاہر کیا جائے اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اس نعمتِ عظمیٰ کا بدلہ اعمالِ حسنہ کے ذریعہ سے ادا کر سکیں، اگر ان بزرگوں کا وجود شریف نہ ہوتا تو ہم بے سمجھوں کو صانع جل شانہٗ کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا۔

یونان کے قدیم فلسفیوں نے اس قدر دانا ہونے کے باوجود صانع جل شانہٗ کے وجود کی طرف ہدایت نہیں پائی اور کائنات کے وجود کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا اور جب انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے انوار روز بروز بلند ہوتے گئے تو متاخرین فلسفیوں نے اُن انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کا رد کیا اور صانع جل شانہٗ کے وجود کے قائل ہو گئے اور انھوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا۔ پس ہماری عقلیں انوارِ نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے برطرف ہیں اور ہماری فہم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجود کے وسیلے کے سوا اس معاملہ سے دُور ہیں، پھر

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ بارھواں عقیدہ۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے اصحاب ماتریدیہ نے بعض امور مثلاً صانع تعالیٰ کے وجود کے اثبات اور اس کی وحدت کے بارے میں عقل کے استقلال و کافی ہونے سے کیا مراد لی ہے کہ انہوں نے شاہق جبل (پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے بت پرست کو ان دونوں امور (یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت) کیلئے مکلّف ٹھیرایا ہے اگرچہ اس کو پیغمبرؑ کی دعوت نہیں پہنچی اور ان دونوں امور میں اس کے نظر و فکر کو ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم دیا ہے، حالانکہ ہم ظاہری تبلیغ اور حجت بالغہ کے بغیر جو کہ رسولوں کے بھیجنے پر وابستہ ہے کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا صحیح نہیں سمجھتے بیشک عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے لیکن یہ حجت ہونے میں اتنی کامل حجت نہیں ہے جس پر شدید ترین عذاب مترتب ہو سکے۔

سوال: اگر پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا شخص جو کہ بت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گا تو پھر وہ بہشت میں جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ بہشت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے) اور جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی واسطہ (یعنی ہمیشہ رہنے کی جگہ) ثابت نہیں ہوا ہے (کیونکہ) اصحاب اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے پس ہمیشہ کا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں۔

یہ سوال بہت مشکل ہے میرے اس فرزند ارشد نے آپ کو معلوم ہے کہ آپ مدت تک اس فقیر سے بار بار یہ سوال دریافت کرتے رہتے تھے اور تسلی بخش جواب نہیں پاتے تھے، اور صاحب فتوحات مکیہ نے اس سوال کے حل میں جو کچھ کہا ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کو (حق تعالیٰ کی طرف) دعوت کے لئے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے اور ان کے اس دعوت کے رد و قبول کے موجب دوزخ و بہشت کا حکم کیا ہے، وہ اس فقیر کے نزدیک مستحسن نہیں ہے کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار تکلیف کہ جس کے لئے پیغمبر مبعوث کیا جائے۔ بہت مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی فرمائی اور اس معمہ کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے

نہ دوزخ میں، بلکہ آخرت میں زندہ کئے جانے اور اٹھائے جانے کے بعد ان کو حساب کے مقام میں رکھ کر ان کے گناہوں کے اندازہ کے موافق عتاب و عذاب دیں گے اور بندوں کے حقوق پورے کرنے کے بعد غیر مکلّف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشئ محض کر دیں گے، پس ان میں سے خلود (ہمیشگی) کس کے لئے ہے اور مخلد کون ہوگا، اس عجیب و غریب معرفت کو جب (واقعہ میں) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس کو قبولیت عطا فرمائی، وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے)۔

فقیر پر یہ بات بہت گراں گذرتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی کمال شفقت و رحمت کے باوجود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے ظاہری طور پر احکام دین پہنچائے بغیر صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی بہت گنجائش ہے اپنے بندہ کو ہمیشگی کی آگ میں ڈال دے اور دائمی عذاب میں گرفتار کرے جس طرح کہ اس مشرک بندہ کیلئے شرک کے باوجود جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا گراں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کا قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے پس حق وہی ہے جو مجھے الہام کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اس کے محاسبہ کی تکمیل کے بعد اس کو معدوم کر دیا جائے گا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور فقیر کے نزدیک دارِ حرب کے مشرکوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر (یعنی ماں باپ وغیرہ کے اتباع سے حاصل ہو) اگرچہ تبعیتِ دارالاسلام ہی ہو جیسا کہ ذمی کافروں کی نابالغ اولاد کو، اور ان (مشرکین دار الحرب کی نابالغ اولاد) کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس ان کا بہشت میں داخل ہونا متصور نہیں ہے اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف (مکلّف ہونا) ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے پس ان کا حکم حیوانوں کے حکم کی طرح ہے کہ ان کو حساب کے لئے بعث و نشور کے بعد حقوق پورا کر کے معدوم و نیست و نابود کر دیں گے، اور ان مشرکوں کے حق میں جو پیغمبروں کی فترت (انقطاع) کے زمانہ (دو پیغمبروں کے درمیانی زمانہ) میں ہوئے ہیں جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی ہے یہی حکم ہے۔"[1]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۵۹۔

شانِ محبوب | مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصودِ ذاتی اور مدعوِ اوّلی (یعنی سب سے پہلے بلائے ہوئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ وہ مراد ہوں یا مرید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے طفیل بلایا گیا ہے لَوْلَاہُ لَمَا خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ وَلَمَا اَظْھَرَ الرَّبُوْبِیَّۃَ (اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر کرتا) چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے مقصودِ اصلی ہیں اس لئے سب ان کے محتاج ہیں اور انہی کے ذریعہ فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں اس لحاظ سے اگر سب کو آل کہیں تو بجا و درست ہے کیونکہ سب ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلہ کے بغیر کمال حاصل نہیں کر سکتے، جب ان سب کا وجود ان کے وسیلے کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں ان کے وسیلے کے بغیر کس طرح متصور ہو سکتے ہیں ہاں محبوبِ رب العالمین اسی شان کا ہونا چاہیئے، ذرا کان لگا کر سنیں، کشف کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت حق تعالیٰ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون و اعتبارات کے بغیر حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت سے تعلق رکھتی ہے اور جس کے سبب حق تعالیٰ کی ذات محبوب ہے برخلاف دوسروں کی محبوبیت کے جو اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات کے ساتھ ہے یا اسماء و صفات یا اسماء و صفات کے ظلال کے ساتھ علیٰ تفاوتِ درجات ہے ؎

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

(پس بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے کوئی زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی)"[1]

حقوق و مراتب و ثنائے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم | "اس ذات پاک (اللہ تعالیٰ) نے اپنی تعریف آپ ہی کی ہے اور اپنی حمد کو آپ ہی بیان کیا ہے وہ ذات پاک آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے، تمام کائنات جس کی حمدِ مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی حمد کا حق ادا نہ کر سکنے کا اظہار فرماتے ہیں جو کہ قیامت کے دن لوائے حمد کے اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے حضرت آدمؑ اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے

[1] دفتر سوم مکتوب ۱۲۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں تمام مخلوقات سے افضل و اکمل، مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور کمال میں سب سے زیادہ جامع اور جمال میں سب سے زیادہ کامل اور حسن میں سب سے زیادہ اکمل قدر میں سب سے زیادہ بلند، بزرگی و شان میں سب سے زیادہ عظیم، دین میں سب سے زیادہ مضبوط ملت میں سب سے زیادہ راست، حسب میں سب سے زیادہ کریم و بزرگ، نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے زیادہ معزز ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر فرماتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی ابھی آدم علیہ السلام کے پتلے کے لئے گندھی ہوئی مٹی تیار ہوئی تھی) قیامت کے دن آپ تمام نبیوں کے خطیب اور امام اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے، آپ نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے کہ ظہور کے اعتبار سے ہم ہی (دنیا میں) سب سے آخر میں ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے سابق (اول) ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب اور خاتم النبیین ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے نکلیں گے تو سب سے اول میں ہی نکلوں گا اور جب وہ گروہ در گروہ ہو جائیں گے تو ان کا قائد میں ہی ہوں گا اور جب وہ خاموش کئے جائیں گے تو ان کی طرف سے خطیب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ روکے جائیں گے تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا اور جب وہ رحمت و کرامت سے ناامید ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری دوں گا۔ اس روز کرامت اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔"[1] ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:-

" مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

بیشک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدمؑ کی اولاد کے سردار ہیں، اور قیامت کے روز سب سے زیادہ آپ ہی کے تابعدار ہوں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین و آخرین میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں، آپ قیامت کے روز سب سے اول قبر سے نکلیں گے اور آپ ہی سب سے اول شفاعت کرنے والے ہوں گے اور سب سے اول آپ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ ہی سب سے اول جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لئے

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷

جنت کا دروازہ کھول دے گا، آپ ہی قیامت کے دن لواءِ حمد کے اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے سب انبیاء علیہم السلام ہوں گے، وہ آپ ہی کی ذاتِ مبارک ہے جنھوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ ظہور کے اعتبار سے ہم (سب انبیاء علیہم السلام سے) آخر میں ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے اول ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا ہوں اور میں حبیب اللہ ہوں اور تمام رسولوں کا قائد (پیشرو) ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، اور میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، بیشک اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہتر مخلوق میں پیدا کیا پھر ان کو دو گروہ بنایا اور مجھے ان میں سے اچھے گروہ میں بنایا، پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے اچھے قبیلے میں بنایا پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بہتر گھر والوں میں پیدا کیا پس میں بلحاظِ ذات و بلحاظِ بیت ان سب سے بہتر ہوں اور جب لوگ قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے اول قبر سے نکلوں گا اور جب وہ گروہ گروہ بنائے جائیں گے تو میں ان کا قائد و پیشوا ہوں گا اور جب وہ خاموش ہو جائیں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ روکے جائیں گے تو میں ہی ان کی شفاعت کروں گا اور جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری دوں گا۔

اس روز کرامت اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی، اور اس روز لواءِ حمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور اپنے رب کے روبرو تمام اولادِ آدم سے بزرگ ترین ہستی میں ہی ہوں گا ایک ہزار خوش رنگ و خوش شکل خادم میرے گرد طواف کریں گے، اور جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور اُن کا خطیب اور ان کا شفیع ہوں گا اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو پیدا نہ فرماتا تو خلقت کو پیدا نہ فرماتا، اور آپ اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی ابھی آپ کے پتلے کیلئے مٹی گوندھی گئی تھی) ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو کہ دارد چنیں سیدِ پیشرو [1]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۴

ختمِ نبوت تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کا دین تمام گذشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گذشتہ کتابوں سے بہترین ہے آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک باقی رہے گی حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماکر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی ہوکر رہیں گے۔" [1]

کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا "انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل متبعین کمال متابعت اور کثرتِ محبت کے باعث بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت وبخشش سے اپنے اتباع کردہ انبیاء کے تمام کمالات کو جذب کرلیتے ہیں اور پورے طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں یہاں تک کہ اتباع کردہ انبیاء اور اتباع کرنے والے اولیا کے درمیان اصالت وتبعیت اور اولیت وآخریت کے سوا کچھ فرق نہیں رہتا، اس امر کے باوجود کوئی تابع (اتباع کرنے والا) خواہ وہ افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہو کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا اگرچہ وہ نبیوں میں سب سے کم درجہ کا نبی ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اُن کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے نیچے ہوگا جو تمام پیغمبروں میں نیچے درجہ کا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیائے کرامؑ اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں اور تمام اعلیٰ واسفل امتوں اور ان کے ارباب کے مبادیٔ تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجے کے موافق ہیں پس اصل اور ظل کے درمیان مساوات کس طرح ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (بیشک ہمارا وعدہ ہمارے رسولوں کے لئے پہلے صادر ہوچکا ہے کہ وہ فتحیاب ہیں اور بیشک ہی ہمارا لشکر غالب ہے)۔" [2]

انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء اللہ محفوظ ہیں "نیز آپ نے اس قول اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ (جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا) کے معنی پوچھے تھے ـــــ جاننا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس بندۂ محبوب سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا کیونکہ اولیاء اللہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں اگرچہ اُن سے

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۱۲۔ [2] دفتر اول مکتوب ۲۴۸

گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو کہ گناہوں سے معصوم و پاک ہیں ان حضرات سے گناہ کے صادر ہونے کا امکان بھی سلب کر لیا گیا ہے۔ جب اولیاء اللہ سے گناہ صادر نہ ہو تو یقین ہے کہ گناہ کا ضرر بھی نہیں ہوگا پس گناہ کے صادر نہ ہونے کی صورت میں لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ درست ہے کما لا یخفی علی ارباب العلم۔ اور نیز ہو سکتا ہے کہ گناہ سے مراد سابقہ گناہ ہوں جو ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوئے ہوں فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو منقطع کر دیتا ہے) اور حقیقت امر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" [۱]

(ملائکہ)

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور معصوم ہیں فرشتے خدائے تعالیٰ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کو حکم کرتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے) وہ کھانے پینے سے پاک اور توالد و تناسل سے منزہ و مبرا ہیں اور قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ مردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے بزرگ و شریف مانا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے واسطے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے جس طرح بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف فرمایا ہے، اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے بعض کو رسول چن لیتا ہے) تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں، امام غزالیؒ و امام الحرمین [۲] اور صاحب فتوحات مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ عام فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے کہ فرشتہ کی ولایت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے افضل ہے لیکن نبوت اور رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے کہ جس تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے اور وہ درجہ عنصر خاک کی راہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالات ولایت، کمالات نبوت کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت کی

۱؎ دفتر دوم مکتوب ۴۲ ـ ۲؎ عبدالملک جوینیؒ

ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، مگر ایسا نہیں ہے، پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہے جو ولایت کی راہ سے حاصل ہو پس افضلیتِ مطلق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لئے ہے پس بہتر وہی ہے جو جمہور علمائے کرام شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کہا ہے۔ اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے[1]

ایک اور مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فرشتے خدائے تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں حق تعالیٰ کے امر کی نافرمانی کرنا ان کے حق میں جائز نہیں جس چیز کا ان کو حکم ہے اس کو بجالاتے ہیں، عورت مرد ہونے سے پاک ہیں توالد و تناسل ان کے حق میں مفقود ہے یعنی ان کو حق تعالیٰ نے رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور وحی کی تبلیغ سے مشرف فرمایا ہے، پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں کے پہنچانے والے بھی یہی ہیں جو خطا و خلل سے محفوظ ہیں اور دشمن کے مکر و فریب سے معصوم، جو کچھ انہوں نے حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے سب صدق و صواب ہے اس میں کسی قسم کا اشتباہ و احتمال نہیں، حق تعالیٰ کی عظمت و جلال سے ڈرنے اور اس کے احکامات کی تعمیل کرنے کے سوا کچھ کام نہیں کرتے۔"[2]

کتبِ آسمانی

قرآن مجید نفسی و لفظی دونوں حیثیت سے کلام الٰہی ہے	قرآن مجید حق تعالیٰ کا کلام ہے جس کو حروف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے

اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا حکم کیا ہے، جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو حلق و زبان کے ذریعہ حروف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نفسی کلام کو حلق و زبان کے واسطہ کے بغیر اپنی قدرتِ کاملہ سے حروف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ اٹھارہواں عقیدہ۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۱۵

نواہی کو حروف و آوازوں کے ضمن میں لا کر ظاہر فرمایا ہے، پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول حقیقت ہے اور قسم دوم مجاز کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے۔" سلہ

قرآن مجید و دیگر آسمانی کتب حق تعالیٰ کا کلام ہیں | اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو گذشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی ہیں سب حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں و صحیفوں میں درج ہے سب اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جن کے ساتھ اپنے بندوں کو ہر وقت کے موافق مکلف فرمایا ہے۔" سلہ

مسئلہ خلق قرآن | حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور رد و بدل فرماتے رہے، چھ مہینے کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اتنی مدت بحث و مباحثہ اسی لئے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ صاف اور واضح نہیں ہوتا تھا اب چونکہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر نزاع کا موجب حروف و کلمات ہیں جو کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو وہ بیشک حادث و مخلوق ہیں اور اگر کلام سے مراد مدلولات ہیں تو قدیم اور غیر مخلوق ہیں، یہ تنقیح مختلف فکروں کے ملنے کی برکت سے ہے۔" سلہ

(قدر خیر و شر)

قضا و قدر کے اسرار | درود و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ مسئلہ قضا و قدر میں اکثر لوگ حیران اور گمراہ ہو رہے ہیں اور اس مسئلہ کے اکثر ناظرین پر باطل وہم و خیال غالب ہیں حتیٰ کہ جو کچھ افعال بندہ سے اپنے اختیار کے ساتھ صادر ہوتے ہیں ان کے بارے میں بعض (یعنی جبریہ) نے کہا ہے کہ یہ محض جبر ہے اور بعض (یعنی قدریہ) بندہ کے افعال کو خدائے واحد قہار کی طرف منسوب نہیں کرتے ان دونوں گروہوں (یعنی جبریہ و قدریہ) نے دو رائے اختیار ہیں جبکہ صراط مستقیم اور راہ راست سے اعتدال اور میانہ روی کو چھوڑ کر افراط و تفریط کو اختیار

۱، ۲ـــه دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۸ ـــ ۳ـــه دفتر سوم مکتوب ۸۹

کیا ہے اس اعتدال و میانہ روی کے راستے سے موافقت فرقۂ ناجیہ نے کی ہے جو کہ اہل سنت و جماعت ہیں رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَعَنْ اَسْلَافِھِمْ وَاَخْلَافِھِمْ۔ پس ان حضرات نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط و میانہ روی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی امر اپنے بندوں کے سپرد کیا ہے، انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر ہے کہ اپنی ربوبیت اپنے بندوں کے سپرد کر دے۔ پھر امام ابوحنیفہؒ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ ان کو اس پر مجبور کرتا ہے؟ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ عدالت سے بعید ہے کہ پہلے بندوں کو کسی بات پر مجبور کرے پھر ان کو اس پر عذاب دے۔ پھر عرض کیا کہ یہ بات کس طرح پر ہے؟ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بین بین ہے، نہ بالکلیہ جبر ہے نہ تفویض (سپرد کرنا) اور نہ اکراہ ہے نہ تسلیط (مسلط کرنا)۔

(حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں) اسی لئے اہل سنت فرماتے ہیں کہ بندوں کے اختیاری افعال خلق و ایجاد کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور دوسری حیثیت یعنی کسب و اکتساب کی رُو سے بندوں کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ پس بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت ہونے کے اعتبار سے خلق کہتے ہیں بندہ کی قدرت کی طرف نسبت ہونے کے اعتبار سے اس کو کسب کہتے ہیں۔" الی آخر المکتوب"[1]

بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

"حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے، وہ افعال خیر ہوں یا شر، سب اسی کی تقدیر سے ہیں لیکن خیر سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں، اگرچہ دونوں اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ صرف تنہا شر کو ادب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے اور خالقِ شر نہ کہنا چاہئے، بلکہ خالقِ خیر و شر کہنا مناسب ہے، اسی طرح علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کہنا چاہئے، خَالِقُ الْقَاذُوْرَاتِ وَالْخَنَازِیْرِ نہ کہنا چاہئے

[1] دفتر اول مکتوب م۲۸۹۔

کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی پاک جناب کی بے ادبی ہے، معتزلہ ثنویت یعنی دوئی و بیگانگی کے باعث بندہ کو افعال کا خالق جانتے ہیں اور فعل کے خیر و شر کو بندہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، شرع اور عقل ان کی تکذیب کرتی ہے، ہاں علمائے حق نے بندہ کی قدرت کو اس کے فعل میں داخل کیا ہے اور اس کا کسب بندہ میں ثابت کیا ہے، کیونکہ حرکتِ مرتعش یعنی بے اختیاری حرکت اور حرکت مختار میں فرق واضح ہے، حرکتِ ارتعاش یعنی بے اختیاری حرکت میں بندہ کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکت اختیاری میں دخل ہے، اسی قدر فرق مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عقاب کو ثابت کرتا ہے۔ اگر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو بیچارہ اور عاجز جانتے ہیں تو انھوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا۔ بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا ان معنی کے لحاظ نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ چاہے کرے اور جو کچھ نہ چاہے نہ کرے یہ بات بندگی سے دور ہے بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے مثلاً نماز پنجوقتی ادا کر سکتا ہے؟ چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکتا ہے اور بارہ مہینوں میں ایک (مقررہ) مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں خرچ و سواری کے ہوتے ہوئے ایک بار حج کر سکتا ہے اسی طرح باقی احکام شرعی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندہ کی ضعف و ناطاقتی کو دیکھ کر سہولت و آسانی کو مد نظر رکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا) اور فرماتا ہے يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) انسانِ ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور سخت تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا؟ [1]

قضائے مبرم و قضائے معلق اللہ اللہ تعالیٰ آپ کو رشد و ہدایت نصیب فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ قضا دو قسم پر ہے قضائے معلق و قضائے مبرم، قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۹

(میرا قول تبدیل نہیں کیا جاتا) یہ آیتِ مبارکہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے اور قضائے معلّق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتٰبِ (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس لوحِ محفوظ ہے)۔

میرے حضرت قبلہ گاہی (پیر و مرشد) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی شخص کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس میں بھی تصرف کر دوں اور اس بات پر بہت تعجب کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے۔ یہ نقل مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا (اس طرح پر کہ) ایک دن ایک بلیّہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو ایک دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی، اس وقت بڑی التجا و عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو (کشف و الہام سے) معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر کے ساتھ معلّق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے، اس بات سے ایک طرح کی یاس و ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محی الدین قدس سرہ کی بات یاد آئی، دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلّق (بھی) دو طرح پر ہے، ایک وہ جس کا معلّق ہونا لوحِ محفوظ پر ظاہر کر دیا گیا ہے اور فرشتوں کو اس کی اطلاع دیدی ہے اور دوسری وہ قضا کہ جس کا معلّق ہونا صرف خدائے تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور بس، اور لوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلّق کی اس دوسری قسم میں پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت سید قدس سرہ کی بات بھی اسی اخیر قسم سے ہے۔ جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ کہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف و تبدّل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی بہت کم ہے تو پھر اس میں کوئی تصرف کیسے کر سکتا ہے اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی اس قسمِ اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیّہ کو (اس فقیر کی دعا سے) دفع فرما دیا ہے۔ [1]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۱۷۔

(یوم آخرت و بعث بعد الموت)

یوم آخرت پر ایمان | جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے یعنی قبر کا عذاب اور اس کی تنگی، منکر نکیر کا سوال، جہان کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹ جانا، ستاروں کا پراگندہ ہونا، زمین و آسمان و پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور مرنے کے بعد زندہ ہوکر اٹھنا، روح کا جسم میں واپس ڈالنا، قیامت کا زلزلہ اور خوف، عملوں کے حساب کے وقت اعمال پر اعضا کی شہادت، نیک و بد اعمال کا دائیں و بائیں ہاتھ میں اڑکر آنا اور بُرے بھلے اعمال کے تولنے کے لئے میزان کا رکھنا اور اس کے ذریعہ برائیوں اور بھلائیوں کی کمی بیشی معلوم کرنا، اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوا تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہوا تو خسارہ کا نشان ہے۔ اس میزان کا ہلکا اور بھاری ہونا دنیا کی میزان کے بھاری و ہلکا ہونے کے برخلاف ہے وہاں جو پلہ اوپر کو جائے گا وہ بھاری ہوگا اور جو پلہ نیچے ہوگا خفیف اور ہلکا ہوگا یہ سب کچھ سچ اور درست ہے[۱]

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت حق ہے، پلصراط حق ہے، بہشت جو مومنوں کے آرام کے لئے ہے اور دوزخ جو کہ کافروں کے عذاب کے لئے تیار کیا گیا ہے دونوں مخلوقِ خدا ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گے فانی نہ ہوں گے۔ مومن گنہگاروں کو گناہوں کے موافق عذاب دیکر دوزخ سے نکال لیں گے اگر ذرہ بھر بھی ایمان دل میں ہوگا تو اس کی برکت سے دوزخ سے نکال لیں گے، مومنوں کا حق تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت و بے مقابلہ و بے کیفیت و بے احاطہ دیکھنا حق ہے آخرت کی اس رویت پر ہمارا ایمان ہے اور اس کی کیفیت ہم نہیں جانتے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت بیچون ہے اور اس جہان میں اس کی حقیقت اربابِ چون پر ظاہر نہیں ہوتی اس پر ایمان لانے کے سوا ان کے نصیب اور کچھ نہیں[۲]

آخرت میں دیدارِ باری تعالیٰ، عذابِ قبر و سوال منکر نکیر، پل صراط و میزان وغیرہ یہ سب برحق ہیں

مکتوب ۴۴ دفتر سوم میں دیدارِ آخرت کے منکروں کے شبہات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، آخر میں فرماتے ہیں: "علمائے اہلِ سنت و جماعت تمام احکامِ شرعیہ کا اثبات کرتے ہیں خواہ ان احکام کی

[۱] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۱۲ [۲] ایضاً عقیدہ ۸ و ۱۱ تا ۱۳ ملخصاً۔

عقلی دلیل معلوم ہو یا نہ ہو، ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کے باعث ان احکام کی نفی نہیں کرتے، مثلاً عذابِ قبر و سوال، منکر نکیر و پل صراط اور اعمال کا وزن کیا جانا وغیرہ، جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں عاجز ہیں۔ ان بزرگوں نے کتاب و سنت کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنایا ہے اور اپنی عقلوں کو اس کے تابع کر دیا ہے اگر وہ ادراک کر سکتے ہیں تو بہتر ہے ورنہ احکامِ شرعیہ کو (بے چون و چرا) قبول کر لیتے ہیں اور اپنے عدمِ ادراک کو اپنے قصورِ فہم پر محمول کرتے ہیں۔ دوسروں کی طرح یہ نہیں کرتے کہ جو کچھ ان کی عقلیں قبول کر لیں اور پا سکیں اس کو وہ قبول کر لیں اور ان کی عقلیں جس کا ادراک نہ کر سکیں اس کو قبول نہ کریں۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی لئے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بیچون و بیچگون کے بعض پسندیدہ مطالب کے سمجھنے سے عقلیں قاصر ہیں، عقل ہر چند حجت ہے لیکن حجتِ کاملہ نہیں ہے حجتِ کاملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پوری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں کسی کو عذاب نہیں دیتے) الخ[1]

شبِ معراج میں رویتِ باری کا حکم "شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویتِ باری تعالیٰ دنیا میں واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رات جب مکان و زمان کے دائرہ سے باہر ہو گئے اور تنگیٔ مکان سے نکل گئے تو ازل و ابد کو آنِ واحد پایا اور ابتدا و انتہا کو ایک نقطہ میں متحد دیکھا، اہلِ بہشت کو جو کہ کئی ہزار سال کے بعد بہشت میں جائیں گے بہشت میں دیکھ لیا، عبدالرحمٰن بن عوف کو جو کہ فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پانسو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھا کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد بہشت میں آ گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ آخرت کی رویت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو (دنیا میں) رویت کے عدمِ وقوع پر ہوا ہے اور اس کو رویتِ دنیوی کہنا مجاز کے طور پر ہے اور ظاہر پر مبنی ہے، واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلہا۔"[2]

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۳۶۔ [2] دفتر اول مکتوب ۲۸۳

بہشت میں رویت باری تعالیٰ کے متعلق حضرت مجددؒ کا مکشوف

جاننا چاہیے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر ایک بہشتی شخص کی رویت بھی اُس اسم الٰہی جل شانہٗ کے اندازہ کے موافق ہوگی جو اس شخص کا مبدا تعین و تشخص ہے اور بہشتی درختوں، نہروں اور حور و غلمان کے لباس میں ظاہر ہوا ہے، اس طرح پر کہ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ جل شانہٗ کے کرم سے یہ درخت و نہریں وغیرہ جو اس اسم مقدس کے مظاہر ہیں کچھ عرصے کے لئے عینک کا حکم پیدا کرلیں گے اور اس شخص کے لئے بے کیف رویت کی دولت کا وسیلہ ہو جائیں گے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے اور اس کو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے اور اسی طرح ابدالآباد تک ہوتا رہے گا۔

تجلی ذاتی برقی کی طرح جس کو صوفیہ نے اس جہان میں ثابت کیا ہے حضرت ذات تعالیٰ شانہٗ کی تجلی اس دولت کے سعادت مندوں کے لئے ہمیشہ اسماء و صفات کے پردہ میں ہوتی رہتی ہے لیکن کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ان اسماء و صفات کا حجاب دور ہو جاتا ہے اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس اسماء و صفات کے پردہ کے بغیر جلوہ گر ہوتی ہے اور چونکہ وہ اسم الٰہی جل شانہٗ حضرت ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اس لئے ہر شخص کی رویت کا تعلق بھی اسی اعتبار ذاتی کے ساتھ ہوگا جو اس شخص کا رب (مربی) ہے۔ اس مضمون سے کوئی شخص ذات حق تعالیٰ کے اجزا اور ٹکڑے ہونے کا وہم نہ کرے کیونکہ ذات جل شانہٗ بتمامہ وہ اعتبار ہے نہ یہ کہ ذات کا بعض حصہ تو وہ اعتبار ہے اور بعض حصہ کوئی دوسرا اعتبار ہے کیونکہ یہ نقص اور حادث ہونے کی علامت ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک و برتر ہے)۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بتمامہ علم اور تمام کی تمام قدرت اور کلی طور پر ارادہ ہے اور اگرچہ ہر ایک اعتبار تمامہ ذات ہے لیکن مرئی (نظر آنے والا) وہی اعتبار ہے نہ کہ دوسرے اعتبارات، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) کا راز اسی جگہ تلاش کرنا چاہیے[1]۔

---

[1] مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰۔

نفلی عبادت کا ایصالِ ثواب کرنا بہتر ہے | "نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ کلام اللہ ختم کرنا اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ، استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے؟ واضح ہو کہ بخشنا بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور غیر کا بھی اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کے طفیل قبول کر لیں اور نہ بخشنے میں اپنا ہی نفع ہے والسلام"۔ [1]

ارواحِ موتی کو صدقہ کرنے کی کیفیت | "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔

ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مُردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میتِ مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی، جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا تو پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی بعد ازاں اس میت کی روحانیت کی نیت کر کے دیدیا، اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی، اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی و کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن اس میت میں خوشی اور سرور ظاہر نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طفیلی بنایا اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی معلوم نہ ہوئی۔ اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی دفعہ میں تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ظاہر نہ ہوتی تھی، حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت سے دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بیشک تیرا رب بڑی بخشش والا ہے) ——— مدت تک یہ اشکال دل میں کھٹکتا رہا کہ اس صورت میں ناخوشی و ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ

[1] دفتر دوم مکتوب ۲۲

ناخوشی و کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ شرکت کے بغیر مردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا، اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کریگا تو میت کو کیا نفع ہوگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر اس شخص کے لیے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت کار فرما ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجے کیونکہ اس کو میت اپنی طرف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ہدیہ و تحفہ کوئی شخص کسی بزرگ کی خدمت میں لیجائے تو اس تحفہ کا بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ طفیلی ہو خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ؟ کچھ شک نہیں کہ شرکت کے بغیر بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے اور آل و اصحاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے، ہاں عادت جاریہ یہ ہے کہ ہدیات مروجہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو ادب اور اس کی رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو وہ پسند کرتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر اموات کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے صدقہ کے اشتراک میں نہیں، لیکن چاہیئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت پر صدقہ جدا کریں بعد ازاں میت کے لئے صدقہ کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مُردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے میں اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت پر مقرر کرے اور اس نیت کو آپ کا طفیلی بنائے، امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کی برکت سے قبول ہوجائے گا علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود شریف اگر ریا و سمعہ سے ادا کیا جائے تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کے لئے جو کہ مقبول و محبوب ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔" [1]

(صحابۂ کرامؓ)

فضیلتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین "جاننا چاہئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کا ذکر احترام سے کرنا چاہئے، خطیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَلِیْ اَصْحَابًا وَّاخْتَارَلِیْ مِنْھُمْ اَصْھَارًا وَّ اَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِیْ فِیْھِمْ حَفِظَہُ اللّٰہُ وَمَنْ اٰذَانِیْ فِیْھِمْ اٰذَاہُ اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب کو پسند فرمایا اور ان میں سے بعض کو میرے لئے قرابت دار اور مددگار پسند فرمایا پس جس شخص نے ان کے بارے میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ نے ایذا دی) اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَ الْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے) اور ابنِ عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ شِرَارَ اُمَّتِیْ اَجْرَءُ ھُمْ عَلٰی اَصْحَابِیْ (میری امت میں سے برے وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں) اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر، یہی اہلِ سنت کا مذہب ہے۔" [2]

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۲۸ [2] دفتر اول مکتوب ۲۵۱۔

" حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ (جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تم اس سے بچو) پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا چاہئے فلاح ونجات کا طریق یہی ہے کیونکہ اصحابِ کرامؓ کی دوستی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث ہے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی عزت نہ کی اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں ہے)۔" [1]

ترتیبِ خلافت اور ترتیبِ مراتب

" حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہوچکی ہے چنانچہ اس کو ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی رحمہ اللہ ہیں، شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کے سردار وامام ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے، سوائے جاہل یا متعصب شخص کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگائے جاتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج واقع ہوا، میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ میرے بعد میرا خلیفہ علی ہو، فرشتوں نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدائے تعالیٰ چاہیگا وہی ہوگا

[1] دفتر دوم، مکتوب ۶۷ عقیدہ ۲۴

تیرے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ نیز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ (غنیہ میں) فرماتے ہیں کہ حضرتِ امیر (علی) رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے باہر تشریف نہیں لے گئے جب تک میرے ساتھ یہ عہد نہیں کر لیا کہ میرے مرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے اس کے بعد عمرؓ اس کے بعد عثمانؓ اور اس کے بعد تو خلیفہ ہو گا رضی اللہ عنہم" [۱]

فضیلتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ "تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ جو صحابہ کرامؓ کے حالات سے بہت ہی زیادہ واقف ہیں فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ بہت بیقرار ہو گئے پس اُن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص آسمان کے نیچے نہیں ملا پس انھوں نے ان کو اپنا والی بنا لیا۔ یہ قول اس بات پر صریح دلالت ہے کہ تمام صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر متفق تھے اور ان کے افضل ہونے پر یہ اجماع صدر اول میں ہوا اور یہ اجماع قطعی ہے جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ [۲]

منازعات واختلافاتِ صحابہؓ اجتہاد پر مبنی ہیں۔ "اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو اُن کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل واجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا وہوس پر، یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ حضرتِ امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت امیرؓ کی طرف تھا لیکن چونکہ یہ خطا خطائے اجتہادی کی طرح ہے اس لئے ملامت سے دور ہے اور اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں کیونکہ جیسا کہ شارح مواقف، آمدیؒ سے نقل کرتا ہے کہ جمل وصفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں۔ اور شیخ ابوشکور سلمی نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت وجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مع ان کے تمام اصحاب کے جو اُن کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے اجتہاد کی رو سے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے"۔ [۳]

---

[۱] دفتر دوم مکتوب ۶۷ غنیہ ۲۱۔ [۲] دفتر اول مکتوب ۵۹۔ [۳] دفتر اول مکتوب ۲۵۱۔

ؒ یعنی سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی محمد بن سالم الفقیہ الاصولی توفی ۶۳۱ھ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام عادل تھے * اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جور کا لفظ واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ معاویہؓ جور کرنے والا امام تھا، تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں امیر معاویہؓ خلافت کے حقدار نہیں تھے نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے (یہ توجیہ اس لئے ہے) تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو جائے۔ اس کے باوجود استقامت والے لوگ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہوتا ہو، اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے اور امیر معاویہؓ جور کرنے والے کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ صحیح طور پر تحقیق ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسا کہ صواعق میں ہے۔" [۱]

امیر معاویہؓ کی فضیلت * ہاں بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا، خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے باوجود چونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر نہیں ہوئے کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہوئے امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجے بہتر ہے۔" [۲]

امیر معاویہؓ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا * احادیث نبوی میں ثقہ اور معتبر سندوں سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہؓ کے حق میں دعا کی ہے اور فرمایا ہے کہ یا اللہ اسے کتاب وحساب سکھا اور عذاب سے بچا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعا فرمائی یا اللہ تو اس کو ہادی ومہدی (ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ) بنا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہے۔" [۳]

فضائل ومناقب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا | ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حبیب رب العالمین کی محبوبہ تھیں اور لب گور تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظور نظر اور مقبول خاطر رہی ہیں اور

[۱] دفتر اول مکتوب ۲۵۱ [۲] دفتر اول مکتوب ۲۰۷ [۳] دفتر اول مکتوب ۲۵۱

مرضِ موت کا زمانہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے حجرۂ مبارکہ میں بسر فرمایا ہے اور انہی کی گود میں آپؐ نے جانِ شیریں جان آفرین کے سپرد کی اور انہی کے حجرۂ مقدسہ میں مدفون ہوئے ہیں، اس شرف وفضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف دین اُن کے حوالہ فرما دیا تھا اور اصحابِ کرامؓ احکام کی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور انہی سے پیچیدہ ومشکل مسائل کا حل طلب کیا کرتے تھے، اس قسم کی صدیقہ ومجتہدہ کو حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث مطعون کرنا اور ناشائستہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا نہایت نامناسب حرکت ہے اور پیغمبر پر ایمان لانے کے خلاف ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور ان کے چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور آپ کی محبوبہ ومقبولہ ہیں"۔ [۱]

خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر اہلِ سنت کا شعار ہے

"شہر سامانہ کے خدام ذی احترام ساداتِ عظام اور قاضیوں اور معزز حضرات کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ سنا گیا ہے اس جگہ کے خطیب نے عیدِ قرباں (عیدالاضحیٰ) کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں پڑھا ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب لوگوں نے اس سے اس بارے میں تعرض کیا تو بجائے اس کے کہ اپنے سہو ونسیان کا عذر کرتا سرکشی سے پیش آیا اور یہ کہا کہ اگر خلفائے راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا تو کیا ہوا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے رئیسوں اور معزز لوگوں نے اس بارہ میں بہت سستی اختیار کی ہے اور اس ناانصاف خطیب کے ساتھ سختی ودرشتی سے پیش نہیں آئے، ہائے افسوس صد افسوس۔

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں ہے، لیکن اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے شعائر میں سے ہے سوائے اس شخص کے جس کا دل بیمار اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص دانستہ اور سرکشی کے طور پر اس کو ترک نہیں کرے گا۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس نے تعصب اور بغض ودشمنی سے ترک نہیں کیا مگر حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَہُوَ مِنْہُمْ

[۱] دفتر دوم مکتوب ۳۶۔

(جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے) کا کیا جواب دیگا اور حدیث اِتَّقُوا مِنْ مَوَاضِعِ التُّهَمِ (تہمت کے مواقع سے بچو) کے موافق تہمت کے مواقع سے کس طرح چھٹکارا پائے گا۔ اگر اس کو شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تفضیل میں توقف ہے تو وہ اہل سنت کے طریقہ سے روگردانی کرنے والا ہے اور اگر حضرات ختنین (حضرت عثمان و حضرت علی) رضی اللہ عنہما کی محبت میں تردد ہے تب بھی وہ اہلِ حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ اس بے حقیقت (خطیب) نے جو کشمیر کی طرف منسوب ہے اس خباثت و پلیدی کو کشمیر کے بدعتیوں یعنی رافضیوں سے حاصل کیا ہو، اس کو سمجھانا چاہیئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو ائمہ کرام کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے جس میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیخ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی اور یقینی ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے دورِ خلافت و زمانۂ مملکت میں آپ کے متبعین کے جمِ غفیر کے درمیان تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام امت سے افضل ہیں" الخ [1]

فائدہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی اپنے مکتوباتِ گرامی میں جمیع صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعظیم و توقیر اور فضیلت و عظمت کا ذکر نہایت واضح اور پُر زور الفاظ میں کرتے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کی پوری طرح تائید و تقویت فرماتے ہیں، اُن کے مخالفین و معاندین کے طعن و تشنیع اور اعتراضات کا نہایت شدّ و مد سے دفاع فرماتے ہیں، ان کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنے اور ان کی آپس کی مخالفتوں کو تاویل و اجتہاد پر مبنی قرار دینے اور ہوا و تعصب سے دُور سمجھنے پر زور دیتے ہیں اور آپس کے اختلافات میں جن صحابۂ کرامؓ کو خطا پر کہا ہے ان کی خطا کو خطائے اجتہادی کی طرح قرار دیتے ہیں۔ خطائے اجتہادی کے علاوہ جس پر شرع شریف میں ایک درجہ ثواب کا ملنا مقرر ہے ان کی شان میں کسی اور لفظ کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیتے اور مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دُور بلکہ درجاتِ ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کا امیدوار قرار

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۱۵

دیتے ہیں، جو جمہور اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور فرماتے ہیں :۔

"اے بھائی! اس امر میں سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ رضی اللہ عنہم کے لڑائی جھگڑوں کے ذکر سے خاموشی اختیار کریں اور ان کے تنازعات کو یاد نہ کریں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ (یعنی میرے اصحابؓ کے درمیان جو جھگڑے ہوں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ) نیز حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا (یعنی میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ) امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور یہی مقولہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے: تِلْکَ دِمَاءٌ طَھَّرَ اللّٰہُ عَنْھَا اَیْدِیَنَا فَلْنُطَھِّرْ عَنْھَا اَلْسِنَتَنَا (یعنی یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو بچایا ہے پس ہم کو چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں) اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہیں لانا چاہیئے اور ان کو ذکرِ خیر سے ہی یاد کرنا چاہیئے۔ (چند سطروں کے بعد) جاننا چاہیئے کہ اس زمانہ میں چونکہ اکثر لوگوں نے امامت کی بحث کو سامنے رکھ کر ہمیشہ خلافت کی بحث اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کے متعلق گفتگو کرنا اپنا نصب العین بنا لیا ہے اور جاہل اہلِ تاریخ سرکش بدعتیوں کی تقلید کرتے ہوئے اکثر اصحابِ کرام کو نیکی و بھلائی سے یاد نہیں کرتے اور نامناسب امور ان حضرات کی جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے ضروری سمجھتے ہوئے جو کچھ معلوم تھا اس میں سے تھوڑا سا تحریر کر کے دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فتنے یا یہ فرمایا کہ بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہیئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہیں کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان ہے کہ سلطانِ وقت اپنے آپ کو حنفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہل سنت وجماعت میں سے جانتا ہے ورنہ مسلمانوں پر کام بہت تنگ ہو جاتا اس بڑی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔" [1]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۵۱۔

نیز مکتوب ۶۷ عقیدہ ۲۴ دفترِ دوم میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے، تفصیل کے لئے ان دونوں مکتوبات کو بالاستیعاب مطالعہ کریں، نیز مکتوب ۹۶ دفترِ دوم میں حدیثِ قرطاس کے مضمون کی وضاحت میں چند اصولی مقدمات تحریر فرمائے ہیں جن میں سے ہر ایک مقدمہ ان شبہات و تشکیکات کا بجائے خود ایک جواب ہے جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بعض جاہل و متعصب لوگ پیدا کرکے اہلِ حق کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس مکتوبِ گرامی کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کرنا اہلِ سنت کے لئے نہایت ضروری ہے اس کے علاوہ بھی دیگر مکتوباتِ گرامی میں متعدد جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا ذکر نہایت مؤثر و مدلل انداز میں ہے جو مکتوباتِ قدسی آیات کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے فضیلتِ صحابہ میں ایک رسالہ "رَدِّ روافض" آپ کی ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو بارہا مختلف اداروں کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درجاتِ قُرب کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اور ایک مقام ایسا ہے کہ جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں سے جُدا ہے نہ جذبہ کو اس سے کوئی علاقہ ہے اور نہ سلوک کو اس سے کوئی تعلق، یہ مقام نہایت عجیب ہے۔ آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس مقام کے ساتھ ممتاز ہیں اور اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہیں اس مقام کے لئے دوسرے مقامات والوں سے کامل امتیاز ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت کم مشابہت رکھتے ہیں بخلاف دوسرے مقامات والوں کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ وہ مشابہت ایک وجہ سے ہو اور دوسری وجہ سے نہ ہو، یہ نسبت اصحابِ کرام کے بعد حضرت مہدی موعود علیہ السلام میں ان شاء اللہ تعالیٰ پورے طور پر ظہور پائے گی۔" [1]

مزید تفصیل کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوباتِ گرامی اور دیگر تصانیف کا مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] دفترِ اول مکتوب ۳۲۔

اہلِ بیتِ عظام

اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت کے ایمان کا جزو ہے

[1] اب ہم اصل بات بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اہلِ بیت کی محبت کا نہ ہونا اہلِ سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے اس فقیر کے والد بزرگوار جو کہ ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے اکثر اوقات اہلِ بیت کی محبت کیلئے ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے، ان کے مرض الموت میں یہ فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ انجام کو پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہوگیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات (محبتِ اہلِ بیت) کو انھیں یاد دلایا اور اس محبت کے بارے میں اُن سے دریافت کیا تو اس بیخودی کے عالم میں انھوں نے فرمایا کہ میں اہلِ بیت کی محبت میں غرق ہوں، اس وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا، اہلِ بیت کی محبت اہلسنت و جماعت کا سرمایہ ہے، مخالف لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور ان کی محبتِ متوسط سے جاہل ہیں، مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے سوا کو تفریط خیال کرکے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے، نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حدِ وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا موطن ہے جو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کو نصیب ہوا ہے[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، علمائے اہلِ سنت و جماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مقدم سمجھتے ہیں لیکن فقیر کا جو اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زہد و انقطاع میں بڑھ کر ہیں اسی لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۳۶۔

جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصحاب کرامؓ کے فتاوی کا مرجع تھیں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرامؓ کو علم میں جو مشکل پیش آتی تھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے"۔ [1]

تقیہ کی حقیقت اور اس کے مفاسد

° کیونکہ حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی عزت توقیر کی ہے اور ان کو اقتدا کے لائق جان کر اُن سے بیعت کی ہے، پس خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا انکار کرنا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افترا ہے بلکہ وہ انکار، درحقیقت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا انکار ہے اور اُن کے اقوال و افعال کا صریح رد ہے اور تقیہ کے احتمال کو حضرت اسد اللہ (علی) رضی اللہ عنہ کے حق میں روا رکھنا بھی بے توفیقی ہے صحیح عقل ہرگز اس کو جائز قرار نہیں دیتی کہ حضرت اسد اللہ رضی اللہ عنہ کمال معرفت و شجاعت کے باوجود خلفائے ثلاثہ کے بغض و دشمنی کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور اس مخالفت کا اظہار نہ کریں اور ان کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں، حالانکہ کسی ادنیٰ مسلمان سے اس قسم کے نفاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس فعل کی برائی کو معلوم کر لینا چاہیے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی طرف کس قسم کی برائی اور کس طرح کا فریب و نفاق منسوب ہوتا ہے اگر بفرضِ محال حضرت اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی ہو تو وہ تعظیم و توقیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے ثلاثہ کی کرتے تھے اور ابتدا سے آخر تک ان حضرات کو بزرگ جانتے رہے ہیں تو یہ لوگ اس کا کیا جواب دیں گے وہاں (نبیؐ کے حق میں) تو تقیہ کی گنجائش نہیں ہے امرِ حق (دین) کی تبلیغ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر واجب ہے وہاں تقیہ کی گنجائش نکالنا زندقہ تک پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (پ ۶ ع ۱۲) (اے میرے رسول جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو رسالت کے حق کو ادا نہ کیا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا)"۔ [2]

° اور مخالف لوگ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۲۲ و ۲۳۔ [2] دفتر اول مکتوب ۸۰۔

خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں مانتے اور اس بیعت کو جو حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ سے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے باہمی روادارانہ تعلقات کو مکروفریب سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبانوں پر ظاہر کرتے تھے اور چونکہ مخالف بھی ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کے دشمن تھے اس لئے ان کے ساتھ منافقانہ دوستی کرتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے، پس ان لوگوں کے خیال میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو کچھ ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے خلاف ظاہر کرتے تھے پس ان کے نزدیک اس امت کا بدترین گروہ (نعوذ باللہ) اصحاب کرام کا گروہ ہونا چاہئے اور سب سے زیادہ بری صحبت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہونی چاہئے جس صحبت نے اس قسم کے اخلاقِ ذمیمہ کو پیدا کیا اور تمام زمانوں میں سب سے برا اصحاب کرام کا زمانہ ہونا چاہئے جو کہ نفاق و عداوت و بغض و کینہ سے پر تھا حالانکہ حق تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ان کے حق میں "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" فرماتا ہے یعنی اصحاب نبی آپس میں مہربان و شفیق ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے برے عقیدوں سے بچائے۔ یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاقِ ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں تو ان کے بعد آنے والوں میں کیا نیکی ڈھونڈیں گے ان لوگوں نے شاید ان آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرامؓ کی افضلیت اور اس امت کی خیریت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں نہیں دیکھا یا دیکھا ہے مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے قرآن واحادیث اصحاب کرامؓ کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے جب اصحاب کرام مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے نیز مطعون ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک"۔[1]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۳۶

فضائل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ: حضرت امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے ورع و تقوی کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت اجتہاد و استنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا کہ جس کو دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے اور ان اجتہادات کو دقت معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں، یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت و درایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے کہ امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرمایا ہے: اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ (تمام فقہاء ابوحنیفہؒ کی اولاد ہیں)۔ ان کم نظر معترضین پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔ (دو شعروں کے بعد)

اور یہ جو خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے لکھا ہو یعنی حضرت روح اللہ علیہ السلام کا اجتہاد حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علمائے امت کی تقلید کریں بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا سواد اعظم (اکثریت) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تبع ہے اور یہ مذہب متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباط میں اپنا الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ معنی اس کے حق ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں حتی کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم

کی شرفِ صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے اس کے باوجود بھی مخالفین ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں جو بے ادبی کی خبر دیتے ہیں حالانکہ وہ سب لوگ ان کے کمالِ علم اور ورع و تقویٰ کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں حق تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق عطا کرے کہ وہ دین کے پیشوا اور اہلِ اسلام کے سردار کو آزار نہ پہنچائیں اور اسلام کے سب سے بڑے گروہ کو ایذا نہ دیں۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں)۔

وہ لوگ جو دین کے ان اکابر کو صاحبِ رائے جانتے ہیں اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار اپنی رائے پر حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سوادِ اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہِ اسلام سے باہر ہوگا، اس قسم کا اعتقاد وہی بے وقوف جاہل کر سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا پھر وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے، ان چند ناقصوں نے چند احادیث کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف جانتے ہیں اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است ۔۔۔ زمین و آسمانِ او ہماں است

(ان کی مثال اس کیڑے کی سی ہے جو پتھر میں پوشیدہ ہو اور وہ پتھر ہی اس کا زمین و آسماں ہے)۔

ان لوگوں کے بیہودہ تعصبوں اور فاسد نگاہوں پر ہزار ہا افسوس ہے، فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تمام فقہا فقہ کے تین حصے ان کے لئے مسلم رکھتے ہیں اور باقی چوتھے حصہ میں سب ان کے ساتھ شریک ہیں، فقہ میں صاحبِ خانہ وہی ہیں اور دوسرے سب ان کے عیال ہیں، اس مذہب کے التزام کے باوجود مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ذاتی محبت ہے اور میں انھیں بزرگ جانتا ہوں اسی لئے بعض اعمالِ نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں دوسرے لوگ کمالِ علم اور کمالِ تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں، وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (حقیقت الامر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔ (دفتر دوم مکتوب ۵۵)۔

امام اعظمؒ اور مسئلۂ تکفیرِ مسلم

مؤمن گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرۂ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک روز امام اعظم علیہ الرحمۃ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ اس مؤمن فاسق کے لئے کیا حکم ہے جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے اس سے کاسۂ سر میں شراب ڈال کر پئے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے، وہ مومن ہے یا کافر؟ اس جماعتِ علما میں سے ہر ایک نے اس کے حق میں غلط باتیں کیں اور اصل معاملہ سے دور چلے گئے، امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اسی اثنا میں فرمایا کہ وہ مؤمن ہے اور ان کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہونے سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا۔ امام صاحب کی یہ بات علماء کو نہایت ناگوار گذری اور انھوں نے امام صاحب کے حق میں طعن و تشنیع کی زبان درازی کی، آخر چونکہ امام صاحب کی بات برحق تھی سب نے (بحث و مباحثہ کے بعد) اس کو قبول کیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔

اگر کسی گنہگار مؤمن کو موت کے غرغرہ یعنی حالتِ نزع سے پہلے توبہ حاصل ہو جائے تو اس کی نجات کی بہت بڑی امید ہے کیونکہ اس وقت تک توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے خواہ معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور خواہ گناہ کے موافق عذاب کرے اور آتشیں وغیر آتشیں دوزخ میں ڈال دے لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا اور انجام کار وہ بہشت میں داخل ہوگا کیونکہ آخرت میں رحمتِ خداوندی سے محروم ہونا کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور جو شخص ذرہ بھر بھی ایمان رکھتا ہے وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہے اگر وہ گناہ کے باعث ابتدا میں رحمتِ خداوندی کو نہ پہنچے گا تو انتہا میں اللہ تعالیٰ کی عنایت میسر ہو جائے گی۔“ [1]

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷ عقیدہ ۱۰

(فرقۂ ناجیہ)

فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہیں "تہتر فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ شریعت کی تابعداری کا مدعی ہے آیت کریمہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (ہر گروہ اس چیز سے خوش ہے جو اس کے پاس ہے) ان کے حال کی خبر دیتی ہے، لیکن پیغمبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دلیل ان متعدد فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجیہ کی تمیز کے لئے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے: اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ، یعنی ایک فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس طریق پر ہیں جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (گیارہ بارہ سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اس میں شک نہیں کہ وہ فرقہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تابعداری کو لازم پکڑا ہے اہل سنت و جماعت ہی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے، پس یہی لوگ فرقہ ناجیہ ہیں۔" [1]

اعتقادی خرابی میں مغفرت کی گنجائش نہیں "اے سعادت کے نشان والے! آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت (جو سواد اعظم اور جم غفیر ہیں) کے عقائد کے موافق درست کرے تاکہ آخرت کی نجات اور خلاصی متصور ہو سکے، خبث اعتقاد یعنی بد اعتقادی جو اہل سنت و جماعت کے مخالف ہے زہر قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب و عتاب تک پہنچا دیتی ہے، عملی خرابی اور غفلت پر مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقادی خرابی میں مغفرت کی گنجائش نہیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا اور سب کچھ جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا)۔" [2]

شخص معین کو جہنمی اور لعنتی کہنے کا حکم "یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ کسی معین شخص کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہوا اسلام اور توبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر تجویز نہیں کرتے، مطلق طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن کافر معین پر لعنت پسند نہیں کرتے جبتک کہ اس کے خاتمہ کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔" [3]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۸۰۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۶۷ (قراۃ الدرج)۔ [3] دفتر دوم مکتوب ۳۶۔

ایمان بالغیب کے درجات | "ایمان بالغیب جو اخصِ خواص کے نصیب ہے عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں ہے۔ عوام نے تو صرف استدلال کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کیا ہے اور اخصِ خواص نے جمال و جلال کے ظلال اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کرکے ایمان بالغیب حاصل کیا ہے اور متوسطین ظلال کو اصل خیال کرکے اور تجلیات کو عین متجلی (جلوہ دینے والا یعنی حق تعالیٰ) جان کر ایمانِ شہودی کے ساتھ خوش ہیں ان کے حق میں ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (ہر ایک گروہ اپنے پاس والی حالت پر خوش ہے)[1]

ایمان بالغیب کب حاصل ہوتا ہے | "حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ انفس و آفاق میں ہے وہ سب چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے پس جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں جلوہ گر ہے وہ بالضرور بطریقِ اولیٰ چند و چون ہوگا جو کہ نفی کے لائق ہے، پس جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود محسوس ہو وہ سب چونی و چگونی سے متصف اور حدوث و امکان کے عیب سے عیب دار ہے کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا اپنا تراشا اور بنایا ہوا ہے وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے فہم میں آسکے وہ عین نقص ہے پس جو کچھ ہم پر متجلی و منکشف اور مشہود ہوتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے اور حق تعالیٰ ان سب باتوں سے وراء الوراء ہے۔ (چند سطروں کے بعد) ایمان بالغیب اس وقت میسر ہوتا ہے جبکہ ہمارے تیز رفتار وہم کو اس جگہ کوئی رسائی و دسترس حاصل نہ ہو اور وہاں ہماری قوتِ متخیلہ میں کوئی چیز نقش پذیر نہ ہو، اور یہ بات حق تعالیٰ کی اقربیت میں ثابت ہوتی ہے جو وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے کیونکہ جس قدر زیادہ دور ہو اسی قدر وہم کی پرواز زیادہ ہوتی ہے اور خیال کی سلطنت میں اسی قدر جاری و حاصل ہوتی ہے۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ایمان بالغیب انہی بزرگ ہستیوں کے نصیب ہے اور جس کسی کو چاہتے ہیں ان حضرات کی متابعت و وراثت کے سبب اس دولت سے مشرف کرتے ہیں اور وہ ایمان بالغیب جو عام مومنوں کو حاصل ہے وہ وہم کے احاطہ سے خارج نہیں ہے کیونکہ وراء الوراء عوام کے نزدیک بُعد اور دوری کی جانب ہے جو کہ وہم کی جولانگاہ ہے اور ان حضرات یعنی انبیاء علیہم السلام کے نزدیک وراء الوراء قرب کی جانب میں ہے جہاں وہم کی مجال نہیں جب تک دنیا قائم ہے اور مومن حیات دنیا کے ساتھ زندہ ہے اس کو ایمانِ غیب چارہ نہیں ہے کیونکہ ایمانِ شہود اس جگہ معلول ہے جب عالم آخرت پر توجہ لے گا اور وہم و خیال کی صورت کو توڑ دیگا تو پھر ایمانِ شہودی مقبول ہوگا اور تراشنے و بنانے کی علت سے پاک و مبرا ہوگا۔"[2]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۳ ۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۹

اتباعِ سنت و ردِ بدعت

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو سنتِ نبویؐ سے عشق

"یہ فقیر اپنی موجودہ حالت کے متعلق لکھتا ہے کہ بہت مدت تک علوم و معارف اور احوال و مقامات برسات کی بارشوں کی طرح مجھ پر وارد ہوتے رہے ہیں اور جو کام کرنا چاہیئے تھا وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد ہیں، آپ کو چاہیئے کہ باطن کو خواجگان قدس سرہم کی نسبت سے معمور رکھیں اور ظاہر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ کریں ع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

نمازِ پنجگانہ اول وقت میں ادا کریں سوائے موسم سرما کی نمازِ عشاء کے کہ اس میں رات کے تیسرے حصہ تک تاخیر کرنا مستحب ہے، فقیر اس امر میں بے اختیار رہے نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں سرِ مو تاخیر واقع ہو اور بشریت کا عجز اس سے مستثنیٰ ہے۔"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے مدارج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے:۔

پہلا درجہ عوام اہلِ اسلام کے لئے ہے، یعنی تصدیقِ قلبی کے بعد اور اطمینانِ نفس سے پہلے جو درجۂ ولایت سے وابستہ ہے، احکامِ شرعیہ کا بجالانا اور سنتِ سنیہ کی متابعت ہے، اور علماءِ ظاہر اور عابد و زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں اور چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار پر ہی اڑا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ درجہ متابعت کی صورت کے ساتھ مخصوص ہو گا، یہ متابعت کی صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی کامیابی و نجات اور خلاصی کا موجب، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے

---

[1] دفتر اول مکتوب ۳۷

اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔ بیت

می توانی کہ دہی اشکِ مرا حسنِ قبول اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

متابعت کا دوسرا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً اخلاق کا درست کرنا اور بُری عادتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ وغیرہ جو مقامِ طریقت سے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقۂ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کرکے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن احوال و اذواق و مواجید کی اتباع ہے جو ولایتِ خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں، یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں، جب مرتبۂ ولایت حاصل ہوجاتا ہے تو نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے باز آجاتا ہے اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آجاتا ہے اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے، اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ یا زکوٰۃ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، تمام احکامِ شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت شاملِ حال ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا درجہ یعنی کمالاتِ ولایتِ خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد (جو اتباع کا تیسرا مرتبہ ہے) نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ ہے جو متابعت کا چوتھا درجہ ہے۔ پہلے درجہ میں اس اتباع کی صورت تھی اور یہاں اس اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین شکر اللہ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینانِ نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں، اگرچہ اولیاء اللہ کو قلب کی تمکین کے بعد بھی تھوڑا سا اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمال اطمینانِ نفس کو کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے میں حاصل ہوتا ہے کہ ان کمالات سے علماءِ راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علماء راسخین نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اسلئے کبھی وہ شریعت کی صورت سے

متلبس اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم پر موقوف ہے، یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں، یہ کمالات اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ بالاصالت مخصوص ہیں اور دوسرے لوگوں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حاصل ہیں، دیکھئے اس دولت سے کس کو مشرف فرماتے ہیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا، اس چھٹے درجہ میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضّل و احسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلّق رکھتے ہیں اور ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقامِ نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے اور تمکین قلبی بھی اور نفس کا اطمینان بھی، اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہیں۔ پہلے درجے گویا متابعت کے اجزا ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کے کُل کی مانند ہے۔ اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ گویا تبعیت کا نام ہی درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے، گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش و ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر و شکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لئے ہے، نسبت کے اتحاد میں تغائر (غیر ہونے) کی کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے، اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی

نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت و متبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا۔ البتہ اسقدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طفیلی اور وارث جانتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی و وارث اور، اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے اور طفیلی و وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں، تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی ہمنشین ہوتا ہے۔ غرضکہ جو دولت آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے آئی ہے، یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں بیت

درقافلہ کہ اوست دانم نرسم　　ایں بس کہ رسد زدور بانگِ جرسم

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو، اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں، درجوں کے فرق کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے، علمائے ظاہر پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں، کاش یہ لوگ درجۂ اول کو ہی سرانجام دے لیں، انھوں نے متابعت کو صورتِ شریعت پر موقوف رکھا ہے اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے اور طریقۂ صوفیہ کو جو درجاتِ متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور بزدوی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیر و مقتداء نہیں جانتے ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است　　زمین و آسمانِ او ہمان است"[1]

ترغیب اتباعِ سنت و ردِ بدعت سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزندِ عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنتِ سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کریں، اسلام اس زمانہ میں غریب یعنی بے یار و مددگار ہو گیا ہے اور مسلمان غریب یعنی بے یار و مددگار ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا اور بھی زیادہ غریب و بیکس ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ سعادتمند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ و معمولہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے

[1] دفتر دوم مکتوب ۵۴۔

اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گذر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پر توڑا لا ہوا ہے، سنّت عہد نبوت سے دُوری کے باعث پوشیدہ ہو گئی ہے اور بدعت جھوٹ کے پھیل جانے کی وجہ سے جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اب ایک ایسے جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے، بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان آپ نے سُنا ہو گا: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ الْبِدْعَۃِ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدْمِ الْاِسْلَامِ (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی)۔ پورے ارادے اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ سنتوں میں کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دُور ہو جائے خصوصاً ان دنوں میں جبکہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں جبکہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دُور کیا جائے، گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حُسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ متفق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (ہر ایک بدعت گمراہی ہے)۔ اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانے میں جبکہ سلامتی سنت کے بجا لانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہر بدعت کو پھاوڑے کی طرح جانتا ہے جو بنیادِ اسلام کو گراتی ہے اور سنّت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں راستہ دکھاتی ہے۔ حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکروفریب کو بڑا دخل ہے، گذشتہ زمانے میں کیونکہ اسلام قوی تھا اس لئے بدعت کی ظلمات کو اُٹھا سکتا تھا اور شاید بعض بدعتوں کی ظلمات نورِ اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو نورانی معلوم ہوتی ہوں گی اور حسن کا حکم پا لیتی ہوں گی، اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہیں تھی مگر اس وقت جبکہ اسلام ضعیف ہے بدعتوں کی ظلمات کو نہیں اُٹھا سکتا۔ (دفتر دوم مکتوب ۲۳)

"سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دین اور آپ کی متابعت اختیار کریں، سنتِ سنیہ کو بجالائیں اور بدعتِ نامرضیہ سے پرہیز کریں اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کے لئے شفا ہے اور نہ ہی کسی مریض کیلئے دوا ہے اور یہ بات اس میں کیسے ہو سکتی ہے جبکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفعِ سنت سے ساکت ہوگی، ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حُسن نہیں۔ ہائے افسوس انھوں نے دینِ کامل اور اسلام پسندیدہ میں جبکہ نعمت تمام ہو چکی بدعتِ محدثہ کے حَسن ہونے کا کس طرح حکم دیا، یہ نہیں جانتے کہ اکمال واتمام ورضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (حق کے بعد گمراہی ہی ہے) اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدثہ امر (نئے امر) کو حَسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا. وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ" [1]

ردِّ بدعت "اور دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنتِ سنیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم و رسم سے اجتناب کرنا ہے، جب تک بدعتِ حسنہ سے بدعتِ سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت کی بُو جان کے دماغ میں نہیں پہنچی، آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دُور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے، اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے اور سنتوں کو محو کرتے ہیں شائع شدہ اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں تعامل جو معتبر ہے وہ ہے کہ جو صدرِ اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہو جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے" [2]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۱۹۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۵۴

"سنتِ سنیہ (روشن و بلند سنتوں) علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رونق کو امورِ محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے، پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات (دین میں نئی نئی باتیں جاری کرنا) کو امورِ مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم (پورا ہونے) کو ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجا لانے میں ترغیبیں دیتے ہیں خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمتِ خداوندی پوری ہو چکی ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا، (آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا) پس ان محدثات (بدعات) سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیتِ کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔"[1]

"یہ فقیر عاجزی و زاری و التجا و محتاجی اور ذلت و انکساری کے ساتھ ظاہراً و باطناً حق تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سوال کرتا ہے کہ جو کچھ اس دین میں نئی پیدا شدہ چیزیں داخل ہو گئی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہیں تھیں اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہوں، اس ضعیف کو اُن لوگوں کے ساتھ جو اس (بدعت) پر فریفتہ ہیں اس مُحدَث عمل میں گرفتار نہ کرے اور اُس بدعتی پر فریفتہ نہ کرے بحرمتِ سید المختار و آلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

علماء نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ، بدعتِ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت اور خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے، اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو سنت کی رافع ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۰۔

کچھ محسوس نہیں کرتا اگرچہ آج مبتدع کے عمل کو ضعفِ بصارت کے باعث طراوت و تازگی میں دیکھتے ہیں لیکن کل جبکہ بصیرت تیز ہوگی تو جان لیں گے کہ اس کا انجام خسارہ اور ندامت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت کہ با کہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

حضرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (جس نے ہمارے اس امر میں ایسی چیز پیدا کی جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے بھلا جو چیز مردود ہو وہ حُسن کہاں پیدا کر سکتی ہے"۔

اسی مکتوب میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں: "جاننا چاہیئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے سنت سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کی رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت رافع سنت ہے کیونکہ عددِ مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عینِ رفع ہے، اور ایسے ہی مشائخ نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے، ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافعِ سنت ہے، اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علما نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہیئے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحابِ کرام و تابعینِ عظام سے کہ انھوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیرِ تحریمہ ہی فرماتے تھے پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفعِ سنت تو بجائے خود رہا یہ فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیتِ قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ تمام بدعات و محدثات کا یہی حال ہے کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہیں خواہ کسی طرح کی ہو اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔

پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمربستہ رہیں اور اصحابِ کرام

رضی اللہ عنہم کی اقتدا پر کفایت کریں کیونکہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کے پیچھے چلوگے ہدایت پاؤ گے لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے، پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستہ پر چلا اور اس نے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا)۔[1]

بدعت کی وضاحت اور عبادت وعادت کا فرق

"نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر جہر سے یہ کہہ کر منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالانکہ اس سے ذوق وشوق حاصل ہوتا ہے اور دوسری چیزوں سے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھیں مثل لباسِ فرجی (کھُلی قبا) اور شلوار سے کیوں منع نہیں کرتے؟

میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر، وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ یہ دین میں نئی بات ہے جو مردود ہے اور وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعتِ منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف وعادت پر مبنی ہے نہ کہ دین ومذہب پر کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ہونا ظاہر ہے البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔"[2]

جس امر میں سنت اور بدعت دونوں احتمال ہوں اسکو ترک کیا جائے

"علماء کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ ضرر کے احتمال پر بہت سے منافع کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اسی کے قریب قریب وہ کلام ہے جو علما نے فرمایا ہے کہ اگر کسی امر میں سنت ہونے کا بھی احتمال ہو اور بدعت ہونے کا بھی تو سنت پر عمل کرنے کی بہ نسبت بدعت کا ترک کر دینا بہتر ہے (یعنی بہتر یہ ہے کہ اس امر پر عمل نہ کرے) کیونکہ بدعت (ہونے کی صورت میں اس) پر عمل کرنے میں ضرر کا احتمال ہے اور سنت (ہونے کی صورت میں اس پر عمل

[1] دفتر اول مکتوب ۱۸۶ - [2] دفتر اول مکتوب ۲۳۱ -

کرنے میں منافع کی توقع ہے پس ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دیکر بدعت کو ترک کر دینا چاہئے۔[1]

بدعتی کی صحبت کا ضرر: یقین کے ساتھ تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بڑھا ہوا ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے چنانچہ فرماتا ہے لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ[2]

علمائے سوء کی مذمت اور علمائے حق کی تعریف: "جو علماء اس بلا میں مبتلا ہیں اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ علمائے دنیا میں سے ہیں اور بڑے عالم اور لوگوں میں سب سے بدتر اور دین کے چور یہی عالم ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا سمجھتے ہیں اور مخلوقات میں اپنے آپ کو سب سے بہتر خیال کرتے ہیں وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ خبردار کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ شیطان کا گروہ خسارہ پانے والا ہے)۔

کسی عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے و بہکانے سے بے فکر ہے اس عزیز نے اس کا بھید پوچھا تو اس لعین نے جواب دیا کہ اس وقت کے بڑے عالموں نے اس کام میں خود میری بڑی مدد کی ہے اور مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے۔ اور واقعی اس زمانے میں جو سستی و غفلت شرعی امور میں واقع ہوئی ہے اور جو فتور مذہب و دین کے رواج دینے میں ظاہر ہوا ہے سب کچھ ان بڑے عالموں کی نحوست اور ان کی نیتوں کے بگڑ جانے کے باعث ہے ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و ریاست و مال و رفعت کی محبت سے آزاد ہیں علمائے آخرت سے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور مخلوقات میں سب سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی کو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ انہی کے حق میں ثابت ہے الخ۔[3]

(اسی قسم کا مضمون دفتر اول مکتوب ۵۳ میں بھی ہے)

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۳۔ [2] دفتر اول مکتوب ۵۴۔ [3] دفتر اول مکتوب ۳۳۔

ارکانِ اسلام

ارکانِ خمسۂ اسلام "عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت ضروری ہے، پنجوقتی نماز کو بلافتورِ تعدیلِ ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق نماز ہی کا ہے، جب نماز مسنون طریقہ پر ادا ہو جائے تو اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آجاتی ہے کیونکہ نماز اسلام کے پنجگانہ اصول میں سے دوسری اصل ہے اصلِ اوّل، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے، اصلِ دوم نماز ہے، اصلِ سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا، اصلِ چہارم ماہِ رمضان کے روزے، اصلِ پنجم بیت اللہ کا حج ہے۔ اصلِ اول ایمان سے تعلق رکھتا ہے باقی چار اصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں، تمام عبادتوں کی جامع اور سب سے افضل نماز ہے، قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا اگر نماز کا محاسبہ درست ہوگیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آسانی سے گزر جائیں گے، جہانتک ہوسکے شرعی ممنوعات سے بچنا چاہیے، حق تعالیٰ کی نامرضیات کو زہرِ قاتل سمجھنا چاہیئے، اپنے قصوروں کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہیے، اپنی کارگزاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہیئے اور ندامت وحسرت اٹھانی چاہیئے بندگی کا طریق یہی ہے، واللہ سبحانہ الموفق" [1]

"آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے دل میں آیا کہ اعمالِ صالحہ سے مراد شاید اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے، اگر اسلام کے یہ اصولِ پنجگانہ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ نجات و فلاح حاصل ہو جائے گی کیونکہ یہ فی حد ذاتہٖ اعمالِ صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بیشک نماز تمام بے حیائیوں اور برے کاموں سے روکتی ہے) اس مطلب پر شاہد ہے اور جب اسلام کے ان پنجگانہ ارکان کا بجالانا میسر ہوگیا تو امید ہے کہ شکر بھی ادا ہوگیا اور جب شکر ادا ہوگیا تو عذاب سے نجات مل گئی مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۷

تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ پس ان پنجگانہ ارکان کے بجالانے میں دل وجان سے کوشش کرنی چاہئے خاص طور پر نماز کے قائم کرنے میں جو دین کا ستون ہے، جہاں تک ہو سکے اس کے آداب میں سے کسی ادب کے ترک کرنے پر راضی نہیں ہونا چاہئے اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو گویا اسلام کی اصلِ عظیم حاصل ہو گئی اور نجات کے لئے حبلِ متین یعنی مضبوط رسی مل گئی۔ واللہ سبحانہ الموفق (اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے)۔" ؎۱

نماز کی فضیلت

سب سے بہتر عمل اور سب سے فاضل تر عبادت نماز کا قائم کرنا ہے جو دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ پس اس کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور کامل احتیاط برتنی چاہئے کہ نماز کے ارکان و شرائط و سنن و آداب کما حقہ ادا ہوں۔ تعدیل اور طمانیت کے بارے میں بار بار مبالغہ کیا جاتا ہے اس کی اچھی طرح محافظت کریں، اکثر لوگ نماز کو ضائع کر دیتے ہیں اور طمانیت اور تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر دیتے ہیں ان لوگوں کے حق میں بہت سی وعیدیں اور تہدیدیں آئی ہیں جب نماز درست ہو جائے تو نجات کی بڑی امید ہے کیونکہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور مراتب کی بلندی کی معراج کامل ہو جاتی ہے"۔ ؎۲

نماز باجماعت کی اہمیت اور آداب وضو اور آداب نماز کا بیان

"اول وضو کامل اور پورے طور پر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے ہر عضو کو تین بار تمام و کمال طور پر دھونا چاہئے تاکہ وضو سنت طریقہ پر ادا ہو، اور سر کا مسح بالاستیعاب یعنی سارے سر کا مسح کرنا چاہئے اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہئے، اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجالانے کو معمولی امر نہ سمجھیں، مستحب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو بھی غنیمت ہے، اس کا بعینہ یہی حکم ہے کہ کوئی چند خزف ریزوں یعنی ٹھیکریوں سے قیمتی موتی خرید لے اور بیہودہ و بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کر لے۔

کمالِ طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہئے جو مومن کی معراج ہے اور کوشش کرنی چاہئے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر نہ ادا ہو بلکہ امام کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ بھی ترک

؎۱ دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰۴۔ ؎۲ دفتر دوم مکتوب نمبر ۲

نہیں ہونی چاہیئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیئے، قرات میں قدر مسنون کو مدنظر رکھنا چاہیئے، رکوع و سجود میں طمانیت ضروری ہے کیونکہ بقول مختار یا فرض ہے یا واجب، قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں اور کھڑے ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے کیونکہ طمانیت فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال، ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسا کہ قومہ میں، اور رکوع و سجود کی کم سے کم تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں علی اختلاف الاقوال، اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ سے ہونی چاہیئے۔ شرم کی بات ہے کہ انسان اکیلا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت کے ہوتے ہوئے اقل تسبیحات پر کفایت کرے اگر زیادہ نہ ہوسکے تو پانچ یا سات بار تو کہے، اور سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضاء زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں پس اول دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، زانو اور ہاتھ رکھتے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیئے اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضاء کو اٹھانا چاہیئے جو آسمان سے نزدیک ہیں پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہیئے ۔ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر اور سجدہ کے وقت نوک بینی پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف رکھنا چاہیئے، جب نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں اور مذکورہ بالا جگہوں پر لگائے رکھیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسر ہوگئی اور خشوع والی نماز حاصل ہوگئی جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے منقول ہے اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے اس کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے، انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب و بے فائدہ نہیں ہے، صاحب شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کرکے اس پر عمل کیا ہے صاحب الشریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتب فقہ میں مذکور ہیں یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجالانے میں ترغیب ہو۔"[1]

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶۔

نماز کی ہیئت حقیقت اور برکات ۔چونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ نماز کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں اور طمانیت و تعدیلِ ارکان میں کوشش نہیں کرتے اس لئے اس بارے میں بڑی تاکید اور مبالغہ سے لکھا جاتا ہے، غور سے سنیں۔

مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی نماز کوئی کس طرح چراتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ وہ رکوع و سجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا کہ رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا تو فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تیری موت نہ ہوگی بلکہ تو دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف مرے گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی جب تک کہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو اور اپنی پیٹھ کو ثابت نہ رکھے اور اس کا ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو درست نہیں کرتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز تمام نہیں ہوتی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک نمازی کے پاس سے گزرے دیکھا کہ احکام و ارکان و قومہ و جلسہ بخوبی ادا نہیں کرتا، فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن تجھ کو میری امت میں نہ کہیں گے اور دوسری روایت میں فرمایا کہ اگر تو اسی حالت پر مر گیا تو دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نہیں مریگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی، ایسا شخص وہ ہے جو رکوع و سجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔

روایت ہے کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود پوری طرح ادا نہیں کرتا۔ اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا چالیس سال سے۔ فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں تیری کوئی نماز نہ ہوئی اگر تو مر گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب مومن بندہ نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع وسجود کو بخوبی بجالاتا ہے تو اس کی نماز بشاشت والی ونورانی ہوتی ہے، فرشتے اس نماز کو آسمان پر لیجاتے ہیں، وہ نماز اپنے نمازی کیلئے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے حَفِظَكَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ كَمَا حَفِظْتَنِيْ، (یعنی اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی) اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا تو وہ نماز ظلمت والی رہتی ہے فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے اور اس کو آسمان پر نہیں لیجاتے، وہ نماز اس نمازی پر بددعا کرتی ہے اور کہتی ہے ضَيَّعَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ (یعنی خدائے تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا)۔

پس نماز کو پوری طرح ادا کرنا چاہیے، تعدیلِ ارکان یعنی رکوع وسجود قومہ وجلسہ اچھی طرح بجالانا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو بھی رہنمائی کرنی چاہیے کہ وہ نماز کو کامل طور پر ادا کریں اور طمانیت و تعدیلِ ارکان میں کوشش کریں کیونکہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہورہا ہے، اس عمل کا زندہ کرنا دین کی اہم ضروریات میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی مُردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے وقت صفوں کو برابر کرنا چاہیے نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو کوشش کرنی چاہیے کہ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول صفوں کو درست فرمالیا کرتے تھے پھر تکبیرِ تحریمہ کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صفوں کو درست کرنا نماز کی اقامت ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔[1]

نمازِ نوافل کو جماعت سے ادا کرنے کی ممانعت

جاننا چاہیے کہ اس زمانہ میں اکثر خاص وعام لوگ نوافل کے ادا کرنے میں بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور فرض نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان میں سنن ومستحبات کی رعایت بہت کم کرتے ہیں، نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار کرتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کو مستحب وقتوں میں ادا کریں، جماعتِ مسنونہ کی تکثیر (زیادتی) میں بلکہ نفسِ جماعت میں کوئی پابندی نہیں کرتے اور نفسِ فرائض کو غفلت و سستی سے ادا کرنا غنیمت جانتے ہیں اور عاشورا (دسویں محرم) کے روز اور شب برات اور ماہ رجب

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۹

کی ستائیسویں شب اور ماہِ رجب کے اول جمعہ کی شب کو جس کا نام انھوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے نہایت اہتمام کر کے نوافل کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ (نوافل کو اہتمام کے ساتھ جماعت سے ادا کرنا) شیطان کا مکر و فریب ہے جو کہ سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرضوں کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے۔

جاننا چاہیے کہ نوافل کو بڑی جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ بہ و مذمومہ بدعتوں میں سے ہے اور ان بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ (جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ ردّ ہے)۔

جاننا چاہیے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایتوں میں مطلق طور پر مکروہ ہے اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمع (یعنی بلانے اور اجتماع) کے ساتھ مشروط ہے اگر تداعی کے بغیر ایک دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل کو جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت کے جائز ہے، تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ ہے اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا دیگر نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے ــــــ اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رمضان کے سوا نماز نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی کے طریق پر ہو مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو آدمی اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا اختلاف مکروہ ہے ــــــ اور خلاصہ میں ہے کہ نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر اذان و اقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کیے جائیں تو مکروہ نہیں ــــــ اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے ــــــ اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ ماہِ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو آدمی اقتدا کرلیں جو تداعی کے طور پر

نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں، اور اگر کوئی ایسی روایت ظاہر ہو جائے جس میں عدد کا ذکر نہ ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ثابت ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہئے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مطلق ہی رہنے دیتے ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم جانتے ہیں، اور اگر ہم بفرضِ محال حمل نہ بھی کریں اور اطلاق پر ہی رہنے دیں جبکہ یہ مطلق قوتِ (ثبوت) میں مقید کے برابر ہو تو وہ اس مقید کا معارض ہوگا حالانکہ قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں برخلاف اباحت کی روایتوں کے۔ اور اگر مساوات کو بھی مان لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت و اباحت کے دلائل باہم متعارض ہونے کی صورت میں کراہت ہی کی جانب کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسا کہ اصولِ فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ لوگ جو روزِ عاشورا و شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں نمازِ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز و اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں ایسے لوگ باتفاقِ فقہا امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو حسن و نیک و بہتر سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے اور کراہت کے رفع کرنے کے بارے میں ان کے پاس سند عدمِ تداعی ہے، ہاں عدمِ تداعی بعض روایات کے مطابق کراہت کو دفع کرتی ہے لیکن یہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشۂ مسجد میں ہو۔ وَدُوْنَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

جاننا چاہئے کہ تداعی سے مراد نمازِ نفل کے ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو خبر دینا ہے اور یہ معنی ان جماعتوں میں متحقق ہیں کیونکہ قبیلہ قبیلہ عاشورا وغیرہ کے دن ایک دوسرے کو خبر کرتے

اور بُلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نماز کو جمعیت سے ادا کرنا چاہئے، اور اس فعل کو بطریقِ عادت ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کی اطلاع دینا اذان واقامت سے بھی ابلغ ہے، پس تداعی بھی ثابت ہو گئی۔ اگر تداعی کو اذان واقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایت میں واقع ہے اور اس سے اذان واقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گذر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی (یعنی مسجد کے گوشہ میں ہو۔)

جاننا چاہئے کہ چونکہ (نوافل میں) ریا وسمعہ کا دخل ہو سکتا ہے اس لئے ادائے نوافل کی بنیاد اخفا وتستر یعنی پوشیدگی پر ہے اور جماعت اخفا کے منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار واعلان مطلوب ہے کیونکہ یہ ریا وسمعہ کی آمیزش سے پاک ہے، پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے ـــــ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے کا امن ثابت ہو اور ان مکروہ جماعتوں میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہوگا بلکہ منکر اور ممنوع ہوگا۔ حدیثِ نبوی میں ہے اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا (فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔)

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر وتنبیہ کریں، تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے، جڑ سے اکھڑ جائے۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ" [1]

فرائض کے مقابلہ میں نوافل کا حکم

[2] اور شک نہیں کہ نوافل فرضوں کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں کاش ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط ہی کی نسبت ہوتی بلکہ سنت کے مقابلہ میں نفل کی یہی نسبت ہے اگرچہ سنت وفرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے پس دونوں قربوں (قرب بالنوافل وقرب بالفرائض) کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہئے اور عالِم خلق کا شرف عالِم امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینا چاہئے، اکثر لوگ چونکہ اس معنیٰ سے بے نصیب ہیں

[1] دفتر اول مکتوب ۲۸۹۔

فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔

صوفیائے خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چلے و ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت ترک کر دیتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اُن کے ہزار چلّوں سے بہتر ہے، ہاں آداب شرعیہ کو مدِ نظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور علمائے بے سر انجام بھی نوافل کے رواج دینے میں سعی کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں مثلاً نمازِ عاشورا کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچی جماعت و جمعیتِ تمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی نماز کی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں اور فرضوں کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں، ایسا کم ہوتا ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں پابندی نہیں کرتے، جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا ہونے پر ہی کفایت کرتے ہیں، جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہے تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے، اس عمل کی بدبختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا اور اس فعل کی ظلمت سے بدعت و خواہشِ نفسانی ظاہر ہو گئی ہے۔" [1]

کلماتِ اذان کے اسرار " حمد و صلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیے کہ اذان کے کلمات سات ہیں: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو کسی عابد کی عبادت کی حاجت ہو اس مہتم بالشان معنی کی تاکید کیلئے یہ کلمہ چار بار دہرایا گیا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنی کبریائی اور کسی عبادت سے مستغنی ہونے کے باوجود عبادت کا مستحق بھی وہی حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی طرف سے عبادت کا طریقہ پہنچانے والے ہیں اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے لائق وہی عبادت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ و رسالت کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۰۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، یہ دو کلمے وہ ہیں جن کے ذریعے نمازی کو فلاح و کامیابی کی طرف لے جانے والی فرض نماز کی ادائیگی کی طرف بلایا جاتا ہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی کسی کی عبادت اس پاک جناب کے لائق نہیں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی وہی حق تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اگرچہ کسی سے اس کی پاک جناب کے لائق عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ نماز کی بزرگی شان ان کلمات کی بزرگی سے جو نماز کے اعلان کے لئے شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائے ہیں سمجھنی چاہئے

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔ [1]

اسرار الصلوٰۃ " جاننا چاہئے کہ نماز میں تکبیر اولیٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی و برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ارکان کے بعد ہیں وہ اس امر کے رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کی عبادت کے لائق نہیں ہے، رکوع کی تسبیح میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے آخر رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم نہ فرمایا برخلاف دونوں سجدوں کے کہ باوجود ان کی تسبیحوں کے اول و آخر تکبیر کہنے کا امر کیا ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ سجود میں چونکہ نہایت فروتنی و پستی اور نہایت ذلت و انکسار ہے اس لئے حق عبادت ادا ہو جاتا ہے اسی وہم کے دور کرنے کے لئے سجود کی تسبیح میں لفظ اَعْلٰی کو اختیار کیا ہے اور تکبیر کا تکرار بھی مسنون ہوا، اور چونکہ نماز مومن کی معراج ہے اس لئے آخر نماز میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم صادر فرمایا جن کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں مشرف ہوئے تھے، پس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو اپنی معراج بنائے اور نماز ہی میں نہایت قرب حاصل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ (بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے) اور نمازی چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور نماز کے ادا کرنے وقت حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر کے حق تعالیٰ کا رعب و ہیبت اس پر چھا جاتا ہے اس لئے اس کی تسلی کے واسطے نماز کو دو سلاموں پر ختم کرنے کا امر فرمایا۔

[1] دفتر اول مکتوب ۳۰۳۔

اور یہ جو حدیث نبویؐ میں ہر فرض نماز کے بعد سو دفعہ تسبیح و تحمید و تکبیر و تہلیل کا حکم ہے فقیر کے علم میں اس کا بھید یہ ہے کہ ادائے نماز میں جو قصور و کوتاہی واقع ہوئی ہے اس کی تلافی تسبیح و تکبیر کے ساتھ کی جائے اور اپنی عبادت کے ناتمام و نالائق ہونے کا اقرار کیا جائے اور چونکہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت کا ادا کرنا میسر ہوا ہے تو اس نعمت کا حمد و شکر بجالانا چاہیے اور حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ بنانا چاہیے۔ جب نماز اس طرح شرائط و آداب کے ساتھ ادا ہو جائے اور اس کے بعد تہ دل سے ان کلماتِ طیبہ کے ساتھ تقصیر و کوتاہی کی تلافی کر لی جائے اور توفیق عبادت کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے مستحقِ عبادت ہونے کی نفی کر لی جائے تو امید ہے کہ وہ نماز حق تعالیٰ کے نزدیک قبول کے لائق ہوگی اور وہ نمازی عذاب سے نجات پائے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔"[1]

نماز میں حضور قلب سے مراد اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے! واضح ہو کہ نماز کے کامل طور پر ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنت و مستحب جن کی تفصیل کتب فقہ میں بیان ہو چکی ہے، سب کے سب ادا کیے جائیں، ان چاروں امور کے سوا اور کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کا نماز کو کامل کرنے میں دخل ہو، نماز کا خشوع بھی انہی چاروں امور میں مندرج ہے اور دل کا خشوع و خضوع بھی انہی پر وابستہ ہے، بعض لوگ ان امور کے صرف جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل میں سستی اور کاہلی کرتے ہیں اس لئے نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں۔

بعض لوگ حق تعالیٰ کے ساتھ حضورِ قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمالِ ادبیہ جوارح میں کم مشغول ہوتے ہیں اور صرف سنتوں اور فرضوں پر کفایت کرتے ہیں یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، یہ لوگ نماز کے کمال کو غیر نماز سے ڈھونڈھتے ہیں کیونکہ حضورِ قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (نماز حضورِ قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی) ممکن ہے کہ اس حضورِ قلب سے مراد یہ ہو کہ ان امورِ اربعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے تاکہ ان امور میں سے کسی امر کے بجا لانے میں کچھ فتور واقع نہ ہو اور اس حضور کے سوا اور کوئی حضور اس وقت اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔"[2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۳۰۴ [2] دفتر اول مکتوب ۳۰۵

نماز کی بلندیٔ شان جاننا چاہیئے کہ وہ لذت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت حاصل ہوتی ہے نفس کا اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے، عین اس لذت حاصل کرنے کے وقت وہ نالہ وفغاں میں ہے سبحان اللہ کیا عجیب مرتبہ ہے ع هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا

ہم جیسے حریص آدمیوں کو اس قسم کی باتوں کا کہنا اور سننا بھی غنیمت ہے ع

یارے بہ ہیچ خاطر خود شاد میکنم

اور نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رویت کے رتبہ کی طرح ہے، دنیا میں بہت قرب نماز میں ہے اور آخرت میں نہایت قرب رویت کے وقت، اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلے ہیں اور نماز اصلی مقصد ہے والسلام والاکرام۔[1]

مبتدی ومنتہی کی نماز کا فرق اور منتہی کی نماز کی چند خصوصیات (مبتدی ومنتہی کی نماز میں) فرق عامل کی جہت سے ہے عمل کی جہت سے نہیں، ایک ہی عمل کا اجر عامل کے تفاوت کے باعث متفاوت ہوتا ہے مثلاً وہ عمل جو کسی مقبول ومحبوب عامل سے وقوع میں آئے اس کا اجر اس کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہوگا جو اس عامل کے سوا کسی غیر کے اسی عمل پر مرتب ہو کیونکہ جس قدر عامل کا مرتبہ بڑا ہوگا اسی قدر اس کے عمل کا اجر بھی زیادہ تر ہوگا، اسی سبب سے کہتے ہیں کہ عارف کا ریائی عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہے، اور پھر کس طرح بہتر نہ ہو جبکہ عارف کا عمل سراسر اخلاص سے بھرا ہوا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کو اپنے صواب سے بہتر جان کر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کی آرزو کرتے رہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا يَا لَيْتَنِي كُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ (اے کاش میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہی ہو جاتا) گویا ان کی آرزو یہی تھی کہ کلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہو جائیں پس اپنے تمام احوال واعمال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سہو سے کم جانتے ہیں اور کامل تمنا کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ ان کی تمام نیکیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کے برابر ہی ہو جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سہوًا عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار گانہ فرض نماز کی دو رکعتوں پر مشغول کر سلام پھیر دیا تھا جیسا کہ مروی ہے، پس منتہی کی نماز پر دنیاوی نتائج اور ثمرات کے باوجود

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۱۔

آخرت کا بڑا بھاری اجر بھی مرتب ہے برخلاف بتدی اور عامی کی نماز کے ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

نماز کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں ان سے قیاس کرلیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز میں قرآن پڑھنے اور تسبیحات و تکبیرات کہنے کے وقت اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کی طرح معلوم کرتا ہے اور اپنے قویٰ و اعضا کو آلات و وسائل جانتا ہے اور کبھی ایسا پاتا ہے کہ نماز ادا کرنے کے وقت باطن حقیقت ظاہر و صورت سے پورے طور پر تعلق توڑ کر عالمِ غیب کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اور غیب کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت حاصل کرلی ہے "۔[1]

نماز معراج مومن ہے | "حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی ارشدہ اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ نماز اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے اور تمام عبادات کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کُل کا حکم پیدا کرلیا ہے اور تمام اعمالِ مقربہ پر سبقت لے گئی ہے۔ رویتِ باری تعالیٰ کی جو دولت سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں حاصل ہوئی تھی دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب وہ دولت آپ کو نماز میں میسر ہوتی تھی اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (نماز مومنوں کی معراج ہے)۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ (سب سے زیادہ قرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے وہ نماز میں ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے اگرچہ رویت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر حق تعالیٰ نماز کا حکم نہ دیتا تو چہرۂ مقصود سے نقاب کون اُٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غمزدوں کی غمگسار اور بیماروں کی راحت بخش ہے۔ حدیث اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلالؓ مجھے راحت دے) میں اسی معاملہ کا رمز ہے اور حدیث قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے۔ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور احوال و مقامات اور انوار و الوان اور تلوینات و تمکینات اور تجلیاتِ

---

[1] دفتر اول مکتوب ۳۰۵۔

باکیف و بے کیف اور ظہوراتِ رنگا رنگ و بے رنگ ان میں سے جو کچھ نماز کے بغیر میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہوں ان سب کا منشا ظلال و امثال ہے بلکہ وہم و خیال سے پیدا ہوئے ہیں۔

جو نمازی کہ نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے وہ نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالمِ دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں داخل ہو جاتا ہے لہذا اس وقت اس دولت سے حصہ حاصل کر لیتا ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ پا لیتا ہے کیونکہ عالمِ دنیا (کا معاملہ) کمالاتِ ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت کے ساتھ مخصوص ہے پس معراج سے گریز نہیں ہے اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے اور یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے کہ اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے سبب جو کہ شبِ معراج میں دنیا سے آخرت میں تشریف لے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے یہ امت اس کمال کے ساتھ مشرف اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئی، اھ" [1]

تلاوتِ قرآن مجید افضل العبادات ہے

" پس خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیاء سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے اور حق تعالیٰ کی صفات میں سب سے زیادہ ظاہر بھی یہی صفت ہے جس کو ظلیت کی گرد بھی نہیں لگی۔ قرآن پاک تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک کو محبوبوں کی آنکھ میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالمِ ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت سے زیادہ مقبول ہے خواہ ملکِ مقرب کی شفاعت ہو یا نبیِ مرسل کی اور وہ نتائج و ثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مرتب ہوتے ہیں تفصیل سے باہر ہیں۔ بسا اوقات قرآن مجید اپنے تلاوت کرنے والے کو ایسے بلند درجات تک پہنچا دیتا ہے کہ وہاں بال کے گذرنے کی بھی گنجائش نہیں ہو سکتی" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۱۔ [2] دفتر سوم مکتوب ۱۰۰

روزہ

رمضان المبارک کے فضائل و برکات

رد جاننا چاہئے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بڑا بزرگ و مبارک ہے۔ نفلی عبادت از قسم نماز و روزہ و صدقہ وغیرہ جو اس مہینے میں ادا کی جائے دوسرے دنوں کے فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے اور اس مہینے کے فرضوں کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کی برابر ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اسے بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو دوزخ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس کو اس روزہ دار کے اجر کے برابر اجر عطا کرتے ہیں بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر کو کم کریں۔ ایسے ہی اگر کوئی اپنے غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے تو حق تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کی گردن کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کو آزاد فرمایا کرتے تھے اور جو کوئی آپ سے جو کچھ مانگتا اُسے عطا فرما دیتے تھے۔

اگر کسی شخص کو اس مہینے میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو تمام سال تک توفیقِ الٰہی اس کے شاملِ حال رہتی ہے اور اگر یہ مہینہ پراگندگی سے گذرا تو تمام سال ہی پراگندہ گزرتا ہے، جہاں تک ہو سکے اس مہینے کی جمعیت میں کوشش کرنی چاہئے اور اس مہینے کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس مہینے کی ہر رات میں کئی ہزار دوزخ کے لائق آدمیوں کو آزاد کرتے ہیں اور اس مہینے میں بہشت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیر ڈال دیتے ہیں اور رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

افطار میں جلدی کرنا اور سحری کو دیر سے کھانا سنت ہے اور اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑا مبالغہ فرمایا کرتے تھے اور شاید سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنے عجز و احتیاج کا اظہار ہے جو مقامِ بندگی کے مناسب ہے۔ اور کھجور یا چھوہارے سے افطار کرنا سنت ہے اور آپؐ افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے "ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى (پیاس دُور ہو گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا انشاءاللہ تعالیٰ)

تراویح کا ادا کرنا اور قرآن مجید کا ختم کرنا اس مہینے میں سنتِ مؤکدہ ہے اور اس سے

بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِہٖ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ۔[1]

ماہِ رمضان المبارک کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت

"باسمہ سبحانہٗ! کلام کا شان جو شیونات ذاتیہ میں سے ہے تمام کمالاتِ ذاتی و شیوناتِ صفاتی کا جامع ہے جیسا کہ علوم گذشتہ میں ذکر ہو چکا ہے اور ماہِ مبارک رمضان تمام خیرات و برکات کا جامع ہے اور جو خیر و برکت ہے وہ حضرت ذات ہی کی طرف سے پہنچتی ہے اور اس کے شیونات کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شر و نقص کہ وجود میں آتا ہے اس کا منشا و مبدأ ذات و صفاتِ محدثہ ہے، مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ خود نصِ قاطع ہے۔

پس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات و برکات اُن کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شانِ کلام ہے اور قرآن مجید اس شانِ جامع کی حقیقتِ کامل ہے پس اس ماہِ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ پوری پوری مناسبت ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ ان تمام خیرات کا جامع ہے جو ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں، اسی مناسبت کے باعث قرآن مجید اس مہینے میں نازل ہوا ہے، شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ اور اسی مہینے میں شبِ قدر اس مہینے کا خلاصہ اور زبدہ ہے، وہ رات گویا اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کا پوست ہے، پس جس کا یہ مہینہ جمعیت سے گذر جائے اور جو اس مہینے کی خیرات و برکات سے فائدہ مند ہو جائے اس کا تمام سال جمعیت کے ساتھ اور خیر و برکت سے بھرا ہوا گذر جائے وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِلْخَیْرَاتِ وَالْبَرَکَاتِ فِیْ ھٰذِہِ الشَّھْرِ الْمُبَارَکِ وَرَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ النَّصِیْبَ الْاَعْظَمَ۔ (حق تعالیٰ ہم کو اس مبارک مہینے کے خیرات و برکات حاصل کرنے کی توفیق دے اور بہت حصہ عطا فرمائے)

حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّہٗ بَرَکَۃٌ (جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرنا چاہے تو اس کو کھجور سے افطار کرنا چاہیے کیونکہ اس میں برکت ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کھجور سے افطار فرمایا ہے۔ اور کھجور میں برکت کا موجب یہ ہے کہ اس کا درخت ایک ایسا درخت ہے جو انسان کی طرح

[1] دفتر اول مکتوب ۴۵

جامعیت اور عدلیت کے طور پر پیدا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درخت کو بنی آدم کی پھوپھی فرمایا ہے کیونکہ وہ آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے أَكْرِمُوا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ آدَمَ (اپنی پھوپھی یعنی درختِ خرما کی تعظیم کرو کیونکہ وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے) اور ہو سکتا ہے کہ اس کا نام برکت اسی جامعیت کے اعتبار سے ہو پس اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنا صاحبِ افطار کا جزو بن جاتا ہے اور درخت کی حقیقتِ جامع اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کی جزو ہو جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے اُن بیشمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے جو اس کھجور کی حقیقتِ جامع میں مندرج ہیں۔

یہ مطلب اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن افطار کے وقت جو روزہ دار کے شہواتِ مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے اس کا کھانا زیادہ تاثیر رکھتا ہے اور یہ مطلب کامل اور پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ جو آں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے نِعْمَ سُحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ (مومن کی بہتر سحری تمر (کھجور) ہے) اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ اس کی غذا میں جو صاحبِ غذا کا جزو بن جاتی ہے اس کی حقیقت کی تکمیل ہے نہ کہ اس کی غذا کی حقیقت، اور جب یہ مطلب روزہ میں مفقود ہے تو اس تلافی کے لئے تمر (کھجور) کی سحور پر ترغیب فرمائی گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت تک رہتی ہے اور غذا کا یہ فائدہ جو مذکور ہو چکا ہے اس تقدیر پر مرتب ہوتا ہے کہ وہ غذا تجویزِ شرعی کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے سر مو تجاوز نہ ہو۔ اور نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ اس کا کھانے والا صورت سے گذر کر حقیقت تک جا پہنچا ہو اور ظاہر سے باطن تک پہنچ گیا ہو تاکہ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کو مدد دے اور غذا کا باطن اس کے باطن کو مکمل کرے ورنہ صرف ظاہری امداد ناقص ہے اور اس کا کھانے والا عین کمی میں ہے۔

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر بعد ازاں چندانکہ میخواہی بخور

جلدی افطار کرنے اور سحری دیر سے کھانے میں حکمت یہی ہے کہ صاحبِ غذا کے لئے غذا کی تکمیل ہو جائے والسلام۔" (دفتر اول مکتوب ۱۶۲)

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا ایک پیسہ صدہا صدقۂ نافلہ سے بہتر ہے

" اول اپنے اعتقاد کو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کرنا چاہئے پھر احکامِ فقہیہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے خصوصاً ادائے فرض میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور حل و حرمت میں بڑی احتیاط بجالانی چاہئے اور عباداتِ نافلہ کو عباداتِ فرائض کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں ہے ___ اس زمانہ کے اکثر لوگ نوافل کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خراب کرتے ہیں، نوافل کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتبار سمجھتے ہیں، روپیہ سب کا سب وقت بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن زکوٰۃ کے طور پر ایک پیسہ بھی مستحق کو دینا دشوار ہے، یہ نہیں جانتے کہ ایک پیسہ زکوٰۃ کے طور پر مصرفِ شرعیہ میں دینا لاکھوں روپے صدقۂ نافلہ سے بہتر ہے کیونکہ ادائے زکوٰۃ میں حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقۂ نافلہ میں اکثر ہوائے نفسانی کی تابعداری ہے، اسی واسطے فرض میں ریا کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریا کا دخل ہے، یہی سبب ہے کہ زکوٰۃ کو ظاہر کرکے دینا بہتر ہے تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقۂ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے جو قبولیت کے لئے مناسب ہے، غرض جب تک احکامِ شرعیہ کو لازم نہ پکڑیں تب تک دنیا کی مضرت سے نہیں بچ سکتے، اگر دنیا کا ترکِ حقیقی میسر نہ ہو تو ترکِ حکمی میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا لازم پکڑنا ہے واللہ سبحانہ الموفق "[1]

(دیگر) " مثلاً زکوٰۃ کے طور پر ایک پیسہ کا صدقہ کرنا جس طرح نفلی طور پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجے بہتر ہے اسی طرح اس پیسہ کے صدقہ کرنے میں کسی ادب کی رعایت کرنا مثلاً اس کو کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس سے کئی درجے بہتر ہے۔"[2]

حج

راستہ کی استطاعت نہ ہو تو حج کیلئے نہ جائیں

" اے محبت کے نشان والے! جب آپ نے رخصت طلب کی اور جانے کا پختہ ارادہ کرلیا تو وداع ہونے کے وقت احتمال کے ساتھ استفسار ہوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۸۲ [2] دفتر اول مکتوب ۲۹

مل جائیں گے، ہر چند ارادہ کیا لیکن استخارے موافق نہ ہوئے اور اس بارے میں کوئی تجویز معلوم نہ ہوئی ناچار اس بارے میں توقف اختیار کیا۔ فقیر کی صلاح پہلے ہی آپ کے (سفرِ حج پر) جانے کی نہ تھی لیکن آپ کے شوق کو دیکھ کر صاف طور پر منع نہ کیا، استطاعت راستہ کی شرط ہے بغیر استطاعت کے تضیع اوقات ہے، ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مشغول ہونا مناسب نہیں کئی خطوں میں آپ کو یہ مضمون لکھا ہے شاید پہنچا ہے یا نہیں اصل بات یہی ہے آگے آپ مختار ہیں والسّلام"۔ ؎۱

نفلی حج سے اگر دوسرے فرائض فوت ہو جائیں تو لایعنی میں داخل ہے

"اے بھائی! حدیث میں آیا ہے عَلَامَةُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ (بندے کا لایعنی باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی ایک علامت ہے) فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہونا لایعنی میں داخل ہے پس اپنے احوال کی تفتیش کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے نفل میں یا فرض میں، ایک نفلی حج کے لئے اتنے ممنوعات کا مرتکب نہ ہونا چاہیے اچھی طرح ملاحظہ کریں اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی رُفَقَائِکُمْ ؎۲

ادلّۂ شرعیّہ

چار ادلّۂ احکامِ شرعیہ

"پس ثابت ہوا کہ احکامِ شرعیہ کے ثابت کرنے میں صرف کتاب و سنت ہی کا اعتبار ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماعِ امت بھی حقیقت میں مثبتِ احکام ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکامِ شرعیہ کو ثابت کر سکے، اولیاء اللہ کا الہام کسی چیز کی حل و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور اہلِ باطن کا کشف کسی چیز کے فرض یا سنت ہونے کو ظاہر نہیں کرتا احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدین کرام کی تقلید کرنے میں ولایتِ خاصہ والے حضرات عام مومنین کے برابر ہیں ان کے کشف و الہام ان کو زیادتی نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔ ان بزرگوں کی فضیلت دوسری حیثیت سے ہے"۔ ؎۳

قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ کا جامع ہے

"قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ بلکہ تمام گذشتہ شریعتوں کا جامع ہے۔ غرض اس شریعت کے احکام اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت و اشارت اور دلالت و اقتضاء سے

؎۱ دفتر اول مکتوب ۱۲۴۔ ؎۲ دفتر اول مکتوب ۱۲۳ ؎۳ دفتر دوم مکتوب ۵۵

مفہوم ہوتے ہیں اس قسم کے احکام کے سمجھنے میں تمام خاص و عام اہلِ لغت برابر ہیں، دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوتے ہیں، یہ فہم ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں سے بقولِ جمہور اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام مجتہد ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو وحی کا زمانہ تھا احکامِ اجتہادیہ میں خطا و صواب کا احتمال نہیں تھا بلکہ وحیٔ قطعی کے ساتھ حق باطل سے اور صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیونکہ پیغمبر کو خطا پر ثابت و برقرار رکھنا جائز نہیں برخلاف ان احکام کے جو زمانۂ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد مجتہدوں کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں کہ ان میں صواب خطا کا احتمال ہے اسی واسطے وہ احکامِ اجتہادیہ جو وحی کے زمانہ میں مقرر ہوئے ہیں یقین کا فائدہ دیتے ہیں جن سے عمل و اعتقاد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور زمانہ وحی کے بعد احکامِ اجتہادیہ ظن کا موجب ہیں جو مفیدِ عمل ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں۔

قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں جن کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے جب تک احکام کے نازل کرنے والے جل شانہٗ کی طرف سے اطلاع نہ ملے ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس اعلام و اطلاع کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے پیغمبر کے سوا کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں دیتے، یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چونکہ ان کا مُظہر (ظاہر کرنے والا) پیغمبر ہے اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیونکہ ان کا مُظہر سنت ہے جس طرح احکامِ اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مُظہر ہے پس سنّت و قیاس دونوں احکام کے مُظہر ہیں اگرچہ ان دونوں مُظہروں کے درمیان بہت فرق ہے ایک (قیاس) رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی مجال ہے اور دوسرے (سنّت) کی حق تعالیٰ کے اعلام (خبر دینے) سے تائید ہو جاتی ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ قسمِ اخیر اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے اگرچہ تمام احکام کے ثابت کرنے والی فقط وہی کتابِ عزیز ہے۔" [1]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۵۵

حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اہمیت

"میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی جوش میں آجاتی ہے اور اس میں توجیہ و تاویل کی طرف فرصت نہیں دیتی، ان باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی مگر ہم کو تو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام۔ ہم کو نص (قرآن وسنت) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم تصنیفِ شیخ محی الدین ابن عربی) سے، فتوحات مدنیہ (احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ (تصنیفِ شیخ محی الدین ابن عربی) سے بے نیاز کر دیا ہے"۔[1]

قرآن وسنت کے خلاف چلنا صدو تعصب ہے

"جو شخص قرآن وسنت سے آنکھیں بند کر کے صدو تعصب کرے وہ مبحث سے خارج ہے شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے ؂

آنکس کہ بقرآن وخبر زو نہ رہی | آنست جوابش کہ جوابش ندہی"[2]

بخاری شریف قرآن مجید کے بعد اصح الکتب ہے

"امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں جو قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر فرمایا ایک شخص اور، تو اُن کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے عرض کیا کہ پھر آپ۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں"۔[3]

صوفیائے کرام کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں ہو سکتا

"چنانچہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں ہے" اور صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں ہے اُن کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہاں تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلیؒ و ابوالحسن نوریؒ کا عمل"۔[4]

کسی مسئلہ میں علماء و صوفیہ کا اختلاف ہو تو حق علماء کی جانب ہوگا

"جاننا چاہیے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں کہ علماء اور صوفیہ میں باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علماء کی جانب معلوم ہوتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ علماء کی نظر نے

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۰۰۔ [2] دفتر سوم مکتوب ۲۴۔ [3] دفتر دوم مکتوب ۱۵۔ [4] دفتر اول مکتوب ۲۶۶

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے اور صوفیا کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے پس وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا جائے کئی درجہ زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔"[1]

کشف والہام کے بالمقابل مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا چاہیے

قیاس واجتہاد اصولِ شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے برخلاف کشف والہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے اور دین کے اصول کو ان کی رائے کے موافق ڈھونڈنا چاہیے اور صوفیائے کرام جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے خلاف کہیں یا کریں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیے اور ان پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے ان کے طعن سے سکوت اختیار کرنا چاہیے اور ان کی اس قسم کی باتوں کو شطحیات میں شمار کرنا چاہیے

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض صوفیہ عام لوگوں کو اپنے کشفی اور الہامی امور مثلاً وحدت الوجود پر ایمان لانے کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کی تقلید پر ترغیب دیتے ہیں اور ان کے عدم پر دھمکاتے ہیں کاش یہ لوگ ان امور کے عدم انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور دھمکی فرماتے کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدمِ انکار اور چیز ہے۔ ان امور کے ساتھ ایمان لانا لازمی نہیں ہے ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق تعالیٰ کے اولیاء کے ساتھ بغض و عداوت پیدا ہو جائے۔ علمائے اہلِ حق کے عقائد کے موافق عمل کرنا چاہیے اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حسنِ ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہیے اور لا و نعم پر جرأت نہ کرنی چاہیے۔"[2]

(شریعت مدارِ نجات ہے)

نجات کا طریق شریعت کی پیروی میں ہے

"نجات کا طریق اور (عذابِ الٰہی سے) خلاصی کا راستہ اعتقادی اور عملی طور پر صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ استاد و پیر اس لیے پکڑتے ہیں تاکہ وہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے عقائد

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ [2] دفتر اول مکتوب ۲۷۲۔

د عمل میں آسانی اور سہولت حاصل ہو جائے، نہ یہ کہ مرید جو چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں، پیر اُن کے لئے ڈھال بن جائیں گے اور عذاب سے بچالیں گے کیونکہ ایسا خیال کرنا ایک نکمی اور بیکار آرزو ہے، وہاں (محشر میں) کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہوں گے کوئی اس کی شفاعت نہیں کرے گا اور عمل پسندیدہ اس وقت ہوں گے جبکہ شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ شریعت کی متابعت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہو گا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا"۔ [سلہ]

شریعت کی جامعیت حق تعالیٰ شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی اور استقامت عطا فرما کر اپنی بارگاہِ مقدس کی طرف پوری طرح متوجہ کرلے۔ چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتدال کے طور پر تمام اسمائی وصفاتی کمالات کے جامع اور ان تمام (اسمائی وصفاتی) کمالات کا مظہر ہیں۔ وہ کتاب (قرآن مجید) جو آپ پر نازل ہوئی ہے اُن تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی ہیں اور نیز وہ شریعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے تمام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے اور وہ اعمال جو اس شریعتِ ختم کے موافق ہیں سب سابقہ شریعتوں کے اعمال بلکہ فرشتوں کے اعمال سے بھی منتخب ہیں کیونکہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم ہے اور بعض کو سجدے کا اور بعض کو قیام کا اور ایسا ہی گذشتہ امتوں میں سے بعض کو صبح کی نماز کا حکم تھا اور بعض کو دوسری نمازوں کا۔ اس شریعت میں گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ و زبدہ (خالص و عمدہ حصہ) انتخاب کر کے اُن کے بجالانے کا حکم فرمایا۔ پس اس شریعت کو سچا جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان کے موافق عمل بجالانا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہوں گے اور اسی طرح اس شریعت کا جھٹلانا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا گذشتہ تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان (جھٹلانے والوں) کے موافق عمل کرنا ہے اور ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا تمام آسمائی وصفاتی کمالات کا

سلہ دفتر سوم مکتوب ۴۱۔

انکار کرتا ہے اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق ان سب کی تصدیق ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور اس شریعت کی تکذیب کرنے والے تمام امتوں میں سے بدتر ہوں گے۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا (اعرابی کفر و نفاق میں بڑے سخت ہیں) میں اسی کی طرف اشارہ ہے ؎

محمدِ عربی کابروئے ہر دو سراست
کسیکہ خاکِ درش نیست خاک برسر او[1]

شریعت کے تین جزو ہیں اور شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے

"شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو گویا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو گئی جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے) پس شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں رہتا جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت جن کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں پس ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ شریعت کے سوا اور کوئی امر، احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ اوہام و خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے، ان سب سے گذر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہیے جو مقامِ جذب و سلوک کی نہایت ہے کیونکہ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو مقامِ رضا حاصل ہونے کیلئے لازمی و ضروری ہے۔"[2]

موازنۂ شریعت و تصوف

"کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہیں پوچھیں گے جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجا لانے پر منحصر ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا مدار اسی کو مقرر کیا ہے ان بزرگوں کی بعثت کا مقصد شریعت کی تبلیغ ہے

---

[1] دفتر اول مکتوب ۷۹ [2] دفتر اول مکتوب ۳۶

پس سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے خاص طور پر ایسے زمانہ میں جبکہ اسلام کے نشانات مٹ گئے ہوں کروڑوں روپیہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس فعل میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اقتدا ہے جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں۔

(اس مکتوب کے آخر میں فرماتے ہیں) طالب علم باوجود ماسوی اللہ کی گرفتاری کے خلقت کی نجات کا سبب ہے کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ اس سے حاصل ہے اگرچہ اس سے خود اس کو کچھ نفع نہیں اور صوفی نے باوجود ماسوی اللہ سے آزادی کے صرف اپنے نفس کو خلاص کیا ہے خلقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس پر بہت سے لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ شخص اس سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کے خیال میں ہے۔ ہاں وہ صوفی جو فنا و بقا اور سیر عن اللہ باللہ کے بعد عالم کی طرف راجع ہوا اور خلق کی دعوت میں مشغول ہو وہ مقام نبوت سے حصہ رکھتا ہے اور شریعت کے احکام پہنچانے والوں میں داخل ہے اور علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[1]

طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں

"اس سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی و انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے اور یہ اخلاص شریعت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل، اخلاص۔ پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کے خادم ہیں۔ اصل معاملہ تو یہی ہے مگر ہر ایک شخص کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچتی، اکثر دنیا والوں نے خواب و خیال کے ساتھ آرام حاصل کیا ہوا ہے اور اخروٹ و منقی یعنی ادنی باتوں پر کفایت کی ہوئی ہے، وہ لوگ شریعت کے کمالات کو کیا جانیں اور حقیقتِ طریقت و حقیقت کو کیا سمجھیں وہ لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے صوفیاء کی بے مقصد باتوں پر مغرور ہیں اور احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ سَوَاءَ الطَّرِيْقِ وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ[2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۸ ۔ [2] دفتر اول مکتوب ۳۶

علمائے راسخین و علمائے ظاہر اور صوفیاء کا نصیب

علمائے راسخین نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعہ کو پالیا ہے اور ان بزرگواروں نے شریعت کو ایک شخص کی صورت میں تصور کیا ہے جس کا پوست صورتِ شریعت اور اس کا مغز حقیقتِ شریعت ہو۔ شرائع واحکام کے علم کو شریعت کی صورت اور حقائق و اسرار کے علم کو شریعت کی حقیقت سمجھا ہے۔ بعض لوگوں نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے اور صرف ہدایہ اور بزدوی ہی کو اپنا پیر اور مقتدا سمجھا ہے۔ بعض لوگ اگرچہ اس کی حقیقت کے گرفتار ہوئے ہیں لیکن چونکہ انھوں نے اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا بلکہ شریعت کو صورت پر موقوف رکھا اور اس کو صرف پوست خیال کیا اور مغز کو اس کے سوا کچھ اور تصور کیا اس لئے اُس حقیقت کی حقیقت سے واقف نہ ہوئے اور انھوں نے متشابہات کا کچھ حصہ حاصل نہ کیا۔ پس علمائے راسخین ہی درحقیقت (انبیاء علیہم السلام کے) وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ان کے محبین و متبعین میں سے بنائے۔[1]

علومِ شرعیہ کی تدریس ذکر و فکر سے زیادہ اہم ہے

زیادہ ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس میں کسی طرح بھی کوتاہی نہ کریں اگر آپ کا سارا وقت درس ہی میں صرف ہو جائے تو نہایت اچھا ہے، ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں' رات کے اوقات ذکر و فکر کے لئے وسیع ہیں۔ شیخ حسنؒ کو بھی سبق پڑھاتے رہیں اور اس کو بیکار نہ رہنے دیں۔ ان حدود میں چونکہ علم بہت کم ہے اس لئے علومِ شرعیہ کو زندہ و تازہ کرتے رہیں، زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔[2]

علمائے ظاہر کے درست عقائد کا جمال صوفیہ کے مجاہدات سے بڑھ کر ہے

اہلِ سنت و جماعت کے علمائے ظاہر اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ان کے درست عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی و کمی اس کے مقابلہ میں ہیچ و ناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض صوفی ریاضتوں اور مجاہدوں کے باوجود چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے اس لئے وہ جمال ان میں نہیں پایا جاتا۔[3]

[1] دفتر دوم مکتوب ۱۵۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۱۲ [3] دفتر اول مکتوب ۵۔

غلط تصوّف اور کج رو صوفیوں کی اصلاح

شریعت کے خلاف وجد و حال اور کشف و الہام معتبر نہیں

"صوفیوں کی شکریہ باتوں سے (جبکہ وہ شریعت کے مخالف ہوں) کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا اضافہ ہوتا ہے، وہاں وجد و حال کو جبتک شریعت کی میزان پر نہ تول لیں نیم جیتل (آدھا پیسہ) کے عوض بھی نہیں خریدتے اور کشف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جَو کے بدلے میں بھی پسند نہیں کرتے۔ صوفیائے کرامؒ کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کا جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے، اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے کیونکہ رویت باری تعالیٰ کے آخرت میں ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے اور وہ دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات و تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہیں وہ ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلّی حاصل کرنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ان سب سے وراء الوراء ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت پوری طرح بیان کی جائے تو اس بات کا خوف ہے کہ اس راستہ کے بتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر علم کے باوجود کچھ بھی نہ کہے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا۔"[1]

خلافِ سنّت مجاہدے اور غیر مشروع ریاضتیں معتبر نہیں

"جاننا چاہیئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ کی طرف رہنمائی کرے، یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح تر ہے (کیونکہ) پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی برخلاف پیر خرقہ کے، پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ رعایت کرنی چاہیئے، پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے، اور اس طریق میں نفس امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے (یعنی نفس کشی کرنا) احکام شرعی کے بجالانے اور سنتِ عالیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے میں ہے کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفس امارہ کی خواہشات کو دور کرنا ہے جو کہ اپنے مولا جل شانہٗ کی دشمنی کے ساتھ

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۰۷۔

قائم ہوا ہے پس نفسانی خواہشات کا دُور کرنا احکامِ شرعیہ کے بجالانے پر وابستہ ہے جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر خواہشاتِ نفسانی سے دور ہوگا پس نفس امّارہ پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں معتبر نہیں ہیں کیونکہ جوگی اور ہندو برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور خسارے کے سوا اور کچھ رہنمائی نہیں کرتیں"۔ ؎۱

بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے دیکھنے اور مظاہر جمیلہ و نغماتِ حسنہ سے پرہیز کرنا

(۱) "اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لئے وسیلہ و ذریعہ ہے وہ قبیح ہے اگرچہ بظاہر اچھی دکھائی دے اور حلاوت و طراوت کے ساتھ ظاہر ہو جیسا کہ دنیوی مزخرفات، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امردوں یعنی بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے حُسن اور دنیاوی زیب و زینت کی طرف رغبت و خواہش سے نظر کرنا منع فرمادیا گیا ہے"۔

(۲) اسی مکتوب میں اس مضمون سے چند سطر آگے تحریر فرماتے ہیں "پس بعض صوفیہ جو مظاہر جمیلہ اور نغماتِ حسنہ میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے اور اس گرفتاری و تعلق کو نیک و بہتر سمجھتے ہیں بلکہ اس کو راہِ وصول تصور کرتے ہیں، اس فقیر کے نزدیک اس کے خلاف ثابت ہوا ہے چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر مذکور ہو چکا ہے"۔ ؎۲

سماع و سرود اور وجد و تواجد کی شرعی حیثیت

(۱) "یہ تمام کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے باعث ہے کہ اس طائفہ صوفیہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنی قلبی بے چینی کا علاج سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا ہے اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا ہے اس لئے رقص و ناچ کو انھوں نے اپنا مسلک بنالیا ہے حالانکہ یہ روایت ان کے کانوں تک پہنچ چکی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی، ہاں اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ

؎۱ دفتر اول مکتوب ۲۲۱ ۔ ؎۲ دفتر اول مکتوب ۲۳۴

حَتّٰی یُبْشِیْ وَحُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے ۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند (جب انھوں نے حقیقت کو نہیں پایا تو افسانہ کا راستہ اختیار کر لیا)

اے بھائی! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے، عاقل کو صرف اشارہ کافی ہے"۔ [1]

(۲) جب اس طریقے کے بزرگوار (صوفیائے ربانی) ذکرِ جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص و وجد کا کیا ذکر ہے، وہ احوال و مواجید جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ و معائنات کو بھی ظاہر ہو جاتا ہے، اس امر میں حکمائے یونان اور ہند کے جوگی و برہمن سب برابر ہیں، احوال کے سچے اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علومِ شرعیہ کے ساتھ موافق ہونا اور محرّمہ و مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہے آیۂ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ (اور لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی (نالائق) ہے جو واہیات (خرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے علم کے بغیر گمراہ کرے) سرود سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ چنانچہ مجاہد جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شاگرد ہے اور کبار تابعین میں سے ہے کہتا ہے کہ لھو الحدیث سے مراد سرود ہے اور تفسیر مدارک میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد بیہودہ قصے کہانیاں اور سرود ہے اور حضرت ابن عباسؓ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بیشک وہ غنا و سرود ہے ۔ حضرت مجاہد اللہ تعالیٰ کے قول لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اَیْ لَا یَحْضُرُوْنَ الْغِنَآءَ

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۱ ۔

(یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے) اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ سے حکایت کی گئی ہے کہ جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو (جو کلماتِ قرآن میں گانے کی طرز پر پڑھنے کی وجہ سے تغیر پیدا کرتا ہے) قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے[1] اور اس کی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔

اور ابو نصیر الدبوسی سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کی ہے کہ جس نے گانے والے یا کسی اور سے سرود سُنا یا فعلِ حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے خواہ اچھا جاننا اعتقاد کی رو سے ہو یا بغیر اعتقاد کے کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مؤمن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی اطاعت (بندگی) کو قبول نہیں کرتا اور اس کی سب نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے اللہ ہم کو اس سے بچائے۔

غنا و سرود کی حرمت میں آیات و احادیث و روایاتِ فقہیہ اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایاتِ شاذہ کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانہ میں بھی سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں کیا ان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں یہاں تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل۔

اس زمانہ کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا (یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے)۔ اور سابقہ روایات سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعلِ حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و

[1] در مختار میں ہے کہ قرآن و اذان میں آواز کو خوبصورتی سے پھیرنا اچھا ہے جبکہ حروف میں تغیر واقع نہ ہو، اور اگر تغیر واقع ہوا تو اس کیلئے بھی اور سننے والے کے لئے بھی مکروہ ہے اور اس کو احسنت یعنی اچھا کہنا اگر اس کے خلوص ہونے کی وجہ سے بطور تعجب ہے تو اچھا ہے اور اگر اس کی اس گانے کی طرز کی قرأت کی وجہ سے احسنت کہا تو اس پر کفر کا ڈر ہے۔

عبادت سمجھنا کتنا بُرا ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم متبعین کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرود و قصہ خوانی کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اکثر یار اس امر میں موافقت کرتے ہیں، نہایت تعجب کی بات ہے، دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں اگرچہ فی الحقیقت وہ اس امر میں حق پر نہیں ہیں، بھلا اس سلسلہ کے احباب اس ارتکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے، ایک طرف حرمتِ شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت ہوئی، نہ اہلِ شریعت اس فعل سے راضی ہیں اور نہ اہلِ طریقت، اگر حرمتِ شرعی نہ بھی ہوتی تو پھر بھی طریقت میں کسی نئے امر کا پیدا کرنا بُرا ہوتا پھر ایسا امر کس طرح بُرا نہ ہو جبکہ حرمتِ شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب مرزا جی (یعنی خواجہ حسام الدین صاحب) اس امر سے راضی نہ ہوں گے لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع بھی نہیں کرتے ہوں گے اور دوستوں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے، اس فقیر نے چونکہ لینے آنے میں کچھ توقف دیکھا اس لئے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جی کی خدمت میں پیش کر دیں ۔ اور اول سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں [1]

(۳) "سرود و نغمہ کی طرف رغبت نہ کریں اور اس سے لذت حاصل کرنے پر فریفتہ نہ ہوں کیونکہ وہ ایسا زہر ہے جس میں شکر یا شہد ملا ہوا ہے۔" [2]

> خواب و واقعات لائقِ اعتبار نہیں
> القائے شیطانی کا ہر جگہ احتمال ہے

" آپ کے گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ ایسے مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ اشعار کے پڑھنے سے مراد ہے (جیسا کہ آپ کہتے ہیں) تو برادرِ عزیز میر محمد نعمان اور اس جگہ کے بعض دوستوں کے لئے جنھوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلسِ مولود سے بہت خوش ہیں مولود کا نہ سننا اور ترک کرنا بہت گراں ہے۔

میرے مخدوم ! اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا اور خوابوں پر بھروسہ ہوتا تو مریدوں کو

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ [2] دفتر سوم مکتوب ۳۲

پیروں کی کچھ ضرورت نہ تھی اور طریقوں میں سے کسی ایک طریق کو لازم پکڑنا لغو و بیفائدہ ہوتا کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا اور اپنے خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا خواہ وہ واقعات و معاملات پیر کے طریقہ کے موافق ہوتے یا نہ ہوتے اور خواہ پیر کے پسند ہوتے یا نہ ہوتے، اس تقدیر پر سلسلۂ پیری و مریدی درہم برہم ہو جاتا اور ہر نادان اپنی وضع و طریقہ پہ مضبوطی سے قائم ہو جاتا حالانکہ مرید صادق ہزارہا واقعات کو پیر کی موجودگی میں آدھے جو کے عوض بھی نہیں خریدتا اور طالب رشید پیر کی حضوری (موجودگی) کی بدولت خوابوں کو پریشان و جھوٹے خواب جانتا ہے اور ان کی طرف کچھ التفات نہیں کرتا، شیطان لعین ایک طاقتور دشمن ہے جب منتہی حضرات اس کے فریب سے امن میں نہیں ہیں اور اس کے مکر سے لرزاں و ترساں ہیں تو پھر مبتدیوں اور متوسطوں کا کیا ذکر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ منتہی شیطان کے غلبہ سے محفوظ و مصئون ہیں بخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے، پس ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں اور نہ ہی دشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

(اسی مکتوب شریف میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں) "اور کوئی نبی و رسول ایسا نہیں گذرا ہے جس کے کلام میں شیطان نے القاء نہ کیا ہو جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا ہے اور اپنے کلام کو محکم بنایا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ الآیۃ سورہ حج، مؤلف) پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بیداری کے وقت صحابہ کرام کی مجلس میں شیطان لعین نے اپنے کلام باطل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں القا کر دیا (ملا دیا) اور (حاضرین میں سے) کسی شخص نے تمیز نہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو کہ حواس کے معطل اور بیکار ہونے کا محل اور شک و شبہ کا مقام ہے دیکھنے والے کی تنہائی کے باوجود کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکر و فریب سے محفوظ و مامون ہے۔

اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ جب نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل سے راضی ہیں جیسا کہ ممدوح لوگ اپنی مدح

کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ان کی قوتِ متخیلہ میں منقش ہوگئی ہو تو ہوسکتا ہے کہ واقعہ میں اسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو قطعِ نظر اس سے کہ اس واقعہ کی کوئی حقیقت بھی ہے یا صرف تمثیلِ شیطانی ہی ہے۔

اور نیز واقعات و رؤیائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت وہی ہوتی ہے جو دیکھنے والے نے دیکھی ہے مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور اس سے مراد زید کی وہی حقیقت ہے اور کبھی واقعات و رؤیائے صادقہ ظاہر سے پھیرے ہوئے اور تعبیر پر محمول ہوتے ہیں مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا اور اس سے مراد عمرو کو رکھا گیا ہے اس مناسبت کے لحاظ سے جو زید و عمرو کے درمیان ہے، پس کس طرح معلوم ہو سکے کہ احباب کے یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھیرے ہوئے نہیں ہیں، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں بغیر اس کے کہ تمثیلِ شیطانی کی گنجائش ہو، غرضیکہ واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہئے، اشیاء خارج میں موجود ہیں کوشش کرنی چاہئے کہ اشیاء کو بیداری میں دیکھیں جو کہ اعتبار کے لائق ہے اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں، جو کچھ خواب و خیال میں دیکھا جائے وہ خواب و خیال ہی ہے"۔ ؎۱

کشف اور القائے شیطانی میں تمیز: دوسرا سوال یہ ہے کہ طالبانِ صادق کے کشف و شہود میں القائے شیطانی کو دخل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کشفِ شیطانی کی کیفیت کو واضح کریں کہ کس طرح ہے اور اگر دخل نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض امور میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اس کا جواب اس طرح ہے واللہ اعلم بالصواب کہ کوئی شخص القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام میں منصور بلکہ متحقق (ثابت) ہے تو اولیاء اللہ میں بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا تو پھر طالبِ صادق کس شمار میں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس القاء پر آگاہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دیتے ہیں آیہ کریمہ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ ط (پس جو کچھ شیطان القاء کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم و اٹل کر دیتا ہے) اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اولیاء اللہ کے بارے میں اس

؎۱ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۳۔

حقیقت پر متنبہ کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے جو کچھ نبی کے خلاف پائیگا اس کو رد کردیگا اور باطل سمجھے گا لیکن جس صورت میں کہ نبی کی شریعت اس سے خاموش ہے اور اس کے اثبات و نفی پر حکم نہیں کرتی حق کو باطل سے قطعی طور پر تمیز کرنا دشوار ہے کیونکہ الہام ظنی چیز ہے لیکن اس امتیاز کے نہ ہونے کی صورت میں ولایت میں کوئی قصور واقع نہیں ہوتا، کیونکہ شریعت پر عمل اور نبی کی پیروی کرنا دونوں جہان کی نجات کے لئے کافی ہے اور وہ امور جن سے شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے وہ شریعت پر زائد ہیں اور ہم ان زائد امور کی بجا آوری کے مکلف نہیں ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ کشف کا غلط ہونا محض القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احکامِ غیر صادقہ قوتِ متخیلہ میں ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جس میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہوتا، یہ بات بھی اسی قسم سے ہے کہ بعض خوابوں میں لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں اور آپ سے بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں کہ حقیقت میں جن کے خلاف احکامِ شریعت ثابت ہیں، ایسی صورت میں القائے شیطانی متصور نہیں ہے کیونکہ علمائے کرام کے نزدیک یہ امر مختار و طے شدہ ہے کہ شیطان حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا پس اس صورت میں صرف قوتِ متخیلہ کا تصرف ہے جس نے ایک غیر واقع امر کو واقع کر دکھایا ہے۔"[1]

حدیث فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ کا مطلب[a] صاحبِ فتوحاتِ مکیہ (شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ) فرماتے ہیں کہ شیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ جو کہ مدینہ منورہ میں مدفون ہے متمثل نہیں ہوسکتا اور اس صورتِ خاصہ کے علاوہ جس صورت کے ساتھ بھی آپ کو دیکھا جائے شیطان کے متمثل ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتے (یعنی شیخ اکبر کے نزدیک اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کے علاوہ اور جس صورت میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں شیطان متمثل ہوسکتا ہے اور امام ابن سیرین بھی اسی طرف گئے ہیں) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاص (شبیہ مبارکہ) کی تمیز خصوصاً خوابوں میں بہت مشکل و دشوار ہے پھر یہ بات کس طرح اعتماد کے لائق ہوگی اور اگر شیطان کے

[1] دفتر اول مکتوب ۲۰۷

متمثل نہ ہونے کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ مخصوص کریں اور جس صورت میں بھی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں اس صورت میں شیطان کے متمثل نہ ہونے کو تجویز کریں جیسا کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں تو یہ بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کے نہایت مناسب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے (جو خواب میں دیکھی ہے) احکام کا اخذ کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و نامرضی کا معلوم کرنا مشکلات میں سے ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) درمیان میں واسطہ بن گیا ہو اور خلافِ واقعہ کو واقعہ کی صورت میں ظاہر کیا ہو اور دیکھنے والے کو شک و شبہ میں ڈال دیا ہو اور اپنی عبارت و اشارت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صورت کی عبارت و اشارت کر دکھایا ہو" ؎۱

صوفیوں کو سنت کے خلاف اپنے پیروں کی تقلید نہ کرنے کی ہدایت

"صوفیائے وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کے شائع کرنے کو ملاحظہ کریں تو انھیں چاہیئے کہ سنت کے خلاف امور میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ بنا کر امورِ مخترعہ (خود ساختہ امور) کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ سنت کا اتباع یقیناً نجات دینے والا اور خیرات و برکات بخشنے والا ہے، سنت کے خلاف امور کی تقلید میں خطرہ ہی خطرہ ہے وما علی الرسول الا البلاغ۔ ہمارے پیروں کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے اپنے متبعین کو امورِ مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہیں کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کرنے والی تاریکیوں میں نہیں ڈالا اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہیں فرمائی اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان رفیع ہو گیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے سماع و رقص کو ٹھکرا دیا ہے اور وجد و تواجد کو انگشتِ شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا ہے" ؎۲

احکامِ الٰہیہ کی تشریح

"پس ثابت ہوا کہ علوم و معارف احکامِ شرعیہ کے ماسوا کچھ اور ہیں کہ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں اگرچہ یہ معارف انہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا پھل حاصل ہو تو جب تک درخت قائم رہے گا تب تک

؎۱ دفتر اول مکتوب ۲۷۳۔ ؎۲ دفتر دوم مکتوب ۲۳۔

پھل کی امید نہیں ہے اور جب درخت کی جڑ میں خلل آجائے تو اس کے ثمرات (پھل) بھی ختم ہوجاتے ہیں، یہ بے عقلی کی بات ہے کہ کوئی شخص درخت کو کاٹ ڈالے اور پھلوں کی امید رکھے، درخت کی جسقدر اچھی تربیت کریں اسی قدر زیادہ پھل دیتا ہے، پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن درخت کی فرع ہے، شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ جو شخص شریعت کو لازم پکڑتا ہے وہ صاحب معرفت ہے جسقدر شریعت کا التزام زیادہ ہوگا اسی قدر معرفت زیادہ ہوگی اور جو شخص شریعت میں سست ہے وہ معرفت سے بے بہرہ ہے اور بالفرض جو کچھ وہ اپنے خیالِ فاسد میں رکھتا ہے اگرچہ (درحقیقت) وہ کچھ نہیں رکھتا تو یہ استدراج کی قسم سے ہے جسمیں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں کُلُّ حَقِیقَۃٍ رَدَّتْہُ الشَّرِیعَۃُ فَھُوَ زَنْدَقَۃٌ وَّ اِلْحَادٌ (جس حقیقت کو شریعت نے رد کردیا ہو وہ زندقہ اور الحاد ہے) پس ہوسکتا ہے کہ اہل اللہ میں سے خاص خاص حضرات حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں کہ ظاہر شریعت اُن معارف سے خاموش ہے اور حرکات وسکنات میں حق تعالیٰ کا اذن وعدمِ اذن معلوم کرلیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کو جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلی عبادتوں کے ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نامرضی معلوم کرتے ہیں اور اس کے ترک کا اذن پاتے ہیں کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ اپنے وقتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور احکامِ الہٰیہ ہر وقت ثابت ہیں جب ان بزرگوں کے حرکات وسکنات اذن پر موقوف ہیں تو بیشک دوسروں کے نفل بھی ان کیلئے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہے اور وہی فعل دوسرے شخص کیلئے الہامی حکم سے فرض ہے پس دوسرے لوگ کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی مباح امور کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن یہ اکابر جب کام کو اللہ جل شانہٗ کے امر واذن سے کرتے ہیں وہ سب فرض ہی ادا ہوتے ہیں، دوسروں کے مستحب ومباح ان کے لئے فرائض (کا درجہ) رکھتے ہیں، اس تحقیق سے ان بزرگوں کی بلند شان کو جان لینا چاہیے۔ علمائے ظاہر دین کے علوم وامور میں غیبی خبروں کو پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خبروں کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور دوسروں کو ان خبروں میں شریک نہیں کرتے، یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم ومعارف صحیحہ کی نفی ہے جو

دینِ متین سے تعلق رکھتے ہیں، ہاں احکامِ شرعیہ ادلّۂ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کی گنجائش نہیں لیکن احکامِ شریعت کے ماسوا بہت سے دینی امور ایسے ہیں جن میں پانچویں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب و سنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے اور یہ اصل جہان کے فنا ہونے تک قائم ہے پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے اور یہ بزرگ بعض اوقات عبادت کو ترک کر دیتے ہیں اور وہ ترک پسند ہوتا ہے، پس حق تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہوا لیکن عوام اس کے برخلاف حکم لگاتے ہیں یعنی اس کو عابد (عبادت کرنے والے) جانتے ہیں اور اس کو (ترک کرنے والے کو) مکار سمجھتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب و سنت سے کامل ہو گیا پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟

جواب: الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا، جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق و اسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے اللہ جل شانہٗ کی طرف منسوب ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں، الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بہتری و بھلائی نصیب فرما) والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ (جاننا چاہیئے کہ اسی مکتوب میں اس اقتباس سے کچھ پہلے مذکور ہے کہ "الہام انہی کے لئے ہے اور کلام انہی کے ساتھ مخصوص ہے ان کے اکابر علوم و اسرار کو بلاواسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں اور جس طرح مجتہد اپنی رائے و اجتہاد کا تابع ہوتا ہے یہ حضرات بھی معارف و مواجید میں اپنی فراست و الہام کے تابع ہیں"۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ الہام کا حکم صاحبِ الہام کے حق میں ہی مخصوص ہوتا ہے بخلاف اجتہادِ مجتہد کے کہ وہ عامۃ المسلمین کے لئے عام ہوتا ہے، مؤلفؒ) دفتر دوم مکتوب ۵۵

سلوک سے مقصود غیبی صورتوں اور انوار کا مشاہدہ نہیں

(۱) اول عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور جو کچھ تواتر و ضرورت کے طور پر دین کے متعلق معلوم ہوا ہے اس کی تصدیق سے چارہ نہیں ہے دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے اور تیسرے طریقۂ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے (لیکن) اس غرض کے لئے نہیں کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور انوار و رنگوں کا معائنہ کریں کہ یہ لہو و لعب میں داخل ہیں حسّی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے حالانکہ یہ (حسّی) صورتیں اور انوار اور وہ (غیبی) صورتیں اور انوار دونوں حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ سورج و چاند کا نور جو کہ عالمِ شہادت سے ہے ان انوار سے جو عالمِ مثال میں دیکھیں کئی درجہ افضل ہے لیکن چونکہ یہ (سورج و چاند کے نور کا) دیکھنا دائمی ہے اور خاص و عام سب اس میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظرِ اعتبار سے گرا کر غیبی انوار کی ہوس کرتے ہیں، ہاں ؎

آبے کہ رود پیشِ درت تیرہ نماید

(جو پانی تیرے دروازہ کے آگے بہتا ہے وہ تجھے سیاہ نظر آتا ہے)

بلکہ طریقۂ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادی امور میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے کھلے میدان میں آجائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف مائل ہو جائیں، مثلاً واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود جو پہلے استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اس کے اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا اور جب طریقِ صوفیہ کا سلوک میسر ہوتا ہے تو یہ استدلال و تقلید کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور کامل ترین یقین حاصل ہو جاتا ہے سب اعتقادی امور اسی قیاس پر ہیں اور نیز (طریقِ صوفیہ کے سلوک سے) مقصود یہ ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یقین یہ ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقت میں علومِ شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی اور امر اور اپنی کتابوں و رسالوں میں اس معنی کی تحقیق کی ہے اور اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا تمام طریقوں سے زیادہ مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنّت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے یہی وجہ ہے

کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود متابعت میں فتور کی محسوس کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے"۔ [1]

کلماتِ شطحیات کہنے کا جواز و عدم جواز: مشائخ قدس اسرارہم میں سے جس نے شطحیات کے طور پر کلام کیا ہے اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں یہ سب کفر طریقت کے مقام میں واقع ہوا ہے جو کہ سُکر و بے تمیزی کا مقام ہے، جو بزرگ حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے پاک و بَری ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کرتے ہیں اور انہی کے تابع رہتے ہیں پس جو شخص شطحیات کے طور پر کلام کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح رکھتا اور سب کو راہِ راست پر خیال کرتا ہے اور حق (خدا) اور خلق (مخلوق) کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا تو اگر ایسا شخص مقامِ جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفرِ طریقت سے متحقق ہو چکا ہے اور ماسوٰی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو وہ مقبول ہے اور اس کی جو باتیں سُکر سے پیدا ہوئی ہیں ظاہر کی طرف پھیری گئی ہیں (یعنی ان کی تاویل کی جائیگی) اور اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہوئے اور درجۂ کمال تک پہنچے بغیر اس قسم کی (سُکریہ) باتیں کرتا ہے اور سب کو حق اور صراطِ مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے جس کا مقصود شریعت کو باطل کرنا ہے اور جس کا مطلوب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ رحمتِ عالمیان ہیں کی دعوت کو رفع کرنا ہے، پس اس قسم کے خلافِ شریعت کلمات سچے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور جھوٹے سے بھی، سچے کے لئے آبِ حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہرِ قاتل، جس طرح کہ دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آبِ خوشگوار تھا اور قبطی کے حق میں خونِ ناگوار۔

اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں، بہت سے مسلمان اربابِ سُکر اکابر کی باتوں کی تقلید کر کے راہِ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے جو اربابِ سُکر میں موجود ہیں اور ان میں مفقود، ان شرائط میں سے بڑی شرط ماسوٰی اللہ کا نسیان ہے جو کہ اس قبولیت کی دہلیز ہے اور سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز شریعت پر استقامت ہونے یا نہ ہونے

---

[1] دفتر اول، مکتوب ۲۱۰

ہو سکتا ہے جو سچا ہے وہ سکر و مستی و بے تمیزی کے باوجود شریعت کے خلاف ایک بال بھر بھی کوئی عمل نہیں کریگا، (حضرت) منصور (رحمۃ اللہ) انا الحق کہنے کے باوجود قید خانہ میں زنجیر کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کی حالت میں ہر شب پانسو رکعات نماز نفل ادا کرتے تھے اور وہ کھانا جو ان کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال کے ذریعہ سے ہوتا تھا نہیں کھاتے تھے۔ اور جو شخص جھوٹا ہے اس پر احکام شرعیہ کا بجالانا کوہِ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے، آیت کریمہ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ (مشرکوں پر وہ امر بہت بھاری ہے تو جس کی طرف ان کو بلاتا ہے) ان کی حالت کی نشاندہی کرتی ہے، ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھی لنا من امرنا رشدا والسلام علی من اتبع الھدی۔" [۱]

عشق مجازی کی حرمت و ممانعت "لیکن جاننا چاہیے کہ اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ (مجاز حقیقت کا پل) اس صورت میں ہے کہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے اور نظرۂ ثانیہ (دوبارہ دیکھنے) تک نہ پہنچے نظرۂ اولیٰ ہی ہے جو حقیقت کا پل ہے جس کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ (پہلی بار دیکھنا تیرے لئے ہے) فرمایا ہے گویا لفظ لک سے اس دولت کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اگر نعوذ باللہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں آگئی بلکہ نظرۂ ثانیہ تک نوبت پہنچ گئی تو وہی مجاز حقیقت تک پہنچنے کا مانع ہے وہ قنطرہ یعنی پل تو کیا ہے بلکہ ایک بُت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور ایک دیو ہے جو حقیقت سے برگشتہ کرتا ہے اسی لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرۂ ثانیہ کو مضر جانتے ہوئے اَلنَّظْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ فرمایا ہے، جو چیز حق سے ہٹاتی اور باطل کے ساتھ گرفتار کرتی ہے اس سے زیادہ مضر کونسی چیز ہوگی، اور جاننا چاہئے کہ نظرۂ اولیٰ اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اپنے اختیار سے ہو تو وہ بھی نظرۂ ثانیہ کا حکم رکھتی، اس مطلب کے ثابت کرنے کے لئے آیۂ کریمہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ (آپ مؤمنوں سے کہدیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں) کافی ہے، بیوقوف کچے صوفی اس عبارت کے معنی نہ سمجھنے اور غلط معنی کرنے کی وجہ سے جمیل صورتوں کے ساتھ گرفتاری (تعلق) پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے ناز و انداز پر

[۱] دفتر دوم مکتوب ۹۵۔

فریفتہ ہو جاتے ہیں اس طمع پر کہ اس (عشق و محبت) کو حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب کے حاصل ہونے کا زینہ بنائیں، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ امر سراسر مطلوب کا سدِ راہ اور مقصود کے حاصل ہونے کا حجاب ہے، یہ ایک باطل ہے جو ان کی نظر میں آراستہ ہو گیا ہے اور وہ حقیقت کے دھوکے میں آ گئے ہیں، ان میں سے بعض صوفی ان صورتوں کے حسن و جمال کو حق تعالیٰ کا حسن جمال سمجھ کر ان کے تعلق کو عین حق تعالیٰ کا تعلق جانتے ہیں اور ان کے مشاہدے کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا ہے بیت

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر ست　　　در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو وہ کہتے ہیں بہت ہی برتر ہے) معلوم نہیں ان کوتاہ نظروں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو کیا گمان کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کیا ہے، شاید انھوں نے نہیں سنا ہے کہ حورِ بہشت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اگر اس کا ایک بال بھی دنیا میں آ پڑے تو اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور کبھی اندھیرا نہ چھائے، اور حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلی سے کوہِ طور کا جل کر ریزہ ریزہ ہو جانا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس قرب و منزلت کے باوجود بیہوش ہو کر گر پڑنا نصِ قرآنی سے ثابت ہو چکا ہے لیکن بیہودہ عقل لوگ ہر وقت حق تعالیٰ کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کی رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (انھوں نے اپنے نفسوں پر تکبر کیا اور نہایت سرکش ہو گئے) علمائے اہلِ سنت وجماعت نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلائل کے ساتھ مخالفوں کے سامنے آخرت کی رویت کو ثابت کیا ہے جبکہ اہلِ سنت وجماعت کے سوا باقی تمام مخالف گروہ خواہ اہلِ ملت ہوں یا غیر اہلِ ملت آخرت میں رویتِ حق جل وعلا کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس کو محالِ عقلی سمجھتے ہیں اور اہلِ سنت نے بھی اس کو بلا کیف کہا ہے اور عالمِ آخرت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور ان بوالہوس لوگوں نے اس دولتِ قاہرہ کے حاصل ہونے کو اس عالمِ فانی میں تصور کر لیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہو رہے ہیں۔ ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیی لنا من امرنا رشدا والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔　　(دفتر سوم مکتوب ۶۶)

کلام صوفیائے کرام پر اعتراض نہ کریں
"آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے بظاہر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنہ وفساد پر آمادہ کرتے ہیں آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے آپ ان مدعیوں کی نئی بنائی ہوئی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہو اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے، آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحید شہودی کی نسبت کسقدر لکھا ہے، اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔" [1]

صوفیوں کی بعض غلطیوں کی نشاندہی
"اے عزیز! اس راستہ میں جو سراسر غیب در غیب ہے سالکوں کے قدم بہت پھسلتے ہیں، آپ اعتقادات اور اعمال میں شریعت کو مدنظر رکھ کر زندگی بسر کریں حضور و غیبت میں فقیر کی یہی نصیحت ہے اس میں غفلت ہرگز نہ ہونے پائے، فقیر اس راستہ کی بعض غلطیوں کو لکھتا ہے اور ہر غلطی کے منشا (پیدا ہونے کی وجہ کو) متعین کرتا ہے امید ہے کہ اعتبار کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے اور ان مذکورہ جزئیات کے علاوہ دوسری جزئیات میں ان کے انداز کے مطابق عمل فرمائیں گے۔

جان لینا چاہئے کہ صوفیوں کی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ کبھی سالک مقامات عروج میں اپنے آپ کو دوسرے حضرات سے بلند پاتا ہے جن کی افضلیت علما کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگوں کے مقامات سے نیچے ہے بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی جو قطعی طور پر بہترین خلائق ہیں واقع ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ (اس مکتوب میں آگے اس غلطی کے منشا کی تفصیل درج ہے اس کیلئے اصل مکتوب شریف کو ملاحظہ فرمائیں)۔" [2]

بیماری سے صحت کے بغیر کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی
"جب حکما کے نزدیک مقرر ہے کہ مریض جب تک بیماریوں سے تندرست نہ ہو جائے کوئی غذا اُسے فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مرغ بریاں ہو بلکہ اس صورت میں غذا مرض کو بڑھا دیتی ہے۔ ع ہرچہ گیرد علتی علت شود۔ پس پہلے اس مرض کے دور کرنے کی فکر کرتے ہیں اس کے بعد مناسب غذاؤں کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کو اصلی قوت کی طرف لاتے ہیں۔

پس آدمی جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کوئی عبادت وطاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس کے لئے مضر ہے رُبَّ تَالٍ لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۹۹ [2] دفتر اول مکتوب ۲۲۰

(بعض لوگ قرآن اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے) حدیث مشہور ہے وَرُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ (بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ ان کے نصیب نہیں ہوتا) خبر (حدیث) صحیح ہے۔

دلی امراض کا علاج کرنے والے بعض مشائخ بھی اول مرض دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری ہے بلکہ اپنے نفس کی گرفتاری ہے کیونکہ ہر ایک شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے اگر فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے لئے اور اگر مال و ریاست و حبّ جاہ ہے تو اپنے لئے، پس درحقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے جب تک نفس اس قید سے خلاص نہ ہو جائے تب تک نجات کی امید مشکل ہے۔ پس دانشمند علماء اور صاحب بصیرت حکماء پر اس مرض کے دور کرنے کی فکر لازم ہے۔"[1]

اس گروہ سے محبت رکھنے اور ان کے بغض سے بچنے کی ترغیب

"اس گروہ کی محبت جو ان کی معرفت پر مترتب ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا، اس گروہ کا بغض زہر قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا ہمیشہ کی محرومی کا باعث ہے نَجَّانَا اللہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَنْ ھٰذِہِ الْاِبْتِلَاءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس آزمائش سے بچائے) شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ الٰہی! جس کو تو اپنے دربار سے دھتکارنا چاہتا ہے اس کو ہمارا مخالف بنا دیتا ہے ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہ، ہستش ورق"[2]

کاملین پر اعتراض کرنے کی ممانعت

"جو خطاب آپ نے ظاہر طور پر نفس کی طرف کئے ہوئے تھے واضح ہوئے، بیشک جو اعتراض بھی نفس پر کریں اماّرگی کے زمانہ میں مسلّم ہے لیکن اطمینان حاصل ہونے کے بعد اعتراض کی مجال نہیں ہے کیونکہ نفس اس مقام میں حق تعالیٰ سے راضی ہے اور حق تعالیٰ اس سے راضی، پس وہ پسندیدہ و مقبول ہے اور مقبول پر اعتراض جائز نہیں اور

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰۵۔ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰۶۔

اس کی مراد حق تعالیٰ کی مراد ہے کیونکہ اس دولت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق (متصف) ہونے کے وقت ہے اس کا پاک میدان (فضا) ہم پست فطرتوں کے اعتراض سے بہت بلند ہے ہم جو کچھ کہیں گے وہ ہماری ہی طرف لوٹ آئے گا ؎

آنکہ از خویشتن چونیست چنیں ۔۔۔ چہ خبر دارد از چناں و چنیں

بسا اوقات جاہل لوگ نہایت جہالت کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کو نفسِ امارہ تصور کرتے ہیں اور نفس کی امارگی کے احکام نفسِ مطمئنہ پر جاری کرتے ہیں جیسا کہ کفار نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو باقی تمام انسانوں کی طرح خیال کر کے کمالاتِ نبوت سے انکار کیا ہے، حق تعالیٰ ان بزرگوں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے تابعداروں کے انکار سے بچائے۔[۱]

سالکین کی تربیت کے متعلق ارشادات

ویسے تو تمام مکتوباتِ گرامی سالکین کی تربیت کے متعلق ارشادات سے ہی تعلق رکھتے ہیں تاہم اس جگہ چند مکتوبات کے اقتباسات مختلف عنوانات کے تحت درج کیے جاتے ہیں (مؤلف)

پیر ناقص سے طریقہ اخذ کرنے کے نقصانات: "اے کمالات کے ظہور کو قبول کرنے والے بھائی! اللہ تعالیٰ تمہارے فعل کو قوت سے ظہور میں لائے، جان لے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے پس افسوس اس شخص پر جس نے اس میں نہ بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بیکار رہنے دیا اور اپنے اعمال کے بیج کو ضائع کر دیا۔ اور جاننا چاہیئے کہ زمین کا ضائع اور بیکار کرنا دو طریق پر ہے ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرے یہ کہ اس میں خبیث اور خراب بیج ڈالے، اور دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ ضرر رساں ہے اور اس کا فساد زیادہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا خبیث و ناپاک ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص سالک سے طریقہ اخذ کرے اور اس کے مسلک پر چلنے لگے کیونکہ ناقص حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اور جو حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اس کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو وہ اس کی حرص و ہوا کو ہی زیادہ کرے گی پس اس کا نتیجہ

[۱] دفتر اول مکتوب ۱۰۱

تاریکی پر تاریکی ہے اور نیز چونکہ ناقص خود ہرگز واصل نہیں ہے اس لئے اس کو خدا کی طرف پہنچانے والے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے اور اسی طرح وہ طالبوں کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق نہیں جانتا اور چونکہ اس ناقص نے طریقِ جذبہ و طریقِ سلوک میں فرق نہیں کیا تو بسا اوقات جس طالب کی استعداد ابتدا اس طریقِ جذبہ کے مناسب ہوگی اور طریقِ سلوک کے لئے نامناسب ہوگی۔ اگر اس ناقص شیخ نے ان مختلف طریقوں اور استعداد کے درمیان تمیز نہ ہونے کے باعث اس مرید کو طریقِ سلوک پر چلایا تو اس نے اس مرید کو راہِ حق سے گمراہ کر دیا جیسا کہ ناقص پیر خود گمراہ تھا۔

پس جب شیخ کامل و مکمل ایسے طالب کی تربیت و رہبری کرنا چاہے تو بالضرور اس کو اول اس طالب سے اس چیز کو دور کرنا چاہئے جو ناقص شیخ سے اس کو پہنچی ہے اور اس کے سبب سے اس کا جو کچھ بگاڑ ہوا ہے اس کی اصلاح و درستی کرنی چاہئے پھر اس کی استعداد کے مناسب اچھا بیج اس کی استعداد کی زمین میں ڈالے پس اس میں اچھی پیداوار اُگے گی۔" [1]

"کیونکہ افادہ و استفادہ دونوں طرف کی مناسبت پر موقوف ہے اور ابتدا میں طالب حق کو کمال پستی و کمینہ پن کے باعث حق تعالیٰ کی جناب پاک کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس لئے طرفین کے درمیان ایک برزخ کا ہونا ضروری ہے اور وہ شیخ کامل و مکمل ہے اور طلب میں فتور و سستی واقع ہونے کا سب سے قوی سبب شیخ ناقص کی طرف رجوع کرنا ہے جس نے ابھی جذبہ و سلوک کے ساتھ اپنا کام پورا نہیں کیا اور شیخی کی مسند پر بیٹھ گیا ہے طالب کیلئے اس کی صحبت زہرِ قاتل اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے، ایسے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو پستی میں لیجاتی ہے اور بلندی سے پستی میں گرا دیتی ہے مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے دوائی کھاتا ہے وہ اپنے مرض کے زیادہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور اپنے مرض کے دور ہونے کی قابلیت کو ضائع کرتا ہے، اگرچہ ابتدا میں اس دوائی سے مرض میں کچھ تخفیف ہو جائے لیکن حقیقت میں یہ عین مضرت ہے یہی مریض اگر بالفرض کسی

[1] دفتر اول مکتوب ۲۳

حاذق طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے اس دوائی کی تاثیر کو دور کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات کے ساتھ اس کا علاج کرے گا، اس تاثیر کے زائل ہوجانے کے بعد اس کے اصل مرض کے ازالہ کی فکر کرے گا، ان بزرگوں کے طریق کا مدار صحبت پر ہے صرف کہنے سننے سے کام نہیں بن سکتا بلکہ طلب میں سستی پیدا ہوجاتی ہے۔" ؎۱

کام کا مدار دل پر ہے

"کام کا مدار دل پر ہے، اگر دل حق تعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو خراب ابتر ہے، محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادات سے مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، ماسوائے حق کی طرف توجہ کرنے سے دل کو سلامت رکھنا اور اعمالِ صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے جن کے بجالانے کیلئے حکم کیا ہے دونوں درکار ہیں بدنی اعمالِ صالحہ کی بجاآوری کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل ہے جس طرح اس جہان میں بدن کے بغیر روح کا ہونا متصور نہیں ہے اسی طرح دل کے احوال بدنی اعمالِ صالحہ کے بغیر محال ہیں اس زمانہ میں اکثر ملحد اس قسم کا دعویٰ کئے بیٹھے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں ان کے ایسے برے عقائد سے بچائے۔" ؎۲

سیر و سلوک سے مقصود دلی امراض کا دور کرنا ہے

"پس سیر و سلوک اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطنی آفات اور دلی امراض جن کی نسبت آیۂ کریمہ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ میں اشارہ کیا گیا ہے دور ہوجائیں تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہوجائے اور ان امراض و آفات کے باوجود اگر ایمان ہے تو وہ صرف ظاہری اور رسمی طور پر ہے۔" ؎۳

دل کی غیر اللہ سے رہائی کے لئے اتباعِ سنت سب سے بہتر ہے

"جب تک انسان کا دل پراگندہ تعلقات سے آلودہ ہے اس وقت تک محروم و مہجور ہے، دل کی حقیقتِ جامع کے آئینے سے ماسوی اللہ کی محبت کے زنگار کو دور کرنا ضروری ہے اور دل سے اس زنگار کو دور کرنے والی سب سے بہتر چیز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگ و روشن سنت کی تابعداری ہے جس کا مدار نفسانی عادتوں کے ترک کرنے اور ظلمانی رسموں کے ہٹانے پر ہے۔" ؎۴

؎۱ دفتر اول مکتوب ۹۱۔ ؎۲ دفتر اول مکتوب ۳۹۔ ؎۳ دفتر اول مکتوب ۲۶۔ ؎۴ دفتر اول مکتوب ۴۳

صوفی کائن بائن اور حسنات الابرار سیئات المقربین کی تشریح

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اسکی دوستی ہے) پس مبارک ہے وہ شخص جس کے دل میں خدا کی محبت کے سوا اور کسی کی محبت نہ ہو اور اس کے سوا اور کسی کا طالب نہ ہو پس ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ظاہر میں خلق کے ساتھ مشغول ہے اور کائن بائن صوفی کی یہی شان ہے یعنی وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور خلق سے جدا ہے، یا یہ مراد ہے کہ ظاہر میں خلق کے ساتھ ہے اور حقیقت میں اس سے جُدا ہے۔ اور دل کی محبت کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا پس جب تک اس کی محبت کا تعلق ایک سے ہوگا اس وقت تک اس کے ماسوا سے اس کی محبت نہ ہوگی، اور یہ جو اس کی خواہشات کی کثرت اور بہت سی اشیاء مثلاً مال و اولاد و سرداری و تعریف اور لوگوں کے نزدیک بلندئ شان وغیرہ کے ساتھ اس کی محبت کا تعلق دیکھا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی اس کا محبوب ایک ہی چیز ہے اور وہ اس کا اپنا نفس ہے اور ان سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع اور شاخ ہے کیونکہ وہ ان سب چیزوں کو اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے نہ کہ اُن چیزوں کی ذات کے لئے۔ پس جب اس کے اپنے نفس کی محبت زائل ہو جائے تو ان تمام چیزوں کی محبت بھی تبعیت کی وجہ سے زائل ہو جائے گی، اسی لئے کہتے ہیں کہ بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان حجاب بندہ کا اپنا نفس ہے نہ کہ جہان، کیونکہ جہان بالذات بندہ کا مقصود نہیں ہے کہ اس کے لئے حجاب ہو جائے بلکہ بندہ کا مقصود اس کا اپنا نفس ہے پس بالضرور اس کا اپنا نفس اس کا حجاب ہوگا نہ کہ کوئی اور شئے۔ لہذا جبتک بندہ اپنے نفس کی مراد سے بالکل خالی نہ ہو جائے حق تعالیٰ اس کی مراد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی حق تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں آسکتی ہے، اور یہ انتہائی اعلیٰ دولت جو کہ تجلئ ذاتی سے وابستہ ہے فنائے مطلق کے حاصل ہونے کے بعد ہی متحقق ہوتی ہے کیونکہ جبتک سورج کامل اور پوری طرح طلوع نہ ہو جائے ظلمات کا پورے طور پر رفع ہونا متصور نہیں ہے پس جب یہ محبت جس کو محبتِ ذاتی سے تعبیر کیا جاتا ہے حاصل ہو جاتی ہے اس وقت محب کے نزدیک محبوب کا انعام اور ایلام (رنج والم دینا) یکساں ہو جاتا ہے پس اس وقت اس کو اخلاص بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب کی عبادت خالص اسی کے لئے کرتا ہے نہ کہ اپنے

نفس کے لئے انعام طلب کرنے اور رنج و غم دور کرنے کیلئے کیونکہ یہ دونوں اس کے نزدیک برابر ہیں اور یہ مرتبہ مقربین کے لئے مخصوص ہے کیونکہ ابرار محبت ذاتی کی سعادت سے کامیاب نہ ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت خوف و طمع کے سبب سے کرتے ہیں اور یہ دونوں امر ان کے اپنے نفس کی طرف راجع ہیں یہی وجہ ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لئے گناہ ہیں پس ابرار کی نیکیاں ایک وجہ سے نیکیاں ہیں اور دوسری وجہ سے برائیاں، اور مقربین کی نیکیاں خالص اور محض نیکیاں ہیں۔

ہاں مقربین میں سے بعض لوگ بقائے اکمل سے موصوف ہونے اور عالم اسباب کی طرف نزول کرنے کے بعد خوف و طمع کی نیت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں لیکن ان کا خوف و طمع ان کے اپنے نفسوں کی طرف راجع نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی رضا مندی کی طمع پر اور اس کے غضب سے ڈر کے مارے عبادت کرتے ہیں اور اسی طرح وہ جنت کو اس واسطے طلب کرتے ہیں کہ وہ اس کی رضا کا مقام ہے نہ کہ اپنے نفسوں کے حظ و فائدہ کیلئے اور دوزخ سے اس واسطے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ اس کے غضب کا مقام ہے نہ کہ اپنی جانوں سے رنج والم دور کرنے کے لئے کہ یہ بزرگواران نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص مخصوص ہو گئے ہیں اور مقربین کے مرتبوں میں سے یہ مرتبہ نہایت اعلیٰ ہے اور اس مرتبہ والے شخص کو ولایت خاصہ کے مرتبہ سے متصف ہونے کے بعد مقام نبوت کے کمالات سے کامل حصہ حاصل ہوتا ہے اور وہ شخص جو عالم اسباب کی طرف نزول نہ کرے وہ مغلوب الحال اولیاء میں سے ہے اس کو مقام نبوت کے کمالات سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہے اس لئے وہ تکمیل و ارشاد کے بھی لائق نہیں ہوگا برخلاف اول کے"۔[1]

" باوجود اس امر کے اس بات کا معتقد ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ مطلب حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بیکاری ہے بلکہ منازلِ سلوک طے کرنے کے لائق ہونے میں صرف معطلی ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ آپ نے سنا ہوگا ؎

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است	گر شکر خوردن بود جاں کندن است

اللہ تعالیٰ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے ان (والدین) کے حقوق کو ادا کرنا خدا کے حکم کی

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۴۳

تابعداری کے باعث ہے ورنہ کس کی مجال ہے! اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو۔ پس اس لحاظ سے ان کی خدمت اللہ تعالیٰ ہی کی خدمات میں سے ہے لیکن خدمت خدمت میں فرق ہے کاشتکار اور ہل چلانے والے بھی بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں لیکن مقربین کی خدمت اور ہے الخ" [1]

نفس امارہ کی مذمت و علاج | "میرے مخدوم و مکرم! نفسِ امارہ حُبِ جاہ و ریاست پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا مقصود اور اس کی تمام تر خواہش اپنے ہمسروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ بالذات اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوق اس کی محتاج اور اس کے امر و نہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی کا محتاج و محکوم نہ ہو۔ اس کا یہ دعوائے خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت شرکت کا ہے بلکہ وہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور سب اس کے محکوم ہوں، حدیثِ قدسی میں آیا ہے عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے، پس نفس کی مرادوں یعنی جاہ و ریاست و بلندی و تکبر وغیرہ کے حاصل کرنے کے ذریعہ نفس کی تربیت کرنا حقیقت میں اس کو خدائے تعالیٰ کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے اس امر کی برائی کو اچھی طرح معلوم کر لینا چاہیے۔

(چند سطروں کے بعد) الغرض جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور سرداری کے مالیخولیا کی خباثت سے پاک نہ ہو جائے اس وقت تک نجات محال ہے اس مرض کے دور کرنے کی فکر ضروری ہے تاکہ ہمیشہ کی موت تک نہ پہنچائے، کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو نفسی و آفاقی معبودوں کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے نفس کے تزکیہ و صفائی کیلئے بہت ہی فائدہ مند و مناسب ہے، طریقت کے اکابرین قدس سرہم نے تزکیۂ نفس کے لئے اسی کلمہ کو اختیار کیا ہے۔" [2]

شریعت کو رواج دینا سب سے بڑی نیکی ہے | "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا مدار اسی پر رکھا گیا ہے اور ان اکابر کی بعثت سے مقصود احکام شریعت کا لوگوں تک پہنچانا ہی ہے پس سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۲۷۔ [2] دفتر اول مکتوب ۵۲

شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے خاص طور پر ایسے زمانہ میں جبکہ اسلام کے نشانات منہدم ہو گئے ہوں کروڑوں روپیہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے، اس لئے کہ اس فعل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء ہے جو کہ بزرگترین مخلوقات ہیں اور اس فعل میں ان اکابر کے ساتھ شریک ہونا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں انہی حضرات کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑہا روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگواروں کے علاوہ اوروں کو بھی میسر ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت کے احکام بجا لانے میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہے کیونکہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے، البتہ ان مالوں کے خرچ کرنے میں جو کہ شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہوں بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت سے ایک جیتل (پیسہ) کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے؟" [1]

اتباع دین کی ترغیب "تمام مخلوقات سے بہتر بھی انسان ہی ہے اور بدتر بھی انسان ہی ہے کیونکہ حبیب رب العالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں ہی میں سے تھے اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدائے پاک کا دشمن ابو جہل ملعون بھی انسانوں ہی میں سے تھا، پس لازماً جب تک سب کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ایک خدا کے ساتھ جو ایک ہونے سے بھی منزہ و پاک ہے گرفتار و مقید نہ ہو جائیں تب تک خرابی ہی خرابی اور وبال ہی وبال ہے لیکن مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ (اگر کوئی چیز کلی طور پر نہ ملے تو اس کو کلی طور پر ترک نہ کر دیا جائے) کے موافق اپنی چند روزہ زندگی کو صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں بسر کرنا چاہئے کیونکہ آخرت کے عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کی نعمتوں کے ساتھ کامیاب ہونا اسی تابعداری کی سعادت پر وابستہ ہے پس بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چوپایوں کی زکوٰۃ بقدر واجب پورے طور پر ادا کرنی چاہئے اور اس کو مالوں اور چوپایوں کے ساتھ تعلق نہ ہونے کا وسیلہ بنانا چاہئے اور لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں نفس کا حظ (لذت) مد نظر نہ رکھنا چاہئے بلکہ

---

[1] دفتر اول مکتوب ۴۸

کھانے پینے وغیرہ سے اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہونی چاہیئے کہ طاعات کے ادا کرنے پر قوت حاصل ہو، نفیس کپڑوں کو خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ ای عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ (ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کر لیا کرو) کے موافق اس آیت میں امر کی ہوئی زینت کی نیت سے پہننا چاہیئے اور کسی اور نیت کو اس میں نہ ملانا چاہیئے اور اگر حقیقی طور پر نیت میسر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلف سے اس نیت پر قائم کرنا چاہیئے"۔ [۱]

"سب سے اعلیٰ نصیحت جو دوستانِ سعادت مند کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ سنّتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی متابعت کریں اور بدعتِ ناپسندیدہ سے بچیں، جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرے اس کے لئے سو شہید کا ثواب ہے تو پھر معلوم کرنا چاہیئے کہ جب کوئی شخص کسی فرض یا واجب کو زندہ کرے گا اس کو کس قدر ثواب ملیگا نماز میں تعدیلِ ارکان (اطمینان سے ادا کرنا) جو اکثر علمائے حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف و امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فرض ہے اور بعض علمائے حنفیہ کے نزدیک سنت ہے اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہے اس ایک عمل کا زندہ اور جاری کرنا فی سبیل اللہ سو شہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہوگا، باقی احکامِ شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کا بھی یہی حال ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ نیم دانگ اس شخص کو واپس دیدینا جس سے غیر شرعی طریقہ پر ظلم کے طور پر لیا ہو دو سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے نیک عمل پیغمبر کے عملوں کی طرح ہوں اور اس پر کسی شخص کا نیم دانگ جتنا حق باقی رہا ہو تو اس شخص کو اس وقت تک بہشت میں نہیں لیجائیں گے جبتک اس نیم دانگ کو ادا نہ کردیگا۔

غرض ظاہر کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے، علما صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں، باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروانہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں، باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے استقامت کا طریق یہی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے"۔ [۲]

[۱] دفتر اول مکتوب ۲۰۷۔ [۲] دفتر دوم مکتوب ۸۷

بعض مضامین ترغیب و ترہیب | "میرے مشفق و مخدوم و مکرم! وقت گذرتا چلا جا رہا ہے اور جوں جوں گذرتا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے اور موت نزدیک آتی جاتی ہے اگر آپ نے آج فکر نہ کی تو کل ندامت و حسرت اٹھانی پڑے گی، کوشش کرنی چاہیے کہ یہ چند روزہ زندگی شریعت غرّا کے موافق بسر ہو جائے تاکہ نجات کی امید ہو، اب عمل کا وقت ہے عیش و آرام کا وقت ابھی آگے ہے جب اس کا پھل ملے گا، عمل کے وقت آرام کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچا کھا جانا اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے، زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے"۔ ۱

"دین و دنیا کو جمع کرنا دو ضدوں کو جمع کرنا ہے پس طالب آخرت کے لئے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور چونکہ اس زمانے میں اس کا حقیقی ترک میسر نہیں ہو سکتا بلکہ دشوار ہے اسلئے ناچار ترک حکمی پر ہی قرار پکڑنا چاہیے اور ترک حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں شریعت روشن کے حکم کا پابند ہونا چاہیے اور کھاتے پیتے رہتے سہتے میں شرعی حدود کو مد نظر رکھنا چاہیے اور ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے، بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چوپایوں میں زکوٰۃ کا فرض شدہ حصہ ادا کرنا چاہیے، جب شرعی احکام سے آراستگی حاصل ہو گئی تو دنیا کی مضرت سے نجات مل گئی اور وہ آخرت کے ساتھ جمع ہو گئی، اور اگر کسی کو اس قسم کا حکمی ترک بھی میسر نہ ہو وہ اس حکم سے خارج ہے وہ منافق کا حکم رکھتا ہے کیونکہ صرف ظاہری ایمان آخرت میں فائدہ مند نہ ہو گا اس کا نتیجہ صرف دنیاوی خونبہاؤں (جانوں) اور مالوں کی حفاظت ہے"۔ ۲

"اے فرزند! دنیا آزمائش اور امتحان کا مقام ہے اس کے ظاہر کو طرح طرح کی آرائشوں سے ملمع و آراستہ کیا گیا ہے اور اس صورت کو بھی خط و خال و زلف و رخسار سے پیراستہ کیا ہے دیکھنے میں شیریں و تر و تازہ نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مردار اور مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا کوڑا اور پانی کی طرح دکھائی دینے والا سراب اور زہر کی مانند شکر ہے اس کا باطن سراسر خراب اور ابتر ہے اور اس قدر گندگی کے باوجود اہل دنیا کے ساتھ اس کا معاملہ جسقدر بیان کیا جائے اس سے بھی بدتر ہے، اس کا فریفتہ دیوانہ اور جادو کیا ہوا ہے اور اس کا گرفتار مجنون و فریب خوردہ ہے، جو شخص اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے خسارے کا داغ

۱ دفتر دوم مکتوب ۸۹۔ ۲ دفتر اول مکتوب ۴۷

داغدار ہوا اور جس نے اس کی مٹھاس اور تر و تازگی پر نظر کی ہمیشہ کی شرمندگی اس کے نصیب میں آئی، سرور کائنات حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی (دنیا اور آخرت دونوں آپس میں سوکن ہیں اگر ان میں سے ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہوگی) پس جس نے دنیا کو راضی کیا آخرت اس سے ناراض ہوگئی پس بالضرور وہ آخرت سے بے نصیب ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت سے بچائے۔ (آمین)

اے فرزند! کیا تو جانتا ہے کہ دنیا کیا ہے، دنیا وہی ہے جو تجھے حق تعالیٰ کی طرف سے باز رکھے، پس زن و فرزند و مال و جاہ و ریاست و لہو و لعب اور لایعنی (بیکار) کاموں میں مشغول ہونا سب دنیا میں داخل ہے (کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے مانع ہیں) اور وہ علوم جو آخرت میں کام آنے والے نہیں ہیں سب دنیا ہی ہیں، اگر نجوم و ہندسہ و منطق و حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کا حاصل کرنا کارآمد ہوتا تو فلاسفہ سب اہلِ نجات میں سے ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ (بندہ کا فضول دبے فائدہ کاموں میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی اس سے روگردانی کی علامت ہے الخ"[1]

(یہ طویل مکتوب اسی طرح کی نصیحتوں سے پُر ہے اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔)

"آپ کا شرافت و لطافت والا خط صادر ہوا الحمد للہ کہ اس کے مضمون سے فقراء کی محبت اور ان کی طرف توجہ کا حال معلوم ہوا جو سرمایۂ آخرت ہے کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بدبخت نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرائے مہاجرین کے طفیل سے فتح و نصرت طلب کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی لوگوں کے حق میں فرمایا ہے رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (بہت سے لوگ بکھرے بالوں اور گرد آلود چہروں والے اور دروازوں سے ہٹائے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کو پورا کردے)۔ (آخر مکتوب میں فرماتے ہیں) باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کو لازم پکڑیں اور

[1] دفتر اول مکتوب ۴۳۔

دنیا کی زیب و زینت کی طرف توجہ نہ کریں اور اس کے ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ نہ کریں کیونکہ دنیا حق تعالیٰ کی ناپسندیدہ اور مبغوضہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں ہے پس مناسب ہے کہ بندوں کے نزدیک اس کا عدم اس کے وجود سے بہتر ہو، اس کی بیوفائی اور جلدی جاتے رہنے کا قصہ مشہور ہے بلکہ مشاہدہ میں آچکا ہے پس ان اہلِ دنیا سے جو پہلے گزر چکے ہیں عبرت حاصل کریں اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی توفیق بخشے۔" ۱؎

تواضع کی فضیلت | "تواضع دولت مندوں کو زیب دیتی ہے اور استغنا فقراء کو کیونکہ معالجہ ضد کے ساتھ ہوتا ہے الخ" ۲؎

"آپ کا محبت نامہ جو مولانا محمد صدیق کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا، آپ نے بڑی مہربانی فرمائی، خدائے تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کو مدنظر رکھا ہے اور تواضع سے گفتگو کی ہے امید ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ کے موافق یہ تواضع دینی و دنیوی بلندی اور عزت کا موجب ہو جائے گی بلکہ ہو گئی ہے آپ کو بشارت ہو جبکہ آپ نے انابت و رجوع کے الفاظ استعمال کئے ہیں ایسا تصور فرمائیں کہ یہ انابت درویشوں میں سے ایک درویش کے ہاتھ پر واقع ہوئی ہے اس کے فائدوں اور نتیجوں کے امیدوار رہیں لیکن چاہئے کہ اس کے حقوق کو پورے طور پر بجا لائیں" ۳؎

فضیلتِ تقویٰ و ورع | اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (ہمارا رسول جو چیز تمہارے پاس لائے اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے اس سے رک جاؤ)۔ نجات کا مدار دو اجزا پر ہے: اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے رک جانا، اور ان دونوں جزوں میں سے آخری جزو زیادہ عظمت والا ہے جس کو ورع و تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر عبادت و اجتہاد کے ساتھ اور دوسرے شخص کا ذکر ورع کے ساتھ کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیزگاری کے برابر کوئی چیز نہیں۔ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا مقصود پرہیزگاری ہے) اور فرشتوں سے

۱؎ دفتر اول مکتوب ۴۳۔ ۲؎ دفتر دوم مکتوب ۲۸ ۳؎ دفتر دوم مکتوب ۶۹

انسان کی فضیلت اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے جزوِ اول میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے پس ورع و تقویٰ کے جزو کا مدِنظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی اشد ضروریات میں سے ہے اور اس جزو کی رعایت جس کا مدار محرمات سے بچتے رہنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے، جس چرواہے نے شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانوروں کو چرنے دیا تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں جا چرے۔ پس کمال تقویٰ کے حاصل ہونے کے لئے بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ وظائفِ بندگی (عبادات) کے ادا کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے اور چونکہ فضول مباحات سے پورے طور پر بچنا تمام اوقات میں اور خاص طور پر اس وقت میں بہت ہی دشوار ہے اس لئے محرمات سے بچ کر حتی المقدور فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہئے اور اس ارتکاب میں ہمیشہ شرمندہ ہونا چاہئے اور مغفرت طلب کرنی چاہئے اور اس کو محرمات میں داخل ہونے کا دروازہ سمجھ کر ہمیشہ حق تعالیٰ کی جناب میں التجا اور گریہ وزاری کرنی چاہئے شاید کہ ندامت واستغفار اور التجا و تضرع فضول مباحات سے بچنے کا ذریعہ ہو جائے اور اس کی آفت سے محفوظ کر دے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے اِنْكِسَارُ الْعَاصِيْنَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ صَوْلَةِ الْمُطِيْعِيْنَ (گنہگاروں کی عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداروں کے دبدبہ سے بہتر ہے)

اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے، ایک وہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے اور دوسری قسم کی رعایت ضروری ہے حق تعالیٰ غنی مطلق اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور بندے فقر اور محتاج اور بالذات بخیل و کنجوس ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال یا کسی اور قسم کا حق ہے تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے معاف کرالے قبل اس کے کہ اس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں، اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے موافق لیکر صاحبِ حق کو

دیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحبِ حق کی برائیاں لے کر اس کی برائیوں میں زیادہ کردی جائیں گی۔

اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ حاضرین نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ اسباب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز نماز روزہ زکوٰۃ سب کچھ لیکر آئے مگر ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی دی ہو اور کسی کو تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون گرایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے ہر حقدار کو اس کے حق کے برابر دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کے برابر نہ ہوئیں بلکہ پہلے ہی ختم ہو گئیں تو ان حقداروں کے گناہ لیکر اس کی برائیوں میں شامل کر دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے"۔[1]

توبہ و انابت و ورع و تقویٰ کی ترغیب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی:

چونکہ تمام عمر معصیت اور لغزش اور تقصیر اور بیہودہ کارروائیوں میں گذر گئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ توبہ و انابت کی نسبت کلام کیا جائے اور ورع و تقویٰ کو بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (اے مومنو سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم کو نجات حاصل ہو)۔ اور فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کو دور کر کے تمہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہیں)۔ اور فرماتا ہے: وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو)۔

گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے واجب اور فرضِ عین ہے کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر

[1] دفتر اول مکتوب ۶۷۔

اوروں کا کیا ذکر ہے۔ حضرت سید المرسلین خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں
اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً
(میرے دل پر پردہ آجاتا ہے اس لئے رات دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں)۔

پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے اور بندوں کے مظالم اور حقوق کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ زنا، شراب کا پینا، سرود وملاہی کا سننا، غیر محرم کی طرف بنظر شہوت دیکھنا، بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ، تو ان امور کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت وافسوس اور بارگاہِ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے۔ اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کئے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں۔ اور اگر مال واسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کیلئے استغفار واحسان کریں اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دیدیں، اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال وجنایت کے برابر مال صاحبِ مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء ومساکین پر صدقہ وخیرات کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو صادق ہیں سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا مِنْ عَبْدٍ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَامَ فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰی وَاسْتَغْفَرَ اللّٰہَ مِنْ ذَنْبِہٖ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ (جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو تو وضو کرے، نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ بخش دیتا ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے: مَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا

ثُمَّ نَدِمَ عَلَیْہِ فَھُوَ کَفَّارَتُہٗ (جو شخص گناہ کرکے نادم ہوا تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے)۔ اور حدیث شریف میں ہے اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَھَا ثُمَّ عَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ کُتِبَ فِی الرَّابِعَۃِ مِنَ الْکَبَائِرِ (جب آدمی نے کہا میں بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں پھر اس نے گناہ کیا پھر اسی طرح کیا پھر گناہ کیا، تین بار، چوتھی بار کبیرہ گناہ لکھا جائے گا)۔

ایک اور حدیث میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ۔ (آج کل کرنے والے (یعنی توبہ میں تاخیر کرنے والے) ہلاک ہوگئے)۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اے بیٹا! توبہ میں کل تک تاخیر نہ کر کیونکہ تیری موت ناگاہ آجائیگی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سَو پیسوں کے صدقہ کردینے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سَو مقبول حجوں سے افضل ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ٥ (یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ کی تو ہم خسارہ والوں میں سے ہوجائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَبْدِیْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْکَ تَکُنْ مِنْ اَعْبَدِ النَّاسِ وَانْتَہِ عَمَّا نَھَیْتُکَ عَنْہُ تَکُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْتُکَ تَکُنْ مِنْ اَغْنَی النَّاسِ (میرے بندے! جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر، تو سب لوگوں میں سے زیادہ عابد ہوجائے گا اور جن باتوں سے میں نے تجھ کو منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوجائے گا اور جو کچھ میں نے تجھے رزق دیا ہے اس پر قناعت کر تو سب سے زیادہ غنی ہوجائیگا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کُنْ وَرِعًا تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ (تو پرہیزگار بن، تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہوجائے گا۔)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ کی برابر ورع ہزار مثقال نماز روزہ سے بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین پرہیزگار اور زاہد لوگ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لئے جسقدر ورع ضروری ہے اتنی کوئی اور شے نہیں۔

بعض علمائے ربّانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان اِن دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرلے تب تک کامل ورع حاصل نہیں ہوتا:- (۱) زبان کو غیبت سے بچائے۔ (۲) بدظنی سے بچے (۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے (۴) حرام سے آنکھ بند رکھے (۵) سچ بولے (۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو (۷) اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے (۸) اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے (۹) نمازوں کی محافظت کرے (۱۰) سنت و جماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار کرے۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے لئے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش دے، تو تمام باتوں پر قادر ہے)

اے میرے مخدوم و مکرم! اور اے شفقت و مکرمت کی نشانیوں والے! اگر تمام گناہوں سے توبہ بلیسر ہوجائے اور تمام محرمات اور مشتبہات سے ورع و تقویٰ حاصل ہوجائے تو بڑی اعلیٰ دولت اور نعمت ہے ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات و انوار بعض دوسروں میں بھی اثر کرجائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و ورع کی توفیق نصیب ہوجائے مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ (جو چیز ساری حاصل نہ ہو اُس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیے)۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْنَا عَلٰى دِیْنِكَ وَعَلٰى طَاعَتِكَ بِصَدَقَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰى اٰلِ كُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَكْمَلُهَا" [1]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۶

لقمہ میں احتیاط کی تاکید "اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں احتیاط رکھیں یہ ٹھیک نہیں ہے کہ جو کچھ جہاں کہیں سے ملے کھالے اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ کرے۔ یہ انسان خود مختار نہیں ہے کہ جو کچھ چاہے کرے بلکہ اس کا ایک مولیٰ (آقا) ہے جس نے اس کو امر و نہی کا مکلف بنایا ہے اور اپنی رضامندی اور نارضامندی کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے، وہ شخص بہت ہی بدبخت ہے جو اپنے آقا کی مرضی کے برخلاف کام کرے اور آقا کی اجازت کے بغیر اس کے ملک میں تصرف کرے، بڑی شرم کی بات ہے کہ مجازی آقا کی رضامندی کی رعایت کرتے ہیں اور اس بارے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہتے اور مولائے حقیقی نے تاکید اور مبالغہ کے ساتھ ناپسندیدہ کاموں سے منع کر دیا اور تنبیہ فرمادی ہے اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ غور کرنا چاہیئے کہ یہ اسلام ہے یا کفر؟ ابھی کچھ نہیں بگڑا اور ابھی گذشتہ کا تدارک ہوسکتا ہے، حدیث: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا) قصور کرنے والوں کے لئے بشارت ہے اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس سے خوش رہے تو وہ منافق ہے اس کا ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دور نہیں کرے گا۔ زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے عاقل کو ایک اشارہ کافی ہے۔" [1]

قضائے الٰہی پر راضی رہنا "بندۂ مقبول وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنا بندہ ہے، اگر مولیٰ بندہ کی گردن پر چھری چلائے تو بندہ کو چاہیئے کہ اس وقت شاداں و خنداں رہے اور مولیٰ کے اس فعل کو اپنی رضامندی سمجھے بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے، اور اگر نعوذ باللہ اس کو اس فعل سے کراہت معلوم ہو اور اس کا سینہ (دل) میں تنگی پیدا ہو تو وہ دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے مہجور و دور کردہ ہے۔ جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہیئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش و خرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و تنگ دل نہ ہوں بلکہ اس خیال سے کہ محبوب کا فعل ہے اس سے متلذذ ہونا چاہیئے ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جس میں کمی و بیشی کا احتمال نہیں ہے تو پھر اضطراب کیوں ہو، البتہ

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۶۹

بلاؤں سے عافیت طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی سے پناہ مانگیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا و سوال سے راضی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تم مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا) مولانا عبدالرشید نے آگرہ والوں کے حالات بیان کئے اللہ تعالیٰ آپ صاحبان کو تمام ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے والسلام۔"[۱]

"اس حکیم جل شانہٗ کا کوئی کام حکمت و بہتری سے خالی نہیں ہوتا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (آزمائش) کے ساتھ بہتری چاہتا ہو۔ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿ (قریب ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور کسی چیز کو تم اچھا جانو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو یہ بات اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)۔ پس اس کی بلا (آزمائش) پر صبر کریں اور اس کی قضا پر راضی رہیں اور اس کی طاعات پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانیوں سے بچیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿ (تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے اور تمہاری بہت سی چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دیتا ہے) پس اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ استغفار کریں اور اس سے عفو و عافیت طلب کرتے رہیں فَاِنَّهٗ تَعَالٰى عَفُوٌّ يُّحِبُّ الْعَفْوَ (پس بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے)۔"[۲]

نرمی اختیار کرنے اور سختی کرنے کی ترغیب | دفتر اول مکتوب ۹۸ میں اس مضمون کی چند حدیثیں لکھی گئی ہیں اصل مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے پیر سے بیعت ہونا | "آپ کا مرسلہ خط موصول ہوا، آپ نے پوچھا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے اور حق جل و علا کی طلب کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ ــــــ جاننا چاہئے کہ مقصود حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے اور پیر حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو

---

[۱] دفتر دوم مکتوب ۸۸۔ [۲] دفتر سوم مکتوب ۱۹

اس کی صحبت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ طالب پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رشد وہدایت طلب کرے لیکن چاہئے کہ پیر اول کا انکار نہ کرے اور اس کو نیکی کے ساتھ یاد رکھے، خاص کر اس وقت کی پیری مریدی جو محض رسم وعادت کے طور پر رہ گئی ہے، اس وقت کے اکثر پیروں کو اپنی خبر نہیں اور ایمان وکفر میں فرق نہیں کرسکتے تو پھر وہ خدائے تعالیٰ کے متعلق کیا خبر رکھیں گے اور مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے ؎

آنکہ از خویشتن چو نیست جتیں   کے خبر دار از چنان وچنیں

ایسے مرید پر ہزار افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کرکے بیٹھ رہے اور کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور خدائے تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے یہ شیطانی خطرات ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کی راہ سے آکر طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا کر رکھتے ہیں، جہاں ہدایت اور دلجمعی پائی جائے بلا توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔" [1]

ذکر مقبول اور شیخ مقتداء سے حاصل کیا ہوا ذکر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے افضل ہے

"کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصود طلب حاجت ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس وہ فیوض جو ذکر کی راہ سے پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ——— جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا اور جو ذکر قبولیت کے لائق ہے وہی اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے جو ذکر ایسا نہیں ہے درود شریف کو اس پر فضیلت ہے اور برکات کے حاصل ہونے کی درود شریف میں بہت زیادہ امید ہے لیکن جو ذکر طالب کسی کامل شیخ سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب وشرائط کو مد نظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے وہ (ذکر) درود شریف پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہیں کرے گا اس ذکر تک نہیں پہنچے گا ——— یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقتؒ نے مبتدی کے لئے ذکر کرنے کے سوا اور کچھ تجویز نہیں کیا ہے اور اس کے حق میں فرضوں اور سنتوں پر کفایت کی ہے اور نفلی امور سے منع کرتے ہیں۔" [2]

[1] دفتر دوم مکتوب ۴۳ ـ [2] دفتر دوم مکتوب ۵۲

ترغیب ذکر "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) دل کے اطمینان کا طریق اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نہ کہ نظر و استدلال ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

کیونکہ ذکر میں حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ذاکر کو اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

لیکن ذاکر و مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بن جاتا ہے اور جب محبت غالب ہو گئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں، جب کام دل کے اطمینان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ کی دولت اس کو حاصل ہو گئی ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان است پاکیٔ دل ز ذکر رحمٰن است۔ والسلام اولاً و آخراً۔" [1]

"پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنت مؤکدہ کو بجا لانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھنا چاہیے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہ ہونا چاہیے یعنی کھانے سونے اور آنے جانے میں غافل نہ ہونا چاہیے۔ ذکر کا طریقہ آپ کو سکھایا ہوا ہے اس طریق پر عمل کریں، اگر جمعیت میں خلل معلوم ہو تو پہلے اس خلل کا سبب دریافت کرنا چاہیے اور پھر اس کوتاہی کا تدارک کرنا چاہیے اور بڑی عاجزی و زاری سے حق تعالیٰ کی جناب کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دور کرنے کی دعا مانگنی چاہیے اور جس شیخ سے ذکر سیکھا ہے اسی کو وسیلہ بنانا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔" [2]

دعا و تضرع و زاری و ذکر و تلاوتِ قرآن اور طولِ قیام کے فوائد

"آپ نے لکھا تھا کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا و تضرع و زاری اور التجا بہتر ہے یا ذکر کرنا، یا یہ سب کچھ ذکر کے ساتھ ملا ہوا بہتر ہے۔ میرے عزیز ذکر کرنا ضروری ہے اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت و نعمت ہے وصول الی اللہ کا مدار ذکر پر رکھا گیا ہے دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں۔ نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر نفی اثبات و تلاوتِ قرآن اور نماز میں طولِ قیام، ان تینوں میں سے کونسی چیز بہتر ہے۔ سو ذکرِ نفی اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کی شرط ہے، جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا

---

[1] دفتر اول مکتوب ۹۲۔ [2] دفتر اول مکتوب ۹۳

منع ہے اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے تب تک فرائض و واجبات و سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادت کریں سب وبال میں داخل ہے پہلے اپنے مرض کو دور کرنا چاہیے جو کہ ذکر نفی اثبات پر وابستہ ہے اس کے بعد دوسری عبادات اور نیکیوں میں جو کہ بدن کیلئے صالح (اچھی) غذا کی طرح ہیں مشغول ہونا چاہیئے مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں فاسد مفسد ہے

ع ہر چہ گیرد علتی علت شود

(اس مکتوب کے آخری حصہ میں والدہ محمد امین کیلئے تحریر فرماتے ہیں) آخرت کے احوال کو مد نظر رکھ کر دائمی ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے، یہ کچھ ضروری نہیں کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں، یہ تو سب کچھ لہو ولعب میں داخل ہے، ذکر میں جسقدر مشقت ہو بہتر ہے، پنجوقتی نماز ادا کر کے اوقات کو ذکر الٰہی کے ساتھ آباد رکھے اور ذکر سے لذت حاصل کرنے کے ساتھ بیکار رہے اور آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں رہے آپ کو بھی لازم ہے کہ اس کے پاس اکثر جایا کریں اور بڑی نرمی و محبت سے اس کو اپنی طرف مائل کریں اور نیکیوں کی طرف رہنمائی کریں۔ والسلام۔ [1]

سبق کی تکرار وہ سبق جو آپ نے حاصل کیا تھا اس کے تکرار سے وقت کو آباد رکھیں اور فرصت کو ہاتھ سے نہ دیں ایسا نہ ہو کہ دنیائے فانی کا کروفر آپ کو ڈگمگا دے اور چند روزہ شان و شوکت آپ کو بے مزہ کر دے ؎

ہمہ اندر زمن بتو اینست کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو جوانی میں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے، کہہ سکتے ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں اس نعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسا کہ دریائے عمیق کے مقابلے میں شبنم کا قطرہ کیونکہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی رضامندی کا موجب ہے جو کہ تمام دنیوی و اخروی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے)۔ [2]

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۱۳ ۔ [2] دفتر اول مکتوب ۱۴۶ ۔

خواجگانِ نقشبندیہ کے نزدیک یادداشت کے معنی

"حضرات خواجگان قدس سرہم کے طریقہ میں یادداشت سے مراد حضورِ بے غیبت ہے یعنی حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کا دوامِ حضور اس بات کے بغیر کہ شیونی و اعتباراتی پردے درمیان میں حائل ہوں اور اگر کبھی حضور ہو کبھی غیبت یعنی کبھی تو سب کے سب پردے دُور ہو جائیں اور کبھی درمیان میں آجائیں جیسا کہ تجلّیٔ ذاتی برقی میں ہوتا ہے کہ برق کی طرح تمام پردے حضرتِ حق تعالیٰ کے سامنے سے مرتفع ہو جاتے ہیں اور پھر جلدی ہی شیون و اعتبارات کے پردے میں آجاتا ہے پس ایسا حضور ان بزرگوں کے نزدیک مقامِ اعتبار سے ساقط ہے، پس حضورِ بے غیبت کا حاصل یہ ہوا کہ تجلّیٔ ذاتی برقی جو شیون و اعتبارات کے وسیلے کے بغیر حضرتِ ذات کے ظہور سے مراد ہے اور جو اس راہ کی انتہا میں میسر ہوتی ہے اور فنائے اکمل کو اس مقام میں ثابت کرتے ہیں وہ دائمی ہو جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ کریں، اور اگر (حجابات) رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور اس کو یادداشت نہ کہیں گے پس ثابت ہوا کہ ان اکابر کا شہود اتم و اکمل طریقہ پر ہے اور فنا کا اکمل و بقا کا اتم ہونا شہود کے اتم و اکمل ہونے کے اندازے کے موافق ہے۔ ع

قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا

مرید کے لئے رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے

جاننا چاہیئے کہ مرید کو تکلف اور بناوٹ کے بغیر اپنے شیخ (پیر) کے ساتھ رابطہ کا حاصل ہونا پیر اور مرید کے درمیان اس کامل مناسبت کی علامت ہے جو افادہ و استفادہ (فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے) کا سبب ہے اور وصول الی اللہ کے لئے رابطہ سے زیادہ اقرب کوئی طریق نہیں ہے، دیکھیں کس دولت مند کو اس سعادت سے بہرہ مند کرتے ہیں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فقرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ع

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق (رہبر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے)

بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے یعنی رہبر کا سایہ مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ مرید کو ابھی مذکور (حق جل وعلا) کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہے کہ (جس کی) وہ ذکر کے طریق سے پورا پورا نفع حاصل کر سکتا۔ والسلام اولاً و آخراً۔" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۵۱ [2] دفتر اول مکتوب ۱۸۷

نسبتِ رابطہ کی فضیلت ° خواجہ محمد اشرف نے نسبتِ رابطہ کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غالب ہو گئی ہے کہ نماز میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کو نفی کرنا چاہے تو وہ رابطہ نفی نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔۔ اے محبت کے نشان والے! طالبانِ حق جل علا اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر ہزاروں میں سے کسی ایک کو ملتی ہے، اس کیفیت والا شخص کامل مناسبت کی استعداد والا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شیخِ مقتدا کی تھوڑی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے، لوگ رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہیں کیونکہ وہ تو مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود، محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادتمندوں کو حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ تمام احوال میں صاحبِ رابطہ کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام وقتوں میں اسی کی طرف متوجہ رہیں نہ کہ ان بدبخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی (رابطہ سے بے نیاز) جانتے ہیں اور اپنی توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے ہٹا لیتے ہیں اور اپنے معاملہ کو خراب کر لیتے ہیں۔

(دو سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) مولانا حاجی محمد نے ظاہر کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ گزر گئے کہ مشغولی میں سستی و خرابی واقع ہو گئی ہے اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے حاصل تھا اب نہیں رہا۔ اے محبت کے اطوار والے! اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کچھ غم نہیں، ان میں کی ایک صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے اور دوسری اپنے شیخ کے ساتھ محبت و اخلاص، ان دو چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تو کچھ غم نہیں ہے آخر اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، اور اگر نعوذ باللہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے اگرچہ حضور و جمعیت کے ساتھ رہے کیونکہ یہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ ان دو باتوں پر ثابت قدمی و استقامت طلب کرتے رہیں کیونکہ یہی دونوں امر اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔ [1]

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۳۰

ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے داخلِ ذکر ہے

"اے فرزند! فرصت، صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہیئے، ہمیشہ اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھنا چاہیئے، جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہو۔ پس تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شرعیہ کی رعایت کرنی چاہیئے تاکہ وہ سب کچھ ذکر ہو جائے کیونکہ ذکر سے مراد غفلت کا دور ہونا ہے اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مدِ نظر رکھا جائے تو ان اوامر و نواہی کا حکم دینے والے (یعنی حق تعالیٰ) کی (یاد کی) غفلت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوامِ ذکر حضراتِ خواجگانِ نقشبندیہ قدس سرہم کی یادداشت سے جدا ہے کیونکہ وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوامِ ذکر کا اثر ظاہر میں بھی جاری ہے اگرچہ دشوار ہے وفقنا اللہ سبحانہ و ایاکم بمتابعة صاحب الشریعة علیه وعلی اٰله الصلوٰة والسلام والتحیة"۔[1]

صحبتِ شیخ کی ترغیب

"اس راستے میں دیوانہ پن درکار ہے لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایمان والا نہیں ہوگا جب تک اُسے یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے) اور جب دیوانہ پن آگیا، زن و فرزند کی تدبیر سے چھوٹ گیا اور این و آں کے اندیشہ سے جمعیت حاصل ہو گئی، یہ دیوانہ پن آپ کی طبیعت میں پایا جاتا ہے مگر بیکار عارضات کے باعث آپ نے اس کو خس پوش کر دیا ہے کیا کیا جائے اس (ظاہری) جدائی میں بڑی بے مناسبتی کا حاصل کرنا پایا جاتا ہے جلدی اس کا تدارک کریں اور اپنی کم ہمتی کو عینِ ہمت جان کر اس ظاہری دوری کو رفع کریں۔ اس گروہ کی جمعیت خلق کی جمعیت سے الگ ہے، خلق کی جمعیت کے اسباب اس گروہ کے تفرقہ کا باعث ہیں، خلق کے تفرقہ کے اسباب (یعنی فقر و نامرادی) میں ہاتھ مارنا چاہیئے تاکہ جمعیت حاصل ہو جائے اور اگر بالفرض خلق کی جمعیت میں اس گروہ کو جمعیت بخشیں تو اس جمعیت سے ڈرنا چاہیئے اور خدائے تعالیٰ کی جناب میں التجا کرنی چاہیئے تاکہ وہ جمعیت جان کا وبال نہ بن جائے اور فلاں و فلاں کے احوال پر قیاس نہ کرنا چاہیئے کیونکہ کامل ہونے سے پیشتر درجات کے تفاوت کے بموجب نقص کے مراتب ہیں"۔[2]

[1] دفتر دوم مکتوب ۲۵۔ [2] دفتر اول مکتوب ۱۱۹ [3] یعنی بعض اکابر جو کمالات کے تمام مراتب طے کر چکے تھے۔

اہل جمعیت کی صحبت کی ترغیب ٭ شاید میر صاحب نے فراموشی اختیار کر لی ہے کہ سلام و پیام تک سے یاد نہیں کرتے، فرصت بہت تھوڑی ہے اور اس کا اعلیٰ ترین مقصد میں صرف کرنا ضروری ہے اور وہ ارباب جمعیت کی صحبت ہے کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صحبت ہی کے باعث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا سب غیر صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں اگرچہ اویس قرنی امیر عمر مروانی (عمر بن عبد العزیزؒ) ہی کیوں نہ ہوں حالانکہ یہ دونوں حضرات صحبت کے سوا تمام درجات کی انتہا اور تمام کمالات کی آخری حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ کی خطا صحبت کی برکت سے ان دونوں کے صواب سے بہتر ہے اور عمرو بن العاص کا سہو ان دونوں کے صحو و صواب سے افضل ہے کیونکہ ان بزرگواروں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے، فرشتہ کی حاضری اور وحی کے مشاہدہ کرنے اور معجزات کے دیکھنے سے شہودی ہو چکا تھا اور ان کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو تمام کمالات کے اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے، اور اگر اویس قرنیؒ کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔[1]

اغنیاء کی صحبت سے بچنے اور فقراء کی صحبت پر ترغیب ٭ آپ نے فقراء کی صحبت سے تنگ دل ہو کر (اہل دنیا) دولتمندوں کی صحبت اختیار کی ہے یہ بہت برا کیا ہے آج اگر آپ کی آنکھ بند ہے تو کل کھل جائے گی اور پھر ندامت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا اطلاع دینی شرط ہے۔

اے صاحب ہوس! آپ کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے، دولتمندوں کی مجلس میں آپ کو جمعیت دیں گے یا نہ دیں گے، اگر دینگے تو برا ہے اور اگر نہ دیں گے تو بہت برا ہے۔ اگر دینگے تو استدراج ہے نعوذ باللہ من ذالك اور اگر نہ دیں گے تو دنیا و آخرت کا خسارہ شامل حال ہے، فقراء کی خاکروبی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے، آج یہ بات آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے آخر ایک دن سمجھ میں آجائے گی اور اس وقت کچھ فائدہ نہ دیگی۔ جب کھانوں کی خواہش

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۲۰۔

اور قیمتی لباس کی تمنا نے آپ کو اس بلا میں ڈال دیا، اب بھی کچھ نہیں گیا اپنے مقصد کی فکر کریں اور جو کچھ حق تعالیٰ سے مانع ہو اس کو دشمن جان کر اس سے بھاگیں: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (بیشک تمہاری بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ڈرتے اور بچتے رہو) نصِ قاطع ہے، صحبت کے حق نے اس بات پر آمادہ کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کی جائے خواہ آپ عمل کریں یا نہ کریں، آپ کی فضول باتوں اور حرکتوں سے میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اس طرح فقر پر استقامت دشوار ہے۔

(اس مکتوب کے آخر میں ہے) میں آپ کی فطرت اور استعداد سے کچھ اور ہی امید رکھتا تھا مگر افسوس کہ آپ نے قیمتی جوہر کو سرگین (کوڑی) میں ڈال دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ؟ [1]

(اس مکتوبِ گرامی میں حضرتؒ نے آپ کو بغرضِ اصلاح وہدایت ایسا تحریر فرمایا ہے چنانچہ پھر آپ کی اسقدر اصلاح وترقی ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ترقی کرکے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے اجل خلفا میں سے ہوئے اور حضرتؒ کے متعدد مکتوبات تینوں دفتروں میں آپ کے نام موجود ہیں جن سے آپ کے مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مؤلف)۔

بعض صحبتیں گوشہ نشینی پر ترجیح رکھتی ہیں

"شیخ نور محمدا آپ نے دور افتادوں کو اس طرح فراموش کیا ہے کہ سلام وپیام سے بھی یاد نہیں کرتے، آپ کی دلی خواہش گوشہ نشینی کی تھی سو آپ کو میسر ہوگئی لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے حال پر قیاس کرنا چاہئے کہ چونکہ آپ نے گوشہ نشینی وتنہائی اختیار کی اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہ کرسکے اس لئے وہ صحبت کے کمالات سے بہرہ ور نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہوئے اور پہلے درجے کی فضیلت سے محروم ہو کر دوسرے درجے کی فضیلت حاصل کی، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحبت ہر روز نئی طرز پر ہے مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ (جس کے دونوں دن برابر ہیں وہ زیاں کار ہے)۔" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۳۲ ـ [2] دفتر اول مکتوب ۲۷۰۔

عزلت گزینی کیلئے حقوق العباد کی ادائیگی شرط ہے

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے آپ کو مبارک ہو، آپ عزلت (گوشہ نشینی) اختیار کریں لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ (ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا) لیکن دعوت قبول کرنے میں چند شرطیں ہیں۔ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال کا نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر جانداروں کی تصویریں ہوں یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو یا کسی قسم کا لہو ولعب کا شغل ہو یا غیبت و بہتان اور جھوٹ وغیرہ سننا پڑے تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے اور یہ سب امور اس دعوت کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں اور اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا بدعتی یا شریر یا تکلف کرنے والا اور فخر و مباہات کا طالب ہے تب بھی یہی حکم ہے۔ اور شرعۃ الاسلام میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و سمعہ کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ اور محیط میں ہے کہ جس دسترخوان پر لہو و لعب یا سرود کا سامان ہو یا وہاں لوگ غیبت کرتے ہوں یا شراب پیتے ہوں وہاں بیٹھنا نہیں چاہئے۔ اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے لیکن اس زمانے میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔

اور نیز جان لیں کہ ع عزلت از اغیار باید نے زیار، کیونکہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقۂ عالیہ کی سنتِ مؤکدہ ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔ اور صحبت سے مراد طریقت کے موافقین کی صحبت ہے نہ کہ مخالفینِ طریقت کی صحبت کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو موافقت کے بغیر میسر نہیں ہوتا اور مریض کی عیادت سنت ہے جبکہ اس بیمار کا کوئی خبر گیر ہو اور اس کی تیمارداری کرتا ہو ورنہ اس بیمار کی عیادت (بیمار پرسی) واجب ہے جیسا کہ

مشکوٰۃ کے حاشیہ میں کہا ہے، اور نماز جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیئے تاکہ میّت کا حق ادا ہو جائے اور جمعہ و جماعت و نماز پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام میں سے ہے کہ جن سے چارہ نہیں ہے اور باقی وقتوں کو تبتل وانقطاع (تنہائی و گوشہ نشینی) میں گزاریں لیکن پہلے نیت کو درست کر لینا چاہیئے اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور حق تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیت حاصل کرنے اور بیفائدہ وبیکار اشغال سے منہ موڑنے کے سوا عزلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو اور نیت کے درست کرنے میں (اللہ تعالیٰ کے حضور میں) التجا و تضرع بہت زیادہ کریں اور عاجزی وانکساری اختیار کریں تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے۔ رات استخارے ادا کر کے درست نیت کے ساتھ عُزلت اختیار کریں امید ہے کہ اس پر بڑے بڑے فائدے مترتب ہوں گے باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے والسلام"[۱]

فرصت کو غنیمت جاننے کی ترغیب | "فرصت کو غنیمت اور وقت کو عزیز سمجھنا چاہیئے، رسوم و عادات سے کچھ نہیں بنتا، حیلے و بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ یعنی عنقریب یہ کام کروں گا کہنے والے ہلاک ہو گئے۔ موجودہ عمر کو موہوم کام میں صرف کرنا اور موہوم کو موجود کے لئے نگاہ رکھنا بہت بُرا ہے چاہیئے کہ نقد وقت کو نہایت ضروری کام میں صرف کریں اور ادھار کو بیفائدہ آرائشوں کے لئے جمع کریں۔ حق تعالیٰ (اپنی طلب میں) تھوڑی سی بے آرامی بخشے تاکہ ماسوائے حق کے آرام سے نجات حاصل ہو جائے (محض) گفتگو سے کچھ فائدہ نہیں ہے وہاں تو قلب کی سلامتی طلب کرتے ہیں۔ اصل مقصد کا فکر کرنا چاہیئے اور بیفائدہ کاموں سے پوری طرح منہ پھیرنا چاہیئے۔"[۲]

"اس دفعہ آپ کا لشکر میں جانا فقیر کو پسند نہیں ہے دیکھئے اس میں کیا حکمت ہے وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں)۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت

۱: دفتر اول مکتوب ۲۶۵۔ ۲: دفتر اول مکتوب ۱۳۳۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے نہایت مہربانی سے روزمرہ کی خوراک عطا فرمائی ہے اس کو غنیمت سمجھ کر اپنے کام کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ اس کو دوسری خوراک کا وسیلہ بنایا جائے کیونکہ (اس طرح) کام تسلسل تک پہنچ جاتا ہے (یعنی یہ سلسلہ طلب لامتناہی ہو جاتا ہے) درویشی میں طول امل (لمبی امید لگانا) کفر ہے اور قرض سے فارغ ہونے کا معاملہ معلوم نہیں ہے کہ خواجگی سی کوئی صورت پیدا کرلے اور اگر آپ کو کوئی شبہ ہے تو خواجگی کی طرف صاف و واضح طور پر لکھنا چاہئے اگر وہ بھی جواب میں صاف طور پر لکھے اور (جواب سے) پختہ وعدہ مفہوم ہو تو اس نیت سے چلے جائیں لیکن تسویف و تاخیر کا علاج کیا ہوگا جو کچھ کرنا ہے بہت جلد کریں کیونکہ فرصت بہت غنیمت ہے۔" [1]

اس سلسلہ عالیہ میں بعض بندیوں کو جلدی تاثیر نہ ہونے کا بھید

"اس طریقہ نقشبندیہ کے بعض طالب اس کے باوجود کہ ان کی سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے جلدی متاثر نہیں ہوتے اور لذت وحلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے جلدی حاصل نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالم امر عالم خلق کی نسبت ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف جلدی متاثر ہونے کا مانع ہے اور یہ تاثیر کا دیر سے ہونا اس وقت تک متحقق ہے جب تک ان میں عالم امر عالم خلق پر قوی نہ ہو جائے، اس ضعف کا علاج اس طریقۂ عالیہ کے مناسب کسی کامل تصرف والے کا تصرف کامل ہے اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے وہ یہ ہے کہ پہلے تزکیۂ نفس اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرائے جائیں جو شریعت کے موافق ہوں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور جاننا چاہئے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے اکثر کامل استعداد والے لوگ بھی اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ والسلام" [2]

ان بزرگوں کے لباس سے استفادہ کی ترغیب

"فقراء کی محبت اور اس گروہ کے ساتھ توجہ رکھنا ان بزرگوں کی محبت تھوڑی بھی بہت ہے اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، حق تعالیٰ آپ کو اس پر استقامت طلب کی جاتی اور اس کی امید کی جاتی ہے، جو نیاز آپ نے درویشوں کے لئے بھیجی تھی وہ بھی وصول ہوئی اور فاتحہ سلامت پڑھی گئی۔ وہ طریقہ جو آپ نے حاصل کیا اور وہ

[1] دفتر اول مکتوب ۱۳۶ [2] دفتر اول مکتوب ۱۲۵

نسبت جو آپ کو وہاں سے پہنچی تھی اس کے بارے میں آپ نے کچھ ذکر نہیں کیا اس میں فتور و کاہلی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ بچائے، بیت

یک چشم زدن خیالِ او پیشِ نظر ۔۔۔ بہتر ز وصالِ خوب رُویاں ہمہ عمر

ان بزرگوں کی نسبت اگر تھوڑی بھی حاصل ہو جائے تو تھوڑی نہیں ہے کیونکہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں مندرج ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

لیکن اس فتور کا کچھ غم نہیں ہے جب کہ رشتۂ محبت اس نسبت والوں کے ساتھ قوی ہے۔ فرجی یعنی ایک قسم کی قبا جو کئی دفعہ کی پہنی ہوئی ہے ارسال کی گئی ہے کبھی کبھی اس کو پہنیں اور ادب سے نگاہ رکھیں کہ اس سے بہت سے فوائد کی امید ہے اور جس وقت اس کپڑے کو پہنیں باوضو پہنیں اور سبق کی تکرار کریں امید ہے کہ پوری طرح جمعیت حاصل ہوگی اور جس وقت کچھ لکھیں تو سب سے پہلے اپنے باطن کے حالات لکھنے چاہئیں کیونکہ ظاہری احوال باطنی احوال کے بغیر اعتبار کے لائق نہیں۔" [1]

رنج و محنت لوازم محبت سے ہیں "اے محبت کے نشان والے! رنج و محنت محبت کے لوازم سے ہے، فقر کے اختیار کرنے میں درد و غم ضروری ہے ؎

غرض از عشق توام چاشنیٔ درد و غم است ۔۔۔ ورنہ زیرِ فلک اسبابِ تنعم چہ کم است

دوست رنج و آوارگی چاہتا ہے تاکہ اس کے غیر سے پورے طور پر انقطاع حاصل ہو جائے، یہاں آرام بے آرامی میں ہے اور ساز سوز میں اور قرار بیقراری میں اور راحت جراحت یعنی زخمی ہونے میں ہے، اس مقام میں آرام طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے۔ اپنے آپ کو ہمہ تن محبوب کے حوالہ کر دینا چاہئے اور جو کچھ اس کی طرف سے آئے نہایت خوشی سے قبول کرنا چاہئے اور منہ نہیں بنانا چاہئے، زندگی گذارنے کا طریقہ اسی روش میں ہے جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کریں ورنہ فتور پیچھے لگا ہوا ہے۔ آپ کی مشغولی خوب ہو گئی تھی لیکن قوی ہونے (کمال کو پہنچنے) سے پہلے ہی کمزور ہو گئی مگر کچھ غم نہیں اگر اپنے آپ کو ان تردّدات سے تھوڑا سا بھی جمع کریں تو پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گی۔ تفرقہ کے ان اسباب کو عین جمعیت کے اسباب جانیں تاکہ اپنا کام کر سکیں والسلام۔" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۴۲ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۴۰

تلوینات و تمکین حاصل ہونے کا مطلب " جاننا چاہئے کہ سالکین کو خواہ وہ ابتدا میں ہوں یا انتہا میں احوال کی تلوینات (یعنی بدلتے رہنے) سے چارہ نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وہ تلوین قلب پر ہے تو وہ سالک ارباب قلوب میں سے ہے اور ابن الوقت کے نام سے موسوم ہے اور اگر قلب تلوین سے نکل گیا اور احوال کی غلامی سے آزاد ہو کر مقام تمکین میں پہنچ گیا تو اس وقت احوال متلونہ نفس پر وارد ہوتے ہیں جو مقام قلب میں اس خلافت پر بیٹھا ہوا ہے، یہ تلوین تمکین کے حاصل ہونے کے بعد ہے اور اس تلوین والے کو اگر ابوالوقت کہیں تو بجا ہے اگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس بھی تلوینات سے گذر گیا اور تمکین و اطمینان کے مقام تک جا پہنچا تو اس وقت تلوینات کا وارد ہونا قالب پر ہے جو امور (عناصر) مختلفہ سے مرکب ہے یہ تلوین دائمی ہے کیونکہ تمکین قالب کے حق میں متصور نہیں ہے اگرچہ وہ لطائف میں سے الطف لطیفہ (یعنی خفی و اخفیٰ) کے رنگ میں رنگا ہوا ہو کیونکہ وہ تمکین جو اس رنگین ہونے کی راہ سے (قالب پر) آتی ہے وہ بطریق تبعیت ہے اور احوال متلونہ کا وارد ہونا بطریق اصالت ہے اور اعتبار اصل کا ہے نہ کہ تابع کا، اور اس مقام والا اخص الخواص میں سے ہے اور حقیقت میں ابوالوقت بھی یہی ہو سکتا ہے۔" [۱]

حق تعالیٰ کا فیض ہمیشہ خاص و عام پر وارد ہے " اگرچہ حق تعالیٰ کا فیض خواہ اولادو احوال کی قسم سے ہو اور خواہ ہدایت و ارشاد کی جنس سے ہو، ہر خاص و عام ادر کیم و لئیم پر بلا تفرقہ ہمیشہ وارد ہے لیکن بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اسی طرف سے (یعنی بندہ کی طرف سے) پیدا ہوتا ہے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)

موسم گرما کا سورج دھوبی اور کپڑے پر یکساں چمکتا ہے لیکن دھوبی کا چہرہ سیاہ اور اس کا کپڑا سفید ہو جاتا ہے۔ یہ عدم قبول حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی جناب پاک سے روگردانی کا سبب ہے، روگردانی کرنے والے کے لئے بدبختی لازم اور نعمت سے محرومی واجب ہے اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ بہت روگرداں ایسے ہیں جو دنیا کی ناز و نعمت سے ممتاز ہیں اور

---

[۱] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۷۵۔

ان کی روگردانی ان کی محرومی کا باعث نہیں ہوئی۔

جاننا چاہیئے کہ وہ بدبختی ہے جو استدراج کے طور پر اس کی خرابی کے لئے نعمت کی صورت میں ظاہر کی گئی ہے تاکہ اسی روگردانی و گمراہی میں مستغرق رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۔ (کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد دیتے رہتے ہیں یہ ہم ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ نہیں سمجھتے) پس دنیا کی ناز و نعمت جو اعراض و روگردانی کے باوجود حاصل ہو عین خرابی ہے اس سے بچنا چاہیئے والسلام"۔ [۱]

داخلِ سلسلہ ہونے کے بعد بلاوجہ قطع تعلق کرنے پر افسوس

"ایک دن مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کی غیرت کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی، اس اثنا میں اس بات کا بھی ذکر درمیان میں آیا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کے سلسلۂ ارادت میں داخل کیا ہے یا ان کے ضمن میں اپنے آپ کو لائے ہیں اور ان بزرگوں نے قبول فرمالیا ہے اور پھر بلا وجہ و بے سبب ان بزرگوں سے قطع تعلق کرلیا ہے اور ظن و گمان سے دوسروں کے دامنوں کو جا پکڑا ہے الخ"۔ [۲]

وساوس و خطرات کا آنا کمالِ ایمان کی علامت ہے

"درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی طالبانِ طریقت کے خطرات و وساوس کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی، اسی ضمن میں ایک حدیث کا ذکر ہوا کہ ایک روز حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بُرے خطرات کی شکایت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذٰلِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ (یہ بات کمالِ ایمان سے ہے) اس وقت اس حدیث کے معنی اس فقیر کے دل میں اس طرح گذرے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (اور حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے) کہ کمالِ ایمان مراد ہے کمالِ یقین سے اور کمالِ یقین کمالِ قرب پر مترتب ہے اور قلب اور اس سے اوپر کے لطائف (روح و سر و خفی و اخفیٰ) کو قربِ الٰہی جسقدر زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر ایمان و یقین بھی زیادہ ہوگا اور

---

[۱] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۶۴ - [۲] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۰۲

قالب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہو جائے گی اس وقت خطرات قالب میں بہت زیادہ ظاہر ہوں گے اور بہت نامناسب وسوسے نمایاں ہونگے پس لازماً برے خطرات کا سبب کمالِ ایمان ہوگا۔

پس نہایت النہایت کے منتہی کو خطرات جسقدر زیادہ اور نامناسب تر ہوں گے ایمان کی اکملیت اسی قدر زیادہ ہوگی کیونکہ کمالِ ایمان اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام لطائف سے الطف لطیفہ کو لطیفۂ قالب کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو اور یہ بے مناسبتی جسقدر زیادہ ہوگی قالب اسی قدر زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک ہوگا اور خطرات و وسوسے اس میں اسی قدر زیادہ ہوں گے بخلاف بتدی اور متوسط کے کہ اس قسم کے خطرات ان کے لئے زہر قاتل اور باطنی مرض کو زیادہ کرنے والے ہیں فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ (پس تو ہمارے کلام کے سمجھنے میں) تصور کرنے والوں میں سے نہ ہو) یہ معرفت اس فقیر کے دقیق معارف میں سے ہے۔ [1]

مراتب کمال میں تفاوت | جاننا چاہئے کہ مراتبِ کمال میں استعدادوں کے تفاوت کے موافق تفاوت ہوتا ہے اور کمال میں تفاوت کبھی کمیت (مقدار) کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی ان دونوں یعنی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ایک ساتھ ہوتا ہے پس مثلاً بعض کا کمال تجلی صفاتی سے ہے اور بعض دوسرے حضرات کا کمال تجلی ذاتی سے ہے اس بہت بڑے تفاوت کے باوجود جو ان دونوں تجلیوں کے افراد اور ان کے ارباب کے درمیان ہے، پس بعض کا کمال ماسوائے حق سے دل کی سلامتی اور روح کی آزادی تک ہے اور بعض دوسرے حضرات کا کمال ان دونوں امور کے ساتھ بھی متحقق ہے اور شہودِ سری تک بھی اور تیسرے گروہ کا کمال ان تینوں امور کے ساتھ ساتھ اس حیرت تک ہے جو لطیفۂ خفی کی طرف منسوب ہے اور چوتھے گروہ کا کمال ان چاروں امور کے باوجود اس اتصال تک ہے جو اخفی کی طرف منسوب ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کمال حاصل ہونے کے بعد یا رجوعِ قہقری ہے (اُلٹے پاؤں لوٹنا ہے یعنی خلقت کی طرف رجوع ہوتا ہے تاکہ ان کو حق جل وعلا کی طرف

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۸۲۔

دعوت دے) یا اس مقام میں ثابت و برقرار رہتے ہیں، پہلا مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق کیلئے خلق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دوسرا مقام استہلاک یعنی مغلوب الحال ہونے اور خلق سے یکسو ہونے کا مقام ہے والسلام اولاً و آخراً۔ [1]

کمالِ ولایت کا مدار کثرتِ خوارق پر نہیں

"خوارق کا ظاہر ہونا ولایت کے ارکان میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اس کے شرائط میں سے ہے برخلاف معجزۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو کہ مقامِ نبوت کے شرائط میں سے ہے لیکن (شرطِ ولایت نہ ہونے کے باوجود) خوارق کا ظہور شائع اور ظاہر ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خلافِ واقعہ ہو، البتہ خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتا، وہاں قربِ الٰہی جل شانہ کے درجات کے اعتبار سے فضیلت ہے ممکن ہے کہ ولیٔ اقرب سے بہت کم خوارق ظاہر ہوں اور ولیٔ ابعد سے بکثرت ظاہر ہوں، وہ خوارق جو اس امت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے ہیں، اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا سوواں حصہ بھی ظہور میں نہیں آیا حالانکہ اولیاء میں سے افضل ولی ایک ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور تقلیدی استعداد کے کم ہونے پر دلالت کرتا ہے، نبوت و ولایت کے فیوض قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوتِ نظری پر غالب ہو۔[2] (اس پورے مکتوب میں خوارق و کرامات کے متعلق سیر حاصل بیان ہے اصل مکتوب کی طرف رجوع فرمائیں۔ مؤلف)

"ولایت، فنا و بقا سے مراد ہے اور خوارق و کشفیات خواہ کم ہوں یا زیادہ (باعتبارِ اغلب) اس (فنا و بقا) کے لوازم میں سے ہیں لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم و اکمل ہو بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے۔

اور خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے، عروج کے وقت بہت زیادہ بلند جانا اور نزول کے وقت بہت کم نیچے اترنا بلکہ کثرتِ خوارق کے ظہور میں کلیہ قاعدہ قلتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو کیونکہ

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۵۸۔ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰۷۔

صاحبِ نزول عالمِ اسباب میں اُتر آتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے اور جس شخص نے نزول نہیں کیا یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے کیونکہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع ہو گئے ہیں پس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے، اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلے کے بغیر مہیا کر دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، اس مطلب پر دلیل ہے۔

بہت مدت تک دل میں کھٹکتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیا بہت گذرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ سے ظاہر ہوئے ہیں اس قدر خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے، آخر کار حق تعالیٰ نے اس معمہ کا بھید ظاہر کر دیا اور معلوم کر دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقامِ روح تک نیچے اُترے ہیں جو عالمِ اسباب سے بلند تر ہے۔

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اس مقام کے مناسب ہے منقول ہے کہ ایک دن حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ دریا سے پار ہوں، اسی اثنا میں خواجہ حبیب عجمیؒ بھی آنکلے، پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا کشتی کا انتظار کر رہا ہوں حبیب عجمیؒ نے فرمایا کشتی کی کیا حاجت ہے کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض خواجہ حبیب عجمیؒ کشتی کی مدد کے بغیر دریا سے گذر کر چلے گئے اور خواجہ حسن بصریؒ کشتی کی انتظار میں کھڑے رہے۔

خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالمِ اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا و قدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ فرماتے تھے اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کر دیا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا و قدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے کے بغیر معاملہ کرتے تھے لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے جو صاحبِ علم ہے اور جس نے عین الیقین کو

علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں سمجھ لیا ہے کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے اور یہی صاحبِ سُکر ہے اور فاعلِ حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتا ہے جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں ہے۔" [1]

[2] اے برادر! غور سے سن کہ خوارقِ عادات دو قسم پر ہیں: نوعِ اول وہ علوم و معارفِ الٰہی جلّ شانہٗ ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور وہ نظرِ عقل کے طریقہ کے ماسوائے اور متعارف و معتاد کے برخلاف ہیں کہ اپنے خاص بندوں کو ان کے ساتھ ممتاز کرتا ہے۔ نوعِ دوم مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور ان پوشیدہ چیزوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبر دینا جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

نوعِ اول اہلِ حق اور اربابِ معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور نوعِ ثانی مُحق اور مبطل یعنی سچے اور جھوٹے کو شامل ہے کیونکہ استدراج والوں کو بھی نوعِ ثانی حاصل ہے۔

نوعِ اول حق تعالیٰ کے نزدیک شرافت و اعتبار رکھتی ہے کیونکہ اس کو اپنے دوستوں ہی کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔ نوعِ دوم عام لوگوں کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں میں بہت معزز و محترم ہے، یہی باتیں اگر استدراج والوں سے ظاہر ہوں تو عجب نہیں کہ عام لوگ نادانی کے باعث ان کی پرستش کرنے لگیں اور جو رطب و یابس وہ ان کے سامنے تصنع سے کرے وہ اس پر اس کے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں بلکہ یہ محجوب یعنی عام لوگ نوعِ اول کو خوارق و کرامات سے شمار نہیں کرتے، ان کے نزدیک خوارق نوعِ دوم میں منحصر ہیں اور کرامات ان محجوبوں کے خیال میں مخلوقات کی صورتوں کے کشف اور پوشیدہ چیزوں کی خبر دینے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ لوگ عجیب بیوقوف ہیں اتنا نہیں جانتے کہ وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے اس میں کونسی شرافت و کرامت پائی جاتی ہے بلکہ یہ علم تو اس بات کے لائق ہے کہ جہالت سے بدل جائے تاکہ مخلوقات اور ان کے احوال سے نسیان حاصل ہو جائے وہ حق تعالیٰ کی معرفت ہی ہے جو شرافت و کرامت اور اعزاز و احترام کے لائق ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است [3]

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱۶۔ [3] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۳۔

ولی کو اپنی ولایت یا خوارق کا علم ہونا شرط نہیں

دیہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح نفسِ ولایت حاصل ہونے میں ولی کو ولایت کا علم شرط نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے اسی طرح اس کو اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیا جو صاحبِ علم و کشف ہیں جائز ہے کہ ان کو اپنے بعض خوارق پر اطلاع حاصل نہ ہو بلکہ ان کی مثالی صورتوں کو دکارکنانِ قضا و قدر) متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور ان صورتوں سے دور دراز جگہوں میں عجیب و غریب کام ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صورتوں کے صاحب کو ہرگز اطلاع نہیں ہے ؏

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند

حضرت مخدومی قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتا تھا عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسمِ حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (سب کاموں کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم کی تو بہت جلدی اس سے زیادہ کچھ لکھا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ؟[1]

اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط واقع ہوتے ہیں

• اگر پوچھیں کہ کیا سبب ہے کہ بعض کوئی کشف جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں ان میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے برخلاف ظہور میں آتا ہے مثلاً خبر دی کہ فلاں آدمی ایک ماہ بعد مر جائیگا یا سفر سے وطن واپس آجائے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ بعد ان دونوں میں سے کوئی بات بھی وقوع میں نہ آئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق کشف ہوا ہے اور جس بات کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا چند شرائط پر مشروط تھا صاحبِ

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱۶۔

کشف نے اس وقت ان شرائط کی تفصیل پر اطلاع نہیں پائی اور اس چیز کے مطلق طور پر حاصل ہونے کا حکم کردیا، یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی ایسا حکم عارف پر ظاہر ہوا جو فی نفسہٖ محو و اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو کے قابل اور معلق ہونے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے اس صورت میں اگر وہ اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف ہونے کا احتمال ہوگا۔“ ؎۱

خوارق و کرامات کا ظہور ولایت کی شرط نہیں

”جاننا چاہیئے کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے جس طرح علماء خوارق حاصل کرنے کے مکلف نہیں ہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں کیونکہ ولایت سے مراد اللہ جل شانہ کا قرب حاصل کرنا ہے جو ما سوی اللہ کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے، بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں اور اس کو غیب کے پیش آمدہ حالات پر کچھ اطلاع نہیں دیتے اور بعض دوسرے لوگوں کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اور غیب کی باتوں پر اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو مقامِ قرب سے کچھ نہیں دیتے لیکن غیبی حالات پر اطلاع بخشتے ہیں، یہ تیسری قسم کے لوگ اہلِ استدراج ہیں اور نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ چیزوں کے کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈال دیا ہے آیہ کریمہ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں، خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں، ان پر شیطان نے غلبہ پاکر ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردیا ہے یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں خبردار یہ شیطان کا گروہ خسارہ پانے والے ہیں) ان کے حال کے متعلق پتہ دیتی ہے پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو دولتِ قرب سے مشرف ہیں اولیاء اللہ ہیں، نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے اور نہ عدمِ کشف ان کی ولایت کو گھٹاتا ہے ان میں درجاتِ قرب کے اعتبار سے فرق ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس ولی کو غیبی صورتوں کا کشف نہیں ہوتا وہ اس ولی سے افضل و برتر ہوتا ہے جس کو غیبی صورتوں کا کشف ہوتا ہے اھ“ ؎۲

؎۱ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱۷۔ ؎۲ دفتر دوم مکتوب نمبر ۹۲۔

پیری مریدی کے آداب نصائح ۱؎ اور اس سلسلۂ عالیہ میں پیری و مریدی طریقے کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے نہ کلاہ و شجرہ پر جو کہ اکثر مشائخ کے طریقوں میں مروج ہے یہاں تک کہ ان کے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد (متعدد ہونا) تجویز نہیں کرتے ہیں اور طریقت سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں پیر نہیں کہتے اور آداب پیری کو اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے، یہ ان کی بڑی جہالت اور بے سمجھی ہے، وہ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیری کہا ہے اور پیر کا تعدد تجویز کیا ہے بلکہ اگر پیر اول کی زندگی ہی میں طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ پہلے پیر کا انکار کئے بغیر (اور اس کے حقوق میں کمی کئے بغیر) دوسرے پیر کو اختیار کر لے، حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کے جائز ہونے کے بارے میں علمائے بخارا سے فتویٰ حاصل کیا تھا۔

بیشک اگر ایک پیر سے خرقۂ ارادت حاصل کیا ہو تو دوسرے سے خرقۂ ارادت نہ لے اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے بلکہ جائز ہے کہ خرقۂ ارادت ایک بزرگ سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی بزرگ سے میسر ہو جائیں تو بڑی خوش قسمتی اور نعمت ہے اور جائز ہے کہ تعلیم اور صحبت کا متعدد مشائخ سے استفادہ کرے۔

جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے، یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے کیونکہ پیر طریقت شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی، برخلاف پیر خرقہ کے لہٰذا پیر تعلیم کے آداب کی رعایت زیادہ کرنی چاہئے اور پیر کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے، اور اس طریق میں نفس امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے یہی ہیں کہ احکام شرعیہ کو بجا لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی متابعت لازم پکڑے کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفس امارہ کی خواہشات کو دور کرنا ہے اس لئے کہ وہ اپنے مولیٰ جل شانہٗ کی دشمنی میں مقرر ہوا ہے، پس نفسانی خواہشوں کا دور ہونا احکام شرعی کے بجا لانے پر وابستہ ہے جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر نفسانی خواہشات سے زیادہ دور ہوگا پس نفس امارہ پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجا لانے سے زیادہ دشوار کوئی

چیز نہیں ہے اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں الخ۔ [1]

مریدوں کے لئے ضروری آداب و شرائط ۰ جاننا چاہیئے کہ صحبت کے آداب اور شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا (اسلئے) بعض ضروری آداب و شرائط لکھے جاتے ہیں گوشِ ہوش سے سننے چاہئیں۔

طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف وجوانب سے ہٹا کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے حتیٰ کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کی خدمت میں رہتے ہوئے نماز فرض وسنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

کسی بادشاہ کی نقل کرتے ہیں کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا اسی اثنا میں اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر جا پڑی اور وہ اس کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا، اس حال میں جب بادشاہ کی نظر اس وزیر پر پڑی کہ وہ اس کے غیر کی طرف متوجہ ہے تو جھڑک کر کہا کہ میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میرے حضور میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے، سوچنا چاہیئے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل (مثلاً بادشاہ) کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب بھی ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل (مثلاً پیر) کے لئے ان آداب کی رعایت نہایت ہی کامل طور پر ضروری ہوگی۔

اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سایہ پر پڑتا ہو اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ پر طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے حضور میں پانی نہ پیئے، کھانا نہ کھائے اور کسی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو اور پیر کی غیبت (غیر موجودگی) میں جہاں پیر رہتا ہے اس جگہ کی طرف

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۲۱۔

پاؤں نہ پھیلائے اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب (درست) جانے اگرچہ بظاہر صواب معلوم نہ ہو، وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا ہے اس تقدیر پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے، خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی مانند ہے اس پر ملامت و اعتراض جائز نہیں اور نیز چونکہ اس کو اپنے پیر سے محبت پیدا ہو چکی ہے اس لئے جو کچھ محبوب (پیر) سے صادر ہوتا ہے مُحِب (مرید) کی نظر میں محبوب دکھائی دیتا ہے پس اعتراض کی گنجائش نہیں رہے گی کھانے پینے پہننے سونے اور طاعت کرنے کے ہر چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدا کرنی چاہئے نماز کو بھی اسی کی طرز پر ادا کرنا چاہئے اور فقہ کو بھی اسی کے عمل سے اخذ کرنا چاہیے ؎

آں راکہ درسرائے نگاریست فارغ است ... از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

اور اس کی حرکات و سکنات پر کسی قسم کے اعتراض کو دخل نہ دے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانے جتنا ہو کیونکہ اعتراض سے سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب خطرات اور وساوس کے طریق پر ہو۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو؟ (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا) معجزہ طلب کرنے والے کافر اور منکر لوگ ہیں ؎

معجزات از بہر قہر دشمن است ... بوئے جنسیت پے دل بُردن است

موجب ایمان نہ باشد معجزات ... بوئے جنسیت کند جذب صفات

اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو اس کو بلا توقف عرض کردے اگر حل نہ ہو تو اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب و نقص منسوب نہ کرے اور جو واقعہ بھی ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کردے اور صواب و خطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشفوں پر ہرگز بھروسہ نہ کرے کیونکہ اس جہان میں حق باطل کے ساتھ اور خطا صواب کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے جدا نہ ہو کیونکہ اس کے غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے برخلاف ہے اور اپنی آواز کو

اُس کی آواز سے بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے اور جو فیض و فتوح اس کو پہنچے اُس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے پیر ہی سے جانے اور یہ سمجھے کہ چونکہ پیر تمام کمالات و فیوض کا جامع ہے اس لئے پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے موافق جس سے یہ صورتِ افاضہ ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اور اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ابتلاو آزمائش کے باعث مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے وابستہ، یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے اللہ تعالیٰ لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل پیر کے اعتقاد اور محبت پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

غرض اَلطَّرِیْقُ کُلُّہٗ آدَبٌ مثل مشہور ہے، کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا، اور اگر مرید بعض آداب کے بجالانے میں اپنے آپ کو عاجز جانے اور اُن کو کما حقہٗ ادا نہ کرسکے اور کوشش کرنے کے بعد بھی اُن سے عہدہ برآنہ ہوسکے تو معاف ہے لیکن اس کو اپنے قصور کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر نعوذ باللہ آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگواروں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔"[1]

احوال و واقعات شیخ کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب

"برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی ہے۔ کیا آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخِ کبرویہ اس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے کفِ پا فرماتے ہیں، خیر جو کچھ ہوا سو ہوا آئندہ ایسا نہ کریں اور جو کچھ ظاہر ہو بار بار لکھتے رہا کریں۔"[2]

طریقۂ عالیہ میں نئی نئی باتیں نکالنے والوں کی مذمت

"ہاں اس طریقۂ عالیہ کے بعض متاخرین خلفاء نے اس طریق میں بھی نئی نئی بدعتیں نکالی ہیں اور ان اکابر کے اصل طریقہ کو چھوڑ دیا ہے ان مریدوں کی ایک جماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ ان نئی نکالی ہوئی باتوں سے انھوں نے اس طریقہ کی تکمیل کی ہے ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاہِھِمْ (چھوٹا منہ اور بڑی بات)

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۲۔ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۲۳

بلکہ انھوں نے اس کے خراب اور ضائع کرنے میں کوشش کی ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ بعض وہ بدعتیں جو دوسرے سلاسل میں بالکل موجود نہیں ہیں وہ انھوں نے اس طریقۂ عالیہ میں پیدا کردی ہیں، نمازِ تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گرد و نواح سے اس وقت لوگ نمازِ تہجد کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ عمل مکروہِ تحریمی ہے۔ الیٰ آخرہ" ^۱^

"لیکن ان دنوں میں جبکہ وہ نسبتِ شریفہ عنقائے مغرب (یعنی مخفی) ہے اور بالکل پوشیدہ ہوگئی ہے اور اس گروہ میں سے ایک جماعت نے اس دولتِ عظمیٰ کے نہ پانے اور اس نعمتِ عالیہ کے نہ ملنے سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جواہر نفیسہ کو چھوڑ کر چند ٹھیکریوں پر خوش ہو گئے ہیں اور بچوں کی طرح جوز و مویز (اخروٹ و منقّی) پر مطمئن ہو کر نہایت بیقراری اور حیرانی سے اپنے بزرگوں کے طریق کو چھوڑ کر کبھی ذکرِ جہر سے تسلی حاصل کرتے ہیں اور کبھی سماع و رقص سے آرام ڈھونڈتے ہیں اور چونکہ ان کو خلوت در انجمن حاصل نہیں ہے اس لئے خلوت کا چلّہ اختیار کرتے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسی بدعتوں کو اس نسبتِ شریفہ کی تکمیل کرنے والی خیال کرتے ہیں اور اس بربادی کو عین آبادی شمار کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو انصاف عطا فرمائے اور اس طریقہ کے بزرگوں کے کمالات کی ذرا سی خوشبو ان کی جان کے دماغ تک پہنچائے الیٰ آخرہ" ^۲^

"اس طریق میں مایوس اور خسارہ والا شخص وہ ہے جو اس طریق میں داخل ہو کر اس طریق کے آداب مدنظر نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں پیدا کرے اور اس طریقہ کے برخلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے اس صورت میں طریق کا کیا گناہ ہے وہ اپنے خوابوں و واقعات کی راہ پر چلتا ہے اور اپنے اختیار سے کعبہ معظمہ کے راستہ سے منھ پھیر کر ترکستان کی طرف جا رہا ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است" ^۳^

---

^۱^ دفتر اول مکتوب نمبر ۱۳۱۔ ^۲^ دفتر اول مکتوب نمبر ۱۶۸۔ ^۳^ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۸۱۔

مقامِ تکمیل وارشاد کی ضروری شرطیں

دوسرے یہ کہ چونکہ آپ کو طریقہ سکھانے کی ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اس بارے میں چند فائدے لکھے جاتے ہیں گوشِ ہوش سے سن کر ان پر عمل کریں۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت سے آئے اس کو طریقہ سکھانے میں بہت تامل کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو خاص کر جب کسی مرید کے آنے میں کچھ خوشی و سرور پیدا ہو تو چاہئے کہ اس بارہ میں التجا و تضرع کا طریق اختیار کر کے کئی استخارے کریں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہئے اور استدراج و خرابی مراد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں، آیہ کریمہ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ (تاکہ تو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف اللہ کے اذن سے نکالے) اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گیا، اس کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر رہزنی کی تھی (یعنی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر راہِ ارشاد اختیار کی تھی) اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ تو نے میرے بندوں کو میری طرف تفویض کیوں نہ کیا اور اپنے دل سے میری طرف متوجہ کیوں نہ ہوا

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط پر مشروط ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر وابستہ ہے، ابھی وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دی جائے اس وقت کے آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدنظر رکھیں اطلاع دینی شرط ہے اور میر نعمان کی طرف بھی یہی لکھا گیا ہے وہاں سے بھی معلوم کر لیں غرض کوشش کریں تاکہ وقت آجائے اور شرائط کی تنگی سے چھوٹ جائیں والسلام"۔ [1]

استخارہ کی تشریح

"میرے مخدوم! استخارہ ہر امر میں مسنون و مبارک ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ استخارہ کے بعد خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے، بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہئے اگر اس کام کی طرف دل کی

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱۱۔

رغبت و توجہ پہلے سے زیادہ ہے تو اس کام کے کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اگر رغبت اسی قدر ہے جسقدر کہ پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے، اس صورت میں استخارہ کو دوبارہ سہ بارہ کرے تاکہ رغبت کی زیادتی معلوم ہو جائے استخارہ کی تکرار کی حد سات مرتبہ تک ہے، اگر استخارہ ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں کمی مفہوم ہو تو منع پر دلالت ہے، اس صورت میں بھی اگر استخارہ کو چند بار کرے تو گنجائش ہے بلکہ ہر حال میں استخارہ کو مکرر کرنا بہتر اور مناسب ہے اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط (کا باعث) ہے۔[۱]

شیخ مقتدا کیلئے نصائح | جاننا چاہئے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے آپ نے سنا ہو گا کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں) ہر بے سر و سامان کو اس بلند مرتبہ کے ساتھ کیا مناسبت ہے ؎

ہر گدائے مرد میداں کے شود ‏ ‏ پشۂ آخر سلیماں کے شود

احوال و مقامات کا مفصل علم ہونا، مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کو پہچاننا، کشفوں اور الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازم سے ہے اور ان کے بغیر (مقام شیخی کے حاصل ہونے کا دعویٰ کرنا) بے فائدہ رنج و تکلیف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اکابر طریقت قدس سرہم بعض مریدوں کو مقام شیخی تک پہنچنے سے پہلے کسی مصلحت کے پیش نظر ایک قسم کی اجازت دیدیتے ہیں اور ایک لحاظ سے تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ سکھائیں اور احوال و واقعات پر اطلاع پائیں، اس قسم کی تجویز و اجازت میں شیخ مقتدا کو لازم ہے کہ اس قسم کے مجاز مریدوں کو اس کام میں بڑی احتیاط برتنے کا امر کرے اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواقع کو ظاہر کردیا کرے اور بار بار ان کے نقص پر اطلاع دیتا رہے اور مبالغہ کے ساتھ ان کے ناقص ہونے کو ظاہر کردے، اس صورت میں اگر شیخ حق بات کے ظاہر کرنے میں سستی کرے تو وہ خائن ہے اور اگر مرید کو وہ باتیں بری معلوم ہوں تو وہ بد قسمت ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے، اس پر کیا بلا آپڑی، وہ یہ نہیں سمجھتا کہ

---

[۱] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۳۹ -

ہم سے قطع کرنا اس کو کہاں تک پہنچا دیگا اور اگر ہم سے قطع کرے گا تو اور کس شخص سے جا ملے گا اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو تو بلا توقف اس کو کہدیں کہ توبہ و استغفار کرے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و زاری کرے کہ اس ابتلاء و فتنہ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا و آزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حمد و احسان ہے کہ یاروں کی اس لاپرواہی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار فقیر کے دل میں داخل نہیں ہوا اس سبب سے امیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہو گا"۔[1]

"اے بھائی! حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے۔ خلق کی نفرت اس ملامتیہ جماعت کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت و شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے برخلاف ہے ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقاموں کو آپس میں ملا دیں اور عین شیخت کے مقام میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے اور مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل (یعنی رعب داب سے آراستہ و پیراستہ) رکھیں اور مریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور انس اختیار نہ کریں کیونکہ یہ خفت و سبکی کا باعث ہے اور افادہ و استفادہ کے منافی ہے اور حدود شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں، جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی اس طریقہ عالیہ کے منافی اور سنتِ سنیہ کی متابعت کے دعویٰ کے مخالف ہے۔ (آخر میں تحریر فرماتے ہیں) غرضکہ قول و فعل میں اچھی طرح محافظت کریں کیونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ فتنہ و فساد کے درپے رہتے ہیں کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہل لوگوں کو بزرگوں پر طعن کا موقع مل جائے حق تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں"۔[2]

"اے بھائی! کئی دفعہ آپ سے کہا گیا ہے کہ اس طریق کا مدار دو اصلوں پر ہے ایک یہ کہ شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ شیخ طریقت کی محبت و اخلاص پر اس طرح راسخ و ثابت قدم

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۴۴۔ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۲۷۔

ہونا کہ اس پر کسی قسم کے اعتراض کی ہرگز گنجائش نہ رہے بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں پسندیدہ ومحبوب دکھائی دیں۔ ان دو اصلوں کے متعلق جو امور ہیں ان میں سے کسی امر میں بھی خلل واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ دونوں اصل درست ہوگئیں تو دنیا و آخرت کی سعادت نقد وقت ہے۔

(چند سطروں کے بعد) آپ اجازت نامہ لکھتے ہیں جو اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کا مقصود کیا ہے آپ کو جو طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کام دے گا، یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ بھی دل میں گذرے اس کے لئے ضرور کوشش کی جائے، کئی ایسی باتیں دل میں گذرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے نفس بڑا ضدی ہے جس امر کو اختیار کرتا ہے اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کے حق و باطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا، یہ چند باتیں آپ کی خاطر لکھی گئی ہیں حق تعالیٰ آپ کو نفع دے، اپنے کام کی فکر کرنی چاہیئے تاکہ جہان سے ایمان سلامت لیجائیں اجازت نامہ اور مرید کام نہیں آئیں گے، اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب کے ساتھ آئے تو اس کو طریقہ سکھادیں یہ نہیں کہ تعلیم طریقت کو ہی اصل کام بنالیں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع کر دیں کہ یہ سراسر ضرر اور خسارہ ہے"۔ ؎۱

مریدوں کے احوال پیروں کیلئے حیا کا باعث ہیں۔ "لیکن چاہیئے کہ اپنے احوال و اعمال منظور نظر ہوں اور اپنی حرکت و سکون ملحوظ رہے ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث ہو جائیں اور مریدوں کی گرمجوشی و مستعدی مرشدوں کے کارخانے میں سردی و سستی پیدا کر دے، اس امر سے بہت ڈرتے رہنا چاہیئے اور مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر ببر کی طرح جاننا چاہیئے اور ان پر فخر و ناز نہیں کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس راستہ سے عجب و غرور کا دروازہ کھل جائے بلکہ چاہیئے کہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (حیا ایمان کا ایک جزو ہے) کے حکم کے موافق مریدوں کی ترقیاں شرمندگی و خجالت کا باعث ہوں اور طالبوں کی طلب کی گرمی غیرت و عبرت کا موجب ہو، اپنے اعمال کو قاصر اور اپنی نیتوں کو

؎۱ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۲۸۔

تہمت زدہ سمجھنا چاہئے تاکہ عجب دور رہے) اور حال وقال کی زبان کو ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا اور بھی ہے) کے کلمہ سے تر رکھنا چاہئے، اگرچہ آپ کے پسندیدہ اطوار و عادات سے یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح معاملہ کریں گے لیکن دینی دشمنوں یعنی نفس امارہ اور شیطانِ لعین کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاکید کے طور پر مبالغہ کیا گیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی و سستی واقع ہو جائے کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے صرف ایک ہی کی فکر میں لگے رہنا قصور و کمی ہے۔" [1]

رات اور دن کا محاسبہ: اکثر مشائخ قدس سرہم نے محاسبہ کا طریق اختیار کیا ہے اور وہ رات کو سونے سے ذرا پہلے اپنے روزانہ کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات کے دفتر کو ملاحظہ کرتے ہیں اور ہر ایک عمل کی حقیقت میں غور کرتے ہیں اپنے قصوروں اور گناہوں کا توبہ و استغفار اور التجا و تضرع کے ساتھ تدارک کرتے ہیں اور نیک اعمال و افعال کو حق تعالیٰ کی توفیق کی طرف منسوب کر کے حق تعالیٰ کا حمد و شکر بجا لاتے ہیں، اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ قدس سرہ (شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ) جو کہ محاسبہ کرنے والوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ سے بڑھ گیا اور میں نے اپنی نیتوں اور خطرات کا بھی محاسبہ کر لیا۔ اور فقیر (حضرت مجدد صاحبؒ) کے نزدیک سونے سے پہلے سو بار تسبیح و تحمید و تکبیر کا کہنا جس طرح پر کہ مخبرِ صادق (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے محاسبہ کا حکم رکھتا ہے اور محاسبہ کا کام دیتا ہے، گویا کہ وہ کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو کہ توبہ کی کنجی ہے اپنی تقصیرات اور برائیوں سے عذر خواہی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کو ان امور سے جن کے باعث وہ ان برائیوں کا مرتکب ہوا ہے منزہ و مبرا ظاہر کرتا ہے کیونکہ برائیوں کے مرتکب کو اگر امر و نہی کے احکام صادر کرنے والی ذات تعالیٰ و تقدس کی عظمت و کبریائی ملحوظ و منظور ہوتی تو حق تعالیٰ کے حکم کے بجا لانے میں ہرگز سبقت و دلیری نہ کرتا، اور جب اس نے حکم نہ ماننے پر دلیری کی تو معلوم ہوا کہ اس مرتکب کے نزدیک حق تعالیٰ کے امر و نہی کا کچھ اعتبار و شمار نہیں تھا اعاذنا اللہ سبحانہ من ذلک (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) پس وہ اس کلمہ تنزیہ کے تکرار سے اس کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۳۸۔

جاننا چاہیے کہ استغفار میں گناہوں کے ڈھانپنے کی طلب ہے اور کلمۂ تنزیہ کے تکرار میں گناہ کی بیخ کنی کی طلب ہے، یا اس کے برابر کس طرح ہوسکتا ہے، سُبحَانَ اللہِ ایک ایسا کلمہ ہے کہ اس کے الفاظ بہت کم ہیں لیکن اس کے معانی و منافع بکثرت ہیں، اور کلمۂ تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) کے تکرار سے حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور کلمۂ تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کے تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پاک بارگاہ اس سے بہت ہی بلند ہے کہ یہ عذر خواہی اور شکر اس ذات جل شانہٗ کے لائق ہو کیونکہ اس کی عذر خواہی اور استغفار بہت سی عذر خواہیوں اور استغفارات کی محتاج ہے اور اس (بندہ) کا حمد کرنا اس کے اپنے نفس کی طرف راجع (لوٹتا) ہے (نہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف) سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

محاسبہ کرنے والے شکر اور استغفار پر کفایت کرتے ہیں لیکن ان کلماتِ قدسیہ کے ساتھ استغفار کا کام بھی ہو جاتا ہے اور شکر بھی ادا ہو جاتا ہے اور نیز استغفار اور شکر کے نقص کا اظہار کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلے اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ الطاہرین وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین“ [۱]

حصول اور وصول میں فرق ”اے بھائی! حصول بُعد کے باوجود متصور ہے اور وصول متعذر و ممتنع ہے، عنقا کو جب ہم ایک مخصوص صورت کے ساتھ تصور کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوتِ مدرکہ میں حاصل ہے لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے کیونکہ ظلیت جو کہ کسی چیز کے مرتبۂ ثانی میں ظہور سے مراد ہے اس چیز کے حصول کے منافی نہیں ہے لیکن اس چیز کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا پس ان دونوں میں فرق معلوم ہو گیا“ [۲]

دوسروں کی برائیاں عارف کیلئے نیکی کا حکم پیدا کردیتی ہیں ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے) اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کی نیکیاں ہو جاتی ہیں اور

[۱] دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰۹ - [۲] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۳۱ -

دوسروں کی بری خصلتیں اس کے لئے اچھی صفتیں بن جاتی ہیں، مثلاً ریا و سمعہ جو برائیوں اور بری خصلتوں میں سے ہیں اس کے حق میں حسن و خوبی پیدا کر دیتے ہیں اور حمد و شکر کا حکم حاصل کر لیتے ہیں اس لئے کہ اس درویش نے تمام قسم کی عظمت و کبریائی کو اپنے آپ سے مسلوب کر کے (نفی کر کے) حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کیا ہے اور تمام اقسام کے حسن و جمال اور خیر و کمال کو اپنے آپ سے دور کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اپنے آپ کو شر و نقص کے سوا کچھ نہیں پاتا اور اپنے آپ میں ذلت و محتاجی اور عجز و انکسار کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور اگر بالفرض عظمت و کبریائی کا کوئی حصہ بظاہر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کو زینہ سمجھے گا کہ جس کے ذریعہ سے وہ فوق (بلندی) کی طرف جائیگا اور اس ذات پاک تک جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے پہنچ جائیگا اور حسن و جمال و خیر و کمال کا بھی یہی حال ہے کہ زینہ ہونے سے زیادہ ان سے اس کے نصیب نہیں، امانتیں امانت والوں کی طرف راجع ہوتی ہیں پس ریا و سمعہ کی صورت میں اس (عارف) کا مقصود شہرت و فخر و بلندی و عظمت نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کی اس نعمت و احسان کا اظہار ہے جو اس بارے میں واقع ہوا ہے پس اس کا ریا و سمعہ حق تعالیٰ کا عین حمد و شکر ہے جو ذلت و برائی سے نکل کر تعریف اور نیکی کی صورت میں آگیا ہے دوسری صفات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات وکان اللہ غفوراً رحیماً"[1]

خوف و غلبۂ دشمن کے لئے عمل " واضح ہو کہ خوف اور دشمنوں کے غلبہ کے وقت امن و امان کے لئے سورۂ لِاِیْلٰفِ کا پڑھنا مجرب ہے ہر دن اور ہر رات کو کم از کم گیارہ گیارہ بار پڑھا کریں حدیث نبوی میں آیا ہے جو شخص کسی جگہ اترے اور یہ کلمات پڑھے " اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ کُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ " وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز ضرر نہ دے گی"[2]

---

[1] دفتر دوم مکتوب نمبر ۵۶ ۔ [2] دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۹۔

فضائل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ

طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت بہت سے مکتوبات گرامی میں مذکور ہے ان میں سے چند مکتوبات یہ ہیں، دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱-۲۷-۳۷-۵۸-۶۶-۹۰-۲۲۱-۲۴۳ وغیرہ ان میں سے بعض مکتوبات شریفہ کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:-

• مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک یہ حضور ذاتی دائمی ہے اور ان اکابر کے نزدیک زائل ہو جانے اور غیبت کے ساتھ بدل جانے والے حضور کا کچھ اعتبار نہیں ہے پس ان بزرگوں کا کمال تمام کمالات سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے جیسا کہ ان حضرات کی عبارتوں میں واقع ہے اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِیْعِ النِّسَبِ (بیشک ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے) نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی دائمی ہے اور ان سب باتوں سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان کاملین کے طریقہ میں نہایت ابتدا میں درج ہے اور اس امر میں یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کے پیروکار ہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے جو دوسروں (غیر صحابی اولیاء) کو انتہا میں حاصل ہوتا ہے اور یہ بات ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کے باعث ہے پس جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے افضل ہے اسی طرح ان اکابر کی ولایت بھی تمام اولیاءِ کرام قدس سرہم کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے اور بڑھ کر کیوں نہ ہو جبکہ ان کی ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، ہاں دوسرے سلسلوں کے بعض کامل مشائخ کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن وہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت سے مقتبس ہے الیٰ آخرہ [1]

اسی قسم کا مضمون دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷ میں بھی ہے۔

"طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام قدس سرہم نے دوسرے سلاسل کے مشائخ کرام قدس سرہم کے خلاف اس سیر (باطنی) کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور عالم خلق کو بھی

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱۔

اسی سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں، اسی واسطے طریقۂ نقشبندیہ تمام طریقوں سے اقرب ہے یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں مندرج ہوگئی ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ان بزرگوں کا طریق بعینہٖ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریق ہے کیونکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے طریق پر وہ کمال حاصل ہو جاتا تھا جو امت کے کامل اولیا کو انتہا میں بھی شاذ ونادر ہی حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی (رضی اللہ عنہ) جو کہ ایک ہی دفعہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پہنچا ہے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے جو کہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں افضل ہوگیا۔ عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ میں کون افضل ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو گرد وغبار پڑا ہے وہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے کئی گنا بہتر ہے۔ پس سوچنا چاہیے کہ جس گروہ کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہو تو ان کی انتہا کیا ہوگی اور وہ دوسروں کے علم وفہم میں کس طرح سما سکے گی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور — حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را"[1]

(اسی قسم کا مضمون دفتر اول مکتوب نمبر ۶۶ میں بھی درج ہے)۔

"اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے اور بیشک موصل ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو ضرور موصل ہو اور آپ کی یہ التجا قبول ہوگئی ہے جیسا کہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے، یہ طریق اقرب و موصل کیوں نہ ہو جبکہ انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہے

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۵۸۔

"وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے ع خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست (اگر کوئی نابینا ہو تو سورج کا قصور نہیں) ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو اس میں طریق کا کیا گناہ ہے اور طالب کا کونسا قصور؟ کیونکہ وصل اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ کہ نفسِ طریق الی آخرہ"[1]

"جو کچھ انسان کے لئے ضروری ہے اور جس کے ساتھ یہ مکلف ہے وہ اوامر کا بجالانا اور منہیات سے باز رہنا ہے آیہ کریمہ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ رسول تمہیں دے اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے تمہیں منع کرے اس سے باز آجاؤ) اس مطلب پر شاہد ہے اور چونکہ طالب کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (خبردار اللہ کے لئے دین خالص ہونا چاہئے) اور یہ فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور محبت ذاتیہ کے بغیر متصور نہیں ہوتا اس لئے طریقِ صوفیہ کا سلوک کہ جس سے فنا اور محبتِ ذاتیہ حاصل ہوتی ہے اختیار کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اخلاص کی حقیقت حاصل ہو جائے اور چونکہ صوفیوں کے طریقے کمال و تکمیل کے مرتبوں میں متفاوت واقع ہوئے ہیں اس لئے جس طریقہ میں سنتِ سنیہ کی متابعت کا التزام زیادہ ہو اور احکام شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو اس کا اختیار کرنا سب سے زیادہ بہتر و مناسب ہے، اور وہ طریق مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیہ کا طریق ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں فائدہ مند پائیں اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں، انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور ذوق و معارف (کیفیات و کشفیات) کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں احکام شرعیہ کے نفیس جواہرات کو بچوں کی مانند وجد و حال کے جوز و مویز (اخروٹ و منقّٰی) کے بدلے میں نہیں دیتے اور صوفیوں کی حالتِ سکر کی باتوں پر مغرور و فریفتہ نہیں ہوتے اور نص کو چھوڑ کر فص (فصوص الحکم شیخ اکبر کی تصنیف) کی طرف مائل نہیں ہوتے اور فتوحاتِ مدنیہ (احادیث و نصوص شرعیہ) کو چھوڑ کر فتوحاتِ مکیہ (شیخ اکبر کی تصنیف)

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۲۱ ۔

کی طرف التفات نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے ماسوی اللہ کے نقوش ان کے باطن سے اس طرح محو و زائل ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ماسوی اللہ کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک تکلف کریں تب بھی میسر نہ ہو اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے ان بزرگوں کے لئے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان عزیزوں کے نزدیک دائرۂ اعتبار سے ساقط ہے آیت کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی) ان کے حال کی خبر دیتی ہے، اس کے باوجود ان کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور یقیناً موصل ہے اور دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں درج ہے اور ان کی نسبت جو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے مشائخ کی تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے لیکن ہر شخص کی سمجھ ان بزرگوں کے مذاق تک نہیں پہنچتی بلکہ قریب ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے کم ہمت و کوتاہ نظر و ناقص لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کر دیں الیٰ آخرہ "[1]

طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کی بعض تفصیلات

(اسباقِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تفصیل کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ کا "رسالۂ سلوک" اور دیگر حضراتِ نقشبندیہ کی تصنیفات ملاحظہ فرمائیں، یہاں مکتوبات شریف سے چند عنوانات کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ مؤلف)

طریقۂ ذکر کی تعلیم و دیگر نصائح ابتدا میں ذکر کرنے کے سوا چارہ نہیں، آپ کو چاہیے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ یہ مضغۂ گوشت قلبِ حقیقی کے لئے حجرہ کی طرح ہے اور اسمِ مبارک اللہ کو اس قلب پر گذاریں اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں اور پوری طرح قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اور اپنی قوتِ خیالیہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں اور اس کی طرف التفات نہ کریں کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور، اور لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بیچونی و بےچگونی کے ساتھ ملاحظہ کریں اور کسی صفت (وکیفیت) کو اس کے ساتھ

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۴۳

شامل نہ کریں تو حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ ہو تاکہ آپ ذات تعالیٰ و تقدس کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آجائیں اور اس کی وجہ سے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑجائیں اور بیچون کی گرفتاری سے چون کے شہود کے ساتھ آرام نہ پکڑیں کیونکہ جو چون کے آئینہ میں ظاہر ہو وہ بیچون نہیں ہے اور جو کثرت میں نمودار ہو وہ واحدِ حقیقی نہیں، بیچون کو چون کے دائرے سے باہر ڈھونڈھنا چاہئے اور بسیطِ حقیقی کو کثرت کے احاطہ کے باہر تلاش کرنا چاہیے۔ اگر ذکر کرتے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لیجانا چاہیے اور قلب میں نگاہ رکھ کر ذکر کرنا چاہیے۔ تو جاننا ہے کہ پیر کون ہے، پیر وہ شخص ہے جس سے تو خدائے تعالیٰ کی جنابِ پاک تک پہنچنے کا راستہ حاصل کرے اور اس راستہ سے تو اس سے مدد و اعانت حاصل کرے، صرف کلاہ دامنی (چادر) اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و عادت میں داخل ہے لیکن اگر شیخِ کامل و مکمل سے کوئی کپڑا آپ کو تبرک کے طور پر حاصل ہو جائے اور آپ اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اُسے پہن کر زندگی گذاریں تو اس صورت میں بہت سے فائدوں اور ثمرات کے حاصل ہونے کا بھی قوی احتمال ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خواب اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں، اگر کسی نے اپنے آپ کو خواب میں بادشاہ دیکھا یا قطبِ وقت معلوم کیا تو وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے ہاں اگر خواب اور واقعہ کے بغیر بادشاہ ہو جائے یا قطب بن جائے تو البتہ مسلّم ہے پس جو احوال و مواجید بیداری اور ہوش کی حالت میں ظاہر ہوں ان میں اعتماد کی گنجائش ہے ورنہ نہیں، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذکر کا نفع اور اس پر اثرات کا مترتب ہونا شریعت کے احکام بجالانے پر وابستہ ہے، پس فرائض و سنن کے ادا کرنے اور حرام و مشتبہ امور سے بچنے میں اچھی طرح احتیاط کرنی چاہیے اور قلیل و کثیر (احکام) میں علما کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے فتوی کے موافق زندگی بسر کرنی چاہیے والسلام۔[۱]

لطائفِ سبعہ کا بیان: میرے مخدوم! یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں انسان کے سات لطیفوں کے مطابق سب سات قدم ہیں، دو قدم عالمِ خلق میں ہیں جن کا تعلق قالب (بدنِ عنصری) اور نفس کے ساتھ ہے اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں جو کہ (لطائف) قلب و روح و سر و

---

[۱] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۰۔

خفی و اخفی کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے طے کرنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی، اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ (بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں)۔

اور پہلے قدم میں جو کہ عالم امر میں لگاتے ہیں تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم میں تجلی صفات اور تیسرے قدم میں تجلیاتِ ذاتیہ میں (سلوک) شروع ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس درجات کے تفاوت کے لحاظ سے ترقی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ اس راستہ کے سالکوں پر مخفی نہیں ہے اور ان ساتوں قدموں میں سے ہر ایک قدم میں اپنے آپ سے دور اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ ان قدموں کے پورا ہونے تک قرب بھی پورا ہو جاتا ہے پھر اس وقت فنا اور بقا سے مشرف ہوتے اور ولایتِ خاصہ کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ [1]

انسان کی جامعیت اور لطائفِ عشرہ سے مرکب ہونا "آدمی ایک ایسا نسخۂ جامع ہے جو اجزائے عشرہ یعنی عناصر اربعہ و نفسِ ناطقہ اور قلب و روح و سرّ و خفی و اخفی سے مرکب ہے، اور دوسرے قویٰ و جوارح (اعضا) جو انسان میں ہیں انہی اجزا میں شامل ہیں یہ اجزا ایک دوسرے کے متضاد ہیں، عناصرِ اربعہ کا ایک دوسرے کی ضد ہونا تو ظاہر ہی ہے اور اسی طرح عالمِ خلق کا عالمِ امر کی ضد ہونا بھی ظاہر ہے اور عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف میں ہر ایک الگ الگ ایک امر کے ساتھ مخصوص اور علیحدہ ایک کمال کی طرف منسوب ہے اور نفسِ ناطقہ خود اپنی ہوا و خواہش کا طالب ہے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا، حق تعالیٰ کی عنایت نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان متضاد چیزوں میں سے ہر ایک کی تیزی اور غلبہ کو توڑ کر جمع فرما دیا ہے اور ایک خاص مزاج اور ہیئت وحدانی عطا فرماتی ہے اور مزاج خاص و ہیئت وحدانی کے حصول کے بعد اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے تاکہ اس کے متفرق و متضاد اجزاء کی حفاظت کرے، اس مجموعے کو انسان کے نام سے مسمّیٰ کر کے جامعیت اور ہیئتِ وحدانی کے حصول کے اعتبار سے خلافت کی استعداد کے شرف سے مشرف فرمایا ہے (خلافت کی) دولت انسان کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی، عالمِ کبیر اگرچہ بڑا ہے لیکن جامعیت سے خالی اور ہیئتِ وحدانی سے بے نصیب ہے، یہ معاملہ تمام افرادِ انسانی میں ثابت ہے اور عوام و خواص انسان اس امر میں شرکت رکھتے ہیں۔" [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۔ [2] دفتر دوم مکتوب نمبر ۱۱

تجلیٔ افعال و تجلیٔ صفات و تجلیٔ ذات "تجلیٔ افعال سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فعل کا ظہور سالک پر اس طرح ہو کہ سالک کو بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں اور وہ ان افعال کو اس فعل کی اصل معلوم کرے اور ان افعال کے قیام کو اس فعلِ واحد کے ساتھ پہچانے اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے بالکل پوشیدہ ہو کر اپنی اصل کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جماد (بے جان چیزوں) کی طرح بے حس و حرکت معلوم کرے۔

(چند سطروں کے بعد) تجلیٔ صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو کہ بندوں کی صفات کو حق تعالیٰ کی صفات کا ظلال جانے اور ان کا قیام ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے مثلاً ممکن کے علم کو واجب تعالیٰ کے علم کا ظل معلوم کرے اور اس کے ساتھ قائم جانے، اسی طرح اس (ممکن) کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت جانے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے، اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ تمام ظلالی صفات سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو کر اپنے اصول کے ساتھ مل جائیں اور اپنے آپ کو جو کہ پہلے ان صفات سے موصوف رہ چکا ہے جماد کی طرح بے حیات و بے علم جانے، وجود اور اس کے کمالات و توابع کا کوئی اثر اپنے اندر نہ پائے تو وہاں اس کا کوئی ذکر رہے نہ کوئی توجہ، نہ حضور رہے نہ شہود، اصل سے لاحق ہونے کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے اس مقام میں سالک کا نصیب یہ ہے کہ اس کو فنا و نیستی کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے اور جن کمالات کو وہ اپنے خیال میں اپنی طرف منسوب کرتا تھا ان کمالات کا اپنی طرف نسبت کرنا ختم ہو جاتا ہے۔

(چند سطروں کے بعد) فنا کی بدولت جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلیٔ صفات کا منتہا ہے لیکن اس کا حاصل ہونا تجلیٔ ذات کے پرتو سے ہے اور جب تک ذات تجلی نہ ہو فنا کی بدولت میسر نہیں ہوتی بلکہ تجلیٔ صفات بھی انجام کو نہیں پہنچتی۔

(تقریباً ایک صفحہ کے بعد) تجلیٔ صفات کے سرانجام ہونے اور صفات و ذات کی فنا حاصل ہونے کے بعد عارف پر ایک ایسی تجلی ظاہر ہوتی ہے جو کہ گویا تجلیٔ ذات کی دہلیز ہے گویا یہ تجلیٔ صفات اور تجلیٔ ذات کے درمیان برزخ ہے جس صاحبِ نصیب کو اس تجلی سے اوپر لے جائیں وہ اپنی استعداد کے موافق تجلیٔ ذات سے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔

(آخری حصہ میں) تجلی ذات کی نسبت کیا لکھے اور کیا لکھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ذوقی ہے جو وہاں تک پہنچا اس نے پا لیا اور جس نے اس کا مزہ نہیں چکھا وہ اس کو نہیں جانتا ع

قلم این جا رسید و سر بشکست

اتنا ظاہر کیا جاتا ہے کہ تجلیٔ ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دائمی ہے اور جو تجلی دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے اس کے لئے دائمی ہے بلکہ تجلی برقی درحقیقت تجلیٔ ذات نہیں ہے اگرچہ بعض نے اس کو تجلیٔ ذات کہا ہے بلکہ شیونِ ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو کہ جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے اور جہاں تجلیٔ ذات ہے وہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ہے اس کے لئے دوام لازم ہے وہاں پوشیدہ ہو جانا متصور نہیں ہے تجلیات کی تلوینات (رنگ بدلتے رہنا) صفات و شیون کا پتہ دیتی ہیں۔ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تلوینات سے پاک و بری ہے اور پوشیدہ ہونے کی وہاں گنجائش نہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔" [1]

سیرِ اربعہ کی تفصیل | "سیر و سلوک حرکت در علم (یعنی انتقالِ علمی) سے مراد ہے جو کہ مقولۂ کیف سے ہے حرکتِ اینی (یعنی انتقالِ مکانی) کی یہاں گنجائش نہیں ہے پس سیر الی اللہ حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اسفل سے علمِ اعلیٰ تک جاتی ہے اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک حتیٰ کہ ممکنات کے علوم پورے طور پر طے کرنے اور کلی طور پر ان کے زائل ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک منتہی ہو جاتی ہے اور یہ وہ حالت ہے جو فنا سے تعبیر کی جاتی ہے اور سیر فی اللہ اس حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو مراتبِ وجوب یعنی اسماء و صفات و شیون و اعتبارات و تقدیسات و تنزیہات میں ہوتی ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ کسی اشارہ سے بیان کی جا سکتی ہے اور نہ کسی نام سے اس کو موسوم کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کنایہ سے ادا ہو سکتی ہے اور نہ اس کو کوئی عالم جانتا ہے اور نہ کوئی مُدرِک اس کا ادراک کر سکتا ہے اور اس سیر کا نام بقا رکھا گیا ہے۔ اور سیر عن اللہ باللہ جو تیسری سیر ہے وہ بھی حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہاں تک کہ ممکنات کی طرف

[1] دفتر سوم مکتوب نمبر ۷۵۔

پس پا رجوع کرتی ہے اور تمام مرتبۂ وجوب کے علوم سے نزول کرتی ہے اور یہ وہ عارف ہے جو اللہ کو اللہ کے ساتھ بھلانے والا اور اللہ کی طرف سے اللہ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے وہ واجد فاقد (پانے والا گم کرنے والا) اور واصل مہجور (ملنے والا ہجرت زدہ) اور قریب بعید (نزدیک دور) ہوتا ہے اور چوتھی سیر جو کہ اشیاء میں سیر (سیر فی الاشیاء باللہ) ہے اس سے مراد یکے بعد دیگرے اشیاء کے علوم کا حاصل ہونا ہے جبکہ تمام اشیاء کے علوم سیر اول میں زائل ہو چکے تھے،

پس سیر اول سیر چہارم کے بالمقابل ہے اور سیر سوم سیر دوم کے بالمقابل جیسا کہ بیان ہوا اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ نفس ولایت کے حاصل ہونے کے لئے ہیں جس کو فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تیسری اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حاصل ہونے کے واسطے ہے جو کہ انبیائے مرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے کامل متبعین کو بھی ان بزرگواروں کے مقام سے حصہ حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرے متبعین بصیرت پر ہیں)۔“[1]

مرتبۂ عالیۂ نور صرف	حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت قرآن مجید و حقیقت صلوٰۃ، معبودیۂ صرف

کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبۂ ربانی معلوم کیا اور لکھا ہے ایک نہایت ہی اعلیٰ مرتبہ ہے جو کہ حقیقت قرآن مجید ہے کعبۂ معظمہ قرآن مجید کے حکم سے آفاق کا قبلہ بنا ہے اور سب کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا ہے، امام قرآن ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیش قدم کعبۂ معظمہ ہے یہ مرتبۂ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بیچون وسعت کا مبدأ ہے اور اس بارگاہ کی بیچونی اور بیچگونی کے امتیاز کا مبدأ بھی یہی درجۂ عالیہ ہے اس درجۂ مقدسہ کی وسعت طول و عرض کی درازی کی رو سے نہیں ہے کیونکہ یہ نقص و امکان کے نشانات ہیں بلکہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جب تک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں کر سکتا اور اسی طرح اس مرتبۂ مقدسہ کا امتیاز مزایلت (ایک دوسرے کو زائل کرنے) اور مباینت (باہم فرق کرنے) کی رو سے بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے ٹکڑے ٹکڑے

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۴۷۔

اور جزد جزد ہونا لازم آتا ہے جو کہ جسم اور جسم والا ہونے کے لوازم میں سے ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے بلند و برتر ہے۔

(تقریباً ڈیڑھ صفحہ کے بعد) اس مرتبۂ مقدسہ میں جس کو ہم نے حقیقتِ قرآن مجید کہا ہے نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور تمام کمالاتِ ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ ہی میں رہ جاتا ہے، وہاں وسعتِ بیچون اور امتیازِ بے چگون کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں پایا اور آیتِ کریمہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا) میں اگر نور سے مراد نورِ قرآن ہو تو ممکن ہے کہ انزال و تنزل کے اعتبار سے ہو جیسا کہ کلمہ قَدْ جَآءَكُمْ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ اس مرتبۂ مقدسہ کے اوپر ایک اور بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقتِ صلوٰۃ کہتے ہیں جس کی صورت عالمِ شہادت میں منتہی نمازیوں کے ساتھ قائم ہے، اور یہ جو معراج شریف کے واقعہ میں آیا ہے قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّىْ (اے محمدؐ! ٹھہر جا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھ رہا ہے) ممکن ہے کہ اس حقیقتِ صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو۔ ہاں وہ عبادت جو مرتبۂ تجرد و تنزہ کے لائق ہے شاید مراتبِ وجوب سے صادر ہوتی ہو اور قدم کے اطوار سے ہی ظہور میں آتی ہو فَالْعِبَادَةُ اللَّائِقَةُ بِجَنَابِ قُدْسِهٖ تَعَالٰى هِيَ الصَّادِرَةُ مِنْ مَّرَاتِبِ الْوُجُوْبِ لَا غَيْرُ فَهُوَ الْعَابِدُ وَالْمَعْبُوْدُ (وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے لائق ہے وہ مراتبِ وجوب ہی سے صادر ہو سکتی ہے اس کے علاوہ نہیں پس وہی عابد ہے اور وہی معبود ہے) اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ کی وسعت اور بے مثل امتیاز ہے کیونکہ حقیقتِ کعبہ بھی اسی کا جزو ہے اور حقیقتِ قرآن بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ تمام مراتب عبادت کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو کہ اصل الاصل کی نسبت ثابت ہیں کیونکہ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے اور حقیقتِ صلوٰۃ جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں اس مرتبۂ مقدسہ کی عبادت ہے جو اس کے اوپر ہے کہ معبودیتِ صرف کا استحقاق اسی فوق کے لئے ثابت ہے جو کہ کل کی اصل اور سب کی جائے پناہ ہے اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ بیچون و بیچگون ہو، کامل انبیاء اور بزرگ اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقدام کا انتہا حقیقتِ صلوٰۃ کے مقام تک ہی ہے

چونکہ عابدوں کے مرتبۂ عبادت کی نہایت ہے اور اس مقام کے اوپر معبودیتِ صرف کا مقام ہے کسی شخص کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں کہ قدم اوپر رکھ سکے، جہاں تک عبادت و عابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ معبودیت صرف تک پہنچ جاتا ہے تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور سیر کی تکمیل ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نظر کو وہاں سے منع نہیں فرمایا اور اس کی استعداد کے موافق گنجائش بخشی ہے۔

ع "بلا بودے اگر ایں ہم نبودے" ۔[1]

لطائفِ عشرہ و ولایتِ سہ گانہ کی تشریح

"اے فرزند! خدائے تعالیٰ تجھے سعادت مند کرے۔ جاننا چاہیے کہ عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف یعنی قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ جو انسانی عالمِ صغیر کے اجزا ہیں ان کے اصول عالمِ کبیر میں ہیں جس طرح عناصر اربعہ جو کہ انسان کے اجزا ہیں اور اپنی اصل عالمِ کبیر میں رکھتے ہیں اور ان پنجگانہ لطائف کے اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمِ امر کو لامکانی کہتے ہیں۔ دائرۂ امکان (تمام ممکنات) یعنی خلق و امر اور صغیر و کبیر ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جب سالک رشید محمدی المشرب عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو کہ عالمِ کبیر میں ہیں سیر کرتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضلِ ایزدی سے ان سب کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت وہ دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایتِ صغریٰ میں جو کہ اولیاء کی ولایت ہے سیر شروع کرتا ہے اور اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے اسمائے وجوبی کے ظلال میں جو حقیقت میں عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ لطائف کے اصول ہیں اور جن میں عدم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو وہ اسمائے وجوبی کے ظلال کے دائرے کو بھی پورا کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفاتِ واجبی کے

[1] دفتر سوم مکتوب نمبر ۷۷۔

مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے، ولایتِ صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے، اس مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ کی ابتدا میں جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ دائرہ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادیٔ تعینات کو شامل ہے اور ہر ایک اسم کا ظل کسی نہ کسی شخص کا مبدء تعین ہے حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانوں میں سب سے اشرف ہیں کا مبدء تعین اس دائرہ کے اوپر نقطہ فوق ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخِ طریقت نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدء تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے، اس اسم سے مراد اسم الٰہی جل شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کا اصل، اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں مرتبۂ اسماء و صفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا باقی اشخاص میں ہر کسی نہ کسی شخص کی حقیقت ہے اور انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادیٔ تعینات ان اظلال کے اصول یعنی ان مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں۔

مثلاً صفت العلم اور صفت القدرۃ اور صفت الارادۃ وغیرہ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو کہ مبدء تعین ہے، مختلف اعتبارات کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبدء تعین شان العلم ہے اور یہی صفت العلم ایک (خاص) اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے اور نیز یہی صفت ایک (اور خاص) اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے اور ان اعتبارات کا تعین خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں ذکر ہو چکا ہے۔ (چند سطروں کے بعد)

اس کے بعد اگر دائرہ اسماء و صفات میں جو کہ اس دائرہ ظل کا اصل ہے سیر فی اللہ کے

طریق پر عروج واقع ہو جائے تو ولایتِ کبریٰ کے کمالات کا آغاز شروع ہو جائے گا اور یہ ولایتِ کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی تابعداری کے باعث ان کے اصحابِ کرام کو بھی یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسماء وصفاتِ زائدہ کو متضمن ہے اور اس کا اوپر کا نصف حصہ شیون و اعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف ومراتب کا عروج اس دائرۂ اسماء وشیونات کی انتہا تک ہے اس کے بعد اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے صفات وشیونات کے مقام سے زیادہ ترقی واقع ہو جائے تو ان کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہو گی، اور اس دائرہ اصول کے آگے ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس (قطعۂ دائرہ) ظاہر ہو گی اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے اور چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کی گئی، شاید یہاں کوئی راز ہو گا جس پر اطلاع نہیں بخشی گئی۔ اور اسماء وصفات کے یہ اصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبارات ہیں جو کہ صفات وشیونات کے مبادی ہو گئے ہیں۔ ان اصولِ سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے اس (نفس) کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نفسِ مطمئنہ صدارت کے تخت پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایتِ کبریٰ یعنی ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انتہا کا مقام ہے۔

جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم وخیال میں آیا کہ شاید سب کام ختم ہو چکا؟ اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسمِ ظاہر کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لئے ایک بازو ہے اور اسمِ باطن جو کہ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے ابھی درپیش ہے اور جب تو اس کو بھی مفصل طور پر سرانجام کریگا تو پرواز کے لئے دو بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق لیکر آتے ہیں۔

اے فرزند! اسم باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطن (در پردہ رہنے) کے مناسب ہے، البتہ اس مقام سے صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ کہ اسم ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو اور اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے اور یہ اسماء ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت ذات کے حجابات ہیں۔

مثلاً صفتِ علم میں ذات ہرگز ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر، باقی تمام صفات و اسماء کا حال اسی قیاس پر ہے۔

یہ اسماء جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں، اور ان اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ علیا میں جو کہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھنا ہے۔

اور اسمِ ظاہر و اسم باطن کے بیان میں علم اور علیم کے درمیان جو فرق ظاہر کیا گیا ہے کہیں تُو اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے، نہیں بلکہ وہ فرق جو مرکز زمین اور محدب عرش کے درمیان ہے اس فرق کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ، کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں دُور ہے۔ اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالمِ امر کو طے کرکے ان کے اصول میں سیر کرے تاکہ دائرۂ امکان تمام ہو جائے، اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آ چکا ہے لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پنجاہ ہزار سالہ راہ کی مدت کا اندازہ کیا گیا ہے۔ آیتِ کریمہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (فرشتے اور روح اس کی طرف اس ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے) اسی مطلب کے رمز کو بیان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبِ عنایت کے لئے بعید نہیں ہے کہ اس دور و درازِ مدت کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کردے ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور اسی طرح سے یہ جو کہا گیا ہے کہ دائرہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے، تمام اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہنے میں آسان ہے لیکن طے کرنے میں مشکل ہے اس طے کی دشواری کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے کہ مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ (وصول کی منزلیں ابدالآباد تک کبھی ختم نہیں ہوتیں) اور مشائخ نے ان مراتب کی سیر کے پورا ہونے کو ناممکن سمجھا ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی (پھر دو ڈھائی صفحے کے بعد)

اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر بالفرض ایک قدم اس سیر میں اور بڑھائے تو عدم محض میں پڑے گا کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اے فرزند! اس ماجرے سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہوگیا اور سیمرغ جال میں پھنس گیا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کا ینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

کیونکہ اس کے بعد بھی وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎

ہنوز ایوانِ استغنا بلند ست مرا فکرِ رسیدن ناپسند ست

وہ ورائیت حجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں بلکہ عظمت و کبریائی کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے کیونکہ وہ حق سبحانہٗ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک سے ابعد ہے، ہاں بعض کامل مرادمندوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں اور بارگاہ کا محرم بناتے ہیں فَعُوْمِلَ مَعَهُمْ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ (پس ان کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے وہ بیان سے باہر ہے)

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئتِ وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے جو عالمِ خلق

اور عالمِ امر کے مجموعے سے پیدا ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصرِ خاک ہے اور یہ جو کہا ہے کہ لَیْسَ وَرَآءَهٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ (اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں) وہ اس لئے ہے کہ وجودِ خارجی اور وجودِ علمی کے مراتب تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہوتا ہے جو اس (وجود) کی نقیض ہے اور حق سبحانہٗ کی ذات اس وجود و عدم کے ماوراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں وجود کی بھی گنجایش نہیں ہے کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اُس بارگاہ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہے اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

(تقریباً ایک صفحہ کے بعد) جاننا چاہئے کہ عنصرِ خاک جس طرح مراتبِ عروج میں سب سے بالاتر جاتا ہے اسی طرح منازلِ ہبوط میں وہ عنصر سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اور کیونکر نیچے نہ آئے جبکہ اس کا طبعی مکان سب سے نیچے ہے اور چونکہ سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اسی واسطے اس کے صاحب کی دعوت اتم ہوتی ہے اور اس کا افادہ اکمل ہوتا ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ جب طریقۂ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہے جو عالمِ امر سے ہے تو بات کی ابتدا بھی عالمِ امر سے کی گئی برخلاف مشائخ کرام کے باقی طریقوں کے جو شروع میں تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور قالب (یعنی وجودِ عنصری) کو پاک فرماتے ہیں بعد ازاں عالمِ امر میں آتے ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس میں عروج کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت اِن بزرگواروں کی بدایت میں مندرج ہے اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے کیونکہ ان کو اس سیر کے ضمن میں تزکیہ و تطہیر بہت اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے اور مسافت کوتاہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے عالمِ خلق کی سیر کو قصداً ضائع اور بیکار ہی نہیں جانا بلکہ مطلب کے پانے میں مضر و مانع یقین کیا ہے کیونکہ (دوسرے) طریقوں کے سالکین مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالمِ امر کی سیر شروع کرتے ہیں اور انجذابِ قلبی اور التذاذ و ذوق میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان ان کو دامنگیر ہو جاتا ہے اور

اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کی بیچونِ حقیقی سے پتا رکھتی ہے۔

شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس[۳۰] سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا اور دوسرے نے کہا ہے کہ عرش کے اوپر استوی وظہور تنزیہ کا سِرّ دقیق ومخفی معارف میں سے ہے۔

(پھر تقریباً ایک صفحہ کے بعد فرماتے ہیں) اور یہ جو کہا ہے کہ یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہا ہے کہ محمدی المشرب کے سوا کسی ایک کا کمال درجاتِ ولایت میں سے اول درجہ تک ہی محدود ہوتا ہے اور درجۂ اول سے مراد مرتبۂ قلب ہے۔ اور کسی دوسرے کا کمال درجاتِ ولایت میں سے دوسرے درجے یعنی مقام روح تک محدود ہوتا ہے اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ سِرّ ہے اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ خفی ہے۔ درجۂ اول کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے اور درجۂ دوم کی مناسبت صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے اور درجۂ سوم کی مناسبت شیون واعتباراتِ ذاتیہ کے ساتھ، اور درجۂ چہارم کو صفاتِ سلبیہ کے ساتھ جو تقدیس وتنزیہ کا مقام ہے مناسبت ہے۔ اور درجاتِ ولایت میں سے ہر ایک درجہ انبیائے اولوالعزم میں سے ایک نبی کے قدم کے نیچے ہے۔

ولایت کا درجۂ اول حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے اور ان کا ربّ[۱] صفت التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے، اور درجۂ دوم حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور حضرت نوح علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں اور ان کا ربّ[۱] صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں سے جامع ہے، اور درجۂ سوم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے ان کا ربّ[۱] مقامِ شیونات سے شان الکلام ہے اور درجۂ چہارم حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے ان کا رب صفاتِ سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس وتنزیہ ہے نہ صفاتِ ثبوتیہ سے، اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے۔ اور درجۂ پنجم حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے ان کا ربّ[۱] ربّ الارباب[۲] ہے جو

سلہ مبدءِ فیض سلہ مبدءِ جمیع شیونات

صفات وشیونات وتقدیسات وتنزیہات کا جامع اور ان کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبۂ شیونات وصفات میں اس ربِ جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ یہ شانِ عظیم الشان تمام کمالات کی جامع ہے، اسی مناسبت کے سبب سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی اور اُن کا قبلہ اِن کا قبلہ بنا۔

جاننا چاہیئے کہ اقدامِ ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجات کے مقدم ومؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے صاحبِ اخفیٰ دوسرے ولی سے افضل ہو جائے علی ہذا القیاس بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحبِ قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحبِ اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں افضل ہو، اور کیونکر نہ ہو جبکہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجۂ اول میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو اخیری درجہ میں ہے۔

(پھر تقریباً دس صفحات کے بعد فرماتے ہیں) اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور ان کمالاتِ ولایت برتری اور ولایتِ سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ وولایتِ کبریٰ وولایتِ علیا کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب معارف اور ہر ایک کے متعلق مواقع کا بیان اس لئے طول طویل کیا ہے اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس واسطے بیان کئے گئے ہیں تاکہ نہایت عجیب وغریب ہونے کے سبب لوگوں کی سمجھ میں آسکیں اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے۔ یہ علوم کشفی اور بدیہی ہیں نہ کہ استدلالی اور نظری، اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر تنبیہ اور عوام کی فہموں کے قریب لانے کیلئے ہے بلکہ خواص کے سمجھنے کے لئے وضاحت اور تشریح ہے، یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ کا بیان ہے جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے، اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا یعنی بخارا وسمرقند سے اس بیج کو لاکر زمینِ ہند (سرہند) میں بویا جس کا خمیر مدینہ طیبہ ومکہ معظمہ کی خاک سے ہے اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی پرورش کی جب وہ کھیتی کمال تک پہنچ گئی تو ان علوم ومعارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں)

جاننا چاہئے کہ اس طریقۂ عالیہ کا سلوک ایسے شیخ مقتدا کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیرِ مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو اور قوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو اُس کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی مرضوں کو دُور کرتی ہے' ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا خلیفہ ہے، اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کئے بیٹھے ہیں، اس کی ہدایت کا نور اس کے ارادہ و خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح سب لوگوں پر چمکتا ہے پس کس طرح نہ چمکے جبکہ وہ خود چاہے اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلے سے راہِ راست پر آجائیں اس بات کو جان لیں، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کے اصل کو بھی کماحقہٗ نہیں جانتے حالانکہ وہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے اور مقامات کی سیر کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے، ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر وصول کے طریقوں میں سے کسی خاص طریقہ کی بِنا کا مدار ہے بیشک وہ صاحبِ علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبۂ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں ع خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را۔

ہمارے اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے، مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طریق پر اس کے انوار سے منور ہوتا جاتا ہے اس صورت میں افادہ اور استفادہ کیلئے علم کی کیا ضرورت ہے[1]

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۰۔

فائدہ:- جذب وسلوک وولایتِ سہ گانہ وغیرہ کی مزید تشریح کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۸۷ و ۳۰۲- اور علم الیقین و عین الیقین وغیرہ کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷ اور دفتر دوم مکتوب نمبر ۴- اور قطب و قطب الاقطاب وغیرہ کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۶ کا مطالعہ فرمائیں-

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا نظریہ وحدۃ الشہود

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مدارج ارتقائے سلوک

"میرے مخدوم! یہ فقیر بچپن سے توحیدِ وجودی والے حضرات کے مشرب پر تھا اور فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ العزیز بھی بظاہر اسی مشرب پر تھے اور باطن میں پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود مرتبہ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے ہمیشہ اسی طریق پر مشغولیت رکھتے رہے اور اس مضمون کے مصداق کہ فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے فقیر کو اس مشرب سے بلحاظِ علم بہت زیادہ حصہ اور بڑی لذت حاصل تھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد و ہدایت کی پناہ والے حقائق و معارف کے جاننے والے پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولا و قبلہ حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کی خدمت میں رسائی نصیب کی اور انھوں نے فقیر کو طریقۂ نقشبندیہ تعلیم فرمایا اور اس مسکین کے حالِ زار پر بڑی توجہ فرمائی، اس طریقۂ علیہ کی مشق کے بعد تھوڑی مدت میں توحیدِ وجودی منکشف ہو گئی اور اس کشف میں حد سے بڑھ کر زیادتی پیدا ہوئی اور اس مقام کے علوم و معارف بکثرت ظاہر ہوئے اور اس مرتبہ کے دقائق میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جس کو فقیر پر منکشف نہ کیا ہو- (اسی مکتوب میں ذرا آگے فرماتے ہیں)-

اور یہ حال بہت مدت تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک نوبت پہنچ گئی ناگاہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایتِ بے غایت غیب کے جھروکوں سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر ہوئی اور اس پردے کو جو بیچونی و بیچگونی کے چہرہ کو ڈھانپے ہوئے تھا اُتار پھینکا اور سابقہ علوم جو اتحاد اور وحدتِ وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ و سریان و قرب و

معیتِ ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئے تھے پوشیدہ ہو گئے اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صانعِ عالم کو عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے حق تعالیٰ کا احاطہ اور قرب علمی ہے جیسا کہ اہلِ حق شکر اللہ سعیہم کے نزدیک ثابت و مقرر ہے حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب سے بلند شان والا اور پاک ہے اور عالم عالم ہے (اسی میں کچھ اور آگے فرماتے ہیں) :-

پس بہتر وہی ہے جو علمائے اہلِ سنت و جماعت نے بیان کیا ہے کہ قرب و احاطہ علمی ہے اور توحیدِ وجودی کے مشرب کے مخالف علوم و معارف کے حاصل ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار ہوا کیونکہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ امر نہیں جانتا تھا اور عاجزی زاری سے دعا کیا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ سارے حجاب سامنے سے زائل ہو گئے اور حقیقت کما حقہٗ منکشف ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ عالم ہر چند صفاتی کمالات کا آئینہ اور اسمائے ظہورات کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسا کہ توحیدِ وجودی والوں کا مذہب ہے۔" سلہ

ایک دوسرے مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں: "معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کچھ مدت تک توحیدِ وجودی والوں کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں بھی اس کو ظاہر فرماتے تھے لیکن آخرکار حق تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈال دیا اور اس معرفت کی تنگی سے خلاصی بخشی۔ میاں عبدالحق جو حضرت قدس سرہٗ کے مخلص یاروں میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ مرضِ موت سے ایک ہفتہ پہلے حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ توحیدِ وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہے اس سے پہلے بھی جانتا تو تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہوا ہے۔ اور یہ فقیر بھی کچھ مدت تک حضرت قدس سرہٗ کی درگاہ میں توحید (وجودی) کا مشرب رکھتا تھا اور اس طریق کی تائید میں مقدماتِ کشفیہ بہت ظاہر ہوئے تھے لیکن خدائے تعالیٰ کی عنایت اس مقام سے گذار کر جس مقام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا۔" سٹہ

سلہ دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱ - سٹہ دفتر اول مکتوب نمبر ۴۳ -

فنا و بقا و کمالاتِ ولایت کے لئے توحیدِ شہودی درکار ہے توحیدِ وجودی نہیں

اول جس شخص نے توحیدِ وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدینؒ ابن عربی ہیں، اس سے پہلے کے مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن توحیدِ شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں کیونکہ جب وہ حق جل شانہٗ کے غیر کو نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ (میرے جبہ میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں) اور بعض سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (میں سبحان ہوں میری شان بلند ہے) پکار اٹھتے ہیں، اور بعض لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّارٌ (گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے) کی آواز لگاتے ہیں، یہ سب پھول ایک ہی یک بینی کی شاخ سے کھلتے ہیں۔ ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت بھی وحدتِ وجود پر دلالت نہیں کرتی اور جس شخص نے مسئلۂ وحدتِ وجود کو ابواب و فصول میں لکھا ہے اور صرف و نحو کی طرح اس کو تالیف کیا ہے وہ شیخ محی الدینؒ ہی ہیں اس مسئلہ کے بعض دقیق معارف کو اپنے ساتھ مخصوص منسوب کیا ہے حتیٰ کہ انھوں نے کہا ہے کہ خاتم النبوت بعض علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اور خاتم ولایتِ محمدی اپنے آپ کو جانتا ہے اور اس کے شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کوئی چیز لے لے تو کیا نقصان ہے۔

غرض فنا و بقا اور کمالاتِ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ کے حصول کے لئے توحیدِ وجودی بالکل درکار نہیں ہے توحیدِ شہودی حاصل ہونی چاہئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوی اللہ کا نسیان حاصل ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ سالک ابتداء سے انتہا تک سیر کر جائے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف میں سے کچھ بھی اس پر ظاہر نہ ہو بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کا انکار کر دے۔ فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستہ سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور پر مشتمل ہے اور نیز اس راہ (توحیدِ شہودی) کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچے ہیں اور اس راہ (توحیدِ وجودی) کے چلنے والے اکثر راستہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں اور ظل کے اصل کے ساتھ اتحاد کے وہم میں گرفتار رہتے اور اصل سے محروم ہو جاتے ہیں، اور یہ حقیقت اس فقیر نے تجربات سے معلوم کی ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ۔

اور فقیر (خود بہ نفسِ نفیس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کو اگرچہ راہِ ثانی (یعنی توحید وجودی کی راہ) سے سیر و سلوک میسر ہوا ہے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت اس فقیر کے شاملِ حال تھی اور فقیر کی سیر محبوبی تھی اس لئے راستہ کے جنگلوں اور صحراؤں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کرا دیا اور کمال مہربانی سے ظلال سے گذار کر اصل تک پہنچا دیا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ دوسرا راستہ (یعنی توحیدِ شہودی کی راہ) وصول کے زیادہ قریب اور حصول کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں)۔" سلہ

فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں | " فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں کیونکہ بندہ (کا وجود) ناچیز (فنا) نہیں ہوتا اور نہ ہی حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوتا ہے بندہ ہمیشہ بندہ ہے اور خدا ہمیشہ خدا ہے وہ لوگ زندیق ہیں جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے وجودی تعینات کو رفع کر کے اپنی اصل کے ساتھ جو کہ تعینات و قیود سے پاک ہے متحد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ سے فانی ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے جس طرح سے کہ قطرہ اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا سے مل جاتا ہے اور اپنی قید کو رفع کر کے مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ مُّعْتَقَدَاتِھِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے بُرے عقائد سے بچائے) فنا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ماسوی اللہ کو بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری اور تعلق باقی نہ رہے اور سینہ و دل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک و صاف ہو جائے جیسا کہ مقامِ بندگی کے مناسب ہے اور مقامِ بقا کے مناسب یہ ہے کہ نفی آیات کے مشاہدہ کے بعد بندہ اپنے مولا جل شانہٗ کی مرادوں پر قائم رہے اور حق تعالیٰ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں معلوم کرے۔" سلہ ۲

سلہ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۲۔ سلہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۹۹۔

توحیدِ وجودی و شہودی کے مراتب

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بعض[1] حضرات کے لئے توحیدِ وجودی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ توحید کے مراقبات کی کثرت سے مشق کرتے ہیں اور کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کو لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ سمجھتے ہیں، اس قسم کی توحید حیلہ سازی و تامل و تخیل کے بعد سلطانِ خیال کے غلبہ و ذریعہ ظاہر ہوتی ہے کیونکہ توحید کے معنی کی بکثرت مشق کرنے سے اس معرفت کا نقش قوتِ متخیلہ میں بندھ جاتا ہے چونکہ یہ توحید اُس صاحبِ توحید کی اپنی بنائی ہوئی ہے اس لئے علّت سے خالی نہیں ہے، اس توحید والا شخص اربابِ احوال میں سے نہیں ہے کیونکہ اربابِ احوال وہ لوگ ہیں جو اربابِ قلوب ہیں اور اس توحید والے کو ابھی مقامِ قلب کی کچھ خبر نہیں ہے یہ توحید علمی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں (یعنی حالی نہیں) لیکن علم کے بھی کئی درجے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔

بعض[2] کے لئے توحیدِ وجودی کا منشا قلبی محبت و انجذاب ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ ابتدا میں ان اذکار و مراقبات میں مشغول ہوتے ہیں جو توحید کے معنی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں اور پھر اپنی محنت و کوشش سے یا صرف عنایتِ ازلی سے مقامِ قلب تک پہنچتے ہیں اور جذب پیدا کرتے ہیں اگر اس مقام میں ان پر توحیدِ وجودی کا جمال ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہو گا کہ جس نے محبوب کے ماسوٰی کو ان کی نظر سے مخفی و پوشیدہ کر دیا ہے اور چونکہ وہ ماسوائے محبوب کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہیں اس لئے محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے۔ اس قسم کی توحید احوال سے ہے اور تخیل کی علّت اور توہم کی آمیزش سے پاک و مبرا ہے اور اگر اس قسم کے اربابِ قلوب کو اسی مقام سے عالم کی طرف واپس لے آئیں تو وہ لوگ اپنے محبوب کو ذراتِ عالم میں سے ہر ذرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حُسن و جمال کے آئینے اور مظاہر سمجھتے ہیں اور اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے یہ اربابِ قلوب مقامِ قلب سے نکل کر مقلبِ قلب (حق جل و علا) کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ توحیدی معرفت جو ان کو مقامِ قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگتی ہے اور جسقدر وہ عروج کی بلندیوں میں ترقی کرتے جاتے ہیں اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ اسی قدر زیادہ نامناسب پاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن و انکار کی حد تک

پہنچ جاتے ہیں مثل رکن الدین ابوالمکارم شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ کے اور بعض دوسرے حضرات کو اس معرفت کے زائل ہونے کے بعد اس معرفت کی نفی کرنے یا ثابت کرنے سے کچھ کام نہیں رہتا۔

ان سطور کا کاتب اس معرفت والوں کے انکار سے اجتناب کرتا ہے اور ان کو طعن کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے انکار و طعن کی مجال اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس حال کے ظہور میں اس حال والوں کا اپنا قصد و اختیار ہو، ان کے ارادہ کے بغیر یہ معنی ان سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لئے معذور ہیں اور معذور و مضطر پر کوئی ردّ و طعن کی گنجائش نہیں ہے لیکن (اس کے باوجود) اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر ایک اور معرفت ہے اور اس حال سے آگے ایک دوسری حالت ثابت ہے اس مقام پر رُکے ہوئے حضرات بہت سے کمالات سے رُکے ہوئے ہیں اور بیشمار مقامات سے محروم ہیں۔

(چند سطور کے بعد) اربابِ توحید میں سے ایک گروہ کے لوگ وہ ہیں جو اپنے مشہود میں استہلاک (نیستی) و اضمحلال (فنائیت) کامل طور پر پیدا کر لیتے ہیں اور اُن کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنے مشہود میں مضمحل و معدوم رہیں اور ان کے وجود سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو، یہ لوگ اپنے اوپر کلمۂ أنا (میں) کے رجوع کو کفر جانتے ہیں اور ان کے نزدیک کام کی انتہا فنا و نیستی ہے مشاہدہ کو بھی گرفتاری جانتے ہیں ان میں سے بعض فرماتے ہیں أَشْتَهِيْ عَدَمًا لَا أَعُوْدُ أَبَدًا میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز جس کا وجود نہ ہو یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں اور حدیث قدسی مَنْ قَتَلْتُهٗ فَأَنَا دِيَتُهٗ (جس کو میں قتل کروں میں ہی اس کا خون بہا ہوں) انہی کی شان میں ثابت ہے، یہ لوگ ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں اور ایک لمحہ بھی آرام نہیں پاتے کیونکہ آرام غفلت میں ہوتا ہے، دائمی فنائیت کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ کو ایک ساعت کے لئے حق تعالیٰ سے غافل کردے امید ہے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ اور وجودِ بشریت کے لئے غفلت درکار ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو ان کی استعداد کے موافق ان امور میں جو غفلت کو ملتزم ہیں مشغول کر دیا ہے تاکہ وہ وجود کا بوجھ ان سے کچھ ہلکا ہو جائے ایک جماعت کو سماع و رقص کی الفت دیدی ہے اور ایک گروہ کو کتابوں کی تصنیف اور

علوم و معارف کی تحریر میں لگا دیا ہے اور کسی گروہ کو بعض مباح امور میں مشغول کر دیا ہے۔ عبداللہ اصطخری سگ بانوں کے ہمراہ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے کسی شخص نے ایک بزرگ سے اس کا راز دریافت کیا تو اس بزرگ نے فرمایا اس لئے تاکہ اس کا نفس کچھ وقت کے لئے بارِ وجود سے خلاص ہو جائے اور بعض کو توحیدِ وجودی کے علوم اور وحدت میں کثرت کے مشاہدہ سے آرام دیا تاکہ اس بار سے ایک ساعت کے لئے آرام پا لیں۔

اور وہ توحید جو مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم میں سے بعض بزرگوں سے ظاہر ہوئی ہے اسی قسم کی ہے، ان بزرگواروں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف لے جاتی ہے وہ علم اور شہود در عالم سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، وہ معارف جو ارشاد پناہی حقائق و معارف دستگاہی ناصر الدین خواجہ عبیداللہ قدس سرہٗ نے توحیدِ وجودی اور کثرت میں وحدت کے شہود کے مناسب لکھے ہیں، توحید کی اسی اخیر قسم سے ہیں ان کی کتاب فقرات جو بعض علومِ توحید وغیرہ پر مشتمل ہے، اس کتاب کے علوم کا منشا اور ان معارف کا مقصود اُن کا عالم کے ساتھ انس و اُلفت ہے اور ہمارے خواجہ قدس سرہٗ کے معارف جو بعض رسالوں میں کتاب فقرات کے کلام کے مطابق لکھے گئے ہیں اسی قسم سے ہیں ان علومِ توحید کا منشا نہ جذبہ ہے اور نہ غلبۂ محبت اور ان کے مشہود کو عالم کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے ان کو جو کچھ عالم میں دکھاتے ہیں ان کے مشہودِ حقیقی کا شبہ و مثال ہے۔ (پھر چند سطور کے بعد)۔

توحید کی یہ اخیر قسم توحید کی تمام اقسام سے اعلیٰ ہے بلکہ حقیقت میں اس معرفت والے حضرات اس وارد و حال کے مغلوب نہیں ہیں اور ان کا سُکر اس معرفت کے باعث نہیں ہوتا ہے بلکہ اس حال کو اُس پر کسی مصلحت کے لئے لائے ہیں اور چاہا ہے کہ اس معرفت کے وسیلے سے ان کو سُکر سے صحو میں لائیں اور تسلی دیں جیسا کہ بعض کو سماع و رقص سے اور بعض کو [illegible] اشتغال سے تسلی دی ہے۔"[1]

فنا فی اللہ و بقا باللہ کی حقیقت "فنا و بقا سے کہ جس کے حاصل ہونے کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے صرف یہی یقین مقصود ہے اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کچھ اور معنی ایسے مراد لیں

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۱۔

جن سے حق تعالیٰ کا مخلوق میں حلول کرنے کا وہم پڑتا ہو تو ابتدا یہ عین الحاد و زندقہ ہے۔ غلبۂ حال اور سُکر کی حالت میں بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں کہ آخر ان سے گذر جانا اور توبہ و استغفار کرنا چاہیئے۔ ابراہیم بن شیبان جو کہ مشائخ طبقات قدس سرہم میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ فنا و بقا کا علم اخلاصِ وحدانیت اور صحتِ عبودیت (خالص توحید اور صحیح بندگی) کے گرد پھرتا ہے اور اس کے سوا مغالطہ اور زندقہ ہے اور حق یہ ہے کہ وہ سچ فرماتے ہیں اور یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے۔ فنا فی اللہ سے مراد حق تعالیٰ کی مرضیات (رضا مندیوں) میں فانی ہونا ہے اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ وغیرہما بھی اسی قیاس پر ہیں۔" [1]

شیخ محی الدین ابن عربی مقبولین میں سے ہیں لیکن اُن کے عجیب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین (اللہ تعالیٰ
جو علوم اہلِ حق کے مخالف ہیں وہ غلط و مضر ہیں کے نزدیک) مقبولین میں سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہلِ حق کی آراء کے خلاف ہیں خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں شاید ان کو خطائے کشفی کے باعث معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت ان سے دور کر دی گئی ہے۔ شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا خاص اعتقاد یہی ہے کہ ان کو مقبولین میں سے جانتا ہے اور اُن کے اُن علوم کو جو اہلِ حق کے مخالف ہیں خطا اور ضرر رساں دیکھتا ہے، اس گروہ (صوفیہ) کے بعض لوگ ایسے ہیں کہ شیخ (موصوف) کو بھی طعن ملامت کرتے ہیں اور ان کے علوم مخالفہ کو بھی غلط اور نادرست سمجھتے ہیں اور اس گروہ کے بعض لوگ شیخ (موصوف) کی تقلید اختیار کر کے ان کے تمام علوم کو درست جانتے ہیں اور دلائل و شواہد سے ان علوم کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ہر دو فریق نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے اور میانہ روی سے دور رہ گئے ہیں۔ شیخ (موصوف) جو کہ مقبول اولیا میں سے ہیں خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کر دیا جائے اور ان کے علوم جو کہ صحت سے دور ہیں اور اہلِ حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے پس حق یہی میانہ روی ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بخشی ہے۔

ہاں مسئلۂ وحدتِ وجود میں اس گروہ (صوفیہ) کی ایک بڑی جماعت شیخ کے ساتھ

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۹۷۔

شریک ہے اگرچہ شیخ (موصوف) اس مسئلہ میں بھی ایک خاص طرز رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں وہ لوگ (شیخ کے ساتھ) شریک ہیں یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہر میں اہلِ حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجیہ کے قابل اور تطبیق دینے کے لائق ہے۔ اس فقیر نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے ہمارے حضرتِ اقدس (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی شرح رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہلِ حق کے عقائد کے ساتھ تطبیق دی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظی کی طرف پھیرا ہے (یعنی نزاعِ لفظی ثابت کیا ہے) اور طرفین کے شکوک وشبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے"۔ [۲]

"شاید یہ مسئلہ توحید متقدمینِ صوفیہ میں اچھی طرح صاف اور واضح نہیں ہوا تھا ان میں سے جو کوئی مغلوب الحال	مسئلہ توحید کی اکثر تحقیقات میں شیخ محی الدین ابن عربی حق پر ہیں

ہو جاتا تھا اس سے اس قسم کے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبۂ سکر کے باعث وہ اس سر کو نہ پاسکتا تھا اور ان عبارتوں کے ظاہر کو حلول واتحاد کی آمیزش سے پھیر نہ سکتا تھا اور جب شیخ بزرگوار محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ تک نوبت پہنچی تو انھوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کی تشریح فرمائی اور ابواب وفصول میں ترتیب دے کر صرف ونحو کی طرح مدوّن فرمایا اس کے باوجود اس طائفہ کے بعض لوگوں نے شیخ موصوف کی مراد کو نہ سمجھنے کے باعث ان کو غلطی پر کہا اور ان پر طعن وملامت کی۔ اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے لوگ حق بات سے دور ہیں، شیخ کی بزرگی اور ان کے علم کی زیادتی اس مسئلہ کی تحقیق سے (جو شیخ نے کی ہے) معلوم کرنی چاہئے اور ان پر رد وطعن نہیں کرنا چاہئے، اس مسئلہ پر جس قدر غور وبحث کی جاتی ہے متاخرین کے مختلف فکروں کے ملنے سے زیادہ واضح وصاف ہوتا جاتا ہے اور حلول واتحاد کے شبہات سے دور تر ہوتا جاتا ہے"۔ [۳]

"حاصل کلام یہ ہے کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ ملامت وعتاب اس سے دور کر دیا گیا ہے	خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے لیکن غیر کے لئے حجت نہیں

[۱] یہ کتاب مع اردو ترجمہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے نہایت صحت سے طبع کرا کر شائع کی ہے۔
[۲] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶ آٹھواں عقیدہ۔ [۳] دفتر سوم مکتوب نمبر ۸۹۔

(یعنی اس پر ملامت و عتاب نہیں ہوگا) بلکہ ثواب کے درجات میں سے ایک درجہ ثواب اس کے حق میں ثابت ہے البتہ (ان دونوں میں) اس قدر فرق ہے کہ مجتہد کی تقلید کرنے والے لوگ بھی (حصولِ ثواب کے بارے میں) مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور مجتہد کے خطا پر ہونے کی صورت میں بھی ثواب کے درجات میں سے ایک درجہ ثواب پالیتے ہیں بخلاف اہلِ کشف کے مقلدین کے کہ وہ معذور نہیں ہیں اور کشف میں خطا ہو جانے کی صورت میں ثواب کے درجہ سے محروم ہیں کیونکہ الہام اور کشف غیر حجت نہیں ہیں اور مجتہد کا قول غیر حجت ہے پس پہلی (اہلِ کشف) کی تقلید خطا کے احتمال کی بنا پر جائز نہیں ہے اور دوسری (مجتہد کی) تقلید خطا کے احتمال کی بنا پر جائز بلکہ واجب ہے"۔[1]

صوفیۂ وجودیہ اور علماء کا نزاع محض لفظی ہے

جاننا چاہیئے کہ صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدتِ وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم کرتے ہیں ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ بن گیا ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بے چون (بے مثل) چون (مثل) میں آگیا ہے کیونکہ یہ سب کفر و الحاد اور گمراہی و زندقہ ہے وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت اور نہ تنزل ہے نہ تشبیہ، اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا پس وہ ایسی پاک ذات ہے جو کائنات و موجودات کے حدوث (نئے پیدا ہونے) سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا، حق تعالیٰ اپنی اسی مطلق محض ہونے کی صفت پر ہے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف مائل نہیں ہوا بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں اشیاء نیست (معدوم) ہیں اور موجود وہی ذاتِ تعالیٰ و تقدس ہے منصور نے جو انا الحق کہا تو اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کیونکہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے بلکہ اس کے قول کے معنی یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق تعالیٰ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور کسی قسم کے تنزل کی آمیزش اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں جس طرح اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱۔

متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے ظل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ وہ شخص اپنی خالص اصالت پر ہے اور ظل اس سے کسی تنزل و تغیر کی آمیزش کے بغیر وجود میں آیا ہے البتہ بعض اوقات ان لوگوں کی نظر سے جنھوں نے اس شخص سے کمال درجہ کی محبت پیدا کرلی ہے اس کمال محبت کے باعث سایہ کا وجود پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس شخص کے سوا ان کو کچھ مشہود نہیں ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت یہ کہہ دیں کہ ظل عین شخص ہے یعنی ظل معدوم ہے اور موجود وہی شخص ہے اور بس، اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ اشیاء صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کا عین، پس اشیاء حق تعالیٰ سے ہوں گی نہ کہ حق تعالیٰ ہوں گی۔ پس ان کے کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ از دست ہوں گے جو کہ علمائے کرام کے نزدیک مختار ہیں اور علمائے کرام و صوفیۂ عظام اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کی کثرت فرمائے، کے درمیان حقیقت میں کوئی نزاع ثابت نہیں ہوگا اور ہر دو اقوال کا انجام ایک ہی ہوگا صرف اسقدر فرق ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں تاکہ حلول و اتحاد کا وہم پیدا ہونے کے مواقع سے بچیں۔"[1]

نبوت ولایت سے افضل ہے اور بعض مشائخ نے سُکر کی حالت میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو افضل ہے اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کی فضیلت کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں سینہ کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کر سکتے اور نبوت میں کمال شرح صدر حاصل ہونے کے باعث نہ تو حق تعالیٰ کی طرف توجہ خلق کی طرف توجہ کی مانع ہوتی ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی مانع ہے۔ نبوت میں صرف خلق ہی کی طرف توجہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ولایت کو جس میں کہ صرف حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اس پر ترجیح دیں العیاذ باللہ۔ صرف خلق کی طرف توجہ ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے اس حقیقت کا سمجھنا اہلِ سُکر کے لئے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال (اہلِ صحو) مشائخ اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔"[2]

---

[1] دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۴۔ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰۸۔

"اور جنھوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے وہ اہلِ سُکر اور ایسے اولیاء اللہ ہیں جن کو کمالِ عروج کے بعد رجوع الی الخلق حاصل نہیں ہوا کیونکہ ان کو کمالاتِ نبوت سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ اور آپ کی نظر سے گذرا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے برخلاف کہا وہ مقامِ نبوت کے کمالات سے ناواقف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے"۔ [1]

کمالاتِ ولایت کا درجہ کمالاتِ نبوت سے بہت کم ہے

"کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کمالاتِ ولایت کی کچھ مقدار نہیں، آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی کیا مقدار ہے، سبحان اللہ! بعض لوگ کج بینی سے ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں اور شریعت کو جو لبِّ لباب ہے پوست سمجھتے ہیں بیچارے کیا کریں ان کی نظر شریعت کی صورت تک ہی محدود ہے اور پوست کے سوا مغز کا کچھ بھی حصہ ان کے ہاتھ نہیں آیا الخ"۔ [2]

"اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ و کبریٰ و عُلیا کے کمالات سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبح و مثال کی طرح ہیں اور روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا طے کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے پس قیاس کرنا چاہئے کہ ان سب کمالات کو تمام سابقہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی، دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے مگر ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقامِ نبوت کو مقامِ ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے، سبحان اللہ ایک جاہل اس امر کے متعلق کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا اس معاملہ سے واقف نہ ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (اُف کس قدر خطرناک بات ان کے منھ سے نکلتی ہے)"۔ [3]

"فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کمالاتِ نبوت دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور کمالاتِ ولایت ان کے مقابلہ میں ایک قطرہ کا حکم رکھتے ہیں

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱ - [2] دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۶ - [3] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۰

لیکن کیا کریں جن لوگوں کو کمالاتِ نبوت تک رسائی نہیں ہے انھوں نے کہا ہے اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ (یعنی ولایت نبوت سے افضل ہے) اور ایک جماعت نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر غائب پر حکم کیا ہے صحو پر سُکر کو ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کے قریب ہے اگر صحو کی حقیقت کو جانتے تو ہرگز سکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

شاید ان لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سُکر کو اس پر ترجیح دی ہے کاش کہ خواص کے سُکر کو بھی عوام کے سُکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم میں جرأت نہ کرتے کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو سکر سے بہتر ہے اگر صحو و سکر مجازی ہے تب بھی یہ حکم ثابت ہے اور اگر حقیقی ہے تب بھی یہ حکم ثابت ہے، ولایت کو نبوت سے افضل کہنے اور سُکر کو صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہے جیسے کوئی کُفر کو اسلام پر ترجیح دے اور جہل کو علم سے بہتر جانے کیونکہ کفر و جہل مقامِ ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبۂ نبوت کے مناسب ہے۔" [1]

حصولِ کمالاتِ نبوت کے دو راستے | "حمد و صلوٰۃ کے بعد فرزندی مولانا امان اللہ کو معلوم ہو کہ نبوت سے مراد وہ قربِ الٰہی ہے جس میں ظلیت کی کچھ بھی آمیزش نہیں ہے اس قُرب کا عروج حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھتا ہے اور اس کا نزول خلق کی طرف، یہ قرب بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور یہ منصب انہی بزرگواروں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منصبِ نبوت حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تبعین اور خادموں کو اپنے مالکوں کی دولت اور پس خوردہ سے حاصل ہوتا ہے، پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قرب سے ان کے کامل تبعین کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف و کمالات وراثت کے طریق پر بھی کامل تبعین کو نصیب ہوتے ہیں ع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶۔

پس آنحضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد آپ کے متبعین کو تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ (پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو)۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ راستے جو کمالاتِ نبوت کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں: ایک وہ راستہ ہے جو مقامِ ولایت کے مفصل کمالات کے طے کرنے پر موقوف ہے اور ان تجلیاتِ ظلیہ اور معارفِ سکریہ کے حاصل ہونے پر وابستہ ہے جو مرتبۂ ولایت کے قرب کے مناسب ہیں، ان کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالاتِ نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے اس مقام میں اصل کی طرف وصول ہوتا ہے اور ظلیت کی طرف التفات کرنا گناہ ہے۔ اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ولایت کے ان کمالات کے حصول کے بغیر کمالاتِ نبوت تک وصول (پہنچنا) میسر ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو بھی ان انبیاء کرامؑ کی تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت تک پہنچے ہیں وہ سب اسی راستے سے پہنچے ہیں اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ اور پہلا راستہ بہت دور و دراز ہے اور اس کا حاصل ہونا دشوار اور اس کا وصول محال ہے الی آخرہ"۔ [1]

ہمہ اوست سے مراد ہمہ از وست ہے

"جاننا چاہیئے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ صوفیہ جو کلامِ ہمہ اوست کے قائل ہیں عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور و ظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں وجود و تحقق (ثبوت) کے اعتبار سے نہیں اگرچہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحادِ وجودی کا وہم گذرتا ہے لیکن ان کی یہ مراد ہرگز بھی نہیں ہے کیونکہ یہ کفر و الحاد ہے اور جب ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ظہور کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے تو ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہیں کیونکہ کسی چیز کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ یہ حضرات غلبۂ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن حقیقت میں اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ از وست ہے، پس اس بیان کے موافق ان کے کلام پر اعتراض کرنا اور اس کلام کے کہنے والوں کو کافر و گمراہ کہنے کی کوئی مجال نہیں رہی"۔ [2]

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰۱ — [2] دفتر سوم مکتوب نمبر ۸۹

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک مختار ہمہ از وست ہے

"پس حق تعالیٰ کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا اور ہمہ اوست کہنا بڑی بے ادبی اور کمال درجہ کی دلیری ہے لیکن چونکہ وہ سُکرِ حال کے غلبہ میں کہا گیا ہے اس لئے اس قدر مذموم نہیں ہے اور اسی طرح دوسری توجیہ کے موافق اپنے مشہود کو عین حق تعالیٰ جاننا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا بھی بے ادبی بلکہ خلافِ واقع ہے کیونکہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ کے کمالات کا ظل ہے حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے نیز جو کچھ مشہود ہی نفی کے لائق ہے پس وہ حق تعالیٰ نہ ہوا حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں جو کچھ دیکھا اور سُنا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے کلمۂ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے" اور اس مسئلہ میں جو کچھ اس حقیر کے نزدیک مختار اور شانِ تقدس و تنزیہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از وست کی عبارت ہے صرف اس معنی کے لحاظ سے نہیں جس پر علماءِ ظاہر کفایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کا صدور و خلق اسی سے ہے کیونکہ یہ خود صادق و درست ہے اس کے باوجود یہاں ایک اور تعلق و نسبت بھی ہے جس کی طرف علماء نے ہدایت نہیں پائی اور صوفیہ کرام اس کی حصول کے ساتھ ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت و ظلیت کا باہمی رابطہ ہے یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وہ واجب کے وجود سے پیدا ہے اور اسی ذات سبحانہٗ و تعالیٰ کے وجود کا پرتو ہے اور اسی طرح اگر حیات ہے تو وہ بھی اسی کی صفتِ حیات سے پیدا ہے اور اسی کی حیاتِ مقدسہ کا پرتو ہے علم و قدرت و ارادہ وغیرہ بھی اسی قیاس پر ہیں پس صوفیہ کے مطابق عالم حق تعالیٰ سے صادر بھی ہے اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے منزہ کمالات سے پیدا ہے مثلاً جو وجود کہ ممکن کو دیا گیا ہے وہ ایسا امر نہیں ہے کہ خود بخود ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے ظل کا پرتو ہے اور اسی طرح حیات و علم وغیرہ جو ممکن کو بخشے گئے ہیں اس قسم کے امور نہیں ہیں کہ انھوں نے صانع تعالیٰ شانہٗ سے مستقل ثبوت پیدا کر لیا ہے بلکہ ان کا صدور حق تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے باوجود یہ سب حق تعالیٰ کے کمالات کے ظلال اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں۔ اصالت و ظلیت کا یہی ارتباط کہ جس کی طرف صوفیہ نے ہدایت پائی ہے اور صوفیہ کے معاملہ کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور ان کو فنا و بقا تک پہنچا کر ولایتِ خاصہ کے ساتھ متحقق کر دیا ہے اور چونکہ علماءِ ظاہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی اسلئے فنا و بقا سے بہرہ مند اور ولایتِ خاصہ کے ساتھ ممتاز نہیں ہوئے"۔ [1]

---

[1] دفتر سوم مکتوب نمبر ۸۹۔

چونکہ مسئلہ توحید وجودی و شہودی اکابر صوفیہ میں مختلف فیہ رہا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توضیح و تنقیح کے بعد بھی تا حال اس بارے میں اختلافِ مسالک اس درجہ تک پایا جاتا ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی اپنے مسالک کے خلاف اکابر پر طعن و اعتراض کرتے ہیں اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رئیس المحدثین راس الفقہا حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کے فتاویٰ عزیزی سے چند اقتباسات درج کر دیئے جائیں جن میں اس مسئلہ کے متعلق عامۃ المسلمین کو نہایت مفید و صائب مشورہ سے نوازا گیا ہے۔ (مؤلف)

(۱) "پس ہم لوگوں کو جو کہ اس اختلاف کے بعد ہوئے ہیں کسی ایک جانب پر جزم و یقین نہیں کرنا چاہیے لہٰذا ہمارا صحیح راستہ یہ ہے کہ جس طرح ہم فقہائے اربعہ کے مذاہب میں حق کو دائر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثلاً حنفی مذہب درست ہے لیکن اس میں خطا کا بھی احتمال ہے (یعنی صواب محتمل بہ خطا ہے) اور اس کے علاوہ دوسرے فقہا مثل امام شافعی و مالکی کے مذاہب (احناف کے نزدیک خطا ہیں لیکن ان میں درست ہونے کا بھی احتمال ہے (یعنی خطا محتمل بصواب ہیں) اسی طرح ان دونوں مذہبوں یعنی توحید وجودی و توحید شہودی کے بارے میں ایک دلیل سے ایک جانب کے راجح ہونے کے پیش نظر دوسری بات کو ضلال اور گمراہی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اس سے علماء و مشائخ کی ایک کثیر جماعت کی تضلیل و تکفیر لازم آتی ہے الی قولہٖ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جیسا کہ سنی اور رافضی و خارجی کے درمیان ہے جو کہ ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر کا موجب ہے بلکہ یہ اختلاف فقہائے اہلِ سنت کے مذاہب اربعہ کی مانند ہے۔

(۲) ہاں یہ اعتقاد یعنی اعتقادِ توحید وجودی عقائدِ اسلام کی ضروریات میں داخل نہیں ہے اگر کوئی شخص اس توحید وجودی کا معتقد نہ ہو اور اس کے متعلق وہ کچھ بھی نہ جانتا ہو تو اس کے اسلام میں کوئی نقص نہیں ہے لیکن جو اولیاء اللہ توحید وجودی کے قائل گذرے ہیں ان کی تحقیر و اہانت اور تکفیر و تضلیل نہیں کرنی چاہیئے اور عوام الناس کے حق میں اولیٰ یہ ہے کہ اس کی نفی یا اثبات کرنے سے سکوت اختیار کریں اور اس مسئلہ کی بحث و تکرار میں مشغول نہ ہوں کیونکہ یہ مسئلہ ہر شخص کی عقل و فہم میں نہیں آسکتا اور یہ بحث اس کے عقیدہ کے فساد کا باعث ہو جائے گی۔"

(مجموعہ فتاویٰ عزیزی مجتبائی ص۵۵، ۵۶ شوال المکرم ۱۳۱۱ھ)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

کی

تصانیفِ عالیہ

امام ربانی، محبوبِ سبحانی، مجددِ الفِ ثانی، حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کی تصانیفِ عالیہ مبارکہ کے متعلق عرض کرنا کچھ آسان کام نہیں، اس لئے کہ وہ معرفت و تجلیات کے انوار، شریعت و طریقت کے اسرار، علم و عمل کا خزینہ، کشف و کرامات کا گنجینہ ہیں۔ لیکن ان تصانیفِ عالیہ میں نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے راہِ عمل اور اخلاق و حسنات کے ایسے گوہرِ بے بہا ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہر فردِ بشر اسلام کا والہ و شیدا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا محبوب بندہ بن سکتا ہے اور دنیا و آخرت کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے لہٰذا اپنی کوتاہ فہمی اور نقصِ تحریر کے پورے اعتراف کے ساتھ حضرت ممدوحؒ کی تصانیفِ عالیہ کے متعلق ممکن درجہ تک معلومات فراہم کر کے ترتیب وار اُن سب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:۔

اِثباتُ النبوۃ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس رسالہ میں اثباتِ نبوّت پر نہایت جامع اور تحقیقی مباحث ہیں کیونکہ اُس وقت اکبری دور کا فتنہ سر اُٹھا رہا تھا مسئلہ نبوّت و رسالت میں شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے تھے، نبوّت کے عقیدے کو نجات کا مدار قرار دینے سے انکار کیا جا رہا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک شاہی مجالس میں زبان پر لانا ممنوع قرار دیدیا گیا تھا، جن لوگوں کے نام حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر تھے ان کو تبدیل کیا جا رہا تھا۔ مُلا مبارک ناگوری (پدر فیضی و ابوالفضل) نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا تھا جس میں اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا گیا تھا، غرضکہ اسلامی احکام کی تنسیخ اور کفار کی رسومات و عبادات کی ترویج پر پوری توجہ دی جا رہی تھی وغیرہ۔ ان حالات سے متاثر ہو کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے نبوّت کے معنی کی تحقیق، منکرین کے اعتراضات اور ان کے

جوابات، معجزہ کے معنی اور اس کے شرائط، اثباتِ نبوتِ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اعجازِ قرآن وغیرہ جیسے اہم مضامین پر مشتمل اس رسالہ کو مرتب فرمایا۔

اندازہ ہے کہ یہ رسالہ (اثبات النبوۃ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی پہلی تصنیف ہے جو ۹۹۰ یا ۹۹۱ھ میں آگرہ کے دورانِ قیام میں مرتب ہوئی۔ اس رسالہ کے قلمی نسخے حضرت مجددؒ الف ثانی قدسؒ کے دیگر رسائل کے مجموعہ کے ساتھ بعض جگہ موجود ہیں، مثلاً رباطِ مظہریہ مدینہ منورہ، مخدومی حضرت مولانا محمد صادق صاحب مجددی کابلی مدظلہ العالی مدینہ منورہ، مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد ضلع حیدرآباد، خانقاہِ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی، خانقاہِ مظہریہ دہلی وغیرہ۔

نیز یہ رسالہ اعلیٰ کتب خانہ (ادارۂ مجددیہ) ناظم آباد کراچی سے ۱۳۸۳ھ میں پہلی مرتبہ اصل عربی متن مع اردو ترجمہ شائع ہوا، پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ (اس مجموعہ میں رسالہ تہلیلیہ، اثبات النبوہ، مبداء معاد، معارف لدنیہ اور شرح رباعیات شامل ہیں) صرف اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

۲۔ ردِ روافض یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس رسالہ کے شروع میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ خود تحریر فرماتے ہیں: "انہی ایام میں مجھے ایک رسالہ ملا جو شیعوں نے بوقت محاصرہٗ مشہد علمائے ماوراء النہر کے نام لکھا تھا اور یہ رسالہ اس کا جواب تھا جو علمائے مذکور نے شیعہ کی تکفیر اور ان کے قتل و اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح ہونے کے بارے میں تحریر کیا تھا" رسالہ ردِ روافض اہلِ تشیع کے اس جواب کا جواب ہے۔

* عبد المؤمن خاں ابن عبد اللہ خاں ازبک والیٔ توران متوفی ۱۰۰۶ھ نے مشہد و سبزوار کا محاصرہ ۱۰۰۱ھ میں کیا تھا اس لئے اندازہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ نے یہ جوابی رسالہ اسی سال کے قریب لکھا ہوگا اس رسالہ کے بعض مضامین مکتوبات شریف کے دفتر اول مکتوب نمبر ۸۰ و ۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں۔ اس رسالہ کا نام اکثر کتابوں میں "ردِ مذہب شیعہ" یا "ردِ روافض" آتا ہے (مقدمہ کوائفِ شیعہ ص) اور تاریخی نام "کوائفِ شیعہ" ہے۔ ۱۰۰۲

اس رسالے کے بعض مضامین کا ان عنوانات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے:۔ بعض شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان اور ان کی تاویلاتِ باطلہ، علماء ماوراء النہر کی دلیل اور شیعوں کی جانب سے

اس کا جواب حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قولِ فیصل، اجتہادی امور میں صحابہؓ کا اختلاف فضائلِ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بارے میں نص کا وجود ثابت نہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا راضی ہونا وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں،

نیز اس رسالے کا فارسی متن مکتوبات شریف فارسی کے آخر میں اکثر مطابع نے شائع کیا ہے البتہ فارسی متن مخدومی جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب کے اردو ترجمہ کے ساتھ جناب حشمت علی خاں صاحب نے سنہ ۱۳۸۲ھ میں رامپور بھارت سے شائع کیا ـــــ پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے دسمبر سنہ ۱۹۶۷ء میں صرف فارسی متن اور سنہ ۱۳۸۶ھ میں صرف اردو ترجمہ علیحدہ علیحدہ شائع کیا (مؤلف) ـــــ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے جس کے قلمی نسخہ کا کچھ حصہ مولانا حمدی حسن شاہجہانپوری مدظلہ العالی مقیم دیوبند کے پاس موجود ہے (تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۲۹۹)

رسالہ تہلیلیہ

یہ رسالہ عربی زبان میں کلمہ طیبہ سے متعلق تحقیقات پر مشتمل ہے۔ اس رسالے کے بعض مضامین کا ان عنوانات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے: لفظ اللہ کی تحقیق، لفظ اللہ کے لطائف، دلیلِ توحید، کلمہ طیبہ کے فضائل، توحید کے مراتب اور اسلامی و فلسفیانہ استدلال، وجودِ باری تعالیٰ کی حقیقت، فلاسفہ اور صوفیا کی متفقہ رائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپ کی نبوت کے دلائل، معجزہ قرآن کریم، معجزہ نبوت کی دلیل ہے وغیرہ

یہ رسالہ علمی اور تحقیقی نوعیت کا ہے، اس کا زمانہ تصنیف ایک پُر آشوب دور تھا جب کہ دینِ اکبری کا فتنہ کلمہ طیبہ سے جزو رسالت حذف کر کے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ (نعوذ باللہ من ذلک) اکبر خلیفۃ اللہ کو دے رہا تھا۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے یہ رسالہ سنہ ۱۰۰۱ھ میں مرتب فرمایا۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں۔

اس رسالہ کا عربی متن مع اردو ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۳۸۲ھ میں ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے شائع کیا — پھر اس رسالہ کا صرف عربی متن ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔

شرحِ رباعیات

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہٗ نے شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کے سلسلہ میں نہ صرف نثر ہی میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے بلکہ نظم و اشعار میں بھی بہت سے اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں۔ اس رسالہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنی دو رباعیوں کی شرح خود تحریر فرمائی تھی، پھر اس شرح کی مزید تشریح و توضیح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے غالباً ۱۰۱۳ھ میں تحریر فرمائی۔ یہ رسالہ ان دو رباعیوں کی شرح اور شرح الشرح کا مجموعہ ہے اور وہ دو رباعیاں مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- گرینہ وجودِ کون کون ست وحصول (۱) نورے بجز از کون نکردہ است قبول
واللہ کہ دریں پردہ لسان الغیب است ــــــ برطبقِ قواعدست وبروفقِ اصول

۲- بشناس کہ کائنات رو در عدم اند (۲) بل در عدم ایستادہ ثابت قدم اند
دیں کونِ معلق از خیال و وہم است باقی ہمگی ظہورِ نورِ قدم اند

یہ رسالہ مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہے: سریان و احاطہ کا مفہوم، صفاتِ بشری اولیائے کرام کے لئے حجاب بن جاتی ہیں، فنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ، وصولِ نہایت النہایت، صوفیہ اور علماء کے کلام کے درمیان موافقت، مسئلہ تجددِ امثال، توحید کی اعلیٰ قسم وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں: مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں اور غالباً رباطِ مظہریہ مدینہ منورہ میں بھی اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اس رسالہ کو ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔ پھر یہ رسالہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۶ھ میں اصل فارسی متن اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اس شرحِ رباعیات کی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی شرح فرمائی ہے جو "کشف الغین فی شرح رباعیتین" کے نام سے مطبع مجتبائی واقع دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

معارفِ لدنیہ اس رسالہ کا دوسرا نام "عُلُومُ اِلْہَامِیَّہ" بھی ہے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارفِ خاصّہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث سے تعلق رکھتا ہے جس کو خود حضرت ممدوح ہی نے ۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا تھا۔ ہر مضمون کو "معرفت" کا عنوان دیا گیا ہے جن کی مجموعی تعداد اکتالیس [۴۱] ہے۔ ان معارف کے بعض مضامین ان عنوانات میں ملاحظہ ہوں:۔ لفظِ اللّٰہ میں حروفِ تعریف کے اجتماع کی حکمت، سالک کی سیر کے انواع و مراتب، حقیقتِ محمدی سے مراد، صوفیہ اور متکلمین میں معرفت کے متعلق اختلاف، واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق، شیون اور صفات میں فرق، سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے مراتب میں فرق، صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان، طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق، واجب تعالیٰ کے ساتھ روح کا اشتباہ، کفرِ شریعت اور کفرِ حقیقت، قطبِ ابدال اور قطبِ ارشاد کا فیض، قضا و قدر کا راز، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا جذب و سلوک، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں: مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں اور حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد (بھارت) کے کتب خانہ میں بھی اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اس رسالہ کا فارسی متن غالباً سب سے پہلے حافظ محمد احمد علی خاں شوقؔ نے مطبع احمدی رامپور سے دسمبر ۱۸۹۸ء میں — پھر مجلس علمی ڈابھیل (حال کراچی) نے ۱۳۵۱ھ میں — پھر حکیم عبدالمجید سیفی نے ۱۳۷۶ھ میں لاہور سے — پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا — جناب ملک فضل الدین چنن الدین نے لاہور سے پہلی مرتبہ اس رسالہ کا اردو ترجمہ شائع کیا جس میں مترجم کا نام اور سنہ طباعت وغیرہ درج نہیں۔ اس کے بعد ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۸ھ میں فارسی متن خاکسار مؤلف کے اردو ترجمہ کے ساتھ یکجا شائع کیا۔

مبدأ و معاد یہ رسالہ فارسی زبان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے علوم و معارف پر مشتمل ہے اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے جن کو حضرت ممدوح کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمیؒ نے ۱۰۱۹ھ میں مدون و مرتب فرمایا اور اس کے مضامین کو "منہا" کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا جن کی مجموعی تعداد اکسٹھ [۶۱] ہے اور ہر منہا معرفت کے اسرار کا خزانہ ہے۔ اس کتاب کے

بعض مضامین کو ان عنوانات میں ملاحظہ فرمائیں :۔ جذبہ و سلوک کا حصول، بیان عروج و تائیدِ حضرات خلفاءِ مشائخ، بیان نزول و تائید مشائخ سلاسلِ مختلفہ، قطب الارشاد اور اس کا فیضِ عام، نسبتِ نقشبندیہ، اظہارِ نعمت، کمالاتِ ولایت کے درجات، نزول کا انتہائی مقام، دعوت کا کامل ترین مقام، پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی امتیاز، احوال پیش آکر کیوں غائب ہو جاتے ہیں، کیا معرفت کے بعد کوئی لغزش نقصان دہ نہیں ہوتی، وجود باری تعالیٰ کے سلسلہ میں خصوصی معرفت، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات مشاہدہ، رویت، وہم اور خیال میں نہیں آسکتی، فرشتوں پر انسان کی فضیلت، دس مقامات کو طے کئے بغیر نہایت النہایت تک رسائی ممکن نہیں، محبتِ ذاتی و صفاتی کا فرق، علم ظاہر پر علم باطن کی برتری اور آدابِ پیر و استاد، موت سے پہلے موت کا مطلب، معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عروجِ اولیاء میں فرق، رویتِ باری تعالیٰ، کشف اور فراست میں فرق، حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، کلمۂ طیبہ کی فضیلت، خدا کی مثل نہیں مثال ہو سکتی ہے وغیرہ۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، خانقاہ سراجیہ کندیاں وغیرہ

اس رسالہ کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکیؒ نے کیا جو کہ مکتوبات معرب مطبوعہ مکہ مکرمہ کے حاشیہ پر موجود ہے۔

مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم فارسی نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ کا مطبوعہ ہے —— پھر مطبع مجددی امرتسر ۱۳۳۰ھ کا جو کہ مولانا نور احمد امرتسری مرحوم کے اہتمام سے شائع ہوا —— پھر حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم نے ۱۳۷۶ھ میں شائع کیا —— پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا —— ملک فضل الدین چنن الدین نے لاہور سے پہلی مرتبہ صرف اردو ترجمہ شائع کیا جس میں سنہ طباعت مترجم کا نام وغیرہ درج نہیں —— پھر ۱۳۹۹ھ میں ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن خاکسار مؤلف کے اردو ترجمہ کے ساتھ یکجا شائع کیا۔

مکاشفاتِ عینیہ یہ مجموعہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے جو بعض خلفاء حضرات نے محفوظ کر لئے تھے جن کو حضرت ممدوح کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے ۱۰۵۱ھ میں مرتب فرمایا۔ اگرچہ اس رسالہ کے بعض مضامین حضرت موصوف کے مکتوبات شریفہ اور رسائلِ وقیعہ میں بھی آچکے ہیں لیکن ان کا مرتب کرنا بھی ضروری تھا۔

اس رسالہ میں حمد و نعت کے بعد شجرۂ قادریہ، شجرۂ نقشبندیہ اور شجرۂ چشتیہ ہے پھر حضرت نے بعض خلفاء کو جو اجازت نامے عطا فرمائے تھے ان میں سے چند اجازت ناموں کی نقلیں ہیں، اس کے بعد حضرت ممدوح کے مکاشفات و معارف ہیں جن کو مکاشفہ کا عنوان دیا گیا ہے اور ان کی تعداد انتیس ۲۹ ہے پھر چہل حدیث ہے۔

اس رسالے کے بھی قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں مثلاً مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ٹنڈو سائیں داد، رباطِ مظہریہ مدینہ منورہ ـــــ اس رسالہ کا قدیم ترین قلمی نسخہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد (بھارت) کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے ـــــ اور اس رسالہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مرتب کردہ جو چہل حدیث ہے اس کو حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اردو ترجمہ و حاشیہ کے ساتھ "چہل حدیثِ امام ربانی" کے نام سے اپنے مطبع عمدۃ المطابع لکھنؤ سے طبع کرا کر شائع کیا۔ سنہ طباعت درج نہیں ہے۔

یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۸۴ھ میں شائع کیا، اس سے پہلے یہ رسالہ طبع نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا سات رسائل کے علاوہ مندرجہ ذیل چار مزید رسائل کے نام تو اکثر کتب میں ملتے ہیں لیکن ان کے متعلق آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ ان کے قلمی یا مطبوعہ نسخے کہیں موجود ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) رسالہ آداب المریدین۔ (۲) تعلیقاتِ عوارف۔ (۳) رسالہ علم حدیث (۴) رسالہ جذب و سلوک۔

مزید عرض ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تصانیف اور ان کی اشاعت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے حرفِ آخر نہیں ہے یہ صرف اپنی معلومات تک منحصر ہے۔ ان کے علاوہ بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تصانیف کا ہونا ممکن ہے اور اسی طرح ان کی اشاعت بھی ہو سکتا ہے کہ ہوئی ہو اور عاجز کے علم میں نہ آئی ہو۔ لہٰذا عرض ہے کہ اہلِ علم حضرات اپنی معلومات سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی تکمیل کی جا سکے۔

مکتوباتِ شریفہ

ان رسالوں کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا معرکۃ الآرا کارنامہ مکتوباتِ شریفہ ہیں جو فارسی زبان میں ہیں البتہ چند مکتوب عربی زبان میں بھی ہیں۔ ان مکتوبات کی مجموعی تعداد پانچ سو چھتیس ۵۳۶ ہے ہر مکتوب گویا ایک مستقل رسالہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنی قوتِ عمل اور ان مکتوبات کے ذریعہ جتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اور دیرپا اصلاح و تربیت کا کام انجام دیا ہے اس کی مثال ملنی مشکل نظر آتی ہے۔ آپ کے مکتوبات نہ صرف تصوف میں بلکہ علوم و معارف اور نکات و اسرار کے عالمگیر ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں، اور اپنی تاثیر، ادب و انشاء کی قوت، برجستگی اور روانی کے لحاظ سے پورے فارسی ادب میں نہایت بلند پایہ ہیں۔ ان مکتوبات نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے زمانے میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ جن کے نام اصالتاً یہ خطوط لکھے گئے تھے ہزاروں اشخاص نے ان سے اسی طرح فیض حاصل کیا جیسا کہ شیخِ کامل کے انفاسِ طیبات و توجہات سے فیض حاصل کیا جاتا ہے، اور حضرت موصوف کے وصال کے بعد بھی ہر زمانے میں بے شمار انسان ان مکتوبات سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں اور آج بھی خانقاہوں میں ان کا درس دیا جاتا ہے اور شیوخِ کبار ان کی تشریح و تقریر سے اپنے قلوب منور کرتے ہیں۔

یہ مکتوباتِ شریفہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ، خلفاء حضرات، مریدین اور اراکینِ سلطنت کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے اور ساتھ ہی ان مکتوبات کی نقل بھی محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا تھا۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خیالاتِ عالیہ، عقائدِ حقہ، شریعت و طریقت، اخلاق و معرفت اور سیاست کی گہری نظر اور علوِ شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز اس زمانے کے تاریخی حالات اور حضرت موصوف کے تجدیدی کارنامے بھی روشن دلیل بن کر سامنے آجاتے ہیں اور ہجرت کے بعد دوسرے ہزار سال کے تمام مسائل کا حل بھی ان میں مل جاتا ہے جو آپ کے "مجدد الف ثانی" ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

یہ مکاتیب تین دفتروں پر مشتمل ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

مکتوباتِ شریفہ دفترِ اول | اس دفتر میں تین سو تیرہ (۳۱۳) مکتوبات ہیں جو عددِ انبیاءِ مرسلین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین وعددِ اصحابِ بدر واصحابِ طالوت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطابق ہیں۔ اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایماء سے آپ کے خلیفہ حضرت مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمۃ نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب فرمایا۔

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ "فقیر کی آرزو تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب اس عاجز کے نام تحریر فرمائیں اور وہ اس دفتر کے خاتمہ پر درج کیا جائے اس لئے کہ احقر آپ کے کمترین مخلصوں میں سے ہے چنانچہ جب یہ خادم برہانپور تھا آپ نے ایک مکتوب تحریر فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو مطابق تعداد رسل[1] واصحابِ جنگِ بدر فلاں مکتوب پر جو فلاں شخص کے نام ہے ختم کریں فحصل مرادی بکرامتہ۔ چونکہ بندہ نے اس دفتر کی تاریخ اختتام "دُرالمعرفت" نکالی تھی، آپ نے تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں۔"[2]

مکتوباتِ شریفہ دفترِ دوم | اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالحی حصاری شادمانی علیہ الرحمۃ نے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ارشاد پر ۱۰۲۸ھ میں مرتب فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ قلعۂ گوالیار میں نظر بند تھے اور اس وقت تک آپ نے اتنے ہی مکتوبات تحریر فرمائے تھے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کی ایک مشہور حدیث ہے، حسنِ اتفاق یہ ہے کہ ان اسماءِ حسنیٰ کی تعداد کی مناسبت بھی اس دفتر کی ترتیب کو حاصل ہو گئی، اس دفتر کا تاریخی نام "نور الخلائق" رکھا گیا۔

مکتوباتِ شریفہ دفترِ سوم | اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت موصوف کی خدمت میں رہ کر مرتب فرمایا اور حضرتؒ کی ہدایت کے مطابق عددِ سُورِ قرآنی کے موافق ایک سو چودہ (۱۱۴) مکتوبات پر اس دفتر کو ختم کیا اور اس کا تاریخی نام "معرفت الحقائق" رکھا۔ لفظ "ثالث" سے بھی تاریخ نکلتی ہے۔

اُس وقت اس دفتر میں ایک سو چودہ (۱۱۴) مکتوبات تھے، چونکہ اس کے بعد حضرت مجددؒ کی حیاتِ مبارکہ کا زمانہ بالکل مختصر اور گوشہ نشینی کا رہا اس لئے بعد میں جو چودہ (۱۴) مکتوبات تحریر فرمانے کا موقع ملا ان میں سے چار مکتوب کا پتہ نہ چلا اور دس اسی میں شامل کر دیئے گئے اس طرح اب اس دفتر میں جملہ مکتوبات کی تعداد ایک سو چوبیس ہے۔

---

[1] اشارۃ الی مارواہ الامام احمد عن ابی ذرؓ۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۲۴۰۔

ان مکتوبات شریفہ ہر سہ دفتر کے بھی قلمی نسخے متعدد جگہ موجود ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

مکتوبات شریفہ کے عربی ترجمے سے متعلق عرض ہے کہ حضرت مولانا شیخ محمد مراد[1] المنزلوی المکی نے "الدرر المکنونات النفیسہ" کے نام سے مکتوبات ہر سہ دفتر کا عربی میں مکمل ترجمہ کیا جو المطبعۃ المیریۃ الکائنۃ بمکۃ المحمیۃ (مکہ مکرمہ) سے ۱۳۱۶ھ و ۱۳۱۷ھ میں شائع ہوا جس کے دفتر اول کے حاشیہ پر عربی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حالات مبارکہ ہیں جو علامہ شیخ محمد مراد مکیؒ ہی کے ترتیب دیئے ہوئے ہیں اور اس کے بعد حاشیہ ہی پر ایک اور عربی رسالہ "کتاب الرحمۃ الھابطۃ فی تحقیق الرابطہ"

---

[1] حضرت علامہ شیخ محمد مراد بن عبد اللہؒ کی ولادت منگل کے دن نصف ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ کو اپنے وطن قریہ "مت" میں ہوئی۔ یہ قریہ مضافات منزلہ میں ہے جو کہ ملک قزان کی ولایت کے تابع ہے۔ قزان کو پہلے زمانے میں بلغار کہتے تھے جس کا ذکر کتب فقہ میں شفق کے غائب نہ ہونے کے سلسلہ میں آتا ہے کیونکہ وہ انتہائی شمال میں واقع ہے یہاں کے باشندے تیسری صدی ہجری میں المقتدر باللہ عباسی کے عہد میں یا اس سے کچھ قبل اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے تھے، آجکل یہ علاقہ روس کے تابع ہے۔

شیخ مراد نے چھ سال کی عمر میں پہلے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید پڑھا پھر اپنے چچا ابو ملا حسن الدین سے تعلیم حاصل کی پھر اٹھارہ سال کی عمر میں شہر قزان آکر علامہ شہاب الدین قزانی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، پھر بخارا، ماوراء النہر اور تاشقند کا سفر کیا وہاں بھی بہت سے علماء کی صحبت اختیار کی اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے علاوہ بکثرت عربی و فارسی کتب تصوف و کتب سیر کا بھی مطالعہ کیا جس کی وجہ سے آپ کو یقین ہو گیا کہ جب تک کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے ان علوم سے کچھ فائدہ نہ ہوگا چنانچہ آپ نے اسی علاقہ کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

پھر ۱۲۹۵ھ میں بعض رفقاء کے ہمراہ حجاز مقدس کیلئے روانہ ہوئے اور بلخ، سمرقند، پشاور، لاہور، ملتان، سندھ کراچی ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے اور ماہ رمضان بمبئی میں گذار کر عید کے بعد بحری جہاز پر سوار ہو کر اٹھارہ دن میں مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے وہاں بھی سلسلۂ تعلیم جاری رہا اور وہیں قرآن شریف حفظ کیا، پھر مدینہ منورہ ہی میں حضرت مولانا محمد مظہر بن حضرت شاہ احمد سعید دہلوی قدس سرہما سے مرید ہوئے حضرت شیخ کی آپ پر بہت توجہ رہی اور غائبانہ بھی آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ آپ کو تھوڑے ہی عرصے میں قلب اور دیگر تمام لطائف کے احوال حاصل ہو گئے۔ اسی زمانے میں آپ شدید بیمار ہوئے تو شیخ سے اجازت لے کر وطن چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وطن سے واپس آکر مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی اور شیخ عبد الحمید آفندی کی خدمت میں رہنے لگے۔ پھر حضرت شیخ مولانا محمد مظہرؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کا وصال ہو چکا ہے پھر چند ماہ بعد شیخ آفندی بھی وصال فرما گئے۔ اس کے بعد آپ نے محمد صالح زواوی کی صحبت اختیار کی اور ان سے صاحب اجازت ہوئے دوسری ملاقات میں شیخ نے خرقۂ خلافت اور خصوصی سند سے بھی ممتاز فرمایا۔

اسی زمانے میں آپ نے رشحات کا عربی ترجمہ کر کے شیخ زواوی کی خدمت میں پیش کیا جس کو انھوں نے بہت پسند کیا اور مکتوبات امام ربانیؒ کا عربی ترجمہ کرنے کی ترغیب دی چنانچہ آپ نے حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل میں یہ کام مکمل کیا جس کو شیخ نے بہت پسند فرمایا ــــ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ مسند ارشاد پر بیٹھے تو فرماتے تھے کہ میں اس قابل نہیں ہوں صرف شیخ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ (ماخوذ از اواخر معرب مکتوبات شریف)

للشیخ حسین الدوسری رحمہ اللہ بھی ہے اور تمام مکتوبات کے حواشی پر معرب موصوف کے بعض تشریحی نوٹ بھی موجود ہیں ——— اور دفتر دوم کے حاشیہ پر معرب موصوف کے تشریحی حواشی کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا رسالہ "مبدأ و معاد" معرب درج ہے اس کو بھی شیخ محمد مراد مکیؒ موصوف نے ہی عربی میں ترجمہ کیا ہے ——— اور دفتر سوم میں بھی معرب موصوف کے تشریحی حواشی کے علاوہ حاشیہ پر ایک اور عربی رسالہ "عطیۃ الوہاب، الفاصلۃ بین الخطاء والصواب" للشیخ محمد بک الاوزبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی درج ہے جس میں اُن اعتراضات کا رد کیا گیا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریفہ وغیرہ کی بعض تحریرات پر بعض معاندین نے تحریف و تغییر کرکے اور مصطلحاتِ تصوف کے عدمِ فہم کی وجہ سے اس لئے کئے تھے کہ لوگ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور ان کی اولاد و اتباع کی صحبت سے فیضیاب نہ ہوسکیں، یہ رسالہ نہایت مدلل اور واضح ہے۔ معرب مکتوبات شریفہ کی عربی زبان ماشاء اللہ نہایت فصیح و بلیغ اور سلیس ہے جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فارسی سے عربی میں ترجمہ نہیں بلکہ خود مصنف ہی کی عربی تصنیف ہے۔ نیز اس کے دیباچہ سے اور بعض ترکی محترم دوستوں سے معلوم ہوا کہ قدیم ترکی زبان میں بھی مکتوبات شریفہ کا ترجمہ موجود ہے لیکن اب محترم جناب حسین[له] حلمی ایشق صاحب مدظلہ العالی استنبولی جدید ترکی زبان میں مکتوبات شریفہ کا خلاصہ تیار کر رہے ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اصل فارسی مکتوبات کے متعلق عرض ہے کہ مکتوبات شریفہ مکمل ہر سہ دفتر مع رد روافض و بالحاق رسالہ مصطلحاتِ صوفیہ غالباً پہلی مرتبہ نول کشور نے شائع کیا اس لئے کہ نول کشور کا مطبوعہ بارِ سوم جنوری ۱۸۸۶ء مطابق ماہِ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ اور بارِ ششم ۱۹۱۳ء کا مطبوعہ ہمارے سامنے ہے ——— پھر ۱۲ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ کو مولوی شیر محمد خاں نے مطبع احمدی دہلی سے فارسی مکتوبات مع ردِ روافض شائع کیا ——— پھر حاجی عبدالعزیز دہلوی نے ۱۲۹۰ھ میں اپنے مطبع مرتضوی دہلی سے شائع کیا ——— اس کے بعد حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ نے ۱۳۲۹ھ میں بڑی محنت سے تصحیح کرکے نہایت اہتمام کے ساتھ بہت عمدہ ایڈیشن شائع کیا ——— پھر اس کے بعد مولانا نور احمد موصوف کے صاحبزادے مولوی محمد سلیمان صاحب فاروقی نے محکمۂ اوقاف کی اعانت سے ۱۳۸۹ھ میں

له آپ نے بھی اس معرب مکتوبات شریفہ کا فوٹو لیکر بجنسہ اسی سائز پر غالباً ۱۳۹۲ھ میں شائع کیا ہے اور دیگر کتب کی طرح بغرض تبلیغ تمام دنیا میں مفت بھیج رہے ہیں۔ جزاہم اللہ

دو جلدیں اور مکتبہ سعیدیہ لاہور نے ۱۳۹۱ھ میں تیسری جلد شائع کر کے مکمل کیا ــــــــ اب ۱۳۹۲ھ میں حضرت مولانا نور احمد مرحوم والے نسخہ کا فوٹو لے کر بالکل اسی سائز پر اسی شاندار انداز سے محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب مدظلہ العالی نے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔

مکتوبات شریفہ کے اردو ترجمہ سے متعلق عرض ہے کہ مکمل مکتوبات کا اردو ترجمہ سب سے پہلے حضرت مولانا قاضی عالم الدین مرحوم نے کیا جس کو ملک فضل الدین نے لاہور سے ۱۹۱۳ء (دوسری بار) میں شائع کیا۔ پھر ملک فضل الدین کے صاحبزادے ملک چنن الدین نے ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء میں اسی ترجمہ کو سہ بارہ شائع کیا۔ اس کے بعد ۱۳۹۱ھ میں مشہور پریس کراچی نے مولانا احمد سعید صاحب لاہوری سے مکتوبات شریفہ کا اردو ترجمہ کرا کر شائع کیا ــــــــ اس کے باوجود اہل علم و ذوق حضرات کو اس ضرورت کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ مزید صحت و اہتمام کے ساتھ سلیس و با محاورہ اردو زبان میں نہ صرف مکتوبات شریفہ کا ترجمہ ہی شائع ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مکتوبات میں جو مشکل مقامات وتوضیح طلب امور ہیں ان کی شرح بھی حاشیہ پر کر دی جائے تاکہ روحانی پیاس کی تسکین کا سامان حاصل ہو سکے۔

مکتوباتِ شریفہ کی تخریج احادیث حضرت مولانا محمد سعید مفتی عدالتِ آصفیہ دکن نے بڑی محنت و جانفشانی سے تیار فرمائی جس کا نام "تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی" ہے جو ایک سو بیس صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۱ھ میں مطبع فیض الکریم حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ

کی

اولادِ امجاد

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (فتح) (یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (اور) آپس میں مہربان ہیں، تُو ان کو (بکثرت) رکوع و سجود کرتے دیکھتا ہے (جس کے ذریعہ) وہ اللہ تعالیٰ کا فضل (اور اس کی رضا) طلب کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے انوارِ الٰہی اُن کے چہروں میں نمایاں ہیں)۔ جیسا کہ بعض علماء سے منقول ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپؐ کے تربیت یافتگان یعنی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال و اعمال کو بطورِ شاہد پیش کیا ہے ـــــ اسی سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے، شاگرد سے اُستاد کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا بھی صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کا آئینہ ہوتے ہیں جن میں اُن کے خدوخال صاف صاف نظر آجاتے ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ربانی حضرت مجددالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے صاحبزادگانِ عالی شان اور خلفائے عظام کے کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ لکھا جائے تاکہ تعلیم و تربیت اور قوتِ تاثیر کی راہ سے بھی حضرت مجددالفِ ثانی قدس سرہٗ کے کمالات و مراتب کا کچھ اندازہ ہو سکے اور یہ حقیقت بھی

مزید واضح ہو جائے کہ جس اولوالعزم ہستی کے ذریعات نفوس کے اندر ایمان و عمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نورِ عرفان کی ایسی چمک پیدا ہوگئی وہ خود کسقدر پُرانوار و باکمال ہوگی۔

اب پہلے حضرت مخدوم زادگان کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے بعد خلفائے عظام کا۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) حضرت خواجہ محمد صادقؒ ولادت سنہ ۱۰۰۰ھ وفات ۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ

(۲) " خواجہ محمد سعیدؒ " سنہ ۱۰۰۵ھ " ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۰۷۰ھ

(۳) " خواجہ محمد معصومؒ " سنہ ۱۰۰۷ھ " ۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ھ

(۴) " خواجہ محمد فرخؒ " سنہ ۱۰۱۰ھ " ۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ بعمر ۱۵ سال

(۵) " خواجہ محمد عیسیٰؒ " سنہ ۱۰۱۷ھ " " " " بعمر ۸ سال

(۶) " خواجہ محمد اشرفؒ .... بعمر ۲ سال

(۷) " خواجہ محمد یحییٰؒ " ۱۰۲۴ یا ۱۰۲۷ھ " ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۹۶ یا ۱۰۹۸ھ

(۸)-۱- بی بی رقیہ بانو۔ آپ کا شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال ہوا

(۹)-۲- بی بی ام کلثوم۔ آپ کا چودہ سال کی عمر میں ۸ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۰)-۳- بی بی خدیجہ بانو۔ آپ صاحب اولاد ہوئیں۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز کی دو بڑی کرامتیں صفحۂ روزگار پر باقی رہیں گی ایک آپ کا مبارک کلام کہ جس کے مماثل لکھنے سے اس وقت کے تمام علماء و مشائخ عاجز ہے دوسرے آپ کے فرزندانِ گرامی جن کو آپ نے اپنے تصرفاتِ عالیہ علم و عمل و کمالاتِ باطنیہ میں اپنا مثیل بنایا جبکہ روئے زمین پر کسی شیخ نے اپنے سب فرزندوں کو تصرف و توجہ سے اسقدر اپنا مثیل نہیں بنایا اور آج تک آپ کی صلبی و روحانی اولاد میں آپ کے اثرات و برکات موجود ہیں اور فیوض جاری ہیں۔ آپ کی یہ دو کرامتیں رہتی دنیا تک آفتاب کی طرح روشن اور باعثِ افتخار رہیں گی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

(۱) حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادق اکابر اولیا میں سے تھے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۰۰۰ھ ہجری میں سرہند شریف میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی مبارک سے سعادت کے آثار اور ولایت کے انوار نمایاں تھے۔ آپ کے جدِ امجد حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ نے بچپن ہی سے آپ کو اپنی تعلیم و تربیت میں رکھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے "تمہارا یہ لڑکا مجھ سے حقائق و معارف کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت کرتا ہے کہ ان کا جواب مشکل سے بن پڑتا ہے"۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ جب جمادی الاخریٰ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ صاحبزادہ بھی ہمراہ تھے چنانچہ یہ بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی نظرِ قبولیت میں آکر ذکر و مراقبہ اور جذبہ و نسبت سے مشرف ہوگئے۔ آپ کو صغرسنی کے باوجود وہ کمالات نصیب ہوئے کہ حضرت خواجہؒ آپ کو دیرینہ سال سالکوں کے مقابلہ میں پیش فرماتے تھے اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہفت سالہ بچہ جس کو سلوک میں قدم رکھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے بہت آگے نکل چکا ہے۔[۱]

چنانچہ ایک درویش سلوک کی تکمیل کرکے شیخِ کامل سے خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حالات اس غرض سے بیان کئے کہ اگر آپ کے پاس بھی یہی کچھ ہے جو میں حاصل کرچکا ہوں تو آپ کو کیوں تکلیف دوں اور اگر کچھ زائد ہے تو استفاضہ کروں (اس کے جواب میں) حضرت خواجہ صاحبؒ نے خواجہ محمد صادقؒ کو طلب فرما کر اُن کے احوال پوچھنے شروع کئے تو مخدوم زادہ نے آٹھ سال کی عمر میں اپنے وہ حالات بیان کئے جو اس پچاس سالہ شیخ سے کہیں زائد تھے، اس پر وہ درویش بہت شرمندہ ہوا اور آپ سے استفاضہ کرنے کیلئے سرِ تسلیم خم کیا۔[۲]

---

[۱] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۰۱ و ۳۰۲۔ [۲] زبدۃ المقامات ص ۳۰۱

حضرت خواجہ محمد صادقؒ بچپن ہی سے کشفِ قلوب و کشفِ قبور میں نہایت عالی نظر تھے، چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ امورِ کونیہ (ہونے والے امور) کی نسبت آپ سے پوچھا کرتے تو آپ اپنے کشف کے ذریعہ جواب دیتے اور جب مقبروں پر لیجا کر مردوں کے حالات پوچھتے تو بھی آپ بلاتوقف جو کچھ مشاہدہ کرتے بیان کر دیتے[1]

آپ کے چچا شیخ مسعود بغرضِ تجارت قندھار کی طرف روانہ ہوئے آپ بھی ان کے ساتھ اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے مزار تک وداع کرنے گئے۔ مزار مبارک پر ایک لمحہ مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا کہ داداجان، چچا صاحب کو اس سفر سے منع فرماتے ہیں چونکہ اس وقت آپ کم سن تھے اس لئے بچہ سمجھ کر آپ کی بات کا کچھ خیال نہ کیا آخر شیخ مسعود نے اسی سفر میں انتقال فرمایا[2]

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے جس جماعت کو تربیتِ باطنی کے لئے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمایا تھا اس میں یہ مخدوم زادہ بھی تھے اور تمام جماعت میں بہتر تھے، بعدہٗ اپنے والد ماجد کے فیضِ تربیت سے کمال و اکمال کو پہنچے اور اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے پورے پورے مصداق ثابت ہوئے۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ صغر سنی میں اس غلبہ کے باوجود دینی تعلیم سے بھی فراغت حاصل کی اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر ہوئے بعد حصولِ علم تعلیم و تدریس میں بھی مشغول رہے[3]

حضرت خواجہ محمد صادقؒ نے فنونِ عربیہ شیخ محمد طاہر لاہوریؒ سے اور علوم حکمیہ مولانا محمد معصوم کابلیؒ سے پڑھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہوگئے[4]

ایک درویش کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اپنے ایک ہمسایہ کے متعلق صاحبزادہ موصوف سے شکایت کرتے ہوئے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو تنبیہ فرما دیں تو اچھا ہے۔ اس پر مخدوم زادہ نے ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا "اے شخص! اگر ہم بھی دشمنی کا راستہ اختیار کریں تو ہم میں اور اہلِ رسم میں کیا فرق رہے گا؟" اس درویش کا بیان ہے کہ یہ بات مخدوم زادہ نے اپنی زبانِ مبارک سے کچھ اس تاثیر کے ساتھ ادا فرمائی کہ میں اس گذارش و شکایت پر نادم و پشیمان ہوا اور ہمسایہ کی طرف سے جو کینہ تھا وہ جاتا رہا[5]

فنائیت کے آثار اور عیشِ دنیا سے عدمِ تعلق کا اظہار آپ کے چہرۂ مبارک سے اس درجہ

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۸۱۔ [2] زبدۃ المقامات ۳۰۹۔ [3] تذکرہ مجدد الفؒ ثانی ص ۳۱۲ و ۳۱۳
[4] نزھۃ الخواطر ج۵ ص ۳۳۶۔ [5] زبدۃ المقامات ص ۳۰۳ و تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۱۳

ہوتا تھا کہ اس کیفیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا تھا، چنانچہ بعض رؤسا آپ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد کہا کرتے تھے کہ جونہی ہم اس جوان کو دیکھتے ہیں ہمارا دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے [۱]

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی شفقت و مرحمت آپ کے حال پر اس درجہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحبؒ بعارضۂ تپ محرقہ علیل ہوئے تو آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور طرفین کے بخار کو کئی دن ہو گئے کہ صحت نہ ہوئی، آخر حضرت خواجہ صاحب نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے فرمایا کہ ہمارے بخار انعکاسی ہیں، جب تک محمد صادق یہاں ہیں نہ ان کا بخار دفع ہوگا نہ ہمارا۔ لہٰذا ان کو سرہند روانہ کرو کہ ہم دونوں اچھے ہو جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، آپ کے روانہ ہوتے ہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا بخار جاتا رہا اور مخبر یہ خبر لایا کہ خواجہ محمد صادقؒ کا بخار بھی دور ہو گیا [۲]

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا "محمد صادق بچپن ہی سے اپنے آپ کو ضبط نہیں کر سکتا اگر سفر میں ہمراہ جاتا ہے تو بہت ترقی کرتا ہے، دامنِ کوہ کی سیر میں ہمراہ تھا بڑی ترقی کی اور مقام حیرت میں غرق ہے، حیرت میں فقیر کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے"[۳]۔ غالباً اسی کے جواب میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ قرۃ العین محمد صادقؒ کو ظاہری و باطنی زور دار فیوض عطا فرمائے، ان کے ظاہری احوال قابلِ تعریف ہیں، وہ اپنے حضور پر قائم رہیں غیبت و استغراق کا کوئی اندیشہ نہیں ہے ان شاء اللہ سکر سے صحو کی حالت میں آجائیں گے۔" [۴]

حضرت خواجہ محمد صادقؒ جب تلوین سے تمکین کی طرف اور سکر سے صحو کی طرف اور جذب سے سلوک کی طرف آئے تو اکیس [۲۱] سال کی عمر میں بروز جمعہ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خلعتِ خلافت سے مشرف ہوئے اور ارشاد و تلقین کی عام اجازت حاصل ہوئی، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو اپنا عبائے خاص مرحمت فرمایا۔ اسی روز ایک جماعتِ کثیر نے آپ سے بیعت اور مصافحہ کیا، اس وقت آپ کی پیشانی اقدس سے ایک نور ایسا درخشاں ہوا کہ آفتاب عالمتاب بھی اس کے مقابلہ میں شرمندہ و خیرہ تھا۔ [۵]

---

[۱] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۱۳۔ [۲] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۸۹۔ [۳] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۳۔ [۴] کلیات باقی باللہ مکتوب ۴۱ ص ۱۰۲۔ [۵] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۹۱۔

حضرت مولانا بدرالدین سرہندیؒ تحریر فرماتے ہیں: "میں نے مطول مع حاشیۂ میر اور شرح عقائد مع حاشیۂ خیالی اور تحریر اقلیدس اور شرح مطالع مع حاشیۂ میر وغیرہ کتب آپ (خواجہ محمد صادقؒ) کی خدمت میں پڑھیں، اور آپ کی وفات کے بعد شرح مواقف اور تفسیر بیضاوی اور حاشیۂ عضدی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پڑھیں۔ حضرت مخدوم زادہ ادائے مطالب میں بہت گہرے جاتے تھے اور مختلف طریقوں سے مطلب ادا فرماتے تھے کبھی کبھی اپنے خیالات کسی کتاب پر بطور حاشیہ تحریر فرماتے تھے اور نایاب وجدید فنون اپنی سلیم طبیعت سے طبع زاد ظاہر فرماتے تھے"[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات شریف میں آپ کی مدح میں بہت سے کلمات تحریر فرمائے ہیں ایک جگہ آپ کو اپنے "معارف کا مجموعہ" تحریر فرمایا ہے، ایک مقام پر "نسخۂ مقاماتِ جذب وسلوک" قرار دیا ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں: "یہ مقام میرے فرزند ارشد کو عنایت ہوا ہے اور ان کی ولایت میں داخل ہے فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے"[2] (یعنی سرہند شریف کی قطبیت خواجہ محمد صادق کی ہے)

جب سرہند شریف میں مرضِ طاعون کا بہت زور ہوا تو خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وبا کوئی تر لقمہ چاہتی ہے جب تک میں نہ جاؤں گا یہ فرو نہ ہوگی، چنانچہ آپ کو بخار ہو گیا اور بعد دو شنبہ نہم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وصال فرمایا انہی الفاظ "روز دو شنبہ نہم ربیع الاول" سے تاریخ وفات بھی نکلتی ہے۔ آپ نزع کے وقت فرماتے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ لوگوں پر سے یہ مصیبتِ وبا دور فرمادیگا، اگر میرے انتقال کے بعد کوئی شخص اس مرض میں مبتلا ہو تو میرا نام لکھ کر اس کے گلے میں ڈالدیں اور ایک چھدام میرے ایصالِ ثواب کیلئے راہِ خدا میں دیدیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے شفائے کلی عطا فرمائے گا۔" چنانچہ واقعی آپ کے وصال کے بعد کوئی شخص اس مرض میں مبتلا نہ ہوا، اور اگر کوئی بیمار ہوتا تو آپ کا اسمِ مبارک (خواجہ محمد صادق) لکھ کر اس کے گلے میں ڈالتے ہی صحتیاب ہو جاتا[3]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کی تکفین کے لئے جامۂ فاخرہ لفافہ وقمیص و

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۹۱ ۔ [2] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۳۴ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۰۵ و ۳۰۶

ازار، حسب عادت مہیا فرمایا، اور دفن کرنے میں متفکر ہوئے کہ کہاں دفن کیا جائے، حکم ہوا کہ حویلی کے صحن میں کہ بعض اوقات خود مخدوم زادہ وہاں ٹھہرا کرتے تھے دفن کیا جائے چنانچہ صحن میں ایک جگہ معین کی گئی، اس مقام کی شرافت و بزرگی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس مکتوب سے ظاہر ہے:۔

"میرے فرزند اعظم کی وفات سے چند ماہ قبل یہ نور مجھ پر ظاہر کیا گیا اور فقیر کی جائے سکونت کے ایک کونہ کی اس میں نشاندہی کر کے ایک بلند نور اس قسم کا دکھایا گیا کہ صفت و شان کی گرد اس کونہ لگی تھی اور کیفیات سے منزہ و مبرا تھا، اس وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس زمین میں دفن کیا جاؤں اور وہ نور میری قبر پر چمکتا رہے۔ اس بات کو میں نے اپنے فرزند اعظم پر جو کہ صاحب اسرار تھے ظاہر کیا اور اس نور اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا، اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور خاک کے پردہ میں جا کر اس نور میں مستغرق ہو گیا ؎

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا   وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو اپنی دولت   مبارک عاشقوں کو درد و کلفت)

اس شہر کے لئے یہ بڑی بھاری شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیاء میں سے ہے اس جگہ آسودہ ہے۔"[1]

نیز فرماتے ہیں:۔

"میرا فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادقؒ) حق سبحانہ و تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت (نشانی) اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا جو بیس برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہو، پایۂ ولایت اور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریس کو حد کمال تک پہنچایا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کے پڑھانے میں اعلیٰ درجہ کا ملکہ رکھتے ہیں، اس کی معرفت و عرفان کی حکایات اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ ان کے احوال کی تسکین کیلئے بازاری طعام کو جو مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے معالجہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "جو محبت مجھ کو محمد صادقؒ

[1] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۲۲۔

کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور ایسے ہی جو محبت اس کو ہمارے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں، اس کلام سے اس کی بزرگی کا اندازہ کرنا چاہئے۔ ولایت موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچایا تھا اور اس ولایتِ علیا کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا ہمیشہ خاضع اور خاشع، ملتجی اور متضرع، متذلل اور منکسر رہتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے اللہ تعالیٰ سے ایک نہ ایک چیز طلب کی ہے میں نے التجا اور تضرع طلب کی ہے۔"[1]

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "ایک مدت تک مخدوم زادہؒ کی قبر خام رہی، ایک احاطہ اس کے گرد کر دیا تھا پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے خیال فرمایا کہ چونکہ میرے اس فرزند کی قبر عمارات کے درمیان واقع ہوئی ہے بہتر یہ ہے کہ اس جگہ ایک گنبد بنا دیا جائے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کی جائے پس اس قرۃ العین کی قبر پر ایک گنبد تعمیر کرا دیا۔"[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہر نماز جمعہ کے بعد آپ کی زیارتِ قبر کے لئے تشریف لیجایا کرتے تھے اور دیر تک مراقب رہا کرتے تھے اور شنبہ کی ہر صبح کو آپ کے مزار فائض الانوار پر حلقۂ ذکر کیا کرتے تھے اور ترقیاتِ بے اندازہ و توارعِ مواہب الٰہیہ جو آپ کی دعا و توجہ سے انہیں حاصل ہوتیں مکشوف کیا کرتے تھے۔ ایک روز مزار سے اٹھ کر آپ نے فرمایا کہ آج میں ان کے حال کی طرف متوجہ ہوا دیکھا کہ لحظہ بلحظہ انوار و آثارِ عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں اور ساعت بساعت بڑھتے جاتے ہیں۔[3]

آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے شیخ محمد تھے جن کی اولاد کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔[4]

مکتوبات شریف میں آپ کے نام حسب ذیل ۵ مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوبات نمبر ۱۸۱- ۲۰۸- ۲۳۴- ۲۳۶- ۲۶۰-

آپ کے چند خطوط عریضہ داشت کے عنوان سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نام ہیں جو مکتوبات شریف دفتر اول کے آخر میں منسلک ہیں۔

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۳۰۶ [2] حضرات القدس ص ۱۹۸ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۰۶
[4] ہدیۂ احمدیہ ص ۹۰

(۲)

حضرت خواجہ محمد سعیدؒ خازن الرحمۃ قدس سرہٗ

آپ حضرت مجددؒ الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے دوسرے فرزند ہیں آپ کی ولادتِ باسعادت ماہ شوال ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ طفولیت ہی سے آثارِ ہدایت و کرامت آپ کی ناصیۂ استعداد سے اور اطوارِ نجابت و ولایت آپ کے چہرۂ ارشاد سے پیدا و ہویدا تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے غلبۂ مرض کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ حضرت خواجہ (باقی باللہ) صاحبؒ کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ "تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اُچک لی"۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے ہیں:۔

فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال اند اسرارِ الٰہی اند بالجملہ شجرۂ طیبہ اند اَنْبَتَھَا اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا۔	اس شیخ (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے صاحبزادے جو کہ (ابھی) بچے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں مختصر یہ کہ شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو پروان چڑھائے۔ [1]

آپ جب سنِ شعور کو پہنچے تو تحصیل علومِ ظاہری میں مشغول ہو گئے۔ شیخ محمد طاہر لاہوری سے اکثر کتابیں پڑھیں، بعض کتابیں اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ سے بھی پڑھیں، اپنے والد ماجد اور شیخ عبدالرحمٰن رمزی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ تحصیلِ علم ہی کے زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توجہ سے طائفہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے اور "خازن الرحمۃ" کا لقب پایا۔ [2]

سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ معقول و منقول کی مشکل سے مشکل کتابیں پوری قابلیت سے پڑھائیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے انہی میں سے

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۱۴ و کلیات باقی ص ۱۲۰۔ [2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۱۔

تعلیق مشکوٰۃ المصابیح بھی ہے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرما دیتے تھے۔ [1]

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان دونوں بھائیوں (خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ) کے متعلق فرمایا کہ جب محمد صادق مرحوم کا انتقال ہو گیا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اب کوئی ایسا فرزند جو فضائلِ ظاہری و احوالِ باطنی میں کمال رکھتا ہو کہاں سے پاؤں گا۔ آخر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہ دونوں بھائی ان کے قائم مقام عنایت فرمائے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہٖ۔ [2]

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایامِ وبا میں حوادثِ کثیرہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو پہنچے کہ تین دن میں برادرِ کلاں خواجہ محمد صادق اور برادرانِ خورد خواجہ محمد فرخ و خواجہ محمد عیسیٰ مع اقربا و رشتہ داروں کے رحلت کر گئے اور میں بھی سخت بیمار ہوا کہ امیدِ زیست نہ رہی جس کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خاطرِ مبارک میں فکرِ عظیم پیدا ہو گئی۔ اسی اثنا میں ایک شب تجلیٔ خاص الخاص و ظہورِ مخصوص بارگاہِ الٰہی حضرت مجدد الفِ ثانیؒ پر وارد ہوا اور آپ کو معلوم ہوا کہ یہ نزولِ اجلال محض آپ کی تسلی اور بشارت دہی کے لئے ہے۔ ان عنایاتِ فاخرہ اور الطافِ باہرہ کے ورود کے وقت حکم اقدس و اعلیٰ صادر ہوا کہ محمد سعیدؒ و محمد معصومؒ کو لایا جائے۔ پھر ان دونوں کو میرے زانو پر بٹھایا گیا دونوں معمر اور سفید ریش تھے اور حکم ہوا کہ ہم نے یہ دونوں فرزند تم کو عطا کئے، دونوں کی عمریں دراز ہوں گی۔ حضرت موصوف اس بشارت سے بہت خوش ہوئے اور سب کو یہ خوشخبری سنائی۔ [3]

ایک دفعہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دہلی تشریف فرما تھے، حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے ابتداءِ سلوک و ظہورِ جوش و خروش میں سرہند شریف سے ایک عریضہ لکھا جس میں تحریر فرمایا "جناب عالی! میں دل کو کسی طرف متوجہ نہیں پاتا بلکہ دل ہی کو نہیں پاتا، اکثر حیران رہتا ہوں، اگر قرآن مجید سنتا ہوں تو سب لوگوں کی طرح بیٹھا رہتا ہوں

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۱۵۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۳۱۰۔ [3] حضرات القدس ص ۲۰۴۔

کبھی ذکر کی توجہ کے بغیر دل میں رفتگی (فنائیت) مفہوم ہوتی ہے۔ قصبہ شاہ آباد میں مشغولِ ذکر تھا کہ روح کو بدن سے بالکل جدا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حیرت کے مقامات سے ہے، اس مقام کے پیشوا شیخ عراقی قدس سرہٗ ہیں اور میں نے دیکھا کہ شیخ موصوف ظاہر ہوئے اور اس نسبت نے غلبہ کیا جسقدر وہ غلبہ کرتے تھے میں متالم (تکلیف زدہ) ہوتا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ کا ظہور ہوا اور مجھے کچھ تسکین حاصل ہوئی۔ دوسرے روز حضرت خواجہ پھر ظاہر ہوئے اور بہت زیادہ تسکین حاصل ہوئی۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس خط کے حاشیہ پر جواب میں تحریر فرمایا:

محمد سعید نے جو احوال لکھے ہیں وہ نہایت صحیح احوال ہیں، دوستوں میں سے کسی کو اس خصوصیت کے ساتھ یہ احوال حاصل نہیں ہوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی ولایتِ خاصہ سے مشرف ہونگے[1]

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں یہ دونوں مخدوم زادے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ہمراہ نہیں تھے اور کسی وجہ سے سرہند شریف میں رہ گئے تھے میں اس وقت آپ کے ہمرکاب تھا اور مشاہدہ کرتا تھا کہ جب کوئی معرفت حضرت کے قلب پر وارد ہوتی تھی اسوقت حضرت دونوں فرزندوں کو بشوقِ تمام یاد فرماتے تھے[2]

اسی طرح اجمیر کے سفر میں بندہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ہمرکاب تھا دیکھا رہتا تھا کہ ہر روز حضرت موصوف اس مخدوم زادہ (محمد سعید قدس سرہٗ) کو ایک خاص فیض و مخصوص نسبت سے سرفراز فرماتے رہتے تھے، ایک روز فرمایا "اجمیر کا یہ سفر گویا محمد سعید کے لئے کیا ہے کہ اس نے بہت ترقیات حاصل کی ہیں۔[3]

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھ پر میدانِ قیامت اور میرے مریدوں کا پلِ صراط سے گذرنا منکشف ہوا۔ محمد سعید ہم سب میں آگے آگے جارہے تھے اور کتابِ اعمال سیدھے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے پس ہم سب بہشت میں داخل ہوگئے[4]

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اخیر مرض میں نماز کی امامت میرے حوالہ فرمائی۔ ان دنوں نماز میں جو کمالاتِ عظیم اور مقاماتِ بلند

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۱۱۔ [2] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۱۵۔ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۱۲۔ [4] حضرات القدس ص ۲۰۲، ۲۰۳

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر فائض ہوتے تھے وہ اسرار کی طرح واجب الاخفا تھے فرماتے تھے کہ محمد سعید چونکہ یہ سب نتائج نمازوں کے ہیں اور تم اس کے قیام کو ہماری پیروی سے ادا کرتے ہو اس لئے ان مواہبِ عالیہ اور اسرارِ غامضہ میں تم کو نصیبۂ کامل اور حصہ تام مرحمت ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً۔ [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آخر عمر میں طریقہ تعلیم بہت کم فرما دیا تھا اور طالبانِ حق کو مخدوم زادگان حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کے سپرد فرمایا تھا اور دونوں صاحبزادگان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک قطب کے دو امام ہوتے ہیں لہٰذا تم دونوں بمنزلہ امام کے ہو۔ حضرت خواجہ محمد سعیدؒ نے انکساراً اس بشارت کو حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ پر منطبق فرمایا اور خود صاحبِ یمین بنے۔ نیز حضرت قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ہر مقام پر عروج و نزول میں محمد سعید میرے ہمراہ ہے۔ [2]

صاحبِ زبدۃ المقامات مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک دفعہ خلوت میں اس فقیر سے فرمایا "عمر کا کوئی بھروسہ نہیں اب جانے کے دن قریب معلوم ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ محمد سعید میرا جانشین ہو سکے" میں نے مخدوم زادہ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے نہایت رقت و انکساری سے فرمایا کہ "میں اس قابل نہیں ہوں اور اپنے آپ کو ہرگز ہرگز اس امر کے شایاں نہیں پاتا، حضرتؒ جب کہیں تشریف لیجاتے ہیں تو محمد معصوم کو اپنا جانشین بنا دیتے ہیں اور مجھے ان کی متابعت کا حکم کر جاتے ہیں اگر یہ التماس حضرتؒ کی خاطر شریف میں نہ آئے (یعنی گوارا نہ ہو) تو مجھے حکم فرما دیں کہ میں حضرت جدِ بزرگوار قدس سرہٗ کے مزار پر جو بیرونِ شہر واقع ہے گوشہ نشینی اختیار کروں تاکہ سجادہ نشینی قرۃ العین محمد معصوم کے حوالہ ہو" فقیر (ہاشم کشمی) نے یہ ماجرا مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں عرض کیا آپ بھی آبدیدہ ہوئے اور فرمایا "شاید اعزی مخدومی خواجہ محمد سعید سلّمہٗ مجھے اپنی خدمت کے لائق نہیں سمجھتے اور میں خود جب استقامتِ احوال و اطوار و احتیاطاتِ شرعیہ، اخلاقِ ملکیہ اور قوتِ علمیہ وغیرہ میں نظر کرتا ہوں تو خود کو ان کا کمترین مستفیض و تلمیذ

[1] حضرات القدس ص ۲۰۳ و ۲۰۴۔ [2] ایضاً ص ۲۰۲۔

پاتا ہوں اور اپنی سعادت ان کی خدمت میں دیکھتا ہوں۔" فقیر (ہاشم کشمی) نے یہ ماجرا خلوت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا آپ نہایت درجہ خوش ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا "تم نے ان دونوں برادرانِ خجستہ سیر کا انکسار و ایثار اور محبت و انصاف دیکھ لیا" اس کے بعد آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ [1]

۱۰۶۷ھ میں آپ مع اپنے بھائیوں اور احباب و رفقا کے حج بیت اللہ و زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور وہاں حق سبحانہ وتعالیٰ کے خصوصی انعامات اور اعلیٰ مقامات سے سرفراز ہوئے۔ وہاں کے حالات و واردات آپ کے فرزندِ پنجم حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے ایک رسالہ میں مفصل تحریر کئے ہیں۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ (مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں) آٹھ مرتبہ میں ان ظاہری آنکھوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ کشف و کرامات کا آپ کے مزاج میں بہت اخفا تھا مگر تاہم بحالتِ اضطراری ظاہر ہو جاتی تھیں۔ [2]

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ اشراقِ قلوب و کشفِ قبور میں کمال درجہ رکھتے تھے آپ کی بشارات آپ کے ارشاد کے عین مطابق ہوتی تھیں چنانچہ مرحوم وزیر خاں کی زوجہ نے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ میرے بارے میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو لڑکا عنایت فرمائے۔ آپ نے توجہ کی اور جواب میں لکھا کہ اطمینان رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تم کو لڑکا عطا فرمائے گا۔ جب اس کی مدت حمل پوری ہو گئی اور لڑکا پیدا ہوا تو وزیر خاں لاہور سے خبرِ ولادت و نذرانہ لیکر حاضرِ خدمت ہوا۔ [3]

صاحب حضرات القدس مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ (حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ) کا خادم پان کا ایک بیڑا ڈھاک کے پتے میں لپٹا ہوا لیکر حاضر ہوا، آپ نے پان نکال کر کھا لیا اور اس ڈھاک کے پتے کو پان کے بیڑے کی طرح لپیٹ کر مجھ کو عنایت فرمایا۔ میں نے دیکھا تو خالی تھا، آپ کے برادرِ خورد خواجہ محمد یحییٰ بیٹھے تھے دیکھ کر مسکرانے لگے میں شرمندہ ہوا اور دفع ندامت کے لئے میں نے اس کو فوراً اپنی

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۱۳ - [2] حالات مشائخ نقشبندیہ ص ۲۰۹ - [3] حضرات القدس ص ۲۲۹

پگڑی میں چھپا کر رکھ لیا تاکہ حاضرین اس بات سے آگاہ نہ ہوں۔ جب میں اپنے گھر واپس آیا اور گرمی کی وجہ سے میں نے اپنی پگڑی اتاری تو خیال آیا کہ اس پتے کو پھینک دوں دیکھا تو وہ پان کا بیڑا مصالحے سے پر تھا۔ آپ کے اس تصرف سے مجھے حیرت ہوئی اور وہ آپ کی کرامت کا پان میں نے کھا لیا۔ ۱؎

صاحبِ حضرات القدس اپنا ایک اور واقعہ تحریر فرماتے ہیں "فقیر ایک کام کے لئے شاہی لشکر میں گیا ہوا تھا، کارروائی میں رکاوٹ ہوئی، دیوان نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور نہایت سختی سے پیش آیا۔ میں حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ کی طرف رجوع ہوا۔ اسی رنج و پریشانی کی حالت میں خواب دیکھا کہ میں ایک قصر بلند اور ایوانِ رفیع میں ہوں اور ایک حسین عورت مجھ سے مذاق و دل لگی کر رہی ہے آخر کار وہ مجھ پر غالب آ گئی اور دشمنی سے میرے سینے پر چڑھ بیٹھی اور قریب تھا کہ میرا گلا گھونٹ کر مجھ کو ہلاک کر دے، اسی اثنا میں حضرت خواجہ محمد سعیدؒ حسبِ عادت عصا لئے ہوئے باوجاہت نمودار ہوئے آپ کو دیکھتے ہی وہ عورت فرار ہو گئی۔ صبح کو مجھے خیال آیا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ حضرت نے مجھ کو دیوان کے شر سے نجات دلائی ہے۔ چنانچہ میں دیوان کے پاس گیا تو وہ اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور کہا کہ خواب میں خواجہ محمد سعیدؒ نے تمہاری سفارش کی اس وجہ سے ہم تمہارا کام کر دیتے ہیں"۔ ۲؎ آپ کے خوارق و کرامات کے تذکرے کتابوں میں بکثرت درج ہیں لیکن بنظرِ اختصار انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس خاندان کے بہت معتقد و مرید تھے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی خدمت میں دہلی تشریف لانے کی درخواست کی۔ حضرت بھی ان کے اخلاص کی وجہ سے تشریف لے گئے اور بہت دنوں تک وہاں مقیم رہے کچھ عرصہ بعد آپ کو ایک مرض لاحق ہوا شاہی اطبا نے ہر چند علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا حتیٰ کہ زیست کی امید نہ رہی تو آپ نے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ راستہ میں سنبھالکہ کے مقام پر ۲۷ رجمادی الاخری ۱۰۷۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ بالآخر آپ کا جنازہ سرہند شریف لایا گیا اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبہ حضرت خواجہ محمد صادقؒ میں دفن کیا گیا۔ ۳؎

۱؎ حضرات القدس ص ۲۴۶ - ۲؎ ایضاً ص ۲۴۷ - ۳؎ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۱۱

آپ کے فرزند چہارم شیخ سعد الدینؒ سے منقول ہے کہ میں پالکی میں حضرت کے جنازہ کے ہمراہ تھا اور حالتِ بیقراری میں اُٹھ اُٹھ کر حضرت کی نعشِ مبارک کو چھوتا تھا ایک بار شب کو دیکھا کہ صرف چادر ہی چادر ہے اور جسمِ مبارک نہیں ہے۔ اس ماجرے سے نہایت اضطراب و سراسیمگی ہوئی اور حضرت کی جانب رجوع ہو کر عرض کیا کہ مجھ کو یقین ہے کہ آپ کا جسم مبارک بہشت میں گیا لیکن اس امر سے مجھ کو نہایت ندامت و شرمندگی ہوگی پھر جو چادر میں دیکھا تو جسم موجود تھا۔[1]

نقل ہے کہ جب آپ کا جنازہ سرہند شریف پہنچا تو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے حکم دیا کہ ان کو بھی اسی (خواجہ محمد صادقؒ کے) گنبد میں دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اب یہاں اور قبر کی گنجائش نہیں۔ آپ نے پھر بھی فرمایا کہ وہیں دفن کرو۔ لوگوں نے مجبوراً مشرقی سمت زمین پر کدال ماری تو روضۂ مبارک کی دیوار ہٹ گئی اور قبر کی جگہ نکل آئی۔[2]

حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی اولادِ امجاد میں آٹھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں تفصیل حسبِ ذیل ہے: (۱) شاہ عبداللہ۔ (۲) شاہ لطف اللہ (۳) مولوی فرخ شاہ (۴) شیخ سعد الدین (۵) شیخ عبدالاحد وحدتؔ المعروف بہ "شاہ گل" (۶) شیخ خلیل اللہ (۷) شیخ محمد یعقوب (۸) شیخ محمد تقی۔ اور صاحبزادیوں میں: بی بی فاطمہ۔ بی بی صالحہ۔ بی بی شاکرہ۔ شرف النساء بیگم۔ فخر النساء بیگم۔[3]

حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کی تصنیفات میں سو عدد مکتوبات شریفہ کا ایک دفتر ہے جو دریائے گوہر حقائق و جواہر معارف ہیں۔ غالباً پہلی مرتبہ حکیم عبدالمجید سیفی مجددی نقشبندی نے لاہور سے ۱۳۸۵ھ میں شائع کیا تھا۔[4] نیز آپ کا ایک رسالہ نماز میں بوقت تشہد عدم رفع سبابہ کی تحقیق میں بھی ہے جس میں عدم رفع سبابہ کا اولیٰ ہونا ثابت کیا ہے۔[5] یہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

---

[1] حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۱۱ و روضۃ القیومیہ ص ۲۹۲۔ [2] روضۃ القیومیہ ص ۱۹۱ و ۱۹۲
[3] روضۃ القیومیہ ص ۲۹۳۔ [4] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۶۔ [5] زبدۃ المقامات ص ۳۱۰۔

(۳)
حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تیسرے فرزند ہیں.
بہت بڑے عالم، خدوخال ہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے، قدر و منزلت ہیں حضرتؒ کے ساتھ سب سے زیادہ قریب، سیرت ہیں سب سے زیادہ حضرتؒ کے متبع، معارف میں حضرتؒ کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے، لوگوں ہیں سب سے زیادہ شہرت والے اور ان کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے تھے۔[1]

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ ماہ شوال المکرم ۱۰۰۷ھ کو ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ولادت محمد معصومؒ ہمارے لئے نہایت مبارک واقع ہوئی کہ ہم ان کے تولد ہونے کے چند ماہ بعد حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہٗ) کی شرف صحبت سے سرفراز ہوئے اور وہاں دیکھا جو کچھ دیکھا۔[2]

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ بچپن ہیں عام بچوں کی طرح نہیں رویا کرتے تھے اور بول و براز کا کپڑوں پر کہیں نشان نہ ہوتا تھا، اگر اتفاقاً ننگے ہوجاتے تو فوراً اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے، آپ دایہ سے کبھی دودھ نہ مانگتے وہ خود ہی آپ کے دہن مبارک ہیں پستان رکھتی تو آپ دودھ پی لیتے۔ ماہِ رمضان ہیں دن کے وقت ہرگز ہرگز دودھ نہ پیتے تھے ہر چند دایہ دودھ پلانا چاہتی لیکن آپ منہ پھیر لیتے، نماز مغرب کے بعد پیٹ بھر کر دودھ پیا کرتے ایک دفعہ ماہِ رمضان المبارک کے چاند کے متعلق لوگوں کو شبہ ہوا کہ نکلا ہے یا نہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دریافت کرو کہ آج محمد معصوم نے دودھ پیا ہے یا نہیں، معلوم ہوا کہ نہیں پیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آج سے ماہ رمضان المبارک شروع ہے۔[3]

آپ کی مدح و تعریف و علوِ استعداد کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا" وہ محمدی المشرب ہیں۔" ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں" اپنے فرزند محمد معصوم کے

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۰۷۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۳۱۵ و تذکرہ امام ربانی ص ۳۱۶۔ [3] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص ۳

متعلق کیا لکھوں وہ خود اس دولت یعنی ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی استعداد رکھتے ہیں۔" نیز فرماتے ہیں "یہ اس کی علوِ استعداد کا تقاضا تھا کہ تین سال کی عمر ہی میں اس نے جامعیتِ استعداد و حقیقتِ تجلّیٔ ذاتی اور توحید میں لب کشائی کی اور کہنے لگا میں آسمان ہوں زمین ہوں اور میں فلاں ہوں اور فلاں ہوں ؎

چوں زلیخا کز سپند آں تا بعود نام جملہ چیز یوسف کردہ بود

(جیسا کہ زلیخا نے ہر چھوٹی بڑی چیز کا نام یوسفؑ کر دیا تھا۔)

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "اس راہ میں فیضانِ الٰہی کے انوار حاصل ہونے میں پیر و جوان، عورت مرد اور بچے سب برابر ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اسی استعداد کی بلندی اور رشد و ہدایت کے آثار مشاہدہ فرمانے کی وجہ سے جو کہ بچپن کے زمانہ میں آپ سے مشاہدہ فرماتے تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی نظرِ عنایت ان کے شاملِ حال رہتی تھی اور آپ ان مخفی کمالات کے ظہور کے منتظر رہتے تھے جو کہ اس استعدادِ تامہ میں ودیعت تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ علم مبدءِ حال ہے اس لئے اس کے حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اسی وجہ سے علوم معقول و منقول کو حاصل کرنے کی بھی رہنمائی فرماتے اور کتبِ دقیقہ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق پڑھنے کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے "بیٹا ان علوم کی تحصیل سے جلد از جلد فارغ ہو جاؤ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔[1]

آپ نے بعض کتبِ درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ سے اور اکثر کتابیں اپنے والد ماجد اور مولانا شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں، تین ماہ میں قرآن شریف حفظ کیا، اپنے والد ماجد سے طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو مقاماتِ عالیۂ قیومیہ کی بشارت دی۔[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مبارک توجہ کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۶ سال کی عمر میں تحصیلِ علوم سے فارغ ہو گئے تھے، اگرچہ تحصیلِ علوم کے زمانے میں بھی تحصیلِ حال میں سرگرم تھے لیکن جب تحصیلِ علوم سے فارغ ہوئے تو ہمہ تن اس طرف متوجہ

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۱۶۔ [2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۰۷

ہو گئے اور اپنے والد ماجد کی عنایت و توجہ کی بنا پر احوال و اسرار خاصہ سے کامل حصہ حاصل کیا۔ چنانچہ ایک روز آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایک نور دیکھتا ہوں جس سے تمام عالم منور ہے اور وہ نور ذراتِ عالم میں سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح آفتاب کہ اگر غروب ہو جائے تو تمام عالم ظلمانی ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا "کہ تم اپنے وقت کے قطب ہو گے میری اس بات کو یاد رکھنا۔ والحمد للہ کثیراً کثیراً[1]

صاحبِ زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے یہ فرماتے سنا ہے کہ "محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا اس طرح پر ہے جیسا کہ صاحبِ شرح وقایہ کا اپنے دادا سے ان کی تالیف وقایہ کا حفظ کرنا"۔ چنانچہ انھوں نے کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ "وقایہ جس طرح سبقاً سبقاً میرے جدِ امجد تالیف کرتے جاتے ہیں میں بھی اسے سبقاً سبقاً یاد کرتا جاتا، چنانچہ جب یہ تالیف مکمل ہوئی تو تمام کی تمام میرے ذہن میں بھی محفوظ تھی"[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں آپ کے اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"ایسا معلوم ہوا کہ جو خلعت میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے جدا کی گئی ہے اور اس کی بجائے دوسری خلعت مجھے پہنائی گئی ہے دل میں خیال آیا کہ دیکھئے یہ میری اتاری ہوئی خلعت کسی کو ملتی ہے یا نہیں مجھے یہ آرزو ہوئی کہ یہ میری اتاری ہوئی خلعت میرے فرزند محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحہ کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے، یہ میری اتاری ہوئی خلعت منصبِ قیومیت سے مراد ہے جو تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اس خلعتِ جدیدہ کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا اور اتر جانے کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرزند محمد سعید کو عطا فرمائے گا"[3]

---

[2] زبدۃ المقامات ص ۳۱۷ - [3] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۰۴۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے تین ماہ میں قرآن مجید حفظ فرمالیا تھا اور ہمیشہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں تراویح کے اندر ایک ختم قرآن خود پڑھتے اور دو ختم دوسرے حافظوں سے سنتے تھے۔ لوگ اطراف واکناف شہروں اور دیہاتوں سے دور دراز کی راہ طے کرکے آپ کا کلام مجید سننے کے لئے اور آپ کی مجلسِ بہشت آئین میں شریک ہونے کے لئے مور و ملخ کی طرح جمع ہوجاتے، مسجد باوجود وسعت کے حاضرین کیلئے ناکافی ہوتی تھی اس لئے بعض حضرات روزہ کے افطار سے قبل ہی آجاتے تھے۔[۱]

۲۷ ذی الحجہ ۱۰۲۱ھ کو آپ کا عقدِ مبارک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ میر صفر احمد رومی علیہ الرحمہ کی دوسری صاحبزادی بی بی رقیہ سے ہوا اور آپ کی تمام اولاد انہی خاتون کے بطن سے ہے۔[۲]

۱۰۳۴ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد بروز پنجشنبہ بوقت اشراق یکم ربیع الاول ۱۰۳۴ھ کو آپ ارشاد و قیومیت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس روز پچاس ہزار افراد نے آپ سے بیعت کی جن میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تقریباً دو ہزار خلفاء بھی شامل ہیں، اکثر والیانِ ملک نے بھی تجدید بیعت کے لئے آپ کی خدمت میں عریضہ ارسال کئے[۳]

خود جہانگیر بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصال کی خبر سن کر تعزیت کے لئے سرہند شریف آیا تھا

اسی سال بروزِ جمعہ، رمضان المبارک ۱۰۳۴ہجری کو حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانیؒ[۴] کی ولادت باسعادت ہوئی۔

بروز یکشنبہ بوقت چاشت ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ مطابق نومبر ۱۶۲۷ء کو شہنشاہ جہانگیر کا لاہور میں انتقال ہوا اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے جہانگیر کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اس کی مغفرت کی خوشخبری دی۔ جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہاں تخت نشین ہوا اور دوبارہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے بیعت ہوکر بعض بدعتیں جو شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ میں رہ گئی تھیں وہ سب دور کیں، سکے پر کلمۂ طیبہ کی مہر جاری کی، تین لاکھ مساجد اور ایک لاکھ مدرسے تعمیر کرائے، جا بجا علماء و فقراء کے وظائف مقرر کئے اور دینِ اسلام کی ترویج میں بہت کوشش کی۔[۵]

۱؎ حضرات القدس ص ۲۳/۲۲ ۲؎ جواہر معصومیہ ص۱۴ ۳؎ ایضاً ص۲ ۴؎ روضۃ القیومیہ رکن دوم ص۱۱ ۵؎ ایضاً ص۱۷، ۱۸

سنہ ۱۰۳۴ھ میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی والدۂ ماجدہ یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اہلیۂ محترمہ کا وصال ہوا اور آپ کے قبۂ مبارک سے سات ہاتھ مغرب کی طرف دفن ہوئیں، حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو اپنی والدۂ ماجدہ کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا حتی کہ چند یوم مریدوں کو توجہ بھی نہ دی۔ انہی دنوں آپ کے خسر میر صفر احمد رومیؒ کا بھی انتقال ہوگیا [1]

سنہ ۱۰۳۷ھ میں شہزادہ اورنگ زیبؒ عالمگیرؒ حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت ہوا اور سنہ ۱۰۳۸ھ میں عالمگیرؒ کی بہن روشن آرا بیعت ہوئی نیز خاندانِ شاہی کے دیگر افراد بھی آپ سے بیعت ہوئے [2] چنانچہ حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک مکتوب میں بڑی مسرت کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتے ہیں:۔

"بادشاہ (اورنگ زیبؒ) دین پناہ را در خدمتِ حضرتِ خلاص بنوعِ دیگر است از ذکرِ لطائف و ذکرِ سلطانی گذشتہ بہ ذکرِ نفی و اثبات مقید است و ظاہر می سازد کہ بعضے اوقات خطرہ مطلقاً نمی آید و گاہے کمی آید استقرار می گردد این راہ خیلے محفوظ است و می گوید کہ پیش از این من از ہجوم خواطرِ دل تنگ بودم و شکر این نعمت بجا می آرد" [3]

سنہ ۱۰۶۷ھ میں آپ مع اپنے دونوں بھائیوں خواجہ محمد سعید خازن رحمتؒ اور شیخ محمد یحییٰؒ اور کئی ہزار مریدوں کے ہمراہ حج بیت اللہ شریف زاد اللہ شرفہا کیلئے تشریف لے گئے۔ آپ کے

ع حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ مغل فرمانرواؤں میں ایک عظیم فرمانروا تھے، آپ شاہجہاں بادشاہ کے تیسرے فرزند تھے۔ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰۲۷ھ مطابق ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۶۱۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے عالمِ شہزادگی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے یکم ذیقعدہ سنہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۳۱ جولائی سنہ ۱۶۵۸ء کو تختِ حکومت پر متمکن ہوئے اور پچاس سال تین ماہ حکومت کے فرائض انجام دے کر اکیانوے سال کی عمر میں بروز جمعہ ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۰ فروری سنہ ۱۷۰۷ء میں واصل برحمتِ حق ہوئے خلد آباد (دکن) میں مزار پُرانوار ہے۔ آپ کے زمانے میں سلطنتِ مغلیہ کو سب سے زیادہ وسعت نصیب ہوئی۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کی شیعہ ریاستیں سلطنتِ مغلیہ میں شامل کرلی گئیں، مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دیا گیا لیکن آپ کے دورِ حکومت میں سکھوں اور مرہٹوں نے جو طاقت حاصل کرلی تھی وہ آپ کے انتقال کے بعد پھر ابھری اور سلطنتِ مغلیہ کے لئے ناسور بن گئی۔ عالمگیرؒ نہایت زاہد اور درویش صفت بادشاہ تھے۔ قرآن مجید کی کتابت اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، دو نسخے خود لکھ کر اور نہایت قیمتی جلدیں بندھوا کر حرمین شریفین کو بھجوائے تھے علمی قابلیت اس درجہ تھی کہ رقعاتِ عالمگیری جو آپ کے خطوط کا مجموعہ ہے فارسی طرزِ انشا کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے، آپ کے زمانے میں بعض شرعی احکام نافذ کئے گئے۔ فتاویٰ عالمگیری جیسی عظیم کتاب آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

[1] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص: ۲۵ و ۲۶ [2] جواہر معصومیہ ص ۳۷ [3] مکتوبات سیفیہ مکتوب ۲

روانہ ہوتے ہی ہندوستان میں اکثر جگہ فتنہ و فساد برپا ہو گیا، دارالشکوہ کی بدعنوانیوں کی وجہ سے سلطنت میں ضعف آگیا اور بدعت نے پھر اپنے پنجے نکالنے شروع کر دیئے۔ ادھر ملک میں وبائی بیماری ایسی پھیلی کہ جس سے روزانہ ہزارہا آدمی مرنے لگے۔ [1]

شعبان ۱۰۶۸ھ کو آپ مع اپنے بھائیوں اور رفقاء یمن کی بندرگاہ مخہ پر جہاز سے اُترے تو عرب و یمن کے بڑے بڑے امراء و رؤسا آپ کے استقبال کے لئے آئے اور آپ کے وہ خلفاء جو اُن علاقوں میں قیام پذیر تھے حاضر خدمت ہوئے خصوصاً شیخ مرادؒ جن کو آپ نے خلافت سے سرفراز فرما کر ملکِ شام میں بھیجا تھا اپنے جملہ مریدوں کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، تمام سفر میں ہر وقت عقیدتمندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا اور بکثرت۔ لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ [2]

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جب مخہ سے حرم محترم کی جانب متوجہ ہوئے تو فرماتے تھے کہ تمام جنگل بیابان اور اس کے تمام نشیب و فراز انوارِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مستغرق ہیں اور ان جگہوں کی تمام اشیاء ان انوارِ کریمہ میں گم ہیں اور میں خود کو بھی اسی بحرِ انوار میں مستغرق پاتا ہوں۔ جب حضرت موصوف ۲۳ شعبان بشب جمعہ اونٹ پر سوار ہوئے تو مخدوم زادہ والا گوہر مروج الشریعۃ حضرت خواجہ محمد عبید اللہ قدس سرہٗ اس شتر کی ایک جانب سوار تھے اسوقت حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کعبۂ حسنہ کے انوار آجکل بہت ظاہر ہوتے ہیں اور جب سے جہاز پر سوار ہوئے ہیں اس وقت سے اب تک برابر ظاہر ہو رہے ہیں اور آج تو دوسرے دنوں کی نسبت زیادہ ظاہر ہو رہے ہیں معلوم ہو رہا ہے کہ کعبۂ معظمہ اپنے مکان شریف سے منتقل ہو گیا ہے، ایک ساعت کے بعد مشاہدہ ہوا کہ میری جانب آیا ہے اور ایک دراز قد سفید رنگ کی عورت کی شکل میں متمثل ہو کر بشاشت کے ساتھ مسکراتے ہوئے سرخ لباس پہنے ہوئے ظاہر ہوا ہے جس پر بہت سے انوار چمک رہے ہیں اور وہ انوار مغرب کی نماز میں بھی ظاہر ہو رہے تھے بلکہ یہ بات کرتے وقت تک بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔

جب حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے ایام تشریق میں منیٰ میں قیام فرمایا اور گیارہویں ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو فرمایا کہ جب میں طوافِ زیارت سے

---

[1] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص ۸۸ [2] ایضاً ص ۹۲ و ۹۳

فارغ ہوا تو مشاہدہ ہوا کہ حج کی قبولیت واجر وثواب کا پروانہ سجل کر کے مجھے عنایت کیا گیا، اگرچہ رمی جمرات ابھی باقی تھی لیکن ارکان کی ادائیگی کے بعد گویا حج پورا ہو گیا تھا۔

مکہ معظمہ کے دوران قیام میں حضرت موصوف اکثر طواف میں مشغول رہا کرتے تھے اور ان ایام میں اس عبادت کو سب سے افضل جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ امور عجیبہ وغریبہ مشاہدہ ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعبۂ معظمہ مجھ سے معانقہ کرتا ہے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ تقبیل واستلام واقع ہوتا ہے۔

حج سے فارغ ہو کر ماہِ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ کو مسجد نبوی میں اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ دو روز اور ایک شب اعتکاف کی اجازت ہوئی جب نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے اور حسبِ معمول تمام زائرینِ مسجدِ نبوی سے باہر چلے گئے تو آپ کو خلوتِ خاص حاصل ہوئی آپ مواجہہ شریفہ میں جا کر روبروئے مدینہ مراقبہ میں مشغول ہو گئے فرمایا کہ حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کمال بندہ نوازی اور نہایت کرم سے حجرۂ خاص اور پردۂ مخصوص سے باہر تشریف لائے اور مجھ پر نزول فرمایا اور مجھ کو آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر شرف حاصل ہوا کہ کسی چیز میں اس کی مثل ظاہر نہ ہوا تھا۔ اور اسی طرح آپ آخر شب میں تہجد کے وقت آکر بھی مراقبہ میں بیٹھ گئے اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقصورۂ منورہ سے باہر تشریف لائے ہیں اور نہایت لطف وعنایت سے اس کمترین کو بغلگیر فرمایا اور اس فقیر کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ ایک الحاقِ خاص حاصل ہو گیا والحمد للہ علی ذالک۔

شبِ شنبہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۰۶۸ھ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے نمازِ عشاء کے فارغ ہو کر خلوت میں مخدوم زادگان سے فرمایا کہ شب گذشتہ سے جو کہ شب جمعہ تھی ظہورِ اسرار ونلاطمِ امواجِ انوار کے مقدمات پاتا ہوں۔ آج مجھ پر وہ اسرار فائض ہوئے ہیں کہ اشارہ میں بھی ان کو بیان نہیں کر سکتا اگر ان میں سے کوئی چیز ظاہر کی جائے تو حلقوم کاٹ دیا جائے.....

ہاں اگر ان مقدمات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جائے تو گنجائش ہے۔

حضرات مخدوم زادگان عالی درجات قدس سرہم نقل کرتے ہیں کہ بروز دوشنبہ ۱۰ جمادی الآخر جب حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ مدینۂ منورہ سے رخصت ہونے لگے تو الوداعی زیارت

رخصت کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ فرماتے تھے کہ نماز ظہر میں محراب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تھا کہ جدائی کے رنج والم کی وجہ سے مجھ پر گریہ غالب ہو گیا۔ میں اسی غم و اندوہ میں تھا کہ حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم بکمال عظمت وشان مقصورۂ شریفہ و روضۂ مطہرہ کی جانب سے ظاہر ہوئے اور مجھ پر نزول فرمایا اور نہایت کرم سے سلاطین کے تاج کی مانند ایک خلعت تاج بکمال علو و رفعت کہ کبھی اس کے مثل دیکھنے میں نہ آیا تھا اس حقیر کو پہنایا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس تاج پر ایک شہپر کا طرہ ہے کہ جس پر ایک لعل جڑا ہوا ہے اور ایسا مستفاد ہوتا تھا کہ یہ ایک خلعت خاصہ ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے اتری ہے دوسری خلعتوں کی مانند نہیں ہے اس کے بعد اپنے فرزندوں کے لئے جو کہ اس سفر میں تھے اور اس وقت میرے ساتھ حاضر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول خلعت کے لئے التجا و تضرع زاری کی۔ بکمال بندہ نوازی ان میں سے ہر ایک کو متعدد خلعتیں مرحمت ہوئیں اس کے بعد مواجہ شریفہ میں جا کر یہی معاملہ مشاہدہ کیا۔ فرماتے تھے کہ ان دونوں مقام یعنی محراب نبوی و مواجہ شریفہ میں ایک دوست میرے پہلو میں حصول رخصت کے لئے کھڑا تھا میں نے اس کے لئے تضرع و التجا کی کہ اس کو بھی خلعت مرحمت ہو جائے قبول نہ ہوئی تو میں نے مزید بہت تضرع کی تو مشاہدہ ہوا کہ خلعت کی قسم کی کوئی چیز اس کو بھی عنایت ہوئی چنانچہ اس وقت اس کی دستار پر ممتاز معلوم ہوتی تھی

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو وجع المفاصل کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ ایک روز شدت مرض میں فرمایا کہ حضرات عالیات زہرا بتول و صدیقہ حبیبہ رضی اللہ عنہما نے تشریف فرما کر نہایت مہربانی فرمائی۔ جب مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں کے فیوض و برکات سے بہت مستفیض ہوئے فرمایا کہ جب ہم مقام ابراہیم کے پیچھے دوگانۂ طواف ادا کر رہے تھے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ظاہر ہوئے اور اسرار خلت کا اظہار فرمایا۔ میں نے مقام ابراہیم کو ان اسرار سے پر پایا اور اس مرتبہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کا موقع بھی ملا۔ یہ داخلہ الوداعی تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم میں اپنے حق میں دیکھتا ہوں اور مجھے ایک نہایت فاخرہ جواہرات جڑی ہوئی خلعت عطا ہوئی ہے معلوم ہوا کہ یہ خلعت الوداعی ہے بعد ازاں آپ کے بھائیوں اور فرزندوں کو بھی خلعت فاخرہ پہنائی گئی [1]

(حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ مع رفقاء ۱۰۶۷ھ میں سفرِ حج کے لیے روانہ ہوئے پہلا حج ۱۰۶۸ھ میں اور دوسرا ۱۰۶۹ھ میں ادا کیا اور ۱۰۶۹ھ میں وطنِ مالوف تشریف لے آئے [1]

اس دوران میں ہندوستان کے اندر خانہ جنگیاں ہوتی رہیں، دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ میں جنگ ہوئی بالآخر اورنگ عالمگیر علیہ الرحمہ کامیاب ہوئے اور ہندوستان کے شہنشاہ ہو گئے۔ چنانچہ جب شہنشاہ عالمگیرؒ کو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حکم دیا کہ ہندوستان کے تمام علماء و مشائخ اور امراء وغیرہ سب آپ کا استقبال کریں اور ہر جگہ استقبال و ضیافت کے لوازمات کما حقہ مہیا کئے جائیں۔ آپ کی تشریف آوری سے ہر جگہ کے عوام و خواص خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے [2]

وطن واپس پہنچ کر اکثر تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ شریف و ہدایہ عضدی اور تلویح پڑھانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ طالبوں کے احوال کی دریافت اور ان کی ترقیٔ منازلِ سلوک اور وصولِ مدارجِ قصویٰ میں مصروف رہنا آپ کا پسندیدہ طریقہ تھا، سالکوں کی تربیت اور بطریقِ سنت ان کی تکمیل پر آپ کا عمل درآمد تھا۔ خدا کے سچے طالبوں کے حال پر آپ کی بلند توجہ بہت مصروف اور آپ کی ہمتِ عالی ان کی ترقی میں بے حد مبذول رہتی تھی۔ آپ ان کے احوالِ حاصلہ و آئندہ سے اطلاع دیتے اور ان کے مقاماتِ عروج بیان فرماتے تھے۔ اکثر اہلِ نسبت آپ کے ذریعہ سے احوالِ روشن و اسرارِ خفیہ کے مشرف ہوئے اور شرفِ خلافتِ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے ممتاز ہوئے ہیں [3]۔

شیخ مراد بن عبد اللہ القزانی نے "ذیل الرشحات" میں لکھا ہے کہ آپ رخواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ) اپنے والد ماجد کی مثل اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، آپ نے دنیا کو منور کیا، جہالت اور بدعات کی ظلمات آپ کی توجہاتِ عالیہ اور بلند حالات کی برکت سے دور ہوئیں، آپ کی صحبت سے ہزاروں بندگانِ خدا اسرارِ خفیہ سے واقف ہوئے اور بلند حالات سے متحقق ہو گئے۔ کہا گیا ہے کہ آپ

(سلسلہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ اقتباسات "حسنات الحرمین" فارسی قلمی نسخہ سے ترجمہ کر کے درج کئے گئے ہیں یہ رسالہ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے جو "یواقیت الحرمین" عربی رسالہ کا ترجمہ ہے جس کو عرب و ہند کے اکثر حضرات کی درخواست پر حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ عبید اللہؒ نے اپنے والد بزرگوارؒ کے دورانِ حج کے الہامات و مکاشفات کو زبانِ عربی مرتب کر کے یواقیت الحرمین نام رکھا پھر مولانا محمد شاکرؒ فرزند حضرت حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام حسنات الحرمین رکھا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] جواہر معصومیہ ص ۳۸ [2] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص ۱۱۵ [3] حضرت القدس ۲۲ ص ۳۱۷

نو لاکھ اشخاص نے بیعت کی اور آپ کے سات ہزار خلفا ہوئے ہیں، جن میں سے شیخ حبیب اللہ بخاریؒ خراسان اور ماوراء النہر کے بہت بڑے شیخ تھے، ان کے زمانے میں بخارا سنت کے نور سے منور ہوا، اور ان کے چار ہزار خلفاء صاحب اجازت ہوئے جو بہت بلند مرتبہ تھے لہ

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی تصانیف میں آپ کے مکاتیب شریفہ "مکتوبات معصومیہ" کے نام سے تین دفتروں میں موجود ہیں جو حقائق و معارف کا بہترین ذخیرہ ہے، ان میں بعض مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکاتیب کی شرح میں بھی ہیں، ان مکاتیب کے قلمی نسخے متعدد جگہ موجود ہیں۔ دفتر اول جس میں دو سو انتالیس ۲۳۹ مکتوبات ہیں غالباً پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا اور دفتر دوم بھی پہلی مرتبہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۰۶ء کو ظہور پریس لدھیانہ سے شائع ہوا جس میں ایک سو اٹھاون ۱۵۸ مکتوبات ہیں اور دفتر سوم بھی پہلی مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری کی محنت و کاوش سے ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوا جس میں دو سو پچپن ۲۵۵ مکاتیب ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا۔ تبرکاً چند کرامات درج ذیل ہیں:-

صاحب حضرات القدس تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ فقیر ایسا بیمار ہوا کہ زندگی سے نا امیدی ہو گئی حضرات ہر سہ مخدوم زادگان فقیر کے پاس تشریف لائے۔ چونکہ کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے خیال ہوا کہ آپ سے عرض کروں کہ میرے خاتمہ بخیر ہونے کیلئے دعا فرمائیں۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت خواجہ محمد سعیدؒ نے فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر بیمار فلاں دعا پڑھے تو اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس بارے میں دعا بھی فرمائیں۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے فرمایا ہم صحت کے لئے دعا کرتے ہیں پھر دعا فرمائی اور میں صحتیاب ہو گیا ۲ہ

نقل ہے کہ ایک روز آپ کو الہام ہوا کہ بارہ روز کے بعد دوپہر کو تیرا انتقال ہوگا، دوسرے روز الہام ہوا کہ گیارہ روز کے بعد دوپہر کو ہوگا، پھر تیسرے روز ہوا کہ دس روز کے بعد تیرا انتقال ہوگا غرضیکہ ہر روز ایک ایک دن گھٹتا جاتا تھا، جب ایک دن باقی رہ گیا تو آپ نے اپنے والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے اس الہام کا ذکر کیا اور خاتمہ بخیر ہونے کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تم کچھ فکر مت کرو، اس سے یہ مراد ہے کہ اس وقت تمہارا نزول کامل ہوگا چنانچہ

لہ نزہۃ الخواطر ج۵ ص ۔ ۲ہ حضرات القدس۔ دفتر دوم ص ۲۲۷

ایسا ہی ہوا کہ بارہویں روز دوپہر کو آپ کا نزول کامل ہوگیا۔[1]

نقل ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ایک خادم کے گھر پر چھ مہمان آئے اس کے گھر میں کچھ موجود نہ تھا کہ ان کی خاطر مدارات کرتا، آخر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور خاموشی سے بیٹھ گیا، اتنے میں کہیں سے آم آئے۔ حضرت کے ہاں معمول تھا کہ دس دس آم دیئے جاتے تھے چنانچہ حضرت نے اس شخص کو بلا کر اپنے ہاتھ سے دس آم دیئے اور فرمایا کہ یہ تمہارا حصہ ہے پھر دس آم اور دیئے اور فرمایا یہ تمہارے ایک مہمان کا حصہ ہے، پھر دس اور دیئے اور فرمایا کہ یہ تمہارے دوسرے مہمان کا حصہ ہے، غرضیکہ چھ مہمانوں کا حصہ اسی طرح دیا اور بعد ازاں چھ اشرفیاں جیب سے نکال کر دیں اور فرمایا کہ تم ہمارے فرزندوں کی طرح ہو جب بھی ضرورت ہوا کرے بے تکلف خانقاہ سے لے لیا کرو، انشاء اللہ یہ تنگی فراخی سے بدل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص بہت جلد مالدار ہوگیا۔[2]

نقل ہے کہ آنجنابؒ کا ایک مرید بیان کرتا ہے کہ میں حد درجے مفلس تھا حتیٰ کہ نانِ شبینہ کا محتاج ہوگیا تو میں نے اپنی حالت حضرتؒ سے عرض کی۔ آنجنابؒ نے پوچھا دنیاوی جمعیت چاہتے ہو یا دینی؟ میں نے عرض کیا دینی اور دنیاوی دونوں۔ مسکرا کر میرے حق میں دعا کی اور پھر خوشخبری دی کہ حق تعالیٰ نے تجھے دین و دنیا کی جمعیت عطا فرمائی ہے۔ ابھی ایک مہینہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ دنیاوی مال و دولت مل گیا اور امید ہے کہ آخرت میں بھی جمعیت حاصل ہوگی۔[3]

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے ایک عزیز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوا بہت علاج کرایا لیکن بے سود۔ اتفاقاً ایک شخص دوا لایا اور اس کی بڑی تعریف کی، جب وہ دوا میری آنکھ میں ڈالی گئی تو میں اندھا ہوگیا۔ چند روز اسی حالت میں رہا، انہی دنوں حضرت حج سے واپس تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال عرض کیا۔ آپ نے بہت افسوس کیا اور اپنا لعاب دہن میری آنکھوں میں لگا کر فرمایا کہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لو اور گھر جا کر کھولنا۔ حسب الحکم گھر جا کر آنکھیں کھولیں تو بالکل روشن تھیں۔[4]

---

[1] حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۳۷ [2] ایضاً ص ۲۳۷۔ [3] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص ۱۲۵
[4] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص ۱۲۵۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کا اس درجہ ادب و احترام کرتے تھے کہ جب حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ حسبِ معمول شام کے وقت پالکی میں بیٹھ کر تفریح کے لئے تشریف لے جاتے اور پالکی دولت سرائے معصومی کے سامنے سے گذرتی تو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ پالکی دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور جب تک پالکی نظر کے سامنے رہتی کھڑے رہتے۔ بارہا عرض کیا گیا کہ نہ آپ حضرت کو نظر آتے ہیں اور نہ حضرت آپ کو، پھر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ فرماتے دکھانا مقصود نہیں ہے ادب مقصود ہے۔

اسی طرح آپ کے مکان میں بیری کا درخت تھا اُس کے بیر پہلے حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ کو بھیجتے پھر خود کھاتے یا دوسروں کو کھلاتے [1]

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو عرصہ سے وجع المفاصل کی شکایت تھی۔ ۱۰۷۸ھ میں مرض کا بہت غلبہ ہو گیا اور اطبا لاچار ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اب دوا کی ضرورت نہیں لیکن محض بمقتضائے سنت دوا کی جائے تو مضائقہ نہیں۔ وفات سے قبل آپ نے کتاب و سنت کے پابند رہنے کی وصیت فرمائی۔ آپ آخری وقت میں سورۂ یٰسین تلاوت فرما رہے تھے کہ یکایک آپ نے السلام علیک یا نبی اللہ فرمایا اور واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا وصال دوپہر کے وقت بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو ہوا۔ وصال کے وقت آپ کے چہرۂ مبارک سے مسکراہٹ بہت نمایاں تھی۔ لوگوں نے آپ کے وصال کی بہت تاریخیں کہی ہیں، عالمگیرؒ بادشاہ نے تاریخِ وفات اس طرح کہی ہے "نورِ عالم رفت" "عالم تاریک باشد" [2]

جس وقت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، ہزارہا آدمی شریکِ جنازہ تھے۔ قصرِ معصومی سے شمال کی طرف نمازِ جنازہ ادا ہوئی۔ آپ کے فرزند سوم حضرت شیخ عبید اللہ مروج الشریعہ نے نماز پڑھائی اور قصرِ معصومی سے جنوب کی طرف آپ کو دفن کیا گیا، اور روشن آرا بیگم دخترِ شاہجہاں بادشاہ نے جو حضرت کی مریدہ تھی اپنے صرفہ سے روضۂ مقدسہ کی تعمیر کرائی اور ہر قسم کا سامانِ آرائش بہم پہنچایا [3]

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۳۳۱ [2] جواہر معصومیہ ص ۳۲ [3] ایضاً ص ۴۱ –

اس وقت روضہ شریف کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:
(۱) قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ۔ (۲) مروج الشریعہ خواجہ عبید اللہؒ فرزند دوم حضرت قیوم ثانیؒ۔ (۳) شیخ ابو یعلیٰ فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہؒ (۴) شیخ محمد اشرف، فرزند چہارم حضرت قیوم ثانیؒ۔ (۵) شیخ محمد صبغۃ اللہ فرزند اکبر حضرت قیوم ثانیؒ (۶) شیخ محمد ہادی فرزند اکبر شیخ عبید اللہ مروج الشریعہ۔ (۷) شیخ الاسلام فرزند محمد پارسا (۸) نور معصوم نبیرہ محمد پارسا۔

آخر الذکر تین قبریں پائینتی میں واقع ہیں۔ شیخ محمد پارساؒ کا گنبد روضۂ مبارکہ کے باہر ایک گوشہ میں ہے اور شیخ محمد صدیق کا گنبد روضۂ مبارک سے جانب شمال میں ہے [1]

آپ کی اولاد میں چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:
(۱) حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ۔ (۲) حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی حجۃ اللہ
(۳) حضرت شیخ محمد عبید اللہ مروج الشریعہ۔ (۴) حضرت شیخ محمد اشرف محبوب اللہ۔
(۵) حضرت خواجہ سیف الدین محی السنہ۔ (۶) حضرت شیخ محمد صدیق محبوب الٰہی۔
صاحبزادیوں میں (۱) امۃ اللہ۔ (۲) عائشہ۔ (۳) عارفہ۔ (۴) عاقلہ۔ (۵) صفیہ [2]

مکتوبات شریف میں آپ کے نام ستائیس (۲۷) مکتوب ہیں جن میں سے سولہ (۱۶) مکتوب صرف آپ کے نام ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔ دفتر اول ۲۹۴ - ۳۰۰ - ۳۰۲ - دفتر دوم ۶ - ۱۱ - ۴۲ - ۴۳ - دفتر سوم ۵۳ - ۶۲ - ۷۴ - ۷۶ - ۷۹ - ۸۰ - ۹۴ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - اور نو (۹) مکتوب حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم قدس سرہما کے نام مشترک ہیں جو حسب ذیل ہیں: دفتر دوم ۵۵ - ۹۸ - دفتر سوم ۲ - ۴۳ - ۶۴ - ۷۸ - ۸۲ - ۸۵ - ۱۰۴ - نیز دو مکتوب ۸۳ - ۱۰۶ دفتر سوم میں صرف یہ لکھا ہے "بزرگ صاحبزادوں کے نام" اور کسی کا نام درج نہیں ہے۔

[1] جواہر معصومیہ ص ۴۲ [2] ایضاً ص ۴۴

(۶،۵،۴)

حضرت خواجہ محمد فرخ، خواجہ محمد عیسٰی و خواجہ محمد اشرف علیہم الرحمہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے چوتھے فرزند خواجہ محمد فرخ اور پانچویں فرزند خواجہ خواجہ محمد عیسٰی تھے۔ صاحب زبدۃ المقامات خواجہ محمد عیسٰی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "محمد عیسٰی نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت آپ شکمِ مادر میں تھے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر حضرت عیسٰی علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا تمہارے گھر میں فرزند تولد ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا[۱]

خواجہ محمد عیسٰی جب چار برس کے ہوئے تو آپ سے کرامات کا ظہور ہونا شروع ہوا، حاملہ عورتیں آپ کی خدمت میں آتیں اور دریافت کرتیں کہ اس حمل میں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ آپ جیسا فرماتے ویسا ہی ظہور میں آتا۔ عورتیں دریافت کرتیں کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرماتے کہ میں ان کو پیٹ میں اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں[۲]

آپ کی کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ مولانا امان اللہ فقیہ اپنی شادی کے لئے سرہند سے چند منزل پر ایک گاؤں میں گئے، واپسی پر لوگوں نے بتایا کہ لڑکی والوں کو آپ کے نامرد ہونے کا شبہ ہے اس لئے لڑکی دینا نہیں چاہتے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے صاحبزادہ محمد عیسٰی کو طلب فرمایا اور واقعہ دریافت کیا۔ آپ نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں، مولانا کا نکاح ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند روز بعد آپ کا نکاح ہو گیا اور دلہن آگئی[۳]

نقل ہے کہ زمانہ وبا (طاعون) میں خواجہ محمد فرخ و محمد عیسٰی دونوں صاحبزادے بیمار ہوئے لوگوں نے مشورہ دیا کہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنا چاہئے تاکہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ خانقاہ شریف کے حجرہ میں محمد فرخ کو اور زنانہ مکان میں محمد عیسٰی کو رکھا گیا۔ اتفاقاً پہلے محمد عیسٰی کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کہا کہ محمد فرخ کو خبر نہ ہونی چاہئے۔ اتنے میں محمد فرخ نے از خود کہا "اے بھائی تم نے بیوفائی کی کہ ہم سے پہلے چلے گئے" مولانا عبد الحی جو اس وقت

[۱] زبدۃ المقامات ص ۳۲۴ [۲] حضرات القدس ص ۲۶۴ [۳] ایضاً ص ۲۶۵

ان کے پاس موجود تھے کہنے لگے "بابا تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ کہا کہ محمد عیسیٰ سے جو رحلت میں ہم سے سبقت کر گئے" مولانا نے کہا کہ محمد عیسیٰ تو مکان ہی میں ہیں تم کو ان کے انتقال کی کیفیت کیسے معلوم ہوئی؟ کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں"۔ اسی دن شام کو بتاریخ ۹، ربیع الاول ۱۰۲۵ھ محمد فرخ نے بھی انتقال کیا [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ خواجہ محمد فرخ و خواجہ محمد عیسیٰ کے متعلق اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"محمد فرخ کی نسبت کیا لکھا جائے گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خواں ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں دنیائے کمینی کو چھوڑ جائے تاکہ عذاب آخرت سے نجات ہو جائے مرضِ موت میں جو احباب اس کی بیمار پرسی کو آتے تھے بہت عجائب و غرائب حالات اس سے مشاہدہ کرتے تھے۔

اور محمد عیسیٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اس قدر خوارق و کرامات دیکھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ غرض قیمتی موتی تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد کئے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر و اکراہ امانت والوں کی امانت ادا کردی گئی۔ یا اللہ تو ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ کیجیو اور ان کے بعد فتنے میں نہ ڈالیو، بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" [2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے چھوٹے فرزند خواجہ محمد اشرف تھے جو شیر خوارگی کے زمانے ہی میں وفات پا گئے [3]

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۶۴ - [2] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۳۰۶ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۴۳

(۷) حضرت شاہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتویں فرزند ارجمند اور آخرین اولادِ امجاد سے ہیں آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کے وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر اس آیت کا الہام ہوا "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِنِ اسْمُهٗ يَحْيٰى" (ہم تجھے ایک یحییٰ نام لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں) آپ نے اس اشارہ کے بموجب آپ کا نام یحییٰ رکھا۔[۱] لیکن زبدۃ المقامات صفحہ ۳۲۶ میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو آپ کی ولادت سے پہلے الہام ہوا تھا کہ تمہارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارے نام کو زندہ رکھے گا جب آپ پیدا ہوئے تو اس بشارت کی مناسبت سے آپ کا نام یحییٰ ہوا۔[۲]

آپ قد و قامت، رفتار و گفتگو اور چشم و ابرو میں اپنے والد ماجد سے بہت شباہت رکھتے تھے۔[۳]

آپ ابھی کمسن ہی تھے کہ ایک روز حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور حضرت مجددؒ الف ثانی قدس سرہٗ سے فرمایا کہ ایک صاحبزادہ مجھ کو عنایت فرمائیں کہ ہمارے شغل دانا و دیوانہ رہے۔ اتفاقاً اس وقت شیخ محمد یحییٰ موجود تھے آپ نے فرمایا اسی کو لے لو۔ شاہ سکندرؒ[۳] نے اپنی نسبت ان کو القا کی اور فرمایا کہ آج سے اس مخدوم زادہ کو شاہ جیو کے نام سے پکارا کریں اس دن سے آپ کا لقب شاہ پڑ گیا۔[۴]

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد یحییٰؒ بچپن ہی سے عالی استعداد رکھتے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تربیت کی برکت سے آٹھ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اسی طفولیت کے زمانے میں تحصیلِ علم سے بھی آپ کو کامل محبتؒ رغبت تھی حتیٰ کہ بچپن ہی میں استاد کے ساتھ آپ کی نسبتِ رابطہ اس قدر مشاہدہ کی گئی کہ کسی

---

[۱] روضۃ القیومیہ ص ۳۱۰ و حضرات القدس ص ۲۶۲۔ [۲] زبدۃ المقامات ص ۳۲۶۔
[۳] حضرت شاہ سکندر قدس سرہٗ کا وصال ۱۰۲۳ھ میں ہوا اور خواجہ محمد یحییٰ کی ولادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ پھر یہ واقعہ کس طرح صحیح ہوا، شاید شاہ سکندر کی روح تشریف لائی ہو۔ [۴] روضۃ القیومیہ ص ۳۱۰۔ یہی واقعہ حضرات القدس ۲۶۳ پر موجود ہے اور زبدۃ المقامات ص ۳۲۵ پر بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ موجود ہے۔

طفل سے ایسا مشاہدہ نہیں کیا گیا اور نہ سنا گیا۔ چنانچہ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف سے واپس تشریف لائے تو خدام دو تین منزل آپ کے استقبال کیلئے گئے خواجہ محمد یحییٰ بھی ان کے ہمراہ گئے، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کسی وجہ سے تین چار روز بعد (اس مقام سے) سرہند شریف تشریف لیجائیں گے تو صاحبزادہ موصوف نے حضرتؒ سے سرہند جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا "اتنی جلدی جانے کا کیا سبب ہے شاید تمہیں ہماری یاد نہیں رہی ہے"۔ عرض کیا "ان چند روز میں میرے سبق کا حرج ہوگا اور میرا فلاں ساتھی مجھ سے آگے بڑھ جائے گا نیز مجھے اپنے استاد بھی یاد آتے ہیں"۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ صاحبزادہ کی یہ گفتگو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا ایسی طبیعت کیوں نہ ہو جبکہ یہ طبقۂ علما اور خاندانِ حفاظ و صلحا سے ہیں اور صاحبزادہ کو سرہند شریف جانے کی اجازت دیدی۔ [1]

اجمیر شریف میں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اپنی رحلت کے ایام قریب ہونے کی بابت معلوم ہوا تو ایک روز آپ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ محمد یحییٰ بھی اپنے بھائیوں کی طرح اس نسبت سے بہرہ ور ہو لیکن کیا کروں وہ ابھی بچہ ہے اور میرا زمانۂ رحلت نزدیک ہے" یہ فرمایا اور شفقت و محبت کے باعث آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ [2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں حضرت خواجہ محمد یحییٰ قرآن مجید تو حفظ کر ہی چکے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد اپنے بزرگ بھائیوں کی تربیت میں تحصیلِ علوم معقول و منقول کی بھی تکمیل فرمائی، اس کے بعد پندرہ سال کی عمر میں نہایت پابندی اور کامل توجہ و استحضار کے ساتھ کتبِ متداولہ کی درس و تدریس اور علوم کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے اور زہد و انقطاع، آزادی و بے تعلقی و ضبط اوقات، سنت سنیہ کے اوضاع و اطوار کی پابندی اور اس طریقۂ عالیہ کی رعایت کرنے میں پوری طرح دائم و قائم ہے جیسا کہ ان کی پیشانی مبارک پر نجابت اور نسبتِ معنویہ کی وراثت کے آثار اس امر کے شاہدِ عادل تھے۔ [3]

آپ کی مقبولیت کے دلائل میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی پوتی یعنی خواجۂ کلاں خواجہ عبید اللہ کی دختر نیک اختر آپ کے نکاح میں آئیں اس طرح

---

۱ و ۲ زبدۃ المقامات ص ۳۲۵ [illegible]

آپ معنوی نسبت کے باوجود ظاہری نسبت میں بھی خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔[۱]

آپ بھی اپنے بھائیوں کے ہمراہ ۱۰۴۶ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور وہاں کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔[۲]

حضرت خواجہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ نے اپنے والد ماجد و بھائیوں سے اشارۂ سبابہ فی التشہد کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے اشارہ سبابہ کا اولیٰ ہونا ثابت کیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے :۔

صاحب زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تشہد میں اشارۂ سبابہ نہیں کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگرچہ بعض احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایات فقہیہ سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن جب میں نے اس پر اچھی طرح تتبع کیا تو احوط و مفتیٰ بہ ترک اشارہ معلوم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے اسے حرام و مکروہ کہا ہے اور جب کوئی امر حلت و حرمت کے درمیان ہو تو ترک اولیٰ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں احناف کا عمل اصل و ظاہر الروایات پر ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواز اصل میں ذکر نہیں کیا بلکہ نوادر میں ذکر کیا ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دفتر اول کے مکتوب ۳۱۲ میں اس مسئلہ کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے۔ تاہم آپ نے بعض نوافل میں احتیاطاً بوجہ احتمالِ سنت اشارۂ سبابہ پر عمل بھی کیا ہے"[۳]

اسی طرح حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کے متعلق مولانا بدر الدین سرہندی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :

"آپ نے ایک رسالہ تشہد میں رفع سبابہ کی ممانعت کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے"[۴]

اور زبدۃ المقامات صفحہ ۳۱۰ پر ہے :۔

"رفع سبابہ کے متعلق بھی حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے احناف کے مختار مذہب کے مطابق ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا مقصد یہ ہے کہ عدم رفع سبابہ کا اولیٰ ہونا ثابت ہو جائے جب یہ رسالہ رفعِ سبابہ ثابت کرنے والے علماء کی خدمت میں پہنچا تو وہ جواب دینے میں حیرت زدہ رہ گئے۔"

---

[۱] زبدۃ المقامات ص ۳۲۵ و ۳۲۶ - [۲] ایضاً

[۳] زبدۃ المقامات ص ۲۰۹ - [۴] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۰۱ -

لیکن حضرت خواجہ محمد یحییٰ علیہ الرحمہ اس بارے میں اپنے والد ماجد اور برادرانِ مکرم سے اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ صاحب نزھۃ الخواطر تحریر فرماتے ہیں :۔

"شیخ محسن بن یحییٰ الترھتی "الیانع الجنی" میں تحریر فرماتے ہیں" خواجہ محمد یحییٰ وہ شخص ہے جس نے اشارۂ سبابہ کے مسئلہ میں اُن کی مخالفت کی ہے" اھ یعنی یہ کہ انھوں نے نماز میں تشہد کے اندر اشارۂ سبابہ کے مسئلہ میں اپنے والد ماجد اور بھائیوں کی مخالفت کی ہے آپ کی چند تصنیفات ہیں"۔[1]

اشارۂ سبابہ فی التشہد کے بارے میں سلسلۂ مجددیہ کے بعض حضرات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی اور صاحبزادگان کی تحریراتِ گرامی کے پیش نظر عدم رفعِ سبابہ کو اولیٰ قرار دیتے ہوئے ترکِ اشارہ پر عمل کرتے ہیں اور بعض حضرات جمہور فقہائے اہلِ سنت کے اس فیصلہ پر عمل کرتے ہیں کہ اشارۂ سبابہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور یہی اولیٰ و مفتیٰ بہ ہے اگرچہ طریقۂ اشارہ میں اختلاف کافی ہے لیکن نفسِ اشارۂ سبابہ جمہور کے نزدیک مسلم ہے اور تمام اہلِ سنت وجماعت کا اس پر قرونِ اولیٰ سے عمل چلا آرہا ہے اس سلسلہ میں ہم سلسلۂ مجددیہ کے کامل ترین بزرگ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ العزیز کی تحریر درج کرتے ہیں تاکہ مجددیہ سلسلہ کے حضرات کیلئے بھی اس مسئلہ کے بارے میں عمل کی ایک راہ متعین ہوسکے جو جمہور اہلِ سنت سلف وخلف کے مسلک کے بھی مطابق ہے اور جیسا کہ حضرت میرزا صاحب موصوفؒ نے تحریر فرمایا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مسلکِ صحیح کے بھی خلاف نہیں کہی جاسکے گی، کیونکہ ان کے صاحبزادۂ اصغر شاہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ کا رسالہ اس کا مؤید ہے اور ان حضرات کے بعد کا رسالہ ہے جس کا حوالہ حضرت میرزا جانجاناں قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل مکتوب میں بھی موجود ہے وھو ھذا :۔

"آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب گرامی میں رفعِ سبابہ سے منع فرمایا ہے اور تو آنجناب سے محبت کے باوجود رفع سبابہ کرتا ہے اور محب کیلئے محبوب کا اتباع لازم ہے۔ اے میرے مخدوم! اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندوں پر کتاب وسنت کا اتباع فرض قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (یعنی اور جبکہ اللہ تعالیٰ

[1] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۴۵۔

اس کے رسول نے کسی امر کا فیصلہ کر دیا ہو تو پھر کسی مؤمن مرد و عورت کو اس بارے میں اس کے خلاف کوئی اختیار باقی نہیں ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (یعنی تم میں کوئی شخص بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے) اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبِ کامل ہیں اپنے طریقہ کی بنیاد کتاب و سنت کے اتباع پر قائم کی ہے اور علما نے رفعِ سبابہ کے اثبات میں بہت سے رسالے تصنیف فرمائے ہیں جو کہ صحیح احادیث و حنفی فقہی روایات پر مشتمل ہیں یہاں تک کہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں اس بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور رفعِ سبابہ کی نفی میں ایک حدیث بھی ثبوت کو نہیں پہنچی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا رفعِ سبابہ کا ترک کرنا اجتہاد کی بنا پر واقع ہوا ہے اور جو سنت نسخ سے محفوظ ہو وہ مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہے اور رفعِ سبابہ کا سنت ہونا ثابت ہونے کے بعد صرف اس دلیل سے اس کا ترک کرنا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ترک فرمایا ہے معقول نہیں ہے حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے سنت کے ترک پر بہت ڈرایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی بھی حنفی مذہب رکھتے تھے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی موجودگی میں میرا قول ترک کر دو۔ پس امید یہ ہے کہ اس اجتہادی امر کے ترک اور صحیح حدیثوں کے اختیار کرنے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ ناراض نہیں ہوں گے۔

اور اگر لوگ یہ کہیں کہ کیا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس قدر وسیع ترین علم کے باوجود رفعِ سبابہ کے ثبوت کی احادیث سے آگاہ نہیں تھے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آنجناب قدس سرہٗ کے زمانۂ مبارک تک یہ کتابیں اور رسالے ملکِ ہند میں شہرت نہیں رکھتے تھے اور ان کی نظرِ مبارک سے نہیں گذرے تھے اس لئے آپ نے ترک اشارۂ سبابہ فرمایا تھا ورنہ آپ ہرگز رفعِ سبابہ ترک نہ فرماتے کیونکہ آپ اتباعِ سنت میں اکابر امت میں سب سے زیادہ حریص رہے ہیں۔ اور اگر لوگ یہ کہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے

اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضمندی بذریعۂ کشف معلوم کر کے ترک فرمایا ہوگا، تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ کشف امورِ طریقت میں معتبر ہے۔ احکامِ شریعت میں حجت نہیں۔ نیز جس مکتوب شریف میں آپ نے رفعِ سبابہ کو اولیٰ قرار دیا ہے کشف سے احتجاج نہیں فرمایا ہے اور امید ہے کہ آپ کی یہ جزئی مخالفت آپ کے قاعدۂ کلی کی رعایت کرنے کی وجہ سے عمدہ نتائج کے ساتھ بارآور ہوگی، وہ قاعدۂ کلی یہ ہے کہ آپ نے نہایت کوشش کے ساتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر ترغیب دی ہے۔ والسلام کلماتِ طیبات ص ۲۷ و ۲۸ مکتوب پانزدہم

حضرت خواجہ محمد یحییٰ قدس سرہٗ کی وفات ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۹۶ھ میں ہوئی اور سرہند شریف میں آپ کا مزارِ مقدس الگ گنبد میں زیارت گاہ عالم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی صاحبزادیاں

(۱) بی بی رقیہ:۔ آپ نے بحالتِ شیرخوارگی وفات پائی۔

(۲) ام کلثوم:۔ آپ نے چودہ سال کی عمر میں ۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وفات پائی۔

خواجہ محمد ہاشمؒ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ زنانہ مکان میں تشریف فرما تھے کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم جن کی عمر ابھی سات سال تھی استاد کے پاس سے آئیں اور افسوس کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میں اس وقت تم سب کو حق تعالیٰ سے غافل پا رہی ہوں۔ حضرت موصوف نے فرمایا "بی بی تم پر اس حال کا پرتو کہاں سے پڑا؟" انھوں نے عرض کیا کہ جس وقت آپ فلاں عورت کو ذکر کی تلقین فرما رہے تھے میں بھی وہاں موجود تھی، میرا دل اسی وقت سے ایسا جاری ہوگیا کہ کسی وقت بھی غفلت طاری نہیں ہوتی اور جس کی طرف توجہ کرتی ہوں اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۶۵۔

(۳) خدیجہ بانو۔ آپ صاحب اولاد ہوئیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بھتیجے شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ سے منسوب تھیں۔ آپ کے تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہوئیں — صاحبزادوں کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ غلام محمد۔ شیخ عبداللطیف۔ شیخ حاجی فضل اللہ۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلفائے عظامؒ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ان تمام خلفائے عظام کی تعداد جن کو خلافت و اجازت حاصل ہوئی ہے تقریباً پانچ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن کتبِ سیر میں جن بزرگوں کے تذکرے مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں، انہی سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مریدین کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات نے مریدین کی تعداد نو لاکھ درج کی ہے۔ اب ہم حروف تہجی کے اعتبار سے خلفائے عظام رحمہم اللہ کے حالات شروع کرتے ہیں۔

حضرت شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ

شیخ عارف ولی کبیر حضرت آدم بن اسمٰعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن الحسین حسینی کاظمی بنوری ساداتِ صحیح النسب سے تھے[۱] آپ کا اصلی وطن روم ہے آپ کے بزرگ کسی وجہ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان آئے اور قصبہ بنور (مضافاتِ سرہند) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔[۲]

حضرت شیخ آدم بنوریؒ فرماتے تھے کہ میرے والد ایک شب خواب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر کوئی چیز میرے والد ماجد کو عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کو کھا لو، چنانچہ انھوں نے کھا لی۔ بعدازاں میری والدہ حاملہ ہوئیں اور میں پیدا ہوا، اب مجھ کو بتایا گیا ہے کہ وہ عطیۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میرا وجود تھا۔[۳]

---

[۱] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ا۔ [۲] سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۱۳

[۳] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۴ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۲۸۔

نقل ہے کہ آپ ابتدا میں شاہی لشکر میں ملازم ہوئے۔ لشکر کشی کے دوران اتفاقاً شاہی لشکر کافروں کے ایک گاؤں پر حملہ آور ہوا آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے، وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا گیا، آپ ان کی عبادت گاہ میں گئے اور اسے مسمار کرنا چاہا تو دیکھا کہ وہاں بُت کے سامنے ایک شخص پرستش میں مشغول ہے اور ایسا مستغرق ہے کہ اسے قتل کا کوئی خوف و ہراس نہیں، آپ نے اس کے سامنے ہو کر اسے تلوار دکھائی اور کہا کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ ابھی سر اڑا دوں گا۔ اس نے آپ کی بات کی ذرا پرواہ نہ کی حتیٰ کہ قتل ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر آپ نے شاہی ملازمت ترک کر دی اور فقراء کی خدمت اختیار کی اس زمانے کے بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا لیکن کسی سے باطنی کشایش نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ ایک روز آپ نے ایک گوشہ نشین فقیر سے دریافت کیا کہ "میں کوشش تو بہت کرتا ہوں لیکن کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کا کیا سبب ہے؟" اس نے کہا تمہارا حصہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں ہے جو اس وقت تمام اولیائے امت سے افضل ہیں ان سے تم کو کشایش باطنی نصیب ہو گی اور انہی کی توجہ سے بہت سی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آپ نے یہ خوشخبری سن کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بارگاہِ عالم پناہ کا رخ کیا۔ اثناءِ راہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلیفہ حاجی خضر خاں افغان سے ملتان میں ملاقات ہو گئی۔ آپ کو چونکہ باطنی سلوک حاصل کرنے کا غایت درجہ شوق تھا اس لئے انہیں سے طریقہ عالیہ کے خواستگار ہوئے اور کچھ مدت حاجی خضر خاں افغان کی خدمت میں رہ کر مقاماتِ عالیہ سے مشرف ہوئے۔ چونکہ آپ کی استعداد کہیں زیادہ تھی اس لئے حاجی صاحب سے پوری طرح تسکین نہ ہوئی تو حاجی صاحب نے آپ کو ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں اجمیر بھیج دیا کیونکہ ان دنوں حضرت اجمیر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو قبول کیا اور توجہ و نسبت خاصہ کے القاء سے مشرف فرمایا جس سے شیخ کو پوری طرح تسکین و تشفی ہو گئی اور اس طریقہ کی فنا و بقا سے مشرف ہو گئے [1]

صاحب نزہۃ الخواطر نے خلاصۃ المعارف کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو شیخ طاہر لاہوری سے بھی جذباتِ ربانیہ کا کچھ حصہ حاصل ہوا تھا [2]

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۱۲۔ [2] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت آدم بنوری علیہ الرحمہ نے اپنے کچھ بلند حالات حاجی خضر خاںؒ سے بیان کئے تو انھوں نے فرمایا مجھ کو اس سے زیادہ حاصل نہیں ہے اس لئے اب تم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حالات بیان کئے تو حضرت نے فرمایا یہ ابتدائی حالات ہیں ابھی کمال حاصل نہیں ہوا۔ یہ سن کر آپ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حضرت نے میرا شوق بڑھانے کے لئے ایسا فرمایا ہے ورنہ اس سے زیادہ کمالات اور کیا ہو سکتے ہیں، مگر چونکہ عقیدت پختہ تھی اس لئے حضرت کی خدمت اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ واقعی گذشتہ احوال موجودہ حالات کی نسبت سے ابتدائی بھی نہ تھے۔ پھر چند ماہ بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر ارشاد کی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے وطن بنور جانے کی اجازت دی۔[1]

"نکات الاسرار" میں شیخ آدم بنوری لکھتے ہیں۔ شیخ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی آخری توجہ ہمارے ہزار سالہ سلوک سے بدرجہا بہتر و افضل ہے، اسی نے ہمیں قرب پروردگار کے انتہائی مقامات پر پہنچایا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر واجب ہے کہ تو ان کمالات کو پہنچ گیا، آجکل شاذونادر ہی کوئی ایسے مقامات پر پہنچا ہے۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توجہ کی برکت سے ہے۔ اجمیر میں حضرت نے مجھے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے سرفراز فرمایا اور اجمیر ہی میں حقیقت قرآن کی بھی خوشخبری عنایت فرمائی، سرہند شریف میں خلافت سے مشرف فرمایا بعد ازاں حضرتؒ کا وصال ہو گیا۔ ہم مہجوروں کے سینے پر داغ مفارقت دے گئے۔[2]

شیخ آدم بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرتؒ کے مزار فائض الانوار پر دو سال تک رہا، بعد ازاں آنجناب نے ظاہر ہو کر رخصت فرمایا اور جو میرا مقصود تھا پورا ہوا۔ جس قسم کا باطنی افادہ بحالت زندگی حضرت سے ہوا کرتا تھا ویسا ہی آپ کے مزار سے ہوا۔[3]

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے شیخ آدم بنوریؒ کو مخدوم زادوں کے لئے بہت سے تحفے دیکر سرہند شریف بھیجا اور احتیاطاً اپنے مرید دریا خاں کے سو سوار شیخ کے ہمراہ کر دئے

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۵ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۳۹
[2] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۲۱۵ [3] ایضاً ص ۲۲۸۔

جب شیخ صاحب سرہند سے واپس آئے تو شیخ کی گرمیٔ مجلس کا اثر ان لوگوں پر ہوا گو وہ اس وقت تک مرید نہ تھے لیکن شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھتے اور بہت معتقد ہو گئے۔ اور دریا خاں سے شیخ کی بہت تعریف کی۔ چنانچہ دریا خاں بھی شیخ صاحب کا معتقد ہو گیا۔ پہلے پہل جو شیخ صاحب کے مرید ہوئے وہ دہی سو سوار تھے۔ شیخ صاحب زیادہ تر دریا خاں کے لشکر میں رہتے اور جو پٹھان اپنے وطن سے آتے وہ دریا خاں کے پاس ٹھہرتے اور چند دن بعد شیخ صاحبؒ کے معتقد و مرید ہو جاتے۔ اس طرح شیخ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی۔ پہلے شیخ کا نام آدم خاں تھا۔ جب حضرتؒ نے خلافت عنایت فرمائی تو خاں کو حذف کر کے شیخ آدم مقرر فرمایا۔[1]

حضرت آدم بنوری رحؒ اُمّی تھے شروع میں علوم ظاہری حاصل نہ تھے کہ ایک روز آپ نے واقعہ میں دیکھا کہ ہاتفِ غیب نے ندا کی "اے شیخ آدم قرآن کیوں نہیں پڑھتے" عرض کیا کہ بارِ الٰہا تو قادرِ مطلق ہے اب بھی تعلیم فرما سکتا ہے۔ اسی وقت ایک نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور اس نے آپ کے سینۂ بے کینہ کو مس کیا، قرآن شریف حفظ ہو گیا اور ظاہری علوم بھی حاصل ہو گئے۔[2]

شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ محض اُمّی تھے فیضِ روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علومِ ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی، اتباعِ سنت و دفعِ بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا رسیدہ کیا۔ آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔[3] [4] نزھۃ الخواطر میں آپ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار اور مریدین کی تعداد چار لاکھ درج ہے۔

آپ کی مجلس میں کسی امیر کو کسی فقیر پر فضیلت نہ تھی، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا آپ کا خاص شیوہ تھا بالخصوص دنیاداروں کو ایسی سختی سے تنبیہ فرماتے کہ اس طرح کہنے کی کم لوگوں کو جرأت ہوتی ہے۔ اور آپ کی نصیحت با اثر ہوتی تھی سننے والا فوراً تائب ہو جاتا تھا۔[5]

تذکرۂ آدمیہ میں ہے کہ آپ نے سنہ ۱۰۵۲ھ میں لاہور کا سفر کیا تو آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ واکابر تھے۔[6] اس وقت وہاں شاہجہاں بادشاہ بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ کہیں۔ لوگ فساد برپا نہ کر دیں اس لئے سعد اللہ خاں وزیر کو آپ کے پاس حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا آپ

---

[1] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۲۱۵ [2] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۶۳۰ [3] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۲۳ [4] ج ۵ ص ۲ [5] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۳ [6] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲

وزیر کی جانب کچھ التفات نہ کیا اور اس نے جو بات کی اس کا بھی بہت لاپرواہی سے جواب دیا۔ اس پر وزیر برافروختہ ہوگیا اور بادشاہ کو ورغلایا۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا۔ آپ پہلے ہی سے حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشتاق تھے اس لئے آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ لاہور سے وطن ہوتے ہوئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حرم محترم میں اجازتِ اربعین حاصل کی۔ ان ممالک میں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی[1]

جب شیخ آدم بنوریؒ کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا تو شیخ کے مرید شیخ آدم کی حد سے زیادہ تعریف کرنے اور کہنے لگے کہ "ہمارے پیر حضرت مجددؒ کے نائب اور قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے افضل ہیں" اس قسم کی باتیں سن کر حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو بہت رنج ہوا اور شیخ سے ناراض ہوگئے لیکن جب شیخ آدمؒ کو حضرت کی ناراضگی کا علم ہوا تو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "میں آنجناب کا ادنیٰ چاکر ہوں اگر مجھ سے سہواً خطا ہوگئی ہے جو آنجناب کے ملال خاطر کا باعث ہوئی ہو تو معاف فرمائیں"۔ حضرت نے معاف فرمایا اور بہت کچھ عنایت وشفقت فرما کر رخصت کیا۔ نقل ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ مدینہ منورہ کے قیام میں جب بھی جنت البقیع کی زیارت کے لئے تشریف لیجاتے تو شیخ آدمؒ کی قبر پر دیر تک فاتحہ پڑھتے اور باطن میں ان کے ممد ومعاون ہوتے۔[2]

حالاتِ مشائخِ نقشبندیہ مجددیہ میں ہے کہ جب آپ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ روضۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مرقدِ اطہر سے دونوں دستِ مبارک ظاہر ہوئے اور شیخ نے بہزار شوق بڑھ کر مصافحہ کیا اور بوسہ دیا، یہ معاملہ حاضرین نے بھی مشاہدہ کیا۔ اور جب آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ہوئی کہ یَا وَلَدِی اَنْتَ جَوَارِی (اے میرے فرزند تم میرے پڑوس میں رہو) چنانچہ آپ نے وہیں قیام فرمایا اور ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مزار پاک کے قریب ہے۔[3]

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۵۵ و ۲۵۶ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۲۹

[2] روضۃ القیومیہ ملخصاً رکن دوم ص ۶۳ تا ۶۶ [3] حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۶۳۰۔

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ حقایق و معارف میں آپ کے چند رسائل بھی ہیں جن میں سے ایک کا نام "خلاصۃ المعارف" ہے جو دو جلدوں میں بزبان فارسی ہے اس کی شروع عبارت اس طرح ہے: الحمد للہ رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمائہ و الائہ۔ وہ لکھتے ہیں کہ الحمد للہ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اور آپ کا ایک رسالہ نکات الاسرار ہے۔[1]

تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ شیخ محمد جو شیخ آدمؒ کے دوستوں میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ قحط سالی کے دنوں میں جبکہ گندم نایاب تھا خانقاہ کے فقراء غلہ کی غیر موجودگی اور خرچ کی زیادتی کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے آخر شیخ کی خدمت میں عرض حال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ غلہ دان میں جسقدر غلہ ہے اس کا منہ اوپر سے بند کر دو اور اس کے نیچے سوراخ کر کے ہر روز بقدر ضرورت اس سے غلہ نکالتے رہو انشاء اللہ برکت ہوگی۔ چنانچہ مریدوں نے ایسا ہی کیا اور ہر روز بقدر ضرورت اس سوراخ سے نکال کر کام چلاتے رہے حتی کہ چھ مہینے اسی طرح گذر گئے اور غلہ کم نہ ہوا۔ جب نئے غلہ کا موسم آیا اور غلہ ملنے لگا تو غلہ دان کا منہ کھول کر دیکھا، معلوم ہوا کہ غلہ اسیقدر موجود تھا جتنا کہ غلہ دان کا منہ بند کرنے وقت تھا۔[2]

نقل ہے کہ بنور میں ایک لڑکی جن کے آسیب میں گرفتار تھی جب وہ لڑکی اپنے خاوند کے پاس جاتی تو وہ جن اس کو نہ چھوڑتا اور اس کے خاوند کو بھی ستاتا تھا آخر لڑکی کا باپ عاجز ہو کر شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب جب بھی جن آئے تو اس کے کان میں کہدینا کہ شیخ آدمؒ کا فرمان یہ ہے کہ یہاں سے چلا جا ورنہ شیخ تجھ کو جلا دے گا۔ لڑکی کے والد نے ایسا ہی کیا اسی وقت جن بھاگ گیا اور لڑکی کو صحت حاصل ہوگئی۔[3]

شیخ صالح نقشبندی فرماتے ہیں کہ جب میں طریقۂ آدمیہ نقشبندیہ میں داخل ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ متقدمین کے طریقے بہت متبرک اور بزرگ تھے افسوس کہ میں ان مشائخ کے وقت میں پیدا نہ ہوا اور اب میں طریقۂ مجددیہ آدمیہ میں داخل ہوا جو سب طریقوں کے بعد میں ہے دیکھئے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی دن خواب میں دیکھا کہ ہر طریقہ کے مشائخ اپنے اپنے مریدوں کی کثیر جماعت کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے، میرے ساتھ مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تو بہت

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲ [2] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۶۳۱ [3] ایضاً ص ۶۳۲

سعادتمند شخص ہے کہ طریقہ مجددیہ آدمیہ میں مرید ہوا ہے کہ یہ آخری طریقہ متقدمین کے طریقوں میں سب سے بہتر ہے جب میں خواب سے بیدار ہوا تو بہت خوش ہوا اور اسی وقت خوشی خوشی حضرت شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں ابھی کچھ بھی عرض کرنے نہ پایا تھا کہ حضرت شیخؒ نے فرمایا "اے صالح! الحمد للہ کہ تیرے دل کو اطمینان حاصل ہو گیا۔" [۱]

شیخ محمد شریف و شیخ ابو نصر جو کہ حضرت آدم بنوریؒ کے اکابر اصحاب میں سے تھے فرماتے تھے کہ ایک مدت تک ہم آپ کی پیشانی مبارک پر لفظ اللہ لکھا ہوا دیکھتے رہے اور دوسرے حضرات نے بھی ایسا ہی دیکھا۔ ایک روز ہم نے آپ سے اس معاملہ کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، اس کے اظہار سے منع فرمایا اور اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر پھیر کر اس لکھے ہوئے کو پوشیدہ کر دیا۔ [۲]

آپ کی اولاد میں چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں، صاحبزادوں کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ محمد اولیا، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد محسن، شیخ غلام محمد۔ [۳]

مولانا احمد برکی علیہ الرحمہ

برک، کابل و قندھار کے درمیان ایک شہر کا نام ہے، آپ اس شہر کے جید علماء میں سے تھے۔ مولانا کا ایک ہموطن دوست بغرضِ تجارت ہندوستان آیا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوا اور مرید ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔ واپسی پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب کے کچھ اجزاء اپنے ہمراہ لیتا گیا۔ مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان سے حضرتؒ کے کمالاتِ باطنی کا اندازہ لگایا تو جذبۂ دل نے سرہند شریف حاضر ہونے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر حضرتؒ کی عنایات سے سرفراز ہوئے اور باخلاص تمام ہر وقت حضرتؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت اور حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے ایک ہی ہفتہ میں درجۂ کمال و اکمال کو پہنچ گئے اور طریقہ تعلیم میں مجاز ہو کر وطن جانے کی اجازت حاصل کی۔ وطن پہنچ کر حسب الحکم کارِ طریقت میں مشغول ہو گئے۔ بعد ازاں بذریعہ عرائض اپنے اور مریدوں کے احوال خدمتِ عالی میں عرض کر کے جواب و خطاب سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ [۴]

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۳۳ و ۶۳۴ [۲] خزینۃ الاصفیاء ۶۳۴ [۳] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۳۵
[۴] سیرت امام ربانی ص ۲۶۴ و ۲۶۵ و تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۳۶

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مکتوب مولانا یوسف برکیؒ کو تحریر فرمایا جس میں آپ کی تعریف اس طرح تحریر فرمائی ہے :-

"برادرِ عزیز مولانا احمد برکی جس کو عام لوگ علمائے ظاہر سے جانتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے احوال اور اپنے یاروں کے احوال کی خبر نہیں رکھتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باطن شہودِ تنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو جہل و نادانی کا مقام ہے۔ اور اس کا ایمان علماء کی طرح ایمان بالغیب ہے۔ اس کے باطن نے بلند فطرت ہونے کے باعث کثرت آمیز شہود کی طرف التفات نہیں کی اور اس کا ظاہر زمانہ صوفیہ کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا۔ اس کا وجودِ مبارک ان اطراف میں غنیمت ہے۔ یہ حالت جس کے حاصل ہونے کی آپ نے خبر دی ہے مولانا مذکور بدرجہ اس حالت کے ساتھ متحقق ہے خواہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ (کی اصلاح) کا مدار مولانا کے وجود پر ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ امر اُن اطراف کے صاحبانِ کشف پر کس طرح مخفی رہا ہے (حالانکہ فقیر کے علم میں مولانا (کی شرافت اور بزرگی) وجودِ آفتاب کی طرح ظاہر و باہر ہے، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ دعا و فاتحہ کی التماس ہے والسلام [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں خود مولانا احمد برکی کو ان کے بلند درجات کی خوشخبری سے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"اسی اثناء میں آپ کے حال پر توجہ کی دیکھا کہ اس گرد و نواح کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑتے آتے ہیں اور آپ کی طرف التجا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا مدار بنایا گیا ہے اور ان حدود و اطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس امر پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) اس معاملے کے ظہور کو واقعات میں سے نہ خیال کریں کیونکہ واقعات میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ مشاہدات اور محسوسات میں سے شمار کریں"۔ [2]

پھر اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد شیخ حسن کو آپ کا قائم مقام بنانے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"شیخ حسن آپ کے ارکانِ دولت میں سے ہے، آپ کے معاملے کا ممد و معاون ہے اگر

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۴ - [2] ایضاً مکتوب نمبر ۲۷۵ دفتر اول۔

بالفرض آپ کو ماوراء النہر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے تو وہاں آپ کا قائم مقام شیخ حسن ہے، اس کے حق میں اپنی التفات و توجہ فرماتے رہیں اور بہت کوشش فرمائیں تاکہ ضروری علوم دینی کی تحصیل سے جلدی فارغ ہو جائے۔ ہندوستان کی سیر اس کے حق میں بھی غنیمت ہے اور آپ کے حق میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ملتِ اسلام پر استقامت عطا فرمائے۔ (آمین) [1]

اس مکتوب کے پہنچنے کے چند روز بعد مولانا احمد برکیؒ کو سفرِ آخرت پیش آگیا جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو آپ کے انتقالِ پُر ملال کی اطلاع ملی تو بقول صاحبِ زبدۃ المقامات "حضرت نے فاتحہ اور دعائے مغفرت سے ان کی روح کو شاد کیا اور دیکھا گیا کہ جب کبھی مولانا موصوف کا تذکرہ آپ کی مجلسِ مبارک میں ہوتا تھا حضرت آپ کی تعریف فرماتے تھے اور لطف و عنایت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے" [2] چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں مولانا احمد برکیؒ کی تعریف و تعزیت اور ان کے متعلقین کو نصیحت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:-

"حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے اور مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمتہ کی ماتم پرسی بجا لاتا ہے۔ مولانا کا وجود شریف اس وقت کے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ (یا اللہ! تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال)۔

اس کے بعد دوستوں اور یاروں سے امید و التجا ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں کی امداد و اعانت کریں اور مولانا مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی محبتوں اور مخلصوں پر لازم ہے، اس امر میں بہت کوشش کریں کہ مولانا مرحوم کے فرزند پڑھیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ ہو جائیں اور مولانا مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کر کے ادا کریں۔ ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے)

مولانا مرحوم کے اوضاع و اطوار کی رعایت رکھیں اور ان کے احوال و مقامات کو مدِّ نظر

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۵۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۳۴۰۔

رکھیں، طریقۂ ذکر اور حلقۂ مشغولی میں کسی قسم کا قصور واقع نہ ہو۔ سب دوست جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اور اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاقیہ طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا (احمد برکی) سفر اختیار کریں تو ان کو چاہیے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر کریں۔ شاید قضا کو یہی سفر مقصود ہو اب بھی جو بار بار ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن کو اس امر پر متعین اور مقرر پاتا ہوں۔ یہ بات بعض دوستوں کو ناگوار معلوم نہ ہو کیونکہ ہمارے اور تمہارے اختیار میں نہیں ہے، بہرصورت انقیاد و فرمانبرداری لازم ہے۔ مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب نمبر ۱۹

اتفاق سے انہی دنوں آپ (مولانا احمد برکی) کے بھائی شیخ عثمان اکبرآباد آئے ہوئے تھے جب وہ اکبرآباد سے سرہند شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؒ نے شیخ احمد برکی کی خبر وفات ان سے بیان کی اور فاتحہ پڑھی تو شیخ عثمان نے بے اختیار ہو کر آہ و بکا کی اور شدتِ غم سے زمین پر تڑپنے لگے۔ لوگوں نے ان کو روکنا چاہا لیکن حضرت نے فرمایا "ان کو مت روکو اس لئے کہ شیخ احمد برکی کی وفات پر آسمان و زمین رو رہے ہیں اگر ان کا بھائی روتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو" بعض احباب اس بات سے متعجب ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا "شیخ ایسے ولی تھے کہ نہ لوگوں نے ان کو پہچانا اور نہ شیخ نے اپنے کو ولی جانا۔

مولانا احمد برکی علیہ الرحمہ نے ۱۰۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔

مولانا احمد دیبنی علیہ الرحمہ

مولانا شیخ احمد بن ابی احمد حنفی نقشبندی علیہ الرحمہ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے اور اہلِ علم و طریقت میں سے تھے۔ شروع میں آپ ایک مدت تک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے حلقۂ درس میں رہ کر شرفِ تلمذ حاصل کر چکے تھے اور دوسرے علمائے بھی علم دین حاصل کیا۔ اس کے بعد برہان پور چلے گئے وہاں شیخ معظم محمد بن فضل اللہ علیہ الرحمہ سے بیعت کی اور مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی پھر آگرہ چلے آئے۔ حسنِ اتفاق سے ان دنوں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی آگرہ میں قیام پذیر تھے، آپ نے اس زریں موقع کو غنیمت جان کر

صحبتِ اقدس میں حاضر ہوکر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا اور آپ کی خدمتِ بابرکت میں عرصہ تک رہے۔ یہاں تک کہ جب حضرتؒ نے خواجہ میر محمد نعمانؒ کو خلافت سے سرفراز فرماکر برہانپور روانہ کیا تو آپ کی روحانی تربیت بھی میر صاحب کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ میر صاحب کی صحبت میں حضور و نسبتِ خواجگانِ نقشبندیہ کی دولت سے سرفراز ہوئے [1]۔

اسی دوران میں اتفاقاً مرشدِ سابق شیخ معظم محمد بن فضل اللہ سے ملاقات ہوگئی۔ شیخ نے دریافت کیا کہ جس ذکر کی میں نے تعلیم دی تھی اس میں آپ مشغول ہیں یا نہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ میں نے خواجہ میر نعمان سے طریقۂ خواجگانِ نقشبندیہ کا ذکر حاصل کرلیا ہے اس میں لذت پاتا ہوں اور اسی میں مشغول ہوں۔ شیخ چونکہ منصف مزاج اور حق پسند تھے اس لئے تھوڑے تاثر کے بعد فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مقصد تو فائدہ حاصل کرنا ہے، حضوری کی دولت جس جگہ سے بھی ہم پہنچے اس کو لازم پکڑو [2]۔

اس کے بعد پھر آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں سرہند شریف حاضر ہوئے اور عرصہ تک حضرت کے آستانہ پر مقیم رہے اور حضرت کی عنایات اور فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوکر خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ آپ کی صحبت میں اس درجہ اثر تھا کہ جو کوئی آپ کی صحبت میں حاضر ہوتا غلبۂ جذب سے بےاختیار ہوکر تڑپنے لگتا اور بعض تو بالکل بےہوش ہوجاتے اور بعض گریہ وزاری اور نالہ و فریاد کرتے تھے۔ الحاصل آپ کی توجہ اور تصرف میں بےانتہا اثر تھا [3]۔

مشہور ہے کہ آپ نے ابتدائے ارشاد کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ بابرکت میں ایک عریضہ لکھا کہ باوجودیکہ میں اپنے اندر کوئی حال وکمال محسوس نہیں کرتا لیکن میں نے دو طالبوں کو ذکر کی تعلیم دی تو ان سے احوال ظاہر ہوئے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ دوامِ آگاہی کے باوجود ذہول پیدا ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حضرتؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"واضح ہو کہ وہ احوال جو ان دونوں شخصوں میں ظاہر ہوئے ہیں آپ کے احوال کے عکس ہیں جو اُن کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ دونوں شخص صاحبِ علم تھے اس لئے

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۴۴ [2] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۴۶ [3] و [4] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۱۹

انھوں نے اپنے احوال کو معلوم کرلیا اور آپ کو بھی اس حالِ مستور کے حاصل ہونے کے علم کی طرف راہنمائی کی، جس طرح کہ آئینہ شخص کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کردیتا ہے۔ مقصود احوال کا حاصل ہونا ہے اور ان احوال کا جاننا ایک علیحدہ دولت ہے، بعض کو یہ علم دیتے ہیں اور بعض کو نہیں دیتے لیکن دونوں صاحب ولایت اور قُرب میں برابر ہوتے ہیں"۔

پھر اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد دوسرے جزء کے متعلق یہ ارقام فرمایا:

"جان لیں کہ آگاہی حق تعالیٰ کی جناب میں حضورِ باطن سے مراد ہے جو کہ شایانِ حضوری ہے کہ جس کو دوام لازم ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اپنی نسبت اس کو غفلت ونسیان پیدا ہوا ہے۔ غفلت وذہول علمِ حصولی میں متصور ہے کیونکہ اس میں مغائرت پائی جاتی ہے، علمِ حضوری میں سب حضور در حضور ہے، اگرچہ نادان اور بیوقوف آدمی اس حضور سے دُور اور نفرت کرنے والا ہے اور اس کے حاصل ہونے سے مغرور ہے۔ پس آگاہی کے لئے دوام لازم ہے اور جس میں دوام نہیں وہ مطلوب کی نگرانی ہے جو اس آگاہی مذکور کے مشابہ ہے اس کا دوام مشکل ہے کیونکہ علمِ حصولی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جو دوام سے بے نصیب ہے"۔[1]

آپ ایک مدت تک آگرہ میں طالبینِ معرفت کے افادہ میں مشغول رہے آپ کے ان دونوں مریدوں کے چہرہ سے اکابرِ سلسلہ کی خصوصیات ہویدا اور جذبہ وبیخودی کی شان آشکارا تھی۔ ایک رئیسِ اعظم جو کہ آپ سے اخلاص رکھتے تھے آپ کو بنگالہ لے گئے آپ نے اس علاقہ میں قبولیتِ عظیمہ حاصل کی اور بہت لوگوں کو آپ سے فیض پہنچا[2]

حضرات القدس میں ہے کہ آپ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی اور اکبرآباد میں مدفون ہوئے[3]۔ زبدۃ المقامات اس سلسلہ میں خاموش ہے اور تذکرہ مجدد الف ثانیؒ میں لاعلمی کا اظہار ہے۔

---

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۹۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۳۸۵ و تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۷۔
[3] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۲۰۔

مولانا امان اللہ لاہوری علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کامل خلفاء میں سے ہیں بالہ ۱۰۳۱ھ میں حج بیت اللہ کا شوق غالب ہوا اور پیادہ پا بغیر توشہ و زادِ راہ سفرِ حجاز کو چل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور خود آپ کے متوسلین و احباب نے ہر چند چاہا کہ ان سے زادِ راہ قبول کرلیں لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اسی بے سروسامانی کے ساتھ حجازِ مقدس پہنچے۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کے لئے مصر و شام گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوگیا[1]

مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم اصحاب اور اجل خلفاء میں سے ہیں۔ سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، پندرہ[۱۵] سال کی عمر میں[2] حضرت سے بیعت کی اور سترہ[۱۷] سال[3] حضرت کی خدمت میں رہے۔ آخر سلوکِ باطنی بدرجۂ کمال حاصل کرکے خلافت پائی۔ علوم ظاہری اور دیگر علوم مثلاً تاریخ وغیرہ میں آپ کو کامل دسترس تھی۔[4] آپ نے شرح مواقف و تفسیر بیضاوی و عضدیہ مع حاشیہ سید الشریف، حضرت مجدد الف ثانیؒ سے اور مطول مع حاشیہ سید شریف و شرح عقائد مع حاشیۂ الخیالی و تحریر اقلیدس و شرح المطالع مع حاشیہ سید علی، حضرت خواجہ محمد صادق سے پڑھیں[5]۔

آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں حضرات القدس بہت مشہور ہے جس کے حصۂ اول میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے تمام بزرگوں کے حالات ہیں اور دوسرے حصہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرتؒ کے

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۸۸ و ۳۸۹ - و تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۳۴۹ - [2] روضۃ القیومیہ ص ۳۳۹
[3] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۶ - [4] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۰ [5] روضۃ القیومیہ ص ۵
[6] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۰ -

صاحبزادگانؒ و خلفاء کے حالات درج ہیں اور اس کے آخر میں آپ نے اپنے حالات و واردات بھی تحریر فرمائے ہیں جو آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاصل ہوئے اور حضرت نے ان حالات کے اعلیٰ و اصلی ہونے کی تصدیق کی۔ حضرت آپ کے حال پر نہایت درجہ عنایت فرماتے اور اپنے عیال میں شمار فرماتے تھے[1]

چنانچہ آپ حضرات القدس میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا "اسی فنا و بقا سے ولایت متحقق ہوتی ہے" مخدوم زادہ اعظم (خواجہ محمد صادقؒ) نے میری اس تحریر پر کہ "جو کچھ حضرت کے باطنِ اقدس سے نکلتا ہے وہ فقیر کے باطن پر بھی ظاہر ہوتا ہے" تعجب کیا اور فرمایا کہ ان کی ہمت بہت بلند ہے۔ حضرت نے فرمایا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ بقدر استعداد فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ مصرع پڑھا ؎

بقدرِ آئینہ حسنِ تو می نماید رو[2]

نیز آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک مدت تک پشمینہ کی جا نماز پر نماز ادا فرمائی چونکہ حضرت جمع بین المذاہب کی کوشش فرماتے تھے اور مذہب امام مالک میں پشمینی چیز پر سجدہ مکروہ ہے اس لئے سجدہ کی جگہ پر ایک سوتی کپڑا لگوالیا تھا اور برسوں حضرتؒ نے اسی مصلے پر نماز ادا فرمائی۔ جب وہ کپڑا زیادہ میلا ہو گیا تو خادم نے اس میلے کپڑے کو علیحدہ کر دیا اور اس کی جگہ نیا کپڑا لگا دیا۔ میں نے اس میلے کپڑے کو اپنی دستار میں محفوظ کر لیا تاکہ گھر جا کر اس کو تعظیم کے ساتھ محفوظ جگہ پر رکھدوں۔ اتفاقاً رات ہو گئی اور میں نماز عشاء پڑھ کر سو گیا اور کپڑا ویسے ہی دستار میں رکھا رہا۔ (اس کپڑے کی برکت سے) اسی رات خواب میں جمالِ جہاں آرائے نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارہ مرتبہ سے زیادہ زیارت سے مشرف ہوا۔ ہر دفعہ میں بیدار ہو جاتا تھا پھر سو جاتا تھا اور پھر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا[3]۔

آپ اپنی تصانیف کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں "اس حقیر مؤلف عفی عنہ نے قبلہ حاجات (حضرت مجدد صاحبؒ) کی حیات بابرکات کے زمانہ میں آپ کے مقامات کا مسودہ تحریر کیا اور

---

[1] حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۳۴ ۔ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۶۰ ج ۲ [3] ایضاً ص ۶۸ ج ۲

اس کا نام "سبعِ احمدی" رکھا، اس کو آپ کی نظرِ کیمیا اثر میں پیش کیا جب حضرت اس قصہ تک پہنچے کہ حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کو حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمۃ نے استخارہ کا حکم دیا اور حضرت خواجہ نے استخارہ میں ایک طوطی دیکھی کہ شاخِ درخت سے اڑ کر حضرت خواجہ کے دستِ مبارک پر بیٹھ گئی، الی آخر القصہ۔ فقیر نے اس میں طوطی کو طائرِ ہندی لکھ دیا تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کو کاٹ کر لفظ طوطی تحریر فرمادیا اور بسبیلِ مطائبہ فرمایا کہ "الحمد للہ تمہاری پہلی تصنیف ہمارے احوال کے ذکر میں واقع ہوئی ہے۔" گویا ازراہِ کشف معلوم فرمالیا تھا کہ اس حقیر سے مختلف تصنیفات واقع ہوں گی۔ الحق ایسا ہی ہوا کہ حضرت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد کتاب کراماتِ دربارۂ اولیاء، اثباتِ خوارقِ اولیاء، بعد موت تصنیف کی گئی اور فتوح الغیب مصنفہ حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا فارسی میں ترجمہ کیا اور ایک کتاب الروائح فی شرح اصطلاحاتِ صوفیہ واشغالِ قادریہ ونقشبندیہ میں جمع کی اور ایک کتاب سنوات الاتقیاء جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اس وقت تک کے اربابِ کمال کے حالات بیان کیے گئے ہیں[1]

علاوہ ازیں آپ نے درجات الابرار اور مجمع الاولیا بھی تصنیف فرمائی۔ نیز دارا شکوہ کے حکم کی تعمیل میں کتاب بہجۃ الاسرار کا ترجمہ کیا جو عربی زبان میں حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مناقب میں ہے اور حضرت غوث الاعظمؒ کی کتاب روضۃ النواظر اور شیخ روزبہان بقلی کی تفسیر عرائس البیان کا بھی ترجمہ فرمایا[2]

ہم نے بھی حضرات القدس سے پیشِ نظر تالیف میں بہت استفادہ کیا ہے (مؤلف)

حضرت مولانا بدرالدین علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام فقیر کی مسجد میں قبلہ کی طرف پشتِ مبارک کیے ہوئے دوزانو تشریف فرما ہیں میں بے اختیار ہو کر آپؐ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس کے بعد اٹھا اور دونوں ہاتھ دعا کی طرح اٹھا کر التماس کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو کچھ بشارت دیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا اس کے بعد فرمایا کہ عنقریب

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۔۱۳۰۔ [2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۰

تمہارے گھر میں لڑکے پیدا ہوں گے۔ اتفاق سے اس زمانے میں فقیر کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس واقعہ کے دس ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا اس کا نام محمد عارف رکھا اور اس کے بعد ہر حمل میں لڑکا ہی پیدا ہوتا رہا حتیٰ کہ بلاشک بطفیل بشارتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ نے اور سات لڑکے مرحمت فرمائے۔[1]

نیز فرماتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ ایک حوض دہ در دہ ہے، اس کے گرد ایک باغیچہ گول اور خوش وضع لگا ہوا ہے اور وہاں ایک عالی شان محل ہے اس میں حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور میں کنوئیں کے ڈول کے پانی گرنے کی جگہ بیٹھا ہوا ہوں ایک شخص مجھ سے حدیث کی ایک کتاب پڑھ رہا ہے اور ایک لفظ غیر مانوس کے متعلق کچھ تامل ہو رہا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس محل سے برآمد ہوئے اور باغ میں تشریف لائے کچھ ٹھیر کر اس لفظ کے معنی بیان فرمائے اور باغ کے دروازہ کی جانب روانہ ہوئے میں بھی دروازہ تک ہمراہ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری حدیث پڑھی جو مجھے بلفظہٖ یاد تھی مگر اب لکھنے کے وقت بھول گیا۔[2]

آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کو ذکر کی تعلیم دیتے وقت حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ذکر کے وقت آنکھیں بند کرنا شرط نہیں ہے مگر جب تک دل میں قرار نہ پا جائے آنکھیں بند رکھنی چاہئیں کہ جمعیتِ دل کے لئے آنکھوں کا بند کرنا خاص اثر رکھتا ہے۔

آپ کی ولادت ووفات کی تاریخ کے اظہار سے تمام کتب خاموش ہیں۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری علیہ الرحمۃ

شیخ بدیع الدین بن رفیع الدین بن عبدالستار انصاری سہارنپوری مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے۔ شہر سہارنپور میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور اپنے ہی شہر میں کچھ دن عربی پڑھی پھر دوسرے شہروں کی طرف سفر کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے درسی کتابیں پڑھیں اور طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا پھر طویل عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔[3]

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۶۵ [2] ایضاً ص ۳۶۷ [3] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۱۔

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اکبر اور اپنے علاقہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے، آپ عالم عامل، متقی، پرہیزگار، خوش صحبت، شیریں کلام اور صاحبِ کشف و کرامات و معارف و بشارات تھے۔ ایامِ شباب میں آپ کو درویشوں سے عقیدت نہ تھی بلکہ ایک گونہ ان کا انکار کیا کرتے تھے[1]

صاحبِ زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ آپ ہندوستان کے بزرگ زادوں میں سے ہیں، ابتدائے زمانہ میں آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں توضیح و تلویح پڑھا کرتے تھے لیکن درویشوں کے ساتھ اعتقاد نہیں رکھتے تھے بلکہ نماز فریضہ بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ میں نے خود شیخ موصوف سے سُنا وہ کہتے تھے کہ جس سال بندہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں تحصیلِ علوم میں مصروف تھا ایک صاحبِ جمال نوجوان سے محبت ہو گئی تھی، جب اثنائے سبق میں اس کا خیال آجاتا دل بے چین ہو جاتا تھا کہ کب سبق سے فارغ ہوتا ہوں تاکہ اس کے کوچہ میں جاؤں اور اس کے چہرے کے ورق کا نظارہ و مطالعہ کروں۔ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ نماز پڑھنی چاہیئے اور جنایاتِ شرعیہ (یعنی شرعی گناہوں) سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی علم ظاہری کے حاصل کرنے میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا بہت لوگوں سے میں نے یہ نصائح سُنے ہیں اگر حضرت کچھ جذب و توجہ فرمائیں اور کوئی کرامت دکھائیں کہ جس کے ذریعہ سے میں زمرۂ صلحاء میں داخل ہو جاؤں تو ہو سکتا ہے ورنہ صرف نصیحت سے میرا عقدہ حل نہیں ہو سکتا۔

حضرت کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا اچھا تم کل صبح کو اس نیت سے ہمارے پاس آنا پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔

صبح کو جس وقت میں نے جانے کا وعدہ کیا تھا اتفاقاً وہ دوست میرے گھر آگیا جس سے مجھے دلبستگی تھی اس لئے میرا دل نہ چاہا کہ میں اسے چھوڑ کر حضرتؒ کی خدمت میں جاؤں۔ دو تین روز کے بعد پھر میں حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ فرمایا تم نے اچھا نہیں کیا وعدہ خلافی اچھی چیز نہیں

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۰۳۔

لیکن اب تم آئے ہو یہ بھی مبارک ہے۔ جاؤ وضو کرو اور دو گانہ ادا کر کے آؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت مجھے خلوت میں لے گئے اور ذکر قلبی سکھا کر توجہ کی حتیٰ کہ میں مست و بیخود ہو کر زمین پر گر پڑا اور اسی حالت میں مجھے اٹھا کر میرے گھر لے گئے ایک روز کے بعد مجھے افاقہ ہوا۔ اس کے بعد میرا دل تمام گرفتاریوں اور تعلقات سے سرد ہو چکا تھا اور میں نے حضرتؒ کی خدمت لازم السعادت اختیار کی اور حضرتؒ کی نظرِ کیمیا اثر کی برکت سے میں خود کو اپنے آپ سے دُور اور عالمِ غیب سے نزدیک پانے لگا۔ انتہیٰ۔

بالجملہ شیخ موصوف نے سالہا سال حضرتؒ کے درِ دولت پہ گذارے اور دیکھا جو کچھ دیکھا یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر اپنے وطنِ مالوف بلدۂ سہارنپور رخصت فرما دیا۔

آپ اپنے وطنِ مالوف پہنچ کر ارشاد و ہدایتِ طالبانِ طریقت میں مشغول ہو گئے کچھ عرصہ کے بعد شہر آگرہ میں جہاں اس سلسلہ کا کوئی خلیفہ نہیں تھا حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے آپ کو وہاں بھیجا اور فرمایا کہ "دراں مقام استقامت بلیغ نمائی و بے امر ما از آنجا نہ آئی" (وہاں کمال استقامت سے کام لینا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا)۔

چنانچہ آپ آگرہ گئے اور وہاں بہت مقبول ہوئے، اس شہر کے فقراء و اغنیاء و سب باشندوں کو آپ کے فیوض و برکات بکثرت پہنچے اور مجلسیں خوب گرم ہوئیں۔ انہی ایام میں ابلیس پُر تلبیس نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ تو حضرتؒ کے حکم کے خلاف امر کا مرتکب ہوا ہے اس لئے آپ بعض امورِ ممنوعہ کی اصلاح کی غرض سے وطن مالوف مراجعت کر آئے اور یہ حضرتؒ کے مزاج مبارک کے خلاف تھا لہٰذا یہ امر حضرتؒ پر بہت گراں گذرا۔ بعد ازاں آپ حضرتؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور معلوم کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی طبیعت اس حکم کے خلاف عمل کرنے سے بہت گراں ہے۔ (آپ نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ پھر دار الخلافہ آگرہ روانہ ہو جاؤں اور خدمت ارشاد پر پیش قدمی کروں، حضرتؒ نے منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ "وقت ہماں بود حالا اگر بروی تو دانی و باختیارِ تست" (وقت وہی تھا اب اگر جائے تو تیری مرضی ہے اور تجھے اختیار ہے)

شیخ اضطراب کی حالت میں اس امید پر دارالخلافہ آگرہ روانہ ہوگئے کہ جو غبار حضرتؒ کی طبیعت پر آگیا ہے جاتا رہے۔

جب آپ آگرہ پہنچے تو اول اول اس دفعہ بھی آپ کی مجلسیں گرم ہوئیں اور لوگوں کو فیض پہنچا لیکن چونکہ آگرہ اس وقت دارالخلافہ اور فوجی علاقہ تھا۔ فوجی لشکر میں سے ایک جماعت جو اخلاص وادب سے ناآشنا تھی آپ نے انھیں سخت لہجہ میں نصیحتیں شروع کیں اور اپنے بلند احوال اور بعض وہ وقائع وکشوف جن کا اظہار موجب فتنہ وفساد تھا ان کے سامنے بیان کرنے شروع کئے۔ چنانچہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ وہاں آپ کا ٹھہرنا نہ صرف دشوار ہوگیا بلکہ اس کا اثر آپ کے پیر بزرگوار قدس سرہ العزیز تک سرایت کرگیا۔ حتیٰ کہ سلطانِ وقت نے جو اس گروہ کو کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا تھا حضرتؒ کو طلب کر کے ایذا پہنچائی اور قید کیا۔ اگرچہ بعدازاں سلطان اس امر سے نادم ہوا اور حضرتؒ سے معذرت چاہی لیکن یہ سوءِ ادب اس کے لئے نامبارک ہوا اور اس کی سلطنت میں فتنہ وفساد پیدا ہوگیا۔ اس قضیۂ مذکورہ کے بعد شیخ بدیع الدینؒ کا ذوق بالکل مُردہ ہوگیا اور وہ اپنے وطن سہارنپور واپس آگئے اور آخر وقت تک وہیں گوشہ نشین رہے۔

باوجودیکہ آپ کی عمر پچاس سال کو پہنچ گئی تھی آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور دینی علوم کے طالبوں کے افادہ وافاضہ میں مشغول رہے۔

جن ایام میں کہ راقم الحروف (مولانا ہاشم کشمیؒ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا آپ کا ایک عریضہ حضرت کی خدمت میں پہنچا جس میں تحریر تھا کہ "حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارتہائے خاص پاتا ہوں کہ آپ مجھ پر عنایت کرتے اور نصائح فرماتے ہیں۔ ایک روز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سراج الہند کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور زیادہ سے زیادہ طاعات وعبادات کا حکم فرمایا۔" انتہیٰ۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کے اس عریضہ کے جواب میں یہ چند کلمات تحریر فرمائے۔

"الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ رقیمہ شریفہ نے خوش وقت کیا۔ آپ کے واقعات مبشرات ہیں اور قابلِ تعبیر، لیکن ہر چند کہ تاویل کے قابل ہیں پھر بھی موّوّل ہیں۔ ربّنا

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۴۶ تا ۳۴۹۔

أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جب آپ ازدیادِ عمل پر مامور ہوئے ہیں جو کچھ عمل بھی ہو سکے اسے غنیمت جانیں کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے واللہ الموفق۔ انتہی [1]

شیخ بدیع الدین موصوف کی عرضداشت مذکورہ کی مزید عبارت حضرات القدس سے درج کی جاتی ہے:۔

"ایک روز ارشاد ہوا کہ تو ہندوستان کا چراغ ہے اور عبادت کی زیادتی کیلئے مجھ کو حکم فرمایا، عالمِ غیب سے بشارت قطبیت کی دی جاتی ہے۔ اکثر اوقات آنے والے واقعات کی قبل از وقوع بلا قصد کے اطلاع دی جاتی ہے اور عالمِ غیب سے عجیب بشارتیں ہوتی ہیں کہ حضور والا ہی سے عرض کرنے کے قابل ہیں۔ آج کل چند طالبانِ صادق جمع ہو گئے ہیں اور سرگرمِ کار ہیں اور احوالِ بلند حاصل کر رہے ہیں حضورِ نقشبندیہ کو تھوڑی ہی مدت میں اپنا ملکہ بنا لیا ہے اور اہلِ نسبت ہو گئے ہیں بعض فنائے جسدی سے مشرف ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ احوال ضروری دبرزخ کو بہتر جانتا ہے بعض طالبین بسبب لذت ترکِ خانماں کر رہے ہیں [2]

شیخ بدیع الدین ایک دوسرے عریضہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلامت! اللہ تعالیٰ نے آپ کی توجہ پاک کے طفیل میں دولتِ مشاہدہ سے سرفرازی بخشی ہے۔ ایک زمانہ سے تمنا تھی کہ ایک مرتبہ زیارت بابرکتِ جمالِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میسر ہو جائے کہ آپ کے آستانۂ عالی پر سر رکھوں اور آپ کے انوارِ کمالات سے پرتو حاصل کروں۔ خدائے پاک نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک رات نماز تہجد کے بعد اس دولت سے سرفراز فرمایا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس مقام کی خدمت کا انتظام حضرت غوث پاک قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے متعلق ہے اور بغیر آپ کے واسطہ کے اس بارگاہِ اقدس میں داخل ہونا دشوار ہے اور اس مقام کے انوار کے حصول سے کامل ترین اولیاء اللہ بسبب کمالِ اتباعِ سرورِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مشرف ہوتے ہیں اور اقتباس کرتے ہیں [3]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۴۹۔ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۰۷ [3] ایضاً

شیخ بدیع الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے حلقۂ ذکر میں دیکھا کہ میں صحبتِ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ کیا آپ سنتِ زوال ادا فرماتے ہیں۔ حضرتؐ نے قدرے توقف فرمایا۔ فقیر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میاں شیخ احمدؒ سنتِ زوال پڑھتے ہیں اور ان کی عادت ہے کہ جو عمل حضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے وجود میں آیا ہو اس کو وہ بجالاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرے مراقب ہوئے اور پھر فرمایا کہ جو عمل میاں شیخ احمدؒ کرتے ہیں وہ حق ہے اور بعینہٖ ہمارا عمل ہے اور یہ نماز ہم بھی ادا کرتے ہیں [1]

نقل ہے کہ جس زمانہ میں بادشاہِ وقت نے ایک جماعت کی بدگوئی کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اکراہ کے ساتھ اکبر آباد بلایا تھا شیخ بدیع الدین علیہ الرحمہ کو بادشاہ کے مقرب مصاحبوں میں سے ایک امیر کے ساتھ کچھ قرابت کا تعلق تھا لیکن چونکہ اقارب مانند عقارب (بچھوؤں کے) ہوتے ہیں اس لئے اس امیر کو شیخ موصوف اور حضرتِ ممدوحؒ کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ شیخ اس نازک موقع پر اس کے گھر گئے اور بہت خوشامد کرکے کہا کہ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بچانے کے لئے سعی کریں وہ بدنصیب پرانی عداوت کی بنا پر کہنے لگا کہ میری تو برسوں کی تمنا اب پوری ہوئی ہے دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ شیخ کو اس کلام کے سننے سے بڑی وحشت ہوئی اور غیرت کی رگ بھڑک اٹھی اور بہت جوش و جذب میں آکر آپ نے فرمایا کہ ہم بھی دیکھیں گے کون کس کا کام ختم کرتا ہے اور وہاں سے اسی حالتِ خاطرِ خستہ دل شکستہ میں اٹھے اور اپنی جائے قیام پر آکر توجہ فرمائی۔ وہ بدنصیب عزیز قبل ازیں کہ اس کو بدگوئی کرنے کا موقع ملے دو تین دن کے اندر مر گیا [2]

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ آپ کی وفات ۱۰۴۲ھ میں اپنے وطن سہارنپور میں ہوئی جیسا کہ مہر جہانتاب میں ہے [3]

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۰۶ [2] ایضاً ص ۳۰۹۔ [3] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۱۔

شیخ حسن برکی علیہ الرحمۃ

آپ اس راہ کے جوانمرد اور صاحبِ استقامت، جامع شریعت و حقیقت، صاحب مقامات سودا روانِ روشن اور صاحبِ علوم لدنیہ تھے، علومِ ظاہری میں پوری قابلیت رکھتے تھے اور شیخ احمد برکیؒ کے شاگرد تھے۔ جب آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تعریف و توصیف سنی تو حضرتؒ کے آستانۂ عرش نشان پر حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور حضرتؒ کی صحبتِ بابرکت میں حالات و مقامات حاصل کر کے اپنے وطنِ مالوف کی طرف واپس ہو گئے اور شیخ احمد برکیؒ کی صحبت میں عمرِ عزیز بسر کرتے رہے [1]

جب شیخ احمد برکیؒ کا انتقال ہو گیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو ان کے وصال کی اطلاع پہنچی تو حضرت ایک مکتوب میں مولانا احمد برکیؒ کی جگہ مولانا حسن برکیؒ کو ان کا سرِ حلقہ بنانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ حسن کا طریق مولانا (برکی) کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہے اور دوسرے دوست اس مطلب سے بے بہرہ ہیں اگرچہ کشف و شہود حاصل کریں اور توحید و اتحاد سے مشرف ہو جائیں لیکن یہ دولت اور ہے اور یہ کاروبار الگ ہے کشوف کو یہاں جَو کے برابر بھی نہیں لیتے اور اس توحید و اتحاد سے استغفار کرتے ہیں۔

غرض دوستوں کو لازم ہے کہ شیخ کی تقدیم (آگے بڑھانے) میں توقف نہ کریں اور اس کو سرِ حلقہ بنا کر اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ برادرم خواجہ اویس یہ بات دوستوں کو سمجھا کر حلقۂ مشغولی کی طرف رہنمائی کرے اور شیخ حسن کی طرف ترغیب و ترتیب فرمائے۔ حسن کو بھی چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کے دل کی محافظت کرے اور برادری کے حقوق بجا لائے اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑے، احکامِ شریعت کو پھیلائے اور سنتِ سنیہ کی متابعت کی ترغیب دے اور بدعت سے ڈرائے اور ہٹائے اور ہمیشہ التجا و تضرع و زاری

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۳۳۔

کرتا رہے ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ دوستوں پر پیشوائی اور ریاست حاصل ہونے کے باعث ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و ابتر کر دے۔ ہر وقت اپنے آپ کو قاصر و ناقص جان کر کمال کا طالب رہے اور نفس و شیطان دو بڑے دشمن گھات میں لگے رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ سے بھٹکا دیں اور محروم و ناامید کر دیں۔" [1]

آخر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فرمان کے مطابق مولانا شیخ حسنؒ مولانا احمد برکیؒ کے جانشین قرار پائے اور افادہ و افاضہ میں مشغول ہو گئے، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اپنے استاد کا شیوہ و طریقہ اختیار کیا اور مراقبہ و مجاہدہ اور رفع بدعت میں اپنی ہمت صرف کرتے رہے یہاں تک ترقی کی کہ بلند مقامات پر پہنچ گئے جیسا کہ آپ کے اُن عریضوں سے جو آپ نے حضرت موصوف کی خدمت میں ارسال کئے تھے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایک عریضے میں آپ نے بعض اصطلاحاتِ صوفیہ کا رد کر کے ان پر چسپاں کیا تھا اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس بے بضاعت کو تسلی دیتے ہیں معارفِ شرعیہ ہیں، گویا احکامِ شرعیہ میں سے ہر ایک حکم دریچہ ہے جو شہرِ مقصود تک پہنچانے والا اور اس شاہِ بے نشان کا پتہ بتانے والا ہے اور یہ بیت مدِ نظر ہے ؎

ما بہ سفر می رویم عزم تماشا کراست | ما برا دمی رویم کز ہمہ عالم وراست [2]

(ہم سفر پر جا رہے ہیں تماشا کا ارادہ کس کا ہے، ہم اس تک جاتے ہیں جو کہ تمام عالم سے وراء الوراء ہے)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو آپ کے اعتراضات گراں گزرے اور حضرتؒ نے آپ کو تحریر فرمایا:

"آپ کو واضح ہو کہ یہ سب بیہودہ اعتراض اور زبان درازیاں ہیں جو آپ نے مشائخ طریقت قدس سرہم پر کی ہیں، ان کا باعث یہ ہے کہ آپ نے ان بزرگواروں کی مراد کو نہیں سمجھا۔ توحیدِ شہودی جس کے معنی ہیں "ایک دیکھنا" اور جو ماسوا کے نسیان پر وابستہ ہے، ان بزرگواروں کے نزدیک طریقت کی ضروریات میں سے ہے جب تک یہ حاصل نہ ہو اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہوتی اور آپ اس دولت اور دولت والوں کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ شہود و رویت جو ان بزرگواروں کی عبارات میں واقع ہے اس سے مراد حضور بے چونی ہے

[1] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۱۔ [2] زبدۃ المقامات ص ۳۸۰۔

جو مرتبۂ تنزیہ کے مناسب اور احاطۂ ادراک سے جو کہ عالم چون سے ہے باہر ہے اور اس دولت حضور کو دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے ظاہر کو ہر وقت دو بینی سے چارہ نہیں، اسی واسطے کہتے ہیں کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک و موحد ہے اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موحد جمع ہے۔ کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک، پس کامل کا باطن ہر وقت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں، اس میں کوئی ڈر نہیں یہ اعتراض بے سمجھی کے باعث ہے۔

آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہیے لیکن (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنہ و فساد پر آمادہ کرتے ہیں آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ ان مدعیوں کی نئی بنائی ہوئی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہے اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے۔ آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحید شہودی کی نسبت کس قدر لکھا ہے، اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔

آپ کو چاہیے تھا کہ اس کے معنی دریافت کرتے اور ادب سے سوال کرتے، یہ ایک بھول ہے جو مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی جدائی کے بعد کھلا ہے مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں، خیر اچھا ہوا کہ آپ نے لکھا اور آپ کو تنبیہ و آگاہی ہوئی آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں اور صحت و سقم کا ملاحظہ نہ کیا کریں۔ کیونکہ اگر صحیح ہوگا تو خوشی کا باعث ہے اور اگر سقیم ہوگا تو تنبیہ کا باعث ہوگا۔ بہر صورت لکھنے میں سستی نہ کیا کریں۔ سال کے بعد آپ کا خط قافلہ کے ہمراہ آتا ہے سال میں ایک بار نصیحتوں کا لکھنا ضروری ہے جب تک آپ نہ لکھیں اور نہ پوچھیں تب تک گفتگو کا راستہ نہیں کھلتا۔"

دوسرے جملے کے متعلق حضرتؒ اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کی یہ معرفت اصلی اور بہت اعلیٰ اور بہت امید بخشنے والی ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ سے بہت خوشی ہوئی تھی کہ مکتوب کی پہلی پراگندگی کو بھی دور کر دیا حق تعالیٰ

اِس راہ سے آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچائے۔"[1]

شیخ حسن برکیؒ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ فقیر نماز تہجد پڑھ رہا تھا کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے معانی ظاہر ہوئے اور پردۂ حیرت اٹھا دیا گیا اور عین الیقین سے مشرف کیا گیا، زبانِ قلم اس مقام کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر اور سننے والے کی سمجھ اس کے سمجھنے سے معذور ہے، اس کے بیان کے لئے لب نہیں کھل سکتے۔ عالمِ مثال میں اس حالت کی یہی ایک مثال ہو سکتی ہے کہ جسم میں روح محتاطب ہے اور جسم روح کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے اور روح کی خالقِ ارواح کے ساتھ یہی نسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کے لئے رگِ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے، یہ قرب مخلوق کے لئے بعید ہے کیونکہ یہ قرب بیچون اور بے چگون ہے جس کے ساتھ عالم کو بجز خالق و مخلوق ہونے اور صانع و مصنوع ہونے کے اور کچھ تعلق نہیں ہے ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک[2]

نقل ہے کہ آپ کا ایک جوان صاحبزادہ قابل اور طالبِ صادق تھا جو آپ کو اطلاع دیئے بغیر حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند چلا آیا تھا آپ اس سے بالکل بے خبر تھے۔ وفات کے وقت آپ نے اس کو یاد فرمایا پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا مجھ کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ حضرت مخدوم زادۂ عالی قدر کی خدمت میں ہے اور اب حضرت نے اس کو اجازت و خلافت دیکر روانہ کیا ہے اور اب وہ راستہ میں ہے تھوڑی دیر میں آجائیگا اور میرا قائم مقام ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا اور اپنے وطن عثمان پور میں دفن ہوئے۔[3]

شیخ حمید بنگالی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم خلفا میں سے ہیں آپ کا وطن مالوف شہر منگل کوٹ ضلع بردوان بنگال ہے۔ آپ جامع علوم معقول و منقول تھے، آپ کا تشرع و تقویٰ رعایتِ عزیمت اور ترکِ رخصت کمال درجہ کا تھا، آدابِ سلسلہ نقشبندیہ کا اتباع اور طریقۂ احمدیہ کی موافقت آپ کے صفاتِ حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ میں

---

[1] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب نمبر ۷۷۔ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۲۳ [3] ایضاً ص ۳۲۴

داخل تھی، آپ کے فقر وقناعت، زہد وتوکل اور استقامت کا بیان زبانِ قلم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ صرف ایک سال حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت فیض اقدس میں رہے، آپ کے منازلِ سلوک راہِ جذبہ انجام پائے اور آپ درجۂ ولایت کو پہنچکر مراتب کمال تکمیل حاصل کئے۔ حضرت نے آپ کو خلافت عطا فرما کر آپ کے وطن مالوف کو رخصت کیا اپنے وطن میں پہنچکر تدریسِ علومِ ظاہری اور ارشادِ سلوکِ باطنی میں مشغول ہو گئے، وہاں آپ کو بڑی قبولیت اور خاص وعام میں بڑی شہرت حاصل ہوئی (حضرات القدس)

آپ کی توبہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کے اسباب اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ آپ بنگال سے دینی علوم حاصل کرنے کی غرض سے لاہور آئے۔ تحصیل علوم کے بعد اپنے وطنِ مالوف کو جاتے ہوئے آگرہ میں اپنے پُرانے دوست مولانا عبد الرحمٰن مفتی لشکرِ سلطانی کے پاس چند روز کے لئے ٹھہر گئے۔ آپ شروع سے صوفیائے کرام کے خلاف تھے اور ان پر شدید نکتہ چینی کیا کرتے تھے اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بھی کوئی عقیدت نہ تھی اور مشرب وحدۃ الوجود کا بھی انکار کرتے تھے۔ حسنِ اتفاق کہ شیخ حمید بنگالی کے دوران قیام میں حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اکبرآباد تشریف لائے اور مولانا عبد الرحمٰن موصوف کے مکان کے متصل ہی قیام پذیر ہوئے چونکہ مولانا عبد الرحمٰن اور ان کے اہل وعیال حضرت کے معتقدین میں سے تھے اس لئے شیخ حمید نے مناسب سمجھا کہ کسی اور جگہ منتقل ہو جائیں) چنانچہ شیخ حمید نہایت مضطرب انداز میں مولانا کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں کسی دوسرے محلہ میں جا کر قیام کرونگا، آپ کے پاس میری جو کتابیں ورسالے ہیں مجھے واپس دیدیجئے۔ مولانا نے کہا کہ آخر مکان تبدیل کرنے کی کیا وجہ ہے؟ شیخ حمید نے جواب دیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ تمہارے پڑوس میں آئے ہوئے ہیں اور میں ان سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا۔ مولانا نے کہا حضرت ایک بزرگ اور عالم مرد صالح ہیں ناخوشی مناسب نہیں ہے۔ جواب دیا کہ میں ان سے قدرے آشنائی رکھتا ہوں آخر کسی روز قرب وجوار میں ملاقات پیش آجائے گی، اگر ہم اکٹھے نہ ہوں تو بھی مشکل ہے اور اگر جمع ہوں تو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ میں اس قسم کے بزرگوں کے سامنے آنے کی تاب نہیں رکھتا۔

یہ کہہ کر کسی دوسرے محلہ میں چلے گئے اور سامان بھی لے گئے۔

شیخ حمید دو تین روز کے بعد اپنی ایک کتاب لینے کے لئے آئے جو بھولے سے مولانا موصوف کے ہاں رہ گئی تھی۔ دونوں اکٹھے بیٹھے تھے اور علمی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ مولانا کے ہاں تشریف لے آئے۔ مولانا نے حسب عادت نہایت عقیدت و ارادت کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا استقبال کیا اور ان کی خاطر و تواضع میں لگ گئے۔ شیخ حمید ایسے وقت پر اپنے آنے سے بہت شرمندہ و پشیمان ہوئے۔ حضرت ممدوحؒ نے تشریف رکھتے ہوئے مولانا سے فرمایا کہ ہم ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں۔ مولانا نے عرض کیا کہ وہ کونسا مسئلہ ہے جو حضور سے پوشیدہ ہے۔ فرمایا کہ آپ مفتی ہیں اس لئے آپ سے پوچھ کر عمل کرنا احوط ہے۔ اس کے بعد ایک نہایت واضح اور مشہور مسئلہ دریافت کیا۔ پھر شیخ حمید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا" ہائے شیخ حمید اینجا بودہ اند" (ہائیں شیخ حمید یہاں پر ہیں) اور ایک دو دفعہ خاص انداز سے نظر ڈال کر مراقبہ میں مستغرق ہو گئے، اس کے بعد یکایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے مولانا نے ہر چند عرض کیا کہ تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں۔ وہیں ماحضر تناول فرمائیں مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ آخر مولانا حضرتؒ کی مشایعت کیلئے دروازہ تک آئے۔

مولانا کا خیال تھا کہ شیخ حمید "بد اعتقادی" کی وجہ سے اپنی جگہ سے بھی نہ اٹھے ہونگے مگر دیکھا کہ وہ باچشم پرنم حضرتؒ کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں اور حضرتؒ ان کی طرف مطلقاً توجہ نہیں فرماتے۔ آخر حضرتؒ اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور شیخ حمید حضرتؒ کے دروازہ پر پہنچکر حیران و پریشان دست بستہ سر جھکائے کھڑے رہ گئے۔ کچھ دیر بعد حضرتؒ نے آپ کو خلوت میں طلب فرمایا اور طریقت کی تعلیم دی اور جذبہ و نسبت سے مشرف فرمایا حتیٰ کہ شیخ حمید اس درجہ تک مغلوب الحال اور حضرتؒ کی خدمت و صحبت میں ایسے مشغول ہوئے کہ تمام احباب اور کتابوں کو بھول گئے کہ جن سے پورا پورا تعلق رکھتے تھے۔ چند روز کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سرہند شریف واپس ہوئے تو شیخ موصوف پاپیادہ مجنوں وار آپ کی رکاب باسعادت میں روانہ ہو گئے۔ [1]

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۵۲ و حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۸۳۔

مولانا عبد الرحمن کا بیان ہے کہ مجھے اس واقعہ کے مشاہدہ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مزید گرویدہ بنا دیا اور میں حاضرِ خدمت ہو کر بیعت ہوا چنانچہ جب ایک امیر کبیر نے جو حضرتؒ کی طرف سے اچھے اعتقاد نہ رکھتا تھا مولانا سے دریافت کیا کہ آپ گروہِ علماء و عقلاء سے ہیں آپنے حضرتؒ کی کیا کرامت دیکھی کہ مرید ہو گئے تو مولانا نے فرمایا کہ ہم اہلِ علم اس سے زیادہ کوئی کرامت نہیں سمجھتے کہ شیخ عالمِ باعمل اور متبعِ سنت ہو علم کے ساتھ اتباعِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ و اہتمام ہم نے جیسا حضرت شیخ سرہندیؒ میں دیکھا اپنے زمانہ میں کسی دوسری جگہ دیکھا نہ سنا بس ہمارے نزدیک یہی سب سے بڑی کرامت اور حاصلِ ولایت ہے [1]

شیخ حمیدؒ نے تقریباً دو سال آستانۂ عالیہ پر رہ کر منازلِ سلوک طے کئے اور احوالِ عجیبہ مقاماتِ غریبہ سے نوازے گئے اس کے بعد حضرتؒ نے تعلیم طریقت کی اجازت دیکر ان کو وطن روانہ فرمایا۔ اجازت نامہ زبدۃ المقامات ص ۳۵۶ پر درج ہے تبرکاً و تیمناً ہم بھی اس مبارک تحریر کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں :-

"اما بعد الحمد والصلوٰۃ فیقول العبد المفتقر الی رحمۃ اللہ الملک الولی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی رحمہما اللہ سبحانہ رحمۃ واسعۃ ان الاخ العالم والصدیق الصالح جامع العلوم الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ الشیخ حمید البنگالی وفقہ اللہ سبحانہ لما یحب ویرضاہ لما قطع منازل السلوک وعرج معارج الجذبہ ووصل الی درجۃ الولایۃ بعد ان حصل لہ اندراج النہایۃ فی البدایۃ اجزت لہ بتعلیم الطریقۃ علی طریقۃ المشائخ النقشبندیۃ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم الطالبین المسترشدین المریدین المخلصین بعد الاستخارۃ و حصول الاذن من اللہ سبحانہ والمسئول من اللہ سبحانہ ان یعصمہ عما لا یلیق ویحفظہ عما لا ینبغی وان یثبت علی متابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات

مشائخین کا دستور ہے کہ اہلِ ارشاد کو خلافت دیکر رخصت کرتے وقت خرقہ عنایت

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۵۵ و تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

فرماتے ہیں۔ شیخ حمید نے عرض کیا کہ مجھ کو بجائے خرقہ کے کفشِ پائے مبارک کافی ہے۔ چنانچہ حسبِ التماس حضرتؒ نے کفشِ مبارک عنایت کئے۔ آپ نے اُن کفشِ مبارک کو دانتوں سے اٹھایا اور جب تک طاقت رہی دانتوں سے اٹھائے رہے بعد ازاں سر پر باندھا اور بصد گریہ وزاری وبیقراری اُلٹے پاؤں روانہ ہوئے۔ شیخ نے ان کفشِ مبارک میں جو دولت پائی وہ قیصر و کسریٰ کو کہاں نصیب۔ جو لوگ آپ کی مشایعت کے لئے گئے تھے بیان کرتے تھے کہ آپ اسی ہیئت سے چلے جارہے تھے اور آخر میں ان کو دستار میں باندھ کر اپنے سر پر تاج مکلل بنالیا تھا اور اسی طرح اپنے وطن تک گئے

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں" اس وقت جبکہ اس بات کو بیس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے وہ کفشِ مبارک اس دیار میں متبرک اور زیارت گاہ ہے، اہلِ حاجات مشکلات سے نجات حاصل کرنے کیلئے اور مریض شفا پانے کیلئے آتے ہیں اور اپنی مرادوں کو حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ اس علاقہ میں اطبا کی ضرورت بہت کم ہوتی ہے، بالجملہ شیخ حمیدؒ نے جو کچھ پایا ان کفش کی بدولت پایا۔

اگر خاکے ازیں کو بر سر آید | مرا بہتر ز چندیں افسر آید

آپ کا وصال ۱۰۵۰ھ میں اپنے وطنِ مالوف میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار پُر انوار ہے آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ حبیب الرحمٰن جو کہ صاحبِ احوال و مقامات اور صاحب استقامت و کرامت تھے آپ کے سجادہ نشین ہوئے [1]

حاجی خضر خاں افغان علیہ الرحمۃ

آپ کا مولد و مدفن قصبہ بہلول مضافاتِ سرہند میں ہے۔ آپ حضرت مخدوم عبدالاحد علیہ الرحمۃ دالدِ ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی شرفِ صحبت سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ آپ نے ولولۂ شوق و غلبۂ عشق میں بحالتِ تجرید و تفرید بہت کچھ سفر کئے اور اکثر مشائخ و فقراء کی خدمت میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ حجازِ قدس اور دیارِ عرب اور بیت المقدس کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور ہر جگہ آپ کو حکایاتِ شیریں و معاملاتِ رنگین پیش آتے رہے مگر کسی جگہ آپ کے دل کو تسکین نہ ہوئی، جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۸۸

تو آپ کے دل نے آرام و سکون پایا اور تلقینِ ذکر کی سعادت حاصل کی اور واردات و حالات اور عالی مقامات سے مشرف ہوئے [۱]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کبھی کبھی آپ سے مزاح فرماتے اور خضر اکہہ کر پکارتے تھے۔ آپ بھی حضرتؒ کے عاشق و شیدا تھے اور حضرتؒ کے ہر لطف و عطا پر اپنی جان فدا کرتے تھے۔ آپ بہت خوش الحان تھے اور خوش الحانی کے ساتھ اذان دیتے تھے جب تک آپ حضرتؒ کی خدمت میں مقیم رہے کوئی اور اذان نہ دے سکتا تھا۔ آپ کی اذان دلوں پر خاص اثر ڈالتی تھی ہر شبِ جمعہ کو آپ حضرتؒ کی مسجد کے حجرے میں آتے اور حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر خوش الحانی سے درود شریف پڑھتے اکثر سحر کے وقت بلکہ ساری رات نغمہ سرائی کرتے اور گریہ زاری میں مشغول رہتے [۲] اور کسی شاعر کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا دل میں ہوتا ہے
میں راتوں کو اٹھ اٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلصوں میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا: "ایک روز میں نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے کئی باتیں پوچھیں الحمد للہ کہ اس نے صحیح صحیح بیان کر دیں۔ اسی اثنا میں میں نے اس سے پوچھا کہ "در یارانِ ما کیست کہ در و ترا تصرف کمتر است" (ہمارے دوستوں میں سے ایسا کون ہے جس پر تجھے بہت کم تصرف ہے) اس نے کہا حاجی خضر۔ [۳]

غرضیکہ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ کثیر التعداد مخلوق نے آپ سے فیضِ سرمدی حاصل کیا۔ شیخ آدم بنوری بھی ابتداء میں آپ ہی کے مرید تھے بعد ازاں آپ نے خود اُن کو حضرت کی خدمت میں بھیجا۔

حاجی خضر نے جب حضرتؒ کی وفات کی خبر سُنی تو فوراً بیہوش ہو کر گر پڑے پھر گریہ و زاری کرتے ہوئے مخدوم زادوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوبارہ ماتم برپا کر دیا۔ مخدوم زادوں کی فرمائش پر اذان دی تو بھی تمام سننے والوں کو خوب رلایا اور حضرتؒ کی رحلت کے بہت ہی قلیل عرصہ بعد غالباً ۱۰۳۵ھ میں انتقال فرمایا [۴]

---

[۲] حضرات القدس جلد ۲ ص ۳۱۶ [۳] زبدۃ المقامات ص ۳۸۴ [۴] حضرات القدس ص ۳۰۹

میر صفر احمد رومی علیہ الرحمۃ

آپ صحیح النسب سید اور ملک روم کے مشائخ کبار میں سے تھے زیارتِ حرمین کے جذبۂ شوق میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پُرنور کے سامنے بعجز و نیاز بیٹھے تھے کہ واقعہ میں آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میر صاحب موصوف کو حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند شریف جانے کی ہدایت فرمائی چنانچہ آپ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور جب ۱۰۱۲ھ میں لاہور پہنچے تو حسنِ اتفاق کہ اُن دنوں حضرت موصوف بھی لاہور ہی میں تشریف فرما تھے لہٰذا آپ خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور باطنی سلوک کی تکمیل کے بعد آپ خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔[۱]

اس کے بعد حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے آپ کی دخترِ نیک اختر سے حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی شادی کرنی چاہی تو آپ نے بجان و دل قبول فرما کر یہ سعادت بھی حاصل کر لی چنانچہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۰۲۱ھ کو مسنون طریقہ پر رسوماتِ شادی انجام پذیر ہوئیں۔[۲] اس طرح آپ کو حضرتؒ کے ساتھ قرابت داری کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ ۱۰۴۰ھ میں سرہند شریف میں انتقال فرمایا۔[۳]

شیخ طاہر بدخشی علیہ الرحمۃ

کہتے ہیں کہ آپ کے اجداد بدخشاں کے رہنے والے ترک خاندان سے تھے۔ آپ نہایت سادہ لوح نیک طینت، دراز قامت اور قوی ہیکل انسان تھے۔ ابتدا میں فوج کے افسر تھے ایک دفعہ فوج کسی قلعہ کو فتح کرنے گئی تو آپ بھی اس میں شامل تھے۔ اثنائے سفر میں آپ ایک شب خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر خلفاء و اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ سے فرمایا کہ اس سفر کے بعد تم ان لوگوں (فوجیوں) سے الگ ہو جاؤ اور فقر و تجرید اختیار کرو۔ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو خرقہ پہنایا۔

جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے ترکِ ملازمت کا عزم بالجزم کر لیا۔ چنانچہ

---

[۱] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۱۱۹ و ۳۳۹ [۲] جواہر معصومیہ ص ۱۴ [۳] روضۃ القیومیہ رکن دوم ص

بعد مراجعت جب لشکر لیک جزیرۂ خارستان داشجارستان پر پہنچا تو آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور اس خارستان میں چلے گئے۔ خادم نے سمجھا کہ شاید رفع حاجت کے لئے گئے ہیں بہت دیر انتظار کیا جب دیکھا کہ واپس نہیں آئے تو وہ منزل پر واپس آگیا، رفیقوں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آپ وہاں سے غائب ہو کر ان جزائر میں ایک دہقان سے ملے اور اس سے اپنے لباس کے عوض میں ایک گدڑی لے کر پہن لی اور اطراف و جوانب کے مشائخ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ چونکہ آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی تھی اس لئے کچھ عرصہ بعد آپ گھر واپس آئے اور اپنی زوجہ سے کہا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ نیک بخت بی بی نے کہا میں ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی آپ سے وابستہ کر چکی ہوں زندگی کا جو طریقہ آپ کو پسند ہے وہی مجھے بھی پسند ہے۔ چنانچہ وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں شوہر کے ساتھ ہولیں اور دونوں اس علاقہ کے ایک صاحب دل بزرگ کے پاس پہنچے انھوں نے فرمایا تمہارا حصہ نقشبندی مشائخ میں معلوم ہوتا ہے اور حدودِ دہلی ولاہور کی طرف اشارہ کیا[1]۔

اس کے بعد آپ مرشدِ کامل کی تلاش میں پھرتے ہوئے شیخ عبدالجلیل بیانکی کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ نے کہا تم صاحبِ استعداد مرد ہو سفر اختیار کرو شاید کہ کسی بزرگ کی ملاقات میسر ہو اور تمہارا کام بن جائے چنانچہ آپ ہندوستان کیلئے چل کھڑے ہوئے اس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا عام شہرہ تھا اس لئے دہلی کا قصد لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ آپ کے دہلی پہنچنے سے چند دن قبل حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ وصال فرما چکے تھے وہاں خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہوئی، میر صاحب بہت شفقت سے پیش آئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فضائل بیان کئے اور آپ کو حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ چنانچہ آپ حضرتؒ سے بیعت ہوئے اور کافی عرصہ خانقاہِ سرہند میں قیام کر کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ آپ کے خصائصِ عظمیٰ میں سے یہ ہے کہ آپ ایک مدت تک خلوت وجلوت میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و مشاہدہ سے مشرف ہوتے

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۶۴، ۳۶۳ وحضرات القدس دفتر دوم ص ۱۳

رہے گویا کہ آپ کو یک گونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا درجہ حاصل تھا[1]

کہتے ہیں کہ چونکہ آپ سادہ مزاج ترکؒ تھے اس لئے اپنے احوال و مکاشفات کو جب بیان فرماتے تو ان کے اندازِ بیان سے حضرتؒ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آجاتی تھی۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے معارف بیان فرماتے تو آپ آرے اور بلے کہتے جاتے اور سر ہلاتے جاتے چنانچہ حضرت قدس سرہٗ خوش طبعی کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "بداں مانند کہ ایں اسرار بر مولانا طاہر وارد شدہ وما مترجم آنیم" (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسرار و معارف مولانا طاہر پر وارد ہو رہے ہیں اور میں ان کا ترجمان ہوں۔)[2]

جب آپ احوال و جذباتِ خاص سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اجازتِ تعلیم دے کر جونپور روانہ کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ وہاں تم کو ایک مقبولِ حق شخص ظاہر ہو گا (یعنی نیک فرزند پیدا ہو گا) چنانچہ حضرت کی وفات کے دس سال بعد آپ نے مخدوم زادوں کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ وہ فرزند جس کی حضرتؒ نے بشارت دی تھی پیدا ہو گیا ہے اور علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کر رہا ہے تجرید و تفرید میں مجھ سے آگے ہو کر متوجہ شیوخِ طریق ہے[3]

جونپور پہنچ کر خدا جانے کن احوال کے ماتحت آپ نے گفتگو اور نشست و برخاست میں ایسا طریقہ اختیار کیا کہ لوگ انھیں ملامتیہ میں سے جاننے لگے اور طالبینِ طریقت کا آپ کی طرف رجوع بہت کم ہو گیا۔ چنانچہ جن دنوں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے آپ نے اپنے عریضہ میں لوگوں کی عدم توجہی کے بارے میں تحریر کیا۔ جس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا "عجب مردے سادہ دل است ملاکِ امر محافظۂ احوال و فکرِ کار و غمِ ایمان و مآلِ خود است، دریں ضمن ہر کرا حق سبحانہٗ برساند و بتعلیم و تربیت او مامور گرداند حسب الامر خالصاً لوجہ اللہ بداں باید پرداخت و نیز برائے انجذاب دلہائے طلاب وضعے کہ ملامت را آنجا راہ نبود اختیار باید نمود۔ (یہ عجیب سیدھے آدمی ہیں یہ خبر نہیں کہ اصل کام احوال کی محافظت، اپنے کام

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۱۰ و ۳۱۱ [2] زبدۃ المقامات ص ۳۶۵ [3] حضرات القدس ص ۳۱۱ و ۳۱۲

کی فکر اور اپنے ایمان و انجام کا غم کرتا ہے۔ اس ضمن میں جس کسی شخص کو بھی حق سبحانہ و تعالیٰ (اس کے پاس) پہنچا دے اور اس کی تعلیم و تربیت پر مامور کر دے حکم کے مطابق خالصاً لوجہ اللہ اس میں مشغول رہے۔ نیز اہلِ طلب کے دلوں کی کشش کے لئے ایسی وضع جس میں ملامتیہ کے طرز کو کچھ بھی دخل ہو اختیار نہ کرنی چاہیے۔[1]

آپ نے کافی طویل عمر پائی اور جونپور ہی میں ۱۰۴۲ھ کو انتقال فرمایا۔

مولانا شیخ طاہر لاہوری علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے عقیدتمندوں میں بلند درجہ رکھتے تھے، سخت ریاضتیں اور شدید مجاہدے کرنے والے بزرگ تھے۔ کراماتِ ظاہرہ و خوارق باہرہ اور مناقب فاخرہ سے متصف تھے، ظاہری علوم میں کمال حاصل تھا اور حافظِ قرآن بھی تھے۔ معقول و منقول، فروع و اصول، اور جملہ فنون کی تحصیل کے بعد جب آپ کو سلوکِ طریقت کا شوق دامنگیر ہوا تو آپ اتباعِ شریعت کے غلبہ کی وجہ سے ایسے پیر کی تلاش میں تھے کہ جو علم و عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال درجہ متابعت رکھتا ہو اور یگانۂ وقت اور شہرۂ آفاق ہو چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ان امور میں سردار اولیائے وقت تھے اس لئے آپ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سالہا سال بعجز و انکسار و ذلت و افتقار حضرتؒ کے در دولت پر گذارے، چنانچہ اس وقت خانقاہ شریف میں ظاہری خاکساری و بیمقداری کے اعتبار سے سالکوں میں آپ کے برابر کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اکثر اوقات درویشوں سے عرض کرتے کہ جاروب کشی کو منع کر دو اور بیت الخلاؤں کی صفائی و پاکیزگی میرے لئے چھوڑ دو۔

آپ حضرتؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس میں نہایت کوشش و سعی بلیغ فرماتے تھے چنانچہ مخدوم زادے فرمایا کرتے تھے "حقوقِ حضرتِ شیخ طاہر بر مایاں نہ آنقدر است کہ از عہدۂ شکر آں توانیم برول آمد جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء"[2] حضرت شیخ طاہر کے حقوق ہمارے اوپر اس قدر ہیں کہ ہم کسی طرح بھی ان کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے)۔

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۶۵ و ۳۶۱ [2] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۸۵۔

ایک روز خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بھی فرمایا کہ "محمد یحیٰی را می خواہم بشیخ طاہر بسپاریم کہ چوں برادرانش از میمنتِ انفاسِ شیخ عالم عامل شود اما الحال شیخ طاہر را آں دماغ کے ماندہ" (میں چاہتا ہوں کہ محمد یحیٰی کو شیخ طاہر کے سپرد کردوں تاکہ وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح اُن کے یمن و برکات سے عالم باعمل ہوجائے لیکن اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں رہا) یعنی اب ظاہری علوم مغلوب ہوگئے ہیں اور درویشی کا رنگ غالب آگیا ہے۔

باوجود اس علمیت کے آپ پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ زبانِ قلم اس کے بیان سے قاصر ہے چنانچہ ایک روز حضرتؒ نے آپ کو امامت کے لئے فرمایا تو آپ کا رنگ فق ہوگیا، اعضا لرزنے لگے اور خوف و ہیبت کے باعث، حافظِ قرآن اور عالم ہونے کے باوجود لحظہ بلحظہ آواز گلے میں بیٹھی جاتی تھی۔ غرضکہ آپ اس دولتِ انکسار اور ادب و خدمت کے باعث حضرتؒ کی نظرِ اکسیر اثر کی برکت سے درجاتِ عالیہ پر فائز ہوئے۔

لیکن اثنائے راہِ سلوک میں بحکمتِ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بلیہ عظمیٰ رونما ہوئی، مجملاً اس کا بیان اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت موصوفؒ حلقۂ ذکر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "دریں حلقہ دیدم کہ بر جبینِ یارے لفظِ شقی مرقوم است" (یعنی اس حلقہ میں میں نے دیکھا کہ ایک دوست کی پیشانی پر لفظِ شقی لکھا ہوا ہے) (یہ سنتے ہی) تمام دوستوں پر ہیبتِ عظیم طاری ہوگئی اور ہر شخص لرزنے لگا، لیکن یہ دوست شیخ طاہر تھے، چنانچہ اس کے بعد آپ سے عجیب عجیب لغزشیں ظہور میں آئیں، بعد ازاں حضرت موصوفؒ نے آپ کے حق دعا فرمائی اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ کی دعا قبول فرما کر اس بلیہ کو دفع فرمادیا۔[1] اس واقعہ کی مزید تفصیل دفتر اول مکتوب ۲۱۷ میں بھی ہے جو "قضائے مبرم و قضائے معلق" کے عنوان سے "تعلیمات" کے باب میں صفحہ ۵۱۵ پر درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جو اجازت نامہ آپ کو عنایت فرمایا تھا اس میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اجازت نامہ یہ ہے:

"بعد الحمد و المنۃ لولیہٖ و الصلوٰۃ و التحیۃ علیٰ نبیہٖ و علیٰ آلہٖ و اصحابہ الکرام الداعین الخلق الی دار السلام یقول العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ الولی الغنی احمد بن عبد الاحد الفاروقی

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۲۰ و ۳۲۱۔

النقشبندی غفر الله سبحانه ذنوبهما وستر عیوبهما ان الاخ العالم العامل الفاضل الکامل الشیخ محمد الطاهر لما وفقه الله سبحانه وتعالیٰ بسلوک طریقة اولیاءه ودخل فی الطریقة العلیة النقشبندیة بجمع الهمة وتمام النهمة حصل له الحضور والشهود والقربة والجمعیة وتیسر له البدایة التی اندرجت فیها النهایة فاذا مضت برهة من الزمان وهو علیٰ هذه الاحوال ظهر لی انه سیبتلی بابتلاء عظیم حتی یخرج من الصراط المستقیم الیٰ سبل متفرقة ویمیل من مذهب اهل الحق الیٰ مذاهب باطلة فهمنی ذلک والجانی الی التضرع والخشوع الی الله سبحانه لیذهب عنه هذا الابتلاء ویرفع عنه ذلک البلاء ثم ظهر لی بعد التضرع التام انه سوف یرفع عنه ذلک الابتلاء فحمدت الله سبحانه علیٰ ذلک وقد ظهر بعد مدة یسیرة منه ما ظهر لی اولاً حتی خرج من الاستقامة الی الاعوجاج ومال من الحق الی الباطل بحیث انقطع رجاءنا من ان یعود الی الحق ویرجع الی الاستقامة هو کلما دخل فی سبیل من السبل المتفرقة واظهره الله سبحانه علیّ توجهت بعون الله سبحانه وتوفیقه الی اخراجه من ذلک السبیل بالقهر التام وسعیت بعد ذلک فی ان اسد ذلک السبیل حتی لا یکون له عود الی ذلک ثانیاً ومضت الشهور بل السنون علی هذه الحالة ثم ظهر بتائید الله سبحانه ما ظهر ثانیاً فعاد الی الحق ورجع الی الصراط المستقیم ثم قطع ما بقی له من منازل الجذبة ومقامات السلوک وصار اهلاً لان یرخص لتعلیم هذه الطریقة وتربیة الطلبة فرخصت له بذلک بعد الاستخارة والتوجه المسئول من الله سبحانه الاستقامة والثبات علی متابعة سید الاولین والاخرین علیه وعلیٰ اٰله الصلوات والتسلیمات ولما کان للشیخ المشار الیه من طریقی السلسلة القادریة والچشتیة حظاً وافراً ونصیباً کاملاً رخصت له ایضاً ان یعطی للمریدین خرقة الارادة فی القادریة وخرقة التبرک فی الطریقة الچشتیة والمسئول من الله سبحانه العصمة والتوفیق والحمد لله رب العالمین اولاً واٰخراً والصلوٰة والسلام علیٰ سید المرسلین دائماً وسرمداً وعلیٰ اٰله العظام واصحابه الکرام [۱]

---

۱ حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۸۹ تا ۲۹۱ -

ایک روز گرمی کے زمانے میں غلبۂ حال کی وجہ سے شیخ طاہرؒ کی زبان سے نکلا کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی میرے احوال سلب کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اس لئے کہ میں فانی ہو گیا ہوں اور اس گروہ کا (اس بات پر) اتفاق ہے کہ اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ (فانی کو لوٹایا نہیں جاتا)۔ کسی شخص نے ان کا یہ کلام حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ کو جلال آ گیا اور شیخ موصوف کے احوال سلب کر لئے۔ شیخ بیچارے بصد اضطراب، ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بہت سے بزرگ دوستوں سے سفارش کرائی تب حضرتؒ نے آپ کو معاف کیا اور پھر آپ کی (سابقہ) نسبت تک پہنچایا۔

بالجملہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے شیخ موصوف کو بلند احوال سے نوازا اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں تعلیمِ طریقت کی خلافت سے سرفراز فرما کر شہر لاہور کے طالبین کی ہدایت و تربیت کے لئے رخصت فرمایا۔ اس وقت طریقۂ قادریہ (وچشتیہ) میں بھی آپ کو اجازت دی چنانچہ آپ لاہور آکر تعلیم و تربیتِ طالبین میں مشغول ہو گئے اور ایک جماعتِ کثیر آپ کے افاضات و برکات سے بہرہ ور ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت سے روانہ ہونے کی کیفیات کے متعلق خود شیخ نے حضرتؒ کی خدمت میں حسب ذیل عریضہ لکھا :-

"عرض خدمت ہے کہ جب سے آستانۂ عالیہ سے رخصت ہو کر جانبِ پنجاب متوجہ ہوا ہوں ہر قدم پر کہتا ہوں کہ اے نادان تو اپنے مقصد کو پیچھے چھوڑ کر کہاں جاتا ہے لیکن غیب سے آواز آتی تھی کہ چلے چلو۔ بالجملہ کشاں کشاں لاہور پہنچا تو ایک مسجد کے گوشہ میں جا کر حیران و پریشان بیٹھ گیا۔ ناگاہ روحانیتِ حضرت خواجۂ بزرگ (باقی باللہ) قدس سرہٗ ظاہر ہوئی اور کہا کہ جس کام کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے اس کے درپے تحصیل ہونا چاہئے لہٰذا امتثالاً لامرہٖ وامرکم الشریف چند ایک کو مشغول کیا، ان کے درمیان ایک نوجوان بلند استعداد بھی آیا جس کے تمام بدن میں بمجرد شغل کے نسبت سرایت کر گئی اور سر سے پاؤں تک آگاہ ہو گیا، دوسرے طالبوں نے بھی جمعیت و حضور حاصل کیا[1]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۴۲ و ۲۴۳ -

غرضکہ آپ شہر لاہور میں افادۂ طالبانِ علومِ دینی و افاضۂ سالکان میں مشغول رہے مگر آپ پر خلوت و تنہائی کا غلبہ رہتا تھا اس لئے حجرۂ خلوت میں مقیم ہو گئے اور آمد و رفتِ خلق کو روک دیا تھا خصوصاً امراء اور دولت مندوں کو کسی حال میں آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

آپ کا ذریعۂ معاش تفسیر و حدیث مثل بیضاوی و مشکوٰۃ وغیرہ اپنے ہاتھ سے لکھنا اور حواشی سے ان کو مزین فرمانا اور ان کو فروخت کر کے گذارا کرنا تھا۔ عمر کا اکثر حصہ آپ نے حالتِ تجرد میں گذارا مگر اخیر عمر میں ادائے سنتِ نبوی کے خیال سے نکاح کر لیا تھا[1] کئی مرتبہ آپ خرقہ پوش درویشوں کے ہمراہ لاہور سے پاپیادہ حضرت کی خدمت میں سرہند حاضر ہوئے اور چند روز خدمتِ عالی میں گذار کر اجازت حاصل ہونے پر تشریف لے گئے[2]

اہلِ پنجاب آپ کو "طاہر بندگی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، سنہ ۹۸۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور چھپن[56] سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ بوقت چاشت بتاریخ ۲۰ محرم سنہ ۱۰۴۰ھ کو وفات پائی اور لاہور میں آپ کا مزار پُر انوار ہے، مادہ تاریخِ وفات "غم" اور "آہ معرفت مُرد" ہے۔

خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں علیہ الرحمہ

آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں یکم ربیع الاول سنہ ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۳ نومبر سنہ ۱۶۰۱ء کو عصر کے وقت ولادت ہوئی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے آپ کا نام حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے اسم گرامی پر رکھا جن کے حضرت خواجہ صاحب موصوف بیحد معتقد تھے۔ آپ کی ولادت کی حضرت خواجہ قدس سرہٗ کو بڑی خوشی تھی چنانچہ حضرت خواجہؒ نے آپ کی ولادت اور تسمیہ کی نسبت کئی اشعار کہے۔ خواجہ کلاں ابھی اڑھائی سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ خواجہ حسام الدینؒ نے آپ کی پرورش کی، ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ شیخ اللہ داد نے آپ کو طریقہ نقشبندیہ کے شغل سے بھی بہرہ ور کیا۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل ہونے کے بعد آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجدیا گیا جہاں آپ نے حضرت موصوفؒ کے فیضِ صحبت سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں تکمیل حاصل کر کے خلافت پائی۔ اس طرح آپ اپنے والد بزرگوار کے

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۹۱ و ۲۹۲ [2] زبدۃ المقامات ۳۴۰۔

خلف الرشید ثابت ہوئے اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل ہو گئے [1]

آپ کی ایک صاحبزادی کی شادی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ محمد یحییٰؒ سے ہوئی، اس طرح آپ کو حضرتؒ سے قرابت داری کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

آپ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں فصیح و بلیغ مکاتیب تحریر فرماتے تھے چنانچہ آپ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں جو مکتوبات ارسال کئے وہ حضرت کی محبت و عظمت کے جذبات سے لبریز اور عربی و فارسی انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہیں، نظیر کے طور پر ایک عربی مکتوب یہاں نقل کیا جاتا ہے[2] وھو ہذا:۔

عریضۃ محتویۃ علی سرایر الاخلاص ومکامن الاختصاص من المملوک المفلوک احقر عبید اللہ الی اسوۃ اھل الصحو وقدوۃ ارباب السلوک شیخ الاسلام مصباح الظلام امام الانام ومنبہ النیام الاجل الاکمل البارع الاورع النحریر النیر المنیر مشیید ارکان الملۃ والمتطہر من المآثم والذلۃ والناطق بالحق والصواب وللخلق کنف اللوذ والایاب قائمۃ للدین وقایۃ الاحکام المتین والمتمکن علی مسند الافادۃ والمتصاعد من حضیض العادۃ الی افق السعادۃ قلاوز رکبان الطریقہ وحارز عمران الحقیقہ نور حل قۃ الاکوان ونور حدیقۃ الاعیان فارس مضمار الخطاب وحارس اسرار الکتاب المتعین علی وسادۃ وراثۃ المصطفوی والمتصف علی جادۃ خلافۃ النبوی واقد نیران المحبۃ لقائمۃ ومنھل عطش المھجۃ سقائہ حلال عقود الاشراقیہ ودلال وفود الاشراقیہ لیس مکرمۃ من اللہ الا لہ فیھا حظ کامل ولا موھبۃ الا لہ نصیب کامل الصفوۃ شعشعۃ من نیر قلبہ الراقی والعطوفۃ شعبۃ من دوحتہ مما اوتی لہ التقدیم علی مشائخ الزمان والتفوق علی مشاھیر الدوران یتبجح بملاحظۃ اطوارہ من طور الولایۃ ویستطلع بمشاھدۃ اعمالہ علی اسرار اھل النھایۃ من استند بعروۃ ارادتہ فھو الذی ارتقی علی مدارج الکمال ومن اعتصم بحبل اخلاصہ فھو الذی استعد

---

[1] حیات باقی ص ۱۱۴ [2] جیسا کہ زبدۃ المقامات ص ۳۲۶ پر درج ہے۔

بنیل الامانی وفاز بحصول الکمال فہلموا یا ایہا المترددون فی فیافی الطلب وتعالوا ایہا المتشمرون الی عبادان وصول الرب واقرعوا باب دارہ التی تعلم بمنبع البرکات وعاکفوا علی حضرتہ التی تسمی بمعدن الخیرات وترقبوا من تلطفہ حصول المقاصد والمرادات وترصدوا من تصرفہ نیل المکارم والسعادات ھو الشیخ المکمل سیدنا و مولنا ملاذ الدین الفاروقی النسب المحمدی الحسب السرھندی المولد القدوسی المحتد الاندلسی فی حقہ غبطۃ ولسمنانی فی امرہ عبرۃ طاد الطوسی عند ظہورہ وفر الفارابی من سطوۃ طلوعہ ومقر فضلہ الغزالی ومثبت تفوقہ الرازی اللھم یسر امالہ وضاعف کمالہ واحفظہ من طوارق الایام وموجبات الاحزان والالام ما ھمر غمام وحد رحام بحرمۃ النبی والہ الکرام وصحبہ العظام واتباعہ الاخیار الی یوم القیامۃ علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام یا سیدی لیس لی طول البضاعۃ ولا حول الاستطاعۃ الا مکرمتکم ومرحمتکم قلبی قاسیۃ باصناف الذنوب والمأثم وفوادی مظلمۃ باصناف الذمائم والجرائم رحموا علی احوالی وانظروا علی سریرتی وبالی حتی استخلص من ھاویۃ الجہالۃ والضلالۃ وارتقی علی معارج السعادۃ والکمالہ الیوم لیس اب مشفق الا انتم وھرب ومارب الا حضرتکم کل ازمنۃ عمری وجل اوقاتی وعامۃ شہوری وسنواتی مصروفۃ بمدحتکم العالیہ ومحمدتکم المنیئۃ و اقتصر علی لقائکم ان کان لی الاربۃ والمنیۃ سیدی لسانی کلیل وبیانی علیل لا یطیق فی العربی علی مقتضاء اقتضائی فابین المقصود بلسان الفرس بتوفیق اللہ [illegible] عز شانہ وجل سلطانہ انتہی۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۶۴ و ۲۶۵)

آپ کی چند تصانیف ہیں لیکن وہ سب گوشۂ گمنامی میں ہیں البتہ "مبلغ الرجال" چھوٹے سائز کے ۱۱۸ اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا مقصدِ تصنیف اس انتشار کو رفع کرنا تھا جو آراء اہلِ فکر و نظر اور اقوالِ اربابِ کشف و شہود کی وجہ سے معرفتِ حقیقتِ عالم کے متعلق پیدا ہو گیا تھا۔ آپ کی وفات ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۴۳ھ کو دہلی میں ہوئی اور اپنے والد ماجد کے قبرستان میں دفن ہوئے (نزھۃ الخواطر ج۵ ص۱۹)

خواجہ عبداللہ عرف خواجہ خورد علیہ الرحمۃ

آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطن سے اپنے بڑے بھائی سے چار ماہ بعد ۶ رجب المرجب ۱۰۱۱ھ مطابق ۴ فروری ۱۶۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت پر بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے زوردار اشعار کہے، آپ شکل و شباہت اور سیرت میں اپنے والد بزرگوار کی ہو بہو تصویر تھے۔ چونکہ والد ماجد کا سایہ صغر سنی ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم بھی خواجہ حسام الدینؒ کے زیر تربیت ہوئی جو اپنے پیر بزرگوار کی وفات کے بعد ان کی درگاہ اور تمام خاندان کے نگراں تھے۔ آپ نے درسی کتابیں شیخ شاکر محمد اور شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی سے پڑھیں اور جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو آپ کو بھی (اپنے بڑے بھائی خواجہ کلاں کے ہمراہ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں سرہند شریف بھیجدیا گیا وہاں آپ نے باطنی اور روحانی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم کلام اور تصوف کی اعلیٰ کتابیں بھی حضرتؒ سے پڑھیں۔[۱]

صاحب روضۃ القیومیہ رقمطراز ہیں کہ "خواجہ کلاں عبیداللہ و خواجہ خورد عبداللہ دونوں صاحبزادے حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کے فرزندارجمند ہیں۔ حضرت خواجہؒ ان دونوں صاحبزادوں کو (شیر خوارگی کے زمانے میں) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں لائے اور فرمایا کہ ان پر توجہ کرو۔ حضرتؒ نے ان دونوں عزیزوں پر ایسی توجہ فرمائی کہ اسی وقت اس توجہ کا اثر ظاہر ہوا[۲]۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بعد جب دونوں عزیز بالغ ہوئے تو سرہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابھی سرہند سے باہر ہی تھے کہ حضرتؒ نے کہلا بھیجا کہ اگر اس لئے آئے ہو کہ میں آپ کے والد بزرگوار قدس سرہٗ کی وصیت پوری کروں تو آجائیں اور اگر اپنی پیرزادگی کے لحاظ سے آئے ہو تو میں پیرزادگی والے آداب و استقبال بجالاؤں۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم مرید ہونے کیلئے حاضر ہوئے ہیں چنانچہ حضرت نے انھیں بڑی عزت سے خانقاہ میں رکھا اور سلوک کی تکمیل کرا کے خلافت عطا فرمائی۔[۳]

ع[۲] چودہ سال کی عمر میں یہ دونوں بھائی حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے (الفرقان بابت ماہ رجب ۱۳۵۷ھ ص ۱۰ طبع)

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۵ و حیات باقی ص ۱۱۵ [۳] مزید تفصیل مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۴۶ میں ملاحظہ ہو۔

حضرت خواجہ خوردؒ ایک مدت تک آستانۂ عرش نشان پر کمال خاکساری کے ساتھ مقیم رہے اور واردات کثیر البرکات سے بہرہ ور ہوئے، حضرت مجدد قدس سرہٗ کے علوم و معارفِ خاصہ سے بہرۂ کامل حاصل کیا، آپ پر حضرتؒ کی نظرِ عنایت بہت تھی چنانچہ اپنی نسبتِ خاصہ آپ کو القا فرمائی[1]

آپ پر جذبہ و شوریدگی کا بڑا غلبہ تھا، پیر بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی محبت میں بعض اوقات پاپیادہ دہلی سے سرہند شریف پہنچ جاتے تھے۔ حضرتؒ بھی آپ کی قابلیت اور صلاحیت کی بہت تعریف کرتے تھے[2] خواجہ خوردؒ "رباعیات و شرح رباعیات" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایں فقیر چند مرتبہ از وطنِ مالوف بخدمتِ ایشاں در سرہند و یکبار در لاہور مشرف شدہ و ہر بار چند گاہ درخدمت بسر بردہ، الطاف بسیار می فرمودند و امیدواری چنانست کہ آں الطاف سبب نجاتِ اخروی گردد، اجازتِ عمل طریقہ و اجازتِ تعلیم ہا نیز فرمودند و بشارتہامی دادند"[3]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں آپ کی تعریف و تحسین فرماتے ہیں:-

"حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا، اس کے مطالعہ سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ نسبتِ حضور کے شمول اور غلبہ کے بارہ میں لکھا ہوا تھا، نیک و مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین مہینے میں میسر ہوئی ہے دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو بڑی نعمت گنتے ہیں اور امرِ عظیم تصور کرتے ہیں، اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ چونکہ معلوم ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے اور اس قسم کے احوال کی تعریف و تحسین کرنے سے عجب و تکبر کے پیدا ہونے کا گمان نہیں ہے اس لئے اس نعمت کا اظہار کیا گیا۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ نعمت دونگا) نصِ قاطع ہے۔ الیٰ آخرہ"[4]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے خواجہ خورد کو کس درجہ عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ خواجہ خوردؒ موصوف کے عریضوں سے ہو سکتا ہے چنانچہ دو عریضے بطور نمونہ درج ذیل ہیں، عریضۂ اولیٰ:-

---

[1] حضرات القدس دفتر اول ص ۲۶۲ [2] حیات باقی ص ۱۱۵ [3] ۱۱۵ ... ۲۱۴
[4] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۳۵۔

"عرضداشتِ بندۂ مہجور پر تقصیر محمد عبد اللہ آنکہ اوقات گرامی بر علائے سلامت آنحضرت می گذرد و ندامت و پریشانی کہ بر دوری از خادمانِ حضور وارد آنقدر است کہ بگفت و نوشت نگنجد چندیں شوریدگی و سرگردانی روئے دادہ کہ شمہ ازاں اشعار نتواں کرد سراپا درد و اندوہ است و با ایں خداوند کریم را شکر کہ در رابطۂ باطن کہ حاصل آں فنا و مستی است ذاتاً و صفتاً و عیناً و اثراً فتورے نیست و چگونہ فتور راہ یابد کہ بعد از رجوع بوطنِ اصلی ہوائے غربت در سرمی ماند و انسہائے غریبہ روئے می دہد و اسرارِ عجیبہ جلوہ گر میسازد و باطن را باہیچ از ہیں ہا التفات نیست بدریائے عالم آب از سر گذراند و انہ ہمہ طفیل خدمت گاری و بندگی آں حضرت است ذات والائے آں حضرت تا قیام قیامت بر مفارقِ طلاب و سلاک باقی باد"

عریضۂ ثانیہ

"عرضداشتِ کمترین خدام والادرگاہ محمد عبد اللہ بعرض اقدس باریافتگان و راہ بردگانِ محفل خلد مشاکلِ حضرت خداوندی قبلہ گاہی دام ارشادہٗ میرساند کہ احوال بداں گونہ می گذرد کہ بیانِ آں فرصتِ درازمی طلبد سرانجام کار چیست و آخر بکجا کشد شورشے شگرف سراپا پیچیدہ دریائے خفیفت مواج است ہر لحظہ موجِ دیگر بر روئے کار دارد دو قطرہ را با موج بودن شریعتِ عشق ہیہات ہیہات چہ می گویم در حضرت قطب دائرہ ظہور دیوانگی سے دیگر بدیوانگی بخشند سہ

گہ گریم و گہ خندم و گہ افتم و گہ خیزم　　آموختہ ام مستی از دلبر مستانہ

اے قبلۂ خدا پرستاراں کرمے نمایند تا از گردابِ جنوں بساحلِ ہوش افتم زیادہ بریں گستاخی است العبودیۃ انتہیٰ ۲"

حضرت خواجہ خوردؒ قرآنِ کریم کے حافظ تھے اور نہایت خوش گو شاعر بھی، فارسی میں سخن گوئی کا نہایت اعلیٰ مذاق رکھتے تھے اور فارسی انشا پردازی میں بھی آپ اپنا جواب رکھتے تھے۔ علمِ کلام اور فلسفہ و تصوف کے بھی بہت بڑے عالم تھے ۳ آپ شیخ ابن عربیؒ کے مذہب

۱ و ۲ زبدۃ المقامات ص ۶۸ و ۶۹ ۳ حیاتِ باقی ص ۱۱۵۔

معارفِ الٰہیہ میں یدِطولیٰ رکھتے تھے اور فصوص الحکم و فتوحاتِ مکیہ آپ کی نوکِ زبان تھیں اُن پر آپ نے تعلیقات تحریر کیں اور تفسیر بیضاوی اور بعض دیگر کتبِ درسیہ پر بھی تعلیقات لکھیں، آپ کی دیگر تصنیفات زاد المعاد، رسالہ مناقب شیخ حسام الدینؒ و رسالہ المیراث شرح التسویۃ للالہ آبادی ایک رسالہ حقائق میں بزبانِ عربی اور دو فارسی رسالے پردہ برانداخت و السر المبہم، اور کتاب لقوائح عربی میں اور طریق الوصول الی اصل الاصول ہیں اور ایک دلچسپ کتاب رباعیات و شرح رباعیات ہے [1]

حضرت خواجہ خوردؒ کی اولاد میں تین صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں: خواجہ سلام اللہ، خواجہ کلمۃ اللہ و خواجہ ضیاء الدینؒ[2] ـــــ اور آپ کے شاگردوں میں حضرت شاہ عبدالرحیمؒ (والدِ ماجد شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی، اور تایا صاحب یعنی شاہ عبدالرحیمؒ کے بڑے بھائی) شیخ ابوالرضا محمد بھی تھے [3]

آپ کی وفات بروز بدھ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بھی آپ کے والد بزرگوار کے قریب اسی قبرستان میں ہے [3]

شیخ عبدالحی حصاری علیہ الرحمۃ

شیخ عبدالحی بن خواجہ چاکر حنفی علیہ الرحمۃ حصار شادمان (علاقہ اصفہان) کے بہت بڑے عالم اور صاحبِ مقاماتِ عالیہ تھے ورع و تقویٰ اور استقامت علی الطریقہ پر اپنے زمانے میں بے مثال تھے[4] شادمان سے ہندوستان آئے اور شہر پٹنہ میں مقیم ہو گئے۔ توفیقِ الٰہی آپ کے شاملِ حال ہوئی اور سعادتِ ازلی نے رہنمائی کی تو پٹنہ سے تجرید و تفرید اور خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت کے مقربین اور محرمانِ راز میں داخل ہو گئے، حضرت کی اکثر خدمات آپ سے متعلق رہتی تھیں اور خلوت و جلوت میں حاضر رہتے تھے۔ غرضکہ سالہا سال آستانۂ عالیہ پر رہے اور بہت سے اسرار و معارف کو زبانِ فیض ترجمان سے سُنا تھا۔ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی فرمائش پر مکتوبات شریف کا دفترِ ثانی موسوم بہ اسمِ تاریخی "نور الخلائق" جو کہ ننانوے مکاتیب پر مشتمل ہے ۱۰۲۸ھ میں آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۵ [2] حیاتِ باقی ۱۲۴ [3] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۵ [4] ایضاً ص ۲۱۲۔
[5] از مولانا نسیم احمد صاحب امروہوی، ماہنامہ الفرقان ص ۴۵ بماہ رجب ۱۳۷۲ھ

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے تکمیل سلوک کے بعد آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دیکر شہر پٹنہ روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچکر شیخ نور محمد پٹنی کی رفاقت میں طالبانِ حق کے افاضہ میں مشغول ہو گئے۔ پٹنہ میں آپ کو مقبولیتِ عظیم حاصل ہوئی، بہت سے مریدانِ رشید اور خلفاءِ اہلِ ارشاد آپ سے ظاہر ہوئے [۱]۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مخلص کو ارقام فرماتے ہیں: "ان دونوں عزیزوں مولانا عبدالحی اور شیخ نور محمد کا وجود اس ایک شہر (پٹنہ) میں قران السعدین کی مانند ہے" [۲]۔ نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ شیخ نور محمد پٹنی کو ایک مکتوب میں شیخ عبدالحی کے مقام حال کے متعلق اس طرح تحریر فرماتے ہیں:-

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ برادرم شیخ میاں عبدالحی آپ کا ہم شہری ہے، آپ کے قرب وجوار میں آیا ہے، علوم ومعارفِ غریبہ کا نسخہ ہے، اور اس راہ کی ضروری چیزیں اس کے پاس بہت ہیں، اس کی ملاقات دور افتادہ یاروں کیلئے غنیمت ہے کیونکہ نیا آیا ہے اور نئی چیزیں لایا ہے، فنا وبقا کا اس کے پاس نشان ہے اور جذبہ وسلوک کا اس کے پاس بیان ہے بلکہ فنا وبقا متعارف کے سوا اور جذبہ وسلوکِ متعارف سے آگے بھی واقف ہے بلکہ وہاں اس کا گذر ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارفِ غریبہ اس نے سنے ہوئے ہیں اور حتی المقدور استفسار کر کے حاصل کئے ہوئے ہیں واللّٰہ سبحانہ الموفق۔ آپ اپنے احوال کو مفصل طور پر مشار الیہ کے پاس بیان کر دیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام [۳]۔

سنہ ۱۰۵۰ھ میں آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کا ارادہ کیا اور پٹنہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزارِ پُر انوار کی زیارت اور مخدوم زادگان کی بابرکت صحبت کی غرض سے سرہند شریف حاضر ہوئے، وہاں سے حرمین شریف روانہ ہوئے۔ آپ کا ہر قدم توکل کے ساتھ اٹھتا تھا۔ وہاں بھی آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور سُنا گیا ہے کہ آپ بعد ادائے حج علوم وطن ہونے کیلئے

[۱] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۳۶ [۲] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۲۴۰ [۳] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۹۵

جہاز پر سوار ہوئے کئی روز تک جہاز اپنی جگہ سے نہ ہل سکا سب لوگ حیران و پریشان تھے۔ آخر کار آپ نے فرمایا سب احباب روانہ ہو جائیں اور میں جہاز سے نیچے اتر جاتا ہوں اس لئے کہ ابھی مجھ کو روانگی کی اجازت نہیں ملی ہیں ایک حج اور کر کے آؤں گا۔ آپ کا جہاز سے اترنا تھا کہ جہاز چل پڑا کہتے ہیں کہ آپ کا ٹھہرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کی وجہ سے تھا حج کے لئے روانگی کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی [1] ۔ ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی [2]

مولانا عبدالواحد لاہوری علیہ الرحمۃ

آپ بھی اس جماعت میں سے ہیں جس کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے تعلیم و تربیت کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سپرد فرمایا تھا۔ آپ کثیر المراقبہ و کثیر العبادۃ شخص تھے حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز عبادت کے ذوق و شوق کی کیفیت میں آپ نے مجھ سے پوچھا کیا بہشت میں نماز ہوگی؟ میں نے کہا نہیں، کیونکہ وہ دار جزا ہے نہ کہ دار عمل۔ آپ نے ایک آہ سرد کھینچی، رونے لگے اور فرمایا: آہ! ہم نماز اور اس بے نیاز کی بندگی کے بغیر کیونکر زندہ رہ سکیں گے۔ نیز ایک روز آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں عریضہ لکھ رہے تھے میں نے اس پر نظر ڈالی تو اس میں تحریر تھا "کبھی کبھی نماز میں سجدہ کے وقت ایک ایسی حالت رونما ہوتی ہے کہ سجدہ سے سر اٹھانا ہرگز اچھا نہیں معلوم ہوتا۔"

ایک دفعہ آپ مال تجارت لیکر بخارا تشریف لے گئے وہاں ایک مسجد میں جو اس شہر کے مقامات متبرکہ میں شمار ہوتی تھی نماز کے لئے جاتے اور نماز عشا کے بعد نوافل میں مشغول ہو جاتے تھے ایک رات مسجد کے خادم نے آکر سختی کے لہجہ میں کہا کہ میں مسجد کا دروازہ بند کرتا ہوں نوافل گھر جا کر پڑھو۔ اسی شب کو اس خادم نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ اس سے فرما رہے ہیں کہ وہ درویش ہندی سوداگر ہمارے دوستوں میں سے ہے اس سے جا کر معذرت کرو۔ چنانچہ اس نے آپ سے بہت معذرت کی۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ جن دنوں حضرت مجددؒ لاہور میں تشریف فرما تھے ایک بوڑھا سبزی فروش آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے اس کا بڑا احترام کیا اس پر سب کو حیرت ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ابدال میں سے ہے [3]

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۳۹ [2] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۲۰ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۸۸۔

شیخ عبدالہادی فاروقی بدایونی علیہ الرحمۃ

آپ عالم و فاضل اور اپنے ملک کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ اولاً آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی حضرت خواجہؒ نے آپ کی تربیت بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حوالہ فرمائی اور حضرت کے ہمراہ آپ کو سرہند روانہ کیا پس آپ عرصہ تک حضرتؒ کی خدمت میں رہے اور برکات و ثمرات سے بہرہ مند ہوئے [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کے ابتدائے سلوک کے حالات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"ملا عبدالہادی نے نقطۂ فوق میں استغراق کے ساتھ حضور حاصل کیا ہے۔ نیز کہتا ہے کہ میں مطلق پاک یعنی اللہ تعالیٰ کو اشیاء میں تنزیہی صفت سے دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اس سے جانتا ہوں۔ یہ سب آنجناب کا فیض ہے جو طالب علموں اور سعادتمندوں کو پہنچ رہا ہے اور اس فیض رسانی میں اس خاکسار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔" [2]

بعد ازاں آپ نے ایک مدتِ مدید حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں گذاری، ترقیات و کمالات کو پہنچے اور اجازتِ تعلیم طریقت سے مشرف ہوئے [3]

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالہادی اور مولانا یار محمد قدیم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں قیام کے زمانہ میں ایک ہی حجرہ میں رہتے تھے۔ مولانا یار محمد قدیم ہمیشہ رات کو صبح تک قیام کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے اور شیخ چونکہ بیماری کی وجہ سے اس قدر ریاضت نہ کر سکتے تھے، اس لئے زیادہ عبادت نہ کر سکتے اور رات کو نہ اٹھتے پر بہت حسرت افسوس کرتے اور مولانا کے حال پر رشک کیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرتؒ نے فرمایا سبحان اللہ شیخ عبدالہادی کا حسرت و افسوس کرنا مولانا یار محمد کی عبادت و شب بیداری پر سبقت لے گیا اور ان کے کام کو مولانا کے کام سے زیادہ بلند کر دیا۔ بیشک کام حق سبحانہ و تعالیٰ کی بخشش کے زیر سایہ ہے [4] آپ کا وصال ۹ شعبان ۱۰۴۲ھ کو ہوا اور مزار بدایوں میں خرم شاہ کے تکیہ میں ہے [5]

[1] حضرات القدس [2] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۱۴ [3] زبدۃ المقامات [4] حضرات القدس [5] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

مولانا فرخ حسین ہروی علیہ الرحمۃ

آپ بدخشاں وماوراءالنہر کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ کو اپنے وطن ہی میں بعض مشائخ کی بشارتوں اور خوابوں کے ذریعہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تجدید و قیومیت کا علم ہو گیا تھا اس لئے آپ نے کمر ہمت باندھی اور ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ جب لاہور پہنچے تو ان دنوں اتفاقاً حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی لاہور میں تشریف فرما تھے چنانچہ آپ تجدید کے دوسرے سال حضرتؒ کے دیدار فیض انوار سے مشرف ہو کر مرید ہوئے اور حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فیضِ صحبت سے تکمیل سلوک کے بعد خلافت حاصل کی۔ [1]

صاحب نزھۃ الخواطر رقمطراز ہیں کہ "آپ شئونِ حکمیہ اور انشاءِ شعر میں بہت بڑے عالم تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور اس زمانہ کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر ہندوستان تشریف لائے اور شہزادہ شجاع بن شاہجہاں بادشاہ کے مقرب ہوئے، سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہتے تھے یہاں تک کہ ڈھاکہ پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ آپ درس دیتے تھے اور طریقت سکھاتے تھے۔ آپ سے بہت سے علماء نے طریقہ اخذ کیا۔ آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ [2]

جدا از صحبتِ جاناں دریں مجلس بجام اندر　　بجائے بادہ دارم نیمہ خوں نیمہ آتش

عاشوراء کے روز ۱۰۶۱ھ کو صبح کی نماز کے آخری سجدہ میں وفات پائی ڈھاکہ میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ [3]

مولانا قاسم علی علیہ الرحمۃ

آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے ان احباب میں سے ہیں جن کی تربیت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حوالہ ہوئی تھی، چنانچہ آپ سالہاسال خانقاہِ مجددی میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے۔ [4] خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آپ کی روحانی ترقی کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قاسم علیؒ کو مقام تکمیل سے حصہ حاصل ہے، اسی طرح اس جگہ بعض دوستوں کا بھی اس مقام سے حصہ معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔" [5]

---

[1] روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۴۱۸ و ۴۱۹ ۳ [2] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۵ [3] روضۃ القیومیہ ص ۳۳۵
[4] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۱۱ نیز دفتر اول کے مکتوب ۱۲ میں بھی آپ کا تذکرہ ہے۔

شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی علیہ الرحمۃ

آپ موضع عثمان پور، ضلع اٹک (متصل حسن ابدال) کے رہنے والے تھے جہاں سے کشمیر کو بھی راستہ جاتا ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مشہور خلیفہ اور صاحب تصرف و کرامات بزرگ تھے، ان ممالک میں آپ کے تصرفات مشہور ہیں، آپ اپنی عقیدت و ارادت کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں عالم شباب میں تحصیل علوم کے لئے لاہور آیا اور علم ظاہری کے حصول میں مشغول ہو گیا۔ ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ اگر میں مر گیا تو حق تعالیٰ (کی معرفت) سے محروم رہ جاؤں گا اس لئے میں تعلیم کو خیرباد کہہ کر اپنے وطن مالوف واپس آگیا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثناء میں شیخ کامل کی تلاش میرے دل میں پیدا ہوئی آخر ایک شب میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ اس کے جمال کے سامنے ماہتاب شرمندہ و خیرہ تھا اور وجاہت و وقار بدرجۂ کمال اس سے ہویدا تھا۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان بزرگ کا مرید ہو جاؤں اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں حیران تھا کہ ان بزرگ کو کہاں تلاش کروں۔ پھر دوسری شب بھی میں نے انہی بزرگ کو دیکھا۔ غرضیکہ اسی طرح چند بار ان بزرگ نے اپنے دیدارِ پُر انوار کو دکھا کر میرے صبر و قرار کو لوٹ لیا اور دیوانہ کر دیا، آخر بیقراری کا مجھ پر غلبہ ہوا اور میں دیوانوں کی طرح گھر سے نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ سرہند پہنچا اور جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خانقاہ پر پہنچا تو اپنی خستہ حالی سے متاثر ہو کر دروازہ کے باہر ٹھہر گیا۔ آخر ایک درویش نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک مفلس آیا ہے اور خدمتِ عالی میں حاضر ہونا چاہتا ہے، حضرتؒ نے فرمایا اس کو جلدی بلاؤ۔ میں اندر گیا اور میری نگاہ حضرتؒ کے روئے روشن پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کا دیدارِ پُر انوار یہ عاجز خواب میں چند بار کر چکا تھا۔ پس حالتِ ذوق و شوق میں مجھ پر گریہ طاری ہو گیا، میں نے چاہا کہ آپ کے قدموں میں گر جاؤں لیکن حضرتؒ نے مجھ کو اپنی بغل میں لے لیا اور تھوڑی دیر سینۂ مبارک سے لپٹائے رکھا پھر حجرہ میں لے گئے اور طریقۂ ذکر تعلیم فرمایا اور مجھے گوہرِ مقصود حاصل ہو گیا[1]

جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو تعلیم ذکر و مراقبہ سے سرفراز فرمایا

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۲۵ و ۳۲۶۔

تو حضرتؒ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں ترقیات رونما ہوئیں اور حضرتؒ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دیکر اپنے وطن روانہ کیا۔ اس علاقہ کے بکثرت لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر اس سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو گئے اور اس سلسلہ کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ جن دنوں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی تھی تو دوستوں میں بہت کم لوگ حضرت کی خلوت گاہ میں جا سکتے تھے لیکن شیخ موصوف پر چونکہ حضرتؒ کی خصوصی عنایت تھی اس لئے آپ کے بارے میں حضرتؒ کا ارشاد تھا "شیخ بایاران خود می آمدہ باشد و ہیچ کس مانع نشود" (شیخ اپنے دوستوں کے ساتھ آیا کریں اور انھیں کوئی منع نہ کرے) [۱]

شیخ کریم الدین بابا فرماتے تھے کہ مجھ پر ایسا وقت آیا کہ اگر تمام عالم میری نظر میں آ جائے تو ایک نگاہ میں مقصد کو پہنچا دوں۔[۲] نیز شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی قدمبوسی کے لئے وطن سے روانہ ہوا۔ جب فضل آباد کی سرائے میں پہنچا تو میں نے واقعہ میں دیکھا کہ مجھ کو سلطنت کے تخت پر بٹھایا گیا ہے اور سلطانِ وقت دست بستہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ کو خلافتِ مطلقہ عطا فرمائی۔[۳] آپ کی وفات ۳ محرم ۱۰۵۰ھ کو اپنے وطن میں ہوئی [۴]

سید محب اللہ مانکپوری علیہ الرحمہ

آپ کی ولادت ۲ صفر ۹۹۶ھ کو صدر پور صوبہ بہار باختلاف روایت صدر پور نواح فرخ آباد اودھ میں ہوئی۔[۵] آپ نے ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد اور دیگر مقامی علما سے پڑھیں پھر لاہور پہنچکر ملا عبد السلام لاہوری سے شرف تلمذ حاصل کیا وہیں حضرت میاں میر لاہوری اور نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں آپ کے ہم سبق تھے[۶] تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر آپ اپنے وطن صدر پور اہل و عیال میں[۷] پہنچے، پھر مانک پور اور وہاں سے الہ آباد روانہ ہو گئے[۸]

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ سید محب اللہ مانک پوری علوم دینیہ کی کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری کی خدمت میں پہنچے

---

[۱] زبدۃ المقامات ص ۳۸۶ و ۳۸۷ [۲] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۲۷ [۳] ایضاً ص ۳۲۸ [۴] ایضاً ص ۳۳۳
[۵] ذکر المعارف ص ۹ [۶] ایضاً ص ۱۴ [۷] ایضاً ص ۱۵ [۸] ایضاً ص ۱۹ [۹] ایضاً ص ۴۲ -

اور ایک مدت تک وہاں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی بعد ازاں برہان پور ہی میں حضرت خواجہ میر محمد نعمان رح کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ ذکر سیکھا چونکہ میر صاحب کی مجلس میں ہمیشہ حضرت مجدد رح کی تعریف وتوصیف ہوتی تھی اور مکتوبات شریفہ کا تذکرہ ہوتا تھا اس لئے آپ کو حضرت مجدد رح کی خدمت وملاقات کا شوق غالب ہوا چنانچہ آپ سرہند شریف حاضر ہو کر مدت تک مستفید ہوتے رہے حتی کہ حضرت مجددؒ نے خلافت سے سرفراز فرما کر مانک پور روانہ فرمایا اور میر صاحب موصوف کو یہ کلمات تحریر فرمائے "سید محب اللہ نسیان ماسوٰی اور بعض درجاتِ فنا پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو اجازت دیکر مانک پور روانہ کردیا ہے۔ ؎۱

مانک پور پہنچکر کچھ عرصہ بعد آپ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں اہل وطن کی اذیتوں کی شکایت عرض کی تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"مخلوق کی ایذا برداشت کرنے اور قریبی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے کے سوا چارہ نہیں...... اس مقام کی سکونت میں ملاحت ونمکینی یہی ایذا وجفا ہے لیکن آپ اس نمکینی سے بھاگتے ہیں، بیشک حلاوت وشیرینی (عیش) کا پلا ہوا ملاحت ونمکینی کی تاب نہیں لاسکتا...... عزیمت کا طریق یہی ہے کہ آپ ایذا پر صبر وتحمل فرمائیں" ؎۲

لیکن جب آپ نے مانک پور سے الہ آباد منتقل ہونے کیلئے بہت منت وسماجت کے عریضے لکھے تو حضرت نے تحریر فرمایا:۔ "آج رات (واقعہ میں) ایسا نظر آیا گویا آپ کے اسباب کو مانک پور سے الہ آباد کی طرف لے گئے ہیں لہذا آپ وہیں اپنا قیام اختیار کرلیں اور اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ سے آباد رکھیں...... جہاں تک ہوسکے تقلید کا راستہ نہ چھوڑیں کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید سے بہت فائدے اور بڑے ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور شیخ کے طریق کے خلاف میں سراسر خطرات ہیں ؎۳

نوٹ: مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام دس مکتوب ہیں اور زبدۃ المقامات میں بھی حضرات خلفاء کے ذیل میں آپ کا تذکرہ موجود ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں تلون تھا اور شیخ طریقت

؎۱ زبدۃ المقامات ملخصاً ص ۳۸۲　؎۲ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۶　؎۳ ایضاً مکتوب ۱۳

مسلک کی پابندی کا بھی خیال نہیں رکھتے تھے اسلئے حضرت مجدد قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کا رجحان وحدت الوجود کی طرف ہو گیا اور نسبت چشتیہ صابریہ غالب آ گئی اسی وجہ سے صاحب حضرات القدس نے آپ کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی مخدوم زادگان حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہما کے مکاتیب میں آپ کے نام کوئی مکتوب پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب چنانچہ "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات" مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی میں شیخ محب اللہ آبادی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق آپ نے مختلف علماء سے تبادلہ خیال کیا لیکن کوئی آپ کو مطمئن نہ کر سکا اسی سلسلے میں آپ دہلی پہنچے پھر سہارنپور گئے اور گنگوہ میں حضرت ابوسعید (ابن شیخ نور بن شیخ علی بن شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ) علیہما الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کی صحبت میں ایک درجہ طمانیت اور دلبستگی محسوس کی آخر حضرت شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[۱] شاہجہان اور دارا شکوہ آپ سے بیحد عقیدت رکھتے تھے[۲] مگر اورنگ زیب کی رائے آپ کے متعلق اچھی نہ تھی چنانچہ عالمگیر نے آپ کے رسالہ تسویہ کو جلانے کا حکم دیا تھا۔[۳] آپ نے ۹ رجب ۱۰۵۶ھ کو الٰہ آباد میں وفات پائی اور وہیں آپ کا مزار پرانوار ہے[۴]"

شیخ محمد صادق کابلی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم مریدوں، مخلص احباب اور خلفا میں سے تھے ابتدا میں آپ شاہزادہ ولیعہد کے ملازم ہوئے حسن قسمت سے آپ کے دل میں طلب حق کا جذبہ موجزن ہوا اور آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی شہرت سن کر الٰہ آباد سے دہلی آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا وصال ہو چکا ہے۔ آپ میرزا حسام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی طلب حق کا اظہار کیا۔ مرزا صاحبؒ نے فرمایا اگر طلب حق رکھتے ہو تو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ آپ دہلی سے روانہ ہو کر حضرت مجدد الف ثانی رح کی خدمت میں سرہند حاضر ہو گئے، چونکہ طالب صادق تھے شرف قبولیت سے مشرف ہو کر مورد عنایات و لطف خاص

---

[۱] شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ص ۵۴۲ [۲] ایضاً ملخصاً ص ۵۴۷ [۳] ایضاً ص ۵۴۸ [۴] ایضاً ص ۹، [۵] ۵۵۔

بن گئے اور مقاماتِ سنجیدہ اور احوالِ پسندیدہ سے سرفراز ہو گئے۔ حضرتؒ کے الطاف آپ کے حال پر اس درجہ مبذول تھے کہ آپ کو داخل زمرۂ فرزندان و محرمانِ راز سمجھتے تھے، چونکہ آپ عقل و فہم اور آداب و اخلاقِ حسنہ سے آراستہ تھے اس لئے سفر و حضر میں حضرتؒ کی خدمات شائستہ آپ سے متعلق ہوتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کو مرضِ جذام ہو گیا جس کی وجہ سے یارانِ طریقت آپ کی صحبت سے کراہت کرنے لگے آپ اس مرض سے بہت دل شکستہ ہوئے اور ارادہ کیا کہ کہیں چلے جائیں جب حضرتؒ کو آپ کے ارادہ کا علم ہوا تو اس مرض کے دفعیہ کیلئے توجہ فرمائی چنانچہ آپ کو صحت حاصل ہو گئی۔

جب آپ درجۂ کمال کو پہنچے اور مقاماتِ بلند سے مشرف ہوئے تو حضرتؒ نے آپ کو خلافت اور تعلیمِ طریقت کی اجازت عطا فرمائی اور حضرت کے حکم کے مطابق آپ اس دشوار کام کی انجام دہی میں مشغول ہو گئے، لاہور میں آپ نے اقامت اختیار فرمائی اور وہاں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۰۳۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔[1]

مولانا محمد صالح کولابی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم احباب میں سے تھے نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبیعت پائی تھی۔ ابتداء میں جب آپ کو طلبِ حق کا شوق پیدا ہوا تو قرب و جوار کے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کسی سے کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوئی یہاں تک کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور دیکھتے ہی آپ کے دل میں ایسی کشش پیدا ہوئی کہ حضرتؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر تعلیمِ ذکر کی درخواست کی، حضرتؒ نے قبول فرما کر داخلِ سلسلہ کر لیا، اس کے بعد سالہا سال حضرتؒ کی خدمت میں رہے لیکن کم استعدادی کی وجہ سے آپ کو کوئی فتح و کشائش نہیں ہوئی۔ دوسرے پیر بھائیوں کے احوال دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے کہ وہ منازلِ ترقی پر گامزن ہیں آپ اپنے حال پر اور زیادہ حیران و گریاں رہتے، یہاں تک کہ ماہِ رمضان المبارک آگیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ معتکف ہوئے تو حضرتؒ کے اعتکاف میں طشت و آفتابہ کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ ایک شب حضرتؒ نے اپنے دستِ مبارک دھوئے تو آپ نے اس

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۱۵ و ۳۱۶۔

غسالہ کو تنہائی میں لیجا کر پی لیا۔ بس اس غسالہ کے پیتے ہی آپ میں شراب کی سی مستی بھر گئی اور حال و باطن میں فتح و کشائش نمودار ہو گئی۔

مولانا صالح جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو اجازتِ تعلیمِ طریقت سے ممتاز ہوئے اور طالبانِ معرفت کی ایک جماعت کو آپ کا روحانی فیض پہنچا۔ حضرت مجدد صاحبؒ اکثر آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرتؒ نے آپ کے متعلق فرمایا "مولانا صالح از سیرِ صفات و تجلیاتِ صفاتیہ بہرۂ تمام گرفتہ" (مولانا صالح نے سیرِ صفات و تجلیاتِ صفاتیہ سے پورا حصہ حاصل کیا ہے)۔

آپ نے حضرت مخدوم زادوں کی فرمائش پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دن رات کے معمولات کو ایک رسالہ کی شکل میں جمع کیا [1] (الحمد للہ کہ اس رسالہ کا قلمی نسخہ مل گیا ہے اور اب اس کا اردو ترجمہ کر کے معمولات کے باب میں پیش کیا جا رہا ہے، مؤلف)

مولانا محمد صدیق کشمی علیہ الرحمۃ

مولانا محمد صدیق بن ظہیر الدین حسنؒ کشم (علاقہ بدخشاں) کے رہنے والے تھے، عنفوانِ شباب میں ہندوستان آئے چونکہ شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے اس لئے محب الفقرا عبدالرحیم خانخاناں بن بیرم خاں کی صحبت اختیار کی، خانخاناں کو اس گروہ سے خاص تعلق تھا۔

آپ ہدایتؔ تخلص فرماتے تھے، آپ کے اشعار دلفریب، عشق و محبت سے خمیر یافتہ اور درد و سوز سے لبریز ہوتے تھے، آپ نے ایک قصہ شیشہ گر با چین کو حقیقتِ مجاز میں مستور کر کے بوزن مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ منظوم کیا ہے جو حق الیقین کی بہترین تعبیر ہے، اس کے علاوہ آپ کی اور بھی مثنویاں ہیں، ایک مثنوی خسرو شیریں کی نظم کے وزن پر بھی ہے۔

اسی زمانہ میں آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک ہو گئے حضرت خواجہ قدس سرہٗ اکثر آپ کی استعداد و قابلیت کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ۱۰۱۳ھ میں آپ دہلی سے برہان پور تشریف لے گئے اور تھوڑے دن منڈو میں اقامت کی [2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۷۰ تا ۳۷۲ [2] ایضاً ص ۳۷۲ و نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۸ و حضرات القدس۔

حضرت مولانا ہاشم کشمی رقمطراز ہیں کہ میں نے مولانا کی زبانی سنا ہے کہ ایک مرتبہ ہم کئی درویش عید کے دن صبح کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیشۂ گلاب ہاتھ میں لئے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حاضرین میں سے مجھے نیا اور عید کے مناسب اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھ کر مجھ پر گلاب چھڑکا، اس امر نے میرے پریشان دل کو جمعیت بخشی۔

زداماں تو ہر را شح گلابے زند بر روئے بختِ خفتہ آبے [1]

آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سفر دکن سے واپس آیا اس زمانے میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ سے رابطہ کا یہ حال تھا کہ ہر چیز سے حضرت خواجہؒ کا جمالِ باکمال نظر آتا تھا، در و دیوار اور شجر و حجر سے سوائے آپ کے جمال کے اور کوئی چیز نمودار نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ میرا وجودِ موہوم بھی حائل نہ رہا تھا اور میں خود کو بھی حضرت خواجہ سمجھتا تھا ؎

آں یکے شد روئے او شد سوئے دوست واں یکے شد روئے او خود سوئے دوست

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شعر و شاعری سے دستکش ہو گئے، حضرتؒ کی صحبت میں پابندی سے حاضر رہے، ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور حضرت کی خلافت سے مشرف ہوئے [2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں مولانا محمد صالح کولابی رحؒ کو آپ کے ترقی یافتہ احوال کی اطلاع دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"میرے سعادتمند بھائی کو حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ ان حدود کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اس جگہ کے سب احباب خوش و خرم ہیں بالخصوص مولانا محمد صدیق ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایتِ خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے، اسمِ جزئی سے اسمِ کلی کے ساتھ ملحق ہوئے، باوجود اس کے نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں وہاں سے نصیبِ وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف میلان کریں وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے) کبھی کبھی اپنے اور اُن دوستوں کے احوال جو طریقے میں داخل ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں لکھتے رہا کریں اور چند روز اسی جگہ استقامت اختیار کریں۔ والسلام [3]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۷۲ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۹۸ [3] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۴۱۔

سنہ ۱۰۱۹ھ میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بیاضِ خاص سے رسالہ "مبدأ و معاد" کے مضامین نقل کر کے مرتب کیا۔

سنہ ۱۰۳۲ھ میں آپ متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے واپسی میں آپ پہلے دہلی آئے چونکہ زادِ راہ تھوڑا تھا اور ہمراہیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے آپ نے اس سفر میں فقر و فاقہ کی بہت تکلیف اٹھائی اور علیٰ قدر النصیب دولتِ اجر سے مشرف ہوئے۔

جس زمانے میں آپ حجاز مقدس میں تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مولانا ہاشم کشمیؒ سے فرمایا کہ "اس وقت میں بعض غیر موجود مریدین کے احوال کی طرف متوجہ تھا مولانا محمد صدیقؒ نظرِ کشفی میں کامل محبت و اخلاص کے ساتھ ہماری طرف رجوع معلوم ہوئے"۔ آپ کو حضرتؒ کے علوم و معارف سے کافی مناسبت و واقفیت تھی[1]

آپ نے ماہِ شوال ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی اور دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی بی بی نے بھی حضرتؒ کی عنایات سے بہرۂ وافر حاصل کیا[2]

خواجہ میر محمد نعمان بدخشی علیہ الرحمۃ

تمام تذکرہ نویسوں نے مخدوم زادگانِ عالی شان قدس سرہم کے تذکروں کے بعد حضرت خواجہ میر نعمان علیہ الرحمۃ کا تذکرہ تحریر کیا ہے اور آپ کی شان کے لائق بھی یہی مناسب تھا لیکن ہم نے چونکہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے تذکروں کو مرتب کیا ہے اس لئے اس کی رعایت رکھتے ہوئے اب آپ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ میر محمد نعمان کے والد ماجد سید شمس الدین یحییٰ بدخشانی معروف بہ میر بزرگ ہیں جو تقویٰ و طہارت، نسبت و حضور و صفا میں مشاہیرِ وقت سے تھے اور بعض علومِ نادرہ مثل جفر و تکسیر وغیرہ میں یگانۂ عصر تھے، ۹۹۶ھ میں وفات پائی۔ ان کا مولد و مسکن اور مدفن موضع کشم ہے جو ملک بدخشاں میں واقع ہے ـــــــــ میر بزرگ کو نسبت و ارادت سلسلۂ طریقت میں ایک موزہ فروش درویش سے تھی جو سلسلۂ عشقیہ میں صاحب جذبات و

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۷۳ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۰۳

کرامات تھے اور سمرقند کی ایک خانقاہ میں گوشہ نشین رہتے تھے، اپنے آپ کو پوشیدہ و مستور رکھتے تھے اور موزہ فروشی کے پیشہ کو اپنے لئے پردہ بنائے ہوئے تھے ——— میر بزرگ انہی پیرِ روشن ضمیر کی ایک حکایت بیان کرتے تھے کہ ایک روز اُن کو سمرقند کی جامع مسجد میں کیفیتِ وجد طاری ہوئی اور منبر کی ایک جانب سے اُچھل کر دوسری جانب جا گرے، باوجود کبر سنی کے ان کو مطلق کوئی ضرب نہیں پہنچی، حالانکہ منبر دو قدِ آدم بلند اور اس کی نصف مقدار چوڑا تھا۔

میر بزرگ کے والد میر جلال الدین تھے اور جدِ امجد سید حمید الدین الحسینی مشہور عارف و عالم اور متقی بزرگ تھے ——— آپ کے آبا و اجداد میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو "شیخ بلبل" کے نام سے مشہور تھے، جب وہ تلاوتِ قرآن مجید کرتے تو ان کی قرات سننے کے لئے اُن کے گرد بلبلیں جمع ہو جاتیں اور قرات ختم ہونے تک نالہ و فریاد میں مصروف رہتیں حتیٰ کہ بعض تڑپ تڑپ کر جان دیدیتی تھیں۔

حضرت خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کی ولادت ۹۷۷ھ میں سمرقند میں ہوئی، آپ کی تاریخ ولادت لفظ "شیخ جنید" سے نکلتی ہے۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: "تمہارے گھر میں ایک سعادتمند لڑکا تولد ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔" چنانچہ حضرت امامؒ کے حکم کی تعمیل میں آپ کا نام محمد نعمان رکھا گیا۔

خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد ماجد کو بکثرت علوم میں فاضل و قابل جانتا تھا لیکن اولیاء اللہ میں سے خیال نہ کرتا تھا، ایک دن میری بڑی بہن نے جو اپنے وقت کی عارفہ تھی مجھ سے کہا کہ میں نے والد صاحب کو واقعہ میں دیکھا ہے فرما رہے ہیں کہ فرزند میر نعمان سے کہو "تم ہمارے متعلق کمزور اعتقاد کیوں رکھتے ہو؟" اس روز سے میں والد صاحب کا معتقد ہو گیا ——— نیز آپ فرماتے ہیں کہ بچپن میں بعض نسبتیں مجھ پر غلبہ کرتی تھیں اور مجھ کو غیبت و استغراق حاصل ہوتا تھا۔ جب میں فقراء کی خدمت میں گیا اور مراقبات و وارداتِ صوفیہ سے واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تمام احوال اس راہ کے شعبدے تھے۔

جب آپ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو حضرت امیر عبداللہ عشقی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بلخ حاضر ہو کر فیض باطنی حاصل کیا پھر حضرتِ عشقیؒ کے اشارے کے بموجب آپ ہندوستان تشریف لائے اور یہاں بھی وفورِ شوق میں بعض درویشوں سے اذکار کی تعلیم حاصل کی حتی کہ قطب المحققین حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور حضرت خواجہؒ کے الطاف بے پایاں نے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور ذکر و مراقبہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے مشرف فرمایا۔ آپ کے ہمراہ اہل و عیال اور رشتہ داروں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ آپ اُن سب کے ساتھ تصدق و توکل سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے اور اپنی اسی حالت میں فرحاں و شاداں رہتے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے بعض مخلص امراء نے حضرت خواجہؒ سے درخواست کی کہ خانقاہ کے بعض فقراء کو فقر و فاقہ کی بہت تکلیف رہتی ہے اگر حضور اجازت دیں تو ہم ہر ایک کا وظیفہ مقرر کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ حضرت خواجہؒ نے یہ رائے چند افراد کے لئے قبول فرمائی۔ اس وقت کسی نے آپ کا نام بھی پیش کیا اور کہا کہ میر محمد نعمانؒ بھی کثرتِ اہل و عیال کے باعث بہت تکلیف میں ہیں لیکن حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے آپ کے لئے اجازت نہیں دی اور فرمایا "ایںہا جزء بدنِ ما اند" (یہ ہمارے جزوِ بدن ہیں) یعنی ہم اپنے جزوِ بدن کو ان امور میں ملوث نہ ہونے دیں گے۔ میر صاحب موصوف فرماتے تھے کہ اگرچہ ان دنوں مجھ پر بہت کچھ فقر و فاقہ گزرتا تھا لیکن آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد اور آپ کی اس خاص عنایت کے باعث مجھ پر رقت طاری ہو گئی، میں از خود رفتہ ہو گیا اور حسنِ احوال کا امیدوار ہوا۔[۱]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے کہ مسجدِ فیروزی کے نیچے بہت سے مکانات جو صدیوں سے غیر آباد پڑے ہوئے تھے اور ابابیل وغیرہ پرندوں کے گھونسلوں کی بدبو کی وجہ سے وہاں قیام کرنا مشکل تھا لیکن حضرت خواجہؒ کا حکم ہوتے ہی آپ نے اس میں رہائش اختیار کر لی۔ دورانِ قیام میں بدبو کے اثرات کی وجہ سے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ جو عابدہ صالحہ

[۱] زبدۃ المقامات ص ۳۲۶ تا ۳۲۸ و حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۶۶ تا ۲۶۸۔

صاحبۂ جذبات و حالات تھیں بیمار ہوگئیں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی والدۂ ماجدہ اُن کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لائیں تو مکان کی بدبو کے باعث وہاں ٹھیرنا مشکل ہوگیا جب واپس گئیں تو حضرت خواجہ صاحبؒ سے وہاں کی کیفیت بیان کی اور فرمایا "اے خواجۂ من و نور دیدۂ من! این جماعت کہ مرید شدہ اند کشتنی نہ شدہ اند" (یہ لوگ مرید ہونے کیلئے آئے ہیں مرنے کے لئے نہیں آئے)۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا "اے والدۂ ماجدہ! اینہا بدعوۃ نیامدہ اند کہ ازیں امور گراں خاطر و ملول دل گردند" (یہ لوگ بلائے ہوئے نہیں آئے ہیں کہ ان امور سے گراں خاطر اور رنجیدہ دل ہوں)۔

میر صاحب موصوف فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مرض الموت میں ایک شب مجھے خدمت گاری و شب بیداری کا موقع ملا اس رات حضرت خواجہؒ نے مجھ پر ایک نظر ڈالی، اس نظرِ فیض اثر کا یہ اثر مجھ پر طاری ہوگیا کہ جو کام مجھ سے وقوع میں آتا میں سوچ میں پڑجاتا کہ آیا یہ کام رضائے الٰہی کے موافق ہے یا نہیں، چنانچہ ہر ہر قدم پر میں کہتا کہ یہ مرضی حق کے مطابق ہے یا مرضی حق کے مطابق نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت خواجہؒ مقامِ تسلیم و رضا میں تھے اور اس دریائے بیکراں کا چھینٹا اس تشنہ لب کو پہنچ گیا۔

نیز آپ فرماتے تھے کہ جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو اجازتِ تعلیم طریقۂ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ فرمائی اور اپنے مریدوں کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے حوالہ کر دیا اور اُن سب کی تربیت حضرت کے سپرد فرمائی تو اس اثناء میں فقیر (محمد نعمان) سے بھی فرمایا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت کو اپنی سعادت جان کر لازم پکڑو۔ ہم پیرنے اور نفس کی رعونت کی وجہ سے فقیر نے عرض کیا کہ "ہمارا قبلۂ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے اگرچہ وہ بھی بزرگ ہوں"۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے غصہ ہوکر فرمایا کہ "[ل] میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثلِ ما ہزاراں ستارگان در ضمنِ ایشاں گم است واز کمل اولیائے متقدمین خال خال مثلِ ایشاں گذشتہ باشند" (میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے اندر گم ہیں، اولیائے متقدمین و کاملین میں سے بہت کم اُن جیسے گذرے ہوں گے) ——— اس کے بعد میں نے اپنا اعتقاد درست کیا اور نہایت نیازمندی کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر عنایت کا

ل زبدۃ المقامات ص ۳۰۴

غالب ہوا حضرت نے فرمایا کہ آپ ہمارے ہی ہیں نیز کبھی کچھ وقت ہمارے پیر و مرشد کی خدمت میں رہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے وصال کے بعد جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تو میر صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ پیش کیا جس میں اپنی شکستہ دلی بدنصیبی و بے استعدادی کا ذکر تھا نیز یہ تحریر تھا میں آپ کے حضور میں بجز اس کے اور کوئی وسیلہ و چارہ نہیں رکھتا کہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں لہٰذا بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ پر رحم فرمائیں۔ ——— حضرت مجدد الف ثانیؒ اس عریضہ کے ملاحظہ کے وقت نہایت آبدیدہ ہوئے اور فرمایا "میر نے بے دلی کی کہ حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ حاضر اند ان شاء اللہ خوبتر خواہد شد و نیز فرمودہ میر در میان اصحاب حضرت خواجہ ما قدس سرہ میر با ما مناسبت دیگر است" (میر صاحب گھبرائیے نہیں ہمارے حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ حاضر ہیں ان شاء اللہ بہتر ہوگا اور نیز حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کے اصحاب میں میر صاحب کو ہمارے ساتھ ایک اور ہی مناسبت ہے)

غرضیکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ میر صاحب موصوف کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر کے سرہند شریف لے آئے۔ آپ نے سالہا سال حضرت کے آستانۂ حق نشان پر گذارے اور دیکھا جو کچھ دیکھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو ضعف لاحق ہوا اور اس خیال سے کہ کہیں یہ مرض آخری مرض نہ ہو اور شاید ضعف کا غلبہ امانتِ خواجگان رضی اللہ عنہم کسی اہل کو سپرد کرنے کی مہلت نہ دے اس لئے آپ نے ارادہ کیا کہ یہ نسبتِ شریفہ بعض مخلص احباب کو القا فرمائیں چنانچہ حضرت نے اس نسبتِ شریفہ کی شان کے لائق مخدوم زادۂ بزرگ خواجہ محمد صادق اور میر محمد نعمان علیہما الرحمہ کے سوا کسی کو نہیں پایا لہٰذا حسب استعداد بعض احوال ان دونوں عزیزوں کو القا فرمائے۔ اس کے بعد حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرتؒ کو کامل صحت عطا فرمائی تو حضرتؒ نے فرمایا "سرِ آنکہ ایں نسبتہا دریں ضعف بشمایاں تلقی گشت آں بودہ کہ بعضے احوالاتِ عظیمہ دیگر بما موعود شدہ کہ ورودِ آں موقوف باعطائے اینہا می بودہ" (یہ نسبتیں جو اس ضعف کی حالت میں

نم کو القا کی گئی ہیں اس کا راز یہ ہے کہ بعض دوسرے عظیم احوال جو ہمیں حوالہ کئے جانے والے تھے ان کا وارد ہونا ان نسبتوں کے عطا کر دینے پر موقوف تھا)۔

پھر کچھ عرصہ بعد ۱۰۱۱ھ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے میر صاحب موصوف کو حسب ذیل اجازت نامہ مرحمت فرما کر طلبائے معرفت کی ہدایت کیلئے برہان پور روانہ فرمایا:۔

"ھُوَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الْکِرَامِ۔ بَعْدُ فَاِنَّ الْاَخَ الصَّالِحَ السَّالِکَ طَرِیْقَ اَھْلِ اللّٰہِ الْعَارِفَ بِاللّٰہِ السَّیِّدَ الْکَامِلَ مُحَمَّدْ نُعْمَانَ وَفَّقَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّایَ لِمَرْضَاتِہٖ لَمَّا دَخَلَ بِتَوَسُّطِ ھٰذَا الْفَقِیْرِ فِیْ سِلْکِ اِرَادَۃِ الْمَشَائِخِ النَّقْشَبَنْدِیَّۃِ وَسَلَکَ طَرِیْقَتَھُمُ الْعَلِیَّۃَ قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَھُمْ وَظَھَرَ مِنْہُ الْاِنْتِفَاعُ لِلطَّلَبَۃِ اَجَزْتُہٗ لِتَعْلِیْمِ طَرِیْقَۃِ ھٰؤُلَآءِ الْاَکَابِرِ لِلطُّلَّابِ وَشَرْطُ الْاِجَازَۃِ الْاِسْتِقَامَۃُ عَلَی الشَّرِیْعَۃِ وَالثَّبَاتُ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔ (حضرات القدس دفتر دوم)

میر صاحب موصوف دو مرتبہ برہان پور تشریف لے گئے چونکہ اس شہر میں شیخ محمد فضل اللہ و شیخ عیسٰی روح اللہ رحمہما اللہ جیسے صاحب علوم و حال و قال اور اہل کمال و اکمال موجود تھے اس لئے وہاں آپ کے طریقہ کی اشاعت نہ ہو سکی، آپ نے واپس آکر حضرتؒ کی خدمت میں حقیقت حال عرض کی۔ حضرتؒ نے تیسری مرتبہ آپ کو اس شہر کی مشیخت عطا فرما کر روانہ کیا اور فرمایا "ایں مرتبہ بمرتبہ ہائے سابق نماند انشاء اللہ تعالیٰ" (انشاء اللہ تعالیٰ اس مرتبہ پہلے کی طرح نہ ہوگا) چنانچہ جب آپ برہان پور پہنچے تو آپ کی مجلسیں اس قدر گرم ہوئیں کہ بیان نہیں ہو سکتا جو لوگ دور سے بھی آپ کی مجلس دیکھ لیتے تو یکایک ان کے دلوں میں جذبہ و حالت پیدا ہو جاتی اور غلبہ سکر کے باعث کپڑے چاک کرنے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔ بعض مرتبہ تیس چالیس حضرات زمین پر تڑپتے ہوتے، اور مولانا قاسم تبریزی کا یہ مصرع ان کے حسب حال ہوتا ع

"درمیان شہر و در ہر گوشہ غوغائے اوست

یہ حالت دیکھ کر بعض مشائخ وقت کے مریدین بھی میر صاحب کے حلقۂ استفاضہ میں داخل ہوئے اور بہت سے مفسدین کی اصلاح ہوئی اور بکثرت ہوشمندوں نے بادۂ بیخودی وجذب کا جام نوش جان کیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ واقعہ میں دیکھا کہ میں سفر سے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور حضرتؒ کے آستانہ کے گرد گھوم رہا ہوں اتنے میں حضرتؒ اندر سے تشریف لائے اور مجھ کو دروازہ پر نیازمندانہ کھڑا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے، بہت توجہ فرمائی اور مجھ کو بغل میں لیا پھر فرمایا کہ میر میں حرارت کا غلبہ ہوگیا ہے شکر کا شربت لاؤ۔ پس ایک پیالہ لبریز شربت کا لایا گیا حضرتؒ نے فرمایا "میر! یہ پورا پیالہ تم پی لو اور ایک قطرہ بھی کسی کو نہ دو"۔ میں نے وہ پورا پیالہ پی لیا۔ اس کے بعد آپؒ نے قبلہ رُو ہو کر دعا کی کہ بارِالٰہا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبتِ خاصہ میر کو عطا فرما۔ اس دعا کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ دوبارہ دعا کے لئے پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا الٰہی! میری نسبتِ خاصہ بھی میر کو عطا فرما۔"

جب میں اس کیفیت سے ہوش میں آیا تو یہ واقعہ حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا، اور اس کی تعبیر دریافت کی۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ اس کے بعد آپ کی مجلسِ مقدس سے مفارقت ہوگئی، پھر کچھ دن بعد حضرتؒ نے یہ نوازش نامہ مجھے تحریر فرمایا کہ

"ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ قصداً یا بلاقصد آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور بقایا آثار وجود (تم میں) نظر آتے تھے اُن کے دور کرنے کے درپے ہوا اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کمال کا ہلال بدر کامل بن گیا اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا گیا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتیٰ کہ کمال کی جانب میں کچھ باقی نہ رہا کہ جس کی توقع یا انتظار کی جائے۔ اِلَّآ اَنْ یَّتَّسِعَ الظَّرْفُ بَعْدَ ذٰلِکَ فَیَاْخُذَ بِقَدْرِ وُسْعِہٖ شَیْئًا فَشَیْئًا (سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق درجہ بدرجہ حاصل کرلے) اور بہت دیر تک اس معنی کی تمثالیہ صورت نظر میں رہی یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذلک۔

اس دولت کا حاصل ہونا اُس واقعہ کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور اس کے حاصل ہونے

متعلق بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ آپ کا غرض سب کا سب ادا ہو گیا اور وعدہ پورا ہوا اب امیدوار ہے کہ اس کمال کے انوار سے تکمیل حاصل ہوگی اور اس طرف کے دشت و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔" الخ (دفتر اول مکتوب ۲۴۶)

نیز آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز صبح کے حلقہ میں اس قطب ارشاد یعنی حضرت پیر و مرشد (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے روبرو بیٹھا تھا اور مراقبہ میں مشغول تھا، سر اٹھایا تو دیکھا کہ بجائے آپ کے حضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوٰۃ و تسلیمات تشریف فرما ہیں، مجھ پر ہیبت غالب ہوئی میں نے پھر اپنا سر جھکا لیا اور شغلِ باطن میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر سر اٹھایا تو دیکھا کہ آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تشریف فرما ہیں۔ میں پھر اپنے سر کو جھکا کر مراقبہ میں مشغول ہو گیا۔ ایک لمحہ کے بعد آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بجائے آپ کے حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والبرکات اور بجائے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آپ تشریف فرما ہیں۔ میں پھر مراقب ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا تو دونوں جگہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پایا اور پھر دونوں جگہ آپ کو دیکھا، اس کے بعد دیکھا کہ صرف آپ ہی اکیلے تشریف فرما ہیں۔ یہ جو کچھ دیکھا گیا سب علانیہ تھا نہ کہ خواب۔

میر صاحب موصوف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ عشق و محبت میں امتیاز کامل رکھتے تھے اسی لئے آپ کی شہرت و قبولیت ملکِ ہند بلکہ بیرونِ ہند بھی تھی اور اسی وجہ سے بکثرت مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی۔ بعض حاسدین اور دشمنانِ دین نے بادشاہِ وقت کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ بادشاہ نے فتنہ و فساد برپا کر دینے کے اندیشہ و وہم سے آپ کو برہانپور سے دار السلطنت اکبر آباد بلوایا اور آپ سے پوچھا کہ آپ نے خود کو حضرت میر کے لقب سے کیوں مشہور کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں سید ہوں اور سید کو میر کہتے ہیں مگر لفظ حضرت کہنے سے میں خوش نہیں ہوں آپ اس کی ممانعت کرا دیجئے۔ بادشاہ نے کہا اچھا ہم ان کو رہائی دیتے ہیں بشرطیکہ برہانپور کا قیام ترک کر کے دار السلطنت اکبر آباد میں وطن اختیار کر لیں چنانچہ آپ نے قبول فرما لیا اور اکبر آباد میں سکونت اختیار کر لی اور ارشاد و ہدایتِ خلق میں مشغول ہو گئے۔ (زبدۃ المقامات و حضرات القدس دفتر دوم ص ۲۷۲ و ۲۷۳)

میر صاحب موصوف نے اگرچہ علوم ظاہری کی تکمیل نہیں کی لیکن ادراکِ حقائق صوفیہ خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے علوم و معارف سمجھنے کی اپنے اندر ایک خاص صلاحیت رکھتے تھے۔ خود حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بھی بارہا آپ کی فہم خداداد اور تیزیٔ نظر کی تعریف فرمائی ہے۔

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ صاحبِ زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں: "اس ناچیز نے اس عزیز (خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ) کی خدمت میں توبہ و انابت کی تجدید کی ہے اور ابتدائے تعلیم میں اس طریقۂ عالیہ کا ذکر انہی سے اخذ کیا ہے ان کی ہی صحبت مجھے سپاہیوں کی وضع سے نکال کر اہلِ خانقاہ کے طریقہ میں لے آئی اور ان کی رہنمائی اور سفارت ہی سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی آستان بوسی سے مشرف ہوا اور حضرت موصوف کی توجہات و عنایات سے اپنی قابلیت کے مطابق فیضان حاصل کیا، اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو دوستوں کے سروں پر سلامت رکھے۔" [1]

میر صاحب کے بڑے بھائی سعد الدین اور ان کے صاحبزادے محمد امین و عبد اللہ بھی حضرت مجدد صاحبؒ سے مستفیض ہوئے ہیں، میر صاحب کی صاحبزادی صاحبِ زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمیؒ سے منسوب ہوئیں اور شیخ بدر الدین بن شیخ ابراہیم سرہندیؒ نے میر صاحبؒ کی فرمائش پر حضرات القدس تالیف فرمائی [2]

رسالۂ سلوک کے نام سے آپ کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے اسباق کی تشریح کی گئی ہے یہ رسالہ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی مجددی سرہندی (ٹنڈو سائیں داد۔ ضلع حیدرآباد) کے پاس مخطوطہ تھا جس کو ۱۳۸۹ھ میں محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے طبع کرا کر شائع کر دیا ہے۔

آپ کی وفات ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ بروایتِ دیگر ۱۰۶۰ھ کو اکبر آباد میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزار پُر انوار ہے [3] "میر والا جاہ نعمان حقی" مادۂ تاریخ وفات ہے۔
۱۰۵۸ھ

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۳۳ [2] دیباچہ رسالۂ سلوک از خواجہ میر محمد نعمانؒ [3] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۹۳۔

مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا محمد ہاشم بن محمد قاسم کی ولادت موضع کشم علاقہ بدخشاں میں ہوئی، وہیں پرورش پائی اور وہاں کے علماء سے تحصیل علوم کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ چونکہ آپ کے آباؤ اجداد سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے اس لئے ابتداء میں آپ کو اس خاندان کے بعض خلفا کی صحبتِ بابرکت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا لیکن عنفوانِ شباب ہی سے فطری مناسبت اور بشارتہائے یزدانی کی بنا پر سلسلۂ ذھبیہ خواجگانِ نقشبندیہ سے دلبستگی پیدا ہو گئی اور اسکی تلاش و جستجو میں ہندوستان تشریف لے آئے۔ یہاں ایک محفل میں قدیم مشائخ کے حالاتِ عجیبہ و تصرفاتِ غریبہ کا تذکرہ سُن کر دل میں خیال آیا کہ یہ حقیقت شناس گروہ ایامِ گذشتہ ہی کے ساتھ مخصوص تھا موجودہ دور میں یا تو ان جواہر ریزوں سے خزانہ خالی ہے یا حقیقت میں ایسے بزرگ موجود ہیں لیکن ہم جیسے نااہلوں کے دیدۂ ادراک سے پوشیدہ ہونگے ؎

خاطرِ خوباں بصیدِ اہلِ دل مائل نماند یا بشہرِ عشقبازاں مردِ صاحبدل نماند

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحبِ دل آپ سے کہہ رہے ہیں کہ اُٹھ فلاں مقام پر ایک بزرگ اربابِ صفا و یقین کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور تجھے بُلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ صاحبِ دل آپ کا ہاتھ پکڑ کر اس مقام پر لائے جہاں وہ بزرگ تشریف فرما تھے، آپ نے اُن بزرگ کا حلیہ اچھی طرح دیکھا کہ وہ بزرگ ایک چبوترہ پر مراقب بیٹھے ہیں اور ان کے احباب چبوترہ سے کسی قدر نیچے سر جھکائے خاموش بیٹھے ہیں۔ جب آپ ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا پڑھو: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ تا آخر سورۃ۔ آپ اس سورۃ کو پڑھتے جاتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے۔ آنکھ کھلی تو سورۃ کے مضمون پر غور کرکے یقین کی دنیا جگمگا اٹھی۔

اس خواب کو ابھی ایک ماہ گذرا تھا کہ آپ کا برہان پور جانا ہو گیا وہاں پہنچکر حضرت خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا

تو آپ نے دیکھا کہ جس بزرگ کو خواب میں دیکھا گیا تھا وہ ہو بہو حضرت میر محمد نعمانؒ تھے اس لئے آپ نے میر صاحبؒ سے بیعت کر کے طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی اور میر صاحبؒ کی خدمت و صحبت کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔

آپ فضائل علمی اور علوم متداولہ کی کامل تحصیل اور بہترین قابلیت رکھتے تھے اور تاریخ و ادب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا خوش آواز شیریں کلام ہنس مکھ خلیق اور خوش مزاج تھے رنگین حکایتیں دلکش انداز میں بیان کیا کرتے تھے سوز و گداز آپ کی تقریر سے پیدا ہوتا تھا، آپ سے جو کچھ ظاہر ہوتا وہ سب کا سب حال و ذوق ہوتا تھا قال سے اس کو کچھ تعلق نہ تھا تجرد کا اصل ذوق آپ کے چہرے سے روشن اور ظاہر تھا۔ حضرت خواجہ میر محمد نعمان قدس سرہ بھی آپ کی نیک خصلتوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کو ملاحظہ فرما کر آپ پر بہت مہربان تھے حتیٰ کہ اپنی دختر نیک اختر کی شادی آپ کے ساتھ کر کے آپ کو شرف دامادی بخشا۔ سہ

آپ کو حضرت خواجہ میر نعمانؒ کی خدمت کے دوران ہی میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے بھی خصوصی تعلق اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اسی لئے جلد سوم میں آپ کے نام کئی مکاتیب ہیں جو ۱۰۳۱ھ میں مرتب ہو چکی تھی اور آپ ۱۰۳۰ھ میں یعنی تقریباً چھ سال بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے، خود حضرت مجدد صاحبؒ نے آپ کو طلب فرمایا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ایک مکتوب بنام خواجہ میر نعمانؒ سے طلب ہے وہ یہ ہے۔

"[illegible] ہمارے اوصاف ہر دو جہاں سے بھیج کر آپ کی ملاقات کا حرص ہے اس لئے آپ کے جانے کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا ہے جانے کے لئے کچھ طاقت نہیں کر سکتا [illegible] کی صحبت [illegible] خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں کہ چند روز صحبت میں رہ کر بعض علوم و معارف سے بہرہ ور ہو [illegible] [illegible]

سہ [illegible]

چنانچہ آپ ۱۰۳۱ھ میں میر صاحبؒ کے حکم کی تعمیل اور اجازت و رخصت سے حضرت مجددؒ کی خدمت اقدس میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور تقریباً دو سال تک سفر و حضر خلوت و جلوت میں آپ حضرتؒ کی خدمت میں رہے، اس تھوڑی سی مدت میں جسقدر فوائد اور انوار و برکات اس آفتاب عالمتاب سے حاصل کئے ان کی تفصیل احاطۂ تحریر سے باہر ہے [1]

آپ زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اسی زمانے میں سلاطین دکن میں تبدیلیاں واقع ہوئیں تو میں نے چاہا کہ اہل و عیال کو برہان پور سے لے آؤں اور حضرتؒ کے قدموں میں آپڑوں ناچار آپ نے رخصت فرما دیا، رخصت کے وقت بصد رنج و حسرت میں نے عرض کیا: دعا فرمائیں کہ جلدی ہی آستانۂ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل کروں۔ حضرتؒ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا "دعا کنم کہ در آخرت باہم یکجا جمع شویم" (میں دعا کرتا ہوں کہ ہم آخرت میں ایک جگہ جمع ہوں) اس جاں گداز فقرے نے میرے ہوش اڑا دیئے لیکن چونکہ میری قسمت میں محرومی تھی اسلئے تقدیر کے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ناچار آنکھوں سے آنسو بہاتا، ناامیدی سے سر پر ہاتھ مارتا اور اشعار حسرت پڑھتا ہوا رخصت ہوا۔ اواخر رجب ۱۰۳۳ھ میں جب یہ فقیر حضرتؒ سے رخصت ہوا تھا اسوقت سے حضرتؒ کے انتقال تک کی مدت تقریباً سات ماہ ہوتی ہے [2]

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے بعد نمازِ تہجد واقعہ میں دیکھا کہ خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ مع ایک خادم کے وکیلِ بادشاہی کے پاس گئے ہیں اور نوکر ہوگئے مگر اس خادم کو نوکر نہیں رکھا کیونکہ جس وقت اس خادم کا نام لکھنے لگا اور اس کو قریب جاکر غور سے دیکھا تو اس کے چہرہ پر داغ تھا مگر پھر کچھ عرصہ بعد حضرتؒ پر ظاہر ہوا کہ اس خادم کو بھی نوکری میں قبول کر لیا گیا ہے جیسا کہ حضرتؒ نے دفتر سوم مکتوب ۱۰۶ میں جو کہ صاحبزادگان کے نام ہے تحریر فرمایا کہ "در بیانِ واقعہ کہ روئے دادہ بود کہ یار ثالث را بنوکری قبول نہ کردند بعد از زمانے ظاہر گشت کہ بمحض کرم آنرا نیز قبول فرمودند و آثار قبول ظاہر گشت" (ایک واقعہ کے بیان میں جو ظاہر ہوا تھا لکھا تھا کہ تیسرے یار کو نوکری میں قبول نہ کیا، کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرما لیا اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے)

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱ تا ۳ [2] ایضاً ص ۲۸۴ و ۲۸۵۔

اس واقعہ میں یارِ ثالث سے مراد خواجہ محمد ہاشم کشمی ہیں۔ جب حضرتؒ نے خواجہ محمد ہاشم کو خلافت و اجازت دیکر برہان پور روانہ کیا، آپ کی صحبت میں نہایت تاثیر ہوئی، وہاں کے لوگ خواہ امیر ہوں یا غریب سب مور و ملخ کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے اور یہ اس بشارت کی تصدیق تھی کہ حضرت نے آپ کو دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۲ میں تحریر فرمایا تھا " کہ در وقت مطالعہ کتابتِ شما انبساطِ نورانیتِ شما در آں نواحی بسیار نظر در آمد و امیدوار ساخت للہ الحمد والمنۃ" (آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت آپ کی نورانیت گرد و نواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی اور بڑی امید پیدا ہوئی، اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) [1]

آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں مخدوم زادوں کی فرمائش پر ان فوائد و معارف کو لکھنا شروع کیا جن کو خلوت و جلوت میں حضرتِ اقدسؒ کی زبان گوہر فشاں سے سنا تھا، نیز حضرتؒ اور حضرتؒ کے پیر و مرشد کے عادات و اطوار، انوار و برکات اور خوارق و کرامات لکھنے کا ارادہ کیا، ابھی چند ورق سے زیادہ نہ لکھنے پائے تھے کہ حضرت قدس سرہٗ رفیق اعلیٰ سے واصل بحق ہو گئے۔ وصالِ مرشد کے بعد آپ کی توجہ اس کام کی طرف زیادہ ہو گئی کیونکہ دلِ مہجور کو تسلی دینے کے لئے اس سے بہتر اور کیا مشغلہ ہو سکتا تھا کہ اپنے پیرِ باکمال کے اقوال و احوال کو لکھیں اور گذری ہوئی صحبتوں کو یاد کر کے قلب و روح کو ایک گونہ تسکین دیتے رہیں ؎

ماہئی کاں گشت محروم از فرات　　　از کفِ آبے ہمی جوید حیات!

چنانچہ آپ نے حضرت کے حالات کے ساتھ حضرت کے پیر و مرشد، خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات میں نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا جس کا نام "برکات الاحمدیۃ باقیہ" رکھا اور تاریخی نام "زبدۃ المقامات" قرار پایا۔ اس کتاب میں "نشاطِ روح" کا نہایت کافی سامان موجود ہے۔ حضرتؒ کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالباً اور کوئی نہ ہو گی، حضرت کے احوال و اقوال کو نہایت عمدگی و خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ بیجا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالسِ مجددیہ کا ایسا مکمل نقشہ کھینچا ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا ناظرِ کتاب دربارِ فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرتؒ کو دیکھ رہا ہے۔ حضرتؒ کے ملفوظات

[1] حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۳۲۸۔

ٹھس رہا ہے اور دریائے معرفت کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے۔[1]

آپ کا ایک مرید بیان کرتا تھا کہ ایک دفعہ میں نے نذر مانی کہ اگر میرا گھوڑا فروخت ہو جائے تو اتنی نذر اپنے پیر خواجہ محمد ہاشم کی خدمت میں پیش کروں گا، آخر میرا گھوڑا فروخت ہو گیا اور نذر کے ادا کرنے میں دو تین روز کی دیر ہو گئی۔ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میری ہمیانی میں روپے تھے حضرتؒ نے خود ہی فرمایا کہ آج تمہاری تھیلی کی رقم میں ہمارا بھی حصہ ہے کیوں نہیں ادا کرتے ہو۔ آپ کے اس کلام کو سن کر میرا حال دگرگوں ہو گیا اور فوراً آپ کی نذر ادا کر دی۔[2]

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک مخلص کے نام مکتوب تحریر فرمایا تو میرے دل میں بھی یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش حضرت مجدد علیہ الرحمہ میرے نام بھی ایک مکتوب تحریر فرمائیں کہ مکتوبات شریف کا دفتر اول اسی مکتوب پر ختم ہو کیونکہ میں بھی حضرتؒ کے کمترین اور آخری مخلص درویشوں میں سے ہوں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے اشراقِ باطن سے میرے اس خیال کو معلوم کر لیا اور ایک مکتوب میرے نام تحریر فرمایا اور اس کے آخر میں لکھا کہ دفتر اول کے مکتوبات کو اس مکتوب پر جو کہ خواجہ ہاشم کے نام ہے ختم کیا جائے تاکہ انبیائے مرسلینؑ و اصحابِ بدرؓ کی تعداد کے مطابق ختم ہو جائے۔[3]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف کا دفتر سوم آپ نے ہی ۱۰۳۱ھ میں مرتب کیا تھا جس میں فی الوقت ایک سو چوبیس مکتوبات شریف ہیں اور تاریخی نام "معرفت الحقائق" ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی تصنیفات کے بیان میں مذکور ہے۔

علاوہ ازیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعض ایسے مسودات کا مجموعہ جو بعض (خلفا) حضرات نے محفوظ کر لئے تھے اگرچہ اس کے بعض مضامین حضرت کے مکتوباتِ شریفہ اور رسائل وغیرہ میں بھی آچکے تھے لیکن آپ نے بہ تمام و کمال ان کو مرتب فرما کر اس کا نام "مکاشفاتِ عینیہ" رکھا جس کی آغازِ ترتیب کا سال ۱۰۵۱ھ ہے اور "مکاشفاتِ عینیہ مجددیہ" سے تاریخی سال ۱۰۵۳ھ تکمیل کا ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۲۲ و ۳۲۳ [2][3] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۲

نیز آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، پورا دیوان حضرت مجددؒ کی مدح میں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصال پر حضرتؒ کی عمر شریف کے سال کی تعداد کے مطابق آپ نے ترسیٹھ تاریخی قطعات موزوں کئے۔

آپ کے مزار پر جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ تقریباً تین فٹ چوڑا اور پانچ فٹ لمبا ہے لیکن وہ کتبہ ۴ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۶۷ء کا تیار کیا ہوا ہے۔ کتبہ کی عبارت طویل ہے ہم اس کی چند سطریں ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"... ۱۰۲۵ھ آپ کا سنِ وفات ہے، پہلے آپ کا مزارِ اقدس عیدگاہ کے قریب پانڈہ رمل ندی کے کنارے پر تھا ۱۲۷۲ھ میں سیلاب کی وجہ سے مزارِ شریف کے منہدم ہو جانے کا خطرہ تھا، خود خواجہ (محمد ہاشم علیہ الرحمہ) صاحب نے عالم خواب میں شہر برہانپور کے ایک بزرگ محمد طاہر صاحب کو مزار شریف کے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ہدایت کی حسب ارشاد آپ کے جسمِ اطہر کو موجودہ جگہ پر دفنایا گیا۔" الخ (تاریخی مقالات ص ۱۶۳)

غرضکہ آپ کا انتقال پُر ملال برہان پور میں ہوا اور وہیں آپ کا مزارِ مبارک ہے، لیکن تاریخ وفات کے سلسلے میں تمام تذکرے خاموش ہیں، صرف مذکورہ کتبہ پر ۱۰۲۵ھ کندہ ہے، جس سے اختلاف ہے کیونکہ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ خود مکاشفات عینیہ صفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "نمودہ می آید کہ در سال یک ہزار و پنجاہ و یک ورقے چند از مسودات ... الخ"

جس سے معلوم ہوا کہ مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے مکاشفاتِ عینیہ کی ابتدا ۱۰۵۱ھ میں کی لہٰذا ۱۰۲۵ھ میں آپ کی وفات ہونا غلط ہو جاتا ہے اس لئے اغلب خیال یہ ہے کہ سہواً ہندسے تبدیل ہو گئے اور صحیح سنِ وفات ۱۰۵۲ھ ہو گا، واللہ اعلم بالصواب

شیخ مزمل علیہ الرحمہ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم اور مقبول مریدوں میں سے ہیں، اکثر سفر و حضر میں حضرتؒ کی خدمت میں رہے اور آپ کے الطاف و عنایات سے مشرف ہوئے ہیں، حسنِ اخلاق میں یگانۂ روزگار اور انکسار و ایثارِ نفس میں منفرد تھے، حضرت کی تربیت سے جو کمالات آپ کو حاصل ہوئے حضرتؒ ان کمالات کا تذکرہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ مزمل خود کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا اور (قادر) مطلق کو ہر جگہ پاتا ہے اور اشیاء کو سراب بے اعتبار کی طرح جانتا ہے بلکہ ان کو کچھ نہیں پاتا۔ انتہیٰ" [1]

اس کے بعد آپ سالہا سال حضرتؒ کی خدمت میں رہے اور تعلیم طریقت کے مجاز ہوئے، آپ کی رفعتِ شان سے متعلق حضرت مجددؒ کا ایک مکتوب ملاحظہ ہو جو ایک مخلص کے نام ہے:۔

"پہلی بشارت آپ کے خاندان والوں کے لئے شیخ مزمل کا تشریف لانا ہے، اُن کی صحبت کی برکتوں کا کیا بیان ہو سکے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہے کہ خدائے تعالیٰ کے دوست کسی کو قبول کر لیں چہ جائیکہ محبت اور قربت سے ممتاز فرمائیں هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا) غرضکہ ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور صحبت کے آداب کو مد نظر رکھیں تاکہ زیادہ مؤثر ہو۔" [2]

آپ کے بعض مخلصوں نے نقل کیا ہے۔ ایک روز آپ سیر و شکار کے لئے گئے، اتفاق سے پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ایک غار میں گر گئے اور نکل نہ سکے۔ ایک صحرائی نے آپ کو گرتے دیکھا تھا اُس نے لوگوں کو اطلاع دی تب آپ کو غار سے نکالا گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس وقت سرہند شریف میں تشریف فرما تھے، صورتِ واقعہ آپ کی نظرِ انور کے سامنے آگئی چنانچہ فرمایا (بنظرِ کشف) میں دیکھ رہا ہوں کہ شیخ مزمل کسی ہولناک جگہ میں گر گئے اور نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں دیکھئے حقیقتِ حال کیا ہے۔" آخر چند روز کے بعد اس حادثہ کی اطلاع حضرت کو ملی حضرت نے آپ کے انتقال پر رنج و غم کا اظہار کیا اور فاتحہ و دعا سے یاد شاد فرمایا۔ [3]

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ جائے وقوع پر تشریف فرما تھے چنانچہ آپؒ حضرت مجدد قدس سرہٗ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلامت آج ہفتہ کی شب ۲۶ ربیع الثانی (۱۰۲۶ھ) کو میاں شیخ مزمل اس دنیا سے رخصت ہوئے اور خوب ہوئے، وہ ٹوپی جو آپ نے خصوصیت کے ساتھ تبرکاً بندہ کو عنایت فرمائی تھی دفن کے وقت ان کے سر پر پہنا دی ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ آپ کی نسبت خاصہ عالیہ ان میں جلوہ گر ہو گئی اور اس عزیز پر پوری طرح اور اس کے بعد تمام قبر کا اس نسبت نے احاطہ کر لیا بلکہ اس کے گرد و

---

[1] دفتر اول مکتوب ۱۱ [2] دفتر اول مکتوب ۶۶ [3] زبدۃ المقامات ص ۳۶۳ [4] مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۵

حافظ محمود لاہوری علیہ الرحمۃ آپ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے مخلص احباب میں سے تھے حضرتؒ نے آپ کو مقامِ ولایت کے اعلیٰ درجہ کی خوشخبری دی،[۱] ایک مکتوب میں آپ کو تحریر فرماتے ہیں :-

"حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو جناب مولانا محمد علی کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا موجب ہوا، اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ فقراء کی محبت جو دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے آپ میں کامل طور پر قائم ہو چکی ہے اور مفارقت کی درازمدت نے اس میں کچھ اثر نہیں کیا۔ دو چیزوں کی محافظت ضروری ہے ایک صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت دوسرے شیخ مقتدا کی محبت و اخلاص، ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دیں سب ہی نعمت ہے، اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں آخر ایک دن دیدیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے اور اس کے باوجود احوال اذواق بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہیے اور اپنی خرابی و بربادی خیال کرنا چاہیے استقامت کا طریق یہی ہے واللہ سبحانہ الملہم للصواب والسلام[۲]

شیخ نور محمد پٹنی علیہ الرحمۃ آپ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں۔ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت سے تحصیلِ علومِ ظاہری کے بعد آپ کو طلبِ حق کا شوق ہوا اور آپ نے پیرِ حق شناس کی تلاش میں کمرِ ہمت باندھی اور اکثر بلادِ ہند کا سفر کیا، فقراء کی صحبت میں حاضر ہوئے مگر آپ کا مطلوب کسی سے حاصل نہ ہوا، یہاں تک کہ جذبِ الٰہی کی کشش نے آستانۂ عرش نشان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا۔ حضرت خواجہؒ نے آپ کو ذکرِ قلبی کی تعلیم سے مشرف فرمایا اور آپ کی تربیت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حوالہ فرمائی، آپ کمال ذوق و شوق اور عاجزی و اطاعت گذاری کے ساتھ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سعادت ازلی کی وجہ سے حضرتؒ کے خواص میں داخل ہو گئے۔[۳]

---

[۱] روضۃ القیومیہ ص ۳۴۰ [۲] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۸۰ - [۳] حضرات القدس ص ۲۷۹ -

آپ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں احوالِ شائستہ اور مقامات عالیہ پر فائز ہوئے چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دفتر اول مکتوب نمبر ۱۱ میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ

"مولانا مذکور (یعنی شیخ نور) نیچے کی طرف اخیر نقطے تک پہنچ گیا ہے اُس نے جذبے کے کام کو پورا کرلیا ہے اور اس مقام کی برزخیت میں پہنچ گیا ہے اور فوق کو ایک لحاظ سے نہایت تک پہنچایا ہے۔ اول اول صفات کو بلکہ اس نور کو جس سے صفات قائم ہیں اس نے اپنے آپ سے جدا دیکھا اور اپنے آپ کو شیخ فانی معلوم کیا۔ بعد ازاں صفات کو ذات سے جدا دیکھا اور اس دید میں مقامِ جذبہ کی احدیت تک پہنچ گیا اب اپنے آپ کو اور جہان کو ایسا گم کیا ہے کہ نہ احاطہ کا قائل ہے اور نہ معیت کا، اور مخفی ترین ذات یعنی احدیتِ صرف کی طرف ایسا متوجہ ہے کہ حیرانی اور نادانی کے سوا وہ کچھ حاصل نہیں رکھتا"

اس مکتوب کے بعد بھی آپ تقریباً آٹھ سال حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے آستانہ پر تجرید و تفرید اور جذباتِ شائستہ میں بسر کرتے رہے حتی کہ مقاماتِ فائقہ و وارداتِ رائقہ سے فائض ہو کر مرتبۂ وصول اور خدمتِ ارشاد و ہدایت سے مشرف ہوئے حضرتؒ نے آپ کو خلافت و اجازتِ تعلیم طریقہ عطا فرما کر پٹنہ روانہ کیا مگر عزلت و خلوت کی وجہ سے جو آپ کی سرشت میں داخل تھی جنگلوں اور دریا کے کنارے زندگی بسر کرتے اور مخلوق سے گوشہ گیر رہتے تھے۔ حضرتؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بطورِ نصیحت ایک مکتوب تحریر فرمایا وہو ھذا:۔

"میرے سعادتمند بھائی! آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے امر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں اسی طرح خلق کے حقوق کو ادا کرنے اور ان کے ساتھ غمخواری کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے عارفوں کے قول اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفْقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرنا) میں انہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان ہے اور دونوں طرف کو مدِنظر رکھنے کی ہدایت ہے۔ پس ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پر اختصار کرنا سراسر قصور ہے اور کُل کو چھوڑ کر جزو پر کفایت کرنا کمالیت سے دور ہے۔ پس خلق کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی ایذا

کو برداشت کرنا ضروری ہے اور ان کے ساتھ حسنِ معاشرت یعنی اچھی طرح رہنا سہنا واجب ہے بدمزاجی اور لاپرواہی اچھی نہیں ہے

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است نازکی کے راست آید باری باید کشید

چونکہ آپ مدتوں صحبت میں رہے ہیں اور پند و نصیحت بہت سے سنے ہیں اس لئے طولِ کلام سے منہ پھیر کر چند فقروں پر اختصار کیا گیا۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ...)

آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ارشاد کی تعمیل کی اور ... میں دریائے گنگا کے کنارے ایک جھونپڑی اور ایک مسجد بنائی، جھونپڑی میں مع اہل و عیال رہنے لگے اور مسجد کو طاعات و عبادات، ارشاد و ہدایات اور افادۂ علوم دینیہ کا مرکز بنا لیا۔

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک مخلص نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرتؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شیخ نور محمد ... ہیں لیکن مجھے یاد نہیں رہا کہ تین یا پانچ میں سے۔[1]

مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس فقیر کے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت میں ارادت کے لئے حاضر ہونے سے قبل ہی شیخ نور محمد پٹنی خلافت سے مشرف ہو کر پٹنہ چلے گئے تھے لیکن مخدوم زادۂ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد سرہند شریف آئے تھے اس وقت اس فقیر نے شیخ موصوف سے ملاقات کی آپ کی پیشانی پر عجیب قسم کی وارفتگی و بے نفسی ... نیز ... میں جس زمانہ میں حضرت مجدد قدس سرہ کے مناقب میں سیر احمدیؒ تالیف کر رہا تھا تو مجھے طاعات و عبادات کی رغبت دیتے تھے اور فرماتے تھے دو رکعت صلوٰۃ بہتر از تحریر مقامات۔[2]

مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمہ

آپ صاحب علم و عرفان تھے، آپ نے حضرت مجددؒ سے بعض کتابیں پڑھیں اور ... تک حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔[3] آپ نے حضرتؒ کی خدمت میں باطنی سلوک کی تکمیل کر کے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف کا دفتر دوم جس کا تاریخی نام درالمعرفت ہے ۱۰۲۵ھ میں مرتب فرمایا۔[3]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۵۳ [2] حضرات القدس [3] نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ...

مولانا یار محمد قدیم بدخشی طالقانی علیہ الرحمۃ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قدیم مرید اور ممتاز خلیفہ تھے۔ آپ کو قدیم اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ کے بعد ایک اور یار محمد بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جو مکتوبات شریف دفتر اول کے جامع ہیں اس لئے آپ کا لقب قدیم پڑ گیا۔ آپ قائم اللیل، صائم النہار، کثیر السکوت والمراقبہ تھے۔ حضرات نقشبندیہ کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں۔ خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھے۔

صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ "میں اپنی خوبصورتی اور اس بڑی داڑھی پر بہت شکر گذار ہوں کہ جب بازار وغیرہ سے گذرتا ہوں تو لوگ مجھ کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے لگتے ہیں۔"

آپ نے نہایت غربت اور فقر و فاقہ کی حالت میں حجاز مقدس کا سفر کیا، طواف بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہوئے اور واپسی پر حضرت مولانا ہاشم کشمیؒ صاحب زبدۃ المقامات سے بیان کیا کہ میانی محل میں جو ہودج جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سجایا گیا تھا لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں، میں نے اس کی زیارت کی تو با انوار و آراستگی تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تشریف فرما دیکھا۔ اس لذت و حلاوت کے باعث از خود رفتہ ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو رقص کرنے اور کودنے لگا، حجاج متعجب ہوئے اور بعض عرب کہنے لگے ھٰذا نعم مجنون (یہ کیا اچھا مجنون ہے) اور میں زبان حال سے آپ کا یہ بیت پڑھ رہا تھا۔

گر ایں لیلیٰ از خیمہ بیروں شود
بسا کوہ و صحرا کہ مجنوں شود [1]

۱۰۲۶ھ میں آپ حجاز مقدس سے واپس ہوئے اور ایک عرصہ بعد اکبر آباد تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔ [2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۴۶ - ۳۴۷ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۱۳

شیخ یوسف برکی علیہ الرحمۃ

شروع میں آپ کو بعض مشائخ وقت کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور مشرب توحید خیالی رونما ہو گیا تھا اسی اثنار میں ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ اکثر اولیاء کرام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مدح و ثنا فرما رہے ہیں اور آپ کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں چنانچہ آپ نے احوال سے متعلق ایک عریضہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں لکھا۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

" ایسے احوال شروع شروع میں مبتدیوں کو بہت ہوتے ہیں ان کا اعتبار نہ کریں [1]

اس جواب پر آپ کو حضرت کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا اور آپ بصد عجز و نیاز آستانہ والاشان پر حاضر ہوئے اور شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئے اور تھوڑی ہی مدت میں مرتبہ کمال کو پہنچے، اور حضرت سے اجازتِ تعلیم طریقہ و خلافت حاصل کر کے جالندھر (مشرقی پنجاب) میں سکونت اختیار کی، تھوڑے تھوڑے عرصہ کے وقفے سے سرہند شریف حاضر ہوتے رہتے تھے اور جدائی کے زمانے میں زبانِ قلم سے عرضِ احوال کرتے رہتے اور جوابات سے سرفراز ہوتے رہتے تھے ایک مرتبہ جب رخصت ہوئے تو ضبط نہ کر سکے اور دیکھا گیا کہ بے اختیار زار و قطار رو رہے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

از درِ دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ گریاں رفتم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مخلص کو آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: " شیخ یوسف ہمارے پاس آئے تھے اور ہمارے فیوضات سے بخوبی مستفید ہوئے اور حقیقتِ فنا سے مطلع ہوئے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گھر کو واپس ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مردِ مستعد صادق الاخلاص ہیں۔"

آپ نے ۱۰۳۲ھ میں جالندھر میں انتقال فرمایا اور وہیں مزار مبارک ہے [2]

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۲۳۰۔ [2] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۲۵۔

مولانا یوسف سمرقندی علیہ الرحمۃ

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنے جن مریدوں کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سپرد کیا تھا ان میں مولانا یوسف بھی تھے حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے آپ کی خاص طور پر سفارش فرمائی تھی۔ آپ نہایت خلیق اور سادہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے حضرت خواجہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد سرہند چلے آئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت بابرکت سے فیض حاصل کر کے بہت کچھ ترقی کر لی لیکن درمیانِ سلوک ہی میں کسی کام سے اپنے وطن چلے گئے تھے پھر ایک عرصہ بعد ۱۰۲۲ھ میں واپس آئے تو مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ عین نزع کے وقت حضرت مجدد صاحب تشریف لائے تو مولانا نے بتضرع و حسرت عرض کیا کہ حضرت! آخری وقت آگیا ہے توجہ فرمائیں کہ اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے۔ حضرتؒ کے دل میں آپ کی نیازمندی کی وجہ سے کشادگی پیدا ہوئی اور آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا "ہاں مولانا یوسف بگوئید کہ چہ شد" (ہاں مولانا یوسف کہو کیا حال ہے؟) آپ نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کیا! الحمد للہ کہ جس چیز کا طالب تھا وہ حضرت کی توجہ سے آشکارا ہو گئی یہ کہا اور روح عالمِ بالا کو پرواز کر گئی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (زبدۃ المقامات)

واضح ہو کہ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کے خلفا کی تعداد تقریباً پانچ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن افسوس کہ تذکروں کی جملہ کتابیں چند بزرگوں کے علاوہ ان حضرات کے ذکرِ خیر سے خاموش ہیں، بہرحال جن خلفائے عظام کے حالات مل سکے ہیں وہ درج کر دیئے گئے ہیں، اگرچہ ان میں بھی بعض بزرگوں کے تذکرے برائے نام ہیں۔ اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر مزید کسی خلیفہ کے حالات معلوم ہوں تو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کو شائع کیا جا سکے۔ (مؤلف)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

کے

مکتوب الیہم حضرات

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوب الیہم حضرات کی ترتیب کو ہم نے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے اور اپنی ناقص فہم کے مطابق اس باب میں مکتوب الیہم کے نام مکتوبات کی فہرست اور ساتھ ہی ان کا تعارف بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر کہیں غلطی ہو گئی ہو تو اس کی اصلاح فرما کر ممنون فرمائیں اور جن حضرات کا تعارف رہ گیا ہے اگر ان کے حالات معلوم ہوں تو ان سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کمی کو پورا کیا جا سکے۔ (مؤلف)

الف

(۱) **ابراہیم قبادیانی** (خواجہ) دفتر سوم مکتوب ۲۳ — قبادیان، ترمذ کے قریب ایک مقام ہے۔

(۲) **ابراہیم** (ملّا) دفتر سوم مکتوب ۳۸ — صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں "الشیخ العالم الکبیر المحدث ابراہیم بن داؤد ابو المکارم القادری المانک پوری ثم الاکبرآبادی" (اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا ابراہیم اور خواجہ ابو المکارم ایک ہی بزرگ ہیں، واللہ اعلم) آپ بڑے زاہد، متقی اور پرہیزگار عالم تھے اور علم حدیث کے درس میں مشغول رہتے تھے لوگوں سے کم ملتے تھے، اکبر بادشاہ کے بلانے پر اگر اکبرآباد کے عبادت خانے میں جاتے تو رسمی تکلفات اور شاہی آداب کی پابندی نہ کرتے اور ہمیشہ وعظ و نصیحت فرماتے سال وصال معلوم نہ ہو سکا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴ و منتخب التواریخ و تذکرہ علماء ہند)

(۳) **ابوالحسن بہا بدخشی الکشمی** (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۹۶۔

(۴) **ابوالقاسم** (مخدوم زادہ امکنگی یعنی خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۸۰۔ خواجہ قاسم دفتر اول مکتوب ۹۰ خواجہ محمد قاسم دفتر اول مکتوب ۱۵۰۔ مخدوم زادہ امکنگی یعنی خواجہ محمد قاسم دفتر اول مکتوب ۱۶۸۔ خواجہ محمد قاسم بدخشی دفتر دوم مکتوب ۴۷۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں۔

(۵) **ابو المکارم** (خواجہ) دفتر سوم مکتوب ۱۱۶۔ غالباً آپ ملا ابراہیم محدث مانکپوری ہیں (ملاحظہ ہو ۲)

(۶) **احمد بیکی** (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۳۹ - ۲۵۰ - ۲۵۴ - ۲۷۵۔ دفتر دوم مکتوب ۱۴ — آپ کا

مفصل تذکرہ "خلفائے عظام" کے باب صفحہ ۷۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) **احمد** بجواڑوی (میاں سید) دفتر اول مکتوب ۹۵-۱۰۸ ــ سید احمد بن محمد بن الیاس حسینی نوغشتی بجواڑوی (بجواڑہ مضافاتِ سرہند میں ہے) آپ علمِ شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ شیخ اللہ داد لاہوری اور اپنے والد ماجد سے درسی کتب پڑھیں ۱۰۰۰ھ میں تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر درس وتدریس اور ارشاد و تلقین میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو افغانوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جہانگیر نے ترکِ آداب کے جرم میں تین سال گوالیار کے قلعہ میں قید رکھا آخر خان جہاں لودھی کی سفارش سے رہائی پائی، وہ اپنے ساتھ دکن لے گیا ایک عرصہ برہانپور میں رہے ۱۰۳۸ھ میں آگرہ آگئے۔ (نزہۃ الخواطر ج۵ ص ۶۸ و ۶۹)

(۸) **احمد** دیبنی (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۱۶ ــ آپ کا مفصل تذکرہ "خلفائے عظام" کے باب میں صفحہ ۷۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) **احمد** قادری (سید) دفتر اول مکتوب ۸۴ ــ آپ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں صدارتِ کل کے عہدے پر فائز تھے۔ (مآثر الامراء ج۲ ص ۴۵۹)

(۱۰) **ادریس** سامانی (مشیخت مآب شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۵۳۔

(۱۱) **اسحاق** ولد قاضی موسیٰ (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۷۰ ــ آپ سندیلہ کے فاضل بزرگوں میں سے تھے، بابا شیخ کریم الدین حسن ابدالی سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کرنے اور اخذِ طریقہ کے بعد اکیس دن تک متواتر آپ خواب میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر الطافہائے گوناگوں سے شادکام ہوئے۔ چنانچہ مولانا اسحٰق سندیلوی نے کمال شوق واخلاص کے ساتھ ایک عریضہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ارسال کیا نیز علیحدہ کاغذ پر ایک واقعہ بھی لکھا کہ بندہ بمقتضا حضرت حق تعالیٰ سے امیدوار فقیر اسحٰق ولد موسیٰ عرض کرتا ہے کہ حضرت ہادیٔ زماں قطبِ دوراں ہمارے مخدوم شیخ احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے ہیں، آپ سفید ریش، بینی مبارک بلند، سرخی مائل رنگ ہیں، گویا مراقبہ میں بیٹھے ہیں۔ جب بندہ حاضر ہوا تو عین مراقبہ میں قلم اٹھا کر یہ چند کلمات لکھ کر بندہ کو عنایت فرمائے اور اس بندہ پر بہت تیز توجہ فرمائی وہ کلمات یہ ہیں: "شیخ احمد سرہندیؒ کی کی طرف سے اسحاق سندی کی جانب ہے کہ اے اسحٰق! تم میرے بیٹے ہو اور میرے تمام رموزاتِ حقیقی و رفیقی میں میرے خلیفہ ہو، میں مغفور ہوں، تم اور تمہارے متوسلین بھی مغفور ہیں، میرے حبیب مولانا عبدالکریم سے میرا سلام کہنا۔ انتہیٰ" مولانا اسحٰق نے اس واقعہ کو اپنے ایک عریضہ میں لکھ کر رحیم علی نامی ایک درویش کے بدست بھیجا جو کہ شکر میں توحید وجودی خیالی تھا اور سفارش کی کہ اس کو اس مقام پر پہنچا دیں۔ حضرت مجددؒ نے اس درویش کو اس مقام پر گذار کر عالی مقام پر پہنچا دیا اور یہ مکتوب شیخ اسحٰق کو اسی درویش کے بدست بھیج دیا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۸۶ و ۳۸۷)

(۱۲) اسلم (شریعت پناہ قاضی) دفتر سوم مکتوب ۱۱۲ — آپ ہرات میں پیدا ہوئے۔ کابل میں [illegible] شیخ [illegible] کی خدمت میں علوم متداولہ کی تحصیل کی پھر جہانگیر کی خدمت میں پہنچے [illegible] کابل [illegible] حضرت [illegible] کے عہدہ قضا پر کر دیا۔ [illegible] شاہجہان [illegible] ۱۰۶۰ھ میں [illegible] میں انتقال ہوا [illegible]

(۱۳) اسمٰعیل (فریدآبادی قاضی) دفتر سوم مکتوب ۴۹۔

(۱۴) الہداد [illegible] (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۹۹-۳۰۱ - دفتر سوم مکتوب ۴۰ — آپ کا مختصر تذکرہ "حضرات القدس" میں صفحہ ۳۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۵) انبیاء [illegible] (سید) دفتر اول مکتوب ۲۳۵-۲۵۸۔

ملا صالح

(۱۶) ایرج (میرزا) دفتر اول مکتوب ۲۱۹ — آپ خانخاناں عبدالرحیم کے صاحبزادے ہیں [illegible] جہانگیر [illegible]

(۱۷) ایوب (محتسب ملا) دفتر اول مکتوب ۲۳۳۔

ب

(۱۸) باقر [illegible] (میر سید) دفتر اول مکتوب ۲۹۲ — [illegible] خلافت [illegible] (حضرات القدس [illegible] ۳۳۹)

(۱۹) بدیع الدین سہارنپوری (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۲۸-۲۸ - دفتر دوم مکتوب ۴ - دفتر سوم مکتوب ۳۳ — آپ کا مختصر تذکرہ "حضرات القدس" میں صفحہ ۳۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۰) بدیع الدین [illegible] دفتر اول مکتوب ۱۸۳-۱۹۲-۲۳۲-۲۵۳-۲۵۹-۲۷۹-۲۹۲ - دفتر دوم مکتوب ۳۹-۸۸ - دفتر سوم مکتوب ۹ — آپ کا مختصر تذکرہ "حضرات القدس" میں صفحہ ۳۳۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۱) بدیع الزمان (میرزا) دفتر اول مکتوب ۳۷-۷۵ — [illegible]

(۲۲) بہادر خاں - دفتر اول مکتوب ۸۳ — [illegible]

جہانگیر نے تین ہزار کے منصب اور "بہادر خاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (مآثر الامرا ج ۱ ص ۳۹۸)

(۲۳) **بہاؤ الدین** سرہندی (حافظ شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۳۸-۲۹۴ - غالباً آپ حضرت مجدد رحؒ کے بھتیجے ہیں جن کا ذکر صفحہ ۲۳۵ پر ہے۔

(۲۴) **بیگ** فرکتی (حاجی) دفتر اول مکتوب ۲۳۵ — آپ اور مولانا حاجی محمد فرکتی ع۱۳۱ ایک ہی صاحب معلوم ہوتے ہیں۔

ت

(۲۵) **تاج** (معارف آگاہ میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۶۳ — شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی نقشبندی حنفی، سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے وہیں تحصیلِ علوم کیا اور شیخ طریقت کی تلاش میں مختلف شہروں میں پہنچے، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی روحانیت سے طریقۂ چشتیہ کی تلقین حاصل کی، اس کے بعد ناگور میں شیخ حمید الدین قدس سرہٗ کی روحانیت سے فیض حاصل کیا، پھر شیخ کی تلاش میں نکلے اور گڈھ مکتیسر ضلع میرٹھ کے شیخ اللہ بخش شطاری کی خدمت میں پہنچے جو سید علی قوام متوفی ۹۵۰ھ کے مرید تھے شیخ نے ملاقات کرتے ہی آپ کو قبولیت بخشی اور ظاہر فرمایا کہ وہ آپ کے منتظر تھے۔ شیخ کا طریقہ تھا کہ اول مرید کو ریاضاتِ شاقہ کراتے تھے تاکہ اس کا نفس ٹوٹ جائے اور تزکیہ حاصل ہو جائے چنانچہ شیخ نے مطبخ میں پانی بھرنے کا کام آپ کو سپرد کر دیا۔ تین ماہ بعد شیخ نے فرمایا کہ تمہارا کام کمال و تکمیل کو پہنچ گیا اور آپ کو طریقۂ عشقیہ و قادریہ و چشتیہ اور مداریہ کی اجازت دی، پھر آپ کو شیخ نجم الدین کبریٰ رحؒ کی روحانیت سے طریقۂ کبرویہ میں اجازت حاصل ہوئی۔

جب پہلی مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تلاشِ مرشد میں ہندوستان تشریف لائے تھے تو سنبھل میں شیخ تاجؒ سے بھی ملاقات ہوئی تھی پھر جب حضرت خواجہ صاحبؒ دوبارہ صاحبِ مجاز ہو کر دہلی تشریف لائے تو شیخ تاجؒ نے بھی حاضر خدمت ہو کر آپ سے بیعت کی اور چند دن میں سلوکِ نقشبندیہ کی تکمیل کر کے صاحبِ اجازت ہو گئے اور غالباً حضرت خواجہؒ کے سب سے پہلے خلیفہ آپ ہی ہیں، آپ سب سے زیادہ حضرت خواجہؒ کی صحبت میں رہے اور آپس میں ایسی صحبت رہتی تھی کہ کوئی نہ جانتا تھا کہ کون عاشق ہے اور کون معشوق۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے انتقال کا آپ کو شدید رنج و غم ہوا اور سیاحت اختیار کی ۱۰۲۰ھ میں بصرہ پہنچے تو حاکم بصرہ آپ کے مخلصین میں داخل ہوا۔ پھر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی، وہاں بہت مخلوق حتیٰ کہ علما و مشائخ نے بھی آپ سے طریقہ اخذ کیا۔ آپ نے چند رسائل بھی تصنیف کئے۔ ننانوے سال کی عمر میں عصر و مغرب کے درمیان بروز بدھ ۱۸ جمادی الآخری ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی اور مکہ کے پہاڑ جیقعان کے دامن میں دفن ہوئے (زبدۃ المقامات ص ۲۰۰، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۹) آپ کے مفصل حالات میں ایک مستقل کتاب بزبانِ عربی بانکی پور لائبریری میں موجود ہے (رود کوثر ص ۲۲۱)

پ

(۲۶) **پیر بزرگوار خود** - دفتر اول مکتوب ۱ تا ۲۰ - (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے نام) آپ کا مفصل تذکرہ "سلسلۂ طریقت" کے باب میں صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۸ ملاحظہ فرمائیں -

ج

(۲۷) **جباری خاں** - دفتر اول مکتوب ۷۷-۷۸-۷۹ - جباری خاں یا جباری بیگ نامی ایک شخص ہیں جو مجنوں خاں تاقشال کے صاحبزادے اور حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کے اجداد میں سے تھے مجنوں خاں کے انتقال کے بعد جباری خاں برائے نام سردار تھے ورنہ اس کے چچا بابا خاں سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے (مآثر الامراء ج ۱ ص ۳۸۹) مکتوبات شریفہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جباری خاں کسی بڑے عہدہ پر فائز تھے جب ہی تو حضرت مجدد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "صدر اعظم کے پاس مشار الیہ میاں شیخ مصطفیٰ) کی سفارش بہت اچھی طرح کریں" -

(۲۸) **جعفر بیگ نہانی** - دفتر اول مکتوب ۱۳۹ - آپ مرزا بدیع الزماں کے صاحبزادے ہیں نہایت ذہین اور باکمال انسان تھے ۹۸۵ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، اکبر نے دو ہزاری کا منصب اور "آصف خاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ جہانگیر کے زمانے میں پنج ہزاری منصب عطا ہوا، ۱۰۲۱ھ میں بالاگھاٹ کے مقام پر انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۱۶)

(۲۹) **جمال ناگوری** (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۱۸ -

(۳۰) **جمال الدین** - دفتر اول مکتوب ۱۳۰ - غالباً علامہ جمال الدین تلوی لاہوری مراد ہیں، جو مشہور مدرس تھے معاصرین میں سے درس و تدریس میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا، قرآن مجید کے حافظ تھے۔ شیخ اسمٰعیل بن ابدال اوچی، شیخ اسحٰق بن کاکو لاہوری اور شیخ سعد اللہ سے علوم کی تحصیل کی، پھر عمر کا ایک حصہ دینی علوم کی نشر و اشاعت میں صرف کیا لاہور میں علمی ریاست کا آپ پر خاتمہ تھا، دور دور سے لوگ آپ کے پاس استفادے کے لئے آتے تھے، تمام علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا فیضی نے سواطع الالہام میں آپ سے استفادہ کیا (نزہۃ الخواطر، تذکرہ علماء ہند)

(۳۱) **جمال الدین حسین** (خواجہ) ولد میرزا حسام الدین احمد- دفتر دوم مکتوب ۴۲ - دفتر سوم مکتوب ۵۶ - ۸۱

(۳۲) **جمال الدین حسین بدخشی** - دفتر اول مکتوب ۱۷۷ -

(۳۳) **جمال الدین حسین کولابی** (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۱۳ - ۲۲۳ -

(شمارہ نمبر ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ غالباً ایک ہی صاحب ہیں)

ح

(۳۴) **حامد نہاری** (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۸۰ — آپ لاہور کے مشہور بزرگ تھے قرأت و تجوید میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، ارشاد و تلقین کی تعلیم محمد میر بن قاضی سائیدہ سیوستانی لاہوریؒ سے حاصل کی تھی، آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے سنہ ۱۰۴۲ھ میں لاہور میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۲۶)

(۳۵) **حبیب خادم** (درویش) دفتر سوم مکتوب ۸۹ — آپ حضرت مجددؒ کے سفر و حضر میں خصوصی خادم تھے۔ صفحات ۲۳۱ و ۲۶۲ میں آپ کا ذکر آیا ہے۔

(۳۶) **حسام الدین احمد** (حقائق آگاہی معارف دستگاہی خواجہ میرزا) دفتر اول مکتوب ۳۲- ۹۲ - ۲۰۷ - ۲۱۶ - ۲۲۹ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۶۷ - ۲۷۳ - دفتر دوم ۱۷ - ۲۹ - ۴۵ - دفتر سوم مکتوب ۴۰ - ۷۲ - ۱۱۵ - ۱۲۱ — میرزا حسام الدین احمد بن نظام الدین احمد حنفی بدخشی ثم الدہلویؒ مشائخ نقشبندیہ میں سے ہیں۔ آپ کا نسب ایک جہت سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے اور ایک جہت سے مفسر زاہد سے ملتا ہے۔ سنہ ۹۷۷ھ میں سرزمین ہند میں پیدا ہوئے اور علم کے گہوارے میں پرورش پائی۔ تحصیلِ علوم کے بعد شیخ ابو الفضل بن مبارک ناگوری کی بہن سے شادی ہوئی، والد ماجد کے انتقال کے بعد منصب اور علاقہ پایا اور اکبر بادشاہ نے آپ کو عبد الرحیم خان خاناں کی زیرِ قیادت لشکر میں شامل کر دیا، مجبوراً آپ ایک زمانے تک لشکر میں رہے چونکہ آپ کی طبیعت ترک و تجرید کی طرف مائل تھی اس لئے سلطانی خدمات سے استعفیٰ دیکر عزلت اختیار کی، آپ کی بیوی نے بھی ترک و تجرید میں آپ کی موافقت کی پس آپ دہلی آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت میں بقیہ زندگی گذار کر معارفِ الٰہیہ میں بہت اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے، کثرت سے عبادت کرتے اور تلاوتِ قرآن مجید میں اسقدر مشغول رہتے کہ ہر مہینے پندرہ مرتبہ قرآنِ کریم ختم کرتے۔ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں کہ ان کی بیوی ہر سال بارہ ہزار نقد دیتی تھیں اور آپ وہ رقم گوشہ نشین درویشوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ آپ نے توبہ کے بعد بحث و اشتغال ترک کر دیا تھا اور نوکری ترک کرنے کے بعد تیس سال تک نہایت متورع اور متشرع زندگی گذاری۔ صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ آپ ترک و تجرید کے غلبہ کے سبب مسندِ ارشاد پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لہذا اپنے شیخ کی زندگی تک اُن کی خدمت میں لگے رہے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادوں کی تربیت میں مشغول رہے۔ یکم صفر سنہ ۱۰۴۳ھ اکبر آباد میں وفات ہوئی وہیں دفن کئے گئے پھر کچھ عرصہ بعد آپ کی نعش کو دہلی لا کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے قبرستان میں دفن کیا گیا (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۲۸) نیز آپ کا تفصیلی تذکرہ زبدۃ المقامات ص ۸۰ تا ۸۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

(۳۷) **حسن برکی** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۷۱۔ دفتر دوم مکتوب ۷۷۔ دفتر سوم مکتوب ۱۰۵۔
آپ کا مفصل تذکرہ "خلفاء" کے باب میں صفحہ ۳۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۸) **حسن کشمیری** (ملا) دفتر اول مکتوب ۹۹۔۱۰۰۔۱۰۱۔ ۲۷۹۔ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲۔
شیخ حسن کشمیری ثم الدہلوی علم وفضل اور بزرگی میں مشہور تھے طریقت کی تکمیل شیخ نجم چائیں سہنویؒ سے کی پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی صحبت اختیار کرکے کسب فیض کیا، حقائق و معارف میں ممتاز تھے ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج۵ ص ۱۳۲) آپ ہی حضرت مجدد صاحبؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے (زبدۃ المقامات ص ۱۳۸)

(۳۹) **حسین مانک پوری** (سید) دفتر اول مکتوب ۲۲۱۔

(۴۰) **حسینی** (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۰۳ — غالباً مولانا حسین نانبائی مراد ہیں۔ آپ کشمیر میں پیدا ہوئے اور شیخ محمد قادری سے تعلیم طریقت حاصل کی پھر دہلی آئے اور عبدالشہید احراری کی صحبت اختیار کی پھر ایک زمانے تک حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے پھر کشمیر چلے گئے اور تمام عمر عبادت میں گذاری ۱۰۵۰ھ میں وصال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج۵ ص ۱۳۵)

(۴۱) **حمید اجمیری** (شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۰۳۔ احمدی

(۴۲) **حمید احمدی** (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۵۷ — شیخ حمید اجمیری اور مولانا حمید احمدی غالباً ایک ہی بزرگ ہیں، آپ نے حضرت مجددؒ سے سلوک باطنی حاصل کرکے خلافت پائی۔ (روضۃ القیومیہ ص ۳۴۰)

(۴۳) **حمید بنگالی** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۵۸۔۲۲۰۔ ۲۹۲۔ دفتر دوم مکتوب ۴۶۔ ۸۴ —
آپ کا مفصل تذکرہ "خلفاء" کے باب صفحہ ۳۸۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۴) **حمید سنبھلی** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۱ — آپ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی حیثیت سے علامۂ زماں اور یکتائے دوراں مشہور تھے (تذکرہ علمائے ہند)

خ

(۴۵) **خان اعظم**۔ دفتر اول مکتوب ۶۵۔ ۶۶ — خان اعظم مرزا عزیز کوکہ اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور ہم شیر تھے۔ ہمیشہ شاہی قرابت اور انتہائی نوازشوں سے سرفراز رہے، جہانگیر نے بھی آپ کی خوب عزت افزائی کی، نہایت ذہین، تاریخ دانی میں بے مثل اور سلاست زبان میں یکتا تھے ۱۰۰۲ھ میں حج کیا اور ۱۰۳۳ھ میں احمد آباد میں انتقال ہوا۔ میت کو دہلی لاکر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قرب میں دفن کیا گیا۔
(مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۷۱ و توزک جہانگیری)

(۴۶) **خان جہاں** - دفتر دوم مکتوب ۶۷- دفتر سوم مکتوب ۵۴ ـــ پیر خاں لقب خان جہاں ابن دولت خاں لودھی شاہو خیل کے قبیلے سے تھے۔ شہزادہ دانیال کا تقرب حاصل کر کے جہانگیر کے امراء میں شامل ہو گئے، آپ بڑے علم دوست تھے اور علماء سے بہت محبت کرتے تھے اور عام لوگوں سے بھی اچھا سلوک تھا، جہانگیر کو آپ پر بہت اعتماد تھا اور اس درجہ محبت تھی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں بادشاہ ہوا تو خاں جہاں اس سے مشکوک ہو گیا اور اس کے خلاف بغاوت کردی، شاہجہاں نے اس پر لشکر کشی کی آخر ۱۰۴۰ھ میں قتل کرا دیا گیا۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۹)

خان خاناں (ملاحظہ ہو عبد الرحیم خان خاناں)

(۴۷) **خضر** افغان (حاجی) دفتر اول مکتوب ۱۳۷ ـــ آپ کا مفصل تذکرہ "خلفا" کے باب میں صفحہ ۵۳۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۸) **خضر خاں** لودھی - دفتر اول مکتوب ۹۴ -

(۴۹) **خواجہ جہاں** - دفتر اول مکتوب ۲۵-۷۲ ـ اصل نام دوست محمد لقب خواجہ جہاں تھا۔ اور کابل کے رہنے والے تھے۔ جب آپ کی صاحبزادی جہانگیر کی زوجیت میں آگئی تو آپ اعلیٰ منصب اور "خواجہ جہاں" کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اپنے فرائض منصبی نہایت دیانتداری سے انجام دیتے تھے، نہایت متقی پرہیزگار تھے، نماز فجر کے بعد آپ کی مجلس میں مثنوی مولانا روم پڑھی جاتی تھی۔ ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامراء ج۱ ص ۶۶۸)

خواجہ عمک (ملاحظہ ہو عمک)

خواجہ گدا (ملاحظہ ہو گدا)

خواجہ مقیم (ملاحظہ ہو مقیم)۔

د

(۵۰) **داراب خاں** (میرزا) دفتر اول مکتوب ۷۱-۲۱۵-۲۴۹ - دفتر دوم مکتوب ۷۸ - آپ میرزا عبد الرحیم خاں خاناں کے صاحبزادے نہایت لائق و فائق اور بہت سی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ جہانگیر نے آپ کو ایک ہزاری کا منصب دیکر برار و احمد نگر کے صوبے کا حاکم مقرر کیا پھر ۱۰۳۴ھ میں بعض شکوک کی بنا پر جہانگیر کے حکم سے مہابت خاں نے آپ کو قتل کر دیا۔ (مآثر الامراء ج۲ ص ۱۴)

(۵۱) **داؤد** (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۱۸ - شیخ داؤد سالکی حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ اور صاحب انکسار بزرگ تھے۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۸)

(۵۲) **درویش** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۴۱-۴۲- ۹۷ - آپ امرائے سلطنت میں سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ تینوں مکتوبات میں کسی نہ کسی کے لئے امداد و سفارش مذکور ہے۔

س

(۵۳) سلطانِ وقت - دفتر سوم مکتوب ۴۷ — یعنی جہانگیر بادشاہ۔ اصل نام سلیم تھا چونکہ حضرت سلیم چشتی علیہ الرحمہ کی دعا کی برکت سے شہزادہ کی ولادت ہوئی تھی اس لئے اکبر بادشاہ نے اس کی پیدائش سے قبل شہزادہ کی والدہ جودھا بائی کو حضرت سلیم چشتی علیہ الرحمہ کے مکان پر بھیج دیا تھا چنانچہ انہی کے مکان پر واقع فتحپور سیکری آگرہ میں بروز بدھ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ ہجری مطابق ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء کو شہزادہ کی ولادت ہوئی۔ اکبر نے حصولِ برکت کی غرض سے حضرت سلیم چشتی رح کے نام پر شہزادہ کا نام بھی سلیم رکھا۔ اور اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ درجہ پر کی گئی۔ اکبر کے انتقال کے بعد شہزادہ سلیم بروز جمعرات ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو تخت نشین ہوا اور سلطان نور الدین جہانگیر لقب اختیار کیا۔ اس کے زمانے میں دکن کے بعض حصے فتح ہو کر سلطنت مغلیہ میں شامل کئے گئے۔ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۶۱۱ء میں غیاث الدین کی بیٹی مہر النساء اپنے شوہر شیر افگن کے قتل ہو جانے کے تقریباً چار سال بعد شاہی حرم میں داخل ہوئی اور نور جہاں لقب پایا۔ نور جہاں چونکہ ایک نہایت حسین و جمیل اور عقلمند عورت تھی مذہباً شیعہ تھی اس نے جہانگیر کے مزاج پر اسقدر تسلط حاصل کر لیا تھا کہ بادشاہ کی حکومت برائے نام تھی ورنہ تمام احکام سلطنت ملکی و مالی فیصلہ جات اور مہماتِ سلطانی صرف نور جہاں پر منحصر تھے حتیٰ کہ سکہ پر بھی نور جہاں کا نام ثبت تھا جس کی وجہ سے شیعیت کے اثرات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود ایک موقع پر جہانگیر اسی نور جہاں کو مخاطب کر کے کہتا ہے "جان دادیم ایمان ندادیم"۔

جہانگیر ایک ذہین و فطین انسان تھا اور اس کی جمالیاتی حس بہت بڑھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ شاعری، مصوری، موسیقی اور مناظر قدرت سے خاص لگاؤ رکھتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتظام سلطنت سے بھی غافل نہ تھا اس کا عدل و انصاف تو ضرب المثل ہے چنانچہ اس کو جہانگیر عادل کہا جاتا ہے۔ اس کے کردار کا برا پہلو یہ تھا کہ وہ شراب کا بہت عادی تھا۔ بعض غلط فہمیوں کی بنا پر اس نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا لیکن جلدی ہی اس نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور حضرت کو رہا کر کے انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے زمانے میں انگلستان کے اولین سفراء دربارِ مغلیہ میں آئے۔ انسٹھ ۵۹ سال گیارہ ماہ دس دن کی عمر میں بروز جمعرات ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ مطابق اکتوبر ۱۶۲۷ء کو کشمیر میں انتقال ہوا اور نعش کو لاہور کے متصل شاہدرہ میں دفن کیا گیا۔ مدتِ سلطنت بائیس سال آٹھ ماہ تیرہ دن بتائی جاتی ہے۔

(۵۴) سلطان سرہندی (مولانا) دفتر سوم مکتوب ۴۵ - ۱۱۳۔

(۵۵) سکندر خاں لودھی۔ دفتر اول مکتوب ۸۲ - ۹۳۔

ش

(۵۶) **شاہ محمد** (سید) دفتر دوم۔ مکتوب ۵۴۔

(۵۷) **شرف الدین حسین** بدخشی (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۴۶۔ ۱۵۹۔ ۱۸۹۔ دفتر دوم مکتوب ۲۵۔ ۳۱۔ ۶۸۔ ۸۲۔ دفتر سوم مکتوب ۵۹ ــــ آپ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کی اولاد سے ہیں۔ اکبری دور میں امارت کے مرتبہ تک پہنچے بعد میں اکبر کے الحاد کی وجہ سے اس کے خلاف ہوگئے آخر گرفتار کرلئے گئے۔ ایک عرصہ تک قید میں رکھ کر رہا کردیئے گئے۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۱ ص ۹)

(۵۸) **شریف خاں**۔ دفتر اول مکتوب ۲۵۸ ــــ آپ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے صاحبزادے ہیں شریف خاں جہانگیر کے ہم مکتب، رفیق اور جلیس رہ چکے تھے، جہانگیر کے تخت نشین ہونے پر آپ کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا اور جہانگیر نے آپ کو پنج ہزاری کا منصب اور امیرالامراء کے خطاب سے سرفراز فرمایا آخر عمر میں دکن بھیجدیا گیا تھا وہیں آپ کا انتقال ہوا (ماثرالامراء ج ۲ ص ۶۳۶)

(۵۹) **شمس** (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۳۔ دفتر سوم مکتوب ۳۳۔ آپ حسینی سادات سے تھے۔ ایک زمانے تک تارک الدنیا ہو کر سیاحت کرتے رہے۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں کی ملازمت اختیار کی اور تین ہزاری ذات اور تین ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوئے ۱۹ رمضان ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔ (ماثرالامراء ج ۳ ص ۲۱۴)

(۶۰) **شمس الدین** (میرزا) دفتر دوم مکتوب ۱۳۔ ۵۰۔

(۶۱) **شمس الدین علی** خلخالی (سیادت پناہ میر) دفتر دوم مکتوب ۲۔ ۵۔ دفتر سوم مکتوب ۱۱۔ ۱۴۔

(۶۲) **شکیبی** اصفہانی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۰۰۔ ۲۱۰ ــــ آپ عبدالرحیم خانخاناں سے کے درِ دولت سے وابستہ تھے چنانچہ فتح ٹھٹھہ کے وقت بھی خانخاناں کے ہمراہ تھے۔ اچھا شاعر ہونے کی وجہ سے آپ نے ٹھٹھہ کی فتح کی خوشی میں ایک مثنوی لکھی جس کے صلہ میں خانخاناں نے آپ کو ایک ہزار اشرفی انعام دیں۔ (ماثرالامراء ج ۱ ص ۶۹۳) پھر جہانگیر نے آپ کو دہلی کی صدارت پر فائز کیا آخر ۱۰۲۳ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔ "شکیبی رفت" تاریخ وفات ہے۔ (بزم تیموریہ)

(۶۳) **شبیر محمد** لاہوری (ملا) دفتر سوم مکتوب ۵۱۔

ص

(۶۴) **صادق** کابلی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۸۔ ۱۴۹ ــــ آپ کا مفصل تذکرہ "خلفا" کے باب میں صفحہ ۷۷۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۶۵) **صالح** بدخشی کولابی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۹۱ - ۱۸۲ - ۲۴۱ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۳۰۶ - دفتر دوم مکتوب ۳۳ - دفتر سوم مکتوب ۲۸ - ۸۷ - ۹۵ - آپ کا مفصل تذکرہ "خلفاء" کے باب میں صفحہ ۶۰۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۶۶) **صالح** نیشاپوری (میر) دفتر اول مکتوب ۱۲۵ - ۱۲۶۔

(۶۷) **صدر جہاں** - دفتر اول مکتوب ۱۹۴ - ۱۹۵ — مفتی صدر جہاں پہانوی بن عبد المقتدر (پہان قنوج کے مضافات میں ایک گاؤں ہے) آپ نے شیخ عبد النبی کی خدمت میں علم حاصل کیا کچھ دنوں ممالک محروسہ کے مفتی رہے پھر توران کی سفارت پر گئے، وہاں سے واپس آکر صدارت پر سرفراز ہوئے۔ ۱۰۲۷ھ میں پہان میں انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۷۸ و تذکرہ علماء ہند)

(۶۸) **صدرا** (حکیم) دفتر اول مکتوب ۱۰۹۔

(۶۹) **صدر الدین** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۰ — مسیح الزماں میرزا صدر الدین بن فخر الدین شیرازی حکمت و حذاقت میں شہرت پائی۔ اکبری دور میں ہندوستان آئے اور جہانگیر کے زمانے میں تمام اطباء میں ممتاز ہوئے۔ شاہجہانی دور میں مزید ترقی پائی۔ ۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ (نزھۃ ج ۵ ص ۱۷۹ و مآثر ۳/۵۸۳)

(غالباً حکیم صدرا اور شیخ صدر الدین ایک ہی شخص ہیں)۔

(۷۰) **صفر احمد** رومی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۱۲۷ - دفتر سوم مکتوب ۶۵ — آپ کے مفصل حالات "خلفاء" کے باب میں صفحہ ۵۴۷ پر ملاحظہ ہوں۔

(۷۱) **صلاح الدین** احراری (خواجہ) دفتر سوم مکتوب ۵۸۔

(۷۲) **صوفی** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۳۱ — آپ کا نام محمد تھا، اچھے شاعر اور اکابر صوفیہ میں سے تھے، تمام علوم میں تبحر حاصل تھا، درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، بہت سے علماء نے آپ سے کسب کمال کیا۔ عبد الرحیم خانخاناں نے اپنے کتب خانہ کا ناظم اور اپنا مصاحب بنا لیا پھر گوشہ نشین ہو گئے ۱۰۳۴ھ میں انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۸۱)۔

ط

(۷۳) **طاہر** بدخشی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۷۱ - ۲۱۷ - دفتر دوم مکتوب ۲۰ - ۲۷ - ۸۶ - دفتر سوم مکتوب ۳۷ - ۹۱ - ۱۲۴ - آپ کا مفصل تذکرہ "خلفاء" کے باب میں صفحہ ۵۴۵ پر ملاحظہ ہو۔

(۷۴) **طاہر** (ملا) دفتر سوم مکتوب ۲۵ — ملا طاہر خادم دفتر سوم مکتوب ۱۰۸۔

(۷۵) طاہر لاہوری (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۲۵ - ۲۲۷ - ۲۵۵ — آپ کا مفصل تذکرۂ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۵، پر ملاحظہ فرمائیں -

ع

(۷۶) عبد الباقی سارنگپوری (سید) دفتر دوم مکتوب ۳۹ -

(۷۷) عبد الجلیل تھانیسری ثم جونپوری (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۲ — شیخ عبد الجلیل بن شمس الدین صدیقی تھانیسری ثم جونپوری، اپنے زمانے کے فقیہ، بہت متقی اور نامور علماء میں سے تھے، شیخ عبد الجلیل لکھنوی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور پوری عمر درس و تدریس میں گذار دی - ۸ شوال ۱۰۷۱ھ کو جونپور میں انتقال ہوا - (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۰۰)

(۷۸) عبد الحق دہلوی (فضیلت پناہی شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۱۵ - دفتر دوم مکتوب ۳۹ - حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، محرم ۹۵۸ھ بعہد سلیم شاہ سوری دہلی میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد حضرت سیف الدین قادریؒ سے تعلیم و تربیت پائی لو قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ کو بچپن ہی سے حصول علم کا اسقدر ذوق تھا کہ والد ماجد کے منع کرنے کے باوجود شب کو کافی رات تک آپ مطالعہ کتب میں مشغول رہتے تھے اور اپنے قیمتی وقت کو کھیل کود میں ضائع نہیں کرتے تھے۔ ۹۹۵ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے وہاں شیخ عبد الوہاب متقی سے اکتساب فیض کیا پھر واپس دہلی پہنچ کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہے جن میں سے بعض نہایت معرکۃ الآرا ہیں مثلاً لمعات اور اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ شریف کی شرحیں ہیں۔ مدارج النبوۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ہے۔ جذب القلوب فی دیار محبوب، مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔ زاد المتقین الی طریق الیقین، آپ کے شیوخ و اساتذہ کے حالات پر مشتمل ہے اخبار الاخیار، اولیائے کرام کا ایک جامع تذکرہ ہے۔ شرح فتوح الغیب اور مرج البحرین تصوف پر مشہور ہیں — بعہد شاہجہاں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی مہرولی مضافات دہلی میں آپ کا مزار پر انوار ہے۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" اور تاریخ وفات "فخر العلماء" سے نکلتی ہے -

عبد الحمید بنگالی (شیخ) ملاحظہ ہو حمید بنگالی -

(۷۹) عبد الحی حصاری (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۷۷ - ۲۹۱ - ۳۰۴ - دفتر دوم مکتوب ۷ - ۴۲ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۶۷، پر ملاحظہ فرمائیں -

(۸۰) **عبدالرحمٰن مفتی کابلی** (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۲۵ - ۱۸۶ --- آپ فقہ، اصول اور عربی ادب کے نامور علماء میں سے تھے، بہت نیک، صاحب ورع وتقویٰ بزرگ تھے۔ جس زمانہ میں حضرت مجدد صاحبؒ آگرہ تشریف فرما ہوئے تو آپ نے حضرت سے بیعت کی اور حاضر خدمت ہوتے رہے (شیخ حمید بنگالی کی حضرت مجدد صاحبؒ سے ملاقات کے سلسلہ میں آپ کا تذکرہ ہے) اور غالباً آپ ہی کو شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ آپ سجدۂ تعظیمی کرلیں تو میں ضامن ہوں کہ آپ کو بادشاہ سے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ شاہجہاں کے زمانہ میں بھی آگرہ کے مفتی رہے۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۲ ۵ و حضرات القدس اردو ج ۲ ص ۹۰)

(۸۱) **عبدالرحمٰن** (میر) ولد میر محمد نعمان۔ دفتر سوم مکتوب ۴۴۔

(۸۲) **عبدالرحیم المشہور بخانخاناں**۔ دفتر اول مکتوب ۲۳ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۱۹۱ - ۱۹۸ - ۲۱۴ - ۲۳۲ - ۲۶۸ - دفتر دوم مکتوب ۸ - ۶۲ - ۶۶ --- میرزا عبدالرحیم خان خاناں بن بیرم خانخاناں، سلطان جہانگیر کے سپہ سالار، صاحب السیف والقلم، بلاد ہند بلکہ ہفت اقالیم میں ایسا مختلف فضائل کا جامع شخص امراء میں شاید ہی کوئی ہو۔ بروز جمعرات ۱۴ ماہ صفر ۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء کو لاہور میں ولادت ہوئی۔ ابھی چار سال کے تھے کہ آپ کے والد کو ۹۶۸ھ میں گجرات کے علاقہ میں قتل کردیا گیا۔ اس سانحہ کے بعد آپ کو آگرہ لے آئے اور سلطنت کی گود میں پرورش پائی۔ اکبر نے از راہِ عنایت قبول سے مخصوص کیا۔ بعض درسی کتابیں مولانا محمد امین اندجانی سے پڑھیں اور بعض قاضی نظام الدین بدخشی سے، حکیم علی گیلانی اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے فوائد کثیرہ حاصل کئے، پھر گجرات پہنچے تو شیخ وجیہ اللہ بن نصر اللہ علوی گجراتی سے طریقہ اخذ کیا۔ چونکہ علماء کے مربی تھے اس لئے آپ کے پاس اسقدر اہل علم جمع رہتے تھے کہ بادشاہوں اور امراء میں کسی کے پاس اتنے نہیں رہے ہوں گے، ان سب سے ہمیشہ ہر فن میں استفادہ کرتے رہے یہاں تک کہ متبحر عالم ہوگئے۔ فضائل اور لغات میں ماہر تھے، نہایت ذہین تھے تمام آداب واخلاق، حسن معاشرت، حلم وتواضع، اور شجاعت وسخاوت وغیرہ کے جامع تھے اکبر بادشاہ نے آپ کو اپنے لڑکے جہانگیر کا ۹۹۲ھ میں اتالیق مقرر کیا اور مرزا خان کا لقب دیا۔ اور آپ کو نقارہ اور چار قبے لوازم سلطنت سے اعزاز کیا، اور امیر کبیر محمد شمس الدین غزنوی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی کردی۔ پھر یہاں تک ترقی کی کہ امارت کے سب سے اونچے درجے تک پہنچے اور آپ کے ہاتھوں گجرات اور بلادِ سندھ اور دکن کے کچھ علاقے فتح ہوئے اور بادشاہ اکبر نے آپ کو خان خاناں یعنی امیر الامراء کا لقب دیا۔ آپ بڑے صاحب کمال، بلند ہمت، سخی اور عالم و

فاضل تھے، اس کے باوجود مطالعۂ کتب میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بھی آپ کے ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی۔ عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سندھی وغیرہ مختلف لغات کے ماہر تھے اور ان میں سے ہر زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت اور روانی کے ساتھ کلام کرتے تھے، نہایت عمدہ اشعار کہتے تھے، علماء کی عزت کرتے، اُن پر مال خرچ کرتے، اور اُن کو عطیات و وظیفے ظاہر و پوشیدہ طور پر دیتے رہتے حتیٰ کہ دور دراز ملکوں میں بھی ان کے پاس بھیجتے علامہ سید غلام علی بلگرامی خزانۂ العامرہ میں لکھتے ہیں کہ اگر آپ کے عطیات کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام صفوی بادشاہوں کے عطیات کو دوسرے پلڑے میں رکھیں تو آپ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ آپ نے ۹۹۷ھ میں توزکِ بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۲۵، ماثر الامراء، تذکرہ علماء ہند)

(۸۳) عبد الصمد سلطانپوری (شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۶۹۔

(۸۴) عبد العزیز جونپوری (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۱ ـــ شیخ عبد العزیز بن فخر الدین، جونپور میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی، اپنے والد سے درسی کتب پڑھیں اور سلوک کی تکمیل کی اور انہی کی مسند ارشاد پر بیٹھے، سیرت الاولیا لکھی جس میں اپنے مشائخ کا تذکرہ ہے، صاحبِ سلسلہ ہوئے (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۲۸)

(۸۵) عبد الغفور (حافظ) دفتر سوم مکتوب ۸۴۔

(۸۶) عبد الغفور سمرقندی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۲۔ ۲۰۶ - ۲۳۵ ـــ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے اجل خلفا میں سے تھے۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ۳۴۰)

(۸۷) عبد القادر (حکیم) دفتر اول مکتوب ۱۰۵ ـــ غالباً علامہ عبد القادر بن ابی محمد بغدادی ثم الاجینی مراد ہیں جو منطق اور حکمت کے ممتاز علما میں سے تھے ۱۰۲۱ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ ج ۵ ص ۲۳۲)

(۸۸) عبد القادر انبالی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۲۸۴ - دفتر دوم مکتوب ۵۶ - ۹۴ ـــ دفتر سوم مکتوب ۱۱۸ ـ مولانا عبد القادر انبالی بن محمود پانی پتی ثم اجینی۔ آپ نے شیخ عبد الملک ابن عبد الغفور پانی پتی سے جو آپ کے بنی اعمام میں سے تھے علم حاصل کیا پھر شیخ عبد الرزاق جھنجانوی کے ہاتھ پر بیعت کی بعدۂ حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے، صاحبِ تصانیف تھے۔ ۱۰۱۱ھ میں اجین میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۳۶)

۸۹ عبد القادر پسر شیخ زکریا۔ دفتر اول مکتوب ۹۸۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خسر شیخ سلطان کے بھائی شیخ زکریا کے صاحبزادے ہیں۔

(۹۰) **عبدالکریم سنامی** (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۷۸ ـــ ملا عبدالکریم سنامی بن درویزہ الحنفی پشاوری، عالم اور فقیہ تھے، شیخ علی غواص ترمذی سے طریقہ اخذ کیا "مخزن الاسلام" تصنیف کی علاقہ یوسف زئی یاغستان میں ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۴۲ و تذکرہ علماء ہند)

(۹۱) **عبداللہ** (پیرزادہ خواجہ محمد) دفتر اول مکتوب ۲۶۶ ۔ دفتر دوم مکتوب ۲۳ ۔ ۳۵ ۔ ۵۹ ۔ دفتر سوم مکتوب ۵۶ ۔ ۶۰ ۔ ۷۱ ۔ آپ کا مفصل تذکرہ "خلفا" کے باب میں صفحہ ۷۶۴ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

(۹۲) **عبداللہ** (شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۰۱ ۔

(۹۳) **عبداللہ** (میر) ابن میر نعمان ۔ دفتر اول مکتوب ۱۷۹ ۔

(۹۴) **عبداللطیف خوارزمی** (حاجی) دفتر سوم مکتوب ۹۸ ۔

(۹۵) **عبدالمجید** (شیخ) بن شیخ محمد مفتی لاہوری ۔ دفتر اول مکتوب ۲۲ ـــ آپ بڑے عالم و فقیہ اور صلحاء زمانہ میں سے تھے ۔ آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی زبان میں لکھا ۔ حضرت موصوف نے بھی اس کا جواب عربی میں دیا ۔ یہ وہی مکتوب ہے ۔ (آپ کے والد شیخ محمد مفتی لاہوری، اکبری دور کے بزرگ عالم اور صاحب کمالات تھے ان کا تذکرہ نمبر ۱۲۶ صفحہ ۸۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں) (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۹)

(۹۶) **عبدالواحد لاہوری** (مولانا) دفتر اول مکتوب ۱۱۶ ۔ ۳۰۷ ۔ دفتر دوم مکتوب ۷ ـــ آپ کا مفصل تذکرہ "خلفا" کے باب میں صفحہ ۷۶۹ پر ملاحظہ ہو ۔

(۹۷) **عبدالوہاب** (حکیم) دفتر اول مکتوب ۱۵۷ ۔

۹۸ **عبدالوہاب بخاری** (سیادت پناہی شیخ) دفتر اول مکتوب ۵۵ ۔ ۵۶ ـــ شیخ عبدالوہاب ابن یوسف بن عبدالوہاب حسینی بخاری اوچی حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، علما و مشائخ سے علم حاصل کیا، عہد اکبری اور اوائل جہانگیری میں دہلی کی حکومت پر متعین تھے ۱۰۱۶ھ کے بعد حجاز تشریف لے گئے، حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد پھر واپس ہندوستان آ گئے (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۴۶ و مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۰۴)

(۹۹) **عبدالہادی بدایونی** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۶۵ ـــ آپ کا مفصل تذکرہ "خلفا" کے باب میں صفحہ ۷۷۰ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱۰۰) **عبیداللہ** (پیرزادہ خواجہ محمد) دفتر اول مکتوب ۲۴۶ ۔ دفتر سوم مکتوب ۷۱ ـــ عبیداللہ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۷۶۱ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱۰۱) **عرب خاں** (میرزا) دفتر دوم مکتوب ۹۰ ــــ عہد جہانگیری کے امرا میں سے تھے شاہجہاں کے زمانے میں فتح آباد اور دھارواڑ کے قلعہ دار رہے ۱۰۶۳ھ میں وفات پائی (مآثر الامراء ج ۲ ص ۷۸۸)

(۱۰۲) **علی کشمی** (ملا) دفتر سوم مکتوب ۲۷۔

(۱۰۳) **علی جان** (میرزا) دفتر اول مکتوب ۸۹۔

(۱۰۴) **عملک** (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۲۷ ــــ ۲۸۔

غ

(۱۰۵) **غازی نائب** (ملا) دفتر دوم مکتوب ۵۷ ــــ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلفا میں ایک صاحب مولانا غازی گجراتی ہیں جن کے متعلق صاحب روضۃ القیومیہ لکھتے ہیں :۔

"آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے اجازت حاصل تھی اور شریعت و طریقت کے بڑے پابند تھے۔" لیکن یہاں ملا غازی نائب تحریر ہے اور ملا غازی نائب کا تذکرہ صاحب مآثر الامراء نے اس طرح کیا ہے کہ ان کا اصلی نام قاضی خاں تھا بدخشاں کے رہنے والے تھے مولانا عصام الدین اور ملا سعید کے شاگرد، طریقت میں شیخ حسین خوارزمی کے مرید تھے۔ ۹۸۲ھ میں دربار اکبری میں حاضر ہوئے ایک ہزاری منصب اور غازی خاں کا خطاب ملا۔ سجدۂ زمین بوسی انہی کے ذہن کی اختراع تھی، محضرنامہ پر بھی انہی نے سب سے پہلے دستخط کئے تھے۔ کئی رسالے تصنیف کئے بہتر سال کی عمر پائی۔ (مآثر الامراء ج ۲ ص ۸۵۳ و منتخب التواریخ حاشیہ صفحہ ۵۱۹)

(۱۰۶) **غلام محمد** (معارف آگاہی برادر حقیقی حضرت مجددؒ) دفتر اول مکتوب ۲۸۷۔ دفتر دوم مکتوب ۱۲۔

(۱۰۷) **غلام محمد** (مولانا شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۱۷ ــــ غالباً مولانا غلام محمد امروہی ابن دیار حسینی مراد ہیں۔ آپ امروہہ میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی پہنچے اور دیگر علما سے تحصیل علوم کیا پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی صحبت اختیار کرکے تعلیم طریقت حاصل کی، اچھے شعرا میں سے تھے ۱۰۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۱)

ف

(۱۰۸) **فتح اللہ حکیم** (میرزا) دفتر اول مکتوب ۸۰ - ۸۵ - ۲۰۲ ــــ حکیم مسیح الدین ابو الفتح کے ایک بھائی حکیم لطف اللہ کا لڑکا تھا۔ وہ قابل اور صاحب حیثیت شخص تھا لیکن اس نے جہانگیر کے مقابلے میں اس کے بیٹے خسرو کی حمایت کی اور آصف خاں کے چچازاد بھائی نورالدین سے

مل کر یہ طے کرلیا کہ جیسے ہی موقع ملے خسرو کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جائے لیکن بعد میں جہانگیر کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ نورالدین اور اس کے کئی اور ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ حکیم فتح اللہ کی تشہیر کی گئی اور پھر اس کو اندھا کر دیا گیا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۵۵۸، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۳)

(۱۰۹) **فتح خاں** افغان۔ دفتر دوم مکتوب ۸۷ —— غالباً ملک عنبر حبشی کا لڑکا تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں مردانگی، شجاعت اور بخشش و سخاوت کے اعتبار سے مشہور ہو گیا تھا، باپ کے مرنے کے بعد نظام شاہی خاندان کا ناظم و مختار بن گیا بعدہٗ نظام شاہی اور عادل شاہی حکومتوں اور سلطنت مغلیہ میں اس کی سیاسی سرگرمیاں رہیں جن میں اس کو کبھی اعزاز نصیب ہوا اور کبھی قید و بند کی صعوبات برداشت کرنی پڑیں۔ آخر عمر میں لاہور میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ایک مدت تک فراغت و آسودگی کی زندگی بسر کی یہاں تک کہ طبعی موت مر گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ عرب کے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتا تھا اور ان کو دل کھول کر روپیہ دیتا تھا۔ (مآثر الامراء ج ۳ ص ۳)

(۱۱۰) **فرخ حسین** (مولانا) دفتر دوم مکتوب ۷۶ —— آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۱۷۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱۱) **فرید بخاری** (سیادت پناہ نواب شیخ)۔ دفتر اول مکتوب ۴۳۔ تا۔ ۴۸۔ ۵۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۱۰۳۔ ۱۵۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۵۔ ۱۹۳۔ ۲۱۳۔ ۲۳۳۔ ۲۶۹ —— شیخ فرید ولد احمد صحیح النسب سید تھے، دہلی میں پیدا ہوئے وہیں تربیت پائی۔ تحصیل علوم کے بعد اکبر بادشاہ کے ملازم ہو گئے اور اپنی معاملہ فہمی، ذہانت، ایمانداری، دیانت داری اور بہادری کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ شیخ فرید درویش صفت امیر تھے جن پر بڑے بڑے مشائخ کو رشک آتا تھا حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "شیخ فرید کے حقوق کا میرے تمام مریدوں کو خیال رکھنا چاہیے"۔ شیخ کے دسترخوان پر روزانہ پانچ سو آدمی کھانا کھاتے تھے اور پانچ سو آدمیوں کے گھر پر کھانا بھیجا جاتا تھا اور جب شیخ باہر تشریف لے جاتے تو ملازمین روپوں اور اشرفیوں کی تھیلیاں ساتھ لئے ہوتے جن کو آپ خیرات کرتے جاتے تھے، اس کے باوجود شیخ نے کوئی جائداد نہیں بنائی، رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا لیکن مسافروں کے لئے انھوں نے جگہ جگہ سرائیں تعمیر کیں، مرنے کے بعد صرف ایک ہزار اشرفیاں اثاثہ چھوڑا۔ آپ ہی وہ امیر کبیر ہیں جن کو شہنشاہ اکبر کے مرنے کے بعد تمام امراء نے اپنا نمائندہ بنا کر جہانگیر کے پاس بھیجا تھا کہ "ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اپنے باپ کی طرح کوئی نیا دین نہ بنائیں"۔ آپ کے متعلق خود جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے "شیخ فرید میرے والد کی خدمت میں میر بخشی تھے میں نے ان کو خلعت، شمشیر مرصع، دوات و قلم مرصع مرحمت فرما کر اسی خدمت پر

بحال رکھا اور ان کی سربلندی کے لئے مابدولت نے فرمایا کہ مابدولت تم کو صاحب السیف والقلم جانتے ہیں۔ اس کے بعد مرتضیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ شیخ فرید جہانگیری دور میں صوبہ گجرات اور پنجاب کے گورنر رہے اور اسی عہدے پر ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ دہلی میں منصور کے مقبرے کے قریب چراغ دہلی کے راستہ پر شیخ کا مزار ہے۔ (نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۴۰۱، ومآثر الامراء ج ۲ ص ۶۳۳ و تزک جہانگیری وغیرہ)

(۱۱۲) فرید تھانیسری (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۴۱۔

۱۱۳ فرید رانہونی (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۹۹۔

۱۱۴ فیض اللہ پانی پتی (مولانا) دفتر اول مکتوب ۳۰۸۔

ق

قاسم (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۹۰۔

(۱۱۵) قاسم علی بدخشی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۱۸ —— آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۷۷۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱۶) قربان (صوفی) دفتر اول مکتوب ۱۱۴۔ (صوفی قربان بیگ) دفتر اول مکتوب ۲۸۳ —— آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ، صاحب حال و ذوق اور سنت نبوی کے بڑے پابند تھے (روضۃ القیومیہ ص ۳۳۹)

(۱۱۷) قربان جدید (صوفی) دفتر سوم مکتوب ۹۷ —— آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے مخصوص احباب میں سے تھے آپ بھی خلافت سے مشرف ہوئے۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)۔

(۱۱۸) قلیج خاں۔ دفتر اول مکتوب ۲۴ - ۴۷ - ۱۴۱ —— (ترکی زبان میں قلیج شیر کو کہتے ہیں) آپ کی شہرت قلیج خاں اندجانی کے نام سے ہے۔ آپ کے باپ دادا کا سلاطین چغتائیہ کے دربار میں کافی اثر و رسوخ رہا۔ خود قلیج خاں نے شہنشاہ اکبر کی خدمت میں خوب قرب و اعتبار حاصل کیا۔ ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں اکبر نے سورت کا قلعہ فتح کر کے اس کو قلیج خاں کی نگرانی میں دیدیا کئی سال کے بعد گجرات بھیجے گئے تاکہ وہاں عمال کی مدد کریں۔ پھر وزارت کی ذمہ داری بھی آپ کو دیدی گئی۔ چونتیسویں سال جلوس میں آپ کو سنبھل کی جاگیر ملی ۱۰۰۵ھ ۱۵۹۶ء میں چار ہزار پانچ سو کے منصب پر فائز ہوئے، جہانگیر کے ابتدائی دور میں گجرات اور پنجاب کے صوبیدار رہے۔ آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، کہتے ہیں کہ پنجاب کی صوبیداری کے زمانے میں ایک بہت بڑے مدرسے میں آپ فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس دینے اور علوم شرعیہ کی ترویج و اشاعت میں بہت کوشش کرتے تھے ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی آپ کے اکثر صاحبزادوں نے امارت کا درجہ پایا۔

(مآثر الامراء ج ۳ ص ۹۱) آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے برادر نسبتی تھے (حضرات القدس اردو ج ۲ ص ۲۸) ——

(۱۱۹) **قلیج اللہ بن قلیج خان** - دفتر اول مکتوب ۴۳ - ۱۸۴ - دفتر دوم مکتوب ۳۲ - آپ قلیج خان مذکور کے صاحبزادے اور مآثر الامراء کے بیان کے مطابق جہانگیری دور کے امراء میں سے تھے۔

ک . گ . ل

(۱۲۰) **کبیر (شیخ)** دفتر اول مکتوب ۹۱-۹۲ — غالباً شیخ کبیر بن شیخ منور لاہوری مراد ہیں جنہوں نے فیضی کا تقرب حاصل کر کے اکبر کے دربار میں رسائی حاصل کی (نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۱۵ و منتخب التواریخ)

(۱۲۱) **کوچک بیگ حصاری** - دفتر اول مکتوب ۲۰۱-

(۱۲۲) **گدا (خواجہ)** دفتر دوم مکتوب ۴۹-

(۱۲۳) **لالہ بیگ** - دفتر اول مکتوب ۸۱ —— آپ اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے بہار کے گورنر بھی رہے - آپ نے صوفیہ کا ایک مبسوط تذکرہ "ثمرات القدس من شجرات الانس" کے نام سے لکھا ہے - (برحاشیہ مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۸۶)

م

(۱۲۴) **محب اللہ مانک پوری (میر سید)** دفتر اول مکتوب ۲۷۲ - ۲۸۵ - ۲۹۸ - ۳۰۵ - دفتر دوم مکتوب ۱۹ — ۸۹ — دفتر سوم مکتوب ۳ - ۷ - ۱۳ - ۲۹ — آپ کا مفصل تذکرہ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۷۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۲۵) **محب علی (مولانا)** دفتر اول مکتوب ۲۹۲ —— مولانا محب علی بن صدر الدین ٹھٹوی سندھی فقیہ و شاعر تھے - آپ کے دادا علی سلطان بابر کے ساتھ ہندوستان آئے اور شہید ہو گئے والد ماجد نے ہمایوں کے ہمراہ بلاد ہند کا سفر کیا اور ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کر لی چنانچہ آپ کی ولادت ٹھٹھہ میں ہوئی - والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا - آپ نے بڑی محنت سے علم حاصل کیا - جب عبد الرحیم خان خاناں نے سندھ فتح کیا تو آپ اُن کے ہمراہ آگرہ چلے گئے پھر ایک عرصہ بعد برہان پور جا کر گوشہ نشین ہو گئے - اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی پھر شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری سے طریقت کی تکمیل کی - اس کے بعد حرمین شریفین چلے گئے - حج کر کے واپس برہانپور آئے تو شاہجہان بادشاہ اپنے ہمراہ دہلی لے آئے اور بقیہ زندگی شاہجہان کی مصاحبت میں گذاری ۱۰۴۰ھ کے بعد انتقال ہوا -

(نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۲)

(۱۲۶) **محمد لاہوری** (مولانا شیخ العالم حاجی) دفتر اول مکتوب ۲۶-۳۳-۳۶تا۳۶ ـــ آپ لاہور کے بڑے عالم اور صاحبِ کمال اساتذہ میں سے تھے، آپ کا گھرانہ علم و فضل کا مرکز تھا، مفتی کے عہدے پر فائز رہے، صحیح بخاری اور مشکوٰۃ کا جب بھی ختم ہوتا تو بہت پر تکلف محفل منعقد کرتے، بڑی عمر پائی۔ آپ کی تمام اولاد علم و کمال میں باپ کا نمونہ تھی۔ (منتخب التواریخ ص ۶۲۵)

(۱۲۷) **محمد اشرف کابلی** (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۳۱-۱۴۷-۱۴۷-۱۸۷-۲۰۵-۲۲۲-۲۳۵-۲۵۱- دفتر دوم مکتوب ۳۰- دفتر سوم مکتوب ۱۰۷ ـــ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ حضرت نے آپ کو فنائے اتم کی خوشخبری دی اور آپ نے باطنی سلوک کی تکمیل کر کے خلافت پائی۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۴۰)

(۱۲۸) **محمد افضل** (مولانا) دفتر دوم مکتوب ۴۳ ـــ غالباً مولانا محمد افضل پانی پتی مراد ہیں جو پانی پت کے مشہور علما میں سے تھے، انشا، شعر اور علوم حکمیہ میں ممتاز تھے شب و روز درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ـــ یا کوئی اور مولانا محمد افضل ہیں جو شہزادہ خرم کے معتمد تھے اور شہزادے نے ان کو مفتی عبدالرحمن کے ہمراہ حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں سجدۂ تعظیمی کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔

(۱۲۹) **محمد امین کابلی** (ملّا) دفتر اول مکتوب ۱۶۶- ۱۹۹ ـــ غالباً مولانا محمد امین بن خواجہ حسینی الہروی ثم لاہوری مراد ہیں۔ آپ ہرات میں پیدا ہوئے وہاں سے قندھار آئے۔ شیخ زین الدین خوافی سے تحصیل علوم کیا۔ عہدِ اکبری میں ہندوستان آئے اور ملک پور (مضافاتِ لاہور) میں بود و باش اختیار کی ۸۶ سال کی عمر پائی (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۱)

(۱۳۰) **محمد تقی** (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۳۶-۵۸-۶۰-

(۱۳۱) **محمد حبیری** خبری (شیخ) دفتر اول مکتوب ۳۷- ۳۸- ۳۹- ۴۰- ۲۹۳ ـــ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے اجل خلفا میں سے تھے۔ حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر آپ نے سلوک باطنی حاصل کر کے خلافت پائی ہزارہا لوگوں نے آپ سے بیعت کی، آپ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)

(۱۳۲) **محمد سعید** (مخدوم زادگی خواجہ) مکتوبات شریفہ میں چوبیس [۲۴] مکتوبات ایسے ہیں جن میں تیرہ [۱۳] مکتوبات صرف آپ کے نام ہیں وہ یہ ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۵۹-۲۹۶-۳۱۱- دفتر دوم مکتوب ۳-۷۱-۹۱- دفتر سوم مکتوب ۴۶-۴۸-۶۱-۷۳-۷۷-۸۸-۹۳- اور نو [۹] مکتوب آپ کے اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہما دونوں کے نام درج ہیں وہ یہ ہیں: دفتر دوم مکتوب ۵۵-۹۸- دفتر سوم مکتوب ۲-۴۳-۶۴-۷۸-۸۳-۸۵-۱۰۴- نیز دو مکتوبات میں صرف "بزرگ صاحبزادوں کے نام" لکھا ہوا ہے: دفتر سوم مکتوب ۸۳-۱۰۶- آپ کا تذکرہ صفحہ ۶۹۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محمد شرف الدین حسین بدخشی (خواجہ) (ملاحظہ ہو شرف الدین حسین)

(۱۳۳) **محمد شریف**۔ دفتر اول مکتوب ۹۱ ــــ غالباً معتمد خاں بخشی مراد ہیں۔ آپ کا اصل نام محمد شریف تھا اور معتمد خاں کے خطاب سے سرفراز تھے۔ کئی سال تک احدیوں کے بخشی بھی رہے، کوئی وقت ایسا نہیں گزرا کہ کسی نہ کسی منصب پر فائز نہ رہے ہوں۔ جب جہانگیر پہلی مرتبہ کشمیر جا رہا تھا تو آپنے راستہ میں اس کے لئے ہر چیز مہیا کی جس کی وجہ سے بادشاہ کی نظر کرم آپ پر اور زیادہ ہو گئی۔ آپ کو تاریخ سے بے حد لگاؤ تھا اور تاریخ عالم کی متعدد کتابیں مہیا کی تھیں۔ فتحپور دیوی کا پرگنہ آپ کو جاگیر میں ملا تھا جس کا انتظام ایک خواجہ سرا کے ہاتھ میں تھا شاہجہاں کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۱۳)

(۱۳۴) **محمد صادق** (مخدوم زادہ میاں خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۸۱-۲۰۸-۲۳۴-۲۳۶-۲۶۰ ــــ آپ کا مفصل تذکرہ اولاد امجاد کے باب میں صفحہ ۶۹۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۳۵) **محمد صادق** کشمیری (مولانا) دفتر اول مکتوب ۱۰۶-۱۰۷ــ دفتر دوم ۲۲-۲۸- دفتر سوم مکتوب ۳۹ ــــ مولانا محمد صادق کشمیری ابن کمال الدین حنفی اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے تھے۔ فقیر محمد جہلمی نے آپ کا تذکرہ حدائق الحنفیہ" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ بڑے فصیح و بلیغ حاضر دماغ علما میں سے تھے جزئیات خوب یاد تھیں منطق، حکمت اور طب میں بڑی مہارت حاصل تھی اسی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو اپنی مجلس میں بلایا اور ملا حبیب اللہ شیعہ سے مناظرہ کرایا۔ آپنے اس کو لاجواب کر کے ساکت کر دیا تھا کشمیر میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۲۸)

(۱۳۶) **محمد صادق** ولد حاجی محمد مومن۔ دفتر دوم مکتوب ۴۴۔

مولانا محمد صالح بدخشی کولابی (ملاحظہ ہو صالح بدخشی کولابی)

(۱۳۷) **محمد صدیق** بدخشی (حقائق آگاہ مولانا) ملقب بہ ہدایت۔ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ تا ۱۳۶ ۱۶۲-۱۶۷-۱۸۸-۲۱۲- دفتر دوم مکتوب ۲۱-۵۱- دفتر سوم مکتوب ۸ ــــ آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۷۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۳۸) **محمد طالب** بدخشی (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۴۸۔

(۱۳۹) **محمد طالب** بیانکی (ملا) دفتر اول مکتوب ۲۳۷۔

مولانا محمد طاہر بدخشی (ملاحظہ ہو طاہر بدخشی)

مولانا محمد طاہر لاہوری (ملاحظہ ہو طاہر لاہوری)

(۱۴۰) **محمد عارف** ختنی (ملا) دفتر دوم مکتوب ۹۔

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ (ملاحظہ ہو عبداللہ) ــ پیرزادہ خواجہ محمد عبیداللہ (ملاحظہ ہو عبیداللہ)

(۱۴۱) **محمد فرکتی** (مولانا حاجی) دفتر اول مکتوب ۳۰۹۔ دفتر دوم مکتوب ۲۴۔ ۳۰۔ آپ بظاہر اہلِ سپاہ
میں سے ہیں اور بباطن حضرت مجددؒ کی خانقاہ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۴۹)

خواجہ محمد قاسم بدخشی (ملاحظہ ہو ابوالقاسم)

محمد قلیج خاں (ملاحظہ ہو قلیج خاں)

(۱۴۲) **محمد مراد بدخشی کشمی** (ملا) خادم میر محمد نعمان۔ دفتر دوم مکتوب ۴۹۔ دفتر سوم مکتوب ۲۴۔

(۱۴۳) **محمد مراد توربیگی**۔ دفتر دوم مکتوب ۸۱۔

(۱۴۴) **محمد معصوم** (مخدوم زادگی مجدالدین خواجہ) مکتوبات شریف میں ستائیس [۲۷] مکتوبات ایسے ہیں
جن میں سولہ مکتوب صرف آپ کے نام ہیں وہ یہ ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۲۹۴۔ ۳۰۰۔ ۳۰۲۔
دفتر دوم مکتوب ۶۔ ۱۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ دفتر سوم مکتوب ۵۳۔ ۶۲۔ ۷۴۔ ۷۶۔ ۷۹۔ ۸۰۔
۹۴۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ اور نو مکتوب آپ کے اور حضرت خواجہ محمد سعیدؒ دونوں کے نام ہیں جو حسب
ذیل ہیں۔ دفتر دوم مکتوب ۵۵۔ ۹۸۔ دفتر سوم مکتوب ۲۔ ۴۳۔ ۶۴۔ ۷۸۔ ۸۲۔ ۸۵۔
۱۰۴۔ نیز دو مکتوب ایسے ہیں جن میں صرف "بزرگ صاحبزادوں کے نام" لکھا ہے وہ یہ ہیں۔
دفتر سوم مکتوب ۸۳۔ ۱۰۶۔ آپ کا مفصل تذکرہ اولاد امجاد کے باب میں صفحہ ۳۰۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴۵) **محمد معصوم کابلی** (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۴۰۔ ۱۸۳۔ آپ علوم حکمیہ کے بہت
بڑے عالم تھے چنانچہ مخدوم زادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ نے علوم حکمیہ
آپ ہی سے پڑھا تھا۔ ۱۰۲۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۴۶) **محمد مقیم قصوری**۔ دفتر سوم مکتوب ۲۹۔ محمد مقیم قصوری اپنے والد شاہ ابوالمعالی کے انتقال کے
وقت کم سن تھے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد تلاشِ مرشد میں لاہور پہنچے اور حیات المیر زندہ پیر کی خدمت
میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ ۱۰۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ (حدیقۃ الاولیاء ص ۱۹)

(۱۴۷) **محمد مکی** (شیخ) بن حاجی قاری موسیٰ لاہوری۔ دفتر اول مکتوب ۲۱۔

(۱۴۸) **محمد مودود** (برادر حقیقی (حضرت مجدد) میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۲۶۔ دفتر دوم مکتوب ۱۰۔

(۱۴۹) **محمد مومن** ولد مرحوم خواجہ علی خان۔ دفتر دوم مکتوب ۶۴۔ (نسخہ: علی جان)

(۱۵۰) **محمد نعمان بدخشی کشمی** (سیادت مآب میر) دفتر اول مکتوب ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۷۳۔ ۲۰۴۔
۲۰۹۔ ۲۲۴۔ ۲۲۸۔ ۲۳۱۔ ۲۳۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۷۔ ۲۶۱۔ ۲۸۱۔ ۳۱۲۔ دفتر دوم مکتوب ۴۔
۹۲۔ ۹۹۔ دفتر سوم مکتوب ۱۔ ۴۔ ۵۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۲۔ ۱۵۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۱۔ ۲۶۔ ۳۰۔ ۳۶۔ ۴۹۔
۱۰۲۔ آپ کا مفصل تذکرہ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۵۱) محمد ہاشم بدخشی کشمی (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۲۹۰-۳۱۰-۳۱۳- دفتر دوم مکتوب ۴۷-۹۳-۹۷- دفتر سوم مکتوب ۴۲-۵۲-۶۸-۷۵-۹۰-۹۳-۹۶ — آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۸۸۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۵۲) محمد ہاشم خادم (مولانا) دفتر دوم مکتوب ۹۵ — آپ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خادم ہیں۔ آپ ہی بوقتِ رحلت استنجا کے لئے بغیر ریت کا طشت لائے تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا اس طشت میں ریت لاؤ بغیر ریت کے قطرات اڑیں گے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۳۲)

(۱۵۳) محمد یوسف (شیخ) دفتر اول مکتوب ۵۷۔

(۱۵۴) محمود لاہوری (حافظ) دفتر اول مکتوب ۱۴۴-۱۷۵-۲۸۰- (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۸۹ پر حافظ محمود گجراتی درج ہے) آپ کا تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۷۹۵ پر ملاحظہ ہو)

(۱۵۵) محمود (سیادت پناہی سید) دفتر اول مکتوب ۵۸ تا ۶۱۔ دفتر دوم مکتوب ۸۳ —— غالباً سید محمود بارہہ مراد ہیں، آپ سادات بارہہ سے تھے سنبھل وطن تھا، شجاعت و سخاوت میں مشہور تھے۔ اکبر نے پنج ہزاری کی خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ کسی نے مذاق میں آپ سے کہا کہ آپ سادات سے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ اسی وقت اس آگ میں جاکر کھڑے ہوگئے جو ملنگ فقیر دھونی کے لئے جلائے رکھتے ہیں اور فرمایا "اگر سیدم آتش کارگر نیست واگر سید نیستم می سوزم دلیل دیگر از حسب ونسب ندارم" اور تقریباً ایک ساعت اس آگ میں کھڑے رہے لوگوں نے بڑی منت سماجت کی تو باہر تشریف لائے۔ مخملی جوتا جو آپ کے پاؤں میں تھا اس کا رُواں تک نہ جلا۔ (ذخیرۃ الخوانین ج۲ ص ۱۸۲)

(۱۵۶) محمود (پہلوان) دفتر اول مکتوب ۸۷-۸۸-۱۹۷۔
مرتضیٰ خاں۔ دفتر اول مکتوب ۲۶۹ (ملاحظہ ہو شیخ فرید بخاری)۔

(۱۵۷) مزمل (میاں شیخ) دفتر اول مکتوب ۱۵۳ تا ۱۵۶ —— آپ کا مفصل تذکرہ خلفا کے باب میں صفحہ ۷۹۳ پر ملاحظہ ہو۔

(۱۵۸) مظفر (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۰۲۔

(۱۵۹) مظفر خاں (مرزا) دفتر اول مکتوب ۱۷۸- دفتر دوم مکتوب ۷۵۔

(۱۶۰) مقصود علی تبریزی۔ دفتر دوم مکتوب ۹۵- دفتر سوم مکتوب ۲۲-۳۲۔

(۱۶۱) مقیم (خواجہ) دفتر اول مکتوب ۱۲۸۔

(۱۶۲) **ممریز خاں** افغان۔ دفتر سوم مکتوب ۵۵ — ممریز خاں بن عیسیٰ خاں نیازی، خان جہاں کے ساتھیوں میں سے تھا اور منصب پر فائز تھا۔ عہدِ شاہجہانی میں ۱۰۳۹ھ میں جب خان جہاں لودھی باغی ہو کر آگرہ سے دھولپور کی طرف بھاگا تو اس کے مصاحبین و معاونین نے شاہی دستہ سے مقابلہ کیا جس میں بہت سے آدمی مارے گئے ان میں ممریز خاں بھی تھا۔

(۱۶۳) **منصور عرب**۔ دفتر اول مکتوب ۱۸۵۔ ۱۹۶۔

(۱۶۴) **منصور** (میر)۔ دفتر سوم مکتوب ۶۳۔ ۶۷۔ ۱۲۰ — جس وقت جہانگیر مہابت خاں کی حراست میں تھا اسوقت میر منصور بدخشی نے ترکی زبان میں جہانگیر سے کہا تھا کہ یہ تحمل کا وقت ہے (ماثر ج ۳ ص ۴۴۳)

(۱۶۵) **منوچہر** (میرزا) دفتر سوم مکتوب ۳۵ — میرزا منوچہر بن میرزا ایرج شاہنواز خاں بن عبدالرحیم خان بیرم خانی خاندان کی یادگار ہے جہانگیر نے اس کو میرزا خاں کے خطاب و مناصب وغیرہ سے نوازا۔ ۱۰۵۳ھ میں وفات پائی۔ (ماثر الامراء ج ۳ ص ۴۸۷)

(۱۶۶) **مودود محمد** (مولانا شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۱۹۔

(۱۶۷) **موسیٰ** شوجین (قاضی) دفتر سوم مکتوب ۶۹۔

(۱۶۸) **مؤمن** بلخی (میر) دفتر اول مکتوب ۱۵۱۔ دفتر سوم مکتوب ۹۹۔

(۱۶۹) **مہدی علی** کشمیری (خواجہ) دفتر دوم مکتوب ۵۲۔

ن

(۱۷۰) **نصراللہ** (قاضی) دفتر سوم مکتوب ۵۰۔

(۱۷۱) **نظام** تھانیسری (شیخ)۔ دفتر اول مکتوب ۲۹۔ ۳۰ — شیخ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور عمری بلخی تھانیسری، ظاہری و معنوی کمالات سے متصف، شریعت و طریقت اور علم و عمل کے جامع تھے نیز حقیقت و معرفت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے چچا شیخ جلال الدین عمری تھانیسری سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے شہزادہ خرم کے ساتھ تعاون کرنے پر جہانگیر سے مخالفت ہو گئی تھی ۱۰۲۴ھ میں بلخ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۱۸ و تذکرہ علماء ہند)

(۱۷۲) **نظام** (سید) دفتر اول مکتوب ۱۲۹ — غالباً سید نظام مرتضیٰ خاں مراد ہیں جو میران صدر جہاں حسینی پہانی کے چھوٹے فرزند تھے۔ باپ نے تعلیم و تربیت بہت اچھی کی تحصیل علوم کے بعد شاہی ملازمت میں بڑے منصب پر پہنچے، دولت آباد کی مہم میں کارنمایاں انجام دیئے۔

مہابت خاں نے آپ کو دولت آباد کا قلعہ دار بنانا چاہا لیکن آپ نے اس عہدہ کو قبول نہیں کیا۔ آخر مہابت خاں نے مرتضیٰ خاں کا خطاب مکرر دلوا دیا اور بسان کی مہم پر بھیج دیا جس کو آپ نے سر کر لیا۔ اس کے بعد اسی علاقہ میں عزت کی زندگی گزاری (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۴۲)

(۱۷۳) **نور الحق** (شیخ) دفتر سوم مکتوب ۱۰۰ —— آپ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں، بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، اپنے والد ماجد سے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے مرید ہو کر سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے مشرف ہوئے اس کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم مجددی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہو کر اعلیٰ مقامات حاصل کئے۔ شاہجہاں کے زمانے میں اکبر آباد کے قاضی مقرر ہوئے صاحب تصانیف تھے ۱۰۷۳ھ میں نوے سال کی عمر میں دہلی میں انتقال ہوا (تذکرہ علماء ہند و خزینۃ الاصفیا)

(۱۷۴) **نور** (شیخ)۔ دفتر اول مکتوب ۱۷۰۔

(۱۷۵) **نور محمد** (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۷۰۔ دفتر دوم مکتوب ۸۵۔

(۱۷۶) **نور محمد** تہاری (شیخ) دفتر دوم مکتوب ۳۴۔ دفتر سوم مکتوب ۱۱۱ — ۱۲۳۔ بہاری

شیخ نور محمد شیخ کا مفصل تذکرہ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۹۵ پر ملاحظہ ہو (نمبر ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶ غالباً ایک ہی بزرگ ہیں)

(۱۷۷) **نور محمد** انبالی۔ دفتر دوم مکتوب ۹۳۔

ہ

(۱۷۸) **ہردے رام**۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۷۔

ی

(۱۷۹) **یار محمد** جدید بدخشی طالقانی۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۰ —— آپ کا مفصل تذکرہ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۹۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۸۰) **یار محمد** قدیم بدخشی (ملا) دفتر اول مکتوب ۱۱۷۔ ۲۱۱ —— آپ کا مفصل تذکرہ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۸۱) **یوسف** برکی (شیخ) دفتر اول مکتوب ۲۳۰۔ ۲۴۰۔ ۲۷۴۔ دفتر دوم مکتوب ۷۹۔ آپ کا تذکرہ خلفاء کے باب میں صفحہ ۷۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۸۲) **یوسف** کشمیری مؤذن (حاجی) دفتر اول مکتوب ۲۹۵۔ ۳۰۳۔ دفتر دوم مکتوب ۳۸۔

بغیر نام کے مکاتیب

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کی جملہ تصانیف

- اثبات النبوۃ: (عربی اردو) عہد اکبری کی کافرانہ رسم و رواج کے رد میں۔
- رسالہ تہلیلیہ: (عربی اردو) عہد اکبری میں کلمہ طیبہ کے غلط استعمال کے خلاف
- شرح رباعیات: (فارسی اردو) حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی رباعیات کی شرح ۵۰/۱
- کوائف شیعہ: (" ") فضائل صحابہؓ اور شیعہ عقائد کے بیان میں
- مبدأ و معاد: (" ") حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا مشہور رسالہ
- معارف لدنیہ (" ") یہ بھی مشہور رسالہ ہے
- مکاشفات غیبیہ (" ") حضرت کے اجازت ناموں اور مکاشفات پر مشتمل ہے ۵۰/۱
- مکتوبات شریف کامل ہر سہ دفتر (فارسی) امرتسر والے نسخہ کا عکسی مطبوعہ۔ ہر سہ دفتر

دیگر تصانیف

مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ (فارسی)

کتابیات

۱ - اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) از حضرت مجدد علیہ الرحمہ (ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی ۱۳۸۳ھ)
۲ - اخبار الاخیار (فارسی) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ)
۳ - اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۶۶ء)
۴ - اربع انہار۔ حضرت شاہ ابو سعید نقشبندی مجددی
۵ - اشعۃ اللمعات۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۳۲ھ)
۶ - اصح السیر۔ ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری (مطبوعہ اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی)
۷ - اصول فقہ اور شاہ ولی اللہؒ۔ از ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب۔ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۷۳ء
۸ - انوار احمدیہ۔ از مولانا وکیل احمد سکندرپوری۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ
۹ - بزم تیموریہ۔ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے۔ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ
۱۰ - بزم صوفیہ۔ " " " "
۱۱ - بہجۃ الانظار فی بشارات الابرار۔ از حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹوی
(فارسی مخطوطہ۔ مملوکہ حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی)
۱۲ - تابعین۔ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ
۱۳ - التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول تالیف الشیخ منصور علی ناصف۔ دار احیاء الکتب العربیہ مصر۔
۱۴ - تاریخ دعوت و عزیمت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی، ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۶۳ء
۱۵ - تاریخی مقالات۔ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب۔ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۰ء۔
۱۶ - تائید مذہب اہل سنت۔ مولانا محبوب الٰہی صاحب۔ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۳۸۸ھ
۱۷ - تذکرہ مجدد الف ثانیؒ۔ مولانا منظور احمد نعمانی صاحب۔ الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۰ء
۱۸ - تذکرہ علماء ہند۔ مولانا رحمان علی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء
۱۹ - تذکرہ علماء ہند۔ ترجمہ پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء
۲۰ - ترجمان السنۃ۔ حضرت مولانا سید محمد بدر عالمؒ۔ ندوۃ المصنفین دہلی۔
۲۱ - تفسیر ابن کثیر۔ حافظ ابن کثیر
۲۲ - تفسیر عزیزی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
۲۳ - تفسیر مظہری۔ للعلامہ القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی المجددی الپانی پتی۔ ندوۃ المصنفین دہلی
۲۴ - تقصار جیود الاحرار۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۸ھ

۲۵ ۔ تہلیلیہ (عربی مع اردو ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانیؒ ادارۂ مجددیہ کراچی سنہ ۱۳۸۴ھ
۲۶ ۔ تزکِ جہانگیری ۔ جہانگیر بادشاہ (پرائیویٹ پریس علی گڑھ سنہ ۱۲۸۱ھ)
۲۷ ۔ تزکِ جہانگیری ۔ مترجمہ سلیم واحد سلیم (مجلس ترقی ادب لاہور سنہ ۱۹۶۰ء)
۲۸ ۔ جامع المجددین ۔ مولانا عبد الباری لکھنوی صاحب (مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ سنہ ۱۳۶۹ھ)
۲۹ ۔ جمع الفوائد ۔ من جامع الاصول و مجمع الزوائد للامام محمد بن محمد بن سلیمان (السید عبد اللہ ہاشم المدنی بالمدینۃ المنورۃ)
۳۰ ۔ جمہرۃ الانساب ۔ ابن حزم اندلسی
۳۱ ۔ جواہر علویہ ۔ مولانا عبد الرؤف احمد ۔ ملک فضل الدین جنن الدین لاہور
۳۲ ۔ جواہر مجددیہ ۔ خواجہ احمد حسین امروہوی ۔ " " "
۳۳ ۔ جواہر معصومیہ " " " " "
۳۴ ۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ۔ خلیفہ محمد حسن کرنیوی " "
۳۵ ۔ حالات و مقامات ۔ مولوی عبد الاحد ۔ مطبع مجتبائی دہلی
۳۶ ۔ حدیقۃ الاولیا ۔ مفتی غلام سرور لاہور ۔ مطبع نامی نولکشور کانپور سنہ ۱۹۰۶ء
۳۷ ۔ حسنات الحرمین ترجمہ یواقیت الحرمین ۔ خواجہ عبید اللہؒ فرزند حضرت خواجہ محمد معصومؒ
(فارسی مخطوط مملوکہ حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی
۳۸ ۔ حضرات القدس (فارسی) حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ ۔ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور سنہ ۱۹۷۱ء
۳۹ ۔ " " (اردو ترجمہ) " " اللہ والوں کی قومی دکان سنہ ۱۳۴۳ھ
۴۰ ۔ حیات باقی ۔ مولانا رشید احمد صاحب ارشد ۔ دستگیر کالونی کراچی سنہ ۱۹۶۹ء
۴۱ ۔ خزینۃ الاصفیا ۔ مفتی غلام سرور لاہوری ۔ مطبع نامی نولکشور کانپور سنہ ۱۳۳۲ھ
۴۲ ۔ دربار قادری ۔ شاہ محمود علی صاحب مائل کرنالی ۔ مطبوعہ اشرف پریس لاہور سنہ ۱۹۵۸ء
۴۳ ۔ درر المکنونات النفیسہ (معرب مکتوبات) شیخ مراد منزلوی ۔ مطبع میریۃ الکائنہ مکہ مکرمہ سنہ ۱۳۱۶ھ
۴۴ ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ۔ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب ۔ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۰ء
۴۵ ۔ ذخیرۃ الخوانین ۔ ڈاکٹر سید معین الحق صاحب ۔ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی
۴۶ ۔ ذکر المعارف ۔ از سید شوکت حسین الہ آباد ۔ سنہ ۱۳۴۲ھ
۴۷ ۔ رحمۃ للعالمین ۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ۔ شیخ غلام علی تاجر کتب لاہور سنہ ۱۳۵۳ھ
۴۸ ۔ رشحات معرب ۔ شیخ محمد مراد منزلوی ۔ مطبع میریۃ الکائنہ مکہ مکرمہ سنہ ۱۳۰۰ھ
۴۹ ۔ رود کوثر ۔ شیخ محمد اکرام ۔ فیروز سنز لمیٹڈ کراچی سنہ ۱۹۷۰ء
۵۰ ۔ روضۃ القیومیہ ۔ خواجہ کمال الدینؒ ۔ اللہ والوں کی قومی دکان لاہور سنہ ۱۳۳۵ھ
۵۱ ۔ زبدۃ المقامات ۔ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمیؒ ۔ مطبع نامی نول کشور کانپور سنہ ۱۳۰۷ھ

۵۲ - سبحۃ المرجان - علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (مطبوعہ ملک الکتاب بمبئی ۱۳۰۳ھ)
۵۳ - سبع سیارہ مع ایضاح الطریقہ - حضرت شاہ غلام علیؒ (مطبع احمدی رامپور ۱۸۹۹ء)
۵۴ - سفینۃ الاولیاء - داراشکوہ (مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۳۱۲ھ)
۵۵ - سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ - محمد احسان اللہ عباسی گورکھپوری (رامپور ۱۹۲۶ء)
۵۶ - سیرت امام ربانی - محمد داؤد بن مولانا نور احمد امرتسری (دار الاشاعت امرتسر ۱۳۴۳ھ)
۵۷ - سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم - حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (دار الاشاعت کراچی ۱۳۶۹ھ)
۵۸ - سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم - علامہ شبلی نعمانی (مطبع معارف اعظم گڑھ)
۵۹ - سیر الصحابہؓ - شاہ معین الدین احمد ندوی - مطبع معارف اعظم گڑھ
۶۰ - شمائل ترمذی - امام ترمذیؒ - اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی
۶۱ - شرح رباعیات (فارسی مع اردو) ادارۂ مجددیہ - ناظم آباد - کراچی ۱۳۸۶ھ
۶۲ - صحیح بخاری - نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی
۶۳ - صدیق اکبرؓ - مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی - ندوۃ المصنفین دہلی
۶۴ - طبقات ابن سعد - ابو عبد اللہ محمد بن سعد
۶۵ - عبد اللہ خویشگی قصوری - محمد اقبال مجددی - شمس الدین تاجر کتب لاہور ۱۳۹۱ھ
۶۶ - عبد القدوس گنگوہیؒ - اعجاز الحق قدوسی - آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء
۶۷ - علماء المسلمین - حسین حلمی صاحب ایشق - مکتبہ ایشق ترکی ۱۳۹۲ھ
۶۸ - علماء ہند کا شاندار ماضی - مولانا محمد میاں - دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۶۵ھ
۶۹ - عمدۃ السلوک - مؤلف کتاب ہذا ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی
۷۰ - عمدۃ الفقہ ″ ″ ″ ″
۷۱ - عمدۃ المقامات - خواجہ محمد فضل اللہ مجددیؒ حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ۱۳۵۵ھ
۷۲ - الفرقان - مولانا منظور احمد صاحب نعمانی لکھنؤ
۷۳ - کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء - حضرت خواجہ محمد فرخ نبیرہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ
(فارسی مخطوط مملوکہ حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی)
۷۴ - کلمات طیبات - ابو الخیر محمد بن احمد مرادآبادی - مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ
۷۵ - کلیات باقی - حضرت خواجہ باقی باللہؒ (ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۷ء)
۷۶ - کواشف شیعہ (فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ (رامپور ۱۳۸۴ھ)
۷۷ - لمعات التنقیح - شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (مکتبۃ المعارف العلمیہ ۱۳۹۰ھ)
۷۸ - مآثر الامراء - مترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری (مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۹ء)

۷۹ — مبدأ معاد - (فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ (ادارۂ مجددیہ کراچی)
۸۰ — مجمع بحار الانوار - شیخ محمد بن طاہر پٹنی (مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۲۸۳ھ)
۸۱ — مجموعہ فتاوٰی عزیزی - حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۱۱ھ)
۸۲ — مجموعۃ الفتاوٰی - مولانا عبدالحی لکھنویؒ (مطبع یوسفی لکھنؤ سنہ ۱۳۲۵ھ)
۸۳ — مخدوم جہانیاں جہاں گشت - پروفیسر محمد ایوب قادری - (ادارۂ تحقیق و تصنیف کراچی سنہ ۱۹۶۳ء)
۸۴ — مرقاۃ المفاتیح - علی بن سلطان محمد القاری (مکتبہ امدادیہ ملتان)
۸۵ — مشکوٰۃ - امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی (کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)
۸۶ — معارفِ لدنیہ (فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ (ادارۂ مجددیہ کراچی سنہ ۱۳۸۸ھ)
۸۷ — معاشری و علمی تاریخ - ڈاکٹر سید معین الحق صاحب ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سنہ ۱۹۶۵ء
۸۸ — مکاشفاتِ عینیہ (فارسی مع اردو) حضرت مجدد الف ثانیؒ (ادارۂ مجددیہ کراچی سنہ ۱۳۸۴ھ)
۸۹ - معمولات یومیہ و بیلے حضرت مجدد علیہ الرحمہ - از خواجہ محمد صالح کولابیؒ
(فارسی مخطوطہ مملوکہ حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی۔)
۹۰ - مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مطبوعہ امرتسر
۹۱ - مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ
۹۲ - مکتوبات سیفیہ - حضرت خواجہ سیف الدین قدس۔ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب
۹۳ - منتخب التواریخ - ملا عبدالقادر بدایونی - شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سنہ ۱۹۶۲ء
۹۴ - مہاجرین - شاہ معین الدین احمد ندوی - مطبع معارف اعظم گڑھ سنہ ۱۹۵۲ء
۹۵ - نزہۃ الخواطر - علامہ عبدالحی لکھنوی - دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۶۵ھ
۹۶ - نفحات الانس - حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۳۳۳ھ
۹۷ - وصال احمدی - فارسی مع اردو ترجمہ - محترم ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب سنہ ۱۳۸۸ھ
۹۸ - ہدیۂ مجددیہ - مولانا وکیل احمد سکندرپوری - مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۱۱ھ

۹۹ - شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات - از اعجاز الحق قدوسی - آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی سنہ ۱۹۶۱ء

مؤلفِ کتابِ ھٰذا

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہٗ کی دیگر تصانیف

عمدۃ الفقہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ العالی کی یہ وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو علماءِ عصر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے اور جس پر حضرت ممدوح سالہا سال سے نہایت درجہ محنت و کاوش فرما رہے ہیں جو متعلقہ مسائل کو نہایت احتیاط کے ساتھ شامی، عالمگیری، درمختار، غایۃ الاوطار، طحطاوی، نورالایضاح وغیرہ عربی کی بہت سی کتابوں سے اخذ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب موصوف نے جزئیات و مسائل کا اتنا استقصاء فرمایا ہے کہ اردو تو اردو عربی کی کسی ایک کتاب میں اتنا ذخیرہ مشکل سے نظر آئیگا، نہایت عمدہ شگفتہ اور سلیس اردو میں اتنا ذخیرہ اسی کتاب کی خصوصیت ہے، کتابت طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ۔

- حصۂ اول:- کتاب الایمان و کتاب الطہارت $\frac{20 \times 30}{8}$ دوبارہ زیرِ طبع
- حصۂ دوم:- کتاب الصلوٰۃ " ۵۶۰ صفحات مجلد
- حصۂ سوم:- کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم " ۴۳۲ " "
- حصۂ چہارم:- کتاب الحج " زیرِ ترتیب

- زبدۃ الفقہ خلاصہ عمدۃ الفقہ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ $\frac{23 \times 18}{8}$ قیمت ۳/۵۰
- " " " کتاب الصلوٰۃ " ۷/-
- " " " کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم
- " " " کتاب الحج
- حضرت مجدد الف ثانی رح (کتاب ہذا)
- سوانح حیات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ
- حیات سعیدیہ۔ سوانح حیات حضرت خواجہ محمد سعید قریشی احمد پوری
- گلدستۂ مناجات۔ عربی، فارسی اور اردو مناجات ۷۵/-

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی ۱۸

مؤلف کتابِ ہذا کی ایک اور معرکۃ الآرا پیشکش

انوارِ معصومیہ

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" نے ملک کے دینی و علمی حلقوں سے حوصلہ افزا خراج تحسین حاصل کیا۔ ہر طبقہ کے قارئین نے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور تھوڑی ہی مدت میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ اب اضافوں کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن نذرِ قارئین ہے۔ ساتھ ہی "ادارہ" حق سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں شکر بجالاتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ اُسے مؤلف موصوف کی ایک اور گرانقدر تحقیقی کتاب "انوارِ معصومیہ" کی اشاعت کی سعادت بھی عنقریب حاصل ہو رہی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے تجدیدی کارناموں کو زندہ اور باقی رکھنے کا دور رس فریضہ آپ کے خلیفہ و جانشین فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کا ہی کارنامہ ہے۔ آپ کی دینی خدمات وہ بنیاد فراہم کرتی ہیں جن پر آج دین حق کی عمارت قائم ہے لیکن افسوس کہ اب تک آپ کی سوانح و خدمات پر چند جستہ مضامین کے علاوہ صرف ایک ۸۴ صفحات کا مختصر رسالہ "جواہرِ معصومیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا، وہ بھی عرصہ سے نایاب ہے۔ مؤلف موصوف نے پہلی بار حضرت خواجہ محمد معصومؒ پر ایک مبسوط اور جامع کتاب پیش کر کے نہ صرف بہت بڑا خلا پُر کیا ہے بلکہ اس تاریخی نکتہ کو بھی واضح کر دیا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں کی حقیقی قدر و منزلت اور عہدِ حاضر پر تعمیری اثرات کا اس وقت تک صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ کے جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی دینی اصلاحات و خدمات کا بھی جائزہ نہ لیا جائے۔ "مکتوباتِ معصومیہ" کی روشنی میں بڑے مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ تعلیماتِ مجددی کے اصل شارح اور قیوم حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ ہی ہیں اور عہدِ حاضر کے علمائے حق بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کے خوشہ چین ہیں۔ یہ تمام حقائق تاریخی اور سیاسی پس منظر کے ساتھ بڑے دلنشین انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

نیز کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" اگر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اسلاف و اجداد کے حالات پیش کرتی ہے تو موجودہ کتاب آپ کی اولاد و احفاد کی تفصیل سامنے لاتی ہے، پہلی کتاب ضرورت و اسبابِ تجدید کا خاکہ اور تجدیدی کارناموں کی مظہر ہے تو موجودہ کتاب تجدید کے دور رس عواقب و نتائج کا آئینہ ہے اور بتاتی ہے کہ ایک شاندار ماضی حال کی کشمکش سے گذر کر ایک درخشاں مستقبل کی ضمانت کیونکر دیتا ہے۔ اس طرح "انوارِ معصومیہ" دراصل کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کا ہی تکملہ ہے۔

امید ہے کہ اہلِ نظر اس پیشکش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور پسند فرمائیں گے انشاء اللہ بہت جلد پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ صفحات قیمت

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳۔ کراچی ۱۸